تحریکِ قرامطہ کی پُراسرار داستان

بغداد کی رات

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5[illegible]

قمر اجنالوی

مکتبۃ القریش، چوک اردو بازار لاہور

www.urdukorner.com

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634

"وہ لوگ جنہیں تاریخ سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے قمر اجنالوی صاحب کا یہ ناول بہت پسند کریں گے کیوں کہ انہوں نے "چاہِ بابل" کی طرح اس ناول کے سلسلے میں بھی بہت تحقیق کی ہے۔

(رخسانہ سہام مرزا، کراچی)

S-527, BHABRA BAZAR,
Cell: 0345-5048634 · 0345-5
Prop: Ali Abbas

تصویر نامہ

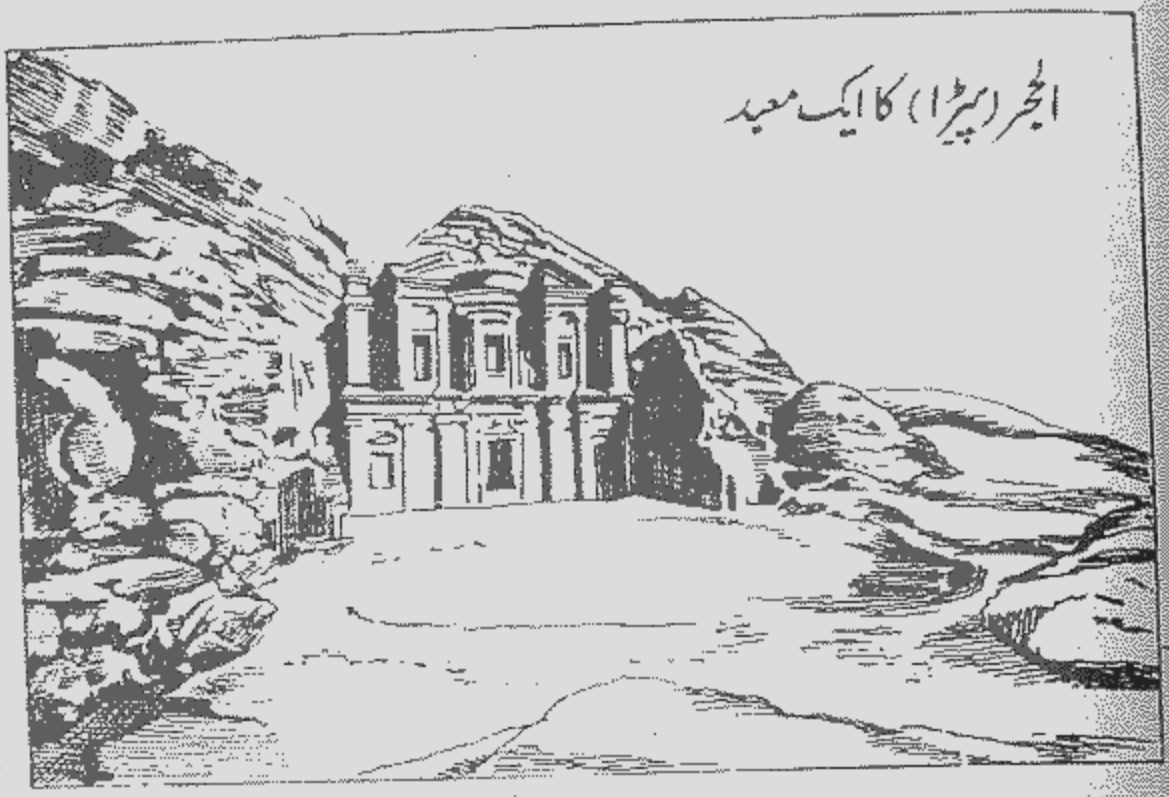

الحجر (پیٹرا) کا ایک معبد

الحجر کے علاقے میں قصر العمرہ یا ویران معبد

www.urdukorner.com

بادیۂ شام کے حاشیے پر ملکہ الزباء (زنوبیہ) کی ریاست تدمر کی دیوارِ فتح

S-527, BHABRA BAZAR, ARAMBAGH
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

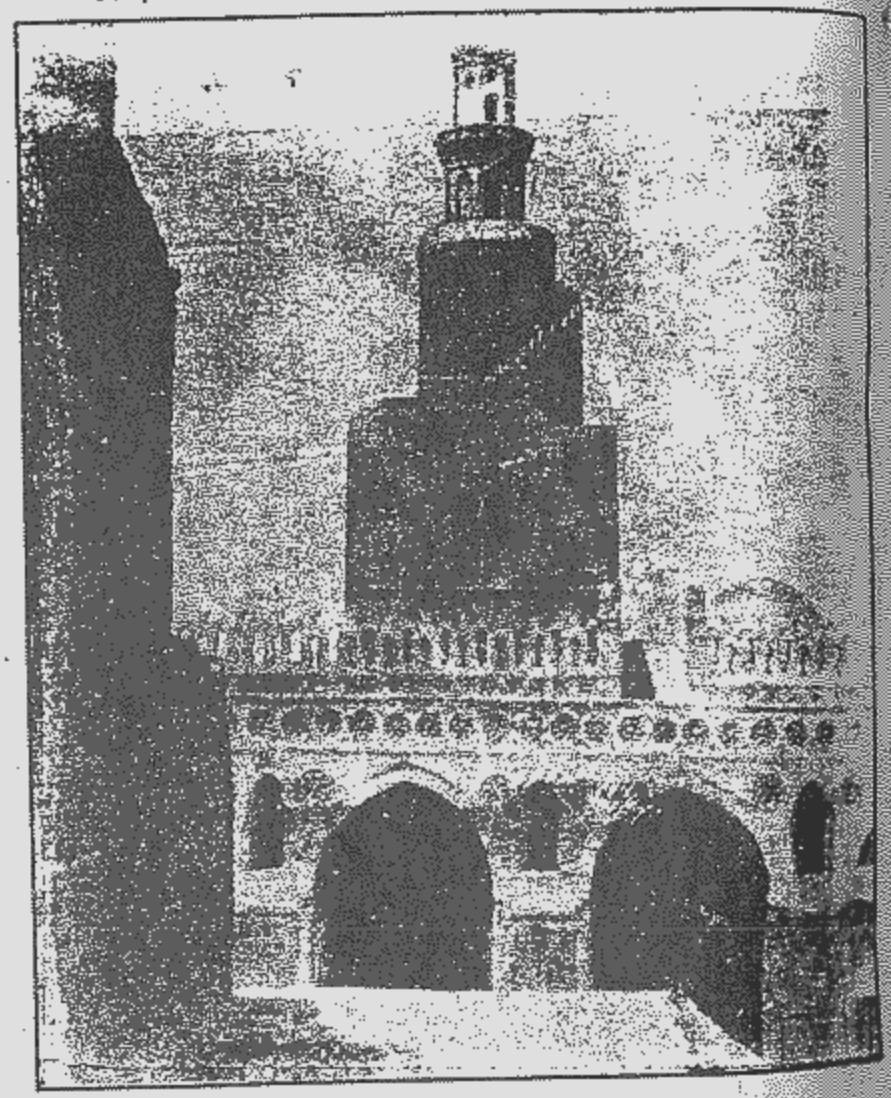

القطاع (موجودہ قاہرہ کے جنوب) میں مسجد احمد بن طولون
القطائع اگرچہ کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا ہے مگر مسجد
ابن طولون آج بھی اپنے فنِ تعمیر کے ساتھ موجود ہے۔

فصیلِ بغداد سے باہر مشہور عباسی ملکہ زبیدہ خاتون
کے مقبرے کا منظر۔ زبیدہ خاتون خلیفہ
ہارون الرشید کی بیوی تھی

www.urdukorner.com

وادیٔ اہرام مصر میں فرعونوں کے مقبروں کا پاسبان
دیوتا ابوالہول۔ ابوالہول کے بارے میں تفصیلات
کتاب میں ملاحظہ فرمایئے

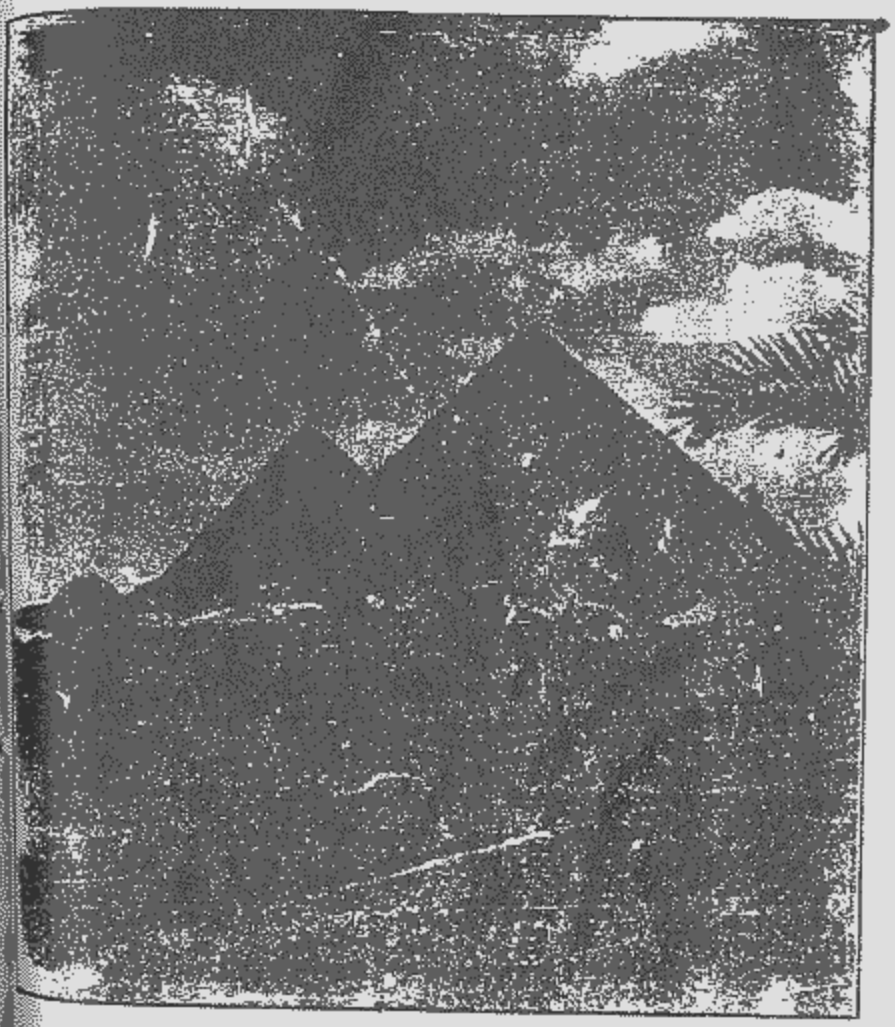

وادیٔ اہرام میں فرعون خوفو اور فرعون منقرع کے مقبرے۔ کتاب
کے اندر خوفو کے مقبرے (ہرم کبیر) کے متعلق تفصیلی معلومات
فراہم کی گئی ہیں۔

www.urdukorner.com

KHAN BO
& LIBRAR
S-627, BHABRA BAZAR, RAWA
Cell: 0345-5048634 , 0345
Prop: Ali Khan

بیت المقدس
میں
مسجدِ اقصیٰ
کا منظر

الحجر کے علاقے مدائن صالح
میں قوم ثمود کی پہاڑی
عمارتوں کے آثار۔
یہ آثار جبلِ اثالث میں
موجود ہیں

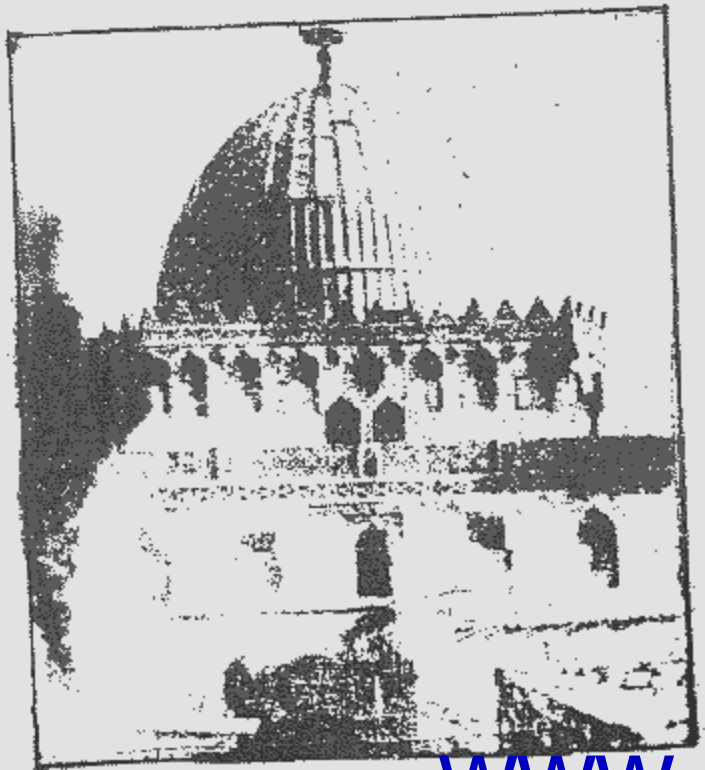

فسطاط (موجودہ
قاہرہ کے جنوب
میں) حضرت
امام شافعیؒ کا
مزار

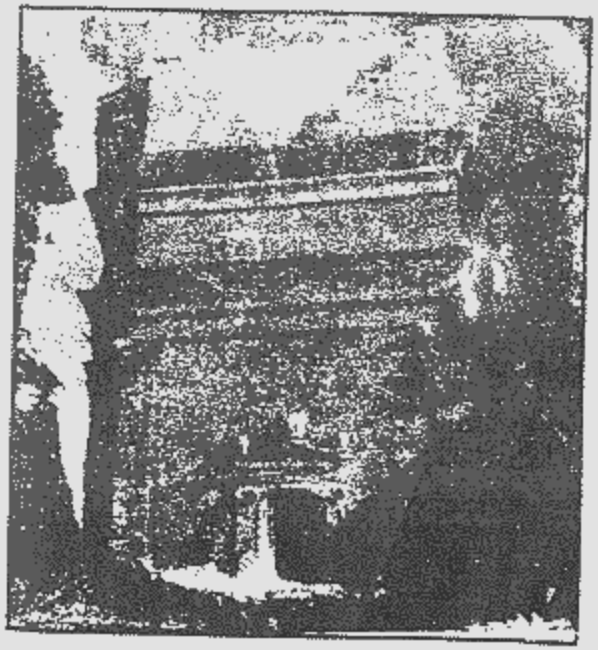

قوم ثمود حضرت صالحؑ
کی نافرمانی کے نتیجے
میں شدید زلزلے سے
آناً فاناً تباہ ہوگئی تھی۔
(کتاب میں تفصیلات
دیکھیے)

www.urdukorner.com

Cell: 0345-5048634 . 0345-5048335
Prop: Ali Khan

پیش لفظ

(جناب پروفیسر جیلانی کامران ایم۔ اے)

تاریخی ناول کی سب سے نمایاں خصوصیت غالباً یہ ہے کہ اس کا سارا تاثر کہانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے تاریخی ناول نگاروں کی پہچان بھی اس امر سے ممکن ہوتی ہے کہ انہوں نے کس نوع کی کہانی کو اپنے ناولوں کا محور بنایا ہے۔ تاہم محض کہانی سے کوئی بھی ناول لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن کہانی کو تاریخ کے ساتھ منسلک کرنے سے تاریخی ناول نگار اپنے لیے متعدد مسائل اور آزمائشیں بھی پیدا کرتا ہے اور یہ سوال عموماً پوچھا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ناول کے لیے تاریخ کا کوئی خاص زمانہ ہی کیوں منتخب کیا ہے؟ اور ایسا کرتے ہوئے اس کا مقصد کیا ہے؟ ایسے سوال کی موجودگی میں یہ کہنا کسی طرح غلط نہ ہوگا کہ تاریخی ناول نگار اپنے فن کو اور اپنی کہانی کو کسی طور اس مقصد سے الگ نہیں کر سکتا جو مقصد اس نے دانستہ یا غیر دانستہ انداز میں اپنے لیے ناول راہ کی حیثیت میں پہلے سے چنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تاریخی ناول کا تعلق بامقصد ادب کے ساتھ ہے۔

تاریخی ناول سے میرا اپنا تعارف انگریزی کے اُن ناولوں کے حوالے سے ہوا جو ماضی کے واقعات کو اپنی کہانی کا محور بناتے ہیں۔ تاہم ان ناولوں میں اس نوع کی مقصدیت نظر نہیں آتی جو قمر اجنالوی کے ناولوں میں دکھائی دیتی ہے۔ انگریزی کا تاریخی ناول معاشرت اور زمانۂ رفتہ کے امتزاج کو پیش کرتا ہے۔ غالباً اس کے لیے یہ مسائل کوئی اہمیت نہیں رکھتے کہ رچرڈ شیر دل صلیبی جنگ پر کیوں روانہ ہوا اور صلاح الدین ایوبیؒ کے کردار کی جاذبیت اس طرح محلِ نظر کیوں ہے؟ والٹر سکاٹ صرف کہانی پر نظر رکھتا ہے اور کہانی کے طلسم کو قائم رکھنا اس کے لیے ضروری دکھائی دیتا ہے۔ افراد کے عروج و زوال سے اس کا بہت کم تعلق نظر آتا ہے۔ یہ فکری پہلو کچھ اس لیے بھی غور طلب ہے کہ انگریز اور دوسرے یورپی تاریخی ناول نگاروں کا اس تجربے اور واردات سے سابقہ نہیں پڑا تھا جو ہمارے تاریخی ناول نگاروں کی ذہنی نشو و نما کا جزو رہے ہیں۔

www.urdukorner.com

ـــاب

اپنی ننھی پوتی حرا قمر (مغربی جرمنی) کے نام۔
جس کی آمد اپنے والدین مامون احمد قمر اور اُمتہ الصبور نازی کیلئے نویدِ حیات ثابت ہوئی۔ (قمر اجنالوی)

حرا قمر

قمر اجنالوی

قمر اجنالوی نے اپنے تاریخی ناولوں سے جو کہانی تخلیق کی ہے وہ اپنے کینوس کے لحاظ سے منفرد ہے۔ ایسا کینوس برصغیر کے تاریخی ناول نگاروں میں بہت کم دکھائی دیا ہے۔ اس لیے اپنی وسعت کے اعتبار سے ایسا کینوس بہت سے مسائل بھی پیدا کرتا ہے۔ مگر قمر اجنالوی نے اس کینوس کو اپنے ناولوں میں جس کامیابی اور خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے اُس کو قمر اجنالوی کے فن میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسے وسیع تر کینوس کو قاری کے استغراق کے ساتھ ہم آہنگ کرنا معمولی کام بھی نہیں ہے اور کہانی کی دلچسپی کو تازہ دم رکھنا بھی آزمائشوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ قمر اجنالوی کی کہانی میں اس خصوصیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی ضمن میں قمر اجنالوی نے واقعات اور تاریخ کے باہمی رشتے کو جس طرح اپنی کہانی کا جزو بنایا ہے اُسے بھی ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے۔ انہوں نے واقعات کو مورخ کی نظر سے بھی دیکھا ہے اور ناول نگار کے زاویوں سے بھی ان پر گہری نگاہ ڈالی ہے۔ ایسے طریق کار نے جہاں اُن کو واقعات کی تاریخی منطق کو جاننے اور سمجھنے کی سہولت فراہم کی ہے وہیں تاریخی شواہد کو واضح اور غیر سائنسی الزامات کی زد سے بھی پوری طرح بچانے میں مدد دی ہے لیکن مورخ اور ناول نگار ـــــ دونوں نے کہانی کو کسی طرح ضائع نہیں ہونے دیا اور یوں اپنے تاریخی ناول کو ایک جامع تخلیقی صورت دی ہے ـــــ مورخ کے آجانے سے نہ تو کہانی نگار اپنا قلم روک دیتا ہے اور نہ ناول نگار ہی اپنے وسیع تر اندازِ نظر سے دست کش ہوتا ہے قمر اجنالوی کے تاریخی ناول میں فن کار کے تینوں زاویے باہم کار فرما دکھائی دیتے ہیں اور تینوں مل کر جس دُنیا کی تشکیل کرتے ہیں وہ دُنیا قاری کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔ اُسے اپنی دُنیا میں سفر کرنے پر تیار کرتی ہے۔ اُسے اپنی دُنیا کے افراد اور واقعات سے متعارف کرتی ہے اور بالآخر اُس اخلاقیات سے روشناس کرتی ہے جو واقعات اور افراد کے پس پردہ اپنے غیبی ہاتھوں سے فیصلے تحریر کرتی ہے اور کہانی کو انسانی زندگی کی تمثیل میں بدل دیتی ہے۔ قمر اجنالوی کی اس تخلیقی دنیا کا اپنا با اختیار وجود بھی دکھائی دیتا ہے اور جس قدر یہ دُنیا عہدِ حاضر سے زمانی مسافت کے اعتبار سے دُور نظر آتی ہے اُسی قدر اس دُنیا کا اخلاقی شعور عہدِ حاضر کے قاری کو نئی سوچ کے کرب سے روشناس بھی کرتا ہے

قمر اجنالوی کے ناولوں کی ایک قابلِ ذکر خوبی واقعات کی پُراسراریت بھی ہے ناول جس دُنیا کی نقاب کشائی کرتے [illegible]

دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ تمام تر جزئیات اور اُن کے اجزائے ترکیبی کسی مافوق الفطرت جنت سے کوئی رابطہ اور رشتہ نہیں رکھتے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اِن ناولوں کی پُراسرار دُنیا تاریخ ہی کے بطن سے رونما ہوتی ہے اور مقام اور زمانے کی مسافت کے سبب اس دنیا کے نقش و نگار بتدریج پُراسرار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چاہِ بابل میں یہ اجزا بابل کی تہذیب، معاشرت کی کیفیت، عورت اور مرد کے رشتے، حاکموں اور محکوموں کے تعلقات اور بنی اسرائیل کی اسیری کے ایام سے برآمد ہوتے ہیں۔ جن کو بائبل کے پُرانے عہد نامے کی پیش گوئیوں، مورخین کی دریافتوں اور تاریخ اساطیر کی تفاصیل سے غیر مانوس اور دُور از فہم صورت دی گئی ہے۔ ہاروت و ماروت کو بنی اسرائیل کی رہائی کے پس منظر میں نیا مفہوم دے کر چاہِ بابل کو اُس زمانۂ بعید کی عقوبت گاہ قرار دیتے ہوئے بنی اسرائیل کی قومی سرگزشت کو تحریکِ آزادی کی اوّلین جدوجہد گردانا گیا ہے۔ قمر اجنالوی کے ناول اس طرح قابلِ اعتماد تاریخی دستاویز بھی بنتے ہیں اور ادب میں اپنے لیے منفرد مقام کا حق بھی محفوظ کرتے ہیں۔ قمر اجنالوی ناول نویسی میں جس خلوص، محنت، تحقیق اور استقلال کو بروئے کار لائے ہیں وہ ناول نگاروں میں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔

مقدس مورتی اور چاہِ بابل کے مقابلے میں بغداد کی رات زمانے کے اعتبار سے ہماری یادداشتوں میں ماضی قریب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ناول کی کہانی کے رشتے تیسری صدی ہجری سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں اقتدار اور کشور کشائی، تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ بنو عباس کی سطوت و شوکت کا کارواں بھی زمانے کی ہواؤں کی زد میں آتے دکھائی دیتا ہے۔ بغداد کی رات اپنے عہد کی عظیم سیاسی اور تمدنی قوت بنو عباس کے کلچر کی اندرونی واردات کی روداد بیان کرتی ہے۔ اور شمالی افریقہ سے بغداد تک حکومتوں اور سلطنتوں کے ٹوٹتے بگڑتے سلسلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاہم یہ سارے حدود خال بنو عباس کے دورِ اقتدار کی خارجی صورت کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ قمر اجنالوی نے اس خارجی صورت گری کے باطن میں جھانکتے اور اس غیر واضح دنیا میں صورت پذیر ہوتے ہوئے محرکات کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریکِ قرامطہ کو بالخصوص نمایاں کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں تحریکِ قرامطہ کا ذکر عموماً سرسری سا ہے اور ہمارے اہلِ دانش بھی اس تحریک کی منفی نوعیت کی اہمیت کو فراموش کرتے رہے ہیں۔ بغداد کی رات اس خفیہ

www.urdukorner.com

تحریک کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمارے عہد کو بھی ایسے اندیشوں اور خطرات سے خبردار کرتی ہے جو قوموں کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔

اس ناول میں قمر اجنالوی نے ابنِ خلدون کے فلسفۂ تاریخ کو اپنی کہانی کا مرکز بناتے ہوئے زوال کو اقتدار کی غلام گردشوں سے رونما ہوتے دکھایا ہے۔ زوال کبھی خارج سے وارد نہیں ہوتا بلکہ اقتدار یافتہ اور اقتدار پسند طبقوں ہی کی جبلتوں سے اپنی طاقت اور منفی قوت اخذ کرتا ہے۔ دراصل یہ فلسفہ قوموں کی توانائیوں کے زائل ہونے کی کیفیت کو نہایت اہم گردانتا ہے۔ بنو عباس کی ساری توانائیاں بے موت زائل ہوتے دکھائی دیتی ہیں ان کے اندیشے ملی اور قومی کی بجائے شخصی و مخلاقی نظر آتے ہیں۔ جن کے باریک رگ و ریشوں کے ساتھ بندھے ہوئے بے شمار انسان بے کار کاموں میں اپنی زندگیوں کو ضائع کرتے سامنے آتے ہیں۔ قمر اجنالوی کا نقطۂ نظر ایسے منظر کو دیکھتے ہوئے ایک ایسے شخص کے زاویۂ نگاہ سے مشابہ دکھائی دیتا ہے جو تاریخ کے اس سانحے کو دیکھتے ہوئے صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ان سب لوگوں کو دیکھو! اور عبرت حاصل کرو..... کہ زوال کبھی بلند آواز کے ساتھ وارد نہیں ہوتا۔ یہ انسانوں کو ان کی نیندوں میں مسحور کرتا ہے اور جب وہ جاگتے ہیں، تو دنیا ان کی پہچان سے نامحرم بلکہ کہیں دور گم ہو چکی ہوتی ہے۔

قمر اجنالوی کا ناول بغداد کی رات کہانی بھی ہے۔ تاریخ کا ایک قابلِ ذکر واقعہ بھی ہے اور عالمِ اسلام کے باطن میں مسلسل بے چین کرنے والے کرب کی داستان بھی ہے۔ اپنے تاریخی ناول کے سفر میں قمر اجنالوی نے ہمارے عہد کو بغداد کی رات کی تمثیل فراہم کی ہے۔ تاکہ ہمارا عہد بھی اس گزرے ہوئے عکس نامے میں اُن خدوخال کو پہچان سکے جو قوموں کیلئے پریشانیوں کا سبب بنتے رہے ہیں۔ قمر اجنالوی کا یہ ناول یقیناً ہمارے تاریخی ناولوں میں ایک قابلِ ذکر تصنیف کا اضافہ کرے گا۔

لاہور

۵ر جون ۱۹۸۹ء

www.urdukorner.com

Cell: 0345-5048634 - 0345-38[illegible]
Prop: Ali Khan

یہ ۲۷۹ ہجری یا ۸۸۲ عیسوی کی ایک کُہر آلود صبح کا واقعہ ہے۔

خلافتِ عباسیہ کا جواں سال اور جواں ہمت ولی عہد احمد ابو عباس اپنے خاص محافظوں، غلاموں اور میرِ شکار غیاث الدین کے ہمراہ دشتِ فرات میں خیمہ زن تھا جو شام اور عراق کی سرحد کے اِدھر اور اُدھر دریا کی چوڑی پٹی کے ساتھ ساتھ میلوں تک پھیلا تھا۔

دریائے فرات شاید ابتدائے آفرینش سے جاری ہے کیوں کہ لکھا ہے، یہ اُن چار ندیوں میں سے ایک ندی ہے جو تخلیقِ کائنات کے ایّام میں باغِ حیات کی آبیاری کے لیے جاری ہوئی تھیں۔ فرات شمال سے جنوب کی سمت ذرا ترچھے رخ بہتا، شام سے نکل کر سرزمینِ عراق میں داخل ہوتا اور دریائے دجلہ کے حسین شہر بغداد سے کئی میل مغرب سے گزرتا پھر بصرہ کے قریب دجلہ سے ہم آغوش ہو کر شط العرب کی آبی گزرگاہ بناتا ہوا خلیجِ فارس میں گرتا ہے۔

ماضی میں اس دریا نے مصر و شام کے درمیان ایک طویل آویزش دیکھی۔ مختلف قوموں میں خونریز جنگیں دیکھیں اور شام کو مصری استعمار کا باج گزار ہوتے بھی دیکھا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فراعنۂ مصر کے بارھویں خاندان کے دور میں جب مصریوں نے اس علاقے کو فتح کیا اور پہلی بار دریائے فرات تک پہنچے تو اس کی روانی دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ یہ دریا

اشارہ رہا ہے کیوں کہ مصر کا روزی رساں نیل جس کی نیلی شاخ ایتھوپیا (حبشہ) کی ایک جھیل سے اور سفید شاخ یوگنڈا کی جھیل سے نکلتی ہے، سوڈان، نوبیا اور مصر کو سیراب کرتا بحیرۂ روم میں جا گرتا اور جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے جب کہ اناطولیہ کے پہاڑوں سے نکلنے والا فرات شمال سے جنوب کی سمت رواں دواں ہے۔ یہ بات مصریوں کے لیے کسی اچنبھے سے کم نہ تھی کہ فرات کا بہاؤ جنوب کی طرف اور نیل کا بہاؤ شمال کی جانب ہے۔

گزرے زمانوں میں اگر مصر کے فرعونوں (تحوتمس ثالث اور رعمسیس ثانی) نے شام میں فتوحات حاصل کیں تو شام کے ہکسوس نے بھی مصر پر ڈھائی تین صدیوں تک حکمرانی کی تھی۔ مصر اور شام کے درمیان اگر جنگیں لڑی گئیں تو مشترک دشمن کے خلاف اتحاد بھی ہوا تھا مگر زمانہ مصری فرعونوں، ایرانی کسراؤں، رومی قیصروں اور بطلموں کے دور بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب دنیا کی سب سے بڑی اور طاقت ور وہ اسلامی مملکت تھی جس کے دامن ایشیا، افریقہ اور یورپ تک پھیلے تھے۔

تیسری صدی ہجری میں جب خلافتِ عباسیہ اپنی تاریخ زوال کے ورق الٹ رہی تھی عراق اور شام کے درمیان بھی بہت سے سیاسی فاصلے حائل ہو گئے تھے کیوں کہ بنی طولون نے مصر و شام کو متحد کر کے عباسی اقتدار سے گلو خلاصی کرا لی اور ایک نئی مملکت کی بنیاد رکھی تھی جس کا دارالحکومت اگرچہ فسطاط کے بعد القطائع تھا لیکن اس حکومت کی گرفت دمشق تک بڑی مضبوط تھی۔ شامی امیر مصر کے بنی طولون کے ساتھ مل کر عباسیوں کے خلاف اپنی قبائلی نفرت کا اظہار کر رہے تھے جنھوں نے بنو امیہ سے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر خون کی ندیاں بہا دیں امویوں کو چن چن کر قتل کیا اور مرکزِ خلافت بھی دمشق سے بغداد میں منتقل کر لیا تھا۔ بنی طولون نے عباسیہ کے خلاف شامی امیروں کی اس نفرت سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور انھیں بغداد سے کچھ اور برہم کر دیا تھا۔

سیاسی نفرت کے ان ایام میں بھی جب اسلامی سلطنت دو لخت ہو چکی اور بنو عباس اور بنو طولون کے درمیان عداوت اور نفرت کے دریا حائل ہو گئے تھے، فرات دونوں حریف سلطنتوں کے باہمی اختلافات سے بے نیاز اور جنگ و جدل کے معرکوں سے بے پروا شام و عراق کو یکساں سیراب کرتا، اپنی روایتی عظمت کے ساتھ بہتا رہا۔ اُسے دو حریفوں کی نفرت سے کوئی واسطہ نہ تھا وہ تو اپنے کناروں میں پانی سمیٹ کر لاتا اور شام و عراق دونوں کے لیے اپنے دامن کشادہ رکھتا

تھا۔

دونوں ملکوں کی دھرتی کو پانی فراہم کرنے کے علاوہ شمالاً جنوباً فرات کی چوڑی پٹی پر وہ گھنا بیلا جس کا کچھ حصہ شام میں اور زیادہ حصہ عراق میں واقع تھا، جنگلی جانوروں اور درندوں کی آرام گاہ بھی تھا اور شکار گاہ بھی جہاں کوئی تنہا آدمی شکار کھیلنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ احمد ابو عباس تین روز سے اُسی جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ دشتِ فرات کی پٹی سے ہٹ کر جس طرح مراچے لگا دیا گیا اور چھولداریاں نصب کی گئی تھیں ان سے ایک خاصی بڑی اوڑی کی صورت بن گئی اور ظاہر ہوتا تھا کہ عباسی ولی عہد یہاں کئی ہفتے قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ بات اس کی خصوصیات میں شامل تھی کہ وہ شکار کے لیے طویل پڑاؤ ڈالتا اور اس عرصے میں عباسیہ کا سیاہ پرچم اس کے مراچے پر لہراتا تھا۔

مشرق میں بہت دور سورج، چند بکھری، خم دار کھجوروں کی چھتریوں کی اوٹ سے آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا جیسے کوئی زرنگار حسینہ اپنا گھونگھٹ ہولے ہولے اٹھا رہی ہو۔ سورج کی شعاعیں کہر کی چادر میں چھید ڈالتی جا رہی تھیں اور طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی دھند ہولے ہولے اڑنے لگی تھی۔

اس جگہ سویرے میں جب لوگ ابھی چھولداریوں میں دبکے ہوئے تھے، پڑاؤ کے مطبخ میں حرکت کی ایک لہر سی نظر آ رہی تھی۔ بغداد کے شاہی طباخ اور درکار بار جو شکار میں عباسی ولی عہد کے ساتھ ہی رہتے تھے، ہرنوں کا رات کا بچا ہوا گوشت بھوننے میں مصروف تھے جس کی سوندھی سوندھی مہک فضا میں اڑتی پھر رہی تھی کہ ناگہاں بہت دور سے آتی ہوئی ایک دہاڑ نے سب کو چونکا دیا اور شاہی طباخ حیرت کی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

دہاڑ کی آواز اگرچہ مدھم تھی لیکن شاہی مراچے کے غلاموں کی چھولداریوں میں بھی سنی گئی۔ یہ کوئی معمولی آواز نہ تھی۔ جنگل کے بادشاہ نے اپنی آمد کا اعلان کیا تھا جس سے پڑاؤ میں یک لخت سراسیمگی سی پھیل گئی۔ نقارچی پر بندھے گھوڑے بھی خوف سے کنوتیاں بدلنے اور اپنے سُم زمین پر مارنے لگے۔ فوراً تین چار غلام خیمے سے اٹھائے چھولداریوں سے نکل آئے اور دریا کے بیلے کی طرف نظریں گاڑ دیں۔

یہ ایک خلافِ معمول بات ہوئی تھی۔ جنگلی بیلے دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں مگر دور سے آنے والی دہاڑ سے پتا چلتا تھا کہ کسی شیر کو رات شکار نہیں مل سکا اور دن کے اجالے

www.urdukorner.com

میں وہ آدمیوں اور جانوروں کی بُو سونگھ کر پیٹ بھرنے کے لیے غالباً خیمہ گاہ کی طرف آ رہے
دو مرتی دہاڑ ذرا قریب سنی گئی۔ گھوڑے خوف سے ہنہنائے اور پڑاؤ کی ہلچل میں اضافہ
ہو گیا۔ اگرچہ مڑے تڑے گھڑے درختوں، جنڈ اور کریر کی جھاڑیوں یا زمینوں اور سرکنڈوں
کے پھیلے جھاڑ جھنکاڑ میں درندے کی جھلک تو نظر نہ آ سکی لیکن غلاموں نے اس کی سمت کا
تعین کر لیا، جدھر سے آواز آئی تھی اور اب وہ شمال مغرب کی جانب کسی بھاگتے دوڑتے گھوڑے
کی مدھم مدھم ٹاپیں بھی سن رہے تھے۔

اس اثنا میں احمد ابو عباس موزے پہن چکا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی کے ساتھ تلوار
کمر سے باندھی، چوڑے پھل کا نیزہ اٹھایا اور تیر کی مانند اڑتا ہوا سراچے سے باہر آیا۔ اس کے
ساتھی، محافظ اور غلام بھی ہتھیار سنبھالے پڑاؤ کے آس پاس حرکت کر رہے تھے۔ احمد نے
ان پر کوئی توجہ نہ دی اور تنہا ایک طرف لپکتا چلا گیا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے روکنے
کی کوشش کرتا لیکن میر شکار نے دوڑ کر ولی عہد کا راستہ کاٹا اور ملتجیانہ انداز میں بولا:

"گستاخی معاف ابو عباس! بھوکا شیر خطرناک ہوتا ہے۔ آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔"

"غیاث الدین! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم شیر پر تنہا حملہ کرنے کے عادی ہیں۔"

"پھر بھی آپ کی حفاظت میرے فرائض کا حصہ ہے۔ کم از کم اپنے غلاموں کو ساتھ
لے کر جائیے۔"

"ہمیں تمہارے مشورے اور غلاموں کی ضرورت نہیں!"

یہ کہہ کر عباسی ولی عہد نے، جس کے مضبوط جسم میں جوانی کا خون دوڑ رہا تھا، چیتے کی طرح
لمبی جست لگائی اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں پھلانگتا چلا گیا۔ اس کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا جہاں
زمینوں کے جھرمٹ میں کہیں کہیں جنڈ کے درخت اور گکر دندے کی پھل دار جھاڑیاں تھیں۔
صبح کی اڑتی دھند میں دریا کی ترائی کی جانب کہیں بھی خطرے کے آثار نہ تھے البتہ شمال مغربی
جانب ٹاپوں کی آواز جنگل کے پراسرار سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ احمد ابو عباس کی حیرت زدہ نگاہیں
اسی طرف دوڑ گئیں۔ پھر وہ رخ بدل کر اسی قدموں ٹھٹک گیا۔

جو منظر اس نے دیکھا وہ بڑا خطرناک اور بھیانک تھا۔ جھاڑیوں اور زمینوں کے طویل
جھنڈ سے نکل کر ایک خوف زدہ گھوڑا جو سرپٹ بھاگا آ رہا اور پسینے میں شرابور تھا، اچانک
چھدرے جنگل کی پٹی پر نمودار ہوا۔ اس گھوڑے پر ایک خوش لباس لڑکی سوار تھی جس کا

نقاب چہرے سے اتر چکا اور سیاہ بالوں کے ساتھ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے کچھ اور بھی دیکھا
اور یہ دیکھا کہ ایک گرانڈیل بھورا سایہ گھوڑے اور اس کی سوار کے تعاقب میں اڑا آ رہا تھا۔
لڑکی کے چہرے پر جو دور سے خوب صورت نظر آیا تھا، خوف و ہراس کے سائے کانپ رہے
تھے کیوں کہ "بھوری موت" جو پچاس ساٹھ قدم دور تھی، بتدریج اپنا فاصلہ کم کر رہی تھی۔ وہ
ایک بھاری بھرکم لیکن انتہائی تیز رفتار ببر شیر تھا جس کا بھاری سر اور گردن پر اڑتے ہوئے
ایال کے بال دہشت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ خوف کی ان گھڑیوں میں بھی جب موت پیچھا
کر رہی تھی نہ تو گھوڑے کی لگام پر لڑکی کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی نہ گھبراہٹ میں پاؤں
رکابوں سے باہر نکلے تھے بلکہ بڑی ہوشیاری سے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کے بیٹھی اور
جانور کو ایڑ پر ایڑ لگا رہی تھی کہ درندے کی زد سے دور ہو سکے جس کے خوف نے گھوڑے
کو بھی برق رفتاری پر مجبور کر دیا تھا۔

احمد ابو عباس یہ صورت حال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کچھ سوچنے اور بچاؤ کی کسی ترکیب
پر غور کرنے کے لیے ایک بھی لمحہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی کیوں کہ شیر
اور گھوڑے کے درمیان فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا۔ اب تو شیر کو روکنے کے لیے اندھی جرأت
کی ضرورت تھی۔ احمد ابو عباس لپک کر آگے بڑھا اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں دبک گیا ——
لڑکی نے بھی اسے بڑھتے اور گھات لگاتے دیکھ لیا تھا۔ جونہی اس کا گھوڑا جھاڑی کے
قریب سے گزرا، درجست لگا کر درندے کی راہ میں حائل ہو گیا۔

شیر نے ایک نیزہ بردار جوان کو اپنے آڑے آتے اور تعاقب میں بے جا مداخلت
کرتے دیکھا تو غرا کر، گرج کر اپنی برہمی کا اظہار کیا اور غصے میں بھر کے ایک جھاڑی کے
پاس رکا۔ اس نے منہ کھول کر نوک دار کچلیاں چمکائیں۔ دہاڑ کر اپنے خوف ناک ارادے کا اظہار
کیا اور دم لہرانے لگا جو اس خطرے کی علامت تھی کہ اپنے حریف پر جھپٹنے والا ہے۔ گھوڑا اور
اجنبی نازنین، دونوں اس کے خونی پنجوں سے نکل گئے تھے اور شیر کے منہ سے لقمہ چھیننے کا
جو بھی نتیجہ اور انجام ہو سکتا ہے، درپیش تھا!

احمد ابو عباس نے جو اس قسم کے خطروں سے پہلے بھی دوچار ہو چکا تھا، درندے کا
ارادہ بھانپ لیا اور نیزہ ہاتھوں میں تولنے لگا کیوں کہ اپنے دفاع کے لیے پہلے خود حملہ کرنا
چاہتا تھا لیکن درندے نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ حملے میں پہل کر سکے۔ آناً فاناً چھلانگ لگائی

S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634, 0345-50-3559
Prop: Ali Khan
& LIBRARY

www.urdukorner.com

اور فضا میں تیر تا سیدھا سر پر آیا۔ انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ جیسے بادلوں کے ماتھے پر کوندا لپکتا ہے، احمد ابو عباس دو تین قدم پیچھے ہٹا، پھر زمین پر پاؤں جما کر اپنے مضبوط بازوؤں کی پوری طاقت سے بھاری بھرکم درندے کو نیزے کے چوڑے فولادی پھل پہ روکا اور زخمی کر کے ایک طرف دھکیل دیا۔ مہیب شیر پلٹتا ہوا زمین پر گرا۔ زخم کھا کر بڑے بھیانک انداز میں غرّایا اور ابھی خوف ناک منہ کھولے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نیزے کا پھل دوسری بار گوشت پھاڑتا ہوا اس کے جسم میں اتر گیا جس کے ساتھ ہی چیخ کی دوسری لکیر نمودار ہوئی۔ غضب ناک درندے نے اگلی ٹانگ سے ضرب لگائی تو نیزہ تڑاخ سے ٹوٹا اور بانس ٹوٹنے کی آواز جس کے ساتھ مقابلہ کرنے والے کا حوصلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے، یوں سنائی دی جیسے موت نے تالی بجا دی ہو۔

وہ لمحہ انتہائی خطرناک تھا کیوں کہ درندہ پچھلی ٹانگوں پر اچھلا تو کچھ فاصلے پر کھڑے نیر شکار غیاث الدین، عباسی محافظوں اور غلاموں کے علاوہ گھوڑا سوار نازنین نے بھی دیکھا کہ اس کے محسن کے ہاتھ میں ٹوٹا ہوا خالی بانس تھا لیکن شیر کے اچھلتے ہی اس نے بانس پھینک کر اتنی تیزی سے تلوار کھینچ لی جتنی تیزی کے ساتھ درندہ حملہ آور ہوا تھا۔ پھر سنبھل کر پوری طاقت سے اس کے سر پر وار کیا۔ آب دار تلوار شیر کے بھاری سر کو دو حصوں میں کاٹتا ہوا نکل گیا۔ خون کا فوارہ اچھلا۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے اور کرب ناک آوازیں غرّانے لگا۔ عباسی ولی عہد نے اس پر دوسری ضرب لگانے کی ضرورت نہ سمجھی اور ایک طرف ہٹ کر اس کے تڑپنے کا نظارہ کرنے لگا۔ درندے کی غرّاہٹیں آہستہ آہستہ موت کی خرخراہٹوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ اب وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ احمد نے اس کے زخمی سینے پر اپنے پاؤں کا بوجھ ڈال دیا۔

یہ بہادری، جرأت اور شجاعت کا ایسا دل ہلا دینے والا مظاہرہ تھا جسے عباسی محافظوں اور غلاموں کے ساتھ اجنبی نازنین نے بھی حیرت سے دیکھا جو ہانپتے گھوڑے پر جس کے نتھنوں سے ابھی تک بھاپ نکل رہی تھی۔ ایک طرف دم بخود سی کھڑی تھی۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں کوئی عجیب سا جذبہ بار بار یوں مچل رہا تھا جیسے سمندر کی ایک لہر، دوسری لہر کو آگے بڑھاتی اور ساحل کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت کسی ایک نامعلوم سا خوف محسوس کر رہی تھی کیوں کہ حادثاتی طور پر شام کی سرحد عبور کر کے عباسی علاقے میں نکل آئی اور بہت سے

سیاہ فام غلام اور عباسی محافظ لمبے لمبے نیزے تھامے آس پاس ہی کھڑے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے محسن کی بے خوفی، حیرت انگیز بہادری اور تیغ زنی کو دل ہی دل میں خراجِ تحسین ادا کر رہی تھی جس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس کی جان بچائی اور دشتِ فرات کے زبردست درندے کو پچھاڑ دیا تھا۔

سیاہ عماموں والے محافظوں کو دیکھ کر، جو اپنے چھتیس سالہ آقا کی بے مثال اور بے نظیر شجاعت پر مرحبا ــــ مرحبا کہہ رہے تھے۔ اجنبی دوشیزہ نے یہ اندازہ تو ضرور لگا لیا تھا کہ وہ کسی عباسی سردار کے خیموں تک پہنچ گئی ہے کیوں کہ سر اچھے پہ سیاہ علم لہرا رہا تھا لیکن یہ نہ جانتی تھی کہ اس کا محسن جسے نیزے اور تلوار پہ غیر معمولی دسترس حاصل تھی، کون ہے اور دربارِ بغداد میں کیا مقام رکھتا ہے۔ اس نے تو اپنے ذہن میں یہ سوچا تھا کہ وہ کوئی بھی ہو، بہر حال لائقِ ستائش ہے!

ادھر خون میں لت پت درندے نے آخری بار تڑپ کر دم توڑ دیا تو احمد ابو عباس نے اس کے سینے پر رکھا ہوا پاؤں ہٹا لیا اور اپنی خون آلود تلوار اسی کی کھال سے صاف کر کے میان میں ڈال لی۔ اس اثنا میں اجنبی نازنین، جس نے اب چہرے پر مہین نقاب کھینچ لیا اور اپنے پریشان بال درست کر لیے تھے، گھوڑا بڑھا کر قریب آئی اور مترنم آواز اور دل کش لہجے میں بولی:

"ہم بے حد ممنون ہیں۔ آپ نے بروقت مدد کی اور ہماری جان بچائی۔"

احمد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ لب و لہجہ کسی عام لڑکی کا نہیں ہو سکتا تھا اور وہ کوئی عام لڑکی تھی بھی نہیں۔ لباس اور اندازِ گفتگو سے کسی اونچے گھرانے کی دوشیزہ معلوم ہوتی تھی۔ عباسی ولی عہد نے دیکھا کہ ستواں ناک پر سے گزرتے ہوئے مہین نقاب اور پیشانی کی سفید پٹی کے درمیان اس کی حسین آنکھیں ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ ان روشن غلافی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جن میں ترک آنکھوں کی جھلک تھی۔ اس نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی اور جواب دیا:

"جان بچانے والے ہم نہیں، ربِّ کعبہ ہے۔"

نازنین نے بھی جواب سن کر محسوس کیا کہ وہ کوئی معمولی امیر نہیں، عباسی اشراف میں سے جان پڑتا ہے۔ کہنے لگی:

www.urdukorner.com

بے شک ربِ کعبہ نے جان بچائی مگر وسیلہ آپ کو بنایا۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے تم جیسی خوبصورت اور عالی ظرف نازنین کی مدد کے لیے ہمیں منتخب کیا" ـــــ پھر ایک پل ٹھہر کر اچانک سوال کر دیا۔ "کون ہو تم؟"

لڑکی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ شاید اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُسے متذبذب دیکھ کر احمد نے پوچھا:

"جنگل میں کیسے آگئیں؟"

اجنبی لڑکی نے کسی واضح جواب سے پھر گریز کیا اور صرف اس قدر کہا:

"شہسواری کی مشق ہماری عادت ہے مگر فرات کے ساحل پر یہ شیر اچانک کہیں سے نکل آیا جسے دیکھ کر گھوڑا بدکا اور بے قابو ہو کر بھاگا۔ درندہ ہمارے پیچھے لگ گیا۔ اس نے کئی میل تک ہمارا تعاقب کیا اور ہم شام کی سرحد پار کر کے ادھر آگئے۔"

احمد ابو عباس بڑی دلچسپی سے یہ کہانی سنتا رہا مگر اسے یہ کہانی بھی کچھ عجیب سی لگی:

"علی الصبح شہسواری کی مشق تنہا کرتی ہو؟"

"نہیں۔ ہمارے محافظ اور غلام پیچھے رہ گئے تھے۔"

ولی عہد نے اندازہ لگایا کہ وہ شاید کسی بڑے شامی امیر کی صاحب زادی ہے جس کا قبیلہ سرحد کے آس پاس ہی مقیم ہوگا۔ نازنین سے دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی:

"نام کیا ہے تمہارا؟"

لڑکی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا ـــــ "اسماء"

"اور کچھ؟"

"کیا نام کافی نہیں؟" وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا محسن اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔

"کوئی کنیت بھی ہوگی؟"

"ہے ـــــ قطر الندیٰ۔"

احمد ابو عباس نے پُرخیال انداز میں اس کی کنیت دہرائی:

"قطر الندیٰ ـــــ اوس کا موتی ـــــ قطرۂ شبنم ـــــ یہ کنیت تمہارے نام سے زیادہ خوب صورت اور راحت بخش ہے۔ اس سے روشنی اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔"

اپنی تعریف سن کر مہین نقاب کے اندر لڑکی کے شہابی عارضوں پر گلاب سے کھل گئے

ولی عہد دیکھ رہا تھا کہ اب اس کے باپ اور قبیلے کا نام دریافت کرے کہ اچانک لڑکی کہنے لگی:

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"ہم احمد ابو عباس ہیں۔"

قطر الندیٰ بری طرح چونک گئی: "موفق علیہ بن متوکل کے فرزند۔"

وہ مسکرا دیا: "تمہاری نظر باریک اور حافظہ تیز ہے۔"

لڑکی حیران بھی ہوئی اور خوش بھی کہ اس کا آمنا سامنا عباسیہ کے ولی عہد احمد ابو عباس سے ہوا ہے: "پھر ہمارا سلامِ شوق قبول فرمایئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم پر عباسی ولی عہد نے احسان کیا ہے۔"

"تم بھی ہم پر ایک احسان کر سکتی ہو۔"

خوب صورت غزالی آنکھوں میں حیرت سی چمکنے لگی:

"کیسا احسان؟"

"ہمارے خیموں تک آگئی ہو۔ آج ہماری مہمان بنو۔"

یہ ایک خوبصورت پیش کش تھی جس میں عباسی ولی عہد کے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی لیکن کسی خیال نے اسماء قطر الندیٰ کو پریشان کر دیا:

"آپ کی دعوت ہمارے لیے باعثِ عزت ہے مگر ہم اسے قبول کرنے سے معذور ہیں۔"

"گویا تمہیں انکار ہے؟"

"انکار نہیں ابو عباس! مجبوری ہے۔"

"مجبوری!" وہ بے اختیار ہنس دیا۔ "یہ لفظ بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہے۔"

"لیکن متروک نہیں ہوا۔" قطر الندیٰ نے وضاحت کی۔ "وقت کبھی نہ کبھی ہر انسان کے پیروں میں مجبوری کی زنجیر ڈال دیتا ہے۔ اگر ہم مجبور نہ ہوتے تو آپ کی دعوت کا اعزاز بہ صد شوق حاصل کرتے۔"

سینے کے اندر احمد ابو عباس کا دل بڑے زور سے دھڑکا: "آخر مجبوری کیا ہے؟"

وہ بتانے لگی: "تھوڑی دیر کو ہمارا قافلہ دمشق کی طرف روانہ ہونے والا ہے اور ہم سفر پر مجبور ہیں۔"

www.urdukorner.com

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABBA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 0345-5045559
Prop: Ali Khan

"سفر ایک دن کے لیے ملتوی بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں اس کا اختیار نہیں۔"

ٹھیک اسی لمحے شمال مغرب کی جانب ٹاپوں کی آواز ابھری اور کچھ سوار گرد و نواح کی جھاڑیاں، جنڈ کے گھنے درختوں اور نرسلوں کے طویل جھنڈ سے نکل کر جنگل کی پٹی پر آتے دکھائی دیے۔ قطر الندیٰ نے ان سواروں کی طرف اشارہ کیا:

"دیکھیے، ہمارے محافظ آ گئے۔ ہم کسی بہانے بھی نہیں رک سکتے۔"

احمد ابو عباس نے سواروں کو دیکھ لیا تھا ——— "ہم بھی تمہیں نہیں روکتے مگر سوچتے ہیں، یہ ملاقات کتنی عجیب اور کتنی مختصر ہے۔"

"بعض مختصر لمحے یادگار بن جاتے ہیں۔ ہم ان لمحوں کو ہمیشہ یاد رکھیں گے اور اس بات پر فخر کرتے رہیں گے کہ عباسیہ کے ولی عہد احمد ابو عباس نے ہم پر ایک احسان کیا تھا ——— یہ کہہ کر اس نے اپنی لمبی خوب صورت گردن سے چھوٹے چھوٹے موتیوں کا ہار اتارا اور ہاتھ بڑھا کے کہنے لگی ——— "ابو عباس! اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا تحفہ نہیں جو آپ کے شایانِ شان ہو۔ اگر آپ اسے ہماری گستاخی نہ سمجھیں تو یہ حقیر سا نذرانہ قبول فرمائیے۔ شاید یہی ہار کبھی آپ کو ہماری یاد دلا سکے۔"

ان فقروں میں اسماء کچھ ایسی باتیں بھی کہہ گئی جو ان کے درمیان نہیں ہوئی تھیں اور یہ ان کی باتیں" احمد ابو عباس کی توقع سے بڑھ کر تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو دونوں کی آنکھیں پھر چار ہوئیں اور اب آنکھیں چار ہوتی ہیں۔ دو دل دھڑکتے ہیں۔ چند ساعتوں کے لیے دونوں ایک دوسرے میں کھو کے رہ گئے۔ ہونٹ خاموش تھے مگر آنکھیں بول رہی تھیں۔ گفتگو ہو رہی تھی لیکن آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اسماء قطر الندیٰ کی خاموش نظریں کہہ رہی تھیں شہر کے ساتھ وہ بھی شکار ہو گئی۔ ولی عہد کی نگاہوں کا مضمون بتا رہا تھا کہ حسن کا جادو اپنا کام کر گیا۔

آنے والے گھوڑوں کی ٹاپیں کچھ اور قریب سے سنائی دیں تو اسماء نے اپنی خاموشی کو گویائی بخش دی:

"ابو عباس! کیا ہمارا تحفہ قبول نہیں؟"

ولی عہد نے سوچ کر جواب دیا: "تحفہ اس شرط پر قبول کریں گے کہ ہماری نشانی بھی لیتی جاؤ جو تمہیں ہماری یاد دلاتی رہے۔"

"یہ تو آپ کا ایک اور کرم ہوگا۔"

پھر احمد نے اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتاری، جس میں ایک قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا اور اس کی طرف بڑھائی۔ قطر الندیٰ نے انگوٹھی اور احمد ابو عباس نے ہار لے لیا اور جب ان کے درمیان تحفوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور انھیں یوں محسوس ہوا جیسے دو بجلیاں ایک دوسرے کو چھوتی گزر گئی ہوں۔

اس اثنا میں سوار کچھ فاصلے پر آ کے رک گئے۔ انھوں نے اسماء قطر الندیٰ کے ساتھ درندے کی لاش بھی دیکھی لیکن احمد ابو عباس پر نظر پڑی تو پریشان ہو گئے۔ ان کا افسر تنہا آگے بڑھا اور ترکی کو سلام کر کے بولا۔

"خدا کا شکر ہے غلام نے آپ کو زندہ و سلامت دیکھ لیا۔"

قطر الندیٰ نے اپنے محسن کی طرف ہاتھ لہرا کر بتایا: "حارث! یہ بغداد کے ولی عہد احمد ابو عباس ہیں۔ انھوں نے ہماری جان بچائی اور درندے کو ہلاک کیا۔"

حارث نے عباسی ولی عہد کو پیاس کی نظروں سے دیکھا اور کہا: "غلام تہِ دل سے شکر گزار ہے جو فرض مجھے ادا کرنا چاہیے تھا، وہ آپ کو ادا کرنا پڑا۔"

"ہم نے جو فرض ادا کیا، اس کے لیے کسی شکریے کی ضرورت نہیں کیوں کہ بعض فرض اتنے خوشگوار اور قیمتی ہوتے ہیں، جنھیں امانت سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے۔"

اسماء قطر الندیٰ نے ایک بار پھر اس پر تحسین کی نظروں سے دیکھا۔ اس کی بات میں انسانی شرافت نمایاں تھی جس سے عباسیوں کی بلند نظری واضح ہوتی تھی۔ حارث نے بھی گردن جھکا کر اس خفیہ چہرے کا اعتراف کیا جس کا اظہار عباسی ولی عہد نے کیا تھا۔ پھر فوراً اپنی ملکہ سے مخاطب ہوا:

"قیمتِ والا کے لیے سوار ہو چکے ہوں گے اور میرا آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ انھیں درندے کے واقعے کی خبر پہنچے جشن کا دن پہنچ جانا ضروری ہے۔"

حارث کے الفاظ نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ کئی روز سفر کی مجبوری درپیش ہے۔ قطر الندیٰ نے اپنے محسن کو الوداعی نگاہوں سے دیکھا۔

"ابو عباس! آپ سمجھ گئے ہوں گے ہماری فوری واپسی کیوں ضروری ہے۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

www.urdukorner.com

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا خوب صورت ہاتھ لہرا دیا۔ "خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" جواب میں احمد نے بھی اپنے ہاتھ کو حرکت دی اور اجنبی نازنین جس کے بارے میں وہ صرف اتنا ہی جان سکا تھا کہ اس کا نام اسماء، کنیت قطر الندیٰ اور کسی بڑے امیر کی بیٹی ہے۔ اپنے محافظ سواروں کے جلو میں اسی جانب روانہ ہو گئی جدھر سے آئی تھی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جب اس کے محافظ سوار دشتِ فرات کے درختوں، جھاڑیوں اور نرسلوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے تو وہ خود بھی وہاں سے ہٹ گیا اور لگڑ بگڑ کی اُن جھاڑیوں کی طرف ہو لیا جن کے دامن میں جنگلی پھولوں کی بیلیں اور پودے دُور تک پھیلے تھے۔

اُس کے ہٹتے ہی عراقی غلام مُردہ شیر کی طرف لپکے اور اس کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گئے۔

★

مشرق میں سورج خم دار کھجوروں کی چھتریوں سے بلند ہو چکا اور علیل، بے سُدھ سائے آہستہ آہستہ گھٹنے لگے تھے۔ دشتِ فرات کی سرد جگی صبح سورج کی ہلکی ہلکی تمازت سے گرم ہو رہی تھی۔ دھند دھوئیں کی طرح اُڑنے لگی تھی لیکن طویل و عریض بیلے کے بیچوں بیچ جہاں سے دریا گزرتا تھا، گہری چادر سفید غبار کی مانند پھیلی تھی۔ ترائی کے مرطوب حصے کا سکوت بھی جہاں جھاڑیاں زیادہ سرسبز اور نرسلوں کے جھنڈ زیادہ گنجان تھے۔ دن کے اُجالے میں ٹوٹ رہا تھا۔ درختوں، جھاڑیوں، نرسلوں اور سرکنڈوں کے درمیان پھدکتے خرگوش اور زمین بوس شاخوں یا جڑوں میں سرسراتے جنگلی چوہے بیلے میں زندگی کی حرکت کا پتا دے رہے تھے۔ جھاڑیوں اور بکھری شاخوں کی چلمن سے کبھی کسی لومڑی کی آنکھیں خیمہ گاہ کی طرف جھانک لیتی اور فوراً ہی غائب ہو جاتی تھیں۔

احمد ابو عباس کو ترائی کے جنگل میں گزرتی زندگی کی لہر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اُس چھدری پٹی سے جہاں فرات کے بھاری جرکم شہتیر کے ساتھ مقابلہ ہوا تھا، جنگلی پھولوں کا نظارہ کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا جن پر ابھی تک شبنم کے قطرے چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ پڑاؤ سے ڈیڑھ دو فرلانگ دُور خود رو پھولوں کی چھتریاں

دُور تک چلی گئی تھیں۔ نیلے، پیلے، اُودے، سفید، گلابی، سرخ پھولوں کی بوقلمونی اور رنگوں کی کشش عباسی ولی عہد کو اس قطعۂ بہاراں کی طرف کھینچ لائی تھی لیکن پھول تو صرف بہانہ تھے، دراصل وہ اُن شبنمی موتیوں کا نظارہ کرنے آیا تھا جو شاخوں، نوکیلی پتیوں اور پھولوں کی خوش رنگ قباؤں پر بڑا دل کش منظر پیش کر رہے تھے۔

یہ نظارہ کوئی نیا نہ تھا۔ صبح کے وقت اکثر اُس نے کہیں نہ کہیں شبنم کے قطروں کو دیکھا اور بعض اوقات کسی سبزے پر انھیں پامال کرتا ہوا گزر گیا تھا مگر آج پھولوں کی جھاڑیوں پر شبنم کے موتیوں کا نظارہ دل میں ایک عجیب سی راحت اور روح میں ایک انوکھی بالیدگی کے ساتھ ساتھ ایک طرح کی بے چینی بھی پیدا کر رہا تھا۔ جس کا کوئی نام نہ تھا لیکن نہیں، اُس بے چینی کا ایک نام تو جرور تھا۔ قطر الندیٰ، قطرۂ شبنم اور اس وقت بھی جب وہ اُسی بے چینی سے گزر رہا تھا، اجنبی نازنین کا دیا ہوا ہار ہاتھ میں تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ہار کے چھوٹے چھوٹے موتی بھی، جم میں شبنم کے قطروں ہی کے برابر تھے اور سورج کی روشنی میں اُن سے ایسی ہفت رنگ شعاعیں پھوٹتی تھیں جو آنکھوں میں چکاچوند سی پیدا کر رہی تھیں۔ وہ اُن کی چمک دمک دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

بغداد کے خزانے میں میرے جواہرات اور موتیوں کی کمی نہ تھی۔ عباسیوں نے مال و دولت کے انبار جمع کیے اور ممالک محروسہ سے لعل و گہر کی ایسی نادر سوغاتیں حاصل کی تھیں جن کی نظیر مشرق و مغرب کے شاہی خزانوں میں نہیں ملتی تھی مگر ولی عہد نے اتنے چھوٹے اور ایسے تاب دار موتی پہلے نہیں دیکھے تھے۔ وہ عالمِ حیرت میں ان خوب صورت اور انوکھے موتیوں کو دیکھتا اور شبنم کے قطروں سے ان کا موازنہ کرتا رہا۔ وہ موتی بلاشبہ نادر اور نایاب تھے۔ سورج کی روشنی میں اس کے قطروں میں کئی رنگوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ وہ سوچنے لگا، شاید ان موتیوں کو شبنم سے کوئی خاص نسبت ہے۔ فوراً خیال آیا کہ ایسا نایاب تحفہ دینے والی نازنین کی کنیت بھی تو قطر الندیٰ (قطرۂ شبنم) ہے اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ جس طرح اس کی کنیت شبنم تھی، اُسی طرح اُس کے ہار کے موتی بھی جم، رنگ اور چمک دمک میں شبنم کی مثال تھے۔

یہ احساس بڑا انوکھا اور خیال انگیز تھا کہ اسماء قطر الندیٰ کا حسن بھی شبنم کی مانند مصفا، [illegible] اُس ساحرۂ جمال کو شبنم سے کوئی تعلق ہے۔

www.urdukorner.com

پھولوں اور شاخوں پر سورج کی روشنی میں چمکنے دمکنے اور اس کے موتی اس کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اچانک ایک خشک ٹہنی پر نظر پڑی تو اس پر ایک کانٹا دکھائی دیا جس کی نوک پر شبنم کا قطرہ اس کے دل کی طرح لرز رہا تھا۔ دھڑکتے رہا تھا۔ شبنم کا قطرہ پھول کی پتی پر ہو یا نوک خار پر، جب لرزتا ہے تو دل میں راحت اور ٹھنڈک کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اسماء قطر الندی کی ملاقات بھی اسی طرح راحت بخش ثابت ہوئی تھی لیکن اب یہ خیال رہ رہ کے پریشان کرنے لگا کہ اس کے باپ اور قبیلے کا نام کیوں نہ پوچھ لیا۔ پھر سوچا کہ اس کا قبیلہ سرحد کے پار فرات کے آس پاس کہیں آباد ہوگا اور کسی بھی غلام کو بھیج کر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسماء قطر الندی کس شامی قبیلے سے تعلق رکھتی اور کس امیر کی صاحبزادی ہے۔

یہ خیال امید افزا تھا جس سے کچھ تسکین ہوئی۔ سرحد پار کے بعض شامی قبیلے عباسیوں کے بے حد نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اگرچہ بنی خزاعہ کی سیاسی مصلحتوں نے شام کے سرحدی قبائل میں عباسی حکمران مرتضیٰ بن موسیٰ کے خلاف نفرت پھیلائی تھی، اس کے باوجود دربار بغداد میں ایسی اطلاعات پہنچی تھیں کہ بعض قبیلے پرانی دشمنی ترک کر رہے ہیں۔ اسماء قطر الندی کی گفتگو سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسے شامی قبیلے سے تعلق رکھتی ہے جسے عباسیوں کی دوستی عزیز ہوگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب شکار سے لوٹے گا تو کاسہ خاص کے کسی مخبر کو شام کے سرحدی قبائل کی طرف بھیجے گا جو قطر الندی کے قبیلے سے متعلق معلومات فراہم کر سکے۔ مگر اسی لمحے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سن کر اس نے شبنمی موتیوں کا ہار مٹھی میں دبا لیا اور اندازہ کرنے لگا کہ آنے والا کون ہو سکتا ہے؟

بہت سی خوبیوں کے علاوہ احمد ابو عباس میں ایک انوکھا وصف یہ بھی تھا کہ پلٹ کر دیکھے بغیر محض پیروں کی چاپ اور رفتار کے انداز سے آنے والے کو پہچان لیتا اور اس کا قیاس ہمیشہ درست ہوتا تھا۔ اسی غیر معمولی صلاحیت کے باعث اس نے اپنے عقب میں ابھرنے والی چاپ پہچان لی اور سمجھ گیا کہ وہ منذر ابن حرب الکندی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی تھا اور جو اس کے محافظ دستے کا سالار بھی تھا۔ اسے اپنے اندازے پر اتنا بھروسا تھا کہ جونہی کچھ فاصلے پر قدموں کی چاپ رکی۔ اس نے پلٹے اور آنے والے کو دیکھے بغیر پوچھا۔

"ابن حرب! آج تم نے اپنے خیمے سے نکلنے میں دیر کیوں کر دی؟"

"میں نے کوئی دیر نہیں کی ابو عباس! جب تیرے کا پھل ٹوٹا اور زخمی شیر آپ پر جست لگانے والا تھا۔ اس وقت میں زیادہ دور نہ تھا۔ اگر آپ کی تلوار چل جاتی تو میری تلوار اپنا کام کر گزرتی۔"

آنے والے کے جواب نے تصدیق کر دی کہ وہ منذر ابن حرب ہے۔ ابو عباس ہی کی طرح بہادر اور ابو عباس ہی کی مانند بے رحم، جو اپنے دشمن کو خواہ وہ درندہ ہو یا کوئی انسان کبھی معاف نہیں کرتا اور مقابلے کے وقت اس پر بھرپور ضرب لگاتا ہے۔ یہ خصوصیت ان دونوں میں مشترک تھی۔ جبھی احمد ابو عباس، ابن حرب کو عزیز رکھتا تھا۔ اب اس نے پلٹ کر منذر کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"ہمیں یقین تھا تم ہم سے دور نہیں رہو گے۔"

"ابو عباس! آج کے مقابلے پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ایسے زبردست مقابلے بہت کم ہوتے ہیں۔"

"شیر بھاری بھرکم تھا، اسے زیر کرتے ہوئے ہمیں پسینا آ گیا۔"

"مگر آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ نیزہ بھی ٹھیک مارا، تلوار بھی ٹھیک چلائی اور ترکی پر اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی۔"

احمد ابو عباس چونکا اور اسے احساس ہوا کہ ابن حرب بہادری کی "مبارک باد" دینے کے بہانے شاید ترکی کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہے۔ اب خود ہی اس کا ذکر چھیڑ دیا۔

"بیچاری شہسواری کی مشق کرنے نکلی تھی کہ درندہ پیچھے لگ گیا۔ کسی شامی امیر کی ترکی معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ نے نام نہیں پوچھا؟"

"نام اسماء ہے اور کنیت قطر الندی۔"

ابن حرب کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "پھر بھی آپ اس کے باپ کو نہیں جانتے؟"

عباسی شہزادہ کچھ پریشان نظر آیا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"گستاخی معاف، ابو عباس! میں اس کے محافظ دستے کے افسر کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ کس باپ کی بیٹی ہے مگر آپ کی بے خبری پر حیران ہوں کہ اپنے دشمن کی لڑکی کو نہیں پہچان سکے۔"

www.urdukorner.com

احمد کی بوکھلاہٹ دیکھنے والی تھی۔ "دشمن کی لڑکی، کون دشمن؟"

ابنِ حرب نے ذرا ٹھہر ٹھہر کے اور الفاظ کو ایک دوسرے سے کاٹ کر بتایا۔ "خمارویہ ..... بن احمد ..... بن طولون ..... سلطان مصر و شام۔"

عباسی ولی عہد فرطِ تحیر سے اُچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ وہ احمد بن طولون ہی تھا جس نے مصر و شام کو خلافتِ عباسیہ سے کاٹ کر الگ کیا اور اسلامی سلطنت کو دو لخت کر کے نئی طولونی سلطنت کا حکمران بن بیٹھا۔ ابنِ طولون عباسیہ کا بدترین دشمن تھا۔ اس کا بیٹا خمارویہ بھی مسندِ اقتدار پر بیٹھتے ہی عباسی ولی عہد احمد ابوعباس بن موفق طلحہ کو براہِ راست شکست دے کر میدانِ جنگ میں اپنی برتری ثابت کر چکا تھا۔ آج اسی خمارویہ کی بیٹی اسماء قطرالندیٰ اسے ایک اور مات دے گئی تھی۔ اس نے اپنے دوست کو حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔

"تم کیسے جانتے ہو کہ وہ خمارویہ کی بیٹی تھی؟"

"عباسیہ کے ولی عہد کا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے ابوعباس! کیا آپ یہ بھول گئے کہ میں مصر میں جنگی قیدی رہ چکا اور بعض مصری افسروں کو پہچانتا ہوں۔"

احمد ابوعباس کے چہرے پر یکلخت ماضی کے المناک واقعات نے اپنا سایہ ڈال دیا اور وہ تسترگی نظروں سے اپنی شکست کا منظر دیکھنے لگا۔

۲۷۰ ہجری میں جب موت کے مرد باتھوں نے عباسیہ کے باغی احمد بن طولون کی زندگی کا ورق الٹ دیا اور اس کی لاش الفطائع کے ایک مقبرے میں دفن کر دی گئی تو عباسی حکمران موفق طلحہ بن متوکل نے اپنے بیٹے اور ولی عہد احمد ابوعباس کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھا اور اسے عباسیہ کے لشکر دے کر مصر و شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ موفق کا خیال تھا کہ باپ کے مرتے ہی خمارویہ عباسی حملے کی تاب نہ لا سکے گا اور اطاعت قبول کر لے گا یا عبرت ناک شکست سے دوچار ہوگا مگر خمارویہ مصر سے نکلا اور شام کے میدانوں میں کھنچی ہوئی تلواروں اور تنے ہوئے بھالوں کے سائے طواحین کے قریب ابوعباس کے لشکروں پر ٹوٹ پڑا۔ جو رملہ تک بڑھ آیا تھا۔ ولی عہد کی مہم شکست و ناکامی پر ختم ہوئی۔ وہ خود ہارے ہوئے لشکر لے کر بغداد لوٹ آیا لیکن اس لڑائی میں بہت سے عراقی سپاہی جنگی قیدی بنا لیے گئے تھے۔ ان میں ولی عہد کا دوست منذر ابنِ حرب الکندی بھی شامل تھا جسے خمارویہ کچھ قیدیوں کے ہمراہ مصر لے گیا۔ وہ کم و بیش ایک سال تک مصریوں کی سختیاں جھیلتا رہا اور جس طرح قید سے رہا ہوا اس کی

روداد احمد ابوعباس بھی سن چکا تھا۔ اسیری کی اس داستان کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اسماء قطرالندیٰ کے حوالے سے آج اُسے دہرانا ضروری ہو گیا تھا۔ ابنِ حرب بتانے لگا۔

"ابوعباس! میں مصر کے ایامِ اسیری میں خمارویہ کے چھوٹے بھائی شہزادہ شیبان کی نگرانی میں تھا اور وہی حارث، جو آج شہزادی قطرالندیٰ کے محافظ دستے کا افسرِ اعلیٰ بن کر آیا۔ کوڑوں سے میری کھال ادھیڑ دیا کرتا تھا کیونکہ میں آپ اور آپ کے والدِ گرامی موفق طلحہ بن متوکل کا خاص خدمت گار تھا اور بنی طولون کی اصل دشمنی اعلیٰ حضرت موفق طلحہ سے تھی۔ ایک روز شہزادی قطرالندیٰ جو اُن دنوں بچی تھی، شیبان سے ملنے آئی۔ عریش کی کارواں سرائے کا مالک سلیمان بن عامر اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے اپنے چچا سے سفارش کی کہ مجھے عریش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا جائے کیونکہ وہاں مصر و شام کے درمیان سفر کرنے والے مسافروں کی خدمت کے لیے غلاموں کی ضرورت ہے۔ شیبان نے انکار نہ کیا، وہ اپنی بھتیجی سے والہانہ پیار کرتا اور اس کی ہر بات مانتا تھا۔ بلکہ اسماء کی کنیت قطرالندیٰ بھی اُسی نے رکھی تھی۔ اس کی سفارش پر میں عریش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا گیا جہاں سے مجھے رہائی ملی اور آپ پوچھتے ہیں میں قطرالندیٰ کو کیسے جانتا ہوں؟ ابوعباس! شاید یہ احساسِ تکلیف دہ ہو کہ آج آپ کی ملاقات اس دشمن کی بیٹی سے ہوئی ہے جس نے میدانِ جنگ میں آپ کو شکست دے دی تھی، اس لیے اپنے محافظوں اور غلاموں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کون تھی؟"

احمد ابوعباس نے ساری گفتگو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ سُنی اور معاملے کی عجیب و غریب نوعیت پر غور کیا۔ وہ نازنین جسے کسی شامی امیر کی لڑکی سمجھ بیٹھا اور اس کے قبیلے سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اب اجنبی نہ رہی بلکہ وادیٔ نیل کی پُراسرار داستانوں کی طرح خود بھی ایک "داستانِ اسرار" بن کر سامنے آئی تھی۔ احمد نے اُس کے بارے میں مزید گفتگو کا ارادہ ترک کر دیا اور صرف آخری بات کا جواب دیا جس میں جنگ اور شکست کا ذکر تھا۔

"ابنِ حرب! جنگ ہار جیت کا کھیل ہے۔ دو حریفوں میں سے فتح صرف ایک کا مقدر بنتی ہے لیکن دھوپ چھاؤں کی طرح مقدر بدلتے رہتے ہیں۔ گزری ہوئی کل خمارویہ کی تھی۔ آنے والی کل ہماری ہوگی اور تم جانتے ہو، ہم اپنے دشمن کو بھولتے نہیں، یاد رکھتے ہیں۔"

"پھر اپنے دشمن کو یاد رکھیں اور اس کی بیٹی کو بھول جائیں۔"

www.urdukorner.com

ابو عباس کو یوں لگا جیسے ابن حرب نے اس کے دل پر ہاتھ ڈال دیا ہو۔ بے شک وہ دشمن کی بیٹی سہی لیکن آفریدۂ جمال تھی۔ ذرا تڑپ کر وہ مٹھی کچھ اور بھینچ لی جس میں قطر الندیٰ کا شبنمی موتیوں جیسا ہار دبا رکھا تھا۔ شاید اُسے بھولنا نہیں چاہتا تھا مگر کیوں؟ اس سوال کا جواب خود بھی نہیں جانتا تھا۔ انسانی زندگی میں اَن گنت سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا اور اگر کوئی جواب ہوتا ہے تو دیا نہیں جا سکتا۔ غالباً یہ سوال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

اُس نے بے چین نگاہوں سے ایک بار پھر شاخوں پر لرزتے، چمکتے، اوس کے قطروں کو دیکھا۔ اُن میں وہ قطرہ شبنم بھی تھا جو خشک سنی کی نوکِ خار پر تنہا کانپ رہا تھا۔ معاً اُسے خیال آیا، اگر شبنم کے یہ قطرے رات کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسو ہیں، تو قطر الندیٰ اُس کے دشمن کی آنکھ کی پتلی ہے۔ خمارویہ کی قرۃ العین، جو اُس کی دسترس سے باہر تھی کیوں کہ عراق اور مصر کے درمیان خون کا ایک قلزم حائل ہو چکا تھا۔ وہ اُس قلزم کے ایک ساحل پر اور شہزادی قطر الندیٰ دوسرے ساحل پر کھڑی تھی۔

ابن حرب نے جو بات کہہ دی، اس پر حالات کی مہر تصدیق ثبت تھی مگر وہی بات دل کو کچوکے دے رہی تھی، کہ وہ خمارویہ کو یاد رکھے اور اُس کی بیٹی کو بھول جائے۔ آخر اُسے ایکا ایکی کیسے بھول جائے جو اس کے دل میں دھڑک رہی تھی، مٹھی میں بند تھی۔ گومگو کی حالت میں گھرا سوچنے لگا کہ اپنی مٹھی دشمن ابن حرب کے سامنے کھول دے یا بند رکھے؟

ابن حرب نے اُسے یاد دلایا تھا کہ ابھی دشمن سے پچھلی شکست کا بدلہ لینا اور اس کا حساب چکانا ضروری ہے جو جرنیل اور سپہ سالار اپنی شکست کو بھول جاتا اور ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل نہیں کرتا، اس پر فتح کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر احمد ابو عباس سوچ رہا تھا اس کی مٹھی میں نادر موتیوں کا جو ہار بند ہے، وہ صرف اس لیے دیا گیا کہ اُسے دیکھ کر عباسی ولی عہد کبھی اپنے دشمن کی بیٹی کو یاد کر لیا کرے کیوں کہ حکمرانوں کو تعصب زیب نہیں دیتا۔ وہ صرف ہرنوں، بارہ سنگوں یا خونخوار چیتوں اور شیروں کا شکار نہیں کھیلتے، اپنے حسنِ سلوک سے لوگوں کے دل بھی شکار کرتے ہیں۔ اس کشمکش میں جو اُس کے دل اور دماغ کے درمیان جاری تھی، حقیقت صرف اتنی تھی کہ آج وہ خود شکار ہو چکا تھا۔

اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ابن حرب کے سامنے اپنی بند مٹھی نہیں کھولے گا اور قطر الندیٰ کے تحفے کو کسی رازِ حیات کی طرح محفوظ رکھے گا۔ کم از کم ابن حرب کو یہ پتہ معلوم نہیں ہونا چاہیے

کہ وہ بنتِ خمارویہ کو بھول نہیں سکتا۔ اس اثنا میں جب وہ حسین فیصلہ کر رہا تھا، ناگہاں خیمہ گاہ کی جنوبی سمت پاؤں کی آواز اُبھری۔ دونوں نے بہ یک وقت چونک کر دیکھا۔ کچھ عراقی سپاہی پڑاؤ میں داخل ہو رہے تھے۔ پھر انھوں نے میر شکار غیاث الدین کو اُن کے استقبال کے لیے لپکتے دیکھا اور عباسیہ کے فوجی سالار محمد بن طاہر کو گھوڑے سے اُترتے دیکھا۔ اُسے دیکھ کر دونوں کے ماتھے ٹھنکے اور ایک دوسرے کو حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"یہ ابن طاہر ہمارے پیچھے کیوں آیا ہے؟" ابو عباس نے پوچھا۔

"شاید آپ کے لیے کوئی ضروری پیغام ہو۔" ابن حرب نے قیاس آرائی کی۔

محمد بن طاہر دربارِ بغداد میں صرف ایک فوجی سالار کی حیثیت سے اہم نہیں تھا بلکہ عباسی حکمران موفق طلحہ بن متوکل کے قریبی اَمیروں میں شمار ہوتا اور اپنے معاملات کا مختار سمجھا جاتا تھا۔ اُس کی اچانک آمد خالی از علت نہیں ہو سکتی تھی۔ بنتِ خمارویہ کی حیرت انگیز غائبات کے بعد محمد بن طاہر جیسی اہم شخصیت کی دشتِ فرات میں غیر متوقع آمد، اک کارِ دگر اہم واقعہ تھا جس نے دونوں کو تشویش میں ڈال دیا۔ کسی قیاس آرائی کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں بہ عجلت خیمہ گاہ کی جانب ہو لیے۔

عراقی جرنیل ابھی میر شکار غیاث الدین سے باتیں کر رہا تھا کہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ ولی عہد سلطنت کو دیکھتے ہی ابن طاہر نے "السلام علیکم" کہا اور بڑے احترام کے ساتھ جھک کر آداب بجا لایا۔ ادب و احترام کا یہ انداز غیر معمولی تھا۔ ابو عباس نے تذبذب کے لہجے میں پوچھا۔

"بغداد کی کیا خبر ہے ابن طاہر؟"

فوجی سردار نے سوال کا جواب نہ دیا۔ اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

"اعلیٰ حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

"مگر اچانک طلبی کا مقصد؟"

ابن طاہر نے مقصد کی کچھ وضاحت کی۔ "ابو عباس! جب میں بغداد سے روانہ ہوا طبیب اور حکیم ان کے اردگرد جمع تھے۔"

یہ سنتے ہی ولی عہد کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ "چند روز قبل جب ہم شکار کے لیے روانہ ہوئے، اُن کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی۔"

"طبیعت بگڑتے دیر نہیں لگتی۔" ابن طاہر نے مزید وضاحت ضروری سمجھی۔

S-527, BRIGHRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048534 - 0345-5043359
Pages: [illegible]

www.urdukorner.com

"حاکم بہ دمن، اطباء و حکما کا خیال ہے کہ علی حضرت کی زندگی کے پیمانے میں صرف ایک دو گھونٹ باقی رہ گئے ہیں اور اس سے پہلے کہ وہ گھونٹ ختم ہوں، آپ کا دارالخلافت میں پہنچنا ضروری ہے۔"

اس اطلاع نے سب کو افسردہ و غمگین کر دیا۔ ابو عباس کی بے چینی بڑھ گئی۔ باپ کی بیماری کے ساتھ فوری واپسی کی تاکید کئی اندیشے لے کر آئی تھی۔ اس موقع پر ولی عہد سلطنت کی حیثیت کی سے اُسے بغداد میں موجود ہونا چاہیے تھا کیوں کہ حکمران دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے پیچھے حقوق و اختیارات کے کئی جھگڑے چھوڑ جاتے ہیں اور کچھ عرصے سے بغداد کا تختِ خلافت بھی اقتدار کی کشمکش اور آویزش کا محور بن گیا تھا۔

طلوع و غروب

○

چند سال پیشتر موفق طلحہ اپنے بڑے بھائی خلیفہ معتمد علی اللہ کو خلافت سے معزول کر کے خود برسرِ اقتدار آ گیا تھا۔

معتمد کے خلاف امورِ خلافت میں کوتاہی کی شکایات تھیں۔ عیش و نشاط، لہو و لعب اور مے نوشی کے الزامات بھی عائد کیے گئے۔ اُس کے عہدِ خلافت میں موفق طلحہ لشکروں کا سپہ سالار تھا۔ اصل طاقت اُسی کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے دشمنوں کے خلاف کئی فتوحات حاصل کیں۔ معتمد نے اسے اپنے بیٹے جعفر المفوض کے بعد ولی عہد بھی مقرر کر دیا۔ بیٹے کو مغرب یعنی (شام، جزیرہ اور آرمینیا) کا حاکم بنایا اور بھائی کو مشرق کی ولایات یعنی عراق، بغداد، حجاز، یمن، فارس، اصفہان، رے، خراسان، طبرستان، سجستان اور سندھ سونپ دیں۔ یہ وصیت بھی رقم کرائی کہ اگر میں اپنے بیٹے جعفر کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جاؤں، تو میرے بھائی موفق طلحہ کو تخت پر بٹھایا جائے۔

موفق کے حاشیہ بردار مصاحب سمجھتے تھے کہ معتمد کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے موفق طلحہ ہے جس کے ہاتھ میں عباسی لشکروں کی کمان ہے۔ یہ حالات ایک کشمکش کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ دونوں بھائیوں [illegible] میں موفق طلحہ

www.urdukorner.com

نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معتمد پر فوج کشی کر دی۔ بعض اُمرائے سلطنت کی بروقت مداخلت سے اگرچہ فریقین میں صلح ہو گئی لیکن دلوں میں کدورت کی آگ سلگتی رہی اور ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں بھی بڑھتی چلی گئیں۔ ۲۶۹ھ میں خلیفہ نے مصر میں اپنے نائب السلطنت احمد بن طولون کو خفیہ مراسلہ بھیج کر دمشق میں بلایا۔ صرف ابن طولون ہی معتمد کو موفق طلحہ کی فوجی دراز دستیوں سے بچا سکتا تھا۔ وہ لشکر لے کر دمشق پہنچ گیا۔ اِدھر معتمد بھی سیر و شکار کے بہانے سامرا سے نکلا مگر موفق کو خبر مل گئی کہ خلیفہ ابن طولون کی پناہ چاہتا اور دمشق جا رہا ہے۔ اس نے اسحاق بن کنداج کو لکھا کہ معتمد کو دمشق نہ پہنچنے دے اور کسی بہانے واپس بھیج دے۔

بدنصیبی معتمد کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ابھی وہ موصل اور حدیثہ کے درمیان پہنچا تھا کہ ابن کنداج نے اسے جا لیا اور دمشق سے روکنے کی چال پر رکھی۔ "امیر المومنین! بھائی آپ کا دشمن ہو رہا ہے جس کے اشارے پر فوج حرکت کرتی ہے اور ایسی حالت میں آپ دارالخلافت چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ فوراً واپس جائیے ورنہ آپ کے آباؤ اجداد کی سلطنت ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

معتمد سمجھ گیا۔ ابن طولون سے ملنے کا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ اسحاق بن کنداج فوجی حلقے کے ساتھ آیا تھا اور معتمد وہ فوجی حلقہ توڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اپنی سطح سے گر کر کہنے لگا۔ "میں واپس جانے کے لیے تیار ہوں مگر اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ چلو اور قسم کھاؤ کہ مجھے موفق طلحہ کے سپرد نہیں کرو گے۔"

ابن کنداج کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ اُس نے قسم کھائی اور اس کے ساتھ سامرا کی جانب روانہ ہوا۔ رستے میں موفق کا نائب قسم صاعد بن مخلد آملا۔ ابن کنداج نے بدنصیب خلیفہ کو اس کے حوالے کر دیا اور اس طرح اپنی قسم "پوری" کی۔

معتمد کو بغداد نہیں جانے دیا گیا اور سامرا ہی میں ٹھہرایا گیا۔ اب وہ صاعد بن مخلد کے قبضے میں تھا جس کے پانچ سو سپاہی ہر وقت اس کی نگرانی کرتے تھے۔ موفق طلحہ نے اسحاق بن کنداج اور صاعد بن مخلد کو خلعتوں اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اقتدار و اختیار خود سنبھال لیا اور کچھ عرصے کے بعد بھائی کو بغداد سے دور واسط بھیج دیا۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس پر پوری مملکت میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ابن طولون کو اس عزل و نصب کی اطلاع ملی تو مصر کے سرداروں، قاضیوں اور فوجی حکام اور اہل الرائے کو جمع کر کے موفق طلحہ پر الزام لگایا کہ اس نے امیر المومنین سے عہد شکنی کی ہے۔ ساتھ ہی مرکز کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ صرف قاضی بکیر بن قتیبہ نے جو دارالخلافت کی طرف سے مصر میں عدلیہ کا سربراہ تھا، بغاوت پر حجت کی۔ ابن طولون نے اسے زنجیر پہنا دی اور اس کے تمام حقوق، اختیارات اور عطیات ضبط کر لیے۔

مصری سرداروں اور بنی طولون کا عذر یہ تھا کہ انھوں نے خلیفہ معتمد کی بیعت کی تھی اُسے معزول کر دیا گیا تو مرکزِ خلافت سے اُن کا تعلق بھی ٹوٹ گیا۔

موفق طلحہ ایک طاقت ور جرنیل ضرور تھا۔ اُس نے بھائی کو نظر بند کر کے اقتدار سنبھالا اور اپنا حکم نافذ کر دیا لیکن اُسے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا کہ معتمد علی اللہ ابھی زندہ اور اسیر و نظر بند ہونے کے باوجود حقِ خلافت سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ اس لیے موفق طلحہ کے لیے خلافت کی بیعت نہیں لی گئی۔

احمد بن طولون ایک زیرک سیاست دان اور زمانہ شناس تھا۔ اُس نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ معتمد کو رہا کر کے خلافت پر بحال کر دیا جائے تو وہ بھی اطاعت قبول کر لے گا لیکن موفق طلحہ یہ کڑوا پیالہ ہونٹوں سے لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ معتمد کی رہائی اور اقتدار پر بحالی موفق کی اپنی موت تھی۔ خلیفہ کو معزول اور نظر بند کرنے کی پاداش میں وہ خود قتل یا قید کیا جاتا۔ اقتدار و اختیار کے دو دعوے داروں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔

ابن طولون نے موفق طلحہ کے خلاف بڑی تیز حرکت کی۔ مصر پر تسلط جمانے کے ساتھ شام پر بھی قبضہ مستحکم کر لیا۔ اور مصر و شام کو متحد کر کے نئی طولونی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۸ سال گزر جانے کے باوجود شامی قبائل ہواجیہ سے اپنی ہمدردیاں ختم کر سکے نہ ابھی تک پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح کی اُس وحشت و خون ریزی کو بھول سکے تھے جس میں اموی گھرانے کو خون میں غسل دیا گیا تھا۔ تقدیر نے اگر امویوں کے لیے ہلاکت کے دام بچھائے تھے تو عباسیوں نے اُن کے خون اور ہڈیوں پر اپنے اقتدار کی مسند سجائی تھی۔ اقتدار کی اس تبدیلی سے شامی قبائل بھی متاثر ہوئے تھے کیوں کہ دارالخلافت شام سے عراق میں منتقل ہو گیا اور شامیوں کی پہلی سی ہیبت جاتی رہی تھی۔

معتمد اور موفق کے جھگڑے میں بنی طولون نے معتمد کی حمایت ضروری سمجھی اور عباسی

www.urdukorner.com

اقتدار کے خلاف علم بلند کیا، تو شام کی قبائلی عصبیت نے بنی طولون کا ساتھ دیا اور عباسیوں سے آنکھیں پھیر لیں۔

۲۷۰ ہجری میں معتمد کو ایک بار پھر سامرا لایا گیا اور بغداد میں بھی اُس کی نمائش کی گئی۔ ایک لشکر اس کے جلوس میں تھا اور عراقی جرنیل محمد بن طاہر تیغ بکف معزول خلیفہ کے آگے آگے چلتا رہا۔ ظاہر یہ ہوتا تھا کہ وہ نظر بند نہیں۔ اس جلوس و نمائش سے موفق طلحہ غالباً مصری اور شامی سرداروں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ خلیفہ آزاد ہے اور مرکزِ خلافت سے اُن کی علاحدگی کا کوئی جواز نہیں لیکن مصری اور شامی سردار جانتے تھے کہ معتمد ایک اسیر پرندہ ہے جس کا صرف پنجرہ تبدیل کیا گیا ہے۔

موفق کو مصر و شام کی متحدہ طاقت کے خلاف فوجی کارروائی کا حوصلہ اس لیے نہ ہو سکا کہ اُس کی باگ ڈور احمد طولون جیسے سیاسی مدبر اور زبردست جرنیل کے ہاتھ میں تھی لیکن ۲۷۰ ہجری (۸۸۳ عیسوی) میں اُس کی وفات کے بعد خمارویہ بن احمد طولونی سلطنت کے تخت پر متمکن ہوا تو موفق نے فوجی کارروائی کرنے میں دیر نہ لگائی۔ ابن کنداج کے ذریعے دمشق میں بغاوت کرائی اور اپنے فرزند احمد ابو عباس کو لشکر دے کر حملے کا حکم دیا۔ جس نے ابن کنداج کے ساتھ مل کر مصری فوج کو رملہ تک پسپا کر دیا۔ خمارویہ کو پسپائی کی خبر ملی تو سات ہزار سوار لے کر آندھی اور طوفان کی طرح رملہ (فلسطین) پہنچ گیا۔ پھر ۱۶ شوال ۲۷۱ ہجری مطابق اپریل ۸۸۴ عیسوی کو طواحسین[2] کی مشہور جنگ لڑی گئی۔ نتیجہ عباسی لشکر کی شکست اور احمد ابو عباس کی ناکام واپسی کی صورت میں نکلا۔ خمارویہ کی قیادت میں طولونی سلطنت پہلے سے زیادہ مضبوط اور مستحکم نظر آنے لگی کیوں کہ وہ ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے سرحدی علاقوں سے بھی خراج لینے لگا تھا۔

پہلی ناکامی کے بعد موفق طلحہ نے خود مصر و شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا مگر حالات اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اسحاق بن کنداج نے ایک نئے خطرے کی نشان دہی کی اور کہا کہ اگر وہ بنی طولون سے لڑنے چلا گیا تو اس کے بدخواہ معتمد کو قید سے نکال کر مسندِ خلافت

---

[1] طبری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ جلال الدین سیوطی

[2] طواحسین رملہ کے قریب ایک نالہ تھا جس [illegible] گئی [illegible]

پر بٹھا دیں گے اور بازی اُلٹ جائے گی۔ ادھر ہارون بن ابراہیم نے جو ۲۷۱ھ میں دارالضرب کا گورنر مقرر ہوا تھا، یہ اطلاع دی کہ بیت المال میں روپیہ نہیں اور ٹکسالوں میں جو سکہ ڈھالا جا رہا ہے، اُس سے نئی جنگ کے مصارف پورے نہیں ہو سکیں گے۔ دونوں صورتیں بڑی حوصلہ شکن تھیں۔ موفق نے بغداد سے نکلنا مصلحت کے خلاف سمجھا تاہم اُس کے ترکش میں ابھی ایک اور تیر تھا۔ اس نے خمارویہ کے خلاف نیا راستہ نکالا اور آرمینیا کے حاکم افشین کو حکم دیا کہ وہ شام کی شمال مشرقی سرحد کو روندتا ہوا دمشق پر قبضہ کرے اور شام کو مصر سے کاٹ دے مگر اس نے حملے کی تیاری میں ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کر دیا۔ وہ ۲۷۶ھ مطابق ۸۸۹ عیسوی میں ارمنی لشکر لے کر شام میں داخل ہوا، تو خمارویہ اپنے مصری رسالے سمیت اس کا منتظر استقبال کرنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ افشین کی شکست و پسپائی موفق طلحہ کے دل پر ایک نیا زخم لگا گئی۔

اب بنی طولون سے اپنی ناکامیوں کا انتقام لینے کے لیے صرف حالات کی تبدیلی کا انتظار کر رہا تھا کہ وقت کے ہاتھ نے اُسے بسترِ علالت پر دھکیل دیا اور محمد بن طاہر اس کی خطرناک بیماری کی اطلاع لے کر دشتِ فرات میں نمودار ہوا تھا۔

★

احمد ابو عباس نے باپ کی زندگی کے پیمانے میں فقط ایک دو گھونٹ باقی رہ جانے کی خبر سنی، تو میر شکار غیاث الدین کو فوراً ہمیں اکھاڑنے اور بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اب ایک پل کی تاخیر بھی مناسب نہ تھی۔ حالات کی تصویر اُس کے سامنے تھی جس پر وقت نے اندیشوں کی پرچھائیاں ڈال دی تھیں۔ بغداد کے شاہی ایوانوں پر غم و فکر کے جو بادل اُمڈ آئے تھے، اُن کے حاشیوں میں خطرے کی بجلیاں چھپی بیٹھی تھیں۔

موفق طلحہ نے معتمد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر فوجی طاقت کے بل بوتے اقتدار پر قبضہ تو کر لیا تھا مگر اُس کا خمیازہ پوری اسلامی مملکت کو بھگتنا پڑا۔ مصر و شام کے اتحاد کی صورت میں ایک علاحدہ طولونی سلطنت معرضِ وجود میں آ چکی تھی جس نے عباسیوں سے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ آخر مصر اور شام پر فوج کشی کا نتیجہ کیا نکلا؟ شکست و پسپائی، جس نے موفق طلحہ کے [illegible] کیا جا سکتا تھا کہ اگر بنی طولون نے موفق

www.urdukorner.com

کی زندگی میں عراق پر کوئی جوابی حملہ نہیں کیا تو اس کی وفات پر بھی خاموش بیٹھے رہیں گے۔
دشتِ فرات میں بنتِ خمارویہ کی غیر متوقع ملاقات اور اس کے محافظ دستے کے سردار حارث کی اچانک آمد ابنِ حرب کے بقول طولونی شہزادے شیبان بن احمد کی نشان دہی کرتی تھی۔
شیبان کا مصر سے شام میں آنا کوئی انوکھی بات بے شک نہ سہی لیکن دمشق کی بجائے اس کا شام اور عراق کی سرحد کے قریب دشتِ فرات کے آس پاس پایا جانا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی خاص مقصد ہی کے تحت شام کے سرحدی قبائل کا دورہ کر کے دمشق کی جانب لوٹ رہا ہو۔ شیبان کے دل میں بنو عباس کے لیے نفرت کے سوا اور کچھ نہ تھا اور سرحدی علاقے میں اُس کی موجودگی خطرے سے خالی نہ ہو سکتی تھی۔

مملکتِ عباسیہ کو جو حالات درپیش تھے، بنو عباس اور بنی طولون کے درمیان جو نفرتیں پروان چڑھ رہی تھیں، اُن کی موجودگی میں موفق طلحہ کی خطرناک بیماری یا اچانک موت کسی نئے خطرے کی دھمک بھی بن سکتی تھی۔ بغداد میں بنی طولون کے حامی تو نہیں لیکن معزول و نظر بند خلیفہ معتمد علی اللہ کے حامی ضرور موجود تھے۔ ان حالات میں عباسیہ کے ولی عہد احمد ابو عباس کا دارالخلافت میں حاضر ہونا اور ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد رہنا ضروری تھا۔
دشتِ فرات سے اُس کا قافلہ کسی بگولے کی طرح بغداد کی جانب روانہ ہوا۔

★

دوسرے روز شام کے وقت جب ولی عہد اپنے قافلے کے ہمراہ باب شماسیہ سے بغداد میں داخل ہوا، تو اس کی دیوار کے سائے سے نکل کر بدن پر فرغل نما جبہ اور دھڑے اور سر پر لمبی مخروطی کلاہ پہنے، جعفر نجومی بھاگ کر سامنے آ گیا۔ اور احمد ابو عباس کو اچانک اپنے گھوڑے کی لگام کھینچنا پڑی۔
صرف چھ دن پہلے جب وہ شکار کے لیے بغداد سے نکلا تھا تو اسی دروازے پر جعفر نجومی نے اُس کا راستہ روک کر کہا تھا۔ "ابو عباس! ستارے کہتے ہیں کہ ان ایام میں آپ کو دارالخلافت سے باہر نہیں جانا چاہیے۔"
ابو عباس نے جو نجومیوں کی باتوں کو لغویات قرار دیتا اور علم نجوم پر یقین نہیں رکھتا تھا، بھوری پر بل ڈال کر پوچھا تھا۔ "کیوں؟"

"اس لیے کہ زحل برجِ عقرب میں داخل ہو رہا ہے کچھ حیرت انگیز واقعات ظہور میں آنے والے ہیں۔"
"جعفر! ہم بغداد میں رہیں یا باہر چلے جائیں، واقعات کی رفتار بدل نہیں جائے گی۔"
"مقدرات بے شک نہیں ٹلتے لیکن واقعات کا رُخ خود بدلنا پڑتا ہے۔"
"پھر یوں کرو۔" ولی عہد نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "جب تک ہم شکار سے واپس نہ آئیں تم یہاں بیٹھے واقعات کا رُخ بدلتے رہو۔"
اس پر جعفر نجومی نے کتابِ نجوم کا ایک نیا باب کھول دیا تھا۔ "ابو عباس! میرا علم یہی کہتا ہے کہ اس مرتبہ آپ شکار نہیں کھیل سکیں گے بلکہ خود شکار ہوں گے۔ خدا نہ کرے میں آپ کو زخمی حالت میں واپس آتا دیکھوں۔"
"بے وقوف! زخم تلوار کا ہو یا شکار کا، بہادر کے لیے نشانِ امتیاز ہوتا ہے۔"
یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی کہ اس خبطی نجومی سے دامن چھڑا کر نکل جائے مگر جعفر نے چلا کر آواز دی تھی۔ "ذرا رُک جایئے ابو عباس! ستارے کچھ اور بھی کہتے ہیں۔"
ابو عباس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور پلٹ کر دیکھا تو جعفر نجومی کہہ رہا تھا۔ "آج کی ساعت کے بعد ابھی سات روز پورے نہیں ہوں گے کہ آپ شکار سے لوٹ آئیں گے۔"
اُسے سات روز کا تعین بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا کیوں کہ جب وہ شکار کے لیے نکلتا تو دو دو تین تین ہفتے اور بعض اوقات ایک ایک مہینا جنگلوں یا دجلہ فرات کے بیلوں میں بھٹکتا رہتا تھا۔ وہ جعفر نجومی کی پیش گوئی کو "دیوانے کی بڑ" قرار دیتا اور دل میں یہ عزم کرتا ہوا کہ اب کے دشتِ فرات سے پورے ایک ماہ بعد لوٹے گا۔ اپنے محافظوں اور غلاموں کے ہمراہ باب شماسیہ سے نکل گیا تھا لیکن ٹھیک چھٹے روز غروب ہوتے سورج کی شفق کے سائے میں جب اُسی دروازے سے شہر میں داخل ہوا تو جعفر نجومی کو ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھ کر چونک اٹھا جو شام کے ملگجے اندھیرے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائے کہہ رہا تھا۔
"ابو عباس! میں نے کہا تھا کہ سات روز کے اندر آپ کا بغداد میں لوٹ آنا نوشتۂ آسمانی ہے۔ آج چھٹا دن ہے اور آپ واپس آ گئے ہیں۔"
ولی عہد نے سوچا۔ سات روز کے اندر لوٹ آنے کی پیش گوئی یا اٹکل بے شک پوری ہو [illegible] شکار کو [illegible] شکار ہو گا بلکہ دشتِ فرات میں ایک بیماری پھر کر

www.urdukorner.com

اور زبردست شیر کو ہلاک کر کے آیا تھا، جس کی بھوری کھال میرِ شکار کے گھوڑے کی خرجی میں تھی۔ اس نے جعفر نجومی کو کسی قدر حیرت اور کسی قدر استہزا کی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"ہمیں واپس تو آنا ہی تھا جعفر! چھ سات یوم کے بعد آتے یا بارہ چودہ روز کے بعد لیکن ہم شکار کھیل کر آئے ہیں اور خود شکار نہیں ہوئے۔ نہ درندہ ہمارے جسم پر کوئی زخم لگا سکا حالاں کہ تم نے کہا تھا کہ ہم زخمی ہو کر لوٹیں گے۔"

گویا اس نے جعفر کی بات مسترد کر دی مگر وہ بُرے عالمانہ بلکہ عامیانہ انداز میں کہنے لگا۔

"اہلِ نجوم کے الفاظ پُر معانی ہوتے ہیں حضور! ہر لفظ کے کوزے میں مطالب کا ایک سمندر بند ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کے رموز کسی دوسرے پیرائے میں کھلتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کے شکار ہونے کا مطلب کچھ اور ہو، جس کی تعبیر میں اس وقت بیان کر سکتا ہوں نہ آپ، مگر بغداد کے آسمان پر ایک ستارہ غروب ہونے کی تیاری کر رہا اور دوسرا طلوع ہونے والا ہے۔"

جعفر نجومی کے الفاظ نے اُسے ایک بار پھر چونکا دیا۔ وہ اپنے باپ کی خطرناک حالت کی اطلاع سن کر دشتِ فرات سے بھاگا آیا اور محمد بن طاہر اُسے حکیموں اور طبیبوں کے اندیشے سے آگاہ کر چکا تھا پھر بھی نجوم کی اصطلاح میں ایک ستارے کے غروب ہونے کی خبر حیرت انگیز تھی۔ گویا جعفر نے اشارتاً اُس کے والد کی رحلت کا ذکر کیا تھا۔ حیران سا ہو کر پوچھنے لگا۔

"جعفر کیا تم جانتے ہو، اعلیٰ حضرت بسترِ مرض پر ہیں؟"

"بسترِ مرض پر نہیں، بسترِ مرگ پر ہیں اور چھ روز قبل خادم نے اسی لیے آپ کو باہر جانے سے روکا تھا کیوں کہ آپ کے والدِ بزرگوار کی زندگی کا پیمانہ خالی ہونے والا ہے۔"

احمد عباس راستوں میں بیٹھنے والے نجومیوں کو یاوہ گو سمجھتا تھا جو الٹی سیدھی پیش گوئیاں کر کے اور لوگوں کو قسمت کے حالات بتا کر مال بٹورتے تھے مگر جعفر کی باتیں اُسے حیران کیے دیتی تھیں۔ وہ اس وثوق سے گفتگو کر رہا تھا، جیسے لوحِ تقدیر کا لکھا پڑھ رہا ہو۔ اب عباس ولی عہد کا لہجہ کچھ بدل گیا۔

"تو تمہارا علمِ نجوم اعلیٰ حضرت کی موت کا اعلان کر رہا ہے؟"

جعفر نجومی بھی بڑے پُر حکمت اور پُر اسرار انداز میں کیوں کہ اکثر اہلِ نجوم اسی انداز بیان کے ماہر ہوتے ہیں، کہنے لگا۔

"ابو عباس! ہر انسان کی زندگی [illegible]

منزل پر لے جاتا ہے جہاں اپنے عظیم اجداد کی روحوں سے اُس کی ملاقات ہوتی ہے۔ ہر شخص صرف موت سے ملنے کے لیے زندہ ہے لیکن مرنے کے بعد زمانے کی تختیوں پر صرف اُسی بہادر آدمی کا نام لکھا جاتا ہے جو واقعات کا رُخ بدلنا جانتا ہو۔"

یہ الفاظ زندگی کے فلسفے کی ترجمانی کر رہے تھے۔ احمد ابو عباس نے اپنے جسم کے اندر ایک عجیب سی سنسنی دوڑتی محسوس کی کہ جعفر نے اُن واقعات کا رُخ بدلنے کی تلقین کی تھی جو اس کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ اب اس نے کسی قدر دلچسپی کے لہجے میں پوچھا۔ "جعفر! اُس ستارے کے بارے میں کیا کہتے ہو جو طلوع ہونے والا ہے؟"

نجومی نے کسی تردد کے بغیر جواب دیا۔ "وہ ستارہ جہاں چمکے گا، وہاں فتح و اقبال کا سایہ ڈال دے گا۔"

فرزند موفق نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا اور گھوڑا آگے بڑھایا۔ جعفر نجومی چند قدم اُس کی رکاب میں چلتا اور کہتا رہا۔

"ابو عباس! کل جب آپ تختِ خلافت پر جلوس فرمائیں تو فدوی کو یاد رکھیے گا۔"

اچانک جعفر ایک جگہ رک گیا اور ولی عہد کی سواری آگے بڑھ گئی لیکن جونہی منذر ابنِ حرب کا گھوڑا قریب آیا، وہ اس کے ساتھ چلنے لگا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "ابنِ حرب تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔"

ابنِ حرب نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی لیکن جعفر نے اسے توجہ دلائی۔ "چلتے رہو، رکنا مصلحت کے خلاف ہے۔"

اس نے گھوڑے کو چلنے دیا۔ "تم مجھے کوئی بُری خبر سنانے والے تھے۔"

جعفر کا لہجہ کچھ اور مدھم اور پُراسرار ہو گیا۔ "یہاں نہیں میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ابنِ حرب اُسے حیرت اور تجسس کی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ بغلت دروازے کی طرف پلٹا، جہاں اس کا سامان نجوم، علم، پنجے، ستاروں کے نقشے، زائچے کھینچنے کی لوحیں اور کتابِ تقدیر کے کچھ چرمی اوراق بکھرے تھے۔ بغداد کے آسمان پر شام اپنی کالی زلفیں کھول رہی تھی اور جعفر نجومی اپنا بکھرا سامان جلد جلد ایک بقچے میں سمیٹ رہا تھا۔

www.urdukorner.com

احمد ابو عباس باپ کی عیادت کے لیے سیدھا "قصرِ سفید" میں پہنچا۔ تند و تیز روشنی ہو چکی تھی اور اُن کی زرد روشنیوں میں شاہی قصر پر اداسیوں نے اپنے سائے ڈال رکھے تھے کنیزیں اور غلام بڑی خاموشی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے جیسے موت کو اُن کے قدموں کی آہٹ بھی ناگوار تھی۔ اس الم ناک خاموشی اور اداسی نے ابو عباس کو مضطرب کر دیا۔ ابھی وہ کمرۂ خاص سے کچھ فاصلے پر تھا کہ فوراً ہی غلام گردش سے نکل کر موفق طلحہ کے خاص غلام نے اُس کا استقبال کیا اور بتایا "اعلیٰ حضرت بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

محمد بن طاہر بدستور اُس کے ساتھ تھا۔ غلام اُن دونوں کو کمرۂ خاص میں لے آیا۔ یہاں چند اعیانِ سلطنت، شاہی طبیب، حکیم، کنیزیں اور غلام عباسی حکمران موفق طلحہ بن متوکل کے اردگرد موجود تھے۔ ولی عہد کے آتے ہی سب لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ موفق نے بیٹے کو دیکھ کر کنیزوں کو اشارہ کیا جنھوں نے فوراً اُسے ریشمی گاؤ تکیے کے سہارے بٹھا دیا۔ احمد نے "السلام علیکم" کہا، بڑھ کر باپ سے معانقہ کیا اور اس کا سخت سرد ہاتھ تھام کر سوال کیا "ہم تو آپ کو بھلا چنگا چھوڑ کر گئے تھے مگر آپ چند روز میں بستر سے لگ گئے۔ یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا؟"

موفق نے کمزور سی آواز میں جواب دیا "جب تقدیرِ الٰہی آدمی کو بستر کی طرف ہانک دیتی ہے، تو سب کچھ ہو جاتا ہے کیونکہ زندگی عنکبوت کا جال ہے جس کا ہر تار حوادث کی انگلیاں توڑ دیتی ہیں لیکن شکر ہے آنکھیں بند ہونے سے پہلے ہم نے تمھیں دیکھ لیا۔"

"تقدیر اگر آدمی کو بستر کی طرف ہانک دیتی ہے، تو اُسے شفا بھی عطا کرتی ہے۔"

بیٹے نے بیمار باپ کو حوصلہ دیا لیکن موفق طلحہ صحت و شفا سے غالباً مایوس ہو چکا تھا کہنے لگا "ابو عباس! ہم وہ مقام بہت پیچھے چھوڑ آئے اور تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

آواز بدستور کمزور اور لہجہ نحیف تھا۔ احمد نے پلٹ کر طبیبِ خاص کی طرف دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ کمزوری کی اس کیفیت میں مریض کو آرام کرنا چاہیے یا باتیں؟

طبیبِ خاص نے ولی عہد کا یہ "خاموش سوال" سمجھ لیا اور بڑی افسردہ آواز میں جواب دیا "اعلیٰ حضرت کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ زبان تالو سے لگ جائے اور نہ یہ کچھ بول سکیں، نہ آپ کچھ سن سکیں۔ ان کی باتیں سن لیجیے۔"

الفاظ انتہائی کرب آمیز تھے مگر انہیں کوئی جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ احمد نے کچھ کہے بغیر خاموشی سے تقدیر کے سامنے سر خم کر دیا اور باپ کی ہدایات سننے پر تیار ہو گیا آس پاس کھڑے لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔ موفق اپنا سانس درست کر کے کہنے لگا۔

"ابو عباس! بلایا اس لیے ہے کہ اپنی لحد میں جانے سے پہلے ہم تمھیں یہ بتا سکیں حکمران لوگوں کے سروں پر خدا کے سائے کی مانند ہوتا ہے۔ ہمارے بعد جب تم حکومت کی ذمے داریاں سنبھالو گے تو لوگوں کے سروں پر لطف و کرم کا سایہ رکھنا۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد پورے کرنا اور کسی کو انصاف سے محروم نہ کر دینا۔ تم اُس خاندان کے فرزند ہو جس کا نام صداقت اور عدالت کا نشان سمجھا جاتا رہا۔ آج اگرچہ وہ خاندان اپنی سابقہ عظمتوں کا سایہ بن کے رہ گیا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے اجداد کی عظمتوں کو واپس لاؤ۔ فلسفی کہتے ہیں کہ خدا قوموں کو نہیں افراد کو دیکھتا ہے۔ گفتار اور کردار کے اعتبار سے جیسا کوئی فرد ہو، اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہے۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک اجتماعیت کی کوئی اہمیت نہیں، لیکن فرد اپنی قوم کے حلقے سے نہیں نکل سکتا اور حکمران کے لیے فرد کے علاوہ اجتماع کو بھی ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے کیوں کہ اجتماع اُس کی طاقت ہے۔ ابو عباس! ہم کچھ خواہشیں اپنے دل میں لیے جا رہے ہیں جو پوری نہیں ہو سکیں۔"

موفق کہتے کہتے رُک گیا کیوں کہ سانس پھول گیا تھا۔ کنیز نے فوراً عرقِ گلاب سے مفرح پانی کا گلاس پیش کر دیا۔ موفق نے ایک گھونٹ بھر کر گلاس اپنے قریب ہی رکھ لیا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا "اب ہم تخلیہ چاہتے ہیں تاکہ ابو عباس کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کر سکیں۔"

فوراً ہی اعیانِ سلطنت، طبیب، حکیم، کنیزیں، غلام کمرے سے رخصت ہو گئے موفق کے غلامِ خاص نے تمام دروازوں اور دریچوں کے بھاری پردے کھینچ دیے۔ پھر وہ بھی بڑا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا لیکن اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ غلام گردش میں موجود رہے۔

زرّیں فانوس میں جلنے والی کافوری شمعوں کی روشنی میں موفق طلحہ کا کمزور جسم اور بیمار چہرہ کچھ اور زرد ہو گیا تھا کیوں کہ اُس کے جسم سے زندگی کی گرمی یا طاقت غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ زائل ہو رہی تھی اور وہ اپنی زوال پذیر طاقت کو صرف قوتِ ارادی سے

www.urdukorner.com

روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روشنی کے عکس اُس کے زرد چہرے پر کانپ رہے تھے مگر ایک ذمے دار حکمران دکھائی دیتا تھا جو موت کے حلقے میں بیٹھ کر بیٹے کو رموزِ مملکت سمجھانے لگا

"ابو عباس! ہم جو باتیں اس وقت کر رہے ہیں، اُن کے سمجھ لینے پر تمہارے مستقبل کا انحصار ہے کیونکہ وہ باتیں ہمارے خاندان اور رعایا سے بلکہ ہمارے دشمنوں سے علق رکھتی ہیں۔ کچھ لوگ ہمیں خلافت کا باغی قرار دیتے اور الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے ہوسِ حکومت میں تمہارے چچا معتمد سے اقتدار چھین لیا مگر اُسے اُمت کی بھلائی کے لیے خلافت سے معزول کیا گیا کیوں کہ ہمارے بھائی نے ملک و قوم کی خبر گیری چھوڑ دی اور لہو و لعب کو اپنا شعار بنا لیا تمام لوگ اُس سے ناراض ہو گئے اور چاہتے تھے کہ اُسے امرِ خلافت سے الگ کر دیا جائے جو سکتا ہے، معتمد کی معزولی میں ہماری کسی انسانی کمزوری کا بھی دخل ہو، کیوں کہ اُس نے ہمارے خلاف احمد بن طولون سے ساز باز کر لی تھی۔ ہم چاہتے تو معتمد کو زندگی سے بھی محروم کر سکتے تھے لیکن ہم نے اُسے نظر بند رکھا، شاید یہی ہماری غلطی تھی۔ ہم صرف حکومت پر لوگوں کا اعتماد بحال کرنا چاہتے تھے جو معتمد کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا مگر اُس کی معزولی احمد بن طولون کی بغاوت کا بہانہ بن گئی۔

ابو عباس! ہمیں اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ اسلامی مملکت ہمارے عہد میں ہماری وجہ سے دو لخت ہوئی۔ مصر و شام کی علاحدگی نے ہمارے دل میں ایک گہرا گھاؤ ڈال دیا۔ ہم نے یہ گھاؤ بھرنے کی جو کوشش بھی کی، وہ ناکام ثابت ہوئی۔ ابن طولون کی رحلت کے بعد ۲۷۰ھ میں ہمیں شام پر چڑھائی کا حکم دیا کہ بنی طولون کا سحر توڑ کر اسلامی سلطنت کو متحد کر سکو لیکن ہمارا یہ خواب بکھر گیا۔ ابو عباس! ہم تمہیں شکست کا ذمے دار نہیں ٹھہراتے۔ غلطی ہماری تھی۔ ہم نے بنی طولون کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور ہر غلطی کا ایک خمیازہ ہوتا ہے۔ ہماری غلطی کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑا۔ دوسری مرتبہ آرمینیا کے حاکم افشین نے ہماری اُمید دل پر پانی پھیر دیا۔ ۲۷۶ھ میں جب خمارویہ اپنی سپاہ کو شکست دے کر پلٹا، تو اُس نے عراق کی سرحد پر رقہ میں چھاؤنی ڈال دی اور پیغام بھیجا کہ ہم معتمد کو رہا کر دیں۔ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اُس کی زندگی کو کوئی نقصان پہنچا، تو اُس کا حساب، بلکہ انتقام لیا جائے گا۔ ہم اس پیغام کی چبھن محسوس کرتے رہے لیکن اس کا علاج نہ کر سکے۔

بنی طولون نے معتمد کو اپنی بساطِ سیاست کا ایک مہرہ بنا لیا۔ وہ ہمارے خلاف یہی مُہرہ استعمال کرتے رہے۔ ہماری موت کے بعد وہ معتمد کو تمہارے خلاف بھی استعمال کریں گے۔ کچھ تعجب نہیں کہ خمارویہ مصری اور شامی لشکر لے کر تمہارے چچا کی حمایت میں بغداد پر چڑھائی کر دے اور اُسے خلافت پر بحال کرنے کی کوشش کرے۔ اگر تمہاری تلوار کا لوہا سخت ہوا تو تم اُسے روک لو گے اور اپنی شکست کا حساب برابر کر دو گے لیکن دشمن کے خلاف تلوار اٹھانے سے پہلے تمہیں معتمد سے نمٹنا ہو گا۔ وہ ابھی تک حقِ خلافت سے دستبردار نہیں ہوا اگر ہم نے بھائی کو خلافت سے معزول کرنے کے ساتھ، زندگی سے بھی محروم کر دیا ہوتا، تو ہماری بہت سی مشکلیں اور مصیبتیں ختم ہو جاتیں لیکن تمہیں کیا کرنا ہے، یہ تم جانتے ہو۔ ہم نے صرف وہ صورتِ حال بیان کی ہے جو تمہیں پیش آنے والی ہے۔

احمد بن طولون نے مصر و شام کو عباسیہ کی سلطنت سے کاٹ کر جو زخم لگایا تھا، وہ ہم اپنے سینے پر لیے جا رہے ہیں۔ جیتے جی ہماری یہ حسرت پوری نہیں ہو سکی کہ مسلمانوں کے درمیان نفرت کی اُس لکیر کو مٹا سکیں جو بنی طولون کی تلوار نے کھینچی تھی۔ اُن کی رقابتوں کا بویا ہوا بیج آج ایک درخت بن چکا ہے جس کی شاخ پر مفاد پرستوں نے اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں۔ القطائع کے مقبرے میں ابن طولون کا جسم مٹی ہو چکا، اب زمین اُس کی ہڈیوں کو چاٹ رہی ہو گی لیکن ہمارے دل کا زخم ابھی تک مندمل نہیں ہو سکا اور ہمارے سینے میں اُس گھاؤ کی جلن باقی ہے جسے ہماری کوشش بھر نہیں سکی۔

ابو عباس! ہم نہیں چاہتے کہ یہ زخم، یہ گھاؤ تمہیں وراثت میں دے جائیں کیوں کہ وراثت میں ملنے والے زخم اور صدمے آدمی کو چین نہیں لینے دیتے اور قبر تک اُس کا پیچھا کرتے ہیں۔ البتہ ہم تم سے ایک وعدہ، ایک پیمان، ایک حلف لینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان رقابت اور نفرت کی وہ لکیر مٹا دو گے جس نے عالمِ اسلام کو دو حصوں میں کاٹ دیا، بانٹ دیا ہے۔

جانِ پدر! ہمیں قول دو کہ بغداد اور القطائع و فسطاط کے ٹوٹے ہوئے پیوند پھر جوڑ دو گے تاکہ ہمارے نام سے سلطنت میں جو رخنہ پیدا ہوا، وہ بند ہو سکے اور ہم اطمینان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوں کہ ملت میں جو تفریق ظاہر ہوئی۔ وہ مٹا دی جائے گی۔ ابو عباس! تم صاحبِ تدبیر ہی نہیں، بہادر اور شہ زور بھی ہو۔ اگر تدبیر کا تیر خطا ہو جائے تو اپنی تلوار کا لوہا استعمال کرو۔ تمہاری کمان میں ایسے لشکر چھوڑ کر جا رہے ہیں جن کی تلواریں دشمنوں کے

www.urdukorner.com

LIBRARY
5-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5042759
Prop: Ali Khan

خون سے آب دار ہوتی ہیں اور جب تم انہیں اپنے ساتھ لے کر نکلو گے تو وہ تمہیں مایوس نہیں کریں گے۔

بس، جو کچھ ہمیں کہنا تھا، کہہ چکے اور جو کچھ تم نے سننا تھا، وہ سن لیا۔ ہمارے پاس کہنے کے لیے اور کچھ نہیں۔ ہم نے اپنے دل کے زخم تمہارے سامنے کھول دیے اور اپنی آخری خواہش بیان کر دی۔ اب ہم تمہارے پیمان کے منتظر ہیں کہ بنی طولون نے ملت اسلامیہ کو دو نیم کر کے تفرق اور علاحدگی کی جو لکیر کھینچی ہے، تم اسے مٹا دو گے اور دوسری دنیا میں ہم سے ملو گے تو سرخ رو ہو کر ملو گے۔"

احمد ابو عباس نے باپ کی طویل تقریر یا نصیحت سنی، جو واقعات ماضی میں رونما ہو چکے تھے، اُن پر نظر ڈالی، جو حالات مستقبل میں پیش آنے والے تھے، اُن پر غور کیا۔ پھر باپ کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا اور کہا۔ "اعلیٰ حضرت! ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، جو اس وقت ہمارے اور آپ کے درمیان شاہد ہے، وعدہ کرتے اور قول دیتے ہیں کہ آپ کی خواہش ضرور پوری ہو گی۔ ہم ملت کو متحد کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اگر ہماری تدبیر کارگر نہ ہو سکی، تو اُس تیر کا چلہ چڑھائیں گے جو ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔ جب قاری سواریاں مصر و شام کی طرف روانہ ہوں گی تو کوئی انہیں روکنے نہیں آ سکے گا اور جو آئے گا، زمانے کی آنکھیں اُس کا انجام دیکھ لیں گی۔ اگر ہم آپ کے لائق فرزند ہیں تو دوسری دنیا میں آپ سے سرخ رو ہو کر ملیں گے۔"

ان مختصر الفاظ میں بیٹے نے باپ کے ساتھ ایک پیمان کیا جس کے معانی نے موفق طلحہ کی روح کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیوں کہ جانتا تھا وہ اپنے قول کا دھنی ہے اور جو کچھ آج زبان سے کہہ رہا ہے، آنے والے دنوں میں اُس پر عمل بھی کرے گا۔ بیٹے کو دیکھ کر کمزور آواز لیکن مطمئن لہجے میں بولا۔ "ابو عباس! اب ہم اطمینان کے ساتھ موت کو گلے لگا لیں گے۔ کیوں کہ تمہارے الفاظ نے ہمارے زخم پر مرہم رکھ دیا اور ہمیں قبر کا سکون عطا کیا ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے بیمار ہاتھوں سے تالی بجائی۔ فوراً ہی غلام خاص کمرے میں داخل ہوا۔ موفق کے حکم پر دروازے، دریچے پھر کھول دیے اور پردے سمیٹ لیے گئے۔ وہ اعیان سلطنت جو باہر غلام گردش میں رک گئے اور اجازت کے منتظر تھے، طبیبوں، حکیموں، کنیزوں اور غلامان حاضر باش کے ساتھ دوبارہ اندر آ گئے۔ [illegible]

سکیک، موفق طلحہ نے ان سے چند آخری اور مختصر باتیں کیں، پھر بیٹے سے مخاطب ہوا۔ "ابو عباس! تم بھی اب جاؤ۔ اپنے لباس سے سفر کی گرد اور چہرے سے فکر کی دھول اتار دو۔ شاید کل کا سورج نہیں نئے لباس میں دیکھنے کے لیے طلوع ہو۔ سب جاؤ، کیوں ہم بھی جانے والے ہیں اور ابھی ہمیں اپنے رخت سفر کا جائزہ لینا ہے۔"

ولی عہد باپ کو تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن خود موفق طلحہ تنہائی کا طلب گار تھا۔ طبیبوں کے خیال میں اُسے آرام کی ضرورت تھی مگر بیٹے سے ملنے کے بعد اُس کے چہرے پر تمکنت اور سکون کی جو لہر پیدا ہوئی، اُسے دیکھ کر طبیب اور حکیم بھی حیران رہ گئے کہ شاید اعلیٰ حضرت نے موت کا رُخ موڑ دیا ہے اور چند روز مزید زندہ رہیں گے۔

طبیب خاص نے نبض دیکھی، ظاہری حالت پر نظر ڈالی اور ولی عہد کو بتایا کہ طبیعت سنبھل گئی اور جسم کے اندر موت کے قدموں کی چاپ رُک گئی ہے۔ فی الحال کسی فوری خطرے کا امکان نہیں۔ اس اطمینان کے ساتھ اُس نے باپ سے رخصت لی اور باہر نکلا۔

★

احمد ابو عباس کی ترک بیوی جیک خاتون کو اطلاع مل چکی تھی کہ اس کا شوہر دشت فرات سے لوٹ آیا اور باپ کی عیادت کے لیے سیدھا "قصر سفید" چلا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی اچانک بیماری سے وہ خود بڑی پریشان ہو گئی اور چاہتی تھی کہ ولی عہد ان دنوں بغداد ہی میں رہے۔ اُس کی خواہش کے عین مطابق وہ شام کے چھٹپٹے میں بغداد پہنچ گیا تھا لیکن عشا کی ساعت کب کی گزر چکی تھی اور وہ ابھی تک قصر الرصافہ میں داخل نہیں ہو سکا تھا جس سے جیک خاتون کی تشویش بڑھنے لگی کہ نہ جانے معاملہ کیا ہے!

ابو عباس جیک سے محبت کرتا تھا اور اعلیٰ حضرت کی عیادت کے بعد اُسے فوراً الرصافہ میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ترک خاتون کو قصر سفید کی تازہ ترین صورت حال کا بھی علم نہیں تھا۔ اسی پریشانی میں اپنی سب سے حسین اور خوش آواز کنیز دمنہ کو آواز دی جو لپکتی جھپکتی فوراً حاضر ہو گئی جیسے پہلے ہی گوش بر آواز اور کسی دروازے سے لگی انتظار کر رہی تھی کہ جیک خاتون کب اُسے بلاتی ہے۔

دمنہ فلسطین کے ساحلی شہر حیفہ کی رہنے والی اور رقص و نغمہ میں اپنا جواب نہیں

www.urdukorner.com

رکھی تھی۔ اگرچہ شام و فلسطین کو سلطنت عباسیہ سے الگ ہوئے کئی سال بیت چکے تھے، لیکن جیحک خاتون اس فلسطینی کنیز کو حاصل کر کے یوں سمجھنے لگی تھی جس طرح پورا فلسطین اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہو۔ دمنہ کی بے مثال اطاعت گزاری نے فلسطین سے محرومی کے احساس کی شدت کسی حد تک کم کر دی تھی۔ یہ فلسطینی کنیز ایک سال قبل بڑے عجیب و غریب حالات میں قصر الرصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی کے ہاتھ لگی اور اس نے اظہار وفاداری کے طور پر اسے جیحک خاتون کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ دمنہ کا اپنا بیان یہ تھا کہ اسے شامی بردہ فروشوں نے حیفہ سے اغوا کیا اور بصرہ کے کسی بڑے امیر کے پاس فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن صحرائے شام میں سفر کرتے ہوئے چند نامعلوم لوگوں نے بردہ فروشوں کے قافلے پر حملہ کر کے دوسری لڑکیوں کے ساتھ دمنہ کو بھی چھین لیا اور اسے بغداد لے آئے۔ دمنہ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ بھی لٹیرے اور لڑکیوں کے تاجر ہیں تو ان کے ڈیرے سے نکل بھاگی اور خوش قسمتی سے مڈبھیڑ حرب سے ہو گئی، جس نے اسے پناہ دی جب تعاقب کرنے والوں کو پتا چلا کہ حرب الکندی قصر الرصافہ کا محافظ سردار اور عباسیہ کے ولی عہد احمد ابو عباس کا خاص آدمی ہے جس سے جھگڑا کر کے وہ خود مصیبت میں پھنس جائیں گے تو چپ چاپ لوٹ گئے اور دوسرے دن بغداد ہی سے فرار ہو گئے۔ اس طرح دمنہ نے ان لٹیروں سے نجات پائی اور الرصافہ تک پہنچی۔

اس کے عارضوں پر پھولوں کی رنگینی، آنکھوں میں غزالان دشت کی مستی اور آواز میں ہلال کا سحر آفرینی تھی۔ جب یہ "فلسطینی سوغات" جیحک خاتون کی خدمت میں پیش کی گئی تو وہ بہت خوش ہوئی کیوں کہ ہر خوبصورت اور فن کار کنیز اپنے مالک یا ملکہ کے حسن ذوق کی شہادت ہوتی ہے۔

دمنہ بھی بغداد کی شاہی محل سراؤں میں پہنچ کر بے حد مسرور تھی۔ اس نے کہا "بغداد میرے خوابوں کا شہر ہے جس کے مسقف بازاروں اور کوچوں میں زندگی کے طلسم بکھرے ہوئے ہیں۔ میں بچپن ہی سے بغداد کی حسین محل سراؤں، ان کی غلام گردشوں اور بلالی محرابوں کے خواب دیکھا کرتی تھی۔"

جیحک خاتون نے اسے خبردار کیا تھا "عباسیہ کا بغداد خود ایک خوب صورت خواب ہے لڑکی! اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ [illegible]

دمنہ نے وعدہ کیا تھا "میں آنکھیں کھلی رکھوں گی، جاگتی رہوں گی اور کوئی نیا خواب نہیں دیکھوں گی۔"

دمنہ نے کوئی نیا خواب دیکھا یا نہیں لیکن اس کی نغمہ سرائی نے الرصافہ پر خوابوں کا سحر پھونک دیا تھا۔ کبھی کبھی آواز کا جادو ولی عہد احمد ابو عباس کو بھی مسحور کر دیا کرتا، اور وہ اس کی نغمہ سرائی میں ڈوب جاتا۔ بعض کنیزوں کا خیال تھا کہ جیحک خاتون نے دمنہ جیسی حسین اور خوش ادا مغنیہ کو اس لیے الرصافہ کی زینت بنا لیا ہے کہ اس کے قصر کی دل کشی میں اضافہ ہو اور احمد ابو عباس جس کی بیشتر راتیں اپنی حسین محبوبہ دریرہ کی خواب گاہ میں بسر ہوتی ہیں، الرصافہ کی طرف کھنچا چلا آئے۔

یہ سچ تھا یا جھوٹ اور دمنہ کی آواز ابو عباس کے حسین خوابوں کا سحر توڑ سکی تھی یا نہیں لیکن فلسطینی کنیز نے خود کو جیحک خاتون کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دیا۔ دن ہو یا رات، اسے جب طلب کیا جاتا، پلک جھپکنے میں حاضر ہو جاتی۔ کبھی کبھی تو یہ گمان گزرنے لگتا، شاید چھپ چھپ کر اپنی ترک مالکن کی نگرانی کر رہی ہے لیکن وہ الرصافہ کی دیواروں، محرابوں اور کھڑکیوں سے اس لیے لگی رہتی تھی کہ کہیں جیحک خاتون کو اس کی حاضری کے لیے انتظار نہ کرنا پڑے اور اپنی مالکن کی آواز سنتے ہی فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ ترک خاتون بھی اس جذبۂ اطاعت گزاری سے بڑی متاثر اور تنہائی میں کبھی کبھار اس کے ساتھ اپنے دل کی باتیں کر لیا کرتی تھی۔

اس رات بھی جب ولی عہد ابھی تک قصر سفید سے نہیں لوٹا تھا اور الرصافہ میں اس کے انتظار کے لمحے طویل ہوتے جا رہے تھے، جیحک خاتون نے دمنہ ہی کو بلایا اور وہ ایک ثانیے کی تاخیر کے بغیر ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتی ہوئی اس کی خدمت میں پہنچ گئی۔ تو جیحک مضطرب آواز میں بولی۔ "دمنہ! ابو عباس کو بغداد میں آئے ایک پہر ہو چلا ہے لیکن وہ ابھی تک الرصافہ میں نہیں پہنچے تو ذرا قصر سفید تک جا اور معلوم کر اعلیٰ حضرت کی طبیعت کیسی ہے۔"

کنیز نے اس کے چہرے پر پریشانی کی جھلک دیکھ لی اور اطمینان کے لہجے میں بولی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خانم! میں نے سنا ہے، اعلیٰ حضرت ولی عہد کے ساتھ تنہائی میں کوئی اہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اسی لیے ان کی ملاقات طویل ہو گئی ہے۔"

ترک خاتون ہونے کے ناتے دمنہ ہمیشہ اسے "خانم" کے معزز لقب سے یاد کرتی

www.urdukorner.com

اور خود جیحک کو بھی تخاطب کا یہ انداز اچھا لگتا تھا جس میں ترک معاشرت کی جھلک تھی۔ دمنہ نے اپنی خانم کو اطمینان بخش اطلاع دی تھی مگر اُس نے مزید تشفی کے لیے پوچھا۔ "تو نے یہ بات کس سے سُنی ہے؟"

"ابھی ابھی سردار حرب قصرِ سفید سے لوٹا اور وہی یہ خبر لے کر آیا ہے۔"

"پھر حرب کو بلا کر لے آئیں اُس سے کچھ تفصیل معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

دمنہ حرب اسکندری ہی کے ذریعے الرقہ تک پہنچی اور شکر گزار تھی کہ اُس کی رسائی عباسیہ کی محل سراؤں تک ہو گئی۔ اس مہربانی کے عوض کبھی کبھار تنہائی میں بھی اُس سے مل بیٹھتی اور سرگوشیوں میں باتیں کرتی تھی۔ یہ ملاقاتیں بڑی پوشیدہ اور باتیں بہت مختصر ہوتی تھیں۔ ابھی وہ باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف مُڑی ہی تھی کہ غلام گردش میں بھاری قدموں کی چاپ سُن کر وہیں ٹھٹک گئی کیوں کہ اُس چاپ کو پہچانتی تھی۔ پلٹ کر آہستہ سے بولی۔

"خانم! ابو عباس تشریف لے آئے۔"

پھر لپک کر بھاری پردے کی اوٹ میں ہو گئی۔ آنے والا احمد ابو عباس ہی تھا۔ اِدھر وہ کمرے میں داخل ہوا، اُدھر دمنہ کوئی آہٹ کیے بغیر گربہ پا کھلے دروازے سے نکل گئی۔ اُس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خود کو ولی عہد کی نظروں سے چھپا لیا تھا اور جیحک خاتون اس مصلحت کو سمجھتی تھی۔ شوہر کو غمگین اور پریشان دیکھا تو پریشانی کے لہجے میں اُس کا استقبال کیا۔ "ابو عباس! شکر ہے آپ بروقت لوٹ آئے۔ اس مرتبہ آپ بغداد سے نکلے تو میرا دل اُڑتا رہا۔"

"ہمارا قرار بھی لٹتا رہا ہے جیحک! یہ سفر کچھ ایسا ہی تھا جس نے ہمیں بے چین کر دیا۔"

یہ کہہ کر پیار سے بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا مگر اس پیار میں دل کا نیا کرب بھی شامل تھا۔ جیحک خاتون اُس کے ہاتھ پر جسم پر ایک خفیف سی لرزش محسوس کر کے سوچنے لگی کہ شاید باپ کی اچانک بیماری اور بگڑتی حالت نے اُسے نڈھال کر دیا ہے۔ طبیبوں نے موفق طلحہ کی نبض پر اُنگلی رکھ موت کی ضرب لگی اور آنے والے خطرے کی اطلاع بھجوائی تھی جس پر وہ دشتِ فرات سے آندھی کی مانند اُڑتا ہوا آیا اور بیمار باپ سے ملا تھا۔ دمنہ اطلاع دے چکی تھی کہ دونوں کے درمیان تنہائی میں بھی گفتگو ہوئی ہے اور نہ جانے کیا گفتگو ہوئی ہے۔ جیحک خاتون عباسیہ کی ہونے والی ملکہ اور اُس بات چیت سے دل چسپی رکھتی تھی مگر اُس نے کریدنا مناسب نہ سمجھی

صرف تنہائی کی ملاقات کا ذکر کیا تاکہ وہ خود اُسے معاملے کی صورت سے آگاہ کرے۔

"ابو عباس! سُنا ہے، اعلیٰ حضرت نے تخلیے میں آپ سے طویل ملاقات کی؟"

"ملاقات اس لیے طویل تھی کہ ان کی طبیعت کچھ سنبھل گئی ہے۔"

ولی عہد لباس تبدیل کیے بغیر اُسی حالت میں جیحک کو لے کر مسند پر آ بیٹھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب تنہائی میں ہونے والی گفتگو کے بارے میں کچھ بتانے والا ہے۔ یقیناً اعلیٰ حضرت نے حقوق و اختیارات کی بات چلائی ہو گی۔ نئی ذمے داریوں کا ذکر کیا ہو گا، کچھ ہدایات دی ہوں گی اور وہ انہی ہدایات اور ذمے داریوں کی بات کرے گا۔ لیکن احمد نے باپ کی بیماری اور موت کے خطرے کو بالکل فراموش یا نظر انداز کر دیا اور اُسے دشتِ فرات میں پیش آنے والا حیرت انگیز واقعہ سُنانے لگا۔ اس نے فرات کی خاموش تنگی صبح میں شیر کی اچانک دھاڑ سے لے کر اسماء قطر الندیٰ کی واپسی تک سارا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ بنتِ خمارویہ کی دل چسپی ظاہر کی اور یہ بھی بتا دیا۔ "ابنِ حرب کہتا ہے کہ ہم قطر الندیٰ کو بھول جائیں اور اس کے باپ خمارویہ کو یاد رکھیں جس کا حساب ابھی ہمیں برابر کرنا ہے۔"

جیحک خاتون یہ عجیب و غریب روداد سُنتی اور حیران ہوتی رہی۔ ابنِ حرب کے مشورے کا ذکر کرنے کے بعد احمد نے اچانک اُسے ایک نئی حیرت سے دوچار کر دیا اور پوچھا۔

"اب ہم تم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں آیا قطر الندیٰ کو یاد رکھیں یا بھول جائیں؟"

جیحک کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ اُس کی نئی دل چسپی کا قصہ سن کر کہنے لگی۔

"ابو عباس! آپ کس کس کو یاد رکھیں گے۔ قطر الندیٰ کو، دریرہ کو، منتخب خاتون کو، فتنہ باز کو یا مجھے؟"

"ہمارا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ ہم چار پانچ عورتوں کو یاد نہ رکھ سکیں۔"

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عرب اور ترک حرم سراؤں میں تین تین چار چار بیگمات کے علاوہ خوب صورت کنیزیں اور لونڈیاں بھی خدمت گزاری کے لیے موجود رہتی تھیں مگر یہاں تو معاملہ ہی طولون کی شہزادی کا تھا۔

جیحک خاتون نے شوہر کی بات پر سنجیدگی سے غور کیا۔ "نئی دل چسپی" پر توجہ دی اور کہنے لگی۔ "ابنِ حرب نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ وہ آپ کے دشمن کی بیٹی ہے۔ اُسے بھول جانا بہتر ہو گا۔"

www.urdukorner.com

"تم بھی یہی چاہتی ہو کہ ہم اُسے بھول جائیں۔"

"میں نے یہ بات آپ کی دل شکنی کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے کہی ہے کہ عراق اور مصر کے درمیان خون کے تلاطم حائل ہیں اور آپ انہیں عبور کیے بغیر قطر الندیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔"

احمد ابو عباس بتانے لگا۔ "دشتِ فرات سے واپسی پر سنتے ہیں ہم بھی یہی سوچتے رہے کہ ہمارا قطر الندیٰ کو بھول جائیں گے لیکن اعلیٰ حضرت سے تنہائی کی ملاقات کے بعد اُسے یاد رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔"

جیحک خاتون دم بخود سی رہ گئی اور اُسے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ "کیا آپ نے اعلیٰ حضرت کو بھی بنتِ خمارویہ کی ملاقات سے آگاہ کر دیا؟"

"نہیں، اُن سے دشتِ فرات کے واقعے کا ذکر نہیں ہوا۔" مگر اس کے بعد ولی عہد نے جو کچھ کہا وہ مزید حیرت انگیز تھا اور یہ کہا۔ "اعلیٰ حضرت نے تخلیے میں ہم سے پیمان لیا ہے کہ ہم بغداد اور قسطاطہ و القطائع کے درمیان نفرت کی لکیر مٹا دیں گے۔ اسلامی سلطنت کو متحد کریں گے اور اگر خمارویہ نے مزاحمت کی تو اُس کی گردن پر اپنی تلوار کا لوہا آزمائیں گے۔ تم جانتی ہو ہم ایک بار خمارویہ سے شکست کھا چکے ہیں لیکن دوسری بار ناکام نہیں لوٹیں گے۔"

یہ سنتے ہی ترک خاتون ایک جھٹکے سے مسند چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ "تو انہوں نے آپ سے جنگ کا پیمان لیا ہے؟"

"وہ صرف مصر و عراق کے درمیان علاحدگی ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

جیحک نے خطرے کا اظہار کیا۔ "بنی طولون تلواروں سے اس علاحدگی کی حفاظت کریں گے۔"

"پھر انہیں بنو عباس کی تلواروں سے ٹکرانا ہو گا۔"

ترک خاتون بڑی بے چینی سے پلٹی اور بڑی دل سوزی سے کہنے لگی۔ "جب عربوں کی تلواریں آپس میں ٹکراتی ہیں، تو کٹنے والے سر مسلمانوں کے ہوتے ہیں ابو عباس! اور میں مسلمانوں کی باہمی خوں ریزی سے ڈرتی ہوں۔"

احمد ابو عباس نے اُس کی پریشانی محسوس کی اور ایک نیا پہلو نکالا۔ "شاید تم نے ہماری بات پر غور نہیں کیا۔ ہم نے تو تجویز دلائی تھی کہ بنو عباس اور بنی طولون کے مابین قطر الندیٰ حائل ہو گئی ہے جسے اُسے یاد رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔"

ان الفاظ نے جیحک کو چونکا دیا۔ معاملے کی ایک نئی صورت سامنے آئی تھی اور احمد کہہ رہا تھا۔ "اگر ہم مصر و عراق کو مصالحت سے یکجا نہ کر سکے تو قطر الندیٰ کا تحفہ اُسے لوٹا دیں گے کیوں کہ پھر معاملے کی صورت کچھ اور ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے صدری کی جیب سے شبنم جیسے موتیوں کا وہ ہار نکالا جو بنتِ خمارویہ اس لیے دے گئی تھی کہ عباسی ولی عہد اُسے یاد رکھ سکے لیکن جونہی ہار پر کافوری شمعوں کی شعاعیں پڑیں اُس کے موتی یکلخت چراغوں کی طرح روشن ہو گئے۔ ستاروں کی مانند جگمگ جگمگ، جھلمل جھلمل کرنے لگے اور ہفت رنگ کرنوں کے انعکاس سے آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

اس عجیب نظارے میں دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ احمد ابو عباس اگرچہ دن کے اُجالے میں بھی اُن کی چمک دمک دیکھ چکا تھا لیکن رات کے وقت قندیلوں اور فانوس کی روشنی میں موتیوں کی غیر معمولی درخشانی اور عکس ریزی نے اُسے نقشِ حیرت بنا دیا۔

جیحک خاتون بھی حیرت اور شوق کی نظروں سے اُن کی "جگر مگر" دیکھتی رہی، پھر بولی۔

"دنیا کے یہ سب سے قیمتی موتی صرف یمن میں ملتے ہیں۔"

"اور شاید نایاب بھی ہیں۔"

"بے شک یہ موتی نایاب ہیں اور عام جوہریوں کے پاس نہیں ہوتے۔" جیحک نے تصدیق کی اور اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "جب کوئی شہزادی آپ جیسے خوب صورت مرد کو ایسا نایاب تحفہ دے، تو اُسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔"

احمد ابو عباس نے چونک کر بیگم کی طرف دیکھا۔ اُس کی نظریں پوچھ رہی تھیں۔ "کیا تم نے اپنی پہلی رائے بدل دی؟"

جیحک خاتون اُس کی متحیر نظروں کا "خاموش سوال" سمجھ رہی تھی۔ وہ اس بات کا مفہوم بھی سمجھ چکی تھی کہ قطر الندیٰ کو یاد رکھنا کیوں ضروری ہو گیا ہے اور یہی ابلاغ، یہی افہام اُس کی تبدیلیٔ فکر کا سبب بنا تھا۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ "ابو عباس! آپ نے جو سوال کیا تھا اُس کا ایک جواب تو میں دے چکی ہوں، مگر جس طرح ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں اُسی طرح آپ کے سوال کا دوسرا جواب بھی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قطر الندیٰ کو بھولنے کی بجائے یاد رکھیے۔ شاید وہ امن اور اتحاد کی آخری اُمید ہو اور آپ کی طرح مجھے بھی ملت کا مفاد عزیز ہے۔"

ابو عباس نے بڑے جوش سے آگے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔ "ہمیں عباسیہ کی ہونے

www.urdukorner.com

والی ملکہ سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔"

ابھی جیحک کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی کہ غلام گردش میں بھاگتے دوڑتے قدموں کی چاپ ابھری اور کسی نے دروازے پر رُک کر حاضری کی اجازت طلب کی۔ آنے والی قصرِ سفید کی ایک کنیز تھی جس نے ہانپتی، کانپتی آواز اور ڈوبے ہوئے لہجے میں اطلاع دی۔ "اعلیٰ حضرت موفق طلحہ بن متوکل دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔"

ابو عباس کے ہاتھ سے شطرنجی مہرتیوں جیسا ہار فرش کے قالین پر گرا اور خود "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ ایک پل کے لیے دروازے میں رُکا اور پلٹ کر بولا۔ "جیحک! شاید آج رات ہم الرصافہ میں واپس نہ آسکیں۔ ہمیں کچھ نئے معاملات درپیش ہیں۔"

یہ کہہ کر کنیز کے ساتھ ہی قصرِ سفید کی طرف روانہ ہوگیا۔ جیحک خاتون چند لمحے ساکت و صامت، گم صم سی کھڑی رہی، پھر جھک کر ہار اُٹھایا اور اُسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔ اچانک اُس کی بھیگی پلکوں سے ٹوٹ کر دو آنسو جگر مگر کرتے موتیوں پر پھسل گئے۔ ترک خاتون کی آنکھوں سے وہ آنسو موفق طلحہ کی موت کا غم بن کر بہہ نکلے یا اُس کے اپنے دل کی حالت پر ٹپکے تھے یہ راز آج تک کوئی نہیں جان سکا۔

★

آدھی رات بیت گئی تھی۔ آسمان پر ستاروں کے قافلے اپنے اپنے حلقے میں طے شدہ منزلوں کی طرف رواں تھے اور رات کو صحراؤں میں چلنے والی خنک ہوا بغداد کے مسقف بازاروں اور کوچوں سے سسکیاں بھرتی گزر رہی تھی۔

احمد ابو عباس قصرِ سفید میں پہنچا تو موت موفق طلحہ کو زندگی کی تمام صعوبتوں اور پریشانیوں سے نجات دلا چکی تھی اور خوش الحان قاری اُس کی میت کے اردگرد بیٹھے قرآن خوانی میں مصروف تھے جنہیں پہلے ہی طلب کر لیا گیا تھا۔ احمد مُردہ باپ کا چہرہ دیکھ کر فوراً ہی کمرے سے باہر آگیا اور ولی عہد کی حیثیت سے اُمرائے آلِ عباس، فوجی جرنیلوں، قبائلی سرداروں اور تمام اعلیٰ حکام کی طرف قاصد دوڑائے۔ مجلسِ شوریٰ کے دیگر ارکان کو بھی طلب کر لیا تاکہ اُن سے اپنے حق میں فیصلہ لے سکے۔

صاعد بن مخلد نے معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کے اُس مکان کا قفل کھول دیا جہاں وہ کئی سال سے قیدِ تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ موفق کی وفات کے بعد معتمد کی رہائی ایک قانونی اور اخلاقی تقاضا تھا جسے فوراً پورا کیا گیا اور اُس پر پہرہ دینے والے محافظ ہٹا لیے گئے اگرچہ وہ قید میں بھی خود کو خلیفہ سمجھتا رہا لیکن دس برس کی طویل نظر بندی کے باعث اُس کی ہیبت عملاً غیر مؤثر ہو گئی تھی کیوں کہ اس عرصے میں موفق طلحہ کا حکم نافذ رہا تھا۔ موفق کے بعد جسے علماء اور مؤرخین نے خلفا میں شمار نہیں کیا، اقتدار اور خلافت کے دو ہی دعوے دار تھے

احمد ابو عباس بن موفق طلحہ بن متوکل۔

معتمد علی اللہ ابو عباس احمد بن متوکل۔

تیسرا کوئی دعوے دار نہ تھا اور عباسیہ کی مجلس کو انہی دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ دونوں کے نام احمد اور دونوں کی کنیت ابو عباس تھی ایک بھتیجا اور دوسرا چچا۔

عربوں میں خلافت نے موروثی ملوکیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اقتدار خاندانی وراثت کے طور پر منتقل ہوتا اور خلفا زندگی ہی میں اپنا ولی عہد اور جانشین نامزد کر جاتے تھے۔ ابو عباس بھی نامزد ولی عہد تھا لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ موفق طلحہ خود خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ حکومت پر بہ زور قوت قابض رہا اور اُس کی رحلت کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ درپیش تھا۔ معتمد کو بھی اسی لیے رہا کر دیا گیا تاکہ کسی کو یہ اعتراض نہ رہے کہ اُسے بدستور نظر بند رکھ کر نئے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

"انتخاب" کا لفظ اپنے معنی کھو چکا اور خلافت ورثے میں ملنے والی شے تھی۔ تاہم اُس کا اتنا مفہوم ضرور باقی رہ گیا تھا کہ حکمران خاندان کے کئی دعوے داروں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

دوسرے روز جہاں اہلِ بغداد نے موفق طلحہ کے انتقال اور معتمد کے رہا ہونے کی خبر سُنی، وہاں احمد ابو عباس کو اُمرائے بنی عباس، شیوخِ قبائل اور سرداران فوج کے درمیان جن میں ترک افسروں کا جمگھٹا تھا، قصرِ خلافت کے دروازے پر نمودار ہوتے دیکھا۔ عباسیہ کے بڑے بڑے سیاہ علم اُس کے سر پر اقتدار کا سایہ ڈال رہے تھے یہ اس امر کا اعلان تھا کہ اکابرین آلِ عباس اور سرداران فوج نے اُس کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور معتمد علی اللہ کو تاریخ کا ایک پھٹا پرانا ورق سمجھ کر مسترد کر دیا گیا ہے۔

www.urdukorner.com

لوگوں نے احمد ابو عباس کے انتخاب کی خبر سنی تو گلیوں، کوچوں، بازاروں میں نکل آئے اور اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے۔

"وہ "اُم الولد" ماں صواب کا بیٹا، نہایت خوش شکل، بہادر، شجاع، ہوشیار، حملہ کرنے میں بے رحم، فیصلہ دینے میں سخت تھا۔ جب بولتا تو اُس کے الفاظ درشت اور سخت معلوم ہوتے جو سننے والوں پر رعب اور خوف طاری کر دیتے۔ جب سوچتا، ذہن میں اُس کی سوچ کے عملی خاکے اور نقشے بھی ساتھ ہی ساتھ مرتب ہوتے چلے جاتے اور خیال فوراً امکان کے دائرے میں آجاتا تھا۔ حریف بھی اُس کی ذاتی کشش، رعب اور جلال کا لوہا مانتے تھے۔ لوگوں نے اُس کے انتخاب کو پسند کیا۔

کچھ لوگ جو ابھی تک معتمد کی بیعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں محسوس کرتے تھے دبی دبی زبان میں کہنے لگے کہ بنی طولون نے مصر و شام کو دولتِ عباسیہ سے اس لیے الگ تھلگ کر لیا کہ موفق طلحہ نے ایک بار اپنے بھائی پر فوج کشی کی، دوسری مرتبہ اُسے خلافت سے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ رہائی کے بعد اگر اُس کی خلافت بحال کر دی جاتی یا اُسی کو دوبارہ منتخب کر لیا جاتا تو بنی طولون کے پاس علاحدگی کا کوئی عذر باقی نہ رہتا اور معتمد کی بیعت ثانی اُن کی سرکشی ختم کر سکتی تھی لیکن اکابرین بنو عباس نے اُس کے حقِ خلافت کو قصۂ پارینہ قرار دے کر طاقچے میں رکھ دیا اور فرزند موفق احمد ابو عباس کے حق میں اپنی تلواریں بلند کی تھیں۔

اب معتمد کے لیے دو ہی راستے تھے خلافت سے دستبرداری کا اعلان یا پھر خروج۔ لیکن اُسے فوج کی حمایت حاصل نہ تھی۔ کمزور بازوؤں میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ تھی۔ اُس نے خروج کا فیصلہ کیا نہ دستبرداری کا اعلان۔ صرف خاموشی اختیار کر لی اور اپنے قصر میں بند ہو گیا۔ شاید ابھی اُس کی "اسیری اور نظر بندی" کے دن ختم نہیں ہوئے تھے۔ لوگ کہنے لگے "طویل قید نے اُس کی طاقت چھین لی اور لہو لعب نے اعصاب مضمحل کر دیے ہیں لیکن جب تک احمد ابو عباس کی اطاعت نہیں کرتا، اُس کا وجود بدستور بنی طولون کی دل چسپی اور توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ وہ اُن کی بساطِ سیاست کا مُہرہ ہے۔"

شاعروں نے نئے خلیفہ کی شان میں قصیدے لکھے اور اس کے اقتدار کو زوالِ پذیر دولتِ عباسیہ کے لیے ترقی و اقبال کا مظہر قرار دیا۔ احمد ابو عباس کے برسرِ اقتدار آتے ہی جیحک خاتون عباسیہ کی قابلِ احترام ملکہ بن گئی۔ الرصافہ میں بیگمات اور خواتین کے کے جھرمٹ نظر آنے لگے جو اُسے مبارک باد اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے اُمڈ آئی تھیں۔ انتخاب کے ساتویں روز جیحک خاتون نے اپنی محل سرا میں شوہر کے اعزاز میں ایک خصوصی محفل منعقد کی جس میں الرصافہ کی حسین کنیز دمنہ نے احمد ابو عباس کی تخت نشینی کا نغمہ گایا:

هَنِيئاً بَنِي العَبَّاسِ إِنَّ إِمَامَكُم
اے بنی عباس! تمہیں مبارک ہو کہ تمہارا امام
إِمَامُ الهُدَى وَابنُ العَبَّاسِ وَالجُودِ أَحمَدُ
امام ہدایت اور صاحبِ جود و کرم احمد ہے۔
كَمَا بِأَبِي العَبَّاسِ الشَّيءُ مُلِكُتُم
جس طرح ابو عباس (سفاح) سے تمہارا ملک شروع ہوا تھا
كَذَا بِأَبِي العَبَّاسِ أَيضاً يُجَدَّدُ
اُسی طرح ابو عباس ہی سے اس کی تجدید ہوئی ہے۔

بغداد کی رات پہلے پہر سے گزر رہی تھی باہر دجلہ اور دجلہ کے دونوں ساحلوں پر کھڑی محل سراؤں، کوشکوں اور اونچی اونچی عمارتوں پر چاندنی کھیت کر رہی تھی اور الرصافہ میں فلسطینی کنیز کی آواز صرف دلوں پر نہیں، جھروکوں، محرابوں، جالیوں، غلام گردشوں، ستونوں، باغیں باغ کے پودوں اور درختوں پر بھی طلسم پھونک رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ وہ آواز درختوں کی شاخوں سے دجلہ کی لہروں سے بغداد کے در و دیوار سے کچھ کہہ رہی ہے۔

احمد ابو عباس آواز کے جادو اور الفاظ کی سحر آفرینی میں کھو گیا۔ وہ پہلی بار محسوس کرنے لگا کہ دمنہ کی آواز میں فلسطین بول رہا ہے حالانکہ فلسطین اور اُس کے حسین شہر، کھیت، باغات، عباسیوں کی دسترس سے باہر ہو گئے تھے۔ صرف فلسطینی کنیز دمنہ قریب تھی۔ وہ اُسے ایک شب کے لیے جیحک خاتون سے مانگ سکتا اور خلوت میں اُس کی آواز کے جادو سے لطف اندوز ہو سکتا تھا لیکن وہ رات صرف جیحک خاتون کے حصے کی تھی اور کسی کنیز کے داخل ہونے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔

[illegible] سے کنیز کو ایک بیش قیمت تحفہ دیا اور ترکی بیگم

www.urdukorner.com

کے ساتھ کمرۂ خواب میں چلا گیا۔ محفل موسیقی ختم ہو گئی تھی۔ وہ منہ بھی اپنے خوابوں اور خیالوں کے طلسم سے نکل کر ایک حجرے کی طرف ہولی۔ جونہی وہ کھلے صحن میں آئی، چاند کی ٹھنڈی کرنوں نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ ایک پل رک کر اس نے الرشافہ کے کمرۂ خواب کی طرف دیکھا، بیش قیمت زمرد کو ہتھیلی پر رکھا اور سرگوشی کے لہجے میں کہا "ابو عباس! یہ زمرد میری آواز کا صلہ نہیں۔ کاش! تم نے ایک رات کے لیے مجھے بیہک خاتون سے مانگ لیا ہوتا۔"

(۳)

جعفر نجومی

○

جعفر نجومی نے منذر ابن حرب کے بارے میں، جب وہ احمد ابو عباس کے ہمراہ دشتِ فرات سے لوٹا، بڑی عجیب و غریب اور ناقابلِ یقین پیش گوئی کی اور پیش گوئی یہ کی تھی۔

"ابن حرب! ستارے کہتے ہیں، تمہیں بغداد سے بھاگنا پڑے گا۔ اگر نہیں بھاگو گے تو احمد ابو عباس کی تلوار تمہارا سر قلم کر دے گی۔"

ابن حرب یہ پیش گوئی سن کر دنگ رہ گیا اور جب حواس ذرا بجا ہوئے، تو بولا، "تمہارا دماغ تو درست ہے؟"

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" جعفر نجومی کہنے لگا۔ "اہلِ معرفت اور اہلِ نجوم کو جو اس کائنات کے اسرار جانتے ہیں، اکثر لوگ دیوانے خیال کرتے ہیں۔ تمہیں بھی میرے دماغ کی صحت پر شبہ ہے لیکن یہ بات آسمانوں کے دفتر میں لکھی جا چکی ہے کہ ایک دن تم پر بغداد کے دروازے بند ہو جائیں گے اور موت تمہارا پیچھا کرے گی۔ یہ سب کچھ احمد ابو عباس کے حکم پر ہو گا۔ میں تمہیں صرف نصیحت کر سکتا ہوں کہ جب نیلفہ کے پیادوں یا سواروں کو اپنے گھر کی جانب آتے دیکھو تو فرار ہونے میں دیر نہ لگانا۔"

ابن حرب نے جعفر کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔ اس کے نزدیک پیش گوئی جھوٹ کا پلندہ تھی۔ جو اس اور زمانہ شناس جعفر بڑے اطمینان سے بولا۔ "تمہیں موت سے

www.urdukorner.com

صرف وہی گھڑی بچا سکتی ہے، جس میں فرار ہونے کا موقع مل سکے۔ اُس گھڑی کو ضائع نہ کر دینا۔"

جعفر کی ہر بات عجیب اور ناقابلِ اعتبار تھی۔ احمد ابو عباس اور ابن حرب کے درمیان دشمنی تو کیا، شکر رنجی پیدا ہونے کا بھی احتمال نہ تھا۔ دونوں میں کئی سال سے دوستی کا گہرا پیوند تھا۔ دونوں کے مزاج یکساں تھے۔ دونوں بہادر اور دشمن کے حق میں بے رحم تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ابن حرب دوست ہی نہیں، اُس کے محافظ دستے کا سالار اور ایک قابلِ اعتماد محافظ بھی تھا جس نے جنگ کے ایام میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر عباسی شہزادے کی جان بچائی تھی۔ اسی لیے احمد اُسے عزیز رکھتا اور عموماً مشورے میں شریک کرتا تھا۔

جعفر نے اس تعلق کو نظر انداز کر کے صرف نجوم کے علم پر بھروسا کیا اور اُس کے زائچے یا نقشے کے مطابق جو اُن کو سیدھا نتیجہ سامنے آیا، بیان کر دیا تھا حالانکہ آج تک کوئی علم مکمل نہیں ہوا۔ علم نجوم کے متعلق تو روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ آدمی نوّے سال تک یہ علم پڑھتا اور سیکھتا رہے۔ پھر نوّے سال فلکیات کا مطالعہ کرے اور تجربات سے گزرے تب کہیں جا کر وہ ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے جس میں غلطی کا امکان نہ ہو گویا ازروئے نجوم صحیح پیش گوئی کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ آدمی کی عمر مختصر ہوتی ہے۔ ابن حرب کے نزدیک جعفر نجوم کے اس معیار پر پورا نہ اُترتا تھا اور اُس نے پیش گوئی کر کے اپنے علم فلکیات کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ اُس کی ساری باتیں خرافات اور جھوٹی تھیں اور کتاب کہتی ہے کہ جھوٹی زبان، جھوٹے گواہ اور جھوٹے عالم سے دوستی نہ کر۔ اُس نے پانچ سُرخ دینار نکال کر سامنے رکھ دیے اور کہا تھا "ایسی پیش گوئی کا، جس کا ایک حرف بھی پورا نہیں ہو سکتا، پانچ دینار معاوضہ بہت زیادہ ہے لیکن معاوضہ اس لیے دے رہا ہوں کہ کسی لائق طبیب سے اپنا علاج کرا سکو۔"

جعفر نجومی نے سونے کے سکے اٹھا کر فوراً جیب میں رکھ لیے اور ساتھ ہی آسمان کی طرف اُنگلی اٹھا دی تھی۔ "ابن حرب آدمی کو مشکل وقت اور بُرے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ عقل مند لوگ وہ ہیں جو ستاروں کا کلام سنتے، اُن کے اشارے سمجھتے اور بُرے وقت سے بچنے کے لیے آسمان کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔"

تو یہ تھی وہ پیش گوئی جو جعفر نجومی نے ابن حرب کے بارے میں کی اور اس بات پر زور دیا کہ کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرے۔ اُس نے خود ہی اس ہفوات کو بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی لیکن اس پیش گوئی کے ٹھیک گیارہویں دن وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا اور

اُس کی ہنسی رُکنے میں نہیں آ رہی تھی۔ احمد ابو عباس نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اُسی روز یہ پہلا حکم جاری کیا تھا کہ کوئی نجومی اور قصّہ گو راستے میں بیٹھے، نہ کوئی پیش گوئی کرے اور کتب فروش فلسفے کی کتابیں نہ بیچیں۔

اس حکم کے ساتھ ہی نجومیوں اور داستان سرائی کا دھندا اُجڑ گیا جو بغداد کے بازاروں اور راستوں میں جمگھٹے لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ اب وہ شاید بحرین کا رُخ کرتے۔ کیا ابن حرب نے یہ خبر نہیں سُنی تھی کہ جعفر نجومی نے باب شماسیہ سے اپنا اڈہ اُٹھا لیا۔ ستارہ شناسی کے نقشے سمیٹ لیے، بروج ماری کے خاکے لپیٹ لیے، چوبی پنجے اور علم اکھاڑ لیے کتاب تقدیر کے ساتھ زائچوں کی بوسیدہ بھی ایک بقچے میں بند کر لیں اور بغداد سے رُخصت ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

وہ نجومیوں کے کھوکھلے علم اور عبرت ناک انجام پر ہنس رہا تھا جو بغداد سے نکل رہے تھے۔ جعفر نجومی کی ہفوات پر قہقہے لگا رہا تھا جس نے پیش گوئی کی تھی کہ ابن حرب پر بغداد کے دروازے بند ہو جائیں گے اور موت اُس کا پیچھا کرے گی لیکن ستارہ شناس یہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کے ستارے گردش میں آنے والے ہیں۔ دوسروں کی قسمت کا حال بتانے والے اپنے انجام سے بے خبر تھے اور جعفر نجومی کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اب وہ کسی راستے پر یا اپنے نجوم کے طلسم کدے میں بیٹھ کر کوئی پیش گوئی نہ کر سکے گا بلکہ اُسے بغداد سے بھاگنا پڑے گا۔

احمد ابو عباس کا حکم بادلوں کے حاشیوں پر ٹوٹنے والی بجلی کی طرح بالکل ناگہاں نافذ ہوا اور اپنے مستقبل سے بے خبر نجومیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ ابن حرب، جعفر نجومی کی بدحواسی کا تصور کر کے، جو خلیفہ کا حکم سُن کر اُس پر طاری ہوئی ہو گی، بے تحاشا ہنسے جا رہا تھا اور اس خیال سے ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے فرار کی خبر دینے والا خود فرار ہو رہا ہے۔

★

دوسرے روز جعفر الرصافہ کے دروازے پر نظر آیا۔ بغداد چھوڑنے سے پہلے وہ ملکہ جیسی خاتون سے ایک مختصر سی ملاقات کا خواہش مند تھا۔ اُس کے بقچۂ نجوم میں ملکہ

www.urdukorner.com

کے لیے بھی ایک اہم خبر تھی اور چاہتا تھا کہ رخصت ہونے سے پہلے وہ خبر اس کے گوش گزار کرتا چلا جائے۔

الرصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی سے یہ توقع بے جا نہ تھی کہ پرانی دوستی کے ناتے وہ ملکہ عالیہ سے اس کی ملاقات کا بندوبست ہی نہیں کر دے گا بلکہ خلیفہ کو بھی اس ملاقات کی کانوں کان خبر نہ ہونے دے گا۔ حرب الکندی نے اسے مایوس نہ کیا اور یہ احتیاط بھی مدنظر رکھی کہ فلسطینی کنیز دمنہ کے سوا جو حرب کے ساتھ کچھ رازداری کی باتیں بھی کر لیتی تھی، کسی کو جعفر کے الرصافہ تک آنے کی مطلق خبر نہ ہو سکے۔ یہ احتیاط اس لیے ضروری تھی کہ احمد ابو عباس کسی نجومی کو اپنے قصر کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا اور اپنے احکام کی تعمیل میں بڑا سخت تھا۔ حرب جانتا تھا کہ اگر خلیفہ کے کان میں اس ملاقات کی بھنک بھی پڑ گئی تو الرصافہ کی نگرانی سے برطرفی کے ساتھ اسے سزا بھی بھگتنا ہوگی۔ اس خطرے کے باوجود اس نے جعفر نجومی کی دوستی کا بھرم قائم رکھا۔

دمنہ ہی جیحک خاتون تک سردار حرب کی درخواست لے کر پہنچی کہ جعفر نجومی کو ملاقات اور عرض مطلب کی اجازت دی جائے۔ یہ بات بھی گوش گزار کر دی گئی کہ وہ ملکہ معظمہ کو مستقبل کی کوئی اہم اطلاع دینے آیا ہے جس پر ان کی اپنی بہتر زندگی کا انحصار ہے۔

یوں تو ہر فرد کو لیکن بالخصوص ہر عورت کو اپنی زندگی اور مستقبل کا حال جاننے سے گہری دلچسپی ہوتی ہے۔ جیحک خاتون کو علم تھا کہ قصر شاہی میں کسی نجومی کا داخلہ ممنوع ہے لیکن دمنہ نے سرگوشیوں میں بتا دیا کہ حرب نے جعفر کی آمد کو صیغۂ راز میں رکھا ہے اور آپ سے اس کی ملاقات بھی خفیہ ہوگی تو ملاقات پر تیار ہو گئی کہ دیکھے تو سہی جعفر اپنے نجوم کی مٹھی میں اس کے لیے کیا چھپا کر لایا ہے۔ وہ دمنہ کو ساتھ لے کر بڑی احتیاط اور رازداری کے ساتھ کمرۂ ملاقات میں پہنچی۔

ادھر حرب نے بھی جعفر کو سمجھا دیا تھا کہ ملاقات مختصر ہونی چاہیے۔ پھر اسے خفیہ دروازے سے لے کر قصر میں داخل ہوا اور محرابی غلام گردشوں میں بے آواز چلتا اس کمرے میں پہنچ گیا جو خفیہ ملاقات کے لیے طے کر لیا گیا تھا۔ جالی دار پردے کے پیچھے جیحک خاتون ایک محراب میں بیٹھی تھی۔ دمنہ نے اطلاع دی کہ جعفر اس وقت ملکۂ معظمہ کے حضور میں ہے جس پر اس نے ملاقات کے دستور اور اہل علم کی روایات کے مطابق بڑی نیازمندی کے ساتھ سلام کیا اور کہا:

"میں اس عنایت کے لیے تہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے شرف باریابی بخشا۔"

پس پردہ جیحک خاتون کی آواز سنائی دی۔ "جعفر! ملاقات کی اجازت اس لیے دی گئی کہ تم بغداد سے آزردہ خاطر ہو کر نہ جاؤ اور تمہارے دل میں کوئی ملال نہ رہے۔ جو کچھ کہنا ہے، بلا خوف کہو۔"

"آپ کی اس نوازش کا بھی شکریہ ملکۂ عالیہ! مگر اب کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا۔" پھر شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ "ابو عباس نے اہل نجوم کی زبانوں پر قفل ڈال دیے اور کنجی اپنی مٹھی میں دبا لی حالانکہ علم فلکیات تقدیر کے اسرار کی گتھیاں کھولتا اور ہر زمانے میں عالموں اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ آل عباس کے عالی مرتبت خلیفہ منصور ابو جعفر نے ماہر نجوم کو اپنا مقرب بنایا اور ہمیشہ ان کے مشوروں پر عمل کیا۔ خلیفہ نامدار مامون عبداللہ حسین کی حکمت و دانش اور شجاعت و اصابت رائے میں کسی کو کلام نہ تھا۔ خود فلکیات کے ماہر اور اہل نجوم کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن اب یہ زمانہ آ گیا ہے کہ منجموں کو پیش گوئی کرنے کی اجازت نہیں۔ کیا ابو عباس نہیں جانتے کہ زمین پر کوئی واقعہ اس وقت تک ظہور میں نہیں آتا، جب تک آسمانوں کی کتاب اسرار پر درج نہ ہو جائے۔ افسوس علم پر پہرے لگائے جا رہے ہیں....."

شاید وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن ملکہ جیحک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"امیر المومنین کے حکم پر بحث بے کار ہے جعفر! نہ تم انہیں علم نجوم کا قائل کر سکتے ہو نہ میں ان کا حکم تبدیل کر سکتی ہوں۔ اس لیے صرف مطلب کی بات کرو اور جس مقصد کے لیے آئے ہو، وہ بیان کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم مجھے کوئی ضروری خبر دینا چاہتے ہو۔"

"یہ درست ہے ملکۂ عالیہ! میرے پاس آپ کے لیے ایک اہم خبر ہے۔"

"پھر میں وہ خبر سننے کے لیے بے چین ہوں۔"

"مگر پہلے مجھے اس بات کا اطمینان ہونا چاہیے کہ جو کچھ عرض کروں گا، وہ صرف آپ کی ذات گرامی تک محدود رہے گا اور اس کی اطلاع کسی بھی ذریعے ابو عباس تک نہیں پہنچے گی۔"

"بھروسا رکھو۔ اس وقت میرے، سردار حرب اور دمنہ کے سوا یہاں کوئی نہیں، جو تمہاری بات سن سکے اور جو کچھ تم کہو گے وہ ہمارے سینوں میں امانت کی طرح محفوظ رہے گا۔"

جعفر نے اطمینان کا سانس لیا۔ "پھر جو کچھ بیان کرنے والا ہوں، اسے توجہ سے سنیے"

www.urdukorner.com

یہ کہہ کر اُس نے اظہارِ مطلب کے لیے اپنے مخصوص اور مؤثر الفاظ کا انتخاب کیا۔ جن سے مخاطب کو حیران کر دیا کرتا تھا، پھر کہنے لگا۔ "ملکۂ عالیہ میں نے ہفت افلاک پر ستاروں کے تغیرات دیکھے۔ بروج سماوی کے قیام اور کواکب کی رفتار کا مطالعہ کیا۔ آسمانوں میں جھانک کر دیکھا اور کتابِ اسرار کے کچھ واقعات کو اپنے نقشے میں اتارا ہے۔ جب میں ستاروں کی رفتار اور اُن کے اثرات کے مطابق مستقبل کی لکیریں کھینچ رہا تھا، بغداد پر قہر و ہلاکت کی بجلیوں کے کڑاکے میری سماعت سے ٹکرائے۔ میں نے دیکھا، معزول خلیفہ معتمد کا ڈوبا ہوا ستارہ تاریکیوں کے افق سے پھر طلوع ہو رہا ہے اور اہلِ بغداد اس ستارے کو سلام کر رہے ہیں۔"

ملکہ جیحک دم بخود رہ گئی۔ اگر معتمد کا ستارہ بغداد کے اُفق پر طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ احمد ابو عباس کے اقتدار کا ستارہ غروب ہو جائے گا اور وہ بھی عباسیہ کی عالی مرتبت ملکہ نہیں رہے گی۔ بڑی پریشانی سے بولی۔

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو جعفر؟"

"میں نہیں ستارے کہہ رہے ہیں خانم!" جعفر کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ "آسمانوں پر لکھی جانے والی کتابِ تقدیر میں ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ درج ہونے والا ہے اور ہم اہلِ نجوم تو صرف کسی واقعے کی قبل از وقت اطلاع دینے کے گناہ گار ہوتے ہیں۔"

جیحک خاتون ذرا چونکی۔ "تم نے کہا ہے کہ کوئی واقعہ کتابِ تقدیر میں درج ہونے والا ہے۔ اس کا مطلب ہے ابھی وہ واقعہ درج نہیں ہوا۔"

جعفر نے ملکہ کی پریشانی بھانپ لی۔ مطلب سمجھ لیا اور کہا۔ "بے شک ابھی اُس کے اندراج میں کچھ عرصہ، کچھ وقفہ باقی ہے کیوں کہ کتابِ تقدیر پر صرف قطعی بات درج ہوتی ہے اور ابھی دو ستارے ایک دوسرے کے متوازی چل رہے ہیں۔ ایک خود روشن ہے، دوسرا کسی کی تجلی سے روشنی حاصل کر رہا ہے اور دونوں کے درمیان ایک کش مکش جاری ہے لیکن آج کے دن سے ابھی ساتواں مہینا پورا نہیں ہوگا کہ جو کچھ ہونے والا ہے، ہو جائے گا اور بغداد کے لوگ ناقابلِ یقین حالات سے گزریں گے۔"

جیحک خاتون کسی وضاحت کے بغیر ہی سمجھ گئی کہ جو ستارہ اپنی ذات میں روشن ہے وہ احمد ابو عباس اور جو کسی دوسرے کی تجلی سے روشنی حاصل کر رہا ہے، وہ معتمد ہے جس کی پشت پر بنی طولون کھڑے ہیں۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

"تمہارے الفاظ اگرچہ بڑے محتاط ہیں لیکن اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ معتمد خروج کی سوچ رہا ہے اور بنی طولون کو اپنی مدد کے لیے بلائے گا۔"

"ہو سکتا ہے، میرے الفاظ کا مفہوم یہی ہو۔ ہو سکتا ہے کچھ اور ہو۔"

"مگر ابو عباس کے انتخاب پر تو معتمد نے خروج کی بات نہیں کی، صرف خاموشی اختیار کی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ خاموشی آدھی رضامندی ہوتی ہے۔ گویا وہ ابو عباس کے مقابلے سے عملاً دستبردار ہو گیا ہے۔"

"آپ کی بات درست ہوگی لیکن آسمان اس واقعے کی شہادت نہیں دیتا۔ ستاروں کی چال کچھ اور کہتی ہے۔ حالات کی صورت کچھ اور ہے اور حالات بگڑ سکتے ہیں۔"

"کیا حالات کو بگڑنے سے روکا نہیں جا سکتا؟"

"اگر آسمان پر ستاروں کی چال بدل گئی، تو زمین پر بھی حالات بدل جائیں گے۔ اصل میں یہ تقدیر کا فلسفہ ہے جو آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ اس دنیا کو عالمِ امکانات کہا جاتا ہے۔ یہاں سب کچھ امکانات اور اسباب پر موقوف ہے اور اہلِ علم کسی امکان کو نظر انداز نہیں کرتے۔"

پھر جعفر نے ایک اور حیرت انگیز اور بھیانک واقعے کا نقشہ بیان کیا، جس کے رُونما ہونے کا امکان تھا۔

"ملکہ عالیہ! میرا حساب اور زائچہ کچھ اور بھی بتاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ سات ماہ کے اندر بغداد میں ایک اہم آدمی قتل ہوگا، جس کے قتل پر طبعی موت کا گمان گزرے گا۔ لوگ اُس کا جنازہ اُٹھائیں گے اور اُسے قبر کے اندھیروں میں دفن کر دیں گے لیکن اُس کے قتل پر اہلِ بغداد بڑے مضطرب ہوں گے ایک ہنگامہ بپا ہوگا اور کئی دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی۔"

ملکہ جیحک نے محراب کی مسند پر بڑی بے چینی سے پہلو بدلا۔ "وہ اہم آدمی کون ہوگا؟"

"میرے خاکے اور حساب کے مطابق معتمد اللہ۔" جعفر نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "سات ماہ میں اُس کے انتقال یا قتل کا بھی امکان ہے، جس پر ایک جھگڑا ختم ہو جائے گا اور ایک نیا جھگڑا شروع ہوگا لیکن یہ واقعے کی دوسری صورت ہے اور جب آسمان پر ایک ہی واقعے کی دو صورتیں نظر آ رہی ہوں اور دونوں کے وقوع میں آنے کے امکانات ہوں تو

www.urdukorner.com

اہل زمین کی ایک صورت کو بدل دینے کے مجاز ہوتے ہیں کیونکہ حالات کی تبدیلی میں انسان کی مرضی اور کوشش کا بھی دخل ہوتا ہے ملکۂ عالیہ! اہل نجوم آسمانوں پر نظر آنے والے پیچیدہ اسرار اس لیے بیان کرتے ہیں کہ زمین پر ناخوشگوار اور خطرناک واقعات کا رُخ تبدیل کیا جا سکے اور میرے علم کے مطابق یہی وہ گوشۂ اسرار ہے، جسے تقدیر کہتے ہیں اور جس کے بارے میں آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔"

پھر جعفر نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کر لی اور ملکہ جیجک کی آواز سنائی دی۔

"کچھ اور بھی کہو جعفر!"

"بس خانم! جو کچھ مجھے کہنا تھا، کہہ چکا۔ اب میرے پاس کہنے کے لیے الفاظ اور آپ کے پاس سننے کے لیے وقت نہیں اس لیے اجازت چاہتا ہوں کیوں کہ مجھے سفر درپیش ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم بغداد سے جا رہے ہو مگر اُمید ہے پھر لوٹ آؤ گے۔"

جعفر نے بھیگی پلکوں سے ملکہ جیجک کی طرف دیکھا کیوں کہ بغداد سے جُدائی کا خیال بڑا سوہانِ روح تھا اور بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

"بغداد میرا مالوف شہر ہے جس کے ساتھ میں پیدائش، محبت اور علم کے رشتوں میں بندھا ہوا ہوں لیکن یہ سارے رشتے آج ہی اور اسی جگہ ختم ہو رہے ہیں۔ میں اس شہر میں جس کی زمین میرے پاؤں تلے سے کھینچ لی گئی ہے، معلق رہ کر جینا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہاں سے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر جعفر نجومی جیجک خاتون سے رخصت ہوا اور سردار حرب الکندی کے ساتھ اُسی خفیہ دروازے سے نکل گیا، جس دروازے سے الرصافہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے سردار حرب کو بھی الوداع کہی اور محلہ کرخ کی طرف ہو لیا جہاں گدھے پر پالان بندھا ہوا تھا اور ضروری سامان تیار رکھا تھا۔ اُسی روز جعفر بغداد سے روانہ ہو گیا۔

وہ بغداد سے بے شک چلا گیا لیکن ملکہ جیجک کے ذہن میں، دل میں، پورے وجود میں اسرار و تحیّر کا ایک طوفان چھوڑ گیا بلکہ اپنی پیش گوئی کے ساتھ جو وہ "ستاروں" کی کشش کشمکش کے بارے میں تھی، کسی بگولے کی طرح اُس کے [illegible] سے گئے۔ ایک دن، دو دن، تین دن، یا پھر کئی دن گزر گئے لیکن جیجک خاتون ہر روز، ہر شب اپنے ذہن میں اُس کی آواز سنتی تھی۔

www.urdukorner.com

جعفر نے کہا تھا کہ بغداد کے اُفق پر معتمد کا ستارہ پھر طلوع ہوگا اور لوگ اُسے سلام کریں گے یا پھر زائچے کے مطابق اُسے قتل ہونا اور اندھیری قبر میں اُترنا تھا۔ ان دو صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آسکتی تھی اور جعفر نے دونوں صورتیں پیش کر کے تقدیر کا یہ فلسفہ بھی بیان کر دیا تھا کہ اہل زمین کسی ایک صورت کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

ملکہ جیجک کے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا کیوں کہ پہلی صورت معتمد کے خروج یا پھر از سرِ نو طلوع کی تھی۔ اس صورت میں اُس کے شوہر احمد ابو عباس کو خلافت سے اور شاید زندگی سے بھی محروم ہونا یا پھر کسی زندان میں جانا تھا اور اس کے ساتھ ہی جیجک خاتون کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہ جاتا۔ دوسری صورت معتمد کے قتل، کفن اور دفن کی تھی جس کے ساتھ سارے خطرے بھی دفن ہو جاتے۔ اُس نے سوچا یہ معتمد علی اللہ، جو اس کے شوہر کا ہم نام اور ہم کنیت ہے اور جس کی وجہ سے دولتِ عباسیہ میں طولونی سلطنت کا رخنہ پیدا ہوا، آخر زندہ ہی کیوں رہے؟

وہ اپنے محل میں بیٹھا ضرور بنی طولون سے خفیہ مراسلت کرتا ہوگا۔ رات کو اندھیرے کا لباس پہن کر آنے والے خبر رساں کے ہاتھ خمارویہ کو خروج کا پیغام بھیجتا ہوگا، اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تو سب کچھ بدل جائے گا کیوں نہ اُسے خروج سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا جائے۔

ذہن کی کوٹھڑی میں چھپ کر بیٹھا ہوا "قتل" کا لفظ فوراً زبان پر آگیا، جس کا جعفر نجوم نے امکان ظاہر کیا تھا، یہی ایک لفظ خنجر میں ڈھل کر خیالوں پر لپکا لیکن سوچنے لگی، آخر معتمد کو قتل کون کرے گا؟

www.urdukorner.com

خلیفہ معتمد

LIBRARY
NAZAR, RAWALPINDI.
034-0345-5048989
Ali Khan

○

جیحک خاتون نے جو کچھ سوچا بغداد اور سامرا کے باشندے بھی وہی سوچ رہے تھے
معتمد رہائی کے بعد لوگوں کو اپنے لیے دعوت دے سکا، نہ خلافت سے دستبردار ہوا۔
موفق طلحہ کی وفات، اُس کی نظر بندی کا خاتمہ، احمد ابو عباس کے اردگرد فوجی افسروں اور اُمرائے
آلِ عباس کا جمگھٹا، یہ سب واقعات بڑی تیزی کے ساتھ رونما ہوئے تھے۔ یہ واقعہ
کسی کڑی کی طرح دوسرے واقعے سے منسلک اور مربوط تھا اور اس زنجیر کی کوئی کڑی ایسی
نہ تھی جسے وہ توڑ سکتا۔

اقتدار کی بساط پر اُس کی بازی پھر مات ہو گئی تھی۔

اُس کا خیال تھا وہ ایک منتخب خلیفہ ہے۔ معزولی کے باوجود اس کی بیعت کا حلقہ
نہیں ٹوٹا اور رہائی کے بعد اُسے اپنے مرتبے پر بحال ہونا چاہیے کیوں کہ موفق طلحہ کی بیعت
نہیں ہوئی اور موت اُس کو گھسیٹ کر لے گئی تھی لیکن معاملے کی نوعیت بالکل برعکس تھی۔
حالات کا دھارا اب بھی اُس کے خلاف بہہ رہا تھا۔ لشکروں نے فرزندِ طلحہ کی اطاعت قبول
کر لی اور وہ مسترد کر دیا گیا، جس پر اُس نے چپ سادھ لی۔ یہی چپ ایک معمّا بن گئی تھی۔
جیحک خاتون سوچتی تھی، اُس کی خاموشی، پُراسرار اور کسی خطرے کی علامت ہے۔
لوگوں کا خیال تھا، اگر بنی طولون نے معتمد کی حمایت میں تلواریں بلند نہ کیں، پھر بھی اُسے
اپنی علاحدگی کی آڑ بنا کے رکھیں گے۔ لوگ مختلف قیاس آرائیاں کرتے تھے جو کسی نہ کسی
ذریعے جیحک خاتون تک پہنچ جاتی تھیں اور اُس کی تشویش بڑھتی جاتی تھی۔

www.urdukorner.com

معتمد کے اِرد گرد کوئی ہجوم نہیں تھا۔ وہ کسی قبیلے، کسی گروہ، کسی جماعت کو بھی لے کر نہ نکلا۔ فقط اپنے محل تک محدود ہو کے رہ گیا تھا۔ مگر ملاقات پر کوئی پابندی نہ تھی۔ جو لوگ اُس کی ذات سے دل چسپی رکھنے یا دوستی کا دم بھرتے تھے، ملنے آجاتے۔ بعض اُمرا بھی جنہوں نے ۲۵۶ ہجری میں خلیفہ مہتدی کے قتل پر (جسے ترک سردار موسیٰ ابن بوغا کے لشکر نے گھیرا ڈال کے گرفتار اور پھر ہلاک کر دیا تھا) معتمد کی بیعت کر لی تھی، پرانے تعلق کی خاطر مل بیٹھتے تھے اُس نے کسی کے لیے اپنا دروازہ بند نہ کیا۔ ملنے والوں سے بڑے حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتا۔ امرِ خلافت پر بھی گفتگو ہوتی لیکن حوادثِ زمانہ نے اقتدار ہی نہیں چھینا، کچھ تجربے بھی سکھائے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وقت اُسے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا۔ پرانی دوستیاں نئے حالات کا رُخ نہیں بدل سکتیں اور اس کی حیثیت اس سمندری جھاگ کی سی ہے جسے طوفان کسی ساحل پر پھینک جاتا ہے۔ اس لیے بات چیت میں بڑا محتاط ہو گیا اور اس اندیشے کو کبھی مدِ نظر رکھتا تھا کہ کیا معلوم، دوستوں اور بہی خواہوں کے روپ میں کوئی مخبر بھی اُس کے ارادوں کی ٹوہ لے رہا ہو۔

جس طرح ابن بوغا کے ترکوں نے خلیفہ مہتدی کو گھیرا ڈال کے پکڑا تھا اُسی طرح مایوسیوں نے معتمد کو نرغے میں لے لیا۔ وہ اپنے ماضی سے بچھڑ چکا اور مستقبل سے نا اُمید تھا جو اُس سے پھر کنارا کر گیا۔ بس حال ہی حال تھا جس میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ دنیا میں عروج اور زوال کی رُت بدلتے موسموں کی طرح ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے بچھڑنا اور ملنا جلنا بھی لگا رہتا ہے۔ لوگ کسی مقام پر بچھڑتے اور کسی جگہ باہم پھر مل جاتے ہیں مگر جب آدمی اپنے آپ سے بچھڑتا اور خود سے جدا ہوتا ہے تو اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اُس کا ماضی کیا تھا اور زندگی کا سفر کہاں سے شروع ہوا تھا۔ معتمد اگرچہ اپنے آپ سے بے تعلق سا ہو گیا یا خود سے بچھڑ گیا لیکن حالات کی ان تاریکیوں میں کبھی کبھی چھوڑی ہوئی منزل یاد آجاتی تھی۔ جب وہ عظیم دولتِ عباسیہ کا حکمران تھا جس کے بازو ایشیا سے افریقہ اور مغرب اقصیٰ تک پھیلے تھے اور مشرق و مغرب میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

اس کی قید [illegible] محدود اور خود کو اپنے قبیلے سے الگ تھلگ محسوس کرنے لگا۔ بیشتر وقت تنہا رہتا تھا۔ وہ قیدِ تنہائی سے نکل کر اپنی ذات کی تنہائی میں منتقل ہو گیا اور ملاقات کے کمرے میں بھی اُسی وقت جاتا تھا جب

www.urdukorner.com

کوئی خادم، کوئی کنیز یا اس کا بیٹا جعفر المفوض اطلاع دیتا کہ کوئی ملنے آیا ہے ورنہ الگ تھلگ اپنے قصر میں پڑا رہتا، جہاں اُس کی خاص کنیز خدمت پر مامور تھی۔

ایک روز جب وہ اپنی تنہائی کے اعتکاف سے نکل کر ملاقات کے کمرے میں آیا تو بڑا برافروختہ ہو رہا تھا۔ اُس کا ملاقاتی ایک عباسی امیر تھا جس کے سامنے اُس نے ترکوں کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا اور کہا۔ "بنو عباس کا جاہ و جلال رخصت ہو گیا اور ترکوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ وہ جسے چاہیں تخت پر بٹھائیں، جسے چاہیں اتار پھینکیں۔ حکمران صرف اُن کی چال کے مُہرے ہیں۔ اصل اقتدار ترکوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے آلِ عباس کی مصیبتوں میں اضافہ کر دیا اور ملّت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ وہ خود عربوں کے لشکروں اور دفتروں پر غالب آ گئے اور اُن کی خوبصورت عورتیں شاہی محل سراؤں پر حکومت کرتی ہیں۔"

معتمد کے منہ سے نکلی ہوئی یہ باتیں عباسی امیر کے ذریعے دوسروں تک پہنچیں اور مکدر جیحک نے بھی نہیں۔ اُس نے ترکوں کا نام لے کر نہیں حکمران پر چوٹ کی اور عربوں کو اُن کے خلاف بھڑکایا تھا۔ احمد ابو عباس کے حرم میں صرف جیحک ہی ترک بیگم نہیں تھی جس کا بیٹا علی (مکتفی) ولی عہد کہلاتا تھا بلکہ دوسری بیگم شغب خاتون بھی ترک ہی سمجھی جاتی تھی جس کا تعلق ارض روم سے تھا گویا معتمد نے براہِ راست شاہی حرم کی ترک بیگمات پر حملہ کیا اور اُن پر نفرت کی انگلی اٹھائی تھی مگر جیحک کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس جلتی پر تیل فلسطینی کنیز دمنہ نے ڈالا اور کہا۔

"ملکہ خانم! کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ترک فوجی سرداروں اور لشکروں نے ابو عباس کی اطاعت قبول کرنے میں اس لیے جلدی کی ہے کہ اُن کے حرم میں آپ اور شغب خاتون دو ترک بیگمات ہیں اور دونوں اولاد والی ہیں جن کے ذریعے حکومت میں ترکوں کا اثر و رسوخ کچھ اور بڑھ جائے گا۔" دمنہ ایک لمحہ رکی پھر بولی۔ "لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو عباس کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ دولتِ عباسیہ کی ذی شان ملکہ بن گئی ہیں۔ اب فوج اور شاہی دفتر میں ترک افسروں کے رُتبے بلند ہوں گے۔"

"کیا تُو جانتی ہے، ایسی باتیں کون کرتا ہے؟"

"سُنا ہے، وہ ایک مسترد آدمی ہے۔" دمنہ نے معتمد کا نام نہیں لیا، صرف ایک لفظ میں اُس کا سراپا اس طرح بیان کر دیا کہ کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔

جیحک نے اُس کا اشارہ صاف صاف سمجھ لیا پھر کہا۔

"وہ ہارا ہوا آدمی ترکوں سے بُغض رکھتا ہے مگر جو کچھ چاہتا ہے، ہو گا نہیں۔"

"کیا چاہتا ہے وہ؟"

جیحک خاتون نے دمنہ کے سوال کا جواب نہ دیا اور اُسے حیران و پریشان سی چھوڑ کر اس دریچے کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں سے غلام گردش کی محرابیں اور ان سے ملحق باغیچے میں سرو شمشاد کے درمیان سوسن اور گلاب کے پودے نظر آ رہے تھے لیکن اس کی توجہ پودوں کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ تصور کی آنکھ سے ارتماف سے باہر دجلہ کے کنارے معتمد کا محل دیکھ رہی تھی جس کے ایک قصر میں وہ الگ تھلگ رہتا یا پھر اپنی تنہائی کے اعتکاف میں جا بیٹھتا تھا۔ اُسے خیال آیا، اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دجلہ کی طرف سے اُس الگ تھلگ قصر میں داخل ہو جائے تو بڑی آسانی سے معتمد کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔

فلسطینی کنیز دور کھڑی اپنی ترک خانم کو دیکھ رہی یا پھر اُس کے خیالات کو پڑھ رہی تھی کہ وہ اس وقت کیا سوچ رہی ہو گی۔

جیحک چند ساعتیں معتمد کے بارے میں سوچتی رہی پھر اُس نے اپنے پراگندہ خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ عباسیہ کی خاتونِ اوّل اور ایک عظیم سلطنت کی ملکہ تھی اور یہ بات اُسے زیب نہ دیتی تھی کہ کسی کی ہلاکت کے متعلق سوچے یا کوئی ایسا منصوبہ تیار کرے۔ اُس نے جی میں ٹھان لی کہ معزول خلیفہ کے بارے میں اپنی پریشانی یا ترکوں کے خلاف اُس کی نفرت کا ذکر احمد ابو عباس سے بھی نہیں کرے گی۔

★

معتمد نے دولتِ عباسیہ یا پھر عربوں اور ترکوں کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا تھا ممکن ہے وہ اقتدار سے اُس کی علاحدگی یا شکست خوردہ ذہنیت کی آواز ہو اور طویل قید نے اُسے ترکوں سے بیزار کر دیا ہو جن کا فوج میں غلبہ تھا لیکن اُس دور کی جو تاریخی، سیاسی یا ثقافتی اور مذہبی شہادتیں ہمیں دستیاب ہوئی ہیں، اُن کی روشنی میں معتمد کے بیان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا بلکہ وہ شہادتیں اُس بیان میں کئی مزید اور افسوسناک اضافے کرتی ہیں۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خلافت و حکومت کی خاطر عباسی شہزادے بھائیوں یا دوسرے [illegible] کے خلاف [illegible] ترک سرداروں کی حمایت حاصل کرنے، اُن

www.urdukorner.com

کے ذریعے اپنے حریفانِ اقتدار کو قتل یا معزول کر دیتے اور خود بھی فوج کے آلۂ کار بن جاتے تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کے بیٹوں امین اور مامون کے درمیان اقتدار کی خاطر جنگ ہوئی جس میں مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے ایک سال تین ماہ بغداد کو محاصرے میں رکھا اور آخر بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ امین بھاگ گیا مگر پکڑا گیا اور قتل ہوا۔

خلیفہ معتصم بن ہارون رشید کے عہد میں ترکوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا مگر خلیفہ متوکل بن معتصم ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا جو اس سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ منتصر بن متوکل، مستعین بن معتصم، معتز بن متوکل، مہتدی بن واثق اور معتمد بن متوکل جیسے خلفاء اقتدار کی کشمکش میں ترکوں ہی کے عتاب کا نشانہ بنے اور قتل یا معزول و نظر بند ہوئے۔ یہ تاریخ و سیاست کے خون میں لتھڑے ہوئے اوراق ہیں جن پر عباسی خلفاء کے عزل و نصب یا قتل کی یادداشتیں رقم ہوئیں۔

دراصل عرب معاشرے پر بنو امیہ اور بنو عباس کی قبائلی دشمنی کے اثرات بڑے گہرے تھے جن کے نتیجے میں حقوق و اختیارات کے جھگڑے خون ریزی پر منتج ہوئے۔ بنو عباس نے بنو امیہ کے خلاف صرف تلوار نہیں اٹھائی بلکہ روایات کا سہارا بھی لیا تاکہ عربوں اور عجمیوں کی رائے کو اپنی جانب منتقل کر لیں لیکن عباسیوں نے جو طریقِ کار بنو امیہ کے خلاف اختیار کیا تھا کئی فرقوں نے وہی حربہ عباسیہ کے خلاف استعمال کیا۔ تلوار اٹھائی، اپنے مناقب بیان کیے اور روایات کا سلسلہ چلایا۔ چنانچہ علوی، فاطمی اور مہدوی تحریکوں میں جنگ و جدل کے ساتھ روایات کا بھی بڑا دخل تھا جن کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی جاتی تھی۔ قرامطہ نے تو قرآن مجید کی بعض آیات کو اپنے اوپر منطبق کر لیا تھا کہ وہی ان آیات کے مصداق ہیں۔ اپنے حق میں مناقب اور روایات بیان کرنے کا مقصد مذہبی طور سے دوسروں پر اپنی برتری اور بالادستی ظاہر کرنا تھا۔

عربوں کی ایک وسیع سلطنت بنو امیہ ہی کے دور میں قائم ہو گئی تھی جو سندھ سے لے کر شمالی افریقہ جنوب مغربی یورپ میں اسپین (اندلس) تک بازو پھیلائے پوری دنیا پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی۔ مختلف قوموں، مختلف قبیلوں، مختلف نسلوں، مختلف رنگوں، مختلف زبانوں، مختلف معاشرتوں کے اختلاط و امتزاج سے ایک بین الاقوامی برادری معرضِ وجود میں آ گئی اور ایک مخلوط تہذیب پروان چڑھ رہی تھی جس میں عرب، شامی، فلسطینی، ہوائی،

یمنی، مصری، بربر، ترک، ارمنی، ایرانی، خراسانی، افغانی، سندھی، بلوچی تک شامل تھے مگر اس برادری میں فوقیت عربوں کو حاصل تھی۔

عباسیوں کے عہد میں جہاں سلطنت کے حلقے کچھ اور سمٹ گئے وہاں اختلافات اور خروج نے بھی زور پکڑا اور سلطنت کے حصے بخرے ہونے لگے۔ اقتدار اور اختیار کی کشمکش بڑھ گئی۔ عباسی حکمران اور ولی عہد دوسروں سے بھی لڑتے اور اپنوں کے خون میں بھی ہاتھ رنگتے تھے۔

ایک طرف اہلِ علم و دانش فقہ، قضاۃ، ادب، اخلاق، سیرت، مغازی، تاریخ، حدیث، تفسیر کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے، علماء و محدثین کی مجالس میں "قال اللہ" اور "قال الرسول" کی باتیں ہوتی تھیں۔ دوسری جانب حکمرانوں، گورنروں، سرداروں، امیروں اور بڑے بڑے شیوخ کی بارگاہوں، محل سراؤں، کوشکوں، حویلیوں اور عالی شان عمارتوں میں دف، نفیری، خنجری اور مجیروں کی موسیقی کے درمیان رقص کی ٹھمک اور نغمے کی تان اڑتی تھی شراب کا خمار انگڑائیاں لیتا تھا۔ حسن اور غنا کا طلسم دلوں کو مسحور کر دیتا تھا۔

دراصل عربوں نے دولت کے انبار جمع کر لیے تھے۔ جنگوں اور فتوحات کی وجہ سے مالِ غنیمت کا کوئی شمار نہ تھا۔ ممالکِ محروسہ سے ہر سال بھاری خراج آتا تھا۔ امراء اور سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں مل گئی تھیں، جہاں وہ شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سلطنت میں وسعت پیدا ہو جانے سے سوداگروں، تاجروں، مسافروں کو دیس دیس کی منڈیاں اور بازار میسر آ گئے تھے جہاں وہ سامانِ تجارت بھیجتے یا دوسرے ملکوں سے اشیاء منگواتے اور خوب نفع کماتے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی اور لونڈیوں کی ریل پیل تھی۔ ادھر نئی زمینوں پر جاگیرداریوں کے نئے حلقے قائم ہو رہے تھے۔ جب کسی قوم میں دولت آتی ہے تو عیش و عشرت کے سامان بھی ساتھ لاتی ہے اور لذت و راحت کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔

عرب ان کھلے دروازوں میں داخل ہو گئے اور اپنے ہتھیار کسی کونے میں رکھ کر پھول کے میدانِ جنگ کی ہاؤ ہو کی بجائے اب انھیں موسیقی کی تانیں اور حسین ابروؤں کی کمانیں راحت کش معلوم ہوتی تھیں۔ اس طرح وہ شمشیر و سناں کے ہنگاموں سے نکل کر طاؤس و رباب کی دلچسپیوں میں گم ہونے لگے۔

یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ پوری عرب قوم اس سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ البتہ

www.urdukorner.com

سرداران قریش اور بڑے بڑے اُمرا لہو و لعب میں ضرور مشغول ہو گئے تھے۔ دولت کی فراوانی نے انہیں عیش پسند بنا دیا اور وہ اپنے اعلیٰ فرائض سے جی چرانے لگے تھے۔ ان کے اس کردار میں عباسی حکمرانوں کا بھی بڑا دخل تھا جو اپنی حکومت اور ذاتی حفاظت کے لیے ترکوں پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ عرب اُمرا ہم قوم یا ہم قبیلہ ہونے کے ناتے ان کے مزاج و کردار سمجھتے تھے اور حکمرانوں کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ حریف اقتدار ان کے ساتھ ساز باز کر کے کہیں بغاوت نہ کر دیں۔ اس اندیشے سے لشکروں اور دفتروں میں عربوں کی جگہ ترکوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا جاتا۔ جو سرداران قریش یا خاص طور سے اُمرائے آلِ عباس کی طرح خلافت و حکومت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ حق خلافت، قریش کے لیے مخصوص تھا جن میں بنو تیم، بنو عدی، بنو اُمیہ، بنو عباس، بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سے فاطمی اور علوی خاص طور سے قابل ذکر تھے۔

★

لشکروں، دفتروں اور امرائے بنی عباس کے علاوہ بغداد کے لوگوں نے بھی احمد ابو عباس کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا لیکن ابھی بیعت عامہ نہیں ہوئی تھی اور کیوں نہیں ہوئی تھی؟

معتمد اپنی تنہائی کے اعتکاف سے تو باہر نہ نکلا لیکن اس کی کچھ باتیں باہر نکلیں اور گلی کوچے بغداد کے کوچہ و بازار سے لے کر محلات اور ایوانوں تک سنی گئیں لیکن کوئی ہنگامہ رونما ہوا کوئی شورش نہ ہوئی۔ لوگ خاموش رہے۔ ترکوں پر الزام کی انگلی اٹھانے کا مقصد اگر عربوں اور سرداران قریش کو اکسانا اور بھڑکانا تھا، تو وہ نہیں بھڑکے۔ دف، خنجری، نفیری اور مجرد کی موسیقی کا طلسم کسی تلوار کی جھنکار سے نہیں ٹوٹا۔ عربوں کی غیرت آرام کر رہی تھی یا بنو ہاشم عشرت کے دروازوں میں داخل ہو چکی تھی۔

دن، ہفتے، مہینے گزرنے لگے۔ معتمد ابھی تک خاموش تھا۔ احمد ابو عباس کو بھی بیعت عامہ کی جلدی نہیں تھی۔ لشکر اس کے اختیار میں تھے اور اس کا اختیار معتمد کو مزید کمزور کر رہا تھا۔ ممالک محروسہ کے حاکم، جرنیل اور قاضی دریافت کر رہے تھے کہ جب احمد ابو عباس خلیفہ مقرر کر دیا گیا ہے، تو بیعت عامہ کب ہو گی؟

اچانک ایک آواز اٹھی: "معتمد کیا چاہتا ہے، اپنے آپ کو معزول کیوں نہیں کر دیتا؟"

یہ آواز بغداد سے نہیں، باہر سے اٹھی تھی لیکن بغداد میں سنی گئی اور معتمد کے قصر میں بھی پہنچی۔ اس نے اپنے نائب کو طلب کیا۔ بہت سے مراسلے لکھوائے اور ایک اجلاس عام طلب کر لیا۔ وہ اجلاس عام میں کوئی اہم اعلان کرنے والا تھا۔

اعیان سلطنت، فوج کے جرنیل اور افسر، صوبوں کے گورنر، حاکم، قاضی، قبیلوں کے شیوخ، سرداران قریش، اُمرائے بنی عباس اور تمام بڑے بڑے لوگ قصر خلافت میں جمع ہوئے۔ معتمد علی اللہ اپنے بیٹے جعفر المفوض اور نائب کے ہمراہ اپنی تنہائی کے اعتکاف سے نکل کر لوگوں کے سامنے آیا اور جب اجلاس عام سے خطاب کرنے لگا، تو سب گوش بر آواز ہو گئے کہ کیا کہتا ہے۔ معتمد نے کہا:

"مہتدی باللہ ابو اسحاق کے بعد لوگوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور میری بیعت کی تھی۔ میرے عہد خلافت میں جنگیں لڑی اور جیتی گئیں۔ بہت سے امور درست ہو گئے، شورشیں مٹ گئیں، اور ملک میں امن و امان قائم ہوا مگر ناگہاں کچھ مطلب پرستوں نے میرے بھائی کو اکسایا جس پر مجھے اسیر اور نظر بند کیا گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے میری بیعت کی اور اطاعت کا عہد کیا تھا میری نظر بندی پر خاموش رہے۔ انہوں نے میرے مرحوم بھائی کو پسند کر لیا اور مجھ سے عہد شکنی کی۔ جس پر سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ موفق طلحہ کی وفات کے بعد موقع تھا کہ بنی عباس میری بیعت کا اعادہ کرتے لیکن اب وہ میرے بھتیجے پر متفق ہو گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ امت میں مزید کوئی تفرقہ پیدا ہو۔ اس لیے ابو عباس کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوتا اور اپنے بیٹے جعفر المفوض کو بھی ولی عہدی سے محروم کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا، پھر سب سے پہلے احمد ابو عباس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی تمام امرا، سرداروں، شیوخ، عاملوں، قاضیوں، فوجی حکام اور دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔ معتمد نے نئے خلیفہ کے لیے "معتضد باللہ" کا لقب تجویز کیا یعنی اللہ کی مدد لینے والا۔ اس لقب کو سب نے پسند کیا۔ دوسرے روز بیعت عامہ ہوئی۔ اس طرح احمد ابو عباس ابن موفق طلحہ بن متوکل بن معتصم بن ہارون رشید "معتضد باللہ" کے لقب سے متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

معتضد عہد زوال کے اُن عباسی خلفاء سے بہت مختلف تھا جو اپنے ترک جرنیلوں اور وزیروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے یا پھر عیش و نشاط میں اس قدر محو ہوئے کہ تیغ اجل

www.urdukorner.com

نے ان کا رشتۂ حیات کاٹ دیا۔ اُن کے برعکس وہ اپنی مرضی سے احکام نافذ کرنے کا عادی تھا اور اُن کی فوری تعمیل چاہتا تھا۔ بڑا قلیل الرحم اور سخت گیر لیکن بڑا صاحبِ جمال، رعب دار اور بہادر تھا۔ اقتدار سنبھالتے ہی اُس نے لوگوں پر اپنی شخصیت کا دبدبہ اور تلوار کا خوف مسلط کر دیا۔ اُس کا دربار ایک بار پھر عباسیہ کی عظمتِ رفتہ کی یاد تازہ کرنے لگا۔ مصر و شام کی علاحدگی کے باوجود کوئی سلطنتِ عباسیہ کی حریف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے دربار میں جزیرہ، موصل، دیارِ بکر، آرمینیا، حجاز، یمن، حضرموت، بحرین، فارس، اصفہان، رے، خراسان، بحرستان، سجستان اور سندھ کے دور دراز علاقوں سے خراج آتا تھا۔

وہ شوریدہ سر عامل اور گورنر جو دربارِ خلافت کی داخلی سازشوں، امرائے سلطنت کی باہمی رقابتوں اور خلفاء کی ذاتی کمزوریوں کے باعث سرکشی پر آمادہ رہتے تھے۔ معتضد احمد ابوالعباس کی پُرجلال شخصیت سے خوف محسوس کرنے لگے۔ وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اور ممالکِ محروسہ میں بہت سے لوگ اُس کی تخت نشینی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں جیسے پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح، اپنی خوں آشام تلوار کھینچے اپنے مقبرے سے نکل آیا ہو۔

★

معتضد کا اجلاسِ عام طلب کر کے خلافت سے دستبردار ہونا اپنے بیٹے کو بھی ولی عہدی سے محروم کرنا اور بھتیجے کو خلیفہ مان کر اُسے معتضد کا لقب دینا بڑا حیرت انگیز اور خلافِ اُمید واقعہ تھا جس نے جیحک خاتون کو حیران کر دیا۔ وہ اس کے بارے میں کیا کیا سوچتی اور کیسے کیسے خیال دوڑاتی رہی تھی لیکن خلافت سے دستبرداری اور نئے خلیفہ کی بیعت کے بعد معتضد کے لیے کچھ باقی نہ رہ گیا تھا بلکہ اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہدی سے معزول کر کے اُس نے وہ شاخ ہی کاٹ ڈالی تھی جس پر اقتدار و اختیار کا کوئی آشیانہ تعمیر کیا جا سکتا۔ اُس نے اپنے آپ کو اقتدار سے، قوم کے معاملات سے، حتیٰ کہ آلِ عباس سے بھی الگ تھلگ کر لیا۔ اب وہ ایک عام آدمی یا پھر خلیفہ متوکل کا بیٹا اور خود بھی ایک معزول و مسترد خلیفہ تھا جس کی حمایت میں کوئی تلوار بلند نہیں ہو سکتی تھی جس کے نام پر کوئی پرچم اونچا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب اُس کی زندگی صرف اپنی تھی اور اسے طبعی موت مرنا تھا۔ مگر جعفر نجومی نے بغداد سے رخصت ہوتے وقت بڑے وثوق سے، جیسے وہ آسمانوں پر لکھی کتابِ تقدیر پڑھ رہا ہو، پیش گوئی کیوں کی تھی کہ صرف سات ماہ کے اندر

وہ خروج کرے گا اور اس کا ستارہ ایک بار پھر بغداد کے اُفق پر طلوع ہو گا یا پھر قتل کیا جائے گا۔

جعفر نے معاملے کی دو صورتیں بیان کیں اور اس بات پر اصرار کیا تھا کہ اگر ایک صورت بدل گئی کیوں کہ سعی و عمل سے حالات بدل جاتے ہیں اور یہ بھی تقدیر کی ایک شکل ہوتی ہے لیکن دوسری صورت بہر طور پیش آئے گی مگر اب دونوں میں سے کسی صورت کے پیش آنے کا امکان نہ تھا۔ جب خلافت سے دستبردار ہو کر اور اپنے بھتیجے کی بیعت کر کے معتضد نے خروج، بغاوت کی کتاب ہی بند کر دی تو پھر اُس کے قتل اور ہلاک ہونے کا مضمون بھی بے مقصد ہو جاتا تھا۔ قتل کی منطق تو شورش میں ناکامی سے عبارت تھی۔

حالات و واقعات نے جعفر کا علمِ نجوم باطل ثابت کر دیا تھا۔ کوئی شخص آسمانوں پر رقم ہونے والی کتابِ تقدیر کو نہیں پڑھ سکتا، نہ غیبی امور کے بارے میں صحیح پیش گوئی کر سکتا ہے جیحک کو اب کوئی پریشانی نہیں تھی۔ معتضد اس کی تمام پریشانیوں اور پیش آنے والی مشکلات کا پشتارہ اٹھا کر، جن کا جعفر نے اور روئے نجوم اندیشہ ظاہر کیا تھا، اپنی تنہائی اور خلوت میں جا بیٹھا تھا۔ اب وہ کبھی کبھی تصور کی آنکھ سے جعفر نجومی کی ملاقات کا منظر دیکھتی اور اسے ایک کمرے میں اپنے سامنے کھڑے بڑی تحدی سے ایسی پیش گوئی کرتے دیکھ کر جو سراسر جھوٹی ثابت ہوئی تھی، خندۂ استہزا کے ساتھ اس کا نام لیتی۔ اُس کے نزدیک علمِ نجوم ہی باطل تھا یا پھر جعفر جس کی بغداد میں بطور نجومی بڑی شہرت تھی۔ علم کے اسرار سے کوا اور حالات کو دیکھ کر محض اٹکل سے پیش گوئی کرتا تھا

وہ اکثر سوچتی۔ یہ نجومی لوگ بھی مناظرہ کرنے والے عالموں کی طرح بڑے ضدی اور جھگڑالو ہوتے اور اپنی بات کو غلط تسلیم کرنے کی بجائے اس کی کوئی نہ کوئی نئی توجیہ نکال لیتے ہیں۔ اب اُسے اس بات کا کوئی ملال نہ تھا کہ ابوالعباس نے برسرِ اقتدار آتے ہی اُن اٹکل باز نجومیوں کو پیش گوئیاں کرنے، داستان سراؤں کو من گھڑت قصے سنانے اور کتب فروشوں کو فلسفے کی کتابیں بیچنے سے روک دیا تھا۔ بیشتر نجومی اپنا دھندہ بند کر بیٹھے تھے یا بغداد سے چلے گئے تھے۔ جعفر بھی چلا گیا اور اپنے پیچھے کچھ ایسی باتیں، کچھ ایسی پیش گوئیاں چھوڑ گیا تھا، جو وقوع میں نہیں آ سکتی تھیں کیوں حالات یکسر تبدیل ہو گئے تھے۔

معتضد کے بارے میں اُس نے معاملے کی جن دو صورتوں کا ذکر کیا تھا۔ ان کی بنیاد ہی [illegible] تھے اگر صد فی صد نہیں تو پیش گوئی ننانوے

www.urdukorner.com

فی صد غلط نکلی تھی ایک فی صد کی گنجائش بھی صرف اس لیے رکھی تھی کہ جعفر نے دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کے واقع ہونے کے لیے سات ماہ کا تعین کیا تھا اور ابھی یہ مدت پوری ہونے میں پندرہ یوم باقی تھے۔ صرف پندرہ یوم اور گنتی کے یہ دن گزرنے کے بعد اُس کا نجوم صد فی صد باطل ہونے والا تھا۔

★

معتضد ابوعباس نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی امورِ سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ تمام ولایات پر اُس کا حکم نافذ ہو گیا۔ اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا بغداد کا آسمان بالکل صاف نظر آتا تھا اور دور دور تک خروج کے کسی بادل یا شورش کی کسی بجلی کا امکان نہ تھا مگر انہی دنوں معتمد کی دستبرداری کی طرح بالکل ناگہاں ایک اور حیرت انگیز اور خلافِ توقع واقعہ پیش آیا اور وہ عجیب واقعہ یہ تھا کہ مصر و شام کے سلطان خمارویہ بن احمد نے دربارِ بغداد میں اپنا سفیر بھیجا جو معتضد باللہ احمد ابوعباس کو خلافت کی مبارک باد دینے کے ساتھ بہت سے تحائف لے کر آیا۔

سلطان خمارویہ نے نئے خلیفہ کو تہنیت بھیجی اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ وہ دولتِ عباسیہ کا حکمران منتخب ہوا اور امرِ خلافت پھر جاری ہو گیا ہے جو موفق طلحہ کے عہد میں معطل رہا۔ سفیر کے بقول سلطان خمارویہ نے کہا تھا۔

"جب معتمد علی اللہ بن متوکل نے خود کو امرِ خلافت سے الگ تھلگ کر لیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ہم بھی آپ کی دوستی کے طلب گار ہیں کیونکہ ہماری جنگ صرف امرِ خلافت پر تھی اگر آپ بھی معتمد کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو آپ کے والدِ مرحوم نے کیا، تو صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔"

طولونی حکمران نے اس پیغام کے ذریعے معاملے کی وضاحت اور کدورت کی گرد صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ معتضد ابوعباس کے ساتھ معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کے لیے بھی قیمتی تحائف ارسال کیے تھے۔ طولونی سفیر کی آمد نیک شگون قرار دی گئی جس سے یہ امید پیدا ہوئی کہ خمارویہ بن احمد نے جس دوستی کی خواہش کی ہے، شاید وہ اتحاد و یگانگت میں بدل جائے۔ معتضد نے بھی سلطان مصر کو قیمتی تحائف بھجوائے، خیر سگالی کے طور پر

S. LIBRARY
5-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 , 0345-5045459
Prop: Ali Khan

معتمد علی اللہ سے طولونی سفیر کی ملاقات کا بھی بندوبست کیا تاکہ سفیر خود اُسے تحائف پیش کر سکے۔ یہ ملاقات قصرِ معتمد میں ہوئی اور دوسرے دن وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ سب کچھ بالکل خلافِ توقع پیش آیا کہ دشمن نے دوستی کا پیغام بھیجا تھا جس کا مضمون صاف اور مقصد واضح تھا۔ لیکن بعض ترک سرداروں کے ساتھ عرب امیر صاعد بن مخلد نے اس پیغام کے کچھ اور ہی معنی نکالے کہ خمارویہ نے مبارک باد کے ساتھ ایک اتباع بھی کیا اور اشارہ دیا ہے کہ معتمد کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گویا بنی طولون اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں تحائف بھیج کر معتمد کی غیر معمولی تکریم کی گئی بلکہ اُسے توجہ دلائی گئی ہے کہ بنی طولون نے محض اس کی خاطر بغداد سے جنگ مول لی تھی۔ اگر وہ خلافت پر اپنا حق سمجھتا ہے تو مصر و شام آج بھی حمایت پر آمادہ ہیں۔

صاعد نے ایک ترک سردار صوارتکین کے ساتھ معتضد سے تنہائی میں ملاقات کی۔ اُس وقت خلیفہ کا غلام بشبل بھی موجود تھا۔ دونوں نے اپنے اندیشوں کا ذکر کیا اور معتمد کے متعلق گفتگو کی۔ صاعد نے کہا۔

"امیر المومنین! معتمد ہمارے نزدیک ایک بیکار آدمی ہے لیکن بنی طولون کے لیے شاید بیکار نہ ہو۔ یہ آدمی زندہ ہی کیوں رہے؟"

معتضد نے حیرت اور توجہ سے سب باتیں سنیں۔ صاعد بن مخلد نے مسلسل دس برس معتمد کی نگرانی کی تھی اور اُس کے بارے میں بہت سی معلومات رکھتا تھا لیکن ابوعباس نے سب کچھ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ وہ اپنے چچا کے بارے میں غالباً اس لیے بھی کسی سوال کا جواب نہ دینا چاہتا تھا کہ اُس کی ذات بنی عباس اور بنی طولون کے درمیان تنازع رہی تھی اور ایسے موقع پر جب خمارویہ نے خلوصِ دل یا ظاہرداری سے دوستی کا اظہار کیا تھا کہ تختِ نشینی پر بادشاہ، بادشاہوں کو رسماً بھی تہنیت کے پیغام بھیجا کرتے ہیں۔ پرانا جھگڑا اٹھانا مناسب نہ تھا۔

صاعد اور صوارتکین دونوں سمجھ گئے کہ وہ اُن کی رائے سے متفق نہیں یا مصلحتاً خاموشی چاہتا ہے اور خاموشی ایک ایسی چادر ہے جو انسان کے بہت سے جذبوں، بہت سے ارادوں کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن اسی روز منذر ابن حرب قصرِ خلافت سے سیدھا الرصافہ کی ڈیوڑھی میں پہنچا جہاں اُس کا باپ سردار حرب الکندی شاہی محل کی حفاظت و نگرانی پر مامور تھا اور

www.urdukorner.com

سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگا۔

"اُم رصافہ کی دیکھ بھال کے علاوہ آپ کو معتمد کے قصر پر بھی نظر رکھنا ہوگی۔ اگر کوئی مصری یا شامی قاصد اس سے ملنے آئے تو یہ اطلاع امیرالمؤمنین کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔"

سردار حرب بیٹے کی بات سُن کر چونک گیا۔ "کیا معتمد نے پھر اپنی رائے بدل دی اور کوئی ساز باز کر رہا ہے؟"

جواب میں ابن حرب نے معتضد کے غلام شبل کا نام لے کر بتایا کہ صاعد بن مخلد اور ترک سردار صوارتگین نے امیرالمؤمنین کو معتمد کے قتل کا مشورہ دیا ہے تو ضرور کوئی پُراسرار اور خطرناک معاملہ ہوگا لیکن ابوعباس نے اُن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، فقط چپ سادھ لی۔ وہ چونکہ شاہی محلات کا داروغہ اور منتظم اعلیٰ ہے لہٰذا بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ قصرِ معتمد کی نگرانی کرنا ضروری ہے۔

ابن حرب، باپ کو حیرت زدہ سا چھوڑ کر ڈیوڑھی کے بغلی کمرے سے نکلا تو اُس کی دیوار سے لگی فلسطینی کنیز دمنہ کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک گیا جو غالباً اُن کی باتیں سُن رہی تھی۔ دمنہ کے ہونٹوں پر بڑی دلنواز سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جس کے کئی مفہوم تھے۔ اُس کی نظریں تو بیٹے پر جمی تھیں جو دروازے سے باہر آچکا تھا۔ احمد ابوعباس ہی کی طرح بے رحم مشہور تھا مگر پیغام اُس کے باپ کو دے رہی تھی جو دروازے کے اندر تھا اور پیغام تھا کہ "سردار حرب! ملکہ خانم نے تمہیں یاد کیا ہے۔"

"حرب جانتا تھا، دمنہ ام رصافہ کے دروازوں اور دریچوں کے ساتھ بھی اس لیے لگی رہتی ہے تاکہ اپنی ترک خانم کی آواز پر فوراً حاضر ہو جائے۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو ابن حرب اُسے اشارے سے ایک طرف لے گیا اور اپنے اندیشے کا اظہار کیا کہ شاید فلسطینی کنیز نے اُن کی باتیں سُن لی ہیں مگر باپ نے بیٹے کو بتایا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔

اس اثنا میں دمنہ ڈیوڑھی کا اندرونی پھاٹک عبور کر کے جا چکی تھی جو ام رصافہ کے صحن میں کھلتا تھا۔ بیٹے کو رخصت کر کے سردار حرب بھی اُسی پھاٹک کی طرف بڑھا اور محل کی جانب ہو لیا۔

ایک ملکہ کی حیثیت سے جیحک خاتون کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اب نہ

دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کی خاتونِ اوّل اور دربارِ بغداد یا قصرِ خلافت میں جسے دفترِ شاہی کا درجہ حاصل تھا، ہونے والے ہر اہم واقعے کی خبر رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ وہ طرسوسی سفیر کی آمد، خمارویہ بن احمد کے پیغام اور مصر سے آنے والے تحائف کے بارے میں جملہ معلومات حاصل کر چکی تھی اور اس بات پر بے حد مسرور تھی کہ مصر نے بغداد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ معتضد ابوعباس کی سلطنت، دشمن کی طرف سے درپیش نہیں بلکہ مصر و عراق کے درمیان دوستانہ رابطے قائم ہوں گے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ ایک رسمی کارروائی تھی مگر جیحک اُسے کچھ اور معنی پہنانے لگی، البتہ اس نے خمارویہ کی طرف سے معزول خلیفہ کو بھیجے گئے علاوہ تحائف اور مصری سفیر کی معتمد سے ملاقات کو ناپسند کیا تھا۔ اب دمنہ اُسے حرب اور ابن حرب کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر رہی تھی جسے سُن کر وہ حیران و ششدر ہوئی جاتی اور یہ سُنتے ہی اُس پر حیرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا کہ صاعد بن مخلد اور سردار صوارتگین نے امیرالمؤمنین کو معتمد کے قتل کا مشورہ دیا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی جس نے جیحک خاتون پر زلزلہ سا طاری کر دیا اور ذہن کی کوٹھڑی میں چھپ کر بیٹھے ہوئے جعفر نجومی کے الفاظ، ارواحِ خبیثہ کی طرح اندر ناچنے اور کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے کہ ہمیں باہر نکالو۔ جعفر نے کہا تھا، ابھی ساتواں مہینہ پورا نہیں ہوگا کہ بغداد میں ناقابلِ یقین حالات رونما ہوں گے اور دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور پیش آئے گی اور دوسری صورت یہ ہوگی کہ معتمد قتل کر دیا جائے گا جس سے ایک نئے فساد کا دروازہ کھلے گا۔

ابھی اُس کے ذہن میں ناچتے گونجتے الفاظ کا شور جاری تھا کہ فلسطینی کنیز نے سردار حرب کے آنے کی اطلاع دی۔ اب یہ یاد نہ رہا کہ حرب الکندی کو کس لیے طلب کیا تھا۔ ذہن میں معتمد کے قتل کرنے کے الفاظ کسی جگولہ صحرائی کی مانند چکر کاٹ رہے تھے۔ سردار حرب کو دیکھتے ہی اُس نے حکم دیا کہ ابن حرب نے جو کچھ بتایا ہے، من و عن بیان کرے۔

سردار بھی شاید معاملے کی سنگینی کو سمجھ رہا تھا۔ اُس نے بیٹے سے جو باتیں سُنی تھیں، من و عن بیان کر دیں۔

جیحک خاتون نے پوچھا۔ "کیا ابن حرب نے یہ ساری باتیں اپنے کانوں سے سُنی ہیں؟"

www.urdukorner.com

اس نے بتایا کہ امیرالمومنین، صاعد بن مخلد اور سردار صوارتگین کے مابین ہونے والی گفتگو ابن حرب نے براہِ راست نہیں سُنی بلکہ اس ملاقات کا حال اُسے امیرالمومنین کے غلام شبل کی زبانی معلوم ہوا تھا۔

ملکہ جیجک نے ایک لمحہ کچھ سوچا پھر کہنے لگی۔ "میں شبل سے خود ملنا چاہتی ہوں لیکن اس ملاقات کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے، امیرالمومنین کو بھی نہیں۔"

سردار حرب سر اطاعت خم کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ پھر کسی روز معتضد کا فوجی غلام شبل اسی کمرۂ ملاقات میں موجود تھا، جہاں تقریباً سات ماہ قبل وہ جعفر بجوی سے خفیہ ملاقات کر چکی تھی۔ شبل نے واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ صاعد بن مخلد اور صوارتگین دونوں کے نزدیک معتمد نے مجبوراً دستبرداری کا اعلان کیا ہے لیکن وہ ترکوں کے سخت خلاف اور سمجھتا ہے کہ اس کے باپ خلیفہ متوکل کو ترکوں نے قتل کیا تھا۔ اپنی معزولی، نظربندی اور رہائی کے بعد حالیہ ناکامی کا الزام بھی ترکوں کے سر دھرتا ہے جو موفق طلحہ کے بعد ابوعباس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے بنی طولون اُسے کسی وقت عربوں اور ترکوں میں خانہ جنگی کے لیے استعمال کریں تاکہ بنی عباس کمزور اور وہ خود مضبوط ہوں۔

جیجک معاملے کی اس نئی صورت پر حیران رہ گئی۔ "کیا عربوں اور ترکوں میں خانہ جنگی ہو سکتی ہے؟"

"ہونے کو کیا کچھ نہیں ہو سکتا ملکۂ عالیہ!" شبل نے اُس کے سامنے ترک جذبے کا اظہار ضروری سمجھا۔ "معتمد ترکوں سے بُغض رکھتا ہے اور اُن کا عروج پسند نہیں کرتا۔ اس کے دل میں سلگتی ہوئی نفرت کی یہ آگ کسی دن انتقام کا شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہے اور طولونی اس آگ کو ہوا دیں گے۔ ترک اس وقت عباسیہ کی قوت کا مرکز ہیں اور ہر دشمن کی کوشش ہوتی ہے کہ اُس کے حریف کا مرکزِ قوت کمزور ہو۔ قریش کے بعض سردار بھی معتمد کی باتیں سُن کر اپنے عربی نسب کے باعث زیادہ عہدے طلب کرنے لگے ہیں۔ حالاں کہ سب جانتے ہیں سلطنت میں عربوں کی تعداد گھٹ گئی مگر ترکوں اور عجمیوں کی نفری بڑھ گئی ہے۔ جو اسلام کے رشتے میں منسلک اور اُن سے کمتر نہیں۔ کسی بھی سلطنت میں عہدوں کی تعداد قوت اور نفری کے مطابق ہوتی ہے، جب کہ کچھ لوگ داخلی رقابت کو ہوا دے رہے ہیں اور داخلی رقابت خانہ جنگی کو دعوت دیتی ہے۔"

ملکہ جیجک نے اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا اور کہنے لگی۔ "تم ابوعباس کے قریب رہتے ہو۔ کوشش کرو کہ خانہ جنگی کی نوبت نہ آئے۔ عباسیہ کا مرکزِ قوت کمزور نہیں ہونا چاہیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ اُس نے شبل کو رخصت کر دیا اور سردار حرب سے مخاطب ہوئی۔ "منذر نے تمہیں صحیح مشورہ دیا ہے۔ ان حالات میں معتمد کے قصر کی نگرانی ضروری ہے۔ اگر کوئی اجنبی چوری چھپے اُس سے ملاقات کی کوشش کرے تو اُسے گرفتار کر لو۔ مشکوک آدمی کی گرفتاری کے لیے تمہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا حکم ہے۔ ایسی گرفتاری یقیناً بڑی اہم ہو گی۔"

حالات کی صورت یک لخت تبدیل ہو گئی اور ایک نیا معاملہ سامنے آیا تھا جس نے جیجک کو ایک بار پھر پریشان کر دیا لیکن وہ چاہتی تھی کہ جعفر بجوی کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت وقوع میں نہ آئے۔

www.urdukorner.com

۵

۲۹ رجب کی رات

دوسرے روز دمنہ ایک سنسنی خیز خبر لے کر آئی جس نے جیجک کو بُری طرح چونکا دیا۔ فلسطینی کنیز نے بتایا۔

"رات ایک نامعلوم شخص معتمد کے قصر سے نکلتے دیکھا گیا مگر سردار حرب اُسے گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ عقبی دیوار پھاند کر کے دجلہ کی طرف اترا اور آناً فاناً غائب ہو گیا۔ حرب نے دور سے اُس کی طرف ایک جھلک دیکھی۔ وہ کوئی مصری یا شامی نہیں بلکہ عجمی تھا۔"

دریائے دجلہ، بغداد کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا گزرتا تھا جس میں دن رات کشتیاں چلتی اور مسافروں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچاتی تھیں۔ خلیفہ منصور ابوجعفر نے ۱۴۰ ہجری میں بغداد کی بنیاد ڈالی اور نو سال کے عرصے میں تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ دجلہ بغداد کا زیور تھا جس کے دونوں ساحلوں پر عمارتوں کا سلسلہ شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں اس شہر نے خوب ترقی کی۔ نئے بازار، نئے محلے آباد ہوئے۔ آبادی کے ساتھ رونق بھی بڑھ گئی۔ مختلف نسلوں اور رنگوں کے لوگ نظر آئے۔ ہارون رشید کے عہد کا بغداد ایک شہرِ طلسمات معلوم ہوتا تھا جس میں ہزاروں دلچسپیاں تھیں۔ خلیفہ امین کے زمانے میں جب مامون کے لشکر نے پندرہ مہینوں تک شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ منجنیقوں سے بھاری پتھر برسائے، روغنِ نفط کی بالٹیاں پھینکیں۔ تب بہت سی عمارتیں گر کر یا جل کر برباد ہو گئیں اور بغداد کی خوبصورتی جاتی رہی جس پر کئی شاعروں نے مرثیے لکھے لیکن مامون کے عہدِ خلافت

ہی میں بغداد پھر دُلہن کی طرح آراستہ ہو گیا۔ معتصم کے دور میں اس کی رونقوں میں مزید اضافہ ہوا اور ترکوں کی آبادی بڑھ گئی۔

بیشتر شاہی عمارتیں، قصر و محلات، دریا کے ساحل پر تھے۔ معتمد نے اپنے عہدِ خلافت میں دجلہ کنارے ایک قصر کا اضافہ کیا تھا جہاں اس کی بیشتر راتیں لہو و لعب اور رقص و غنا کی دل چسپیوں میں گزرتی تھیں۔ راسیری اور نظر بندی کے دس برس سامرا، واسط اور بغداد کے مختلف مکانوں یا زندانوں میں کٹے تھے لیکن رہائی کے بعد وہ پھر اپنے قصر میں منتقل ہو گیا تھا جہاں اس کا دن کسی ہنگامے کے بغیر اعتکاف تنہائی میں گزر جاتا۔ البتہ رات کسی مشاہد دل چسپی کا پیغام لے کر آتی تھی۔

دمنہ نے بتایا۔ "رات بھی قصرِ معتمد میں قندیلیں روشن تھیں اور سردار حرب نے جو نگرانی کے تجسس میں اس کی دیواروں کے قریب سے گزرا تھا۔ معتمد کی خلوت گاہ میں گانے کی بڑی مدھم سی آواز سنی تھی۔ یہ بات اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ تنہائی کی ایسی رنگین محفل میں کوئی پُراسرار ملاقاتی بھی اندر داخل ہو سکتا ہے، مگر جب وہ لوٹ رہا تھا اس نے ایک عجمی شخص کو قصر کی عقبی دیوار پھلانگ کر دریا کی طرف فرار ہوتے دیکھا تو تعاقب میں بھاگا لیکن اندھیرے کی وجہ سے اُس کا کھوج نہ مل سکا۔ شاید وہ دریا میں غوطہ لگا کر دوسری جانب نکل گیا تھا۔"

ملکہ جیجک کے لیے اگرچہ یہ اطلاع بھی حیرت انگیز تھی کہ مفرور اپنے لباس سے کوئی عجمی لگتا تھا اور یہ بات بھی صیغۂ راز میں تھی کہ وہ معتمد کے قصر میں کس مقصد کے لیے داخل ہوا تھا لیکن معتمد کی خلوت گاہ میں غنا کا ذکر سُن کر اس کے چہرے پر ایک خوشگوار سی حیرت نمودار ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

"معتمد کو غنا کا شوق ہے، رقص سے بھی دل چسپی رکھتا ہے، اُس کی کنیز شامفرا عجمی ہے اور اس کے عجمی لہجے میں عربی نغمہ سُن کر بہت خوش ہوتا ہے۔"

اب دمنہ نے ایک نئے خیال کا اظہار کیا۔ "ممکن ہے وہ عجمی جو رات معتمد کے قصر سے نکلتے دیکھا گیا، عجمی کنیز سے ملنے آیا مگر اسے اپنے ملک کی خلوت گاہ میں مصروف دیکھ کر نکل گیا۔"

"ممکن ہے یہی بات ہو۔"

جیجک نے اپنے ذہن میں کچھ سوچ لیا تھا پھر یک لخت وہ پلٹی اور فلسطینی کنیز سے

www.urdukorner.com

بالکل قریب آ کر رک گئی۔

"تیری آواز شاہزادہ سے زیادہ سُریلی ہے۔ وہ صرف گاتی ہے، تُو جادو پھونکتی ہے۔ حُسن و جمال میں بھی اُس سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

دمنہ چونک سی گئی۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی خانم حضور!"

حالاں کہ وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ عارضوں پر ایک انجانی مسرت بھی ظاہر ہوئی تھی جسے اُس نے شرم، حجاب اور حیرت کے پردے میں چھپا لیا تھا۔ تاہم جیجک خاتون ہی اپنا مطلب بیان کرنے لگی۔

"معتمد صرف موسیقی اور غنا کا شیدائی نہیں، حسین کنیزوں کا دلدادہ ہے۔ اگر کنیز تجھ جیسی جوان، خوب صورت اور خوش آواز ہو تو اُس کے دل کی کتاب بخوبی پڑھ سکتی ہے۔"

ایک پل رُک کر جیجک نے اُس کے چہرے کا جائزہ لیا جس پر ایک عجیب سی بے چینی نظر آئی مگر اُس کی باتیں بڑی دل چسپی اور توجہ سے سُن رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنا مطلب بتانے پر آئی۔

"اگر تُو میری خاطر اُس سے یہ معلوم کر سکے کہ نئی خاتون اب کیا چاہتے ہیں اور وہ خود ترکوں کے خلاف کیا منصوبہ رکھتا ہے، تو تیری یہ خدمت اس زندگی کا صلہ ہوگی، جو تجھے بردہ فروشوں سے چھڑا کر دلائی گئی اور تُو میری طرف سے آزاد ہوگی۔"

یہ فرمائش سُن کر جس کی خاطر اُسے تھوڑی سی نغمہ سرائی، تھوڑی سی دلبری، تھوڑی سی ہوشیاری سے کام لینا اور معزول خلیفہ کے دل میں جھانکنا تھا، دمنہ پر ایک خوش گوار سی مسکراہٹ گزر گئی۔ اُس نے اپنا سر تسلیم یوں خم کر دیا، جیسے پہلے ہی اس حسین فرمائش کی منتظر تھی کہنے لگی۔

"ملکہ خانم! کنیز کو اس قلعہ کی غلامی باہر کی آزادی سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اپنی آزادی کی خاطر نہیں صرف آپ کی خوشنودی کی خاطر ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

جیجک خاتون کو اُس کی اطاعت گزاری کا یہی پہلو پسند تھا کہ آواز سنتے ہی فوراً حاضر ہو جاتی اور عادت کی اتنی اچھی تھی کہ کسی خدمت یا فرمائش سے انکار نہ کرتی، بلکہ دمنہ اُس کے آس پاس ہی کسی دیوار، دروازے یا کھڑکی سے لگی رہتی تھی کہ کب اُسے بلایا اور خدمت کا موقع دیا جاتا ہے۔ جیجک کا خیال تھا، وہ بردہ فروشوں سے رہائی کو اپنی نئی زندگی کا

ہے جس کا کئی بار اظہار کر چکی تھی۔ اس سے زیادہ اطاعت شعار اور خدمت گزار ہے۔

اُسے رضامند دیکھ کر جیجک نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا اور کہا۔

"تیری یہ خدمت کبھی فراموش نہیں کی جائے گی۔"

"مگر میں معتمد تک رسائی کیسے حاصل کروں گی؟"

جیجک کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ "تجھے رقصاں میں کون لایا تھا؟"

"سردار حرب۔"

"تم معتمد میں میری رسائی اُسی کے ذریعے ہوگی۔ میں کوشش کروں گی کہ ایک دو دن کے اندر تجھے معتمد کے پاس پہنچا دوں۔"

جیجک نہیں جانتی تھی کہ کتنا جیسا کہ قدم اٹھا رہی ہے لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہو اور وہ بہت خوش تھی، گویا دل کی مراد بر آئی ہو۔

★

ابھی بسر اوقات نہیں گزرا تھا کہ سردار حرب مکتوبی نے معتمد کی خاص کنیز شاہزادہ کو جو اُس کے اعتماد کی بنا پر نغمہ سرائی کرتی اور رسائی گری کی خدمت انجام دیتی تھی، ایک خط دکھایا جس میں اُسے فوراً اسلام طلب کیا گیا تھا جس نے آمد و رفت کے لیے ایک بھاری رقم ادا کی اور شاہزادہ کو بغداد سے بھگا دیا۔

اُسی روز ۲۵ رجب ۶۷۸ھ کی شام کو جب آسمان پر شعبان کا چاند طلوع نہیں ہوتا تھا حرب نے ارقاف کی فلسطینی کنیز کو قلعہ معتمد کے عورتی داروغہ کے سپرد کر دیا۔ وہ اُسے لے کر قلعہ کی دوسری منزل پر پہنچا اور دروازے پر مشکی سونے چاندی کے تاروں اور مختلف الوان موتیوں کی لڑیوں کی چلمن جھلملا رہی تھی۔ ملک کے گوشہ خلوت میں داخل ہوا جہاں معتمد شاہزادہ کے ساتھ تھا کہ شاہزادہ کا مدبر اکلہ ہو گیا تھا۔ خلیفہ نے غلام گردش کے سامنے گوشہ راحت کی قندیلیں بھی روشن کر دی اور طلائی فانوس میں بڑی بڑی شمعیں جلا دی تھیں مگر وہ ابھی تک رسائی کی داروغہ نے اطلاع دی۔

"اعلیٰ حضرت! شاہزادہ [illegible] پانچ چھ روز نہیں آ سکیں گی۔"

معتمد نے حیرت سے داروغہ کی طرف دیکھا۔ "کیوں نہیں آ سکے گی؟"

www.urdukorner.com

"وہ ایک بے حد ضروری اور فوری کام کے لیے سامرا چلی گئی لیکن مجھے اطلاع دے گئی ہے کہ پانچ چھ روز میں لوٹ آنے کی بڑی پریشانی اور جلدی میں تھی۔ حضور اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ میں نے بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اُسے رخصت کی اجازت دے دی۔"

داروغہ نے ساتھ ہی دمنہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اعلیٰ حضرت! یہ الرصافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ ہے۔ جو رقص و نغمہ میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ شاہزادہ کی عدم موجودگی میں حضور کی خدمت سرانجام دے گی۔"

معتمد نے دمنہ کو دیکھا۔ اُس کی خوب صورتی اور جوانی پر نظر ڈالی تو اُس نے مسند پر تڑپ کے پہلو بدلا۔ فلسطینی کنیز اس کے سامنے طلسم ہوش ربا میں کے کھڑی تھی۔ جس کے ہونٹ نابلوس کے اناروں کی طرح سرخ، رخسار لبنان کے سیبوں کی مانند رنگین، آنکھیں طبریہ کے ہرنوں جیسی موٹی اور طبریہ کے چشموں جیسی شفاف، قد جافا کے صنوبروں کی مثال اور جوانی جیند کے انگوروں کی طرح تازہ اور خمار آور تھی۔ وہ چند ساعتیں اُسے حیرت و شوق سے دیکھتا رہا۔ پھر داروغہ کو محل کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ چلمن کے زرّیں دریچوں سے راہ داری کی طرف ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا تو اُس نے غلام کو بھی رخصت کر دیا اور دمنہ سے مخاطب ہوا۔

"دمنہ! دروازہ بند کر دو اور آگے آ جاؤ۔ اب کوئی ہماری خلوت میں نہیں آ سکتا۔"

دمنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ دروازہ بند کر کے دبے پاؤں آگے بڑھی اور بالکل معتمد کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے قریب ہی چھوٹی مسند کی طرف اشارہ کیا جس پر چھوٹا سا قالین اور اس قالین پر باریک اور انتہائی ملائم سمور بچھا تھا۔ وہ چھوٹی سی مسند اس طرح بچھی کہ اس کے جسم کی ہر خوبی نمایاں ہو رہی تھی۔ گویا مسند پر کھلی ایک بھری ہوئی چھلکتی ہوئی صراحی تھی۔ اُس نے اپنے نیچے سمور کی نرمی اور ملائمت محسوس کی اور سوچنے لگی۔ معتمد کی ملکہ کنیز اسی مسند پر بیٹھ کر نغمہ سرائی کرتی ہو گی۔ وہ اُس کے گیسوؤں سے کھیلتا ہو گا۔ عباسی خلفا کو خود ذرہ معزول بھی کیوں نہ ہوں عیش و عشرت کے کیسے سامان میسر ہیں۔

دمنہ سوچ رہی تھی اور معتمد بڑی مسند پر بیٹھا، جو چھوٹی مسند سے ذرا اونچی تھی، اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر آسانی سے اُسے چھو بھی سکتا تھا۔ چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ آخر اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہیں جیحک نے بھیجا ہے؟"

"نہیں، سردار حرب نے۔"

معتمد نے پہلی بار اُس کی بلبل جیسی مترنم اور سُریلی آواز سُنی اور حیرت کا اظہار کیا۔

"سردار حرب نے کیوں؟"

"اُس نے سُنا تھا کہ آپ کی عجمی کنیز کہیں چلی گئی ہے اس لیے مجھ سے کہا کہ میں چند روز کے لیے آپ کی خدمت کروں اور غنا سے آپ کا جی بہلاؤں۔"

"داروغہ نے کہا تھا کہ رقص و نغمہ میں تمہارا کوئی ثانی نہیں مگر تم حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہو۔"

"یہ تو اعلیٰ حضرت کا حسنِ نظر ہے۔"

"تم جیحک کی لونڈی ہو کیا تمہارے یہاں آنے پر اُسے اعتراض نہ ہو گا؟"

"وہ میرے بارے میں کوئی باز پرس نہیں کر سکتی۔ سردار حرب کا بھی مجھ پر کچھ حق ہے وہی مجھے الرصافہ میں لایا تھا۔"

دمنہ نے عباسیہ کی خاتونِ اوّل کا ذکر اس طرح کیا کہ معتمد اس کے لہجے کی تلخی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ تعجب سے پوچھنے لگا۔

"کیا تم جیحک سے خوش نہیں؟"

"گستاخی معاف اعلیٰ حضرت! یہ ترک خواتین بڑی بدمزاج اور نک چڑھی ہوتی ہیں۔"

دمنہ نے اس کی کمزور نبض پر ہاتھ رکھ دیا اور ایک من گھڑت کہانی سنانے لگی۔

"بردہ فروش مجھے کوفے یا بصرے لے جانا چاہتے تھے مگر بغداد میں سردار حرب نے جیحک خاتون کے لیے میرا سودا کر لیا اور میں الرصافہ میں پہنچا دی گئی۔ جیحک ترک ہے اور خود کو عرب خواتین پر بالا اور اعلیٰ سمجھتی ہے۔"

معتمد کی دلچسپی کچھ اور بڑھی۔ "کیا جیحک سے چھٹکارا چاہتی ہو؟"

"چھٹکارا کیسے ہو گا؟" پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "صرف ایک ہی صورت ہے کہ کوئی ذی حیثیت عرب سردار مجھے اُس سے خرید لے۔"

"اگر ہم تمہیں خرید لیں؟"

"یہ میری عزت افزائی ہو گی۔ آپ کو غنا اور سرود سے دلچسپی ہے۔ آپ میری قدر کریں گے۔"

www.urdukorner.com

"پھر ہم کل ہی حرب کے ذریعے جیک سے بات کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ جیک تمھیں آپ کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم معتضد سے کہہ کر تمہیں ارقمانہ سے لے آئیں گے۔ جیک کی رقم ادا کر دی جائے گی۔ اس نے کتنے دینار میں خریدا تھا تمہیں؟"

"بیس ہزار دینار میں۔" دمنہ نے جھوٹ بولا۔ ساتھ ہی اپنے مہنگے مول کی وجہ بھی بیان کر دی۔

"جو لونڈی جوان، خوب صورت، خوش الحان اور غنا کے ساتھ رقص میں بھی ماہر ہو، ہر روز فروش اس کے زیادہ دام لگاتے ہیں۔"

"مگر بیس ہزار دینار تو کچھ بھی نہیں، تم ہیروں کے تول بھی سستی ہو۔" پھر ایک کنجی نکال کر اس کے سامنے پھینک دی اور کمرے کی منقش چوبی الماری کی طرف اشارہ کیا۔

"الماری میں پچیس ہزار دینار پڑے ہیں، چاہو تو اسی وقت لے جاؤ اور سب کے سب جیک کے منہ پر دے مارو۔"

دمنہ سمجھ گئی کہ معتمد پر اس کے حسن کا جادو چل گیا ہے۔ اس نے کنجی مسند سے اٹھائی اور مسکرا کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"درہم و دینار کی باتیں سویرے ہوں گی۔ آج رات لونڈی کو اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔"

اس کے عارضوں پر رضامندی کی مسکراہٹ دیکھ کر معتمد کے ہونٹوں پر بھی تبسم بکھر گیا۔

"پھر یہ کنجی ہمیں کیوں لوٹا رہی ہو۔ صراحی اور پیمانہ بھی اسی الماری میں ہیں۔ آج ہم تمہیں پوری خدمت کا موقع دیں گے۔"

دمنہ نے اپنی مسکراہٹ میں کچھ اور دل کشی، کچھ اور دلبری کا رنگ بھر دیا۔ کنجی لے کر مسند سے اٹھی اور لہراتی بل کھاتی الماری کی جانب بڑھی۔ معتمد نے چلنے کا یہ ڈھنگ دیکھا تو اسے اپنا دل ہاتھ سے جاتا نظر آیا اور نگاہیں اس کے بند قبا پر ٹک کے رہ گئیں۔

نسیفی لونڈی نے الماری کھولی، نچلے خانے پر نظر پڑی تو معتمد کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ سنہرے دینار رنگ کے توڑے وہیں رکھے تھے مگر ان پر توجہ دینے کی بجائے وہ دوسرے خانے سے صراحی اور پیمانہ اٹھا کر پلٹی اور اسی طرح لہراتی، بل کھاتی اپنی مسند پر لوٹ آئی۔

معتمد کا صبر و قرار متزلزل ہو گیا لیکن طبیعت میں تھوڑی سی وحشت، تھوڑی سی جرأت پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آبِ ارغوانی کا سہارا لے۔ دمنہ نے پیمانہ بھرا جس میں اس کی مسکراہٹ کا نشہ گھول دیا اور پیمانہ اس کی طرف بڑھایا۔ معتمد نے پیمانے کے ساتھ اس کا خوب صورت ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ ان کے درمیان جو گفت گو ہو چکی تھی، اس سے تنہائی کی یہ ملاقات کچھ کچھ بے تکلفی کا رنگ اختیار کر گئی تھی۔ دمنہ نے اپنا ہاتھ نہ چھڑایا لیکن محسوس کیا کہ اس کی گرفت کمزور اور ہاتھ میں گرمی کم ہے حالاں کہ پچاس برس کا تھا اور پچاس برس کے مرد کا ہاتھ اتنا کمزور اور ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ پیمانہ پکڑتے ہی اس نے ایک حسین فرمائش کر دی۔

"شراب کے ساتھ ہم تمہاری آواز کا رس بھی پینا چاہتے ہیں۔ رباب بجا سکتی ہو تو تمہاری مسند کے نیچے رکھا ہے۔"

اب دمنہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور مسند کے نیچے سے زربفت میں لپٹا ہوا ایک ننھا سا رباب نکالا۔ ادھر معتمد نے پیمانہ منہ سے لگایا، ادھر دمنہ نے رباب کے تار چھیڑ دیے اور اپنی سریلی آواز مدھم لے اور دھیمے سُر میں گانے لگی:

طَفِرَتْ بِالْقَلْبِ مِنِّیْ	عَادَۃٌ مِثْلُ الْھِلَالِ
محبوبہ نے میرے دل پر غلبہ پا لیا	وہ ہلال کی مانند درخشاں ہے
کُلَّمَا صَحَّ لَھَا	وُدِّیْ جَاءَتْ بِاعْتِلَالِ
جب میری محبت صحیح و ثابت نکلی	اس نے بیماری کا عذر کر دیا
لَا یُحِبُّ الْھَجْرَ مِنِّیْ	وَالتَّنَائِیْ عَنْ وِصَالِ
اسے میرا ہجر بھی پسند نہیں	اور میرے وصال پر بھی آمادہ نہیں
بَلْ لَا یَبْقَیْ عَلٰی حُبِّیْ	لَھَا خَوْفُ الْمَلَالِ
وہ یہ سب کچھ اس لیے کر رہی ہے کہ میں	اس کے خوفِ ملال سے اپنی محبت پر قائم رہوں

معتمد جہاں اس کی آواز کے جادو سے مسحور ہو گیا، وہاں ان اشعار پر بھی دنگ رہ گیا جو اس نے گائے تھے۔ پیمانہ خالی کر کے ایک طرف رکھا اور بولا۔

"جانتی ہو یہ اشعار کس کے ہیں؟"

"تیسرے عباسی خلیفہ مہدی ابو عبداللہ کے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دوسرا پیمانہ پیش کیا اور اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی۔ "یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ

www.urdukorner.com

ایک خوب صورت لونڈی پر فریفتہ تھا جس طرح اس وقت آپ مجھ پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور خلیفہ مہدی نے یہ اشعار اس لونڈی کی محبت میں بے تاب ہو کر کہے تھے۔"

معتمد نے دو گھونٹ بھرے اور کہا۔ "وہ لونڈی بھی خلیفہ مہدی سے محبت کرتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

اب اس نے سیدھی بات کی۔ "پھر یہ بھی درست ہے کہ خلیفہ مہدی کی طرح ہم تم پر فریفتہ ہو گئے ہیں لیکن کیا تمہیں بھی ہم سے لگاؤ ہے؟"

دمنہ حیران تھی کہ کیا جواب دے۔ خود ہی اُسے اپنے اوپر مائل ہونے کی ترغیب دے رہی تھی تاکہ جس مقصد کے لیے آئی ہے، وہ جلد پورا ہو لیکن کسی واضح جواب کے بجائے ذو معنی سا جواب دیا۔

"بھلا آپ کی ذات سے کس کو لگاؤ نہیں ہو گا۔ اگر معتضد ابو عباس نے ترک لشکروں کے ذریعے خلافت پر قبضہ نہ کر لیا ہوتا، تو بغداد کے لوگ آپ ہی کو خلیفہ بناتے۔ بنی طولون تو آج بھی اس لیے آپ کی حمایت کرتے ہیں کہ انہیں حضور کی ذات سے لگاؤ ہے۔"

دمنہ نے ترک لشکریوں کا ذکر کر کے ایک قرعہ پھینکا۔ بنی طولون کا نام لے کر ایک داؤ کھیلا کہ معتمد اس داؤ میں آتا ہے یا نہیں؟ لیکن معلوم ہوتا تھا، اُسے سیاست و حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اور اب اس گوشۂ خلوت، اس اعتکافِ تنہائی میں شراب اور حسن و غنا کی راحت ہی اس کا واحد مشغلہ یا مقصدِ حیات ہے۔ کہنے لگا۔

"ہم اس لگاؤ کی بات نہیں کرتے جس کا تم نے ذکر کیا ہے کیوں کہ اتنے خوش نصیب نہیں کہ بغداد یا سامرا کے لوگ ہمارے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ ہم انہی لوگوں کے ڈسے ہوئے ہیں جن کی گردنیں ہمیشہ طاقت کے سامنے خم رہتی ہیں۔ ہمیں اُن سے کوئی واسطہ کوئی مطلب نہیں۔ تم تو اپنے بارے میں صرف تمہاری لگن، تمہاری دل چسپی کا حال جانتی ہیں اور یہ سوال اس لیے پیدا ہوا ہے کہ تم کسی غرض اور کسی بلاوے کے بغیر ہماری خدمت کرنے آئی ہو۔ تمہارے اس دوستانہ سلوک نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ تمہارے دل میں ہمارے لیے وہی کشش ہو جو خلیفہ مہدی کے لیے اُس کی لونڈی کے دل میں تھی۔ بغداد کے لوگوں نے ہمیں آزردہ اور شکستہ خاطر کیا ہے۔ تمہاری محبت ہمیں نئی راحت اور ایک نئی تسکین دے سکتی ہے۔"

دمنہ سوچنے لگی کہ سیاست نے اُسے شکستہ خاطر کر دیا اور اب صرف اپنی ذات کے لیے کسی دل چسپی کا اظہار چاہتا ہے۔ وہ دوسری منزل کے اس گوشۂ خلوت میں جہاں کوئی اس کی تنہائی میں مخل نہیں ہوتا، اپنی پیم ناکا یوں کا غم پیمانے میں گھول کر پی جاتا یا پھر حسن اور غنا کی راحتوں میں بھول جاتا ہے۔ وہ ایک مقصد لے کر آئی تھی جس کی تکمیل کے لیے ایک خاص وقت اور ایک خاص کیفیت کی ضرورت تھی، جب نشہ اُس کے حواس پر غلبہ کر لے اور وہ اپنے شعور سے، اپنے آپ سے بے گانہ ہو جائے۔ دمنہ کو صرف اس وقت اور اُس کیفیت کا انتظار نہیں کرنا تھا بلکہ اُسے مدہوشی کے مرحلے تک بھی خود لے جانا تھا۔ شراب کے ساتھ ساتھ اپنے حسن کی دل کشی اور دلربائی کے نشے سے اُسے بیگانۂ ہوش کرنا تھا۔ نشے کی حالت میں جب آدمی کو شعور پر، گفتگو پر، لہجے پر قابو نہیں رہتا، وہ اپنے اندر سے نکل کر باہر آ جاتا ہے۔ دمنہ کو معتمد سے صرف اتنی دل چسپی تھی کہ وہ اپنے اندر سے نکل کر باہر کب آتا ہے۔ اس لیے مسکرا کے بولی۔

"میں آپ کی شکستہ خاطری دور کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ مگر آپ نے میری دل چسپی اور لگن کے بارے میں پوچھا ہے تو عورت خواہ وہ لونڈی ہو، اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لاتی۔"

اس جواب نے معتمد کی رغبت میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ "ہم چاہتے ہیں تم اپنے دل کی بات زبان پر لے آؤ۔ ہماری محبت کا اقرار کرو۔"

"محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی اعلیٰ حضرت۔"

"پھر محبت کا اقرار اور اظہار کیسے ہوتا ہے؟"

"جب کوئی دل پر دستک دیتا ہے، تب دل کی دھڑکن کچھ کہتی ہے۔"

"تمہارے دل کی دھڑکن کیا کہتی ہے؟"

دمنہ کی جوانی اور خوب صورتی اُسے خود رفتہ کیے دے رہی تھی اور وہ اُس کی زبان سے صرف ایک لفظ "محبت" سننا چاہتا تھا۔ اب یہی ایک لفظ رہ گیا تھا۔ سیاست، خلافت، حکومت کے الفاظ اس کی کتابِ زندگی سے قلم زد کر دیے گئے تھے۔ دمنہ نے اُس کے بڑھتے ہوئے شوق کا اندازہ لگایا اور اُس پر اپنے تبسم کی ایک اور بجلی گرا دی۔

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پہلی دستک پر دروازہ آپ کے لیے کھول دیا جائے؟"

www.urdukorner.com

معتمد نے یہ حسین سوال اپنی پیشانی پر لکھ دیا۔ "اور تم یہ جانتی ہو کہ ہم دستک دے کر دروازہ کھلنے کا انتظار کریں؟"

"دستک دی ہے تو انتظار بھی کیجیے۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی تیسرا پیمانہ پیش کیا۔ معتمد نے پیمانے کے ساتھ اس کا نرم، ملائم، نازک ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ منہ حیران رہ گئی کہ اس کے ہاتھ میں ابھی تک گرمی نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح سرد تھا۔ شاید شراب اس کا لہو گرم نہیں کر سکتی تھی مگر وہ بڑا بے چین نظر آ رہا تھا اور اپنے سوال کا جواب چاہتا تھا۔

"ہمیں کب تک انتظار کرنا ہوگا؟"

وہ پھر مسکرائی۔ "جب تک آپ کا لہو گرم نہیں ہو جاتا۔"

بڑی نشہ آور مسکراہٹ تھی۔ بڑے معنی خیز الفاظ تھے۔ معتمد یہ سمجھا کہ وہ آج ہی رات اپنے دل کا دروازہ کھول دے گی۔ اسے اپنی محبت سے شادکام کرے گی اور وہ منہ جانتی تھی کہ جب تک اس کا لہو گرم نہیں ہوگا، وہ اپنے شعور سے بیگانہ نہیں ہو سکتا۔ اگر معتمد کو اس کے دل کا دروازہ کھلنے کا انتظار تھا، تو وہ منہ اس کی مدہوشی کے لمحے کی منتظر رہتی تھی کہ شراب اپنا کام کرے اور اس کے حواس چھین لے۔

اسی انتظار میں مسند سے اٹھی اور اتفاقاً چل کر وہ اس دریچے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی جو دجلہ کی طرف کھلتا تھا اور اندھیرے میں اس کے بہتے پانی کا نظارہ کرنے لگی جس پر دور دور کے مکانوں کے دریچوں اور جھروکوں سے منعکس ہونے والی روشنیوں کے عکس تھرتھرا رہے تھے۔

۲۵ رجب ۶۷۸ ہجری کو دو شنبہ کی وہ رات بڑی سیاہ اور تاریک تھی۔ بغداد کے آسمان پر کوئی چاند نہیں تھا کیونکہ رجب کی آخری راتوں کا چاند بہت پیچھے، بہت دور کہیں تاریک خلا میں بھٹک رہا تھا۔ کالے آسمان پر صرف ستاروں کی قندیلیں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن بغداد ایک شہر طلسمات تھا۔ اگر چاندنی رات میں وہ "شہر فردوس" کا منظر پیش کرتا تو اس کی سیاہ راتیں بوڑھے عاشقوں کو بھی جوان کر دیتی تھیں۔ ان راتوں کے کالے اندھیرے میں جب بغداد چاند کی روشنی سے محروم ہو جاتا، دجلہ کنارے دور دور محل سراؤں کے شوخ قصروں، بلند عمارتوں کے کمرے روشن ہو جاتے اور ان کمروں میں مہ جبیں بیگمات کے جلوے بکھرتے یا حسین و خوش ادا لونڈیوں کی ہنسی کھنکتی۔ تو کھلے دروازوں، دریچوں، جھروکوں سے

سے نکل کر شمعوں اور قندیلوں کی روشنیاں دجلہ کی لہروں پر بکھر جاتیں اور تاریک آسمان پر جھلملاتے ستارے بھی اس کے بہتے پانی میں اتر جاتے۔ ستاروں کے پرتو اور دونوں کناروں پر شمعوں، قندیلوں کی روشنیوں کے عکس دریا پر منعکس ہوتے اور بہتی لہروں میں تھرتھراتے، جھلملاتے، ٹوٹتے، بکھرتے، ڈوبتے، ابھرتے نظر آتے تو یوں لگتا تھا، جیسے روشنیاں دجلہ میں غسل کر رہی ہوں۔

قصر معتمد کے کئی دریچے دجلہ کی جانب کھلتے تھے اور دوسری منزل کے ایک دریچے میں کھڑی وہ منہ گرچہ دریا کے بہتے پانی میں روشنیوں کو ڈوبتے ابھرتے، ٹوٹتے بکھرتے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا ذہن معتمد میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ طویل نیند اور پیہم ناکامیوں نے پچاس برس کے اس وجیہ آدمی کو نہ صرف قبل از وقت بڑھاپے کی چوکھٹ پر لا پھینکا تھا بلکہ اس کا ہوش سرد کر دیا ہے۔ وہ صدمات سے کچلے ہوئے دل میں ایک خوش گلو مغنیہ، ایک حسین نوخیز شباب لونڈی کی محبت سے راحت و تسکین حاصل کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ لیکن اس کے جذبے میں کوئی گرمی اور گرم جوشی نہیں۔ حساس کرمنہ اپنے منصوبے کے مطابق چاہتی تھی کہ وہ جذبات کی گرمی اور نشے کی لہر سے دوچار ہو، تاکہ اپنا کام آسانی سے انجام دے سکے۔

اس نے معتمد کے دل کی کتاب کا ورق الٹ دیا تھا لیکن ابھی کوشش میں اسے پڑھ رہی تھی۔ اب اس کی بے چینی ہر لحظہ بڑھنے لگی۔ وقت دبے پاؤں گزرتا جا رہا تھا اور معتمد کا لہو ابھی تک ٹھنڈا تھا۔ خیال آیا، شراب اس کے پتلے سر والوں میں ذرا دیر سے اثر کرے گی اور مدہوشی کا لمحہ تاخیر سے آئے گا۔ یہی تاخیر گراں محسوس ہو رہی تھی اور چاہتی تھی کہ جو کچھ کرنا ہے جلد ہو جائے۔

اسی ذہنی کشمکش سے دوچار، دریچے میں کھڑے کھڑے اس نے اپنے جسم میں کوئی لرزش محسوس کی لیکن یہ لرزش کیسی تھی؟

شاید کوئی خیال اسے پریشان کر رہا تھا یا کسی خوف نے ذہن پر سایہ ڈال دیا تھا۔ اس نے ذہن کو جھٹک دیا۔ اسے معتمد کو خوش کرنا اور اس کے ٹھنڈے لہو کو گرمانا تھا۔ وہ اپنی انگوٹھی کے سبز زمرد کو دیکھنے لگی جو سونے کی چھوٹی سی کٹوری میں بڑی نفاست سے جڑ دیا گیا تھا۔ بعض ہوشیار کنیزیں اور لونڈیاں جنہیں بوڑھے مالکوں کی خدمت کرنا ہوتی

www.urdukorner.com

اپنی انگوٹھی کی کٹوری میں بڑی سریع الاثر اور تیز دوا چھپا کے رکھتی تھیں، جو بڑے سے بڑے جوان کا عمل کرتی یا انہیں گہری نیند سلا دیتی تھی۔

اپنی انگوٹھی کا سبز زمرد دیکھ کر اس کے سُرخ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُسی لمحے معتمد نے جو تیسرا پیمانہ خالی کر چکا تھا اور بڑی پُرشوق نظروں سے پیتے اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا، ذرا گرم لہجے میں آواز دی۔

"دمنہ! ہمارے پاس آؤ، ہمارے قریب بیٹھو۔"

وہ فوراً پلٹی اور اس کے قریب چھوٹی مسند پر بیٹھ کر چوتھا پیمانہ تیار کرنے لگی۔ معتمد صرف اس کی پشت پر لہراتی لمبی اور کالی زلفوں سے کھیل سکتا تھا، کیونکہ وہ پہلو بدل کر اور منہ دوسری طرف کر کے بیٹھی تھی۔ اُس نے معتمد کو اپنی زلفوں سے کھیلنے کا موقع دیا اور اس کی جانب پشت کیے رہی، جب صراحی سے پیمانے میں شراب انڈیل رہی تھی، انگوٹھے کے دباؤ سے انگشتری کا سبز زمرد پرے ہٹ گیا اور چھوٹی سی کٹوری کھل گئی، جس کے دراخ میں بھرا ہوا زرد سفوف پیمانے میں گر کے فوراً حل ہو گیا۔ دمنہ نے کسی گھبراہٹ اور اکتاہٹ کے بغیر زمرد کو پھر کٹوری میں جما دیا اور پیمانہ اٹھا کر بڑے اطمینان سے معتمد کی طرف بڑھایا جس میں اُسے ہوش و خرد سے بیگانگی کی کیفیت لمحے لمحے جانے کا نسخہ گھول دیا تھا۔

معتمد نے پیمانے کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور دمنہ کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی جس میں خوشی کی جھلک تھی کیوں کہ اب اس کا ہاتھ پہلے سے گرم تھا اور گرفت بھی کچھ مضبوط تھی۔ وہ کچھ [illegible] قریب ہو گئی اور بڑی دلربائی سے بولی۔

"ابوعباس [illegible] ایک ہی سانس میں ختم کر دو۔"

معتمد اس [illegible] طنزیہ مسکرایا۔ "ایک ہی سانس میں کیوں؟"

دمنہ نے [illegible] کا صیغہ "تم" سے بدل کر جس بے تکلفی کا اظہار کیا تھا، معتمد یہ سمجھ کر اس پر خوش [illegible] وہ اس کے ساتھ بے تکلف اور بے حجاب ہو رہی ہے۔ دمنہ نے اس بے تکلفی کو [illegible] گئے [illegible] اور مسکرا کے بولی۔

"پورا پیمانہ پی لینے سے [illegible] ہو، تمہارا جسم، تمہارا ذہن پوری طرح گرم ہو جائے گا تب تمہیں میری اور مجھے تمہاری باتیں اچھی لگیں گی۔"

ان الفاظ میں ایک دعوت اور ایک ترغیب تھی۔ لہو گرم ہونے پر دل کا دروازہ کھلنے

کا اشارہ تھا جس کے لیے وہ بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے پیمانہ ہونٹوں سے لگایا اور کس دلت ہٹایا، جب آخری قطرہ بھی حلق میں اُتر گیا۔ دمنہ نے پیمانہ پکڑ کے پرے رکھا تو معتمد کہنے لگا۔

"اس پیمانے کا ذائقہ کچھ بدلا ہوا اور تلخ تھا۔"

اس کا اپنا لہجہ بدلا ہوا اور آواز بہکی ہوئی تھی۔ دمنہ نے محسوس کیا کہ دوا نے فوری اثر کیا اور مسکرائی۔ "شراب کی تلخی لہو کو گرم کرتی ہے احمد!"

پیار سے اس کا نام لیا پھر پیمانے میں تھوڑی سی اور شراب انڈیل کر پیش کی۔ "اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیو، ایک نیا ذائقہ محسوس کرو گے۔"

وہ اسے مزید شراب پلا کر صرف اُس کا ذائقہ ہی نہیں بدلنا چاہتی تھی بلکہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ تھوڑی سی شراب سے پیمانہ دُھل جائے اور اس میں دوا کا کوئی نشان، کوئی علامت باقی نہ رہ جائے۔ معتمد کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ آتش سیال میں گھل کر کون سی [illegible] پی چکا اور ایک پیمانے کے فوراً بعد نیا پیمانہ پیش کرنے کا سبب کیا ہے۔ وہ اسے بھی دمنہ کی مہربانی یا کوئی ادا سمجھا اور اُس کی زبان سے اپنا نام سن کر خوش ہوا۔ پیمانہ تھام کر لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تم مہربان ہو رہی ہو، ہم تمہارے احسان مند ہیں۔"

دمنہ نے اپنی سُریلی آواز میں ایک شعر پڑھا۔

إِذَا وَجَدْنَا مُحِبًّا قَدْ أَضَرَّ بِهِ
كَأْسٌ وَصَبَّابَةٌ أَوْلَيْتَنَا حَسَنَا

(جب ہم کسی عاشق کو محبت میں تکلیف اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو اس پر احسان کرتے ہیں)

شعر سنتے ہی معتمد نے جُرعہ جُرعہ کر کے پینے کی بجائے پیمانہ ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ دوا کی حرارت سے اس کا جسم پہلے ہی جلنے لگا اور چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ نیا پیمانہ پیتے ہی خون جیسے نسوں میں اُبلنے سنسنانے لگا۔ لہجہ کچھ اور لڑکھڑا گیا [illegible] کچھ دیر تک گئی۔

"تم حُسن کا خواب ہو دمنہ! تمہارے قُرب کی راحت اُس خواب کی تعبیر ہے۔

www.urdukorner.com

ہمارے لیے اپنے دل کا دروازہ کھول دو، ہمیں اپنے خواب کی تعبیر دے دو۔"

نشے کی شدت سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ دوا کی حدت سے حلق سوکھ رہا تھا۔ دمنہ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے اور اُس کے درمیان سارے فاصلے یک لخت ختم کر دیے اور اب "تم" سے "تو" پر آ گئی۔

"میں تجھے ایسا خواب دکھاؤں گی جو تو نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور تعبیر خواب سے بھی زیادہ عجیب ہوگی، کیوں کہ وہ خواب میری طرح روشن اور خوب صورت ہے مگر اُس کی تعبیر کسی مرگ کی مانند تاریک اور طویل ہے۔"

معتمد اس کے الفاظ کا مفہوم سمجھا یا نہیں کیوں کہ نشے میں سر گھومتا اور کمرہ گردش کرتا نظر آ رہا تھا۔ ایسی حالت میں الفاظ سر سے گزر جاتے اور ذہن میں نہیں اترتے لیکن چند الفاظ کا مفہوم غالباً اُس نے سمجھ لیا جن میں روشن اور خوب صورت خواب کا ذکر تھا۔ پھر اپنی مسند سے ذرا جھک کر اُس کے چہرے کو اپنے مرتعش ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اور لڑکھڑاتی، ڈوبتی آواز میں کہا۔

"تم خواب کی طرح روشن اور خوب صورت ہو۔ تمہاری تعبیر بھی راحت بخش ہوگی۔"

دمنہ اس کے لرزتے ہاتھوں میں زندگی کی سکت کو مضمحل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ معتمد نے اپنے کپکپاتے لرزتے ہاتھ آگے بڑھائے تو وہ اس کے ہاتھوں کا پیالہ توڑ کر پیچھے ہٹی اور خشمگیں لہجے میں بولی۔

"اپنے ہاتھ دور رکھ اور میرے قریب آنے کی کوشش نہ کر۔"

حیرت زدہ معتمد کے حلق سے بہ مشکل ایک ہی لفظ نکل سکا۔ "کیوں؟"

"اس لیے کہ میرا جسم، میرا چہرہ، میری خوب صورتی، میری جوانی، میرا سب کچھ میرے آقا حسین کی امانت ہے۔"

یہ سفاک اور یہ انکشاف اُس کے گھومتے، چکراتے، ڈوبتے ذہن پر بجلی بن کر گرا۔ تعجب سے آنکھیں پھاڑ کے اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کون آقا حسین؟"

"تو جاننا چاہتا ہے کہ آقا حسین کون ہے مگر تو اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں۔"

یہ کہہ کر دمنہ نے دھکا دیا اور وہ مسند پر گرا۔ اُٹھنے کی کوشش کی مگر اُٹھ نہ سکا۔ چیخنے یا بولنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ حلق جیسے سوکھ کر بند ہو گیا یا کسی نے پکڑ لیا تھا۔ جسم سے زندگی کی توانائی رخصت ہو رہی تھی۔ کوئی چیز جگر کو تیزاب کی طرح چیرتی، کاٹتی جا رہی تھی۔ آنکھوں کی پتلیوں میں دم، حیرت بن کر اٹک گیا تھا اور وہ حیرت پاش کھلی آنکھیں پوچھ رہی تھیں۔ "تم نے مجھے کیا پلا دیا؟"

دمنہ نے اس کی نیم مردہ آنکھوں کی بات سمجھ لی اور حقارت سے کہا۔

"تو چیخ نہیں سکتا، چلا نہیں سکتا، بول نہیں سکتا، کیوں کہ میں ایسا زہر استعمال کرتی ہوں جو آدمی کو چیخنے چلانے اور بولنے کی اجازت نہیں دیتا مگر تیری آنکھیں دیکھ سکتی اور تیرے کان سُن سکتے ہیں، کیوں کہ ابھی دنیا سے تیرا رشتہ منقطع نہیں ہوا اور سانس اکھڑ اکھڑ کے چل رہا ہے۔ تیری زندگی کے چند لمحے جو باقی رہ گئے ہیں، اُن میں تجھے بولنا نہیں، صرف دیکھنا اور سننا ہے اس لیے بتاتی ہوں کہ آقا حسین کون ہے اور میں عباسیہ کے بغداد میں کیوں آئی ہوں۔۔۔۔۔۔"

ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ ناگہاں معتمد کے جسم میں زندگی کی تیز حرکت پیدا ہوئی اور اُس نے دمنہ کی پنڈلی پر پاؤں سے ضرب لگائی جو چھوٹی مسند پر کھڑی اُس سے مخاطب تھی۔ وہ چوٹ کھا کر لڑکھڑائی اور گر پڑی لیکن فوراً سنبھل کر پھر اُٹھ کے بڑی مسند پر لپکی اور دونوں ہاتھوں سے معتمد کی گردن دبانے لگی۔ اُس نے مزاحمت کے لیے ہاتھ اُٹھائے مگر ہاتھوں میں کوئی قوت اور کوئی سکت نہیں تھی۔ یہ کشمکش چند ساعتوں میں ختم ہو گئی۔ زہر پہلے ہی اپنا کام کر رہا تھا۔ دمنہ نے ہاتھوں سے گلا دبایا تو معتمد کے سانس کی ڈور ٹوٹ گئی اور عباسیہ کے معزول و مسترد خلیفہ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

۲۵ رجب کی کالی رات پہلے پہر سے گزر چکی تھی جب دمنہ مردانہ لباس پہنے اور اپنے چہرے کو سیاہ عمامے میں چھپائے معتمد کے گوشۂ خلوت سے نکلی اور غلام گردش میں گزرتی ہوئی اس اونچی دیوار کی جانب چلی جدھر دجلہ بہہ رہا تھا۔

www.urdukorner.com

(۶)

ابنِ حرب

○

سویرے معتمد اپنے کمرے میں مُردہ پایا گیا۔ لاش کے پاس مسند پر پیمانہ اُلٹا ہوا اور صراحی اوندھی پڑی تھی۔ کچھ شراب ایرانی قالین پر بہہ گئی لیکن دو تین چُلّو صراحی کے اندر بھی رہ گئے تھے۔

وفات کی اطلاع غلام نے دی، جو دن چڑھے اُسے جگانے آیا اور مسند پر زندہ معتمد کی بجائے مردہ معتمد کو دیکھ کر سکتے میں آگیا۔ ام الخلافہ کی فلسطینی کنیز جو رات اس کی خدمت کرنے آئی، غائب تھی۔ غلام داروغہ کی طرف بھاگا جو ایک جھکتا جھکتا دوسری منزل کے گوشۂ راحت میں پہنچا اور موت کا منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ دمنہ اُسی کے ذریعے آئی بلکہ پہنچائی گئی تھی۔

دونوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد اہلِ خانہ کو خبر کی اور قصرِ معتمد میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ سب سے پہلے جعفر مفوض ہی، جسے دو ماہ قبل ولی عہدی سے محروم کیا گیا تھا، باپ کی لاش دیکھنے آیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے کچھ عورتیں اور مرد بھی دوسری منزل پر پہنچ گئے۔ معتمد کی شراب نوشی اور فحاشی سے دل چسپی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اسود لعب ہی کے الزام میں خلافت سے معزول کیا گیا تھا۔ چند ماہ سے مجی نوخیز شاہ ہفراند اس کی خدمت پر مامور تھی لیکن کل وہ طلوعِ شمس سے کچھ دیر بعد سامرا کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ صرف داروغہ اور غلام جانتے تھے کہ رات ساقیہ کی خدمت ام الخلافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ نے ادا کی تھی لیکن دونوں نے

مصلحتاً اپنی زبان بند کر لی۔

فوری طور پر کسی کو قتل یا زہر چکانی کا گمان نہیں گزرا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ طبعی موت مرا۔ شراب کی زیادتی پیغامِ قضا بن گئی ہے۔ اس معاملے کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور سب اہلِ خانہ رو پیٹ کر کفن دفن کے انتظامات میں مصروف ہو گئے لیکن لاش کو غسل دینے کے بعد گردن پر خراشوں کے نشان اُبھر آئے۔ کفن پہنایا گیا، تو چہرے کی رنگت بھی کچھ تبدیل ہو گئی۔ جعفر نے غور سے باپ کی لاش پر نظر ڈالی اور دل گیر سے لہجے میں کہا۔

"شاید زہر دیا گیا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی قصرِ معتمد میں سنسنی پھیل گئی۔ فوراً ایک حکیم کو طلب کیا گیا، جس نے زہر آلود شراب کو موت کا سبب قرار دیا مگر زہریلی شراب کس نے پلائی؟ بعض لوگوں نے دبی زبان میں اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے، شراب میں تیزابیت پیدا ہو گئی اور وہی موت کا باعث بنی ہو ورنہ زہر کون دیتا؟

"مگر گردن پر نشان کیسے ہیں؟ لگتا ہے کسی نے گلا گھونٹ کے مارا ہے۔"

کسی نے سرگوشی کی۔ "جب شراب کے تیزابی مادے نے گلا پکڑا ہوگا اس وقت شاید معتمد نے خود اپنی گردن کی رگیں ملنے کی کوشش کی ہو گی تاکہ کھنچاؤ دور ہو۔"

شراب نوشی کو چھپانے کی جتنی سعی کی گئی تھی۔ اس کا اتنا ہی چرچا ہوا۔ زہریلی شراب پلانے یا گلا گھونٹ کر مارنے کی خبر اُڑتی ہوئی بغداد کے گلی کوچوں میں پہنچی اور لوگ چہ میگوئیاں کرتے قصرِ معتمد کے اردگرد اکٹھے ہونے لگے۔

ملکہ جیجک نے معتمد کے انتقال کی خبر صبح ہی سُن لی اور دم بخود سی رہ گئی تھی۔ زہر چکانی کی اطلاع ملی تو دل کو ایک دھچکا لگا۔ دمنہ ام الخلافہ میں لوٹ کر نہیں آئی۔ وہی بتا سکتی تھی کہ رات معتمد کے ساتھ کیا ہوا؟ گھبراہٹ میں ایک کنیزک (چھوٹی عمر کی لونڈی) کو سردار حرب بکندی کی طرف بھیجا کہ اُسے چپکے سے بُلا لائے مگر وہ بھی نہ لوٹ سکا۔ جس سے جیجک کا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا۔ نہ جانے دونوں کہاں چلے گئے تھے۔ اچانک اس خبر نے ہوش اُڑا دیے کہ لوگوں کے نزدیک معتمد کو قتل کیا گیا ہے اور گلیوں، کوچوں، بازاروں میں اُن کے گھمبیر ہو رہے ہیں۔ معاً جیجک کو جعفر بخوی کی پیش گوئی یاد آگئی۔ جس نے معتمد کے معاملے میں دو ٹوک بیان کی تھیں اور کہا تھا کہ وہ سات ماہ کے اندر خروج کرے گا یا قتل کیا جائے گا،

www.urdukorner.com

اور دوسری صورت پیش آگئی تھی جس کے بارے میں اُس نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ اس سے نئی پریشانیاں اور نئی مشکلات پیدا ہوں گی۔

معتمد کی خلافت سے دستبرداری کے بعد جعفر نجومی کی پیش گوئی کو سراسر خرافات اور ہفوات سمجھنے لگی تھی کیونکہ واقعات کوئی اور ہی صورت اختیار کر گئے تھے لیکن معتمد کا قتل بالکل غیر متوقع طور پر پیش آیا اور حالات کا دھارا اُسی رُخ بہہ نکلا تھا جس کی جعفر نے نشان دہی کی تھی۔ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی اور اب معاملے کی دوسری صورت خطرناک رُخ اختیار کر رہی تھی۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ جیحک نے ترکوں سے متعلق معتمد کا ارادہ معلوم کرنے اور یہ جاننے کے لیے کہ اب نئی طوطن کیا چاہتے ہیں، اپنی فلسطینی کنیز سے اس کے دل میں جھانکنے کی فرمائش کی اور خود اُسے معتمد کے اعتکاف تنہائی یا گوشۂ راحت میں پہنچانے کا جتن کیا تھا جس رات دمنہ وہاں پہنچی، اُسی رات تقدیر کا کھیل پیش آیا۔ اس طرح وہ معاملے کی دوسری صورت میں خود ملوث ہوئی اور اب اِس خوف سے لرزہ براندام تھی کہ اگر بات کھل گئی تو کیا ہوگا؟

جعفر نجومی کی پیش گوئی ۲۷ رجب دوشنبہ کی رات کو اس وقت ظہور میں آئی جب سات مہینے کی شرط پوری ہونے میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اگر جیحک یہ مدت ختم ہونے کا انتظار کر لیتی تو شاید حالات کی صورت کچھ اور ہوتی لیکن جعفر نے کہا تھا کہ آسمانوں کی کتاب تقدیر پر جو واقعہ درج ہو جاتا ہے، اس کی صورت نہیں بدلتی، تبدیلی کا امکان تو صرف کسی واقعے کے اندراج سے قبل ہے۔

جعفر المفوض نے قاضی ابوحازم کی عدالت میں تحقیق مرگ کی عرضی دے دی جس سے معاملے نے ایک سنگین شکل اختیار کر لی اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ قاضی ابوحازم نے شہادتیں طلب کیں۔ حکیم کے سوا کوئی شخص گواہی نہ دینے آیا جس نے اپنی بات دہرائی کہ موت زہریلی شراب پینے سے واقع ہوئی ہے مگر زہر کس نے ملایا؟

اس بارے میں کسی پر شک کا اظہار نہیں کیا گیا۔ صراحی میں بچی ہوئی شراب کی جانچ پڑتال ہوئی، تو اس میں نہ تیزابیت تھی، نہ زہر کی آمیزش پائی گئی۔ معتمد کی موت ایک معما بن گئی۔

اگر موت زہر سے واقع ہوئی تو گردن پر خراشیں اور انگلیوں کے نشانات

کیسے تھے؟

اگر گھونٹ کر مارا گیا، تو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی؟

جو لوگ اُس کے لہو و لعب پر اعتراض کرتے رہے تھے، انہیں باتیں کرنے کا موقع مل گیا اور بدنامی کے خیال سے تحقیق مرگ روک دی گئی۔ تدفین کے ساتھ اُس کی موت کا راز بھی قبر میں دفن ہو گیا۔ جنازے کے ساتھ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور اکثریت کی رائے میں اُسے قتل کیا گیا تھا تاکہ معتضد ابوعباس کے اقتدار کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

تدفین کے وقت معتضد بھی موجود تھا۔ اُسی نے چچا کو لحد میں اتارا۔ کسی نے اس کے سامنے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا لیکن عام لوگوں کی نگاہوں میں ایک نفرت تھی۔ واپسی پر ترک غلام شبل نے اُسے بتایا کہ لوگ معتمد کی موت کو قتل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس کے معتمد ترین غلام ابدر نے بھی اس بات کی تائید کر دی۔

جیحک خادم معتضد ابوعباس کی دوسری حرموں شغب خاتون اور فتنہ[1] بانو کے ہمراہ اُم ہرسی کر کے قصر معتمد سے نکلی، تو بڑی پریشان نظر آتی تھی۔ شغب خاتون اور فتنہ بانو بھی مصائب میں تعزیت کے دوران بعض بیگمات کی باتیں اُن کی سماعت سے گزرتی رہی تھیں جو انہی ہنوں کو سنانے کے لیے کی جاتی رہیں کہ جب معتمد خلافت و حکومت سے دستبردار ہو گیا تو پھر اُسے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ان باتوں سے خلیفہ معتضد پر شک کا اظہار ہوتا تھا جس نے تینوں حرموں کو پریشان کر دیا۔ جیحک کے دل کا سکون تو اس لیے بھی اُڑ گیا کہ دمنہ مرصافہ میں واپس نہیں آئی تھی، نہ مردار ترب کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔ دونوں اُس بساط کے مہرے تھے جو معتمد کے لیے بچھائی گئی تھی اور اُسی بساط پر مارا گیا۔ اب ترب اور دمنہ کی پُراسرار روانگی اندر ہی اندر جیحک کا دل کاٹ رہی تھی۔ چپکے چپکے تلاش کرائی لیکن دونوں میں سے کسی کا کھوج نہ مل سکا۔

معتمد کی تدفین پر تیسرا دن بیت رہا تھا کہ کچھ لونڈی شاہ مظفر نے قتل کی خبر سن کر فتنہ معتمد

---

[1] عربی میں فتنہ کسی شوخ اور طرح دار حسینہ یا معشوق کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ فتنہ معتضد احمد ابوعباس کی خوب صورت کنیز اور اُم ولد تھی جس کے بطن سے ابومنصور محمد پیدا ہوا اور "القاہر باللہ" کے لقب سے تختِ خلافت پر بیٹھا۔ (مرتب)

www.urdukorner.com

میں لوٹ گئی اور انکشاف کیا کہ اُسے ارتصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی نے چند روز کے لیے بغداد سے باہر بھیج دیا تھا۔ اپنی بہن کا وہ خط بھی دکھایا جس میں شاہ مظفرہ کو فوراً سامرا میں بلایا گیا تھا مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بہن نے کوئی خط نہیں لکھا۔

عجمی کنیز کے لوٹتے ہی معتمد کے غلام کی زبان بھی کھل گئی۔ اس نے بتایا کہ سردار حرب کی غلام کو سردار حرب الرصافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ کو داروغہ محل کے پاس چھوڑ گیا اور داروغہ ہی کنیز کو اپنے ساتھ لے کر اعلیٰ حضرت کے حضور حاضر ہوا تھا تاکہ وہ شاہ مظفرہ کی عدم موجودگی میں دلاور نغمہ سرائی کی خدمت سرانجام دے سکے۔ قتل کی رات دمنہ ہی رفیق خلوت تھی۔

اب داروغہ سے باز پرس ہوئی۔ اس نے بھی اعتراف کر لیا کہ سردار حرب کے کہنے پر دمنہ کو علیٰ حضرت کی خدمت کا موقع دیا گیا تھا۔ ان انکشافات کے خطِ ارتصافہ کے نقشے پر گرتے تھے جن سے ایک نیا زاویہ پیدا ہوا اور ہر طرف سنسنی پھیل گئی۔ بغداد کے ہر کوچہ و بازار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ارتصافہ کا نام ہر کسی کی زبان پر تھا۔ مزید اچنبھے کی بات یہ تھی کہ سردار حرب اور دمنہ دونوں غائب تھے۔ لوگوں نے ارتصافہ پر انگلی اٹھائی اور دبی دبی زبان سے کہنے لگے کہ جیحک کا نام لیا کہ اسی نے دونوں کو غائب کر دیا ہے۔ جیحک نے سنا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

معتضد ابو عباس چار پانچ راتیں ارتصافہ میں نہ آیا کیونکہ یہ راتیں شغف خاتون اور فتنہ بانو کے حصے کی تھیں لیکن ایک دن دوپہر کے وقت اچانک وہاں پہنچا اور ناگہاں جیحک کے کمرے میں نظر آیا۔ وہ اُسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ معتضد نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا:

"دمنہ کہاں ہے؟"

جیحک کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ "میں نہیں جانتی ابو عباس!"

"شاید تم حرب کے بارے میں بھی یہی جواب دو گی۔"

"یہ بھی نہیں۔ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی۔"

"مگر ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں کہاں ہیں۔ ۲۵ رجب کی شام کو حرب تمہاری کنیز کے ہمراہ قصرِ معتمد میں گیا اور اسے داروغہ کے حوالے کر آیا۔ دمنہ نے وہ رات معتمد کے کمرے میں گزاری۔ وہ اس کی رفیق خلوت تھی اور اسی رات معتمد کی زندگی چھین لی گئی۔ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ دمنہ وہاں کیوں بھیجی گئی؟"

جیحک نے صاف جھوٹ بولا: "دمنہ کو میں نے نہیں بھیجا۔ حرب لے گیا تھا۔"

"وہ تمہاری کنیز ہے، اجازت کے بغیر کیسے لے گیا تھا؟"

اب علمی اصطلاح میں جیحک کو "تدلیس"[1] کرنا پڑی۔ جھوٹ سچ باہم ملانا پڑا اور بتانے لگی: "حرب نے کہا تھا کہ معتمد کی عجمی لونڈی جو اس کی خلوت میں نغمہ سرائی کرتی تھی، سامرا چلی گئی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دو چار دن دمنہ قصرِ معتمد میں چلی جائے۔ اس بہانے وہ یہ بھی معلوم کر سکے گا کہ وہاں کون آتا ہے اور کون جاتا ہے۔ میں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور اجازت دے دی۔"

وہ یہ بات بڑی صفائی سے چھپا گئی کہ خود اُسی نے معتمد کے لیے ایک بساط بچھائی اور دمنہ کو اس کی خلوت میں بھیجا تھا۔ کر معلوم کر سکے کہ وہ ترکوں کے لیے کیا ارادے رکھتا ہے۔ معتضد نے بڑی تیکھی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"مگر تم نے یہ بات آج تک چھپائے رکھی۔"

"میں ڈرتی تھی ابو عباس! کہیں آپ مجھ پر کسی منصوبے کا شبہ نہ کریں۔"

"شبہ ہم نے نہیں لوگوں نے کیا ہے۔"

"بخدا! معتمد کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

احمد ابو عباس نے اُسے ایک بار پھر اپنی نظروں میں تولا اور شک کے لہجے میں کہا: "تم بہت دنوں سے معتمد کے معاملے میں دلچسپی لے رہی ہو۔ آخر ہمارے غلام شبل کو ارتصافہ میں طلب کرنے کا کیا مطلب تھا۔ اس تجسس کی کیا ضرورت تھی کہ ساعد بن مخلد اور صوار تکین نے معتمد کے بارے میں ہم سے کیا گفتگو کی ہے؟"

وہ اس انکشاف پر ہکا بکا سی رہ گئی۔ شبل کو ارتصافہ میں بلانے کی غلطی کر چکی تھی لیکن ذرا سنبھل کر بولی۔

"میں نے سنا تھا ساعد بن مخلد نے آپ کو معتمد کے قتل کا مشورہ دیا ہے اور یہ

---

[1] تدلیس کی اصطلاح علم حدیث میں اُن راویوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو کسی روایت میں اپنی طرف سے جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں۔ علمائے اسماء الرجال ایسے راوی کو "مدلس" کہتے ہیں یعنی جھوٹ سچ ملانے والا (بحوالہ میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب)۔

www.urdukorner.com

سن کر پریشان ہو گئی کیونکہ اُس کا قتل ہمارے لیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ اس لیے گھر بیٹھ میں شبل کو طلب کیا کہ اس سے اصل بات پوچھوں۔"

"تم ہمیں اتنا احمق سمجھتی ہو کہ ہم صاعد کا مشورہ قبول کر لیتے؟"

"ابو عباس! میں نے احتیاطاً شبل سے بات کی تھی کیونکہ وہ آپ کے بہت قریب ہے۔"

معتضد نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "تم ہماری خاتونِ اوّل اور ایک غلام کی بہ نسبت ہم سے زیادہ قریب ہو گیا ہم تمہیں دوسری حرموں سے زیادہ وقت نہیں دیتے؟ تمہاری دل جوئی نہیں کرتے؟ اگر معتضد کے بارے میں کچھ پوچھنا تھا تو ہم سے پوچھتیں۔"

"آپ سے اس لیے نہ پوچھ سکی کہ کہیں آپ پریشان نہ ہوں۔" اس کا بدلا ہوا رویہ دیکھ کر کچھ وضاحت کرنے لگی۔ "مجھے معتضد کے بارے میں صرف اتنی دل چسپی تھی کہ وہ اپنے اعتکاف تنہائی میں بیٹھا رہے اور نہ ہی حرموں سے کوئی خفیہ رابطہ رکھے جس طرح مصری سفیر نے اُسے تحائف پیش کیے اور صاعد نے آپ کے ساتھ گفتگو کی۔ اسی روز ام حرب الرصافہ کی ڈیوڑھی میں دیکھا گیا۔ اس نے اپنے باپ سے کسی خطرے کا اظہار کیا اور تاکید کی تھی کہ وہ قصرِ معتضد پر نظر رکھے کیونکہ اگر کوئی مصری یا شامی مخبر اس سے خفیہ ملاقات کرے تو یہ خبر امیر المومنین کی دل چسپی کا باعث ہو گی۔ اس لیے سردار حرب نے دمنہ کو قصرِ معتضد میں بھیجنے کا بندوبست کیا مگر میں نہیں جانتی، دو شنبہ کی رات کو وہاں کیا ہوا۔ دمنہ کیوں واپس نہیں آئی۔ حرب کہاں چلا گیا؟"

اُس نے یہ بات پھر اختصار میں کہی کہ حرب نے جو کچھ کیا، اُسی کے ایما پر کیا تھا۔ معتضد سمجھ گیا کہ وہ قتل میں ملوث نہیں ہو سکتی۔ معتضد کے معاملے میں اس کی دل چسپی کا پہلو کچھ اور تھا۔ البتہ دمنہ اور حرب پر شبہ کچھ اور پختہ ہو گیا۔ دونوں کی روپوشی ان کے جرم کا ثبوت تھی۔ پھر بھی اس نے جیحک کو بالکل بری الذمہ قرار نہ دیا اور کہا۔

"اپنی کنیز کو معتضد کے لیے نذر سرائی کی اجازت دے کر تم ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کر چکی ہو۔ نہ جانے اس رات خلوت میں کیا ہوا ہو گا مگر آج لوگوں کی انگلیاں الرصافہ کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ جب تک دمنہ اور حرب گرفتار نہیں کر لیے جاتے لوگ مطمئن نہیں ہوں گے۔"

جیحک کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا کیونکہ اُن کی گرفتاری وہ راز فاش کر سکتی

PAKISTAN REGISTRY & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5043329
Prop: Ali Kaskar

تھی جس پر اُس نے مصلحت کا پردہ ڈال دیا تھا لیکن قتل کے بارے میں اہلِ بغداد کا بڑھتا ہوا اضطراب کوئی خطرناک شکل بھی اختیار کر سکتا تھا۔ اسی روز الرصافہ کی لونڈی دمنہ اور محافظ سردار حرب الکندی کی گرفتاری کے احکام صادر ہو گئے۔ خلیفہ نے اُن کی تلاش کے لیے جوشیار ترین فوجی افسر کرتان ترک کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ دونوں کو زندہ یا مُردہ دربارِ خلافت میں پیش کیا جائے۔

لوگوں نے گرفتاری کا اعلان سُنا تو بغداد کے مستطف کوچوں اور بازاروں میں نئی نئی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ عجیب و غریب افواہیں پر لگا کر اُڑیں۔ ایک نئے تجسس نے پورے بغداد کو اسرار کی چادر میں لپیٹ لیا اور لوگ منتظر تھے کہ اس چادر کے اندر سے کیا نمودار ہوتا ہے؟

دمنہ الرصافہ کی کنیز تھی۔

حرب الرصافہ کا محافظ تھا۔

جیحک الرصافہ کی خاتون تھی۔

حالات نے تینوں کو ایک ہی رسی میں باندھ دیا اور جیحک حیران تھی کہ زمانے کی گردش نے کس طرح اچانک رُخ بدلا اور معاملے کی صورت کتنی پیچیدہ ہو گئی ہے۔ جنجر نجومی کی پیش گوئی پتھر پر لکیر ثابت ہوئی تھی۔

★

دمنہ الرصافہ میں نہیں تھی، بغداد میں نہیں تھی، عراق میں بھی نہیں تھی اور شاید اپنے بزرگوار آقا حسین کی طرف لوٹ گئی تھی جس کا ذکر اُس نے صرف معتضد کے سامنے اُس وقت کیا تھا جب زہر نے اُس کا حلق پوری طرح پکڑ لیا اور وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا لیکن سردار حرب الکندی آخر کہاں چلا گیا؟ اس کی الرصافہ سے اچانک غیر حاضری اور روپوشی ایک بھید بن گئی تھی۔

معتضد کی عجمی لونڈی شاہفرند نے اُسی کو موردِ الزام ٹھہرایا تھا جس نے ایک جعلی خط دکھا کر اُسے سام کی طرف بھگا دیا اور اُس کی جگہ الرصافہ کی کنیز کو اعلیٰ حضرت کی خلوت میں بھیجنے کا بندوبست کیا تھا۔

www.urdukorner.com

جیحک خاتون نے بھی دمنہ کو قصرِ معتمد میں لے جانے کا سارا ملبہ اسی پر ڈال دیا اور اپنا دامن صاف بچا لیا تھا۔

ابنِ حرب نے اگرچہ خود اپنے باپ کو قصرِ معتمد پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی لیکن اس بات پر یقین نہیں تھا کہ وہ قتل کے منصوبے میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس کے نزدیک ضرور جیحک ہی نے اُسے اُکسایا اور اپنا آلۂ کار بنایا ہوگا لیکن یہ بات سردارِ حرب ہی بتا سکتا تھا کہ دمنہ کس کے حکم و اشارہ سے معتمد کی خدمت پر مامور کی گئی تھی۔ وہ خود بھی باپ کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔

دریائے دجلہ کے مغربی کنارے کی آبادی میں سب سے آخر میں مسجدِ شونیزیہ اہلِ باطن کا مرکز تھی۔ اس کے ساتھ ہی شونیزیہ کا اُجاڑ قبرستان دور تک پھیلا ہوا تھا جہاں کریر، پھلاہی اور سانگر کے جھنڈ اور چند ٹوٹے پھوٹے ویران مقبرے بھی تھے جن کی نگہداشت نہیں کی گئی تھی۔ ابنِ حرب جانتا تھا کہ اُس کا باپ درپردہ فرقۂ باطنیہ سے دلچسپی رکھتا اور دو تین بار وہاں جا بھی چکا ہے۔ ممکن ہے خطرے کے پیشِ نظر کہیں شونیزیہ ہی میں چھپ گیا ہو۔

یہ سوچ کر وہ سورج طلوع ہوتے ہی محلہ خیزران سے نکلا اور شونیزیہ کی جانب چل دیا۔ بغداد محلہ در محلہ کئی میلوں میں پھیلا ایک عظیم شہر تھا جس کی نظیر پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد عربوں، ترکوں، عجمیوں، بربریوں، حبشیوں کی مخلوط آبادیوں نے اس شہر کو بین الاقوامی حیثیت دے دی تھی۔ کچھ عرصے سے جنوبی عراق کے بادیہ نشین قبیلے بھی عام آبادی سے ہٹ کر دجلہ کے مغربی کنارے آ بسے تھے۔ زیادہ آبادی مغربی ساحل پر تھی مگر دریا میں دن رات کشتیاں چلتی تھیں جن کے ذریعے دونوں حصوں کے درمیان آمد و رفت رہتی اور پل سے دُور آبادیوں کے لوگ عموماً کشتی کے سفر کو ترجیح دیتے تھے۔

محلہ خیزران سے شونیزیہ کی درگاہ بہت دُور تھی۔ وہ مغربی کنارے کی آبادیوں سے گزرتا شونیزیہ کی مختصر سی بستی میں پہنچا۔ درگاہ میں فرقۂ باطنیہ کے شیخ اور چند مریدوں سے ملاقات ہوئی۔ کسی نے اس کی آمد پر تعجب کا اظہار نہ کیا۔ ابنِ حرب کو اُن کے باطنی مسائل سے سروکار نہ تھا، صرف اپنے باپ کی خبر مطلوب تھی مگر معلوم ہوا کہ سردارِ حرب

نے کئی ماہ سے اُدھر کا رُخ بھی نہیں کیا۔ درگاہ سے نکل کر وہ دور تک پھیلے اُجاڑ اور ویران قبرستان میں بھٹکتا رہا، جہاں قبریں اور مقابر کم البتہ اونچی نیچی ناہموار زمین پر کریر اور سانگر کے جھنڈ زیادہ اور نصف فرسخ (ڈیڑھ میل) تک چلے گئے تھے۔ وہاں اُس کے لیے کچھ نہ تھا۔

کوئی سہ پہر کے قریب تھکا ہارا خیزران کی حویلی میں لوٹا تو پہلے سے زیادہ پریشان اور افسردہ تھا۔ ماں اس کے چہرے کا مضمون پڑھ کر کچھ اور نڈھال ہو گئی جسے شوہر کی روپوشی نے اُدھ مُوا سا کر دیا تھا۔ بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "ضرور تمہارے باپ پر کوئی مصیبت آئی ہے۔"

"اس مصیبت کا باعث صرف جیحک خاتون ہے۔ سب کچھ اُسی کا کیا دھرا ہے۔" ماں نے بیٹے کو کچھ بتانے کی کوشش کی کہ وہ ایسی غیر محتاط گفتگو نہ کرے مبادا اُن کی مصیبت میں کچھ اور اضافہ ہو جائے مگر ابنِ حرب صدمے اور غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں ماں! میرے باپ نے جیحک کے حکم کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کیا ہوگا۔"

اُسی لمحے ابنِ حرب کا غلام عبداللہ ہانپتا کانپتا حویلی میں داخل ہوا اور سیدھا ماں بیٹے کے پاس پہنچا۔ اس نے بتایا۔ "ملکۂ جیحک نے امیرالمومنین کو عرضی دی ہے کہ سردارِ حرب کے بارے میں اس کے بیٹے سے تفتیش کی جائے۔ اُسی نے باپ کو معتمد پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی، ہو سکتا ہے صاعد بن مخلد اور سوارِ مکین کی طرح قتل کا مشورہ بھی دیا ہو۔"

ابنِ حرب یہ سُن کر دنگ رہ گیا اور غصے میں چلایا۔ "وہ بدبخت عورت میری زندگی سے کھیلنا چاہتی ہے۔"

ماں کے ہاتھ سے پانی کا پیالہ چھوٹ کر فرش پر گرا۔ شوہر کے ساتھ اب بیٹے کی زندگی بھی خطرے میں نظر آئی مگر عبداللہ کے پاس ایک اطلاع اور تھی۔ ابنِ حرب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "امیرالمومنین نے تفتیش کی خاطر کرلان ترک کو آپ کی گرفتاری کا بھی اختیار دے دیا ہے۔"

یہ اطلاع اتنی حیرت انگیز تھی کہ ابنِ حرب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تفتیش کے لیے گرفتاری؟" ساتھ ہی غلام کی طرف رُخ کر لیا۔ "تم نے یہ بات کس سے اور کہاں سنی؟"

اب عبداللہ نے کچھ وضاحت ضروری سمجھی اور بتانے لگا کہ اُس نے عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی۔ وہیں کرلان ترک کو جعفر المفوض سے باتیں کرتے دیکھا اور ایک ستون کی اوٹ

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

www.urdukorner.com

میں کھڑے ہو کر ان کی باتیں سنیں۔ کزلان اُسے بتا رہا تھا کہ جیک خاتون نے اپنی عرضی میں شبہ ظاہر کیا ہے۔ شاید ابن حرب نے اپنے باپ کو اعلیٰ حضرت کے قتل کا مشورہ دیا ہو اور وہی جانتا ہو گا کہ سردار حرب کہاں چھپا ہوا ہے۔ امیر المومنین نے گرفتاری کا حکم اس لیے دیا ہے کہ تفتیش کے خوف سے کہیں وہ باپ کی طرح روپوش یا فرار نہ ہو جائے۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد عبداللہ نے کہا۔" وہ جعفر سے یہ بھی کہہ رہا تھا کہ آج رات آپ کو گرفتار کر لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ کزلان شام ہی کو گرفتاری کے لیے یہاں آ دھمکے گا۔"

ابن حرب نے غصے میں ایک طرف تھوک دیا۔" کزلان ترکیا، ابو عباس کے لشکر بھی مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اگر وہ امیر المومنین بن کر انسانیت کی حد عبور کر رہا ہے تو میں بھی برداشت کی حد سے نکل جاؤں گا۔"

ماں یہ سن کر پریشان ہو گئی اور سمجھانے لگی۔" امیر المومنین تمہارے دوست ہیں، ان سے مل کر اپنی مصیبت خود بیان کرو۔"

"یہ مشورہ دے کر تم مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہو ماں!" اُس نے معاملے کا ایک نیا اور خوف ناک پہلو پیش کیا۔" حکومت کو اس وقت کسی ایسے شخص کی تلاش یا ضرورت ہے جس کی گردن میں وہ موت کا پھندا ڈال سکے اور لوگ یہ سمجھ کر خاموش ہو جائیں کہ معتمد کا قاتل اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہ سیاست کا کھیل ہے جس میں بے گناہ بھی تختۂ دار پہ کھینچ دیے جاتے ہیں اور ابو عباس جیسا بے رحم آدمی سیاست کے اس کھیل میں میری دوستی بلکہ زندگی کی بھی پروا نہیں کرے گا۔"

بوڑھی عورت پر ایک سکتہ سا گزر گیا۔ ذرا سنبھلی تو اُس کی ممتا بولی۔" اگر تمہیں امیر المومنین کی دوستی پر اعتماد نہیں تو اس سے پہلے کہ کزلان ترک حویلی کے دروازے پر دستک دے یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

ابن حرب نے دیوار سے لٹکتی تلوار بڑی تیزی سے اتاری اور کمر سے باندھنے لگا۔ اُسی تیزی سے ماں کا دل دھڑکا۔" جاؤ گے کہاں؟"

پچھلے صفحے کا حاشیہ

بغداد خلیفہ منصور ابو جعفر کے عہد میں تعمیر ہوا۔ دمشق کی مسجد بنو اُمیہ کے جواب میں اُس نے ایک بڑی مسجد بھی تعمیر کرائی جس کا نام "جامع منصور" رکھا۔ (قمر جنالوی)

"اب یہ سوال مجھ سے نہیں، اس تقدیر سے کرو جو مجھے بغداد سے نکال رہی ہے مگر جہاں بھی جاؤں گا، باپ کی مصیبت اور تمہارا دکھ یاد رکھوں گا۔"

پھر غلام کی طرف متوجہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔" میں اسی وقت حویلی کے عقبی دروازے سے نکل جاؤں گا اور رات کو قبرستان شونیزیہ کے تیسرے مقبرے میں تمہارا انتظار کروں گا۔ عشا کے وقت میرا گھوڑا اور اس کی خرجی میں کچھ سامان لے کر مجھ سے وہیں ملو لیکن ہوشیار رہنا کوئی تمہارا پیچھا نہ کرے۔"

عبداللہ کو ہدایات دے کر اس نے فرار ہونے میں دیر نہ لگائی اور ماں کے قدم چھو کر حویلی کے عقبی دروازے سے نکل گیا۔ ابھی شام کا جھٹپٹا نہیں اترا تھا مگر کوئی اُسے حویلی سے نکلتے نہ دیکھ سکا۔ سر اور منہ کو چادر میں لپیٹے وہ محلہ خیزران سے بھی نکلتا چلا گیا۔

کزلان ترک کے متعلق عبداللہ کا اندازہ اُس کی اپنی توقع سے بھی کہیں زیادہ درست نکلا۔ ابھی ابن حرب کو حویلی سے نکلے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے کنڈی گرا کر بھاری کواڑ کھولے، تو کزلان ترک اپنے پانچ مسلح سواروں سمیت طوق و سلاسل لیے سامنے نظر آیا اور دروازہ کھلتے ہی کڑک کر بولا۔" میں امیر المومنین کے حکم سے ابن حرب کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ اُسے کہو باہر نکلے اور یہ طوق پہن لے۔"

ابھی عبداللہ نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ بوڑھی عورت خود دروازے پر پہنچ گئی اور کزلان کے ساتھ مسلح سواروں کو دیکھ کر لرز گئی۔" میرے بیٹے نے کیا جرم کیا ہے؟"

"جرم امیر المومنین بتائیں گے۔ میرا کام صرف زنجیر پہنانا ہے۔ اُسے باہر نکالو۔"

"وہ اس وقت گھر میں نہیں۔" بڑھیا نے بہ مشکل جواب دیا۔

"کہاں چلا گیا؟"

"کہیں اپنے بدنصیب باپ کو ڈھونڈ رہا ہو گا۔"

کزلان ترک نے بڑی سنگدلی سے جواب دیا۔" اب سردار حرب کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، اس کی لاش مل گئی ہے۔"

یہ سنتے ہی عورت چیخ کر گر پڑی۔ غلام نے اُسے سنبھالا اور کزلان سے پوچھا۔" لاش کہاں سے ملی؟"

"بغداد سے کئی فرسخ دور دجلہ کے ساحل پر لیکن وہ ڈوب کر نہیں مرا کسی نے

www.urdukorner.com

اُسے قتل کیا ہے۔"

یہ ایک اور اندوہناک خبر تھی۔ اچانک کزلان گھوڑے سے اُترا اور حرب کی بیوی کو جو اُس خبر کے ساتھ ہی بیوہ ہو گئی تھی، ایک خاص ساخت کا خم دار خنجر دکھا کر کہنے لگا "اس خنجر کو پہچانتی ہو؟"

عورت نے خنجر کو شناخت کرنے سے انکار کیا تو کزلان نے بتایا "حرب کو اسی خنجر سے ہلاک کیا گیا ہے۔"

پھر اپنی جیب سے سونے کی ایک انگوٹھی نکالی، جس کی چھوٹی سی کٹوری میں سبز رنگ کا زمرد جڑا ہوا تھا اور انگوٹھی اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پوچھا "تم نے یہ انگوٹھی پہلے بھی کبھی دیکھی ہے؟"

عورت نے پھر نفی میں سر ہلایا اور کزلان ترک کہنے لگا "یہ انگوٹھی الرصافہ میں پہچان لی گئی ہے کیونکہ دمنہ اسے پہنتی تھی لیکن سردار حرب کی جیب سے برآمد ہوئی ہے۔"

اچانک عورت نے سوال کیا "میرے خاوند کو کس نے ہلاک کیا؟"

"یہ بات ابھی نہیں بتائی جا سکتی لیکن امیر المومنین کا خیال ہے، تمہارے بیٹے کی گرفتاری اب اور ضروری ہو گئی ہے کیوں کہ وہ اس خنجر اور انگوٹھی کو پہچانتا ہے۔" پھر کزلان ترک بڑے سخت اور کرخت لہجے میں بولا "ابنِ حرب کا بھلا اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے۔ میں پھر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر سواروں کے ہمراہ لوٹ گیا۔ غلام نے حویلی کا دروازہ بند کر لیا اور ابنِ حرب کی سوگوار ماں کو محسوس ہوا جیسے شوہر کی طرح اُس کے بیٹے پر بھی زندگی کا ہر دروازہ بند ہو گیا ہے اور اگر وہ آج رات بغداد سے نکل نہ گیا تو ضرور گرفتار ہو جائے گا۔

★

شعبان کی ساتویں رات کا چاند بغداد کے آسمان پر روشن ہو چکا تھا اور ابنِ حرب قبرستانِ شونیزیہ کے تیسرے مقبرے کی دیوار سے ٹیک لگائے جہاں جھنڈ کی گھنی شاخوں نے اپنا سایہ ڈال رکھا تھا، اُن عجیب و غریب واقعات پر غور کر رہا تھا جو ناگہاں پیش آئے اور جن کے خطرناک جال سے نکلنے کی خاطر اس کا بغداد سے فرار ضروری ہو گیا تھا۔

بیٹھے بیٹھے اُس کے ذہن پر ایک ایسا منظر گزرنے لگا جو اُس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حیران ہوا کہ آخر یہ اَن دیکھا منظر کہاں سے آ گیا؟ ذہن عام طور پر وہی منظر دہراتا اور آدمی خیال و تصور میں اُنہی واقعات کی جھلک دیکھتا ہے جو ماضی میں پیش آ چکے ہوں لیکن ذہن سے گزرنے والا عجیب سا منظر خلیفہ معتضد ابو عباس کی دشمنی اور عداوت کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ حالاں کہ قبل ازیں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عباسیہ کا ولی عہد احمد ابو عباس، جس کا دوست اور محافظ بھی تھا، تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی ایک ایسے معاملے میں اس کی گرفتاری کا حکم صادر کرے گا جس سے اُس کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ یہ سلوک تو عداوت اور دشمنی کا مظہر تھا۔

اس کے ساتھ ہی کسی گہرے گڑھے سے نکل کر الفاظ کا ایک بگولہ ذہن میں اُڑنے اور کسی روایتی بھوت کی طرح چکر کاٹنے لگا جس کی گونج سن کر وہ حیران ہو رہا تھا۔ یہ گونج جعفر نجومی کی آواز سے ملتی جلتی بلکہ درحقیقت اسی کے الفاظ کی گونج تھی جس نے پیش گوئی کی تھی کہ احمد ابو عباس گرفتاری کا حکم دے گا اور ابنِ حرب پر بغداد کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ صرف وہی لمحہ یا وقت اُسے موت سے بچا سکے گا جس میں وہ بغداد سے بھاگ جائے گا۔ اب سمجھ گیا کہ اس کے ذہن سے ابھی ابھی جو عجیب سا منظر گزرا ہے وہ ماضی میں تو کسی واقعے کی صورت پیش نہیں آیا۔ البتہ جعفر نجومی نے اپنی پیش گوئی میں بیان کیا تھا جسے اس نے فراغت بخش کر تمسخر میں اڑا دیا بلکہ ایسی "بے ہودہ اور جھوٹی" پیش گوئی کرنے پر جعفر کو بُرا بھلا کہنے کے درپے تھے کہ وہ کسی ماہر حکیم سے اپنے دماغ کا علاج کرائے، اور ایسی پیش گوئیاں کرنے سے باز آ جائے۔

اُس نے جعفر کے الفاظ اور اشارات اپنے ذہن کے کسی گہرے گڑھے میں پھینک دیے یا دفن کر دیے تھے کہ کہیں کوئی دوسرا آدمی نہ سُن پائے مگر کس قدر عجیب بات تھی کہ جعفر کا کہا جوں کا توں پورا ہوا بلکہ وہ پیش گوئی ایک منظر میں ڈھل کر کسی واقعے کی طرح اُس کے ذہن سے گزری تھی۔ اب رہ رہ کر افسوس کر رہا تھا۔ کاش! اُس نے جعفر کا مذاق نہ اُڑایا ہوتا اور اس کے الفاظ و اشارات کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کی ہوتی، تو آج ناگہانی مصیبت پیش نہ آتی۔

اُسی لمحے ذہن میں اُڑتے بگولے کا حلقہ آپ سے آپ ٹوٹ گیا اور وہ سوچنے لگا

www.urdukorner.com

یہ علمِ نجوم بھی کتنا پُراسرار ہے کہ اہلِ فلکیات ستاروں کی گردش و رفتار اور برج سماوی کے مشاہدے سے زمین پر رونما ہونے والے واقعات کا علم قبل از وقت حاصل کر لیتے ہیں اُسے اعتراف کرنا پڑا کہ جعفر نجومی زائچہ نکالنے، حساب کرنے اور کتابِ تقدیر کا لکھا پڑھنے میں بڑا ماہر تھا۔

یہی سوچ رہا تھا کہ شونیزیہ کی مسجد سے جو کافی فاصلے پر تھی۔ اذان کی آواز کان میں پڑی۔ اس نے اپنے غلام کو عشا دہی کے وقت قبرستان میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اذان سُن کر اُٹھا اور مقبرے پر جھکی جنڈ کی شاخوں کے گھنے سائے سے نکلا جہاں وہ خود بھی اپنے وجود کا سایہ بن کر بیٹھا تھا۔ جنڈ، کریر اور ببول کے جھنڈ جن میں کہیں کہیں پھلاہی کے درخت بھی نظر آتے، دور تک پھیلے تھے، چاندنی اُن کی شاخوں اور پھلیوں سے چھن کر ناہموار زمین اور اونچے نیچے خاکستری ٹیلوں پر "دھوپ چھاؤں" کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اُسی "دھوپ چھاؤں" میں چلتا ذرا آگے بڑھا تو قبرستان کے مشرقی حاشیے پر ایک سوار کو نمودار ہوتے اور تیسرے مقبرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ پھر سائے سے نکل آیا کیوں کہ اپنے غلام کو پہچان لیا تھا۔

عبداللہ سیدھا اُسی کی جانب آیا اور گھوڑے سے اُترتے ہی سردارِ حرب کے المناک قتل کی وہ روداد سنائی جو کزلان ترک نے بیان کی تھی۔ خمدار ہلالی خنجر اور سبز زمرد کی انگوٹھی کا خصوصیت سے ذکر کیا اور بتایا "امیر المومنین کے نزدیک اب آپ کی گرفتاری اور بھی ضروری ہو گئی ہے کیونکہ آپ اُس خنجر اور انگوٹھی کو پہچانتے ہیں۔"

باپ کے قتل کی خبر سن کر ابن حرب صدمے سے نڈھال اور گُم صُم ہو گیا مگر خم دار ہلالی خنجر اور سبز پتھر کی انگوٹھی کے ذکر پر بھڑک اٹھا اور غصے میں دانت پیس کر بولا۔ "ابو عباس! میں تمھیں دکھاؤں گا کہ خم دار خنجر سینے میں کیسے اُترتا ہے۔ اب تم کسی رحم کے مستحق نہیں۔ میرے باپ کا خون جبک کی گردن پر ہے اور میں انتقام لینا کبھی نہیں بھولتا۔"

عبداللہ ضروری سامان کے علاوہ سرخ دیناروں (اشرفیوں) کی ایک چرمی ہمیانی بھی لے آیا تھا جس میں پوری سو اشرفیاں بھری تھیں۔ اُس نے ہمیانی اپنی عبا کے نیچے پیٹی کی طرح کمر میں باندھی اور گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اب بغداد سے فرار اور بھی ضروری ہو گیا تھا

تاکہ جس قدر جلد ہو سکے، معتضد کی حدودِ سلطنت سے نکل جائے لیکن ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ جائے کہاں؟

حماۃ، حلب، دمشق، القدس کتنے ہی شہر ذہن میں اُبھرے، جن پر بنی طولون کا حکم و اختیار تھا مگر وہاں کسی سے شناسائی نہ تھی۔ اچانک گھوڑے کی پشت پر دو تھیلوں کی خرجی پر نظر پڑی تو عریش کی کارواں سرائے کا مالک سلیمان بن عامر یاد آ گیا۔ جنگِ طواحین میں جو احمد ابو عباس کی کمان میں لڑی گئی، ابن حرب گرفتار ہوا اور جنگی قیدی بنا کر شام سے مصر لایا گیا تھا جہاں شہزادی قطر الندیٰ کی سفارش پر اُسے عریش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا گیا۔ سلیمان بن عامر نے اُس کے ساتھ دوستانہ سلوک کیا۔ قید سے رہائی بخشی۔ رختِ سفر کے علاوہ بغداد پہنچنے کے لیے ایک گھوڑا بھی دیا جس کی پشت پر زین کے پیچھے یہی دو تھیلوں کی خرجی تھی۔ ایک تھیلے میں اُس کی خوراک کا ذخیرہ، دوسرے تھیلے میں گھوڑے کے لیے دانہ اور چارہ۔ سلیمان نے اُسے عریش سے جو مصر میں داخلے کا دروازہ سمجھا جاتا ہے رخصت کرتے ہوئے کہا تھا۔ "ابن حرب ہم اچھے یا بُرے دنوں میں جب کبھی مصر کا رُخ کرو عریش کی کارواں سرائے کا دروازہ تمھیں کھلا ملے گا۔"

سلیمان بن عامر اُسے پناہ دے سکتا تھا۔ عریش کی کارواں سرائے آواز دے رہی تھی۔ اُس نے عریش جانے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ معتضد کے حریف سلطان خمارویہ کی طولونی مملکت میں، جہاں وہ نہ صرف خود محفوظ رہ سکتا بلکہ سلیمان بن عامر کی مدد سے جو حکمران خاندان تک رسائی رکھتا تھا، اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا بھی بندوبست کر سکتا تھا۔

منزل کا تعین کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ غلام کو الوداع کہی اور مرکب کو ایڑ لگا دی۔ چاندنی رات میں شونیزیہ کے قبرستان کا سناٹا ٹاپوں کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ وہ عباسیہ کی سلطنت سے طولونی مملکت کی طرف جا رہا تھا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ تقدیر راستے میں پھندا لگا کر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی قبرستان کا مغربی حاشیہ چھوڑ کر آگے بڑھا، ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر پانچ چھ مسلح سوار اس پر جھپٹے اور کزلان ترک کی آواز سنائی دی۔

"ابن حرب! اپنے آپ کو گرفتار سمجھو۔"

یہ دھاوا بالکل اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس نے تلوار نیام سے کھینچ کر گھوڑے

www.urdukorner.com

کی بھاگ ڈھیلی چھوڑ دی جو خطرے کو سمجھ کر آندھی کی طرح اُڑتا چلا گیا اور اپنے سوار کو لے کر آگے بڑھا۔ وہ مغرب کی سمت سرپٹ بھاگا جا رہا تھا مگر کزلان ترک اور مسلح سوار بدستور پیچھا کر رہے تھے۔ اُس نے اپنے عقب میں اُس کی آواز سُنی۔

"ابن حرب! بھاگنا فضول ہے۔ تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

اس نے گھوڑے کی رفتار کچھ اور بڑھا دی اور سوچا۔ خلیفہ نے اس کی گرفتاری کے لیے انتہائی خطرناک آدمی مقرر کیا ہے اور اگر وہ بغداد کی فصیلوں سے نکل نہ آیا ہوتا کیونکہ شونیزیہ کا قبرستان شہر کی آخری فصیل سے بھی باہر تھا، تو کزلان ترک اُسے بغداد سے نکلنے نہ دیتا اور کسی فصیل کے آس پاس ہی گھیرا ڈال کر گرفتار کر لیتا مگر اب اُس کے رستے میں کوئی فصیل، کوئی دیوار، کوئی دروازہ نہ تھا۔

وہ کزلان ترک اور اس کے سواروں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا اور اپنی رفتار کم نہیں کی لیکن بہت دور، بہت پیچھے وہ موت کی ہلکی سی دھمک سُن رہا تھا۔

کزلان ترک اور پانچوں سوار بدستور اُس کے تعاقب میں تھے۔

۷

تعاقب

ابن حرب نے العریش کو اپنی منزل ٹھہرایا تھا جو مصر کا باب داخلہ سمجھا جاتا اور بحیرۂ روم کی اُس ساحلی پٹی پر واقع ہے جو مصر اور فلسطین کو باہم ملاتی ہے۔ اب وہ شام، فلسطین یا مصر ہی میں محفوظ رہ سکتا تھا۔ خلیفہ معتضد کا حکم و اختیار سرحد عراق سے اِدھر ختم ہو جاتا اور آگے طولونی اختیارات کا حلقہ شروع ہوتا تھا۔

وہ شام و فلسطین اور مصر کے راستوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ عباسی لشکروں کے ہمراہ رملہ تک سفر کر چکا بلکہ جنگِ طواحین میں شکست کے بعد جنگی قیدی کی حیثیت سے ایک سال کا عرصہ فسطاط اور عریش میں بھی گزار آیا تھا۔ عریش کی کارواں سرائے سے رہا ہو کر ایک قافلے کے ساتھ پہلے دمشق اور وہاں سے بغداد پہنچا لیکن عریش سے بغداد تک سفر اُن معروف اور تاریخی راستوں پر ہوا تھا جن پر قدیم زمانوں سے تجارتی کارواں اور فوجی قافلے سفر کرتے اور شام کی صحرائی ریاست تدمر کے علاقے سے عراق میں داخل ہوتے تھے۔ وہ راستے جو تجارتی شہروں سے گزرتے، بلاشبہ محفوظ تھے لیکن اُن کی مسافت طویل اور تھکا دینے والی تھی جب کہ وہ جلد از جلد عراق کی سرحد سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ محفوظ ہو سکے۔

اُس نے اپنے ذہن میں سفر کا ایک نقشہ بھی تیار کر لیا اور بغداد کے نواح سے تھوڑے ہی گھوڑے کا رُخ مغرب کی جانب موڑ دیا تاکہ دریائے فرات تک جا پہنچے اور

www.urdukorner.com

اُس کے جنگل بیلے کے ساتھ ساتھ شام کی طرف بڑھتا رہے۔ شام کی سرحد تک دشتِ فرات اُس کا دیکھا بھالا تھا جہاں وہ دو تین مرتبہ شکار کے لیے آچکا اور جنگل کے خطروں کو بھی سمجھتا تھا۔ ایسی حالت میں جب سوار تعاقب میں تھے، کسی معروف شاہراہ کی بجائے دشتِ فرات کی پٹی پر سفر لستاً محفوظ تھا۔ اُس نے عراق سے نکلنے کے لیے وہی راستہ بہتر سمجھا جس راستے سات ماہ قبل طولونی شہزادی اسماء قطر الندیٰ درندے سے بچنے کی خاطر شام کی سرحد پار کر کے عراق میں آگئی تھی۔

مصر و شام عباسیوں سے کنارا کر چکے تھے۔ ان حالات میں منذر ابن حرب نے اگر مصر جانے کا فیصلہ کیا تو اس میں اپنے تحفظ کے علاوہ باپ کے انتقام کا سیاسی جذبہ بھی کارفرما تھا۔ شمالی افریقہ میں بھی ایک زبردست شورش برپا تھی اور ابن حرب کو خلیفہ معتضد کے خلاف اُسی علاقے سے مدد مل سکتی تھی۔ بہرحال اُسے ہر قیمت پر عراق سے نکل جانا اور اپنی گرفتاری کے منصوبے کو ناکام بنانا تھا جس کے لیے اُس نے معروف شاہراہ کو چھوڑ کر دشتِ فرات کا راستہ منتخب کیا۔ کیوں کہ معروف راستے کی بجائے جنگل کے سفر میں وہ خود کو زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔

دجلہ و فرات کی درمیانی وادی جس میں کاشت کاری ہوتی اور آب پاشی کے لیے قدیم طرز کا نہری نظام قائم تھا، عام طور سے ڈھائی تین دن میں طے ہوتی تھی لیکن خطرے کی حالت میں ابن حرب تین دن کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر لینا چاہتا تھا۔ وہ فرات کی پٹی پر تیز سفر کر کے تیسرے دن شام کی سرحد میں داخل ہو سکتا تھا۔ اُس کا گھوڑا اعلیٰ ترین عراقی نسل کے اُن گنے چنے گھوڑوں میں سے تھا جو تیز رفتاری میں یکتائے زمانہ سمجھے جاتے اور میدانِ جنگ میں سریع الحرکت ہونے کی وجہ سے سپہ سالاروں، بڑے بڑے سرداروں اور دھاوا کرنے والے یکہ تاز سواروں کے لیے مخصوص ہوتے یا شاہی سواری کے کام آتے تھے۔

اُسے اپنے تربیت یافتہ گھوڑے پر بڑا اعتماد تھا جو ایڑی کی ضرب اور لگام کے اشارے کو سمجھتا اور اُسے کزلان ترک اور اُس کے پانچوں سواروں کے خطرناک گھیرے سے بحفاظت نکال لایا تھا۔ کئی فرسخ تک سرپٹ بھاگنے کے باوجود اُس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ چاندنی کھیتوں، نخلستانوں، میدانوں اور راستوں میں کھیت کر رہی تھی اور چاندنی میں برق رفتار گھوڑا کھیت، نخلستان، میدان، راستے اور اُن کے موڑ کاٹتا

بغداد سے نو، دس فرسخ دور نکل آیا تھا۔ اب تعاقب کرنے والے اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

کزلان ترک اور اُس کے سوار شوبیز کے قبرستان میں پہلی مات کھانے کے بعد بُری طرح جھنجھلا گئے۔ اسی جھنجھلاہٹ میں انھوں نے پہلے سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور اُسے بغداد کے نواحی علاقے ہی میں گھیرنے کی کوشش کرتے رہے مگر کسی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کوئی سوار اُس فاصلے کو پاٹ نہ سکا جو تربیت یافتہ فوجی گھوڑے نے اُن کے درمیان حائل کر دیا تھا۔ بغداد کے نواح سے نکلتے ہی وہ فاصلہ مزید بڑھتا چلا گیا۔ چار پانچ فرسخ تک ابن حرب اپنے عقب میں تعاقب کی دھمک سنتا رہا لیکن اس بھاگ دوڑ میں وہ بہت آگے نکل آیا تھا اور تعاقب کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اب عقب میں کوئی دھمک، کوئی آواز، کوئی آہٹ نہ تھی۔ فقط چاندنی کا غبار تھا، رات کا سناٹا تھا، راستوں کی خاموشی تھی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ہلکی کر کے روشن آسمان پر نظر ڈالی اور ستاروں کی ترتیب سے اندازہ لگایا کہ رات اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی ہے۔

وہ بغداد کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا، خیال گزرا، کزلان ترک اپنے سواروں سمیت ناکام و نامراد لوٹ گیا اور کہیں بیٹھا سوچ رہا ہوگا کہ خلافت مآب معتضد ابوعباس کے سامنے اپنی ناکامی کا کیا عذر پیش کرے گا؟

اُس کے نزدیک اب گھوڑے کو بھگانے اور تھکانے سے کچھ حاصل نہ تھا بلکہ اُسے تھوڑا سا آرام دینے کی ضرورت تھی۔ اس کی منزل دور اور سفر طویل تھا۔ طویل سفر میں گھوڑے اور سوار دونوں کے لیے کچھ وقفہ، کچھ آرام ضروری ہوتا ہے۔ اس نے ایک نالے پر جس کی دوسری جانب ایک گھنا نخلستان پھیلا ہوا تھا، گھوڑا روک لیا۔ نالہ خشک تھا لیکن کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کی ایک ٹیڑھی میڑھی ساکن لکیر دیکھ کر جانور ہنہنایا۔ ابن حرب اُسے لے کر نالے میں اتر گیا۔ گھوڑے کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی وہی لکیر کافی تھی۔

رات خاموش تھی۔ چاند مغربی اُفق کی جانب جھک رہا تھا اور گھنے نخلستان میں کھجوروں کی پتیوں کے سائے سحر و خواب کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جن کے درمیان اُن کے لمبے لمبے، ترچھے یا سیدھے تنے بے ترتیب ستونوں کی مانند ایستادہ تھے۔ ابن حرب

www.urdukorner.com

نالے کے دوسرے کنارے کھڑا کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا، جہاں تھوڑی دیر آرام کر سکے۔ دور نخلستان کے مشرقی گوشے میں ایک جھونپڑا نظر آیا۔ شاید وہاں کوئی رکھوالا ہو، شاید نہ ہو مگر آرام کرنے کے لیے وہ جگہ موزوں تھی۔ معاً خیال آیا اس سفر میں رکھوالے سے ملنا اپنی شناخت کرانا اور اپنے پیچھے کوئی نشان چھوڑ جانا ہرگز مناسب نہیں اُسے تو حتی الامکان لوگوں سے مخفی رہنا چاہیے۔ یہی سوچ کر نالے کے کنارے کنارے اُس خاکستری ٹیلے کی جانب ہو لیا جس کے پہلو میں کمر سیدھی کرنے کے لیے ہموار جگہ دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے صرف اتنی ہی دیر رکنا تھا کہ گھوڑا تازہ دم ہو جائے۔ ابھی وہ اُس جگہ کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ ناگہاں دور کہیں ایک نامعلوم سی دھمک اُبھری یا شاید اُس کے اپنے ہی کان بجے تھے۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا، وہ چونک سا گیا۔ احتیاطاً ٹیلے پر چڑھ کے مشرق کی سمت اُن راستوں پر نظر ڈالی جنھیں پیچھے چھوڑ آیا تھا، تو کوئی نصف فرسخ دور چاندنی کے غبار میں کچھ دھم سے دھبے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ وہ اُن دھبوں کو لپکتے اور بتدریج بڑھتے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

چاندنی رات کے سناٹے میں ڈیڑھ میل دور ٹاپوں کی ہلکی ہلکی دھمک کچھ اور واضح ہو گئی تھی جس پر پہلے وہم و گمان کا شبہ گزرا تھا لیکن یہ کوئی وہم نہ تھا بلکہ دھبوں کی صورت کزلان ترک اپنے پانچ سواروں کے ہمراہ بدستور اُس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ اب تو چاندنی میں دھول بھی اُڑتی نظر آنے لگی تھی، جسے ہر سوار اپنے پیچھے چھوڑ آتا ہے۔

ابن حرب پر مارے حیرت کے سکتہ سا گزر گیا۔ وہ کزلان ترک اور اس کے سواروں سے خوف زدہ نہیں تھا بلکہ یہ بالکل خلافِ توقع اور حیرت انگیز بات اس کے لیے کسی اچنبھے سے کم نہ تھی کہ انتیس تیس میل کی طویل مسافت کے بعد بھی خلیفہ کے فرستادوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اُسے اپنی آنکھوں سے اوجھل یا دوسرے لفظوں میں "گم" کر دینے کے باوجود تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ آخر اس کا کیا مطلب تھا؟

وہ سوچ رہا تھا کہ کزلان مایوس و دل شکستہ بغداد کی طرف لوٹ گیا ہوگا جو اُسے گھیر ڈال کر پکڑنے میں ناکام ہو گیا تھا پھر ایسے تعاقب سے کیا حاصل ہوتا جس میں وہ اپنے "شکار" سے میلوں پیچھے رہ گیا اور کسی صورت اسے پکڑ نہ سکتا تھا کیوں کہ ابن حرب کا گھوڑا شاہی رسالے کے گھوڑوں کی طرح برق رفتار اور تربیت یافتہ تھا اور کزلان ترک اور

اُس کے سواروں کے گھوڑے بھاگ دوڑ میں اس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

جب کوئی پرندہ جال کا پھندا توڑ کر نکل جائے تو شکاری اپنا جال لپیٹ لیتا ہے مگر یہاں اچنبھا یہ ہوا کہ جال پرندے کے تعاقب میں بھاگا آ رہا تھا جس سے ابن حرب نے اندازہ لگایا کہ اُس کی گرفتاری کے احکام بڑے سخت ہوں گے۔

معاملے کی اس سنگین صورت کا احساس کر کے وہ بہ سُرعت ٹیلے سے اترا، ایک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔ جانور اپنے مالک کا اشارہ سمجھ گیا کہ خطرہ ابھی دور نہیں ہوا بلکہ قریب آ گیا ہے۔ اس نے لہرے کے ایک سپاٹا بھرا اور ہوا کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ چاندنی رات میں غالباً تعاقب کرنے والوں نے بھی اس کی جھلک دیکھ لی اور اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ نصف فرسخ کا وہ فاصلہ جو اُن کے درمیان حائل تھا، کم کر سکیں۔

ابن حرب اسی بات پر حیران تھا کہ وہ کزلان ترک کا گھیرا توڑ کر اُس کی انگلیوں کے درمیان سے نکل آیا اور دسترس سے بہت دور ہو گیا تھا، پھر بھی وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا لیکن یہ کزلان ترک نہیں، ابن حرب کی اپنی تقدیر اُس کا پیچھا کر رہی تھی اور اُسے ہر طور تقدیر کے ہاتھوں سے بھی نکل جانا تھا۔

رُکنے کو اگرچہ صرف چند لمحے میسر آ سکے تھے۔ پھر بھی پیاس بجھانے کے بعد گھوڑا کچھ تازہ دم ہو گیا اور ایک بار پھر پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ یکّہ تاز ابن حرب اس کی پشت پر پوری طرح چاق و چوبند بیٹھا سوچ رہا تھا، شاید خلیفہ کے سوار سرحدِ عراق تک اُس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے مگر وہ اپنے اور اُن کے مابین ایک ناقابلِ عبور فاصلہ حائل رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ناگہاں محسوس ہوا کہ اس بھاگ دوڑ میں وہ تنہا نہیں بلکہ کوئی اور بھی اُس کے ہمراہ بھاگ رہا ہے اور وہ جعفر نجومی کی پیش گوئی کے الفاظ تھے، جو بغداد سے اُس کے ساتھ ہی بھاگے اور اب دوش بدوش اُڑے جا رہے تھے۔

کیا کہا تھا جعفر نجومی نے کہ ایک دن بغداد کے دروازے اُس کے لیے بند کر دیے جائیں گے اور اُسے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ صرف وہی لمحے اُس کی زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں، جن میں اُسے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔

www.urdukorner.com

ان الفاظ کو اپنے دوش بدوش بھاگتے، دوڑتے دیکھ کر اُس کا ذہن بار بار اُلجھ جاتا اور یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ باپ کی ہلاکت کے بعد اب بغداد میں اُس کی بوڑھی ماں کا پُرسانِ حال کون ہوگا! بے سہارا ماں کی طرح وہ باپ کے انتقام کو بھی پیچھے چھوڑے جا رہا تھا اور بغداد سے صرف اپنی زندگی لے کر بھاگا تھا۔

غالباً جعفر نحوی کے الفاظ نے اُس کی پریشانی کو بھانپ لیا۔ وہ سمٹ کر ایک فقرے میں منتقل ہو گئے۔ اور وہ فقرہ خود بخود بولنے لگا کہ فی الحال زندگی ہر چیز پر مقدم ہے۔ ابنِ حرب نے یہ آواز سُنی اور اپنے آپ کو تسلی دینے لگا۔

نہ جانے یہ اُس کے اپنے ذہن کی آواز تھی جو اُس نے سُنی یا جعفر نحوی کسی نامعلوم مقام پر بیٹھا پُراسرار علم سے اُس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ لوگوں نے سات مہینے قبل اُسے اپنے گدھے پر سوار بغداد سے نکلتے دیکھا تھا مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ بغداد سے نکل کر اُس نے کس شہر کا رُخ کیا اور اس وقت کہاں ہوگا؟

ابنِ حرب کو بہرحال زندگی کی ضرورت تھی۔ جو کچھ اُسے کرنا تھا، وہ زندہ رہ کر ہی کر سکتا تھا۔ جان بچانے اور خلیفہ کے فرستادوں سے بچ نکلنے کی جدوجہد پہلے سے بڑھ گئی۔ وہ کزلان ترک سے ایک بار پھر بہت آگے نکل آیا۔ اُن کے درمیان غالباً فاصلے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ مفرور اپنے پیچھے قدموں کے نشانات چھوڑتا جا رہا تھا اور سرحدِ شام سے اِدھر جہاں بھی آرام کرنے کے لیے رُکے گا یا غفلت کی نیند سو رہا ہوگا کہ رات بھر کے جاگے اور تھکے ہارے مسافر کا آرام کی خاطر کہیں نہ کہیں رُکنا اور تھوڑی سی نیند ضروری تھا، وہیں بدنصیبی اُس کے گلے میں طوق اور ہاتھوں میں زنجیر ڈال دے گی۔

چاند کا زرد قرص، مغربی اُفق میں ڈوب رہا تھا جب ابنِ حرب دشتِ فرات کی پٹی پر نمودار ہوا۔ ابھی رات ایک پہر باقی تھی اور آخر شب صحراؤں میں چلنے والی ٹھنڈی ہوا نیند کا طلسم پھونکتی گزر رہی تھی مگر اُسے آرام کے لیے کہیں رُکنا نہیں تھا۔ مشرقی وسطیٰ کے اس علاقے میں طویل سفر کرنے والے قافلے یا اکا دُکا مسافر راتوں کو منزل کی طرف گامزن رہتے اور سورج چڑھنے کے بعد بھی سفر جاری رکھتے تھے۔ البتہ دوپہر سے قبل دن کے لیے کہیں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ اِس خطے میں راتیں سفر کے لیے اور دن آرام کے لیے تھے۔

ابنِ حرب اپنے غیر معمولی تعاقب سے یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ خلیفہ کے آدمی سرحدِ شام سے اِدھر ہی کہیں اسے گھیرنے اور گرفتار کرنے کا موقع تلاش کریں گے اور یہ موقع اُنھیں دن کو اُس وقت میسر آ سکتا تھا جب وہ کہیں آرام کے لیے رُکے گا۔ دریا کے ساتھ ساتھ کم و بیش ستر فرسخ یعنی تقریباً دو سو دس میل کا فاصلہ طے کر کے وہ سرحدِ شام میں داخل ہو سکتا تھا۔ اتنے طویل سفر میں اُس کا کہیں نہ کہیں رُکنا اور آرام کرنا لازمی تھا۔ اس لیے چاہتا تھا کہ تیز سفر کر کے اتنا آگے نکل جائے کہ کزلان ترک کو اُس پر چھاپہ مارنے کا موقع نہ مل سکے۔

دشتِ فرات کی پٹی پر رُک کر اُس نے اپنے عقب میں نظر ڈالی۔ ڈوبتے چاند کی روشنی میں میلوں تک پیچھے کوئی آواز، کوئی آہٹ، کوئی دھمک، کوئی علامت دکھائی یا سنائی نہ دی، جو کسی پریشانی کا باعث ہوتی۔ وہ خطرے کو بہت پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل آیا تھا۔ اور دشتِ فرات میں خود کو پہلے سے زیادہ محفوظ سمجھ رہا تھا جہاں کسی جنگلی درندے کا خطرہ تو لاحق ہو سکتا تھا لیکن کزلان ترک کا اُسے ڈھونڈ لینا ممکن نہیں تھا، پھر بھی اُس نے بیلے میں گھسنے کی غلطی نہیں کی بلکہ اس کی چٹیل پٹی پر جہاں کہیں کہیں جھاڑیاں اور سرکنڈوں کے درمیان کریر کا کوئی اکا دُکا درخت تھا، شمال کی طرف آگے بڑھا۔ مسلسل سفر اور آگے بڑھتے رہنے ہی میں اُس کی نجات تھی۔

چاند کے ڈوبتے ہی فرات کے جنگل بیلے کو گہری تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ اس تاریکی میں بھی چلتا رہا۔

صبحِ کاذب، صبحِ صادق میں بدل گئی مگر وہ رُکا نہیں بلکہ آگے بڑھتا رہا۔

مشرقی اُفق پر شفق کی سرخیاں بکھر گئیں اور اُن سرخیوں کے درمیان سورج کسی بہت بڑے سُرخ طباق کی مانند اُبھر آیا جس نے کائنات کے منظر میں ایک رنگ بھر دیا لیکن وہ بدستور چلتا اور سفر کرتا رہا۔

پھر سورج آسمان پر کئی نیزے بلند ہو گیا۔ دھوپ تیز اور ہوا گرم ہو گئی۔ آسمان آگ کی برسانے لگا کیونکہ سورج کی بھٹی تیز ہو گئی تھی۔ چلتے سورج کے پیچھے سفر جاری رکھنے کی بجائے اُسے "دن بسری" کے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنا تھا۔ مسلسل سفر، بھاگ دوڑ، بے خوروخوابی اور شاہی ہرکاروں سے دور نکل جانے کی جدوجہد نے گھوڑے اور سوار دونوں کو تھکا دیا تھا۔ پڑاؤ اور قیام کا وقفہ ضروری تھا لیکن وہ آگے بڑھتا رہا۔

& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5042759
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

بیلے کی چٹیل پٹی کو چھوڑ کر وہ جنگل میں گھس آیا اور دریا کی ترائی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اُس نے گھوڑے کو پانی پلایا اور پھر چل دیا۔ کزلان ترک اور اُس کے سواروں سے محفوظ رہنے کے لیے ذہن میں ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اُسی منصوبے کے مطابق دریا کے پایاب حصے کی تلاش میں تھا آخر وہ حصہ اُسے نظر آ گیا۔ اُس نے ساحل پر کیکر کے دو گھنے درختوں سے پایاب گھاٹ کو پہچان لیا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

یہاں دریا کا پاٹ چوڑا لیکن پانی کی سطح کم تھی۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ فرات کے دوسرے ساحل پر آ گیا۔ پھر بھی چھدرے بیلے میں رُکنے کی بجائے ترائی کے ساتھ ساتھ مزید آگے بڑھا۔ صرف ایک میل آگے فرات کے مغربی کنارے جنگل کافی گھنا تھا۔ وہ گھنے جنگل میں پہنچ کر گھوڑے سے اترا اور پیلوؤں کے ایک جھنڈ میں گھس گیا جس کے ساتھ اُونچے نرسلوں کی باڑھ گویا حفاظتی حلقے کا کام دے رہی تھی اُس نے پڑاؤ کے لیے اُسی جھنڈ کو پسند کیا۔ گھوڑے کو پیلو کے ایک درخت سے باندھا۔ خرجین اتارنے کے ساتھ زین بھی اتار دیا۔ ایک خرجی سے تھوڑا سا چار دانہ نکال کر اُس کے آگے ڈالا۔ دوسری خرجی سے اپنے لیے خوراک نکالی اور گھاس پر غلاف بچھا کر بیٹھ گیا۔ بھنے ہوئے چاول، خرمے اور ستو کئی روز کے لیے کافی تھے۔ اس کے علاوہ عبداللہ نے گوشت کے کچھ پارچے بھی بطور توشہ ساتھ رکھ دیے تھے جو ایک دن سے زیادہ نہ چل سکتے تھے۔

ابن حرب نے انھی پارچوں سے پیٹ بھرا۔ دو چار خرمے کھائے۔ مشکیزے سے پانی پیا پھر خوراک خرجی میں سنبھالی۔ تلوار سرہانے رکھی اور غلاف پر لیٹ گیا۔

سورج سر پر آ گیا تھا مگر پیلوؤں کا جھنڈ اتنا گنجان اور شاخیں اتنی گھنی اور چھتری دار تھیں کہ دھوپ اُن سے چھن کر اُس کے آرام میں خلل نہ ڈال سکتی تھی۔ وہ کزلان ترک کے منصوبے کو سمجھ گیا تھا، جو اس اُمید پر تعاقب میں چلا آ رہا تھا کہ دن کے وقت جب وہ آرام کی خاطر کہیں رُکے گا۔ تو چوروں کی طرح دھاوا کر کے بے خبری میں اُسے دبوچ لے گا۔ اس کے جواب میں ابن حرب نے بھی ایک چال کھیلی اور دریا عبور کر کے مغربی ساحل پر آ گیا اس نے دشتِ فرات کی مشرقی پٹی سرحدِ شام تک کزلان ترک اور اُس کے سواروں کے لیے خالی چھوڑ دی تھی کہ بے شک اس طویل پٹی پر سارا دن اُسے کھوجتے اور ڈھونڈتے رہیں اور خود وہ ساحل کے ایک جھنڈ میں "بے فکری" کی نیند سو گیا۔

★

اُسے گھوڑے کی ہنہناہٹ پر اچانک نیند کھلی، ہڑبڑا کر اُٹھا اور ہاتھ بجلی کی طرح تلوار کے قبضے پر گیا۔

فوری طور پر ذہن میں یہی خیال گزرا کہ دشمن نے اُسے کھوج لیا اور بے خبری میں سر پر آ پہنچا ہے۔ تلوار کھینچ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو منظر کی تبدیلی پر حیران رہ گیا۔ دن کا اُجالا شام کے ملگجے اندھیرے میں بدل چکا تھا۔ دس بارہ قدم کے فاصلے پر نرسلوں کی باڑھ سے چار آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔ تلوار کھینچنے کا کھٹکا سنتے ہی وہ آنکھیں غائب ہو گئیں اور نرسلوں میں سرسراہٹ کی ایک لہر دوڑتی چلی گئی۔ دن کی فرار ہوتی روشنی میں اُس نے گیدڑوں کے ایک جوڑے کو بھاگتے دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا۔

پیلوؤں کے جھنڈ سے گرد و پیش پر نظر ڈالی تو کسی طرف خطرے کے آثار نہ تھے سب جوں کا توں تھا۔ البتہ جھنڈ سے باہر کا منظر کچھ اُجلا اُجلا دکھائی دیا۔ غروبِ آفتاب میں ابھی نصف پہر باقی تھا اور دن بھر کا جلتا تپتا سورج مغربی اُفق پر قرمزی شعاعیں بکھیر رہا تھا مگر گنجان جھنڈ میں شام کے ملگجے اندھیرے کا گمان اس لیے ہو رہا تھا کہ گھنی شاخیں سورج کی روشنی کو باہر ہی روک رہی تھیں۔

یہ احساس بڑا فرحت بخش تھا کہ دشمن اُس کی چال میں آ گیا اور کہیں فرات کے مشرقی بیلے میں بھٹک رہا ہو گا، جب کہ اُس نے اپنے محفوظ پڑاؤ میں نیند پوری کر لی اور گھوڑا بھی تازہ دم ہو چکا تھا۔ دور دراز منزلوں کی طرف جانے والے قافلے ڈوبتے سورج کے ساتھ ہی اپنے راستوں پر گامزن ہو جاتے تھے۔ اُس نے بھی روانہ ہونے میں دیر نہ لگائی۔ گھوڑے پر زین ڈالا، سامان سمیٹا اور دریا کے کنارے پر نکلا۔ جانور کو پانی پلایا۔ مشرقی ساحل کے بیلے کا بہ غور جائزہ لیا، اُس طرف کسی نقل و حرکت کے آثار نظر نہ آئے تو مطمئن ہو کر رکاب میں پاؤں ڈالا اور جنگل سے گزرتا ہوا مغربی سمت کی ویران چٹیل پٹی پر آ گیا۔

لیلیٰ شام دشتِ فرات پر اپنی زلفیں کھول رہی تھی۔ اُن کے سایوں میں سفر پھر شروع ہو گیا۔ اب وہ دریا سے تقریباً ایک فرسخ ہٹ کر اُس کے متوازی شمال کی جانب بڑھ رہا اور مطمئن چلا جا رہا تھا کہ کزلان ترک اُسے دوبارہ کا وقت سو کر نہیں گزارا ہو گا۔ خلیفہ کے ہرکارے

www.urdukorner.com

شکاری کتوں کی طرح اُسے مشرقی ساحل کے جنگل بیلے میں ڈھونڈتے پھرتے ہوں گے اور کیا عجب، وہ اپنے شکار کی تلاش میں بہت آگے نکل گئے ہوں۔ سرحدِ شام تک دو دن کا سفر تھا اور انہی دو دنوں میں انھیں اُس کی گرفتاری کا حکم بجانا تھا۔

اُسے خیال آیا، تلاشِ بسیار کے باوجود جب وہ انھیں فرات کی مشرقی پٹی پر کہیں نہ مل سکے گا تو یہی سوچیں گے کہ اُن کا شکار دریا پار کر کے دوسرے کنارے اُتر گیا ہو گا پھر وہ بھی کسی پایاب جگہ سے دریا عبور کر کے مغربی ساحل پر آ جائیں گے۔ اس صورت میں بھی کل طلوعِ آفتاب تک اُسے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ترک اور اُس کے سواروں کی روشنی ہی میں کسی وقت دریا عبور کر سکتے تھے لیکن اب یہ اندیشہ پریشان کر رہا تھا کہ دریا عبور کر کے وہ اپنی جان کی قیمت پر بھی اُسے گرفتار کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ مقابلے میں قسمت کس کے ساتھ رہتی ہے اور کون تلوار کے گھاٹ اترتا ہے، یہ بعد کی بات تھی لیکن شام کی سرحد تک وہ بہرحال تعاقب اور گرفتاری کے خطرے سے دوچار تھا۔

اُس کی اصل منزل سینکڑوں میل دور مغرب کی جانب بحیرۂ روم کی ساحلی پٹی پر تھی لیکن وہ فرات کو چھوڑ کر جو شمال سے جنوب کی طرف بہتا ہے، مغرب کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔ اس جانب وہ مہیب اور خطرناک بادیۂ شام واقع تھا جو عراق سے لے کر شام، شرقِ اُردن اور عرب کے علاقے النفد تک پھیلتا چلا گیا اور اپنی وسعت کے اعتبار سے نہ صرف "بادیۃ الجزیرہ" ہی کہلاتا بلکہ رُبع الخالی سے کم ہول ناک نہ تھا۔ ایسے وسیع اور مہیب ریگستان میں جہاں قافلے بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتے تھے یکا و تنہا آدمی کا سفر خودکشی کے مترادف تھا اسی لیے فرات کے ساتھ ساتھ شمال کا سفر ناگزیر تھا۔

ہلکی شام ہوتے ہوتے چاندنی رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اُجلے صحراؤں میں چمکتے ہوئے چاند کی طرف اپنی چاندنی کی سفید پُرانی چادر تان چکا تھا۔ دریائی بیلے کی جانب دور کہیں گیدڑ کی ہوا کی سنائی دے رہی تھی۔ گھوڑا اس منظر میں کروٹیں بدلتا آپ سے آپ ڈگمگی چال رواں دواں تھا اور ابنِ حرب کا ذہن مختلف خیالوں اور طرح طرح کے اندیشوں میں الجھا ہوا تھا کہ ناگہاں اُسے کریب کی بستی یاد آئی جو چند فرسخ آگے فرات کے مغربی ساحل سے ہٹ کر واقع تھی۔ اس کے ساتھ سو سالہ بوڑھا حاجی شائگان یاد آیا جس سے ایک بار شکار سے موقع ملاقات ہوئی تھی اور بڑی دلچسپ تھی وہ ملاقات۔ بوڑھا اپنی جوانی کے دنوں میں شام، فلسطین

مصر اور ارضِ حجاز کے کئی سفر کر چکا تھا۔ اس نے متعدد حج بھی کیے تھے۔ حج کے لیے جاتا تو قافلۂ حجاج کے ہمراہ لیکن واپسی کا سفر عموماً تنہا کرتا تھا کیونکہ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہ مکے سے قبلۂ اوّل کی حاضری کے لیے فلسطین چلا جاتا اور بیت المقدس کی زیارت کر کے واپس آتا تھا۔

ابنِ حرب نے سوچا، ممکن ہے وہ عویش کی طرف جانے والے کسی ایسے رستے کی نشان دہی کر سکے جو معروف شاہراہ کی بہ نسبت کچھ مختصر بھی ہو اور محفوظ بھی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُسے سرپٹ چھوڑ دیا تاکہ بستی کے دروازے بند ہو جانے سے پہلے وہاں پہنچ سکے۔

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5045569
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

۸

بادیۂ شام

KHAN BOOK & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RA
Cell: 0345-5048634 - 0345
Prop: Ali Kh

بوڑھے عجمی کا مکان بستی کے مغربی گوشے میں تھا۔ تیز رفتار گھوڑے نے چند فرسخ کا فاصلہ عشا تک طے کر لیا۔ جب ابنِ حرب بستی میں پہنچا لوگ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اُس نے گھوڑا اُسی مکان کے سامنے روکا اور دروازے پر دستک دی تو غلام نے جو عجمی لہجے میں عربی بولتا تھا، کواڑ کھولے۔ پہلی ہی نظر میں اُسے پہچان لیا اور اپنے آقا کو اطلاع دینے کے لیے پلٹا۔

ضعیف العمر شالگان نے ابنِ حرب کو "خوش آمدید" کہا اور اپنی روایت کے مطابق "ضیافتِ شیراز" کا بندوبست کر کے غلام کو حکم دیا کہ وہ مہمان کے لیے بستر لگا دے۔ ابنِ حرب نے بوڑھے عجمی کا شکریہ ادا کیا اور صاف صاف بتا دیا کہ وہ قیام کرنے نہیں کچھ معلوم کرنے آیا ہے اور بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جائے گا کیونکہ خطرہ اُس کے تعاقب میں ہے۔

بوڑھا شالگان بغداد سے اُس کے فرار کی روداد سن کر، جو اُس نے مختصر لفظوں میں بیان کر دی، حیران و ششدر رہ گیا اور بولا "نتائج کی پروا کیے بغیر حکم صادر کرنے والے حکمران عموماً نقصان اٹھاتے ہیں۔"

جب ابنِ حرب نے مطلب کی بات چھیڑی اور بتایا کہ اُس نے مصر جانے کا فیصلہ کیا ہے اور کسی ایسے راستے کا جویا ہے جو ہفتوں کی بجائے صرف چند دنوں میں اُسے منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔ تو بوڑھے شالگان پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ اُس کی سوسالہ دانائی کا تقاضا یہ تھا کہ اُسے کسی جان جوکھوں کی راہ پر نہ ڈال دے لیکن ابنِ حرب کی ضرورت اصرار کر رہی تھی کہ

اسے منزل پر پہنچنے کی جلدی ہے۔ بوڑھے عجمی نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا "ایسا ایک راستہ ہے تو سہی جو تمہیں چند روز میں عریش تک پہنچا دے گا اور میں اُس کے متعلق ضروری معلومات بھی مہیا کر سکتا ہوں۔ تم جوان اور جواں ہمت ہو۔ شاید اُس راستے کو طے کر لو جس طرح ایک بار میں نے بھی طے کیا تھا لیکن صرف ایک اندیشہ ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ میں نے وہ سفر سانڈنی پر کیا تھا اور تم گھوڑے پر ہو۔ گھوڑے اُس سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مجھے خدشہ ہے کہیں وہ راستے میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ جائے اور تم واپس بھی نہ آسکو۔"

ابنِ حرب نے بوڑھے عجمی کے الفاظ کی سنگینی محسوس کی اور اُن کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ لیا گویا عجمی نے اُسے "موت کے خطرے" سے آگاہ کیا تھا۔ اُس نے جواب دیا "بزرگ شالگان! تمہاری فکر نہ کریں۔ شاہی رسالے کے تربیت یافتہ گھوڑے، اُونٹوں اور سانڈنیوں کی مانند سخت جان ہوتے ہیں اور راستوں کی مشکلات سے نہیں گھبراتے۔"

"پھر بھی صحرا کے سفر میں ایک گھوڑا ناکافی ہے۔" بوڑھا بتانے لگا "ایک گھوڑا تو صرف رسد اور پانی کی پکھالوں کے لیے چاہیے کیوں کہ میں جس راستے کی نشان دہی کروں گا وہ بادیۂ شام سے گزرتا ہے جہاں تمہیں پانی کہیں نہیں مل سکے گا۔ تمہارے علاوہ گھوڑا بھی وہی پانی پیے گا جو تم اپنے ساتھ پکھالوں میں بھر کے لے جاؤ گے۔"

وہ صحرائی خطرات کو سمجھتا تھا۔ اس مرتبہ بھی بوڑھے کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ گیا اور پوچھنے لگا "صحرائے شام میں مجھے کتنے یوم سفر کرنا ہوگا؟"

شالگان نے اپنی بوڑھی اور نیم شناس آنکھوں سے، جو زندگی کے ایک سو ایک موسم دیکھ چکی تھیں، بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا پھر کہا "صحرائے شام سے گزرنے والے کارواں کوئی دو ہفتے بعد حجر (پیٹرا) کے علاقے میں داخل ہوتے ہیں جہاں کہیں کہیں بدوی قبیلے خیمہ زن ہوں گے لیکن وہ اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں اور کسی مستقل جگہ قیام نہیں کرتے۔ حجر کے علاقے تک راستے میں کہیں پانی نہیں مل سکتا۔ اس لیے اہلِ کارواں پانی کی پکھالیں ساتھ لے کر چلتے ہیں مگر میں جس راستے کی نشان دہی کروں گا، اُس پر سفر کر کے تم چھ سات یوم میں "اصحاب الرقیم" کی وادی تک پہنچ جاؤ گے۔ تمہارے پاس چھ سات روز کے لیے پانی کا ذخیرہ ہونا چاہیے جو گھوڑے اور سوار دونوں کی ضرورت پوری کر سکے۔"

"چھ سات یوم" کا ذکر سن کر ابنِ حرب کے چہرے پر اضطراب اور مسرت کی لہر دوڑ

www.urdukorner.com

گئی اپنے ذہن میں راستے کا جو نقشہ تیار کیا تھا وہ پندرہ سولہ دن کے مسلسل سفر سے قبل طے نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں "چھ سات یوم" کا سفر خواہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہو، بڑی کشش رکھتا تھا۔ ہر مسافر جلد سے جلد اپنی منزل پر پہنچ جانے کا خواہش مند ہوتا ہے، جب کہ یہ جلدی ابن حرب کی خواہش ہی نہیں، ضرورت بھی تھی۔ اب وہ راستے کا نشان پتا معلوم کرنے کے لیے بے چین سا نظر آنے لگا۔

"بزرگ شاگان! آدمی سفر کرتا ہے تو رخت سفر ساتھ لے کر چلتا ہے۔ میں بھی ضرورت کے مطابق اپنے زادِ راہ میں اضافہ کر لوں گا بس آپ اس راستے سے آگاہ کریں، جس پر مجھے سفر کرنا ہے۔"

بوڑھے عجمی نے اس کے اضطراب شوق سے اندازہ لگایا کہ وہ صعوبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ رکھتا ہے تو اس نے ذرا واضح الفاظ میں راستے کی مشکلات کا ذکر کیا۔ "اگر تم جوکھوں کے راستے پر سفر کے لیے تیار ہو تو میں بھی تم سے یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ وہ کوئی راستہ نہیں، بس موت کی ایک راہ گزر ہے۔ آدمی بہت بڑی مجبوری ہی کی حالت میں ایسی راہ گزر قبول کرتا ہے اور اپنے ساتھ جوا کھیلتا ہے، کوئی نصف صدی پیشتر مجھے بھی ایک مجبوری لاحق تھی اور اپنے بیٹے فیروز مند کی خاطر بادیۂ شام سے تنہا گزرا تھا جسے خلیفہ معتصم نے محمد بن قاسم[1] بن علی کے خروج کی پاداش میں گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔ میرا بیٹا فاطمی دعوے دار کے دوستوں میں شمار ہوتا تھا جسے معتصم نے شکست دے کر بغداد میں نظر بند کر دیا۔ میں القدس میں تھا خبر سنتے ہی دیوانہ وار اپنی بستی کی طرف بھاگا۔ آج تم خلیفہ معتضد کے عتاب سے بچنے کی خاطر عراق سے بھاگ رہے ہو اس لیے میں تمہیں اس راستے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہوں جو ہے تو بڑا کٹھن مگر اسے عبور کر کے تم بہت جلد اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔"

ابن حرب ہمہ تن گوش ہو گیا اور بوڑھا شاگان بتانے لگا کہ اس بستی سے نصف فرسخ آگے ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹیلا آئے گا جہاں سے وہ راستہ مغرب کو مڑ جائے گا تقریباً ڈھائی فرسخ چلنے کے بعد بادیۂ شام کا پہلا حلقہ شروع ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے ایک سیدھ

[1] محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن زین العابدین نے ۲۱۹ھ کے قریب بہ عہد خلیفہ معتصم طاشان کے علاقے میں خروج کیا۔ گرفتاری کے بعد بغداد جیل میں ڈالے گئے مگر جیل سے نکل بھاگے تھے۔ (ابن اثیر)

میں مغرب کی طرف چلے گئے ہیں اسے ان ٹیلوں کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہے جو ایک ایک دو دو فرسخ کے فاصلے پر واقع ہیں۔ سفر میں ٹیلے اس کے دائیں ہاتھ رہیں گے اور وہ ان کی بائیں جانب سے گزرے گا۔ دو دن کی مسافت کے بعد صحرا کے خطرناک سلسلے کا آغاز ہوگا ٹیلے پیچھے رہ جائیں گے اور ان کی جگہ ریت کے بڑے بڑے تودے ملیں گے جن کا حجم بڑھتا یا گھٹتا رہتا اور ہیئت تبدیل ہوتی رہتی ہے کیوں کہ جب آندھی چلتی یا ریت کا طوفان گزرتا ہے جسے اہل فارس "ریگِ رواں" کہتے ہیں، تب تند و تیز جھکڑ ریت کے تودوں کو ایک جگہ سے اڑا کر دوسری جگہ لے جاتے یا ان کی ہیئت بدل دیتے ہیں۔

صحرا کا یہ سلسلہ بڑا مہیب اور خطرناک ہے جس کی ہولناکی کے پیش نظر قافلے ادھر کا رخ نہیں کرتے اور طویل راستے کو ترجیح دیتے ہیں یا بادیۂ شام کے حاشیے پر سفر کرتے ہیں جہاں بعض قدیم قلعات کے علاوہ اموی دور میں کچھ نئی عمارتیں بھی تعمیر ہو چکی ہیں مگر بادیۂ شام کے وسطی حلقے پر ربع خالی کی ہیبت اور دہشت طاری ہے۔ ریت کے تودوں کا سلسلہ کوسوں تک چلا گیا اور تنہا آدمی ان کی وحشت اور دہشت سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ آسمان پر دہکتا سورج، زمین پر جلتی ریت، بادِ سموم کے جھلسا دینے والے جھونکے، حدِ نظر تک بے آب و گیاہ ریگستان اور اس کی ہولناک ویرانی کے اجاڑ مناظر تنہا آدمی کو پاگل کر دیتے ہیں۔ اس ہولناک صحرا میں راستے کا تعین اور سمت درست رکھنے کی کوئی علامت موجود نہیں۔ بس آدمی اپنی تقدیر پر بھروسا کرتا یا پھر رات کو آسمان سے اشارہ لیتا ہے۔ وہ مغرب کی طرف سفر کرے یا مشرق کی طرف قطبی ستارہ ہمیشہ شمال کی طرف رہے گا جس سے وہ اپنی سمت اور راستے کا تعین کر سکتا ہے۔ ابن حرب کو قطبی ستاروں سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی اور قسمت کے ستارے اچھے ہوئے تو ہولناک صحرا سے گزر جائے گا۔

شاگان نے یہ بھی بتایا کہ اگر وہ صحیح سمت چلتا رہا، تو پانچویں روز تودوں کی ایک دیوار تک پہنچ جائے گا جو شمالاً جنوباً کوئی دو فرسخ تک چلی گئی ہے۔ وہاں زمین دراصل اونٹ کے کوہان کی طرح عام سطح سے ابھری ہوئی اور جہاں تک وہ کوہان چلا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ ریت کے تودوں کی ایک مستقل دیوار کھڑی ہو گئی ہے۔ پچاس برس پہلے جب اس نے یکا و تنہا سفر کیا اس دیوار کے شمال سے گزرا جبکہ وہاں ٹھہرا بھی تھا۔ اس کا خیال ہے وہ دیوار آج بھی قائم ہو گی۔ اس دیوار سے گزر کر اور ایک یوم کا سفر کر کے وہ صحرا کے درمیان ایک چھوٹی وادی میں پہنچ جائے

www.urdukorner.com

گا جو کوسوں تک پھیلی اور صحرا سے کم ہولناک نہیں۔ اُس وادی میں ایک شکستہ معبد کے آثار نظر آئیں گے جو چٹانوں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ معبد صدیوں سے اجاڑ اور ٹوٹ پھوٹ چکا ہے، اِدھر اُدھر خطرناک صحرا کے باعث کسی کا اس وادی میں شاید گزر نہ ہوا ہو۔ جو کئی قرنوں سے ویران پڑی ہے۔ ایک عیسائی راہب کے بقول جو اُسے بیت لحم میں ملا اور جس نے بادیۂ شام کے اس کٹھن راستے کی نشان دہی کی تھی، وہ غسانی دور کی ایک مسیحی خانقاہ تھی لیکن حجر کے علاقے سے جو "پیٹرا" بھی کہلاتا ہے، بہت دور واقع ہے۔ بہرحال اس خانقاہ کے آگے جہاں پھیلی وادی ختم ہوتی اور صحرا کا نیا حلقہ شروع ہوتا ہے، وہ ڈیڑھ دن کے بعد حجر کے علاقے یا "اصحاب الرقیم" کی وادی میں پہنچ جائے گا یہ وادی بحیرۂ مردار کے جنوب میں واقع ہے

اس علاقے میں اُسے سب سے پہلے "رحلۃ الشتاء والصیف" کی وہ تجارتی شاہراہ ملے گی جو یمن سے براستہ حجاز شام کو جاتی اور بحیرۂ مردار کے جنوبی نشیب ہی سے جہاں کرک اور موتہ کی آبادیاں ہیں، شام کو مڑ جاتی ہے۔ وہ اس شاہراہ کو قطع کر کے مغرب کی سمت بڑھتا رہے گا تو عرب کی دوسری اور عظیم شاہراہ "امام مبین" نظر آئے گی۔ یہ شاہراہ بھی یمن اور حضرموت سے آتی، ارض حجاز میں مکہ معظمہ کے قریب سے گزرتی، بحیرۂ احمر کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ شمال کے رخ آگے بڑھتی اور خلیج عقبہ کے قریب سے بیت المقدس کی طرف چلی جاتی ہے۔

"امام مبین" کی ایک شاخ بحیرۂ مردار اور خلیج عقبہ کے درمیان سے سیدھی غزہ اور عسقلان کی طرف چلی جاتی ہے۔ وہ اُسی راستے غزہ کی پٹی میں داخل ہو سکتا اور عریش پہنچ سکتا ہے۔

سفر کا یہ نقشہ بیان کرنے کے بعد بوڑھے شائگان نے کہا۔ "ایک بہادر آدمی بادیۂ شام کی ہولناک وحشت و ویرانی سے ہراساں نہیں ہوتا لیکن صحرا میں جس بلائے ناگہانی کا مقابلہ نہیں ہو سکتا، وہ ریت اور صرصر کا طوفان ہے۔ "ریگِ رواں" کا طوفان، وسطِ صحرا میں پوری ہولناکی سے چلتا ہے اور کئی کئی دن جاری رہتا ہے۔ اس طوفان میں پھنس جانے والے مسافر زندہ نہیں لوٹتے۔"

ابن حرب نے راستے کا نقشہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد شکریے کے ساتھ کہا۔ "آپ نے خطرے کی ہر صورت واضح کر دی اور میں نے سمجھ لی۔ شاید یہ سفر میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ میں بغداد میں سب کچھ ہار آیا ہوں۔ داؤ پر لگانے کے لیے صرف زندگی

میرے ہاتھ میں ہے اور میں سفر کا جوا کھیلوں گا اگر آپ مجھ پر مہربانی کر سکتے ہیں تو اپنے غلام کو حکم دیں کہ میرے لیے دو شتروں اور گھوڑے کے لیے چار پانچ روز کے چارے دانے کا بندوبست کر دے۔ میں ان اشیا کی قیمت ادا کر دوں گا۔"

بوڑھے عجمی نے کسی معاوضے کے بغیر ہی مطلوبہ اشیا فراہم کر دیں اور ابن حرب سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ رات دوسرے پہر سے گزر رہی تھی ایک سو ایک سالہ عجمی اپنے غلام سمیت خود دروازے تک آیا اور ابن حرب نے رخصت ہونے سے پہلے ایک اور درخواست یا فرمائش کی۔ "بزرگ شائگان! میں آپ کے سلوک کو ہمیشہ یاد رکھوں گا اور زندگی نے وفا کی تو اس احسان کا بدلہ چکانے کی سعی کروں گا لیکن کزلان ترک مجھے ڈھونڈتا ہوا اگر اس بستی میں آ جائے تو اسے کسی قیمت پر میرے نئے راستے کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

جیسا کہ گفتگو ہی سے ظاہر ہو گیا تھا، بوڑھا عجمی، عباسی حکمرانوں کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اس لیے خلیفہ مقتدر کے ہرکاروں اور سواروں کی بہ نسبت اسے ابن حرب سے ہمدردی ہو سکتی تھی جو فی الواقع اپنا سب کچھ بغداد میں چھوڑ آیا اور صرف اپنی زندگی لے کر بھاگا تھا۔ ابن حرب نے غالباً ازراہِ احتیاط کزلان ترک کے بارے میں اُسے توجہ دلائی تھی۔ بوڑھے شائگان نے بڑے اعتماد کے ساتھ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پورے وثوق سے جواب دیا۔ "ابن حرب مجھے خلیفہ کے سواروں سے نہیں، تمھاری زندگی سے دل چسپی ہے۔ نصف فرسخ آگے مغرب کی جانب مڑتے ہوئے اگر تم کوئی سراغ اپنے پیچھے نہ چھوڑ گئے تو تھوڑی دیر بعد قریب سے گزرنے والی ہوا بھی یہ بات بھول جائے گی کہ تم اس بستی میں آئے تھے یا نہیں اور اگر آئے تھے، تو یہاں سے کس طرف نکل گئے ہو۔"

اس یقین دہانی کے ساتھ بوڑھے عجمی نے اُسے الوداع کہی، وہ شائگان کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس کی باگ موڑ دی۔

گھوڑے کی پشت پر گرچہ دو تھیلوں کے علاوہ چارے دانے کے ایک بوجھ اضافہ ہو گیا اور اس اضافی بوجھ کے ساتھ وہ پہلی سی برق رفتاری قائم نہ رکھ سکتا تھا مگر مالک کی ایڑی اور لگام کے اشارے کو سمجھتا ہوا بڑی سرعت سے آگے بڑھا اور [illegible] چھوڑتا ہوا نکل گیا۔

www.urdukorner.com

چاندنی رات چاروں طرف نیند کا طلسم پھونک رہی تھی اور دوسرے پہر کی صحرائی ہوا کے جھونکے، نشے میں جھومتے شرابیوں کی مانند لڑکھڑا رہے تھے۔

ابنِ حرب بستی کی مزروعہ اراضی سے گزرتا ہوا بہت جلد اس پہاڑی ٹیلے کے پاس پہنچ گیا جہاں سے اُسے مغرب کا رُخ کرنا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار بہت ہلکی کر دی اور گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ دریائے فرات کے دونوں ساحلوں پر پھیلے جنگل بیلے کو کزبان ترک اور اس کے سواروں کی تگ و دو کے لیے خالی چھوڑ کر کوئی پانچ چھ میل اِدھر ہٹ آیا تھا۔ اُسے یہاں سے بھی اپنا راستہ تبدیل کرنا اور شمال کی سمت چھوڑ کر مغرب کی جانب چلنا تھا۔ اِدھر کوئی راستہ تھا نہ کوئی پگ ڈنڈی تھی حتیٰ کہ ٹیلے کے آس پاس کوئی ایسا نشان بھی نظر نہ آیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ کبھی کوئی مسافر اس جانب گیا ہوگا۔ اُسے ٹیلے کے قریب سے اس طرح گزرنا تھا کہ کوئی نشان، کوئی سراغ، کوئی کھوج پیچھے نہ رہ جائے۔ جانتا تھا اگر مدھم رفتار سے گزرے گا، تو چٹیل زمین پر کھروں اور سُموں کے نشان زیادہ نہیں اُبھریں گے اور جو اُبھریں گے، انھیں تیز ہوا کی لہریں صبح تک معدوم کر دیں گی۔ یہی سوچ کر اُس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور قدم قدم مغرب کی طرف ہو لیا۔ صرف آسمان پر روشن چاند نے اُسے اپنا راستہ تبدیل کرتے دیکھا۔ اُس نے چلتے چلتے حدِ نظر تک پھیلے کھلے آسمان پر نگاہ ڈالی اور شمال کی طرف قطبی ستارے کو دیکھا جس کے ساتھ سات ستاروں کا حلقہ اپنے مقررہ فاصلے سے قائم تھا۔ ایک جانب مریخ بھی نظر آیا جو دوسرے ستاروں کی بہ نسبت زیادہ روشن، زیادہ تابناک اور سرخی مائل تھا۔

وہ بڑی توجہ سے آسمان کی کھلی کتاب کا مطالعہ کرتا اور ستاروں کو دیکھتا رہا۔ اگرچہ وہ اس کتاب کے پورے علم سے ناواقف اور نجوم و کواکب کی گردشوں کے رموز سے ناآشنا تھا البتہ اس نے اچھی طرح [illegible] کر لیا کہ اس وقت کون سا ستارہ کہاں کس رُخ اور کتنے فاصلے پر ہے۔ [illegible] ستارے ہی اُس کے رہبر و راہنما تھے، جن کے ذریعے اُسے وقت، راستے اور سمت کا تعین کرنا اور آگے بڑھنا تھا، ورنہ صحرا کی بھول بھلیوں میں بھٹک جانے کا اندیشہ تھا۔

وہ کئی بار پہلے بھی راتوں کو سفر کر چکا اور ستاروں کو دیکھ کر عموماً وقت کا اندازہ لگایا کرتا تھا لیکن یہ سفر بڑا مختلف، بڑا کٹھن بلکہ "موت کا سفر" تھا اور زندگی کا انحصار

وقت اور راستے کے صحیح تعین پر تھا جس کے لیے وہ ستاروں اور علی الخصوص قطبی ستارے کا محتاج تھا جو ہمیشہ ایک ہی رُخ رہتا اور سمتوں کے تعین میں مدد دیتا ہے۔

اس نے پہلے کبھی نجوم و کواکب کے معاملات پر اتنی توجہ نہیں دی تھی بلکہ نجومیوں کی پیش گوئیوں کا مضحکہ اُڑایا کرتا تھا لیکن جعفر نجومی نے ستاروں کی گردش و رفتار کا حساب لگا کر اور اُن کا زائچہ نکال کر پیش گوئی کی تھی کہ یوں ہوگا اور یوں ہوگا اور بالکل اسی طرح ہوا۔ آخر یہ ستارے ہیں کیا؟ دنیا اور انسان کے ساتھ اُن کا کیا تعلق ہے کہ انسان کے مستقبل کا پتہ دیتے، راتوں کو اس کی راہنمائی کرتے اور آدمی کو حالات کی گرفت سے بھی نکال لاتے ہیں؟ وہ جو بغداد سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور کزبان ترک جیسے جابر افسر سے بچ نکلا تو یہ اُس کے مقدر کے ستارے ہی کی چال تھی۔ اب بادیۂ شام کے ہولناک ویرانے میں بھی ستارے ہی اس کی زندگی کا سہارا ہوں گے۔

وہ قطبی ستارے کو مسلسل دیکھتا اور چلتا رہا۔ چلتا اور دیکھتا رہا۔ اُسے ٹیلے کی سیدھ میں مغرب کی جانب چلتے رہنا اور دوسرے ٹیلے تک پہنچنا اور ہر ٹیلے کی بائیں طرف سے گزرنا تھا۔ جس طرح بوڑھے شالگان نے ہدایت کی تھی، تھوڑی دور تک قدم قدم چلنے کے بعد اس نے گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگائی اور دلکی چال میں ڈال دیا۔ زمین چٹیل اور ہموار تھی، کہیں کہیں جھاڑیاں یا اکّا دُکّا درخت تھے۔ نیا سفر ایک خاص رفتار سے شروع ہو گیا۔ جانب کا کوئی اندیشہ اور گرفتاری کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ یکّا و تنہا مسافر تو کیا، قافلے بھی بادیۂ شام کی طرف مُنہ نہیں کرتے تھے۔ بوڑھے شالگان کے بقول ادھر کوئی راستہ ہی نہ تھا، فقط "موت کی گزرگاہ" تھی جس کی طرف وہ بڑھ رہا تھا۔

دوسرے ٹیلے سے ابھی ایک میل دور تھا کہ اُسے چاندنی میں ٹیلے کا ہیولا نظر آ گیا۔ دوسرا ٹیلا پہلے ٹیلے سے ایک فرسخ (تین میل) کے فاصلے پر تھا۔ اُس نے رفتار کچھ اور بڑھا دی اور اس کی بائیں جانب سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔ ٹیلے دیکھنے میں مصر کے اہرامِ لوں کی مانند تھے۔ ان کی چھاتی میں اپنے پتھریلے پنجے گاڑے اور پھیکڑے مارے یوں بیٹھے تھے جیسے اس ہیبت ناک ویرانے کی پاسبانی کر رہے ہوں۔ بے راستے کے اس سفر میں اُن کی حیثیت نشان راہ کی سی تھی۔ تیسرا ٹیلا دو فرسخ سے بھی کچھ دور واقع تھا۔ صبح کاذب کے آثار ہویدا ہو رہے تھے جب وہ تیسرے ٹیلے کے قریب پہنچ گیا اور اس بات پر مطمئن تھا کہ بوڑھے شالگان

www.urdukorner.com

[illegible] کے سفر کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی تھیں، وہ انھی کے مطابق آگے
[illegible] اس نے بتایا تھا تقریباً ڈھائی فرسخ یعنی ساڑھے سات میل کے بعد صحرا کا پہلا
حلقہ شروع ہوگا لیکن صحرا کی شکل کم و بیش دس گیارہ میل کے بعد دکھائی دی، جب وہ تیسرا
ٹیلا عبور کر کے آگے نکل آیا۔

چاند مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے بھی مغرب کی جانب بڑھتا اور چاند کے
پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ اُس وقت چاند کی روشنی کچھ پھیکی پڑنے لگی اور سپیدۂ سحر میں گھل مل رہی
تھی، جب وہ چٹیل زمین کو چھوڑ کر صحرا کے حاشیے پر نمودار ہوا، وہاں کہیں کہیں دو شاخے
نشانے نمودار نظر آ رہے تھے۔

گھوڑے نے گردن اٹھا کر حدِ نظر تک پھیلے "ریت کے سمندر" کو لہریں لیتے دیکھا
تو ہنہنا کر غالباً احتجاج کیا کہ وہ اُسے کدھر لے آیا ہے۔ یہ تو بادیۂ شام کا جہنم ہے جدھر کارواں
بھی رُخ نہیں کرتے اور وہ یکا و تنہا اُس میں سفر کرنا چاہتا ہے لیکن ہر احتجاج بے معنی اور
گھوڑے کو وہ صحرا ہر حالت میں عبور کرنا تھا خطرناک صحرا ہی میں اُس کا سوار تعاقب اور گرفتاری
کے خطرے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس لیے سوار نے گھوڑے کے احتجاج کو مسترد کرتے
ہوئے ایڑ لگائی اور اُسے صحرا میں دھکیل دیا۔

ابن حرب نے اس صحرا کی ہولناکیوں کی لرزا دینے والی داستانیں سن رکھی تھیں اُن
کی دہشت ناک سنگینی کو سمجھتا تھا لیکن حالات کے مطابق بادیۂ شام کا سفر اُس کی ضرورت
بن چکا یا قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔ اُس کے خیال میں کزلان ترک اور شاہی سوار اُسے فرات
کے مشرقی بیلے میں تلاش کرتے رہیں گے اور ناکام ہو کر مغربی ساحل پر آ جائیں گے۔ وہ اُن
کے آس پاس بستیوں میں بھی اُس کا کھوج لگانے کی کوشش کریں گے اور کرب کی بستی
آئیں گے لیکن اُس وقت تک وہ اُن کی دسترس سے بہت دور نکل چکا ہوگا اگر انھیں
از خود یا کسی ذریعے سے یہ پتا چل بھی گیا کہ اُن کا شکار فرات کا راستہ چھوڑ کر بادیۂ شام کی
طرف نکل گیا ہے تو وہ صحرا میں اُس کے تعاقب کا خطرہ مول نہیں لیں گے جہاں زندگی کی کوئی
ضمانت نہیں۔

صحرا کا یہ سفر بلاشبہ مشکل، خطرناک اور جوکھوں کا سفر تھا لیکن اس میں ذہنی
آسودگی کا ایک پہلو بھی تھا کہ یہاں کم از کم تعاقب اور گرفتاری کا اندیشہ نہیں تھا اسی احساس

کے ساتھ وہ سفر کرتا اور آگے بڑھتا رہا۔

صحرا میں اونٹ ہی بہترین سواری ہے جس کی ٹانگیں لمبی اور پاؤں چوڑے ہوتے
ہیں جو ریت کی لہروں سے چپو کی مانند گزرتے اور اُسے دوڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ غالباً
اسی لیے اونٹ کو "صحرا کا جہاز" کہا جاتا ہے۔ گھوڑے کے پاؤں نسبتاً کم چوڑے ہوتے
اور ریت میں دھنس دھنس جاتے ہیں جس سے چلنے میں دشواری ہوتی اور رفتار بھی سست
پڑ جاتی ہے۔ عباسیہ کے شاہی رسالے میں ایسے گھوڑے شامل کیے جاتے تھے جو میدانی
اور صحرائی علاقوں میں یکساں سفر کر سکیں۔ انھیں صحرا میں بھاگنے دوڑنے کی باقاعدہ تربیت دی
جاتی تھی۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ گھوڑے کے نعل چوڑے ہوں۔ چوڑے سموں
والے گھوڑے نہ صرف بھاگنے میں تیز ہوتے ہیں بلکہ صحرا میں بھی بخوبی سفر کر سکتے تھے۔
ابن حرب کا رہوار عراقی نسل کے انھی خاص گھوڑوں میں سے تھا اور تیز رفتاری میں عام گھوڑے
اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی صحرا میں داخل ہوتے ہی اُس کی رفتار بدل گئی تھی۔

صحرا میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ چاند کی صورت، سورج کی تمازت، دھوپ کا رنگ،
سواری کی رفتار، حتیٰ کہ مسافر کے اپنے خیال و احساس کی دنیا تبدیل ہو جاتی ہے۔ ابن حرب نے
جب بادیۂ شام میں داخل ہو کر وہ کزلان ترک کے شکنجے سے نکل آیا ہے اور اب اُس کی
کمائے خود کزلان کو معتضد ابو عباس جیسے بے رحم حکمران کا عتاب بھگتنا ہوگا۔ تحفظ کا ایک
نیا سا احساس اس کے ساتھ ساتھ چلتا اور آگے بڑھتا رہا۔ چلتے چلتے چاند ڈوب گیا۔
اُفق کا اُجالا پھیلنے لگا اور اُس کے عقب میں سورج نے طلوع ہو کر کائنات کے سارے منظر
کی رنگت تبدیل کر دیا۔

صحرا میں پہلی رات گزارنے کے بعد وہ اُس کا پہلا دن تھا اور صحرائی اصول کے مطابق
اسے اُس وقت تک چلتے رہنا تھا جب تک آسمان پر سورج جلتے اور زمین پر صحرا تپنے نہیں
لگتا۔ وہ آٹھ میل صحرا میں گھس آیا اور ابھی تک کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوا تھا اس لیے
وہ اور زیادہ آگے جا کر پڑاؤ ڈالنا چاہتا تھا۔ یہاں بھی پہاڑی ٹیلے جو کہیں دو دو، تین تین
کہیں چھ چھ سات سات میل کے فاصلے پر ایستادہ تھے، راستے کی نشان دہی کرتے
تھے اور وہ ہر ٹیلے کی بائیں جانب سے گزرا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد تقریباً ایک پہر کے
بعد کم و بیش نو دس میل مزید آگے بڑھا۔ آخر ایک پہاڑی ٹیلے ہی کے پاس رکا اور گھوڑے سے

www.urdukorner.com

سے اُتر آیا۔

گھوڑے سے پانی کی پکھالیں، چارے دانے کا بقچہ، سامان کی خرجیں اور زین وغیرہ اتار کر کیکر کے سائے میں رکھا۔ ایک کپڑے سے تھوڑی دیر گھوڑے کا جسم ملتا اور رگڑتا رہا۔ اس خدمت سے فارغ ہو کر چری توبڑے میں اُسے چارا دانہ ڈال دیا۔ بوڑھے شانگان کے بھی غلام نے پانی کی پکھالوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا سائبان بھی سامان میں باندھ رکھا تھا۔ نیلے کے پہلو میں سائبان تان کر ریت پر نمدہ بچھایا اور اپنے پیٹ کی آگ بجھانے لگا۔

صحرا میں کسی صحرائی جانور کے علاوہ اور کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کیا اور لیٹ گیا۔ رات بھر کا جاگا، مسلسل سفر سے تھکا ماندہ، دن کی گرمی اور جھلسا دینے والی لُو کے باوجود بڑی گہری نیند سویا اور اُس وقت بیدار ہوا جب سورج کا سرخی مائل سنہرا تمغہ مغرب کے میدانوں اور غاروں میں اترنے والا تھا۔ گھوڑا پیلے کی چھاؤں میں آرام کر چکا تھا۔ اسے تھوڑا سا چارہ دانہ اور کھلایا، پانی پلایا، خود بھی ستو چنے کھائے، چھاگل سے پیاس بجھائی اور دن کی رخصت ہوتی روشنی میں پڑاؤ اٹھایا۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اوپہ شام کا سفر چاندنی راتوں میں پیش آیا تھا۔ دن کا اجالا رخصت ہوا تو چاند نے اپنی سیمیں قندیل روشن کر دی اور چاندنی صحرا کو ایک نئے منظر میں تبدیل کرنے لگی۔

اُسے بوڑھے شانگان کی بیان کردہ علامتوں کے مطابق مغرب کی سمت بڑھنے اور پہاڑی ٹیلوں کی بائیں جانب سے گزرنا تھا۔ البتہ دوسری رات سفر میں کچھ غیر معمولی باتیں ہوئیں۔ گھوڑے کے پیر ریت میں دھنسنے دھنس جانے اس لیے وہ سفر میں دشواری محسوس کرنے لگا۔ ریت کی سطح پہلے سے زیادہ ناہموار ہو گئی۔ کہیں اونچی، کہیں نیچی۔ اونچی نیچی لکیروں کے نشانات بھی کئی سمتوں میں بکھرے تھے، جیسے ہوا یہاں سمتیں بدلتی رہی ہو۔ صحرا کا نقشہ تبدیل ہو رہا تھا۔ کچھ اور آگے بڑھا تو یہ تبدیلی مزید نمایاں ہو گئی۔ ہوا سطح ریت کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر گمان ہوتا تھا گویا سمندر میں مدوجزر چل رہا ہو۔

رات کے تیسرے پہر ان ٹیلوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا جو بے راستے کے اس سفر میں "نشان راہ" کا کام دے رہے تھے۔ اُن کی جگہ ریت کے تودوں نے لے لی جو وجود واقع تھے لیکن جوں جوں آگے بڑھا، اُن کے فاصلے گھٹتے اور حجم بڑھتے چلے گئے۔ ایک

آگے تو ہر طرف تودے ہی تودے تھے، اونچے نیچے، چھوٹے بڑے، اونٹ کے کوہان کی طرح اُبھرے ہوئے، لہورے، جو بتدریج پھیل کر باہم یوں مل رہے تھے جیسے ہاتھ میں ہاتھ اور بانہوں میں بانہیں ڈالے کھڑے ہوں۔ یہ منظر چونکا دینے والا تھا۔ غور سے دیکھا تو صحرا کی صورت بالکل بدل گئی تھی اور اب نقشہ ہی دوسرا تھا۔ وہ بادیۂ شام کے اس حصے میں پہنچ گیا تھا جو جان جوکھوں کا حلقہ تھا اور آگے ریت کے تودے راستہ روکے کھڑے تھے۔

بوڑھے شانگان نے ایسی کوئی صورت بیان نہیں کی تھی جو پیش آ گئی۔ وہ خود ہی سوچنے لگا اس نے نصف صدی بیشتر صحرا کو عبور کیا تھا جب کہ صحرا کا نقشہ بدلتا رہتا اور "ریگ رواں" کا طوفان ایک ہی دن میں تودوں کی ہیئت تبدیل کر دیتا ہے۔ نصف صدی کے اندر نہ جانے بادیۂ شام میں کیا کچھ بدل گیا ہو گا۔ بہرحال اُسے اس صورت حال کا مقابلہ کرنا اور آگے بڑھنا تھا۔

ایک جگہ رک کر آسمان کا بغور جائزہ لیا۔ ستاروں کا نقشہ دیکھا، گردن موڑ کر عقب پر نظر ڈالی پھر سمت کا تعین کر کے تودوں کے درمیان سے چاند کے پیچھے پیچھے قدم قدم آگے بڑھا۔ تودوں کا بے ہنگم سلسلہ اُس وقت ختم ہوا جب چاند اُس کی نظروں کے سامنے ڈوب رہا تھا۔ چار پانچ میل کا یہ سفر تنہائی و دشوار گزار ثابت ہوا۔ ریت کے تودے پیچھے آگے بھی کھڑے تھے تاہم ان کے درمیان سے گزرنے کا راستہ موجود تھا۔ صبح کے اجالے میں صحرا کا نقشہ دیکھا تو اس کی ہولناکی کا اندازہ لگا کر خوف کی ایک لہر خون کے ساتھ سرد کر گئی۔ ساتھ ہی وحشت انگیز خاموشی اور اپنی تنہائی کا احساس بھی دل میں جاگ اٹھا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ طلوع آفتاب نے صحرا کے منظر کو ایک بار پھر تبدیل کر دیا۔ رات اور دن کے سفر میں تنہائی کا مشترک احساس روح کو ڈس رہا تھا۔ ہولناک خاموشی دل میں پیدا کر رہی تھی۔ اوپر آسمان خاموش تھا۔ سورج کی زبان پر قفل لگے تھے۔ اس کی دہکتی کمان سے شعاعوں کی صورت جو آتشیں تیر صادر ہو رہے تھے، ان میں بھی کوئی ہلچل یا سرسراہٹ نہیں تھی۔ نیچے زمین خاموش تھی۔ مغرب، جنوب اور مشرق اور دن کے کناروں تک پھیلا گونگا صحرا چپ تھا۔ ریت کے اونچے نیچے تودے، جو "ریگ رواں" دور کے بڑے بڑے کچھوے معلوم ہوتے تھے، دم سادھے چپ چاپ منظر کی دہشت میں اضافہ کر رہے تھے۔ اتنے وسیع و عظیم صحرا میں گردش کرتے دن کو بھی کوئی آواز پیدا کیے بغیر گزر رہی تھی۔ البتہ اس کے خاموش جھونکے ریت کے تودوں

www.urdukorner.com

اور ریت کی لہروں سے ٹکرا کر جو بے معلوم سا ارتعاش پیدا کر رہے تھے، اُس سے صحرا کے ہولناک سناٹے کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا اور "خاموشی کی وحشت" دل و دماغ پر شگاف ڈال رہی تھی۔ اس وحشت انگیز خاموشی میں یہ خیال کہ وہ اتنے عظیم صحرا میں تنہا ہے اسے مزید ہراساں کر رہا تھا۔

دن کی روشنی اور شعلے برساتی دھوپ میں صحرا ہولناک نظر آنے لگا۔ کوسوں تک کہیں روئیدگی، کوئی درخت، کوئی جھاڑی، کوئی تھوہر بھی نہ تھا۔ آسمان پر جلتا سورج، زمین پر تپتا ریگستان اور ان کے درمیان گردش کرتی بادِ سموم جس کی جلن سے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔

سورج بلند ہو رہا تھا، دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ تمازت بڑھ رہی تھی۔ صحرا کی دہکتی جلتی میں گرم ریت چنگاریوں میں بدل رہی تھی اور ہزاروں مربع میل کے رقبے تک وسیع جلتے تپتے گوشے صحرا کے اندر وہ تنہا سفر کر رہا تھا، جہاں اُس کے ساتھ ہم کلام ہونے اور بات کرنے والا کوئی نہ تھا۔ خاموشی اور تنہائی کی اذیت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے سوچنے لگا کہ کیوں نہ خود بخود بولنا یا گانا شروع کر دے۔ پھر خیال آیا، کہیں یہ ذہنی لرزش اور دیوانگی کا آغاز نہ ہو۔ اس ہولناک صحرا میں اُسے بہرحال اپنے آپ کو سنبھال کے رکھنا تھا تاہم جو اس پر اثر انداز ہونے والی بھیانک تنہائی اور وحشت ناک خاموشی کا دباؤ کم کرنے کے لیے وہ گھوڑے ہی سے مخاطب ہوا اور اُس کی گردن تھپتھپا کر ذرا بلند آواز میں تاکہ چپ کی وحشت دور ہو سکے، معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "نیتی! بہت کڑی دھوپ ہے، بڑا کٹھن سفر ہے مگر گھبرانا نہیں۔ دشمنوں سے بچنے کے لیے یہی ایک راستہ باقی تھا۔"

گھوڑے نے اپنے نتھنے پھڑپھڑائے پھر ہنہنا کر جیسے ہنکارا بھرا۔ وہ سمجھا کہ اُس کی بات کا جواب دے رہا اور کچھ کہہ رہا ہے۔ چند قدم چل کر اس نے گھوڑے سے ایک اور سوال کیا۔ "تمہیں پیاس تو نہیں لگی؟" پھر خود ہی بولا۔ "اس جہنم میں پیاس تو لگ رہی ہوگی۔ ٹھہرو تمہیں پانی پلاتا ہوں۔"

گھوڑے کی باگیں کھینچ کر وہ وہیں رک گیا اور نیچے اُتر آیا۔ کھال سے تو بڑے میں تھوڑا سا پانی نکالا اور گھوڑے کے منہ سے لگا دیا۔ جانور سچ مچ پیاسا تھا۔ پانی پی کر پھر ہنہنایا جیسے شکریہ ادا کر رہا ہو۔ اُس کے اپنے حلق میں بھی کانٹے چبھ رہے تھے۔ چھاگل سے دو گھونٹ

بھرے، اپنا حلق تر کیا پھر رکاب میں پاؤں رکھ کر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عرب کے ایک قدیم شاعر کا شعر پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔

وَلَمْ اَرَ فِی الْخُطُوْبِ اَشَدَّ وَقْعًا
وَاَصْعَبَ مِنْ مُعَادَاتِ الرِّجَالِ

(اور میں نے حوادثِ زمانہ میں لوگوں کی دشمنی کو کسی واقعے سے زیادہ سخت اور شدید نہیں پایا)

اسی طرح اُس نے صحرا کے وحشت انگیز سناٹے کو الفاظ اور آواز سے توڑنے کی کوشش کی اور ماحول کی سنگینی کو ذرا بدلنے کا جتن کیا لیکن وہاں دشوار گزار تودوں، جلتے سورج، چڑھتی دھوپ، بڑھتی حدت، گرم ہوا، حدِ نظر تک اجل گرفتہ تنہائی اور صحرا کی ہولناک "چپ" کے سوا اور تھا ہی کیا!

اذیت ناک ماحول میں اذیت ناک سفر جاری تھا مگر کل کی طرح طلوعِ آفتاب کے بعد یہ سفر ایک پہر تک نہ چل سکا۔ اُس کا رفیقِ سفر بھی مزید اذیت برداشت نہ کر سکتا تھا۔ ایک بڑے تودے کے پاس جو شمالاً جنوباً خاکستری پہاڑی کی مانند دور تک پھیلا تھا، اُس نے گھوڑا روک لیا۔ آسمان گرم، زمین گرم، کڑاکے کی دھوپ۔ نزدیک و دور کہیں سایہ نہ تھا۔ کھلے آسمان اور آگ برساتے سورج کے نیچے قیام کرنا پڑا۔ چھوٹا سا سائبان صرف اُسی کو دھوپ سے پناہ دے سکتا تھا لیکن سائبان تلے بھی وہ گرم لُو سے محفوظ نہ تھا۔ گھوڑے کو چارہ دانہ ڈال کر، پانی پلا کر اور خود بھی کھا پی کر سائبان کے نیچے نمدے پر لیٹا، تو صحرا کی خوف انگیز تنہائی اور بھیانک "چپ" اجل کے قاصد کی طرح اردگرد چکر کاٹنے اور اس کے حواس کو اپنی چادر میں لپیٹنے لگی۔

کتنا بھیانک اور خوف ناک سناٹا تھا۔ پھر آج کے سفر اور کٹھن راستوں کا خیال آیا۔ پہلی بار بادیۂ شام کی ہولناکی کا احساس ہوا۔ اسے صحرا میں ابھی مزید کئی دن سفر کرنا اور کئی ہولوں سے گزرنا تھا۔ بادیۂ شام کا وہ حلقہ تودوں کی اس دیوار تک جہاں زمین اونٹ کے کوہان کی طرح ابھری ہوئی اور شمالاً جنوباً چھ سات میل تک چلی گئی تھی، بے حد کٹھن اور خطرناک تھا۔ اس حلقے کا آغاز ہی ہوا تھا۔ ناگہاں ایک صحرائی بگولا اُٹھا تا بلند تر تودے کے قریب آیا اور اُس کے سائبان کو چھوتا گزر گیا۔ ساتھ ہی ایک تیز سرسراہٹ نے صحرا کا بھیانک سکوت

www.urdukorner.com

توڑ دیا۔ یہ سرسراہٹ کسی خطرے کا اعلان کرتی گزر گئی۔ وہ بدحواس ہو کر سائبان سے نکلا اور لپکتا ہوا تودے کی بلندی پر پہنچ گیا۔

مغرب کی جانب جدھر اُسے جانا تھا۔ ریت کے بے ترتیب تودے بھول بھلیوں کی طرح حدِ نظر تک پھیلے تھے اور اُن تودوں کے درمیان صرصر کے گرد آلود جھکڑ چلنے لگے تھے جن سے فضا گدلی ہو رہی تھی۔ ہوا تند بگولوں کی شکل اختیار کر کے بطنِ صحرا میں چکر کاٹ رہی اور ریت کو اپنے ساتھ اڑائے پھرتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس خیال سے لرز اٹھا کہ "ریگِ رواں" کا طوفان چلنے والا ہے، جو مسافر کو زندہ ہی دفن کر کے اُس کے جسموں کو ریت کی ڈھیریوں میں تبدیل کرتا ہوا گزر جاتا ہے۔

ابنِ حرب بادیۂ شام کے انتہائی خطرناک حلقے گویا بطنِ صحرا میں پہنچ چکا تھا، جہاں صرصر اور ریت کے طوفانوں سے پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی اور یہی بات خوف و ہراس کی اصل وجہ تھی جس نے قلب و ذہن کے ساتھ جسم پر بھی دہشت کی کپکپی سی طاری کر دی۔ وہ جلتے سورج کے نیچے جو عین سر پر آ گیا تھا، تودے کی بلندی پر کھڑا مغرب کی طرف دیکھتے ہوئے صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا مگر ماحول میں مزید کوئی تبدیلی نہ ہوئی، جب کہ ریگِ رواں کا طوفان بڑی تیزی سے آگے بڑھتا اور اُس کی رفتار عام جھکڑوں اور بگولوں سے کئی درجے تیز ہوتی ہے۔ اگر مغرب کی جانب کسی طوفان کا خطرہ ہوتا تو اس وقت تک صحرا کا سناٹا ہوا کے فراٹوں اور طوفان کی لرزہ خیز شور میں غرق ہو چکا ہوتا، پھر مغرب کی جانب بگولوں کا یہ وحشیانہ رقص کیسا تھا؟

اُس نے سوچا، صحراؤں میں عام طور پر جھکڑ چلتے اور بگولے اُٹھتے رہتے ہیں۔ بادیۂ شام کا وسطی حلقہ بھی اپنے طبعی عمل سے دوچار ہے جہاں ہوا کی گردش تیز اور خطرناک ہے۔ پھر بھی یہ خیال بڑا روح فرسا تھا کہ ابھی اُسے صحرا کے خطرناک ترین حلقے سے گزرنا اور ان تند بگولوں کے درمیان سفر کرنا ہے جو رہوار اور سوار دونوں کے لیے خطرناک ہوں گے۔

یہ خیال غلط نہ تھا، آگے صحرا کا منظر بالکل بدلا ہوا اور آفاتِ ارضی کا ایک نیا حلقہ کھلا ہوا تھا۔ اس حلقے میں سفر انتہائی مشکل ثابت ہوا۔ سورج بھٹی میں سرخ کیے ہوئے آتشیں قرص کی مانند آگ برسا رہا تھا۔ دھوپ دہکتی سلائیوں کی طرح جسم میں اُتر رہی تھی۔ اونچے نیچے ٹیلے پاؤں میں بانہیں ڈالے، اس طرح سدِ راہ تھے جیسے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ گرم ریت میں گھوڑے کی ٹانگیں پھنس پھنس جاتی تھیں صرصر کے جھکڑ اور تند بگولے رہوار کے ساتھ سوار کو بھی پیچھے

دھکیل رہے تھے۔ گرد باد کے حلقوں میں اڑتی اور گردش کرتی ریت آتشیں پھوار کی طرح اس کے جسم سے ٹکراتی تو چہرہ جھلس جاتا اور ہر سانس کے ساتھ ریت نتھنوں میں بھی گھس جاتی، جس سے سانس تک لینا دشوار ہو جاتا۔

ابنِ حرب کے ستارے اچھے تھے کہ معاملہ صرصر کے جھکڑوں اور بگولوں سے آگے نہ بڑھا۔ اُس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ بادیۂ شام کا سفر اتنا کٹھن اور ہولناک ہوگا، جہاں موت زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ان تمام صعوبتوں، مشکلوں اور دشواریوں کے باوجود اس کا سفر جاری تھا۔

دن کو جلتے آسمان کے نیچے کہیں رُکتا، ٹھہرتا اور راتوں کو چلتا وہ چھٹے روز تودوں کی اُس دیوار تک جا پہنچا جس کے بارے میں بوڑھے شتربان نے بتایا تھا کہ وہاں صحرا کا خطرناک حلقہ ختم ہو جاتا ہے لیکن مسلسل چار دن سفر کی ہولناک صعوبتیں اٹھاتا، سختیاں جھیلتا، صحرائی آفات سے لڑتا، جان جوکھوں میں ڈالتا وہاں پہنچا تو چہرہ اترا ہوا، حلیہ بگڑا ہوا، بدن بخار سے تپتا ہوا اور ذہن صحرا کی ہولناکیوں سے منتشر ہو چکا تھا۔ وہ دیوانہ بے شک نہیں ہوا لیکن حالتِ دیوانگی سے قریب تر ضرور تھا۔ گھوڑے سے اترتے ہوئے لڑکھڑا گیا۔ اگر زین اس کے ہاتھ سے نکل جاتا تو بُری طرح تپتی ریت پر گرتا۔ اس لق و دق صحرا میں کوئی سنبھالنے والا بھی نہ تھا۔ وہ خود ہی ہمت کر کے سنبھلا اور دیوار کے پاس ہی پڑاؤ ڈال دیا۔

رسد بہت کم رہ گئی تھی۔ پانی کا ذخیرہ بھی ختم ہو رہا تھا اُس سے نہ گھوڑے کا پیٹ بھر سکا، نہ اُس کی اپنی پیاس بجھی۔ بحیرۂ مردار کے جنوب مغربی حلقے تک پہنچنے کے لیے ابھی تین دن کا سفر باقی تھا لیکن پکھال میں زیادہ سے زیادہ ایک وقت کے پینے کا پانی بچا تھا۔ اُس کے اپنے زادِ راہ میں صرف ایک مٹھی ستو اور گنتی کے صرف دس چار اخروٹ رہ گئے تھے۔ رسد اور پانی کی حالت تشویشناک تھی۔ اگر خود بیمار تھا، تو گھوڑے کی حالت بھی ابتر تھی اور وہ مزید سفر کے لائق نہیں تھا لیکن سفر تو بہرحال لازمی تھا بخار کی وجہ سے دن کو بھی آرام نہ کر سکا۔ ڈوبتے سورج کے ساتھ پڑاؤ اٹھا لیا۔ ریت کے تودوں کی دیوار اُتر کر دوسری طرف پہنچا اور شام کے جھٹپٹے میں سفر پھر شروع ہو گیا۔ آسمان پر چاند اگرچہ ذرا دیر سے طلوع ہوا مگر چاندنی میں سفر نسبتاً آسان تھا۔ چاند اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے۔ بادیۂ شام کا خطرناک حلقہ پیچھے رہ گیا تھا۔ اب سفر زیادہ دشوار

www.urdukorner.com

نہ تھا، پھر بھی بخار سے پھنکتے بدن کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر بیٹھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس نے سمت کا تعین کر کے رہوار کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ رات صحرا کے سفر میں گزری اور ساتویں روز جب سورج اس کے عقب میں طلوع ہوا اس کا گھوڑا صحرا کے حاشیے سے گزر کر ایک چٹیل وادی میں داخل ہو رہا تھا۔

۹

بنی کلب

شاکگان کی بتائی ہوئی علامتوں کے مطابق صحرا سے نکل کر ایک چٹیل وادی ہی میں داخل ہونا تھا، جہاں چند میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی اور اس پہاڑی میں ایک ویران اور شکستہ محل کے آثار تھے۔ وہ عمارت ایک پہاڑی کے پتھر تراش کر بنائی گئی تھی۔ ابن حرب کو اب اسی خانقاہ کی تلاش کر کے اسی میں پڑاؤ ڈالنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حجر کے علاقے میں داخل ہو چکا ہے۔

چٹیل وادی اپنے کناروں تک بڑے وسیع رقبے میں پھیلی بالکل ویران سنسان پڑی تھی۔ وہاں ان بدوی قبیلوں کے لیے بھی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا جو کھلے آسمان کے نیچے بستیاں بسا لیتے ہیں۔ قرب و جوار میں کسی نخلستان کے آثار نہ تھے، دور دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ چاروں کھونٹ وحشت ویرانی برس رہی تھی، شاید اسی لیے کسی صحرائی قبیلے نے بھی اسے اپنا مسکن نہیں بنایا تھا۔

سب سے اہم بات غالباً یہ تھی کہ وادی عام صحرائی گزرگاہوں سے بہت ہٹ کر واقع تھی۔ لوٹ مار پر گزر بسر کرنے والے صحرائی قبیلے بھی عموماً ایسے جاڑ مقامات پر خیمے لگاتے تھے جو گزرگاہوں اور شاہراہوں سے قریب ہوتے۔ صحرا میں اکا دکا مسافروں یا چھوٹے چھوٹے قافلوں کو جو حفاظتی حلقہ ساتھ لے کر نہیں چلتے تھے، لوٹ لینا قبائلی دستور العمل تھا۔ وہ چٹیل وادی کسی ایسی دلچسپی سے محروم تھی جو صحرائی لٹیروں کے مطلب کی بھی نہیں تھی۔

www.urdukorner.com

ابن حرب کو اُس وادی میں دو تین میل اندر گھس کر ایک پہاڑی سلسلہ تلاش کرنا تھا۔ جہاں کسی ویران و شکستہ معبد یا ایک خانقاہ کے آثار تھے۔ لوگ اُس وادی سے دور بھاگتے تھے، جب کہ وہ ابنِ حرب کے ہولناک سفر کی ایک منزل تھی۔ اُس کا جسم بخار سے چھنک رہا تھا گرمی اور پیاس کے مارے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے، گھوڑے پر بیٹھنا دشوار ہو رہا تھا۔ گھوڑا بھی جو اُسے ناقابلِ عبور صحرا سے نکال لایا، بڑا تھکا ماندہ اور کسی جگہ قیام اور آرام کے لیے بے چین ہو رہا تھا لیکن چٹیل وادی میں اُس کے پڑاؤ کی جگہ پہلے سے متعین تھی۔ وہ اُسی جگہ کی تلاش میں تھا جس کے لیے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صحرا کے حاشیے کو چھوڑ کر کوئی دو ڈھائی میل آگے بڑھا ہوگا کہ دور ایک جانب پہاڑی سلسلہ نظر آیا۔ اور اس نے رہوار کا رُخ اُسی جانب موڑ دیا۔

وہ سلسلہ ایک لمبوتری، اکہری چٹان اور اُس کے آس پاس پھیلے چند ٹیلوں پر مشتمل تھا۔ شمالی جانب اُسے معبد یا خانقاہ کے آثار بھی مل گئے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا کہ وہ عمارت جو صدیوں پہلے ایک چٹان کو تراش کر بنائی گئی دو منزلہ تھی۔ اُس کی بیرونی دیوار اوپر نیچے دوہری تھی۔ دروازے اور دریچے جیسے نیچے کی دیوار میں تھے، ویسے ہی اوپر کی دیوار میں بھی تھے، جو سب کے سب شمال کی جانب کھلتے تھے اور کھلے تھے کیوں اب اُن میں کوئی کواڑ موجود نہ تھا۔ بے کواڑ دریچوں کے صرف سنگی چوکھٹے باقی رہ گئے تھے اور اُن کے رُخ شمال کی طرف رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ طلوع و غروب کے اوقات میں دھوپ اندر نہ آسکے۔ بعض عیسائی راہب اُسے غسانی دور کی خانقاہ قرار دیتے تھے حالانکہ وہ ظہورِ عیسائیت سے بہت پہلے کی یادگار اور غالباً قومِ ثمود کے فنِ سنگ تراشی کا نمونہ تھی۔

ویران معبد کے آگے صحن تھا، جو امتدادِ زمانہ سے جوہڑ کی شکل اختیار کر گیا تھا اس میں برسات کا پانی جمع ہوتا اور دھوپ میں سڑ سڑ کے خشک ہو جاتا ہوگا جن لوگوں نے بھی چٹان کو تراش کر عمارت بنائی تھی۔ بلاشبہ وہ اپنے فن میں یکتا تھے مگر آبادیوں سے دور ایک ویران چٹیل وادی میں لمبوتری چٹان کو تراش تراش کر معبد کی صورت میں ڈھالنے کی کوئی وجہ ذہن میں نہ آتی تھی۔ اُس نے سوچا، ممکن ہے کسی زمانے میں وہاں کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہو جس کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے یہ معبد بنایا گیا۔

گھوڑے سے اتر کر اس کے دروازے کے ایک چوکھٹے سے اندر جھانکا تو فرش گرد و غبار سے اٹا ہوا اور دیواروں، محرابوں، طاقچوں میں جالے لٹکتے دکھائی دیے۔ اندر داخل ہونے کا خیال ترک کر کے معبد سے ملحق ایک ٹیلے کی دیوار کے سائے میں قیام بہتر سمجھا۔ رسد کی حالت پچھلے پڑاؤ ہی سے تشویشناک ہو گئی تھی۔ گھوڑے کے پینے کے لیے صرف ایک وقت کا پانی بچا تھا، چارہ دانہ ایک وقت کے لیے بھی کافی نہ تھا اور ابھی "رحلۃ الشتاء والصیف" کی عرب شاہراہ تک اندازاً ڈھائی تین دن کا سفر باقی تھا۔ بچے ہوئے چارے دانے اور پانی پر گزارا کیا اور غمدے پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی ہولناک تنہائی اور اذیت ناک خاموشی نے اس کے ذہن کو جکڑ لیا اور وہ چشمِ تصور میں عجیب و غریب وحشت خیز منظر دیکھنے لگا کہ دیوانگی میں یکا و تنہا بھٹک رہا اور صحرا کی بھیانک "چپ" بھوکے بھیڑیے کی شکل اختیار کر کے پیچھا کر رہی ہے۔

معلوم نہیں وہ بخار کی غنودگی تھی یا سوتے سوتے کوئی خواب دیکھا تھا کہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ دل و دماغ سے خوف کی لہر گزر رہی تھی جسم پر لرزہ طاری اور بخار تیز ہو چکا تھا جس میں ذہن ہذیانی کیفیت سے دوچار ہوتا اور عجیب و غریب منظر دیکھتا ہے۔ خیال آیا کہ اسے جلد از جلد اذیت ناک خاموشی اور تنہائی کے حلقے سے نکل جانا چاہیے ورنہ شدید بخار کی حالت میں سفر نہیں کر سکے گا۔ رسد بھی پاس نہ تھی اور مشکیزے کا پانی بھی ختم ہو چکا تھا۔

یہی سوچ کر سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ بخار کی شدت سے جسم پر بار بار کپکپی طاری ہوتی جو تپِ لرزہ کی علامت تھی اور سفر میں طبیعت زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ بیماری کی حالت میں وہاں مزید قیام زیادہ خطرناک ہوتا، جہاں نہ علاج کی کوئی صورت تھی، نہ خوراک کی، نہ پانی تھا بلکہ صحرا کی مانند ہولناک تنہائی اور وحشت انگیز خاموشی تھی جو حواس کو مضمحل کیے دیتی تھی۔

سورج مغربی افق پر اپنی آخری تمازت بکھیر رہا تھا، جب اُس نے رکاب میں پاؤں رکھا اور ٹیلے کی شمالی دیوار سے نکل کر جدھر معبد کے آثار تھے، مغربی سمت کی بلندی پر آیا۔ ایک پل کو رک کر مشرق کی جانب عقبی وادی اور پرلے صحرا پر نظر ڈالی جسے عبور کر کے آیا تھا تو کم و بیش دو میل دور ایک حیرت انگیز منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

بادیۂ شام کے حوادث کا مارا ہوا ایک چھوٹا سا قافلہ صحرا کے حاشیے سے گزر کر چٹیل

www.urdukorner.com

وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہ منظر حیران کر دینے والا تھا۔ ایک سو ایک سالہ بوڑھے شالگان کے بیان اور اس کی اپنی معلومات کے مطابق کوئی قافلہ بادیۂ شام کے اس خطرناک حلقے میں سفر نہیں کرتا تھا۔ وہ تو فی الواقع "موت کی رہگزر" تھی، جسے وہ محض خوبیٔ تقدیر سے عبور کر آیا تھا ورنہ اس حلقے کا رُخ کرنا، زندگی داؤ پر لگانے والی چال تھی۔ پھر وہ لوگ کدھر سے ٹپک پڑے تھے؟

ذرا غور سے دیکھا تو قافلہ گنتی کے چھ اونٹوں پر مشتمل تھا جن پر چھ ہی سوار تھے سب سے اگلا شتر سوار یقیناً میر قافلہ ہوگا، جس کا سیاہ عمامہ اسے دوسروں سے ممتاز کر رہا تھا۔ نہ جانے اُن لوگوں پر کون سی اُفتاد آ پڑی تھی کہ صحرا کا سب سے کٹھن راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے؟ فاصلے کے باوجود صاف پتہ چلتا تھا کہ جوکھوں کے سفر نے انھیں نڈھال کر دیا ہے کیوں کہ اونٹ بڑے تھکے ماندے اور شتر سوار بے حد مضمحل نظر آ رہے تھے۔

ابن حرب نے سوچا۔ وہ خود بخار میں مبتلا ہے، رسد پانی ختم کر چکا ہے کیوں نہ رک کر قافلے کا انتظار کرے جو اسی پہاڑی معبد کی طرف آ رہا ہے اور بقیہ راستہ اہلِ قافلہ کے ساتھ مل کر طے کرے۔ وہ لوگ ضرور اس کی دیکھ بھال کریں گے اور سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔ یہی سوچ کر ذہن پھر اہلِ قافلہ میں اُلجھ گیا کہ کون ہیں؟ وہ صحرائی ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں جو قافلوں کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں اور اس کی ہمیانی میں جو کمر سے بندھی تھی، سونے کے ایک سو دینار تھے۔ ناگہاں یاد آیا جب وہ بغداد کے قبرستانِ شونیزیہ سے نکلا اور اس پر دھاوا ہوا تو اُس نے دھاوا کرنے والے شاہی سواروں میں کزلان ترک کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ کزلان ترک کے ہمراہ پانچ سوار تھے چھٹا وہ خود تھا اور آنے والا قافلہ بھی چھ شتر سواروں پر مشتمل تھا جو صحرا میں اس کا کھوج لگاتا اور عربی اصطلاح میں "شبرا بالشبر" یعنی نقوشِ پا پر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اب جو پوری توجہ سے نظر ڈالی تو وہ آنے والوں کو اچھی طرح پہچان گیا۔ وہ کزلان ترک اور اُس کے ساتھی ہی تھے، جنھوں نے گھوڑے غالباً فرات کی کسی بستی میں چھوڑ کر اونٹ حاصل کر لیے تھے اور یہ سراغ لگا کر کہ اُن کا شکار بادیۂ شام کے کٹھن راستے فرار ہوا ہے خود بھی اونٹوں پر بھاگے اور ساتویں روز غروبِ آفتاب سے نصف پہر قبل بلائے ناگہانی

کی مانند اُس کے عقب میں نمودار ہوئے تھے۔

حقیقت کے اس انکشاف پر اس کا دل دھک سے رہ گیا جیسے برقِ آسمانی ٹوٹ پڑی ہو، جیسے موت نے عقب سے آ لیا ہو۔ بس قیامت کا ایک "خاموش کڑاکا" تھا جس سے پورا جسم لرز اٹھا اور یہ اندیشہ رہی سہی طاقت کو بھی پامال کرنے لگا کہ خلیفہ کے ہرکارے کو بادیۂ شام کے سفر کی اطلاع کریب کی بستی میں بوڑھے شالگان یا پھر اس کے عجمی غلام ہی سے ملی ہوگی۔ جبھی کزلان ترک اپنے سواروں کے ہمراہ قدم بہ قدم اُس کے عقب میں آ نکلا تھا۔

حیرت کا ایک سکتہ تھا جو اس پر گزر گیا اور اسی سکتے کی حالت میں کھڑا آنے والوں کو چٹیل وادی میں داخل ہوتے دیکھتا رہا۔ یہ انکشاف بڑا لرزہ خیز تھا کہ کزلان ترک آ پہنچا ہے۔ معاملے کی یہ صورت انتہائی سنگین تھی کہ اُس نے بادیۂ شام کے ناقابلِ عبور حصے میں بھی تعاقب جاری رکھا گویا اسے گرفتار کیے بغیر لوٹنے والا نہیں تھا۔

اچانک خیال آیا کہ عراق سے یہاں تک کا علاقہ جس میں تعاقب کا یہ سنگین معاملہ پیش آیا، دراصل عباسیہ ہی کی عملداری میں تھا جس پر اُن کے سیاہ پرچم سایہ کناں تھے اتنی طویل اور جوکھوں کی مسافت طے کرنے کے باوجود وہ خطرے کی سرحد عبور نہ کر سکا اور اب صرف اسی صورت میں محفوظ ہو سکتا تھا، جب حجر کے علاقے سے گزر کر فلسطین اور مصر میں داخل ہو جاتے۔

یہ ایک ایسی خوف ناک حقیقت تھی جس کے ایک ہی جھٹکے سے وہ ساری خوش فہمیاں چکنا چور ہو کر بکھر گئیں جن سے دل کو حوصلہ ہوا تھا کہ بادیۂ شام کا سفر اختیار کر کے وہ محفوظ ہو گیا ہے۔ ہاں کہ خطرہ تو پیچھے ہی پیچھے بھاگا آ رہا اور خلیفہ معتضد کا سنگ دل افسر پوری سفاکی کے ساتھ اُس کے تعاقب میں تھا۔ یہ طویل تعاقب کزلان ترک کے خطرناک عزائم کا کھلا ثبوت اور اس امر کا واضح اظہار تھا کہ ابن حرب کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے یا خود معتضد کے قہر و عتاب کا شکار ہو جو ہر قیمت پر اپنے احکام کی تکمیل چاہتا تھا۔ یہ بات ابن حرب کی جانتا تھا کہ اگر کزلان ترک حکم کی تعمیل نہ کر سکا تو اس کی بقیہ زندگی کسی زندان میں ایڑیاں رگڑتے ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یہ ساری بھاگ دوڑ اُس کی اپنی موت یا کزلان ترک کی زندگی کے [illegible] مگر کہیں نہ کہیں اس بات کا فیصلہ ہونا تھا کہ ان دونوں میں سے موت کسے جھپٹ کر

www.urdukorner.com

لے جاتی اور زندگی کس کا ساتھ دیتی ہے۔

یہ تھا اس تعاقب کا مقصد و مفہوم جس نے ابن حرب کو لرزا دیا کیوں کہ اس حالت میں جب بادیۂ شام کے ہولناک سفر نے اُسے کمزور کر دیا اور تیز بخار نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا، وہ بہ یک وقت چھ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن جس طرح پہلے اُن کے گھیرے اور دھاوے سے بچ نکلا اور ایک طویل فاصلہ قائم رکھا تھا اُسی طرح اب بھی وہ فاصلہ برقرار تھا۔ کزلان ترک اور اُس کے ساتھی کم و بیش تین میل دور تھے۔ خوش نصیبی کی دوسری بات یہ نکلی کہ اُس نے ٹیلے کی بلندی اور پتھروں کی اوٹ سے اُنھیں کھلے منظر میں آتے دیکھ لیا۔ جب کہ آنے والے اُسے نہ دیکھ سکے اور غالباً اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا شکار ویران معبد میں غفلت کی نیند سو رہا ہوگا، جسے وہ بڑی آسانی سے دبوچ لیں گے۔ بس یہی ایک بات ابن حرب کے حق میں جاتی تھی کہ وہ اُن کی آمد اور حربے سے آگاہ ہو چکا تھا اور جو جال پرندوں کی نظروں کے سامنے بچھایا جاتا ہے وہ اُس میں نہیں پھنستے بلکہ بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ابن حرب کو بھی وہاں سے نکل جانا تھا۔

اُس نے اپنے حواس درست کیے۔ گھوڑے کی گردن پر تھپکی دی اور تیزی سے باگ موڑ کر اُسے مخصوص ایڑ لگائی جو خطرے کی علامت تھی۔ پھر گھوڑے کو مغرب کی جانب سرپٹ چھوڑ دیا۔ کزلان ترک اور اُس کے ساتھی ابھی معبد سے دور تھے اور ویران وادی میں گھرے سناٹے کے باوجود اُس کے بھاگتے دوڑتے گھوڑے کی ٹاپیں نہیں سن سکے ہوں گے۔ کئی دنوں کے سفر کا تھکا ماندہ جانور، لگام کے جھٹکے اور خطرے کی ایڑی کا اشارہ سمجھ کر ایک بار پھر اُسی رفتار سے بھاگا اور آناً فاناً معبد کے حلقے سے نکل گیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی اور جب تک شام کی بکھری زلفیں کھلتیں وہ اس چٹیل وادی سے نکل سکتا تھا۔

کزلان ترک یقیناً یہی سمجھتا ہوگا کہ اُس کا شکار صحرا سے نکل کر جب ویران معبد میں پہنچے گا تو بے فکری کی نیند سوئے گا لیکن ابن حرب کو وہاں نہ پا کر اور قیام کے نشانات دیکھ کر اُس کے دل و دماغ پر کیا بیت گئی۔ اُس نے خود بھی وہاں قیام کیا یا اُسی طرح پیچھے بھاگا تھا کہ مفرور کہیں دور نہ نکل جائے! ابن حرب کو ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ نہ اُس نے اپنے پیچھے تعاقب کی دھمک سنی۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ ایک بار پھر بچ نکلنے کا موقع مل گیا ہے۔

اور وہ موقع بڑا غنیمت تھا۔ البتہ اس مرتبہ دشمن اونٹوں پر سوار تھا جو صحرا میں تیز بھاگتے ہیں اور اُس کے اپنے پیچھے رسالے کا وہی گھوڑا تھا۔ کئی روز کے لگاتار سفر کا تھکا ماندہ اس لیے یہ اندیشہ ضرور لاحق رہا کہ دشمن کہیں عقب سے ناگہاں جھپٹ کر یا پھندہ ڈال کر اُسے پکڑ نہ لے لیکن تربیت یافتہ فوجی گھوڑے نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ لائقِ اعتماد ہے۔ تھکا ماندہ، بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود چٹیل وادی میں بگولے کی مانند اڑتا چلا گیا۔

سورج غروب ہونے اور شام کا جھٹپٹا پھیل جانے کے بعد بھی وادی ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ آگے صحرا کا ایک اور حلقہ تھا۔ وہ صحرا میں اُس وقت داخل ہوا جب آسمان پر چاند کی قندیل روشن ہو چکی تھی۔ گھوڑا وہاں تک پہنچنے کے لیے مسلسل ایک پہر بھاگا اور اپنی جان پر کھیل کر دشمن سے بہت آگے نکل آیا تھا۔ مسلسل دوڑنے سے اُس کا سانس پھول رہا اور مارے پیاس کے بُرا حال تھا۔ ابن حرب نے جو خود بخار میں پھنک رہا تھا، اُس کی طلب اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے، وہ تھوڑا سا پانی، جو کسی ایسی مشکل کے لیے پکھال میں بچایا تھا، اُسے پلا دیا اور پکھال خالی کر دی۔

پانی پی کر جانور کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ اور پھر چل دیا لیکن ابن حرب کی اپنی حالت کچھ اور بگڑ گئی تھی۔ بخار پہلے سے تیز ہو گیا تھا۔ غنودگی ہوش و حواس پر غالب آ رہی تھی مغرب کی سمت متعین کر کے گھوڑے کو اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ خود بخود چلتا رہے مگر ہوتے ہوئے اُسے یہ دیکھنے کا بھی ہوش نہ رہا کہ گھوڑا کدھر جا رہا ہے۔ کچھ راستے میدانوں میں، کچھ راستے صحرا میں ہوتے ہیں جن پر آدمی سفر کرتا ہے مگر کچھ راہیں، کچھ پگ ڈنڈیاں آدمی کے اندر بھی ہوتی ہیں جن پر وہ چپ چاپ چلتا رہتا ہے کیونکہ ایک سفر اُس کے اندر بھی جاری ہے جس کی راہیں اور پگ ڈنڈیاں کبھی اندر کے اُجالے سے روشن ہوتی اور کبھی لاشعور کے اندھیرے میں گم ہو جاتی ہیں۔ بخار کی شدت سے اس کے حواس پر ایک غنودگی سی طاری تھی اور وہ اپنے اندر کی راہوں اور پگ ڈنڈیوں پر بھٹک رہا تھا جو کبھی روشن اور کبھی تاریک ہو رہی تھیں۔ شعور کے چراغ بجھ بجھ جاتے اور سوچیں اندھیرے میں گم ہو جاتیں مگر اس حالت میں بھی اُسے گھوڑے کی فکر پریشان کیے دیتی تھی کہ اُس کے کھانے پینے کے لیے چارہ دانہ، پانی کچھ نہ رہا تھا۔ وہ بھوکا پیاسا کب تک چلے گا؟

[illegible] روشنی میں [illegible] باہر بھی۔ بخار کی گرمی سے حلق سوکھ [illegible]

www.urdukorner.com

تھا مگر پانی نہ کھال میں تھا، نہ چھاگل میں۔ غنودگی سے آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں اور اندر کے اندھیرے میں سوچوں کا سلسلہ بھی بار بار ٹوٹ کر کہیں گم ہو جاتا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر غنودگی میں ڈولتے، ڈگمگاتے اُس نے آخری بات یہ سوچی کہ اب شرق اردن کی صحرائی بستیوں سے ادھر کہیں پانی نہ مل سکے گا۔ پھر اُسے اپنا کوئی ہوش نہ رہا، غشی کی حالت میں گھوڑے کی گردن پر ڈھے گیا اور وہیں پڑا رہا مگر دونوں چیر بدستور رکابوں میں اڑسے رہے۔ جانور نے محسوس کیا اس کے مالک کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اُسے لیے قدم قدم ایک سمت بڑھتا رہا

★

ابن حرب کو ہوش آیا، تو اپنے آپ کو خیمے کے اندر مسند پر لیٹا دیکھ کر چونک گیا خیمہ کافی کھلا اور شاندار بلکہ کسی صحرائی سراچے کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ نیچے کھجور کی چٹائی پر مسند کا فرش کسی رئیس قبیلہ کی بارگاہ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ پارچاتی دیواروں پر بھی کچھ آرائش کی چیزیں آویزاں تھیں۔ چھوٹے سے پارچاتی غرفے پر نظر پڑی، تو پتا چلا کہ باہر دن ڈھل چکا ہے۔

مارے تعجب کے ہڑبڑا کر اٹھا اور مسند چھوڑ کر غالیچے کے فرش پر آ گیا۔ اس کوشش میں ایک گیلا کپڑا، جو دوہرا، تہرا کر کے اس کے سر اور ماتھے پر رکھا تھا، فرش پر آ گرا۔ جھک کر گیلا کپڑا اٹھایا اور اس صورت حال پر مزید حیران ہوا کہ وہ کہاں آ گیا ہے؟ بخار اُتر چکا اور طبیعت بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ گیلے کپڑے سے سمجھ گیا کہ بخار کی شدت کم کرنے کی خاطر سر پر رکھا گیا ہوگا۔ گویا خیمے میں اُس کا علاج کیا جاتا رہا ہے مگر یہی بات حیران کیے دے رہی تھی کہ خیمہ کس کا ہے اور وہ یہاں پہنچا کیسے؟

صحرا میں گھوڑے کی پشت پر بے ہوش ہو کر ڈھے گیا تھا اور آنکھ ایک آراستہ خیمے میں کھلی تھی۔ بالکل الف لیلہ کی کسی کہانی کا سا منظر درپیش تھا۔ اسی لمحے پارچاتی دروازے کا پردہ ہٹا اور جوان عمر کی ایک خوب صورت عورت اندر داخل ہوئی جو اُسے فرش پر کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی پھر عرب دستور کے مطابق سلام پیش کیا اور بولی۔ "میں یہی دیکھنے آئی تھی کہ آپ کو ہوش آیا ہے یا نہیں؟"

ابن حرب نے حیرت کے لہجے میں پوچھا۔ "میں اس وقت کہاں ہوں؟"

اس سوال کا سیدھا سادا جواب تو یہی تھا کہ "خیمے میں" مگر پھر وہ پوچھتا "یہ خیمہ کس کا ہے؟" اس تکرار سے بچنے کی خاطر عورت نے بتایا کہ بنی کلب کے رئیس قبیلہ سردار نعمان کے خیموں میں ہے اور وہ سردار نعمان کی کنیز ہے، جو اس کی خدمت پر مامور کی گئی ہے۔

ابن حرب کو یاد آیا، بنی کلب شروع ہی سے دومۃ الجندل کے پہاڑی چشمے کے کنارے آباد رہے ہیں مگر ظہور اسلام کے بعد عہد فاروقی میں جب لشکروں کے دفتر تیار ہونے لگے، وہ لشکر اسلام میں بھرتی ہو کر مختلف شہروں میں چلے گئے تھے مگر اس قبیلے کی ایک شاخ شرق اردن کی طرف آ گئی تھی۔ یقیناً سردار نعمان کا تعلق اسی شاخ سے ہوگا۔ کنیز ہی کی زبانی پتا چلا کہ بنی کلب بحیرۂ مردار کے جنوبی نشیب میں بادیۂ شام کے حاشیے پر آباد ہیں یہ اطلاع حوصلہ افزا تھی کہ وہ اپنے اصل رستے سے دور نہیں ہوا مگر یہاں پہنچا کیسے اور اُس کے گھوڑے کا کیا ہوا؟

کنیز نے یہ معما بھی حل کر دیا اور بتایا کہ آج سویرے طلوع شمس کے وقت ایک گھوڑا بنی کلب کے خیموں کی طرف آتا دکھائی دیا جس کی پشت پر اس کا سوار بے ہوش ہو چکا تھا اور اُس کی باہیں گھوڑے کی گردن میں لٹک رہی تھیں۔ سردار نعمان نے گھوڑے کو اصطبل میں اور بے ہوش سوار کو اپنے خیمے میں پہنچانے کا حکم دیا پھر قبیلے کے حکیم نے بیمار کی نبض دیکھی اور تشخیص کی کہ وہ تپ لرزہ اور صحرائی لُو کا شکار رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر گہری غشی طاری ہے، اگر اس حالت میں دو تین پہر مزید گزر جاتے، تو موت یقینی تھی لیکن اب بچ جائے گا پھر ایک عرق کے دو گھونٹ بے ہوشی کی حالت میں حلق کے اندر پہنچائے اور کپڑا گیلا کر کے سر پر رکھنے اور تھوڑے وقفے کے بعد بدلنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق کنیز ہی گیلا کپڑا اُس کے سر پر رکھتی اور بدلتی رہی ہے جس سے آہستہ آہستہ بخار کم ہونے لگا۔ حکیم نے ہدایت کی تھی کہ اُسے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بخار اترنے پر خود بخود ہوش آ جائے گا۔

ابن حرب چپ چاپ یہ روداد سنتا رہا اور اس بات پر حیران رہ گیا کہ اس کا رفیق سفر رہوار ہی اس کے علاج کا ذریعہ بنا ہے جو معاملے کی نزاکت کو سمجھ کر اُسے بنی کلب کے خیموں کی طرف لے آیا، ورنہ صحرا میں چلتا اور بھٹکتا رہتا تو سفر کسی اور ہی منزل پر ختم ہوتا۔

www.urdukorner.com

یہ بے زبان جانور کی اپنے مالک سے دوستی اور وفاداری کا ایسا غیر معمولی واقعہ تھا جس نے دل گداز کر دیا اور اُس سے محبت دوچند ہو گئی۔ کنیز نے ایک اور انکشاف کیا اور بتایا گھوڑے کی پشت پر کھدا ہوا نشان دیکھ کر یہ تو پتا چل گیا کہ وہ عباسیہ کے شاہی رسالے کا گھوڑا ہے اور اسی اعلیٰ نسل کے گھوڑے صرف جرنیلوں، بڑے فوجی سرداروں اور سکہ دار سواروں ہی کے لیے مخصوص ہوتے ہیں تاہم ابھی یہ معلوم کرنا باقی ہے کہ اس کے سوار کا شاہی رسالے میں کیا رتبہ ہے۔ اسی لیے اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا کیوں کہ اپنے بارے میں وہی بتا سکتا ہے۔

یہ انکشاف بڑا پریشان کن تھا کہ گھوڑے کے داغ سے اُس کی حیثیت کا اندازہ کر لیا گیا اور اب صرف یہ دریافت کرنا رہ گیا ہے کہ شاہی رسالے میں وہ کس عہدے پر فائز ہے گویا دربارِ بغداد سے اُس کے تعلق کا راز کھل گیا تھا مگر وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ جب سردار نعمان کو پتا چلے گا وہ بغداد سے بھاگا ہوا اور خلیفہ معتضد کو ہر قیمت پر مطلوب ہے، تو اُس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ فوراً خیال آیا کہ وہ اپنے فرار کے متعلق کچھ بتائے ہی کیوں مگر ذہن میں ایک نئی سوچ کا غرفہ کھل گیا کہ کزلان ترک جو پیچھے پیچھے چلا آتا اور اُس کے چھوڑے ہوئے نشانات سے راستے کا تعین کرتا ہے جب صحرا میں اُس جگہ پہنچے گا جہاں سے گھوڑے نے بنی کلب کے خیموں کا رُخ کیا تھا، تو سمجھ لے گا کہ اُس کا شکار کدھر گیا ہے پھر اُسے خیموں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی اور غالباً سردار نعمان بھی اُس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ بنی کلب اس کی خاطر دربارِ بغداد سے دشمنی مول نہ لے سکتے تھے۔ صورتِ حال بے حد خطرناک تھی۔

کنیز نہیں جانتی تھی، وہ کیا سوچ رہا اور اچانک پریشان کیوں ہو گیا ہے۔ کہنے لگی۔ "حکیم نے ہدایت کی تھی، ہوش آنے پر آپ کو صرف دودھ پلایا جائے۔ میں دودھ لے آؤں اور آقا کو خبر کر دوں کہ آپ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر خیمے سے نکل گئی اور وہ سوچنے لگا اسے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا اور بنی کلب کے خیمے اُس کی گرفتاری کے پھندے بن جائیں گے۔ ابھی اسی پریشانی میں گم تھا کہ کنیز اونٹنی کے دودھ کا پیالہ لے کر واپس آ گئی۔ اس ۵۲ سال کا ایک ادھیڑ عمر لیکن بڑا وجیہ اور بارعب عرب بھی ساتھ تھا کسی تعارف کے بغیر

ہی ابن حرب سمجھ گیا کہ وہی بنی کلب کا رئیسِ قبیلہ ہے۔ "السلام علیکم" کے ساتھ ہی اُس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ آنے والے نے اپنا تعارف سردار نعمان ہی کے نام سے کرایا۔ عرب دستور کے مطابق مصافحہ اور معانقہ ہوا۔ کنیز نے دودھ کا پیالہ بڑھایا۔ نئی پریشانی نے ابن حرب کی بھوک پیاس سب ختم کر دی تھی لیکن حکیم کی ہدایت پر عمل ضروری تھا۔ "تشکر" کے ساتھ پیالہ منہ کو لگا لیا۔

سردار نعمان کا پہلا سوال شاہی رسالے میں اُس کے رتبے ہی سے متعلق تھا۔ ابن حرب نے اپنی حیثیت کی پٹاری سے، جو گھوڑے پر داغے ہوئے نشان سے کھل گئی تھی۔ فائدہ اٹھانے کی ترکیب سوچ لی اور بتانے لگا کہ وہ بغداد میں الرصافہ کے داروغہ سردار حرب الکندی کا بیٹا اور امیر المومنین معتضد ابو عباس کے لڑکپن کا دوست ہی نہیں بلکہ محافظ دستے کا سالار بھی ہے۔ ایک انتہائی اہم معاملے میں اُسے غزہ کا سفر درپیش ہے اسی لیے عام شاہراہ کو چھوڑ کر بادیۂ شام کا کٹھن راستہ اختیار کرنا پڑا تاکہ جلد سے جلد منزل پر پہنچ سکے اگر وہ بروقت غزہ نہ پہنچ سکا تو سفر کا مقصد فوت ہو جائے جس کے لیے بغداد سے نکلا ہے اس لیے سردار نعمان کے احسان کا شکر گزار اور رخصت کی اجازت چاہتا ہے۔

سردار نعمان اُس کے مقصدِ سفر کی اہمیت سے انکار نہ کر سکا لیکن عذر پیش کیا کہ حکیم ابو الشفاء کے نزدیک اُسے کم از کم ایک ہفتے تک مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ہفتہ نہ سہی، دو تین یوم یہاں آرام کرے اور بنی کلب کو اپنی خدمت کا موقع دے مگر دو تین یوم ہو گیا، وہاں دو تین پہر کے اندر سب کچھ تبدیل ہو سکتا تھا۔ سردار نعمان کی طرف سے قیام پر اصرار اور ابن حرب کی جانب سے انکار کا سلسلہ جاری تھا کہ اس اثنا میں حکیم ابو الشفاء بھی خیمے میں پہنچ گیا اور یہ سن کر حیران ہوا کہ مہمان سفر پر مُصر ہے۔ اُس نے بتایا کہ تشنگی نے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے اس حالت میں جان کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں مگر ابن حرب نے قصہ بالکل مختصر کر کے جواب دیا۔ "یہ سفر میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے" سردار نعمان اور حکیم دونوں لاجواب ہو گئے۔ اُس نے کچھ اور بھی کہا اور یہ کہا "زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے اگر زندگی نے مہلت دی تو میں واپسی پر بنی کلب کے خیموں میں ضرور آؤں گا اور چند روز یہاں قیام کروں گا۔"

اس وعدے پر سردار نعمان نے اُسے رخصت کرنے کی حامی بھر لی اور اب راستے

www.urdukorner.com

کی نشان دہی کرنے لگا۔ غزہ کی طرف جانے کا راستہ وہی تھا جس کے بارے میں بڑے شائلگان سے پہلے ہی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ البتہ نئی بات یہ تھی کہ بنی کلب کے خیموں سے "رحلۃ الشتاء والصیف" کی مشہور گزرگاہ تک چھ فرسخ کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔

حکیم ابوالشفا نے اُسے عرق کی ایک اور خوراک پلائی۔ سردار نعمان کے حکم پر اُس کی پکھالوں میں پانی اور خرجین میں رسد کا سامان بھر دیا گیا۔ شام کے جھٹپٹے میں جب قافلے اور مسافر عازمِ سفر ہوتے ہیں، وہ بنی کلب کے خیموں سے روانہ ہوا اور سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

اُس نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ شتر سواروں کا قافلہ اُس کے پیچھے بنی کلب کے خیموں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ کزلان ترک ویران معبد میں رک گیا یا پھر نہ جانے کیا بات ہوئی تھی کہ اُس کا خطرہ ایک بار پھر ٹل گیا تھا۔ چلتے چلتے اس خیال نے چونکا دیا کہ ممکن ہے، تلاش میں کہیں آگے نکل گیا ہو مگر آگے جانے کی کوئی ٹھیک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ذہن سے مختلف سوالات، مختلف خیالات گزر رہے تھے۔ جوں جوں سوچتا، معاملے کی صورت بگڑتی نظر آتی۔ اس بات پر بار بار غور کیا کہ جب دشمن اُس کے چھوڑے ہوئے نشانات کے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا ہے تو بنی کلب کے خیموں کی طرف کیوں نہیں آیا۔ اگر آگے نکل گیا ہے، تو کس لیے؟

سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ دشمن بنی کلب کے خیموں کی طرف نہیں آیا تو یقیناً ابھی پیچھے ہے۔ وہ صحرا میں گھوڑے کے نقوشِ پا چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اور پیچھے ہے تو رات اُس نے سفر نہیں کیا۔ ویران معبد کے آس پاس کہیں آرام کیا ہے حالاں کہ اس علاقے میں رات سفر کے لیے اور دن آرام کے لیے ہوتا ہے۔ شاید کزلان ترک نے کسی منصوبے کے تحت صحرا کا یہ اصول بدل دیا ہو یا وہ لوگ نقاب کے شوق میں دن رات سفر کرتے رہے اور ویران معبد تک آتے آتے اتنے نڈھال ہو گئے ہوں کہ وہیں آرام کی خاطر رُک گئے۔ اس خیال کی تائید یوں بھی ہوتی تھی کہ اُن کا قافلہ غروبِ شمس سے صرف نصف پہر قبل صحرا سے نکل کر چٹیل وادی میں داخل ہوا تھا۔ اس صورت میں دشمن وادی میں آرام کر کے علی الصباح وہاں سے نکلا ہوگا اور چٹیل وادی کے بعد صحرا کی مسافت بھی چوں کہ ایک یوم سے کم نہیں، اس لیے ابھی اُس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہوگا جہاں سے اُس کے گھوڑے

نے پیاسے منہ بنی کلب کے خیموں کی جانب موڑ دیا تھا۔

حالات کی یہ منطق کہہ رہی تھی، کزلان ترک ابھی پیچھے ہے۔ اس طرح اب اُن کے درمیان کم و بیش ایک دن رات کی مسافت حائل ہو گئی تھی۔ دشمن کے اونٹ یہ فاصلہ کتنا بھی کم کرنے کی کوشش کریں، اُس کے تربیت یافتہ فوجی گھوڑے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ نیا سفر جاری تھا۔

کٹھن راستے، راستوں کی صعوبتیں، روح فرسا منظر، صحرا کی ہولناک "چپ"، چٹیل وادی کا بھیانک سناٹا، بھوک پیاس کا خوف، تنہائی کا اذیت ناک احساس، سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ آگے سفر کی صورت بدلی ہوئی تھی۔ وہ بحیرۂ مردار کے جنوبی نشیب سے گزرتا نصف رات کے قریب "رحلۃ الشتاء والصیف" کی عرب شاہراہ پر پہنچ گیا لیکن وہاں رُکا نہیں، ابھی رات باقی تھی، سفر باقی تھا اور اُسے کل سورج چڑھنے تک چلتے رہنا تھا۔ آسمان پر ستارے بھی اُس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے جو آسمان کی کتابِ اسرار پر روشن لفظوں کی صورت بکھرے تھے۔ وہ اُن لفظوں کو دیکھ سکتا مگر پڑھ نہیں سکتا تھا۔ نہ اُن کے پُرحکمت معانی اور اشارے سمجھتا تھا، پھر بھی اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ ستارے مصر تک بہرحال اُس کا ساتھ دیں گے اور یہ مفہوم بھی اُس نے جعفر نجومی کی پیش گوئی سے اخذ کیا تھا۔

اچانک خیال آیا، جب ستارے اُس کا ساتھ دے رہے ہیں تو اس سفر میں کزلان ترک سے کب اور کہاں چھٹکارا نصیب ہوگا۔ عذاب کے فرشتے کی طرح اُس کے پیچھے لگ گیا تھا۔ بہرطور کسی نہ کسی وقت، کہیں کہیں اُن دونوں کے درمیان ایک خوف ناک فیصلہ ضرور ہونے والا تھا۔

نئے دن کا سورج عقب میں مشرقی صحراؤں سے طلوع ہوا اور کائنات کا منظر ایک بار پھر تبدیل ہو گیا مگر وہ چیتا رہا۔ سورج بھی اُس کے عقب میں بتدریج بلند ہوتا چلا گیا۔ دن اپنے پہر سے گزر رہا تھا، جب ابنِ حرب "امامِ مبین" کی تاریخی شاہراہ پر اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے اس کی ایک شاخ سیدھی غزہ و عسقلان کی طرف چلی گئی تھی۔

www.urdukorner.com

(۱۰)

عریش کی کاروان سرائے

ابن حرب کو عریش پہنچنے کے لیے غزہ کی پٹی کا رُخ کرنا تھا۔ دن کو اس نے "ام ہبین" کی شاہراہ پر آرام کیا۔ غروبِ شمس سے تھوڑی دیر قبل روانگی کے لیے تیار ہوا تو اُس راستے پر نظر ڈالی جس سے گزر آیا تھا مگر عقب میں کسی قافلے کی آمد کے آثار نہ تھے۔ اگر کوئی ترک نے دن کو سفر کیا ہوتا، تو کہیں نہ کہیں اُس کے اونٹوں کی گرد اُڑتی دکھائی دیتی لیکن پیچھے مطلع صاف نظر آیا۔ گویا ابھی دشمن بہت دور، بہت پیچھے تھا۔

وہاں سے سفر کی سمت بھی تبدیل ہوگئی اور مغرب کی بجائے سیدھا شمال کی طرف روانہ ہوا۔ غزہ کی پٹی تک راستہ اور سفر نسبتاً آسان تھا۔ دن رات کی گردش بھی جاری تھی۔ سفر بھی جاری تھا۔ فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو کر اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ طولونی عملداری میں پہنچ گیا اور ذہنی طور پر آسودگی محسوس کر رہا تھا۔ یہ علاقہ خلیفہ معتضد کے حکم و اختیار سے باہر تھا پھر بھی خلیفہ کے سوار پیچھے چلے آ رہے تھے اس نے رکنا مناسب نہ سمجھا اور چلتا رہا۔ البتہ غزہ کی پٹی سے سفر کا رُخ پھر مغرب کی جانب تبدیل ہو گیا۔

وہ جلد از جلد عریش پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ سلیمان بن عامر کو اپنی مصیبت اور پریشانی سے آگاہ کر سکے۔ وہی مصیبت کے ان ایام میں کام آ سکتا تھا اور اُسی کی مدد

کے بھروسے پر اتنا طویل اور کٹھن سفر کیا تھا۔

جنگِ طواحین میں شکست کے بعد جب وہ گرفتار ہوا اور جنگی قیدی کی حیثیت سے مصر میں لایا گیا تو سلطان خمارویہ کے بھائی شہزادہ شیبان کے زیرِ نگرانی فسطاط میں بڑی مصیبتیں جھیلتا رہا تھا۔ وہ ولی عہد احمد ابو عباس کے محافظ دستے کا سالار اور جنگ میں دھاوا کرنے والے یکہ تاز سواروں میں سرفہرست تھا۔ شاید اسی لیے اُسے اذیت کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

پہلے وہ سمجھتا رہا تھا کہ ولی عہد کی دوستی کام آئے گی اور موفق خلیفہ کی حکومت زرِ فدیہ ادا کر کے اُسے چھڑا لے گی۔ اُس کے علاوہ کچھ اور بھی چیدہ چیدہ جنگی قیدی مصر لائے گئے تھے لیکن دربارِ بغداد کسی قیدی کا زرِ فدیہ ادا نہ کر سکا۔ جنگی نقصانات کی وجہ سے حکومت مالی بحران سے دوچار تھی اور خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ رہائی کی امید میں دم توڑ گئیں۔ فسطاط میں اُس کی قید پر ساتواں مہینا گزر رہا تھا کہ ایک روز خمارویہ کی بیٹی اسماء فطر الندی، جو ان دنوں ابھی کم سن تھی، اپنے چچا شیبان کے پاس آئی اور فرمائش کی کہ وہ قیدی کو عریش کی کاروان سرائے کے مالک سلیمان بن عامر کی تحویل میں دے دے۔ جسے سرائے میں خدمت گاروں کی ضرورت ہے۔ طوطے کی ناک والا فلسطینی سلیمان بن عامر شہزادی کے ساتھ آیا تھا جس کے شہزادہ شیبان سے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ شیبان نے یہ فرمائش قبول کر لی اور قیدی کو سلیمان بن عامر کی سپرداری میں دے دیا۔

مصر کے مشرقی علاقے جزیرہ نما سینائی کے شمال میں بحیرۂ روم کی ساحلی پٹی پر عریش کی کاروان سرائے قافلوں، سوداگروں اور دیگر مسافروں کے قیام و طعام کی ضرورتیں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ طولونی حکومت کے سیاسی مقاصد بھی پورے کرتی اور کارِ خاص کے شعبے کی آماجگاہ تھی۔ تاہم عام لوگ کاروباری پردے میں چھپا ہوا اُس کا سیاسی چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

احمد بن طولون جیسے فوجی سپہ سالار اور سیاسی مدبر نے خلیفہ معتمد علی اللہ کی علالت کے بہانے جب عراق سے اپنی سیاسی وفاداری کا سلسلہ توڑا اور شام و فلسطین کو متحد

www.urdukorner.com

کر کے ایک علاحدہ سلطنت قائم کرلی تو عباسیہ سے اپنی بغاوت و علاحدگی کو مستحکم کرنے کے لیے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو ہوشیار حکمران اختیار کرتے ہیں۔ عریش کی کارواں سرائے کو وسیع کرنے کا منصوبہ بنایا جہاں بہت سے شہروں اور بہت سے ملکوں کے تجارتی قافلے آکر قیام کرتے تھے، ایک خفیہ شعبہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جو ان قافلوں اور ان کے سوداگروں کے ذریعے مختلف ملکوں کی سیاسی خبریں یا دوسری معلومات حاصل کر سکے۔ اُسے دراصل اس بات سے دلچسپی تھی کہ مختلف ملکوں اور مختلف شہروں کی منڈیوں، گلیوں، بازاروں اور تہذیبی مجلسوں میں لوگ عباسیہ کی سیاست و حکمرانی پر کیسی کیسی باتیں کرتے اور ان کی طولونی سیاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ سلیمان بن عامر نے جو خود بھی ایک ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی تھا، احمد بن طولون کے مقصد کو سمجھ لیا۔ عریش کی ایک کارواں سرائے خرید کر اسے وسعت دی اور طولونی منصوبے کے خاکے میں اس طرح رنگ بھرا کہ حکومت کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا۔ ایران، عراق، آرمینیا، شام، فلسطین، اردن، عرب اور عرب کے زیریں ممالک یمن، حضرموت اور عمان کے علاوہ مغربی افریقہ کے تجارتی قافلے بھی عریش سے گزرتے تھے۔ سلیمان بن عامر نے اپنے ذرائع سے فسطاط اور بعد ازاں انتفاع کے شعبۂ کارِ خاص کو کئی خفیہ معلومات فراہم کیں جو بعد ازاں صد فی صد درست ثابت ہوئیں۔ وہ بنی طولون کے خلاف عباسیہ کی فوجی تیاریوں کے بارے میں بھی طولونی حکومت کو بڑی اہم خبریں پہنچاتا رہا۔ جن کے پیشِ نظر شام کے علاقے میں قبل از وقت حفاظتی انتظامات کر لیے جاتے رہے۔ موفق طلحہ اگرچہ طولون کے خلاف کوئی سیاسی اور فوجی کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اس میں سلیمان بن عامر کی کارکردگی کا بھی نمایاں دخل تھا جو عباسی منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے ہمہ تن سرگرم رہتا اور بغداد کے شاہی ایوانوں میں ہونے والی سیاسی باتوں کے علاوہ کبھی کبھی عباسی محل سراؤں کی داخلی زندگی اور ان کی دل چسپی کی معلومات بھی حاصل کر لیتا تھا۔ اس نے ایسے سوداگروں سے خصوصی تعلقات قائم کر رکھے تھے جو عراقی قبائل کے بڑے بڑے شیوخ اور شاہی محلات تک رسائی رکھتے تھے۔

طولونی حکومت اس پر اعتماد کرتی تھی۔ احمد بن طولون کی وفات کے بعد اس کے بیٹے خمارویہ نے بھی سلیمان بن عامر کی خدمات سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ خمارویہ کے عہد میں شہزادہ شیبان کارِ خاص کے شعبے کا نگران مقرر ہوا تو عریش کی کارواں سرائے کے ساتھ

سرکاری دل چسپیاں اور بڑھ گئیں۔ عام لوگوں کی طرح ابن حرب بھی کارواں سرائے اور اس کے مالک سلیمان بن عامر کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ تاہم اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ بنی طولون کا خیر خواہ اور دربارِ بغداد سے بغض رکھتا تھا۔ کسی ذریعے یہ خبر بھی مل گئی تھی کہ یہ سخت مزاج آدمی اور اپنے غلاموں، نوکروں، خدمت گاروں سے کڑی مشقت لیتا ہے۔ سب لوگ اس کے چرمی کوڑے سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے جب اسے سلیمان بن عامر کے حوالے کر دیا گیا، وہ یہی سمجھا کہ کارواں سرائے میں اس سے کڑی مشقت لی جائے گی اور سلیمان بن عامر عباسیوں کے خلاف اپنا کام بغض اور غصہ اسی پر نکالے گا۔ مگر جب وہ ایک رتھ نما فوجی چھکڑے میں فسطاط سے عریش لایا گیا تو سلیمان نے سرائے میں آتے ہی اس کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹنے کا حکم دیا۔

ایک خادم نے فوراً اس کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ پھر سلیمان بن عامر قیدی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "ابن حرب! میری سرائے میں کسی غلام، کسی نوکر، کسی خادم، حتیٰ کہ کسی قیدی کو بھی زنجیریں اور بیڑیاں نہیں پہنائی جاتیں۔ ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان سے کام لیا جاتا ہے۔ انھیں کارکردگی کا صلہ اور وفاداری کا انعام دیا جاتا ہے۔ میں لوگوں کی ذہنی اور اصلی حیثیت کو پہچانتا اور اسی کے مطابق ان سے کام لیتا ہوں۔ تم عباسی دور کے دوست اور سردار حرب الکندی کے بیٹے ہو۔ اس لیے تمہاری حیثیت عام لوگوں سے مختلف ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق تم یہاں افسرِ مہمان داری کے طور پر کام کرو گے۔ اور یقین ہے میرے اعتماد کو دھوکا نہ دو گے۔"

یہ کہہ کر بات ختم کر دی اور ابن حرب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ یہ باتیں نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا۔ سلیمان نے پہلے اس کی بیڑیاں کٹوائیں پھر افسرِ مہمان داری بنا دیا۔ یہ ایک معما تھا جو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب کھانے کو نہ دیا گیا تو پہلے کو عمدہ لباس پہنے کو دیا۔ پھر کرامات جو غلاموں، نوکروں، خدمت گاروں کے حجروں سے الگ تھلگ اور ضروری سامان سے آراستہ تھا، تب اس پر ذرا سی حیرت میں گرفتار سلیمان بن عامر نے کہا۔ "اگر کسی چیز کی ضرورت یا دل میں کوئی خواہش ہو تو بتا دینا۔ اسے بھی پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں تمھیں قیدی سمجھ کر نہیں دوست سمجھ کر بلایا ہوں۔"

اس نے جو کچھ کہا تھا، عملاً پورا کر دکھایا۔ ابن حرب کو بہت جلد یقین آ چکا تھا

www.urdukorner.com

کی زنجیریں اور قیدیوں کی بیڑیاں کٹوا کر انھیں آزاد کیوں چھوڑ دیتا ہے۔ دراصل اس کے احسان کی نظر میں بیڑیوں کی ہماندان کے پیروں سے بھی لپٹی رہتی اور حسن سلوک کی رسیاں انھیں باندھے رکھتی تھیں۔ وہ انھیں ہمدردی کی زنجیروں سے جکڑ لیتا تھا جو کسی کو نظر نہیں آتی تھیں۔ نہ کوئی ان "زنجیروں" کو توڑ کر فرار ہو سکتا تھا۔ اس کے برعکس غلام بن کر، خدمت گار اس پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اسے اپنے محسن کا حکم سمجھ کر پورا کرتے تھے۔

وہ انھیں حکومت کے قید خانوں سے نکلوا کر یا ظالم و بے رحم آقاؤں کے تشدد سے چھڑوا کر نہ تو "احسان کا قیدی" بنا کے رکھتا مگر ایسا کیوں کرتا تھا؟ ابن حرب بلند جان سرکار

تین چار ماہ کے عرصے میں اس نے جو خاص بات دیکھی، وہ یہ تھی کہ کاروانوں کے سارباں اور عام مسافروں کے علاوہ بعض اہل خرقہ بھی سرائے میں آ کر قیام کرتے تھے جن کے ساتھ وہ بڑے ادب و احترام سے پیش آتا۔ ایک بار کوئی سبز پوش شیخ جس کے جسم پر سبز لبادہ اور سر پر سبز دھاریوں والا رومال اور عمامہ بھی سبز رنگ کا تھا اور چہرے پر سبز داڑھی تھی، سبز دھاریوں والے رومال سے ڈھانپے رکھتا تھا، سرائے میں آیا تو سلیمان بن عامر اس کے آگے پیچھے بھاگتا اور اسے "سیدی" یا "آقا" کے الفاظ سے خطاب کرتا تھا۔ وہ سبز پوش شیخ کو سرائے کے کسی کمرے میں ٹھہرانے کی بجائے اپنے رہائشی حصے میں لے گیا جو عقب میں واقع ایک راہداری کے ذریعے سرائے سے ملتا تھا۔ صرف ایک رات وہاں قیام کرنے کے بعد وہ اپنے تین شتر سواروں کے ہمراہ فلسطین کی طرف نکل گیا۔ جدھر سے آیا تھا اور خود سلیمان اسی دن اپنی تیز رفتار سانڈنی پر فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اگر ابن حرب جانتا کہ عائشہ کی کاروں سرائے میں وہ پردہ کیا ہوتا ہے، تو شاید سبز پوش شیخ کی پراسرار آمد و رفت پر اس قدر حیران نہ ہوتا۔ اس نے سوچا شاید وہ شہر یا فلسطین میں ظاہر ہونے والے کسی نئے امام کا جیسا یا بھیجا ہوا ہو۔ سلیمان سے اس لیے نہ پوچھ سکا کہ وہ فلسطین چلا گیا اور کئی یوم کے بعد لوٹا تو ابن حرب نے سبز پوش شیخ سے بھی ایک مشکل سوال اس کے سامنے رکھ دیا اور جن الفاظ میں اپنی بے چینی یا محو اہش کا اظہار کیا، وہ حیران

کر دینے والے تھے۔ اس نے کہا:

"میں بغداد جانے کے لیے رہائی چاہتا ہوں۔"

وہ جانتا تھا، اس سوال کا جواب نفی میں ہوگا۔ سلیمان بن عامر اس کی ہر خواہش اور ہر ضرورت پوری کر سکتا تھا لیکن "رہائی" ایک ایسا لفظ تھا جسے معنی پہنانے سے قاصر تھا۔ زر فدیہ کے بغیر کسی جنگی قیدی کی رہائی صرف شہزادہ شیبان کے اختیار میں تھی پھر بھی سلیمان نے اسے مایوس نہ کیا اور جواب دیا: "پرسوں ایک قافلہ دمشق جا رہا ہے۔ میں تمھیں اسی قافلے کے ہمراہ بھیج دوں گا۔"

ابن حرب اسے حیرت کی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر اس نے ایک گھوڑے کا بندوبست کیا۔ اس کی خرچین میں ضروری سامان رکھا۔ سفر میں خرچ کی خاطر ایک رقم اپنے پلے سے دی اور تیسرے روز اسے قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ روانگی سے قبل اس نے صرف یہ کہا تھا: "ابن حرب! میں نے تمھیں دوست کہا تھا اور دوست ہی سمجھ کر رخصت کر رہا ہوں۔ تمھیں اپنے دین سے محبت ہے۔ بغداد اور اس کے گرد و نواح سے پیار ہے۔ عباسیوں سے لگاؤ ہے۔ اس لیے میں تمھارا راستہ نہیں روکتا اور شہزادہ شیبان سے جو کچھ کہنا ہوگا، کہہ دوں گا۔ تم عباسیہ کی وفاداری ترک نہیں کر سکتے لیکن موقع ملنے پر پسند نہیں کرتا۔ پھر بھی بغداد میں اگر کبھی تم پر کوئی مشکل آ پڑے تو کسی سوداگر یا ساربان کے ہاتھ مجھے پیغام بھیج سکتے ہو۔ میں مدد سے دریغ نہیں کروں گا۔ تم چاہو تو تمھارے لیے عائشہ کی کاروں کے دروازے کھولنے کی خاطر آج وقت کھلے ہیں۔ تم جب بھی آؤ، مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ سلیمان بن عامر نے اسے رخصت کر دیا۔ اس کی شخصیت بڑی پراسرار اور حیرت انگیز تھی جس نے ابن حرب کو اپنا دوست اور گرویدہ بنا لیا تھا۔ بغداد میں اس کی واپسی پر ماں باپ اور دوست احباب سب حیران رہ گئے۔ وہ عہد کر چکا تھا کہ عقب کا اظہار کیا۔ اس نے عائشہ کی کاروں سرائے کے ملک کی روداد سنائی اور کہا: "کسی وقت آیا تو اس کی مہربانیوں کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گا۔"

سلیمان بن عامر اکثر اسے یاد آتا جس نے کسی لالچ، کسی مطلب، کسی غرض کے بغیر اس کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ضروری تھا کہ اس کے احسانوں کو یاد رکھتا لیکن آہستہ آہستہ

www.urdukorner.com

دنوں کے چراغ مدھم ہوتے چلے گئے۔ زمانے کی گردش میں گزرے واقعات کی یادیں دھندلی پڑ گئیں اور وقت کی اڑتی گرد نے بہت کچھ ڈھانپ لیا۔ کئی سال کے بعد جب بوجہل کے اقبال کا ستارہ چمکا اور جعفر برمکی نے اس پر ناگہاں ٹوٹنے والی ایک مصیبت کی پیش گوئی کر کے دم بخود کر دیا تو جعفر برمکی کی دماغی صحت پر شک کرتا رہا۔ بھلا بغداد میں اسے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ وہاں سے بھاگ پڑتا۔ پھر بھی حالات میں چھپ کر ہمیشہ مصیبت بلانے والے ناگہاں کی طرح اچانک اس پر جھپٹ پڑی اور بغداد میں زندگی کے سب دروازے بند ہو گئے تو شوبیہ کے قبرستان میں آ چھپا، وہیں قریش کی کارواں سرائے ایک مدت یاد آ گئی جس کے دروازے اس کے لیے ہر وقت کھلے تھے۔ پھر بغداد سے قریش کی طرف بھاگا۔ اور کتنی مصیبتیں جھیلتا کتنے کٹھن راستوں سے گزرتا اور خصیفہ کے سوار کو جو فرشتۂ اجل کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے، کتنے فریب دیتا آخر قریش تک آ پہنچا تھا۔

★

بنی کلب کے خیموں سے روانگی کے چوتھے روز وہ باب الحضر قریش میں داخل ہوا اور دن کے پہلے پہر کارواں سرائے کے دروازے پر گھوڑے سے اترا۔ ایک سوڈانی خادم نے آگے بڑھ کر باگ پکڑ لی۔

کارواں سرائے شہر سے ہٹ کر اس شاہراہ پر واقع تھی جو مغرب کی جانب قسطنطنیہ کو جاتی تھی اور وہاں سے نسطاطیہ جاتی تھی۔ سرائے دو حصوں میں بٹی ہوئی اور ایک مضبوط چار دیواری نے کسی شہر پناہ کی طرح اس کے چوگرد احاطہ کر رکھا تھا۔ ایک طرف کافی فاصلے پر اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، گدھوں کے لیے بہت بڑا اصطبل، چارے دانے کے کمرے، چرنیاں اور پانی کی حوضیں تھیں۔ دوسری جانب محل سرا کی وضع قطع کی سہ منزلہ عمارتیں جہاں ہر حیثیت کے مسافروں اور مسافروں کے لیے چھوٹے بڑے کمرے تھے۔ ایک سہ منزلہ حصہ شاہی سواریوں کے لیے مخصوص تھا جو ایرانی قالینوں، چینی وختن کے ریشمی پردوں اور لبنانی آئینوں سے آراستہ تھا۔ سرائے میں دیس دیس کے سوداگر، ان کے گماشتے، ساربان اور عام مسافر قیام کرتے تھے۔ اکثر بڑی چہل پہل اور رونق رہتی تھی مگر اس روز وہاں کوئی بھیڑ نہ تھی۔ کوئی ہنگامہ نہ تھا بلکہ کارواں کی زبان میں گنے چنے لوگ بول رہے تھے۔

ابن حرب جانتا تھا، سرائے میں ایسی بے رونقی اور خاموشی اس وقت ہوتی ہے جب قیام پذیر قافلے پڑاؤ اٹھا لیتے اور اپنی اپنی منزل کی جانب کوچ کر جاتے ہیں۔ پھر بھی اس کے دل کو ایک عجیب سا دھڑکا لگ گیا۔ بعض اوقات سلیمان بن عامر بھی نسطاطیہ یا القسطنطنیہ چلا جاتا اور کئی کئی یوم کے بعد واپس آتا تھا مگر سوئے اتفاق سے وہ سرائے میں نہ ہوا تو کام بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ کمران ترک اپنے شتر سواروں کے ساتھ اس کے پیچھے بھاگا آ رہا تھا اور آج نہیں تو کل یہاں پہنچ جائے گا۔ اس سے نمٹنے کے لیے سلیمان کی موجودگی ضروری تھی۔ سوڈانی خادم گھوڑے کی لگام پکڑے اصطبل کے بڑے پھاٹک کی طرف جانے لگا تو اسے ٹھہرنے کو کہا اور بے قراری سے پوچھا: "سلیمان بن عامر سرائے میں موجود ہے یا نہیں کہیں وہ نسطاطیہ چلا جاتا ہے؟"

خادم نے غور سے اسے دیکھا۔ ایسا سوال کرنے والا یقیناً سرائے کے مالک کا کوئی دوست یا عزیز ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے ادب سے گردن جھکائی اور بتانے لگا: "آقا رات کو جاگتے رہے ہیں کیوں کہ رات ہی ایک قافلہ نسطاطیہ کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اس وقت وہ سرائے میں نہیں بلکہ اپنے گھر آرام کر رہے ہیں۔"

ابن حرب کی جان میں جان آئی۔ پھر اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتار کر جسے سلیمان پہچانتا تھا کہ اسی کی ہے، خادم کے حوالے کی۔ "یہ انگشتری اپنے مالک کے پاس لے جاؤ اور بتاؤ بغداد سے منذر ابن حرب آیا ہے۔"

بغداد کا نام سن کر سوڈانی خادم چونک گیا اور سمجھا کوئی خاص مہمان ہے۔ پھر گھوڑا اصطبل کے داروغہ کی تحویل میں دے کر، خود مالک کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ اس اطمینان کے ساتھ کہ سلیمان بن عامر انگوٹھی دیکھتے اور اس کا نام سنتے ہی گھر سے نکل کر سرائے میں آ جائے گا، خود بھی اندر داخل ہوا۔ دروازے کی بڑی ڈیوڑھی کے سامنے، جہاں سے دائیں بائیں سمت دو زینے اوپر جاتے تھے، ایک کھلی راہداری بڑے کمرے تک چلی گئی تھی جو مہمان خانہ یا انتظار گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ابن حرب اسی کمرے کی طرف ہو لیا اور راہداری عبور کر کے ہال نما بڑے کمرے میں داخل ہوا تو مارے حیرت و خوف کے وہیں ٹھٹک گیا۔

کمران ترک اپنے چار سواروں کے ساتھ کمرے میں موجود اور غالباً اسی کا منتظر کر رہا تھا۔

www.urdukorner.com

پہلے تو انہیں دیکھ کر جسم پر ایک سنسنی سا گزر گیا۔ پھر بجلی جیسی تیزی سے ہاتھ تلوار کے
قبضے پر لپکا اور پلک جھپکنے کے وقفے میں تیغ آب دار میان سے باہر آ گئی۔ کیسا عجیب اور
ہولناک منظر تھا۔ اس نے مقابلے کی جس صورت سے بچنے کی کوشش کی، وہی پیش آئی تھی۔
قدرت نے تنہا اسی کو پانچ دشمنوں کے آگے دھکیل دیا اور اس فیصلے کے لیے جو کرزان ترک
اور اس کے درمیان ابھی ہونا باقی تھا، عریش کی کاروں سرائے کو منتخب کیا تھا۔

اسے تلوار کھینچتے دیکھ کر کرزان ترک، جو مرت کی اس بساط پر شہ مات دینے کے لئے
یہاں بیٹھا تھا، ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ لے کر کھڑا ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار
دوسرے ہاتھ میں چاندی کا طوق تھا جس کے ساتھ چاندی کی زنجیر آویزاں تھی۔ اس کی آنکھوں
میں تحقیر ڈال کر تضحیک کے لہجے میں بولا "مقابلے کا رہے ابن حرب! تلوار پھینک دو
اور مجھے اپنا فرض پورا کرنے دو۔ دیکھو، امیر سلیمان نے دہلے کی بجائے تمہارے لیے
چاندی کا طوق بھیجا ہے جو تم جیسے بہادر کے شایان شان ہے۔ آخر تم ان کے دوست اور
محافظ رہنے کے سالار تھے۔ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو اور چاندی کا یہ طوق اور زنجیر
پہن لو۔"

ابن حرب نے یہ طویل اور جوکھوں کا سفر اس لیے نہیں کیا تھا کہ اپنی گردن بھی خود
پیش کر دے۔ صورت حال اگرچہ بے حد خطرناک تھی پھر کاروں سرائے میں پہنچ کر خود کو تنہا
بے بس نہیں سمجھتا تھا۔ سلیمان کو اپنی اطلاع بھیج چکا اور اس کی آمد تک معاملہ ٹالنا چاہتا تھا
اس نے یہ عذر نکالا "اگر میں تمہارا کہا ماننے سے انکار کر دوں؟"

کرزان طوق اور تلوار دکھا کر بولا "تمہیں ان دو چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب
کرنا ہے۔ اگر طوق پہننے سے انکار کرو گے تو پھر میری تلوار اپنا فرض ادا کرے گی
میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

ابن حرب کا لہجہ بھی تلوار کی طرح تیز تھا "میں جانتا ہوں تم مجھے گرفتار یا قتل کیے
بغیر نہیں چھوڑو گے اور میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ اس لیے کسی سے رحم کی
یا کسی پر رحم کرنا میری سرشت کے خلاف ہے مگر صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ
تم مجھ سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

ذہن میں یہی ترکیب آئی تھی کہ سلیمان کے آنے تک اسے باتوں میں لگائے رکھے

کرزان نے اس کے سوال کا جواب دینے میں کوئی قباحت نہ سمجھی اور بتانے لگا "شوذیہ
کے قبرستان سے نکل کر جب تم نے فرات کا رخ کیا، میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ مصر جاؤ
گے اور عریش کی یہی کاروں سرائے تمہاری منزل ہو گی جہاں تم اپنی اسیری کے چند ماہ گزار چکے
ہو مگر یہ خیال بھی نہیں تھا کہ دمشق کا راستہ چھوڑ کر بادیۂ شام میں گھس جاؤ گے۔ پورے
شام کا ان کے بھی غلام نے صرف ایک سودا بنا کے لئے تمہارے راستے کا بھید کھول
دیا۔ وہ بے وقوف یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے گھوڑے بادیۂ شام کو عبور نہیں کر سکتے اور تم تھوڑا
پیچھا چھوڑ کر بغداد کی طرف لوٹ جائیں گے لیکن ہمارے گھوڑے اس بلا کے جوڑے ہیں
ذرا سی دیر میں اندازہ ہو گیا کہ تمہارے تعاقب میں نکلے ہیں۔ ابن حرب بے شک اس وقت
ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں لیکن میں تمہاری جرأت اور شجاعت کا قائل ہوں۔
ایسے تنہا اور ناقابل عبور راستے سے گزرنا کسی ایسے آدمی کے بس کا کام نہیں۔ پھر تمہارے گھر
جس حالت میں تم نے نکل کر چٹیل وادی سے گزرے اور وہاں مجھے یہ منظر دیکھنا پڑے
الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ہمارا ایک ساتھی تمہاری آنکھیں برداشت نہ کر سکا اور تمہارے
پکڑے گئے تو ہم اسے وہیں دفن کر آئے۔ میں نے بلند آواز میں تمہارے کھوجی کو آواز دی
وادی میں تمہارے نشانات کھو دیے۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ تمہاری منزل عریش ہے
اس لیے تمہارے پیچھے آتے رہے۔ تمہارے پیچھے آتے رہنے کے بعد ہی عریش کی طرف سفر
جاری رکھا اور کل نصف رات کو یہاں پہنچ گئے۔ جب ایک تو قلعہ نما کی جانب روانہ ہوا
تھا مگر تم نہ قافلے میں تھے نہ سرائے میں۔ ایک غلام سے پتہ چلا کہ تمہارے جیسے کوئی
آدمی سرائے میں نہیں آیا۔ جس پر ہمیں تشویش ہوئی کہ تمہیں فلسطین کی طرف تو نہیں
نکل گئے لیکن آج صبح ادھر آتے دیکھے تو شکر کیا کہ تمہارا سفر رائیگاں نہیں گیا۔ ابن حرب،
تم شوذیہ کے قبرستان سے نکل جانے تھے مگر یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ سرائے میں کوئی
آدمی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ سلیمان بن عامر تمہیں بھول چکا اور تم سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا
کرزان کے آخری الفاظ اس کے دل پر کیل بن کر گرے۔ سلیمان جو اسے اس وقت
تک آ جانا چاہیے تھا مگر نہیں آیا تھا۔ نہ آنے کی وجہ شاید یہی ہو کہ اس جھگڑے میں دخل نہیں
دینا چاہتا۔ یہ بات بھی کھٹکی کہ سرائے کا کوئی خادم یا غلام یہ دیکھنے بھی نہیں آیا کہ اس کمرے میں
کیا ہو رہا ہے مگر جس لہجے سے یہ بیان کیا تھا وہ وقت گیا کہ اسے جو کچھ کرنا تھا کر چکا

www.urdukorner.com

تھا۔ ابن حرب جیسے آدمی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ مقابلے کے بغیر ہتھیار ڈال دے گا لیکن مقابلہ ایک اور پاپچ کا تھا۔ اس مشکل سے بچنے کی خاطر ایک داؤ کھیلا۔ ایک فقرہ پھینکا "کزمان ترک! میں نے سنا ہے تمہیں بہادری کا دعویٰ ہے۔ اسی لیے ضبطیہ کے حاکم اور خلیفہ کے منہ چڑھے غلام بدر اور خود ابو عباس نے میری گرفتاری کے لیے تمہارا انتخاب کیا۔ صرف وہی شخص مجھے گرفتار کر سکتا ہے جو بہادری میں مجھ سے بڑھ کر ہو اور مقابلے میں مجھے شکست دے دے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ پہلے میرے اور تمہارے درمیان ایک فیصلہ ہو جائے۔"

کزمان کو اپنی بہادری پر ناز تھا۔ ساتھیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر تلواریں کھڑکاتے آگے بڑھا اور وہ کھیل شروع ہو گیا جس کا انجام کسی ایک کی ہار یا کسی ایک کی موت تھا۔ دونوں اپنی اپنی تلواروں کا لوہا آزمانے لگے اور لوہے سے لوہا بجنے کی آوازیں سرائے کی فضا میں خوفناک ارتعاش پیدا کرنے لگیں لیکن سلیمان بن عامر یا اس کا کوئی غلام اب بھی نہیں آیا جس سے ابن حرب کا حوصلہ کچھ پست ہو گیا۔ غالباً اسی لیے صرف اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ کزمان ترک نے جتنے وار کیے وہ انہیں روکتا اور بچاتا چلا گیا جس سے حریف کا حوصلہ بڑھا اور وہ آگے بڑھ بڑھ کر وار کرنے لگا۔ کزمان ترک بے شک بہادری کا ثبوت دے رہا تھا مگر ابن حرب جیسے یکہ تاز تیغ زن کی جان کا ٹھکانہ بن گیا جو بے خوفی سے آگے بڑھتے اور حملے کرتے کی ترغیب دے رہا تھا۔ ایک بار جو بے خوفی سے آگے بڑھ کے وار کیا۔ ابن حرب کی تلوار اس کی پسلیاں کاٹتی نکل گئی۔ خون میں لت پت فرش پر گرا اور گرتے ہی گردن کا منکا ڈھلک گیا۔

چاروں ساتھی اپنے سردار کا یہ بھیانک انجام دیکھ کر سکتے میں آ گئے مگر فوراً ہوش میں آ گئے۔ کزمان کی اپنی زندگی خطرے میں ہے۔ کزمان ترک کے مرتے ہی بازی الٹ گئی تھی۔ چاروں ایک ساتھ وار کرنے لگے۔ ابن حرب پر ٹوٹ پڑے۔ ٹھیک اسی لمحے عقبی دروازہ کھلا اور سرائے کے کچھ غلام [illegible] کے کمرے میں داخل ہوئے جیسے کوئی [illegible] ہوں پھر [illegible] کے چوتھے پہلو عراقی سواروں کے جسموں میں گھس گئے [illegible] وہ زخمی اور بدحواس [illegible] کا حملہ اتنا خطرناک [illegible] کیسے ابن حرب [illegible]

اسی اثنا میں سلیمان بن عامر بھی کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ کزمان سمیت پانچوں عراقی اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا "ان پانچوں کے سر کاٹ کر دھڑ عرش کے کسی گڑھے میں پھینک دو۔ ابن حرب کے دشمنوں کے لیے میرے پاس کفن نہیں ہے۔" پھر اپنے پرانے دوست کی طرف بڑھا۔ "ابن حرب! اس سرائے میں دوسری بار تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

ابن حرب تلوار پھینک کر اس سے لپٹ گیا۔

★

سلیمان بن عامر کے غلاموں نے پانچوں عراقی سواروں کے سر کاٹ لیے اور ان کے دھڑ عرش کی خندق میں پھینک دیے گئے۔ اس طرح وہ معاملہ جو بغداد کے قبرستان شونیزیہ سے شروع ہوا تھا، عرش کی کاروں سرائے میں ایک فیصلے تک پہنچ گیا۔ ابن حرب اور کزمان ترک میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا تھا۔ ایسی صورت میں جب دو حریفوں کے درمیان فرار اور تعاقب کا خطرناک سلسلہ شروع ہو جائے، زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ اس دور میں جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں، دشمنوں کے سر کاٹ کر نیزوں پر چڑھا دیے جاتے، شہروں، بازاروں میں ان کی نمائش ہوتی اور سر بریدہ لاشیں یا تو کسی فصیل پر لٹکا دی جاتیں یا کسی گڑھے میں پھینک دی جاتیں کہ کتے اور گدھ انہیں نوچ لیں اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ زندگی کا بہرحال موت ہے اور موت کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

ابن حرب جو عباسیہ کا وزیر سمجھا جاتا تھا، جس کی وزارت کی کوئی طوالت اس کی برائی کے باوجود بھی خرید نہ سکے تھے، اب ہلکا بن گیا تھا کیوں کہ جب حالات بدلتے ہیں یا زمانہ بدلتا ہے تو اس کی گردش کا اثر موجودات کی تقدیروں میں ظاہر ہوتا ہے اور آدمی زمانے کے ساتھ چلتا یا بدل جاتا ہے۔ سلیمان بن عامر نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وقت اور زمانے کی طرح اس کا دوست بھی بدل چکا ہے۔ جب غلام عراقی سواروں کے دھڑ اٹھا کر دریا میں پھینک رہے تھے تب وہ کہنے لگا۔

"کیسا بڑی تھیلے میں دان کر دیے گئے۔" تب وہ کہنے لگا۔

"ابن حرب! کزمان ترک نے سرائے میں آتے ہی تمہارے متعلق پوچھ گچھ شروع کر دی تھی۔ اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ضرور تم پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے جس سے بچنے کی خاطر

www.urdukorner.com

قریش کی طرف بھاگ نکلے ہو مگر کزلان جو بغداد سے تمہارا پیچھا کر رہا تھا یہاں پہلے پہنچ گیا۔
اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں میں نے تمہیں چھپا نہ لیا ہو۔ اس نے دفترِ خلافت کا ایک مراسلہ مجھے دکھایا
جس میں حکومت مصر سے درخواست کی گئی تھی کہ تمہاری گرفتاری میں مداخلت نہ کی جائے۔
کزلان ترک کا خیال تھا اسے یہاں بھی تمہیں گرفتار کرنے کا اختیار حاصل ہے میں نے یہ کہہ
کر اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ تمہیں مجھ پر چکا ہوں اور اب تمہارے کسی معاملے سے دلچسپی
نہیں رکھتا۔ اگر تقدیر تمہیں گھیر کر یہاں لے آئے تو وہ تم سے خود نمٹ لے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں
دوں گا لیکن کزلان ترک اور اس کے ساتھی نہیں جانتے تھے کہ جب وہ مرے تھے تو میں نے
تو اپنی زندگی ہم چھوڑ آئے تھے۔ پھر بھی مجھے تمہارا انتظار تھا کہ دشمن سے کس طرح پیش
آتے ہو۔"

لمحان نے تعجب سے اُسے دیکھا تو سلیمان بولا۔ "میں نے تمہاری حفاظت کا انتظام
کر لیا تھا۔ ہاں حرب! مگر مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہیں تمہاری تلوار نرم تو نہیں پڑ گیا اور تم نے
نے دیکھ لیا ہے۔ تم آج بھی ویسے ہی شجاع، دلیر اور بے رحم ہو جیسے تو اس برس
پہلے تھے۔"

پھر اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔ "اب بتاؤ بغداد میں کیا ہوا تھا
کہ خلیفہ نے تمہاری گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور تمہیں وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ میں تو آج تک
یہ سمجھتا رہا کہ وہ تمہارا دوست ہے اور تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اس نے تمہیں کوئی بڑا عہدہ
دے دیا ہوگا۔"

"حکمرانوں کی دوستی ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔" ابن حرب کے لہجے میں تلخی تھی۔
"لیکن تمہیں تو ابو عباس پر بڑا اعتبار تھا، اعتماد تھا۔"

"اس اعتماد کی ساری دھجیاں مسمار ہو گئیں سلیمان!" یہ کہہ کر ابن حرب بغداد کے حالات
بیان کرنے لگا جن کی گردش نے اُسے بغداد چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے معزول خلیفہ
معتمد علی اللہ کے قتل، ابو حماد کی فلسطینی کنیز دمنہ کے پُراسرار فرار، اپنے باپ حرب الکندی
کی گمشدگی اور بعد ازاں دجلہ کنارے اس کی لاش کے ساتھ آلۂ قتل کی برآمدگی سے لے کر
گرفتاری کے حکم اور فرار تک، جو کچھ ہوا تھا، وہ تفصیل سے بیان کر دیا۔ خلیفہ کی سی مرضی
تک وہاں سرائے دار جو خود بھی فلسطین سے تعلق رکھتا تھا، بات بات پر چونکتا اور حیران ہوتا

فلسطینی کنیز دمنہ کی شخصیت کے ساتھ اس کی کہانی بھی پُراسرار تھی۔ جسے وہ بڑی حیرت اور دلچسپی
کے ساتھ سنتا رہا۔ پھر پوچھنے لگا۔ "آخر دمنہ کو بے چارے معتمد سے کیا بیر تھا کہ اس کے قتل
کی مرتکب ہوئی؟"

"معتمد سے بیر دمنہ کو نہیں، اس کی محسن جیک خاتون کو تھا۔"
سلیمان نے سر کو یوں جنبش دی جیسے بات سمجھ میں آ گئی ہو۔ "تمہارا خیال درست ہے
معتمد کے قتل کا فائدہ صرف جیک خاتون کے شوہر کو پہنچتا تھا جو اپنے چچا کی حالت کے بعد اب
بے خوف و خطر حکومت کر سکتا ہے۔ ہر نیا حکمران معزول حکمران کی موجودگی میں خطرہ محسوس کرتا ہے
کہ جانے حالات کا پانسا کب پلٹ جائے۔ اسی لیے معتمد کو موت کی نیند سلا دیا گیا لیکن تمہارے
باپ کی ہلاکت کا معما سمجھ میں نہیں آتا۔"

"یہ معما تو بالکل سیدھا ہے۔ دمنہ کو میرے باپ کے ذریعے قصرِ معتمد میں بھیجا گیا
اور اُسے معلوم ہوگا کہ وہ کس مقصد کے لیے بھیجی گئی ہے۔ جب مقصد پورا ہو گیا، دمنہ کو پُراسرار
طور پر غائب کر دیا گیا اور میرے باپ سے زندگی چھین لی گئی۔ اختفائے راز کا بہترین طریق یہی
ہے کہ جو شخص قتل کے راز میں شریک ہو اُسے بھی ختم کر دو تاکہ اس کی زبان کبھی نہ کھل سکے۔"
سلیمان سوچ میں کھو گیا۔ "پھر حرب کو ترصانہ کے کسی غلام نے قتل کیا ہوگا؟"
"میرا خیال یہی ہے۔" ابن حرب نے بتایا۔ "قتل کے بعد اس کی جیب سے ایک انگوٹھی
نکلی جس پر سبز رنگ کا زمرد جڑا ہوا ہے اور سبز رنگ کے زمرد کی انگوٹھی میں نے دمنہ کے ہاتھ
میں دیکھی تھی۔"

"تو تمہارے خیال میں حرب کو دمنہ نے قتل کیا ہوگا؟" سلیمان کی آواز کپکپا رہی تھی۔
"کسی عورت کے کمزور ہاتھ میرے باپ پر نہیں اٹھ سکتے تھے مگر دمنہ کو اس کے قتل
میں استعمال ضرور کیا گیا ہے۔ شاید وہ خود بھی اس وقت کسی قبر میں ہمیشہ کی نیند سو رہی
ہوگی۔"

یہ سنتے ہی سلیمان بن عامر بڑے اضطراب کے عالم میں کھڑا ہو گیا اور پریشانی کے
لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے دمنہ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا ہو جو تمہارے باپ کے ساتھ ہوا
دونوں معتمد کے معاملے میں شریک تھے لیکن خلیفہ نے تمہاری گرفتاری کیوں ضروری سمجھی؟
اُسے تو حرب الکندی کے قتل پر تم سے ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیے تھا خواہ وہ اظہار دکھاوے

www.urdukorner.com

کا کیوں نہ ہوتا؟"

اب ابنِ حرب نے وہ بات بیان کی جو اُس کی مصیبت کا باعث بنی اور جسے غالباً اُس کے سوا دوسرا کوئی نہ جانتا تھا۔ "معاملہ بڑا عجیب و غریب ہے سلیمان! جس ہلال نما خنجر سے میرے باپ کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ اُس جماعت کی علامت ہے جو بنو عباس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دینے کی خفیہ تیاریاں کر رہی ہے۔"

اس انکشاف پر طوطے کی ناک والا فلسطینی بُری طرح چونک اٹھا اور تعجب سے پوچھنے لگا۔ "لیکن تمھارا اُس خنجر سے کیا واسطہ ہے؟"

"ویسا ہی ایک خنجر میرے پاس بھی تھا بلکہ اب بھی ہے۔"

یہ کہہ کر عبا کے اندر ہاتھ ڈالا اور کمر سے ہلال نما خنجر نکال کر دکھایا جس پر چمڑے کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ جونہی خنجر غلاف سے باہر آیا، ہلکی سی کوندگئی اور سلیمان کی نظریں اُس پر ٹک گئیں۔ وہ دو دھاری والا بڑا تیز اور بہ سُرعت جسم میں اُترنے والا خطرناک دشنہ تھا۔ پھر پوچھا۔ "تم نے یہ خنجر کہاں سے لیا؟"

"یہ بھی عجیب و غریب کہانی ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "کوئی دس پندرہ پہلے کی بات ہے ایک اجنبی مجھے ملنے آیا جو اپنے آپ کو کسی اسمٰعیلی یا علوی شیخ کا مرید ظاہر کرتا اور اس کے لیے دعوت دے رہا تھا۔ میں اس کی قسم کی دعوتوں اور جماعتوں سے دلچسپی نہیں رکھتا لہٰذا اُس کی باتوں پر بھی توجہ نہ دے سکا اور وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ میرا خیال ہے وہی اجنبی جس نے اپنا نام رضا خیاط بتایا تھا، یہ خنجر میرے ہاں بھول گیا لیکن میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ خنجر بھول گیا یا جان بوجھ کر چھوڑ گیا کیوں کہ دوبارہ اُسے لینے نہیں آیا۔ میں نہیں جانتا تھا اُس کا قیام کہاں ہے اور وہ کدھر چلا گیا؟ یہ ہلال نما دو دھاری خنجر مجھے پسند آیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ تم سمجھ گئے ہو گے کہ خنجر کیسے عجیب طریق سے مجھ تک پہنچا مگر اس سے ایک عجیب واقعہ اور پیش آیا۔ سات ماہ قبل میں ابو عباس کے ہمراہ دشتِ فرات میں شکار کھیل رہا تھا۔ ہم دونوں ایک ہرن کے تعاقب میں تھے۔ ابو عباس کا گھوڑا مجھ سے آگے تھا۔ اُس کے نیزے کا پھل ہرن کے جسم میں اُتر گیا۔ جونہی وہ زمین پر گرا، میں گھوڑے سے کودا اور اسی خنجر سے اُس کی گردن پر تکبیر پھیری۔ جب میں خنجر صاف کر کے غلاف میں ڈال رہا تھا، ابو عباس میرے قریب آیا اور چشمِ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ اُس نے

نے کہا۔ "یہ خنجر تو ایک باغی جماعت کا نشان ہے۔ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟"

"میں نے اُس اجنبی رضا خیاط کا ذکر مناسب نہ سمجھا، جو مجھے دعوت دینے آیا تھا۔ اندیشہ تھا اگر اجنبی کا حوالہ دیا، تو شاید مجھ پر شبے کا احتمال ہو۔ اس لیے جھوٹ بولنا پڑا کہ خنجر مجھے راستے میں پڑا ملا تھا۔ میں نے اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ ابو عباس نے مزید کچھ نہ پوچھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ میں سمجھا کہ بات آئی گئی ہو گئی لیکن معتمد کی ہلاکت کے بعد میرا باپ بھی پُراسرار حالات میں قتل ہوا۔ اُسے ایسے ہی ایک ہلال نما خنجر سے قتل کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ابو عباس نے میری گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ اب میں تمھارے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ خلیفہ نے میری گرفتاری کیوں ضروری سمجھی؟

شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ خنجر کے حوالے سے اُسے مجھ پر اپنے باپ کو قتل کرنے اور معتمد کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ گزرا ہو گا مگر بات کچھ اور ہے۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ اُسے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جسے معتمد کی ہلاکت کے جرم میں موت کی سزا دے کر بغداد کے لوگوں کو مطمئن کر سکے کہ مجرم کیفرِ کردار کو پہنچ گیا اور جیک خاتون کا اس معاملے سے کوئی واسطہ نہیں لیکن تم یہ سُن کر حیران ہو گے۔ خنجر کے حوالے سے اب وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں بھی اُسی باغی جماعت کا رکن ہوں جو بنو عباس کا تختہ اُلٹ دینے کی خفیہ تیاریاں کر رہی ہے۔ اُسے معتمد کے قاتل سے کہیں زیادہ فکر پُراسرار باغی جماعت کے کسی رکن کو گرفتار کرنے کی ہے جو میں نہیں ہوں۔ میں نے بنو عباس سے کبھی غداری نہیں کی۔ لیکن ابو عباس نے میری وفاداری کا صلہ کس اور طرح چکانے کی کوشش کی ہے۔ اب میں بھی اُس وفاداری کے حلقے سے نکل آیا ہوں اور میرے اندر کا آدمی بدل گیا ہے۔ میرے باپ کو جس نے بھی قتل کیا اُس کا الرقاوی کی کنیز دمنہ سے تعلق ضرور ہے۔ میں اگرچہ بغداد سے تنہا آیا مگر جذبۂ انتقام ساتھ لے کر آیا ہوں، کیا میری مدد کر سکو گے؟ میں اپنے باپ کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، خواہ وہ جیک خاتون ہی کیوں نہ ہو؟"

ابنِ حرب کی باتیں سُن کر سلیمان بن عامر نے بڑے اطمینان سے اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ "تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خود دیکھ لو گے تمھارا دوست کیا کچھ کر سکتا ہے۔"

ابنِ حرب کا ذہن اب انتقام کے صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ ہلال نما خنجر کو چرمی غلاف میں

www.urdukorner.com

بند کر کے پھر گہری سانس لیا اور کہنے لگا۔ "اب مجھے وہ اجنبی داعی رضا خیاط رہ رہ کر یاد آ رہا ہے۔ سوچتا ہوں، اگر میں اُس کی دعوت قبول کر لیتا تو آج وہ جماعت میرے کام آتی اور انتقام کا بوجھ ہلکا کر دیتی۔"

سلیمان ایک بار پھر بُری طرح چونکا مگر اُس نے اپنی حیرت فوراً تجاہل کے پردے میں ڈھانپ لی اور کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے، تمھیں اُس داعی سے رابطہ قائم کر لینا چاہیے تھا۔ مقصد ابو عباس سے دشمنی مول لینا ہے تو تمھاری پشت پر کسی جماعت کا ہاتھ ہونا ضروری ہے۔"

سرائے دار کی نظریں اُس کے چہرے پر دل کا حال ٹٹولنے لگیں کہ اب کیا کہتا ہے۔ ابنِ حرب کے جواب نے اُسے حیران کر دیا۔ "اس وقت میں نے داعی کی بات پر توجہ اس لیے نہیں دی کہ بنو عباس کا مقابلہ کرنے کے لیے احمد بن طولون جیسے پُرحکمت دماغ اور فوجی تجربے کی ضرورت ہے جو کسی مذہبی شیخ کو میسر نہیں ہوتا۔"

"بھولتے ہو ابنِ حرب! مذہب اور عقیدے کی طاقت فوجی تجربوں پر بالا ہوتی ہے بہرحال اب میرا مشورہ یہ ہے، اگر نئے حالات میں کوئی داعی تمھارے پاس آئے، تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دینا۔"

"اِس وقت میں اپنا ہاتھ بلکہ اپنی زندگی تمھارے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔"

ساتھ ہی سلیمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ مسرت کے لہجے میں بولا۔ "تم نے کسی کمزور آدمی کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ میرے تعلقات کا دائرہ وسیع ہے۔ میں تمھیں اُس دائرے میں لے جاؤں گا اور تمھارے اِرد گرد لوگوں کی ایک دیوار کھڑی کر دوں گا۔"

"سلیمان! تمھاری یہی خوبی مجھے تمھارے پاس کھینچ لائی ہے۔ تاکہ اپنے باپ کے دشمنوں سے انتقام لے سکوں۔"

"تمھیں مایوسی نہیں ہوگی۔ مصر کی سرزمین انتقام کی فصل کے لیے بڑی زرخیز ہے۔" سلیمان نے پُرجوش انداز سے اُس کا کندھا تھپتھپایا۔ "ابنِ حرب تم خوش قسمت ہو کہ ایسے وقت میں عریش آئے، جب شہزادہ شیبان شام و فلسطین کا دورہ ختم کر کے مصر واپس جا رہا اور آج ہی شام یہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ بھی بتا دوں وہ تمھیں پسند کرتا ہے، جب تم اُسے اپنی مصیبت کا حال سناؤ گے، وہ تمھاری مدد سے دریغ نہیں کرے گا۔"

شیبان کی آمد کا ذکر سُن کر ابنِ حرب مارے حیرت کے اُچھل گیا اور پریشان سا ہو

PAKISTAN ARCHIVES & LIBRARY
S-527, RIAABSA BAZAAR, RAWALPINDI,
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048369
Prop: Ali Khan

کر کہنے لگا۔ "تم کہتے ہو شیبان مجھے پسند کرتا ہے لیکن اسیری کے ایام میں اُسی نے مجھے سب سے زیادہ اذیت پہنچائی۔ میں اُس کے غلام حارث کے کوڑے آج بھی نہیں بھول سکا۔"

سلیمان بن عامر نے معاملے کی وہ صورت بیان کی جو ابنِ حرب کے علم میں نہیں تھی۔ "تمھیں بغداد روانہ کرنے کے بعد میں خود شیبان سے ملنے انطاکیہ میں پہنچا اور اُسے بتایا کہ رہائی کے عوض میں نے تمھاری دوستی حاصل کر لی ہے۔" یہ سن کر وہ کہنے لگا۔ "بنی طولون کو منذر ابنِ حرب جیسے دوست کی ضرورت ہے جس کی وفاداری خریدی نہیں جا سکتی۔ آج تم برادرِ سلطان سے ملو گے تو اُسے بدلا ہوا پاؤ گے۔"

یہ اطلاع ابنِ حرب جیسے مصیبت زدہ شخص کے لیے بڑی حوصلہ افزا تھی کہ طولونی شہزادہ اُس کی دوستی کی ضرورت محسوس کرتا رہا ہے۔ اچانک خیال آیا۔ ساڑھے سات ماہ قبل جب دشتِ فرات میں شہزادی قطر الندیٰ کے پیچھے پیچھے اُس کے محافظ دستے کا سالار حارث چند سواروں سمیت آ دھمکا تو اُس نے اندازہ لگایا تھا کہ شہزادہ شیبان بھی شام کی سرحد کے آس پاس کہیں موجود ہوگا۔ کہنے لگا۔ "شیبان غالباً سات آٹھ ماہ پہلے بھی آ چکا ہے، یہ اُس کا دوسرا دورہ ہوگا۔"

"نہیں۔" سلیمان نے بتایا۔ "اُسے شام آئے کوئی دس مہینے ہو چکے ہیں۔ آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے سرحدی خراج[1] کا کوئی جھگڑا تھا، جسے طے کرنے کے لیے وہ دس ماہ تک دمشق میں ڈیرے ڈال کے بیٹھا رہا۔ اب خراج لے کر آ رہا ہے اور دو راتیں یہیں ٹھہرے گا اسی لیے کارواں کو خالی کرا لیا گیا ہے۔ ان دو راتوں میں تمھیں شیبان سے ملاقات کرنے کے کئی مواقع ملیں گے اور تم اُس کی دوستی حاصل کر سکتے ہو مگر اپنے مقصد کے لیے تمھیں ذرا بنی طولون کی طرف اپنا میلان ظاہر کرنا ہوگا۔"

"سلیمان! اپنے انتقام کی خاطر میں جنگل کے بھیڑیوں سے بھی دوستی کر سکتا ہوں۔"

"پھر تم یہ بھی جانتے ہو، شہزادہ شیبان، بنی عباس کے لیے کسی بھیڑیے سے کم

---

[1] موفق طلحہ کی کمزور حکومت کے باعث ۲۷۳ھ مطابق ۸۸۶ عیسوی میں خمارویہ بن احمد بن طولون کو آرمینیا اور ایشیائے کوچک کی سرحدوں کا والی تسلیم کر کے خراج دینا منظور کیا گیا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

www.urdukorner.com

خطرناک نہیں۔"

"میں اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں گا۔"

سرائے دار نے ایک اور اطلاع دی کہ قافلے میں بنی طولون کی کچھ شہزادیاں بھی ہیں جو القدس کی زیارت کرنے آئی تھیں۔ یہ سن کر ابنِ حرب کے جسم میں سنسنی کی تیز لہر دوڑنے لگی اور مضطرب ہو کر پوچھنے لگا۔ "ان شہزادیوں میں سلطان خمارویہ کی بیٹی اسما قطر الندیٰ بھی شامل ہے؟"

سلیمان اس کے سوال پر حیران سا رہ گیا۔ پھر خیال گزرا شیبان سے اس کی خلاصی کا ذریعہ قطر الندیٰ ہی بنی تھی، شاید اسی لیے شہزادی سے دل چسپی رکھتا ہے۔ اسے بتانے لگا۔ "وہی تو القدس کی زیارتیں اور دمشق کی مسجدِ بلوائیہ کو دیکھنے کا شوق رکھتی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسری شہزادیوں کو بھی شام و فلسطین کی سیاحت کا شوق چرایا اور کارواں میں شریک ہو گئیں۔"

ناگہاں ابنِ حرب کے چہرے پر ایک نئی پریشانی نے اپنا سایہ ڈال دیا۔ دشتِ فرات میں احمد ابوعباس نے شہزادی قطر الندیٰ کی جان بچائی تھی۔ بنی طولون پر ایک احسان کیا تھا۔ حارث اور اس کے سوار بھی واقعے کے گواہ تھے اور تفصیل شیبان نے بھی سنی ہو گی۔ کیا وہ اس واقعہ کو بھول کر، جو احسان کا درجہ رکھتا تھا، ابوعباس کے خلاف اس کی مدد کرنے پر تیار ہو جائے گی؟ اس خیال کے ساتھ ہی دل بجھ گیا کہ اسما قطر الندیٰ کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ معتضد ابوعباس کے خلاف شیبان کی مدد چاہتا ہے تو اپنے چچا کو اس کی مدد کرنے سے روک دے گی۔ معاملے کی یہ صورت بڑی پریشان کن تھی۔ سوچنے لگا اپنے میزبان سے اس واقعے کا ذکر کرے یا نہ کرے مگر سلیمان بن عامر کی جہاں دیدہ نظروں نے چہرے سے اس کی پریشانی بھانپ لی اور پوچھا۔ "تم قطر الندیٰ کے ذکر پہ پریشان کیوں ہو گئے؟"

ابنِ حرب نے سوچ لیا کہ سلیمان کو حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے پھر دشتِ فرات کے واقعے کی تفصیل بیان کرنے لگا جسے سن کر سلیمان حیران ہوتا رہا اور اس کی پریشانی کی وجہ بھی سمجھ لی۔ عرب معاشرے میں اس شخص کو بہادر اور محسن سمجھا جاتا تھا، جو اپنی جان پر کھیل کر کسی کی جان بچائے اور محسن کے خلاف تلوار اٹھانا یا اس کے دشمن کی مدد کرنا معیب تھا مگر معاملے کی نزاکت کو سمجھ کر سلیمان نے اسے مایوس نہ ہونے دیا۔ "تمھارا خیال ہے،

دشتِ فرات میں ابوعباس نے شہزادی قطر الندیٰ پر جو احسان کیا تھا اس کی وجہ سے شیبان تمھاری مدد نہیں کرے گا۔ لیکن بنی طولون نے احمد ابوعباس کی تخت نشینی پر تکلف بھیج کر اس کے احسان کی قیمت چکا دی تھی۔ اگر اس نے کسی وقت شام، فلسطین اور مصر پر چڑھائی کی تو بنی طولون کی تلواریں اس کا راستہ روکیں گی اور یہ سمجھ کر اسے چھوڑ نہیں دیا جائے گا کہ وہ اسما قطر الندیٰ کا محسن ہے۔"

ابنِ حرب کے حوصلے کی گرتی ہوئی دیوار پھر قائم ہونے لگی اور سلیمان اسے سمجھانے لگا۔ "اگر ابوعباس نے طولونی شہزادی پر کوئی احسان کیا تھا تو اسے سردار حرب الکندی کے خون کا حساب بھی دینا ہو گا۔ تم بتاتے ہو کہ معزول خلیفہ معتمد کو بھی قتل کیا گیا ہے۔ کیا یہی بات بنی طولون کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی نہیں؟"

ابنِ حرب کے چہرے سے پریشانی کے سائے چھٹ گئے اور معاملے کی صورت بالکل بدلی ہوئی نظر آئی۔ ریاست کی اس بساط پر، جو بغداد اور فسطاط کے درمیان کئی سال پہلے بچھ گئی تھی۔ مُردہ معتمد کے ساتھ اب وہ پھر انتقام کے خانے میں کھڑا تھا۔ سلیمان بن عامر نے اسے مزید حوصلہ دیا اور اسی بساط پر ایک نیا مہرہ آگے بڑھایا۔ "میرے دوست! تم بغداد سے جو عزم لے کر آئے ہو، وہ ضرور پورا ہو گا۔ بنی عباس اور بنی طولون کی خونی کشمکش ہی تمھارے سر پر انتقام کا سہرا باندھ سکتی ہے اور میں نے وہ بات سوچ لی ہے جو خلیفہ معتضد کو جنگ کے میدان میں گھسیٹ لائے گی۔"

"تم نے کیا سوچا ہے؟"

سلیمان کے ذہن سے گزرنے والی بات اس کی زبان پر آ گئی۔ "تمھیں یاد ہو گا۔ احمد بن طولون کے مرنے اور خمارویہ کے تخت نشین ہونے پر عراقی لشکروں نے شام پر حملہ کر دیا تھا۔ اب موفق طلحہ کے بعد اس کا بیٹا مسندِ حکومت پر بیٹھا ہے تو بنی طولون بھی عراق پر حملہ کریں گے اور تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔"

منذر ابنِ حرب یہ بات سن کر دنگ رہ گیا کہ محض اس کی وجہ سے دو حریفوں میں جنگ ہو سکتی ہے۔ اب وہ پہلا سا ابنِ حرب نہیں تھا جس کی وفاداری بغداد کے پایۂ تخت سے بندھی رہتی تھی۔ اس کے نزدیک جس طرح معتمد علی اللہ کے قتل کی راہ ہموار کی گئی اور اس کے [illegible] کا نشانہ بنایا گیا اس طرح [illegible] ضروری تھا کہ معتضد ابوعباس کو میدانِ

www.urdukorner.com

جنگ میں گھسیٹ لیا جائے تاکہ اُس سے اپنا انتقام لے سکے۔ اضطراب کے لہجے میں بولا "کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

سلیمان کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ "ابن حرب! میں زندگی کے تجربے اپنے ذہن میں باندھ کے رکھتا ہوں اور اب ان تجربوں کی ایک گرہ کھول دوں گا۔ میں نے جنگ کا نقشہ تیار کر لیا ہے۔ لڑائی چھیڑنے کی تجویز سوچ لی ہے اور جب میں کسی کام کا آغاز کرتا ہوں تو اُسے انجام تک بھی پہنچاتا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھو۔ شہزادہ شیبان کے روبرو تمہیں اپنے باپ کے قتل کا ذکر کم اور معتمد کی ہلاکت پر افسوس زیادہ کرنا ہوگا۔"

ابن حرب سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ سلیمان اپنی بات ادھوری چھوڑ کر کچھ سوچنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا، مختلف خیالات کی لہریں اُس کے ذہن کی دیوار سے ٹکرا کر لوٹ رہی ہیں۔ یک لخت وہ سوچ کی لہروں سے اُبھرا اور پُرخیال انداز میں بولا۔ "میں نے تمہیں بتایا ہے، اس سفر میں کئی طولونی شہزادیاں شریک ہیں جن میں چار تو قطر الندیٰ کی چچیاں ہیں اور تین پھوپیاں۔ چچیوں میں عباسیہ سب سے اہم ہے جو اسماء قطر الندیٰ کی اتالیق بھی ہے۔ پھوپیوں میں دو ابھی باکرہ ہیں اور ایک بیوہ ہے۔ نجم اللیل عمر ۲۴۔۲۵ برس سے زیادہ نہیں۔ نجم اللیل بڑی پُرجذبہ، پُرشباب اور ترک نقش و نگار کی خوب صورت شہزادی ہے۔ اُس کا پہلا شوہر ایک طولونی ترک تھا مگر اب وہ کسی شہ زور صحرائی عرب کی خواہش مند ہے جو اُس کے باپ احمد بن طولون کی طرح زبردست جنگی مرد ہو اور اُس کے خوابوں کی تعبیر بن سکے۔"

سلیمان نے شہزادی نجم اللیل کا سراپا کچھ اس طرح بیان کیا کہ ابن حرب کے دل میں اُسے دیکھنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی لیکن یہ نہ سمجھ سکا۔ آخر اس سراپا آرائی کا مقصد کیا ہے؟ بہرحال کچھ مقصد تو ہوگا۔ تجسس کے لہجے میں پوچھا۔ "نجم اللیل کے خواب کیا ہیں؟"

"وہ حکمرانی کی خواہش مند ہے۔"

ابن حرب کا چہرہ کچھ دھندلا ہو گیا۔ "پھر تو کوئی حکمران ہی اُس کے خواب پورے کر سکتا ہے۔"

سلیمان نے ایک اور ہی نقشہ پیش کیا۔ "احمد بن طولون ایک جنگجو سپہ سالار تھا اور کثیر الاولاد[1]

---

[1] طولونی سلطنت کے بانی احمد بن طولون کی ۳۳ اولادیں تھیں، ۱۷ بیٹے اور ۱۶ بیٹیاں

مرد بھی۔ اُس کے صُلب میں سے سترہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں میں خمارویہ سب سے بڑا اور باپ کا جانشین ہے۔ اُس سے چھوٹا شیبان، بھائی کا دستِ راست سمجھا جاتا ہے مگر خمارویہ کے دو بیٹے ہیں، جیش اور ہارون۔ اُس نے دونوں بیٹوں کو علی الترتیب اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اُن کے بعد حکومت کا اختیار اپنے بھائی شیبان کے لیے محفوظ رکھا۔ تم خود سوچ سکتے ہو کہ ابن طولون کے بیٹوں اور پوتوں کے ہوتے ہوئے اس کی کسی بیٹی کا برسرِ اقتدار آنا ناممکن اور ایک خوابِ پریشان کے سوا کچھ نہیں لیکن نجم اللیل اسی خوابِ پریشاں کو پورا کرنا چاہتی اور کسی ریاست کی ملکہ بننے کا عزم رکھتی ہے۔"

"ابن طولون کے بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں اُس کا یہ خواب کیسے پورا ہو سکتا ہے؟"

"یہ بات صرف میں جانتا ہوں کیونکہ نجم اللیل مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔" سلیمان بن عامر نے ایک نیا گوشۂ اسرار کھول دیا۔ "وہ ایسا زبردست مرد چاہتی ہے، جو حکمرانی کی صلاحیت کے ساتھ فتوحات کا عزم بھی رکھتا ہو اور اُس کے خوابوں کو تعبیر بخش دے۔"

اُس نے ایک اور انکشاف کیا۔ "شہزادی نجم اللیل جانتی ہے کہ میں ایک مردشناس اور بھروسے کا آدمی ہوں۔ اُس کے باپ احمد بن طولون نے مجھ پر یونہی اعتماد نہیں کیا تھا۔ دس ماہ پہلے شام و فلسطین کی طرف جاتے ہوئے، جب شاہی قافلے نے عریش میں قیام کیا، اُس نے تنہائی میں مجھ سے ملاقات کی۔ بڑی رازداری کے ساتھ اپنا "خواب" مجھے سنایا اور فرمائش کی کہ میں اس معاملے میں اُس کی مدد کروں۔ ابن حرب! اگر تم نجم اللیل کا اعتماد حاصل کر سکو تو تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

اُس نے طولونی شہزادی کا اعتماد حاصل کرنے کا مشورہ کچھ اس طرح اچانک اور تلخی دیا کہ ابن حرب پر حیرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا۔ نجم اللیل کا حسین سراپا سن کر دل میں ترغیب کی ہلکی سی لہر پیدا ہوئی تھی۔ تاہم دل چسپی کی وہ لہر ساحل کو چھو کر لوٹ آئی، جہاں ایک ریاست کی دیوار کھڑی تھی لیکن فلسطینی سرائے دار کے آخری انکشاف اور آخری فقرے

(بقیہ حاشیہ)

خمارویہ سب سے بڑا بیٹا تھا لیکن بہادر اور شجاع ہونے کے علاوہ عیاش بھی تھا۔ اُس کے بعد علی الترتیب جیش، ہارون اور شیبان جانشین تھے۔

(بحوالہ ابن تغری بردی و جلال الدین سیوطی)

www.urdukorner.com

نے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی۔ مضطرب سا ہو کر بولا۔ "شہزادی سے تعارف ہو جائے تو شاید میں اُس کی توجہ حاصل کر سکوں۔"

نہ جانے سرائے دار کا مقصد کیا تھا۔ اُس نے ایک نیا پہلو نکالا۔ "تعارف تو میں کرا دوں گا لیکن ایک شرط پر؟"

ابنِ حرب پہلی بار چونکا۔ "شرط کیا ہے؟"

"تمھیں میری مرضی کا پابند ہونا پڑے گا۔"

"سلیمان! تم میرے دوست بھی ہو اور محسن بھی۔ میں تمھاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا، کیوں کہ جو کچھ کرو گے، اُسی میں میری بہتری ہو گی۔"

سرائے دار نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اٹھو اور سفر کی گرد اتارو۔"

ابنِ حرب اُس کے ساتھ ہو لیا۔ سرائے کے پرانے غلام، نوکر اور خادم اُس سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔ سات آٹھ سال کے عرصے میں وہاں کچھ نئے غلاموں اور خدمت گاروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ بھی اپنے آقا کے مہمان اور دوست کا احترام کرنے لگے، جس کی خاطر کزلان ترک اور اُس کے چار مزید بدنصیب سواروں کے سر کاٹ کر چرمی تھیلے میں محفوظ کر لیے گئے تھے۔ پھر سلیمان اُسے لے کر اُس رہداری میں نمودار ہوا جو اُس کی خانگی رہائش گاہ کی طرف نکلتی تھی اور جہاں کاروانِ سرائے کے غلام اور خدمت گار بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

اُس رہداری میں صرف دائیں جانب کچھ کمرے سلیمان بن عامر کے نجی اور خاص مہمانوں کے لیے وقف تھے۔ اُنھی مخصوص کمروں میں سے ایک ابنِ حرب کے لیے کھول دیا گیا اور وہ اُسے کمرے میں چھوڑ کر اپنی خانگی رہائش گاہ میں چلا گیا جہاں کچھ حسین اور خوش گلو کنیزیں شاہی مہمانوں کے بارے میں اُس کی ہدایات کی منتظر تھیں۔ ابنِ حرب نے آراستہ کمرے کا جائزہ لیا اور محسوس کرنے لگا کہ وہ بغداد میں ایک بازی ہار آیا اور عرب میں ایک بازی جیت رہا ہے

(11)

طولونی قافلہ

شام کا میلا اندھیرا گہرا ہو کر رات کے کالے اندھیرے میں گھل مل رہا تھا کیوں کہ چاندنی راتیں اندھیری راتوں میں بدل گئی تھیں اور اب چاند دیر سے طلوع ہوتا تھا مگر عریش کی کاروانِ سرائے جسے دُلھن کی طرح آراستہ کر دیا گیا تھا، لبنانی قندیلوں کی روشنی میں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔ راتیں تاریک ہوں یا روشن، فصیل کے مشرقی اور مغربی برجوں میں قندیلیں فروزاں رہتی تھیں جنھیں مسافر دور ہی سے دیکھ لیتے تھے مگر اُس رات سرائے کے مشرقی برج میں کئی مشعلیں روشن تھیں، تاکہ شاہی قافلے کے ساربانوں اور محافظ سواروں کو اُن کی روشنی بہت دور سے نظر آ جائے۔

سلیمان بن عامر نے شام کی رُخصت بکھرتے ہی اپنے کچھ مشعل بردار غلام اور خدمت گار شاہی قافلے کی پیش رائی کے لیے روانہ کر دیے تھے جنھیں نصف فرسخ آگے جا کر معزز مہمانوں کا استقبال کرنا اور قافلے کو مشعلوں کی روشنی میں کاروانِ سرائے تک لانا تھا۔ باقی ماندہ غلام اور خدمت گار سرائے کی اونچی فصیل کے حصار سے نکل کر اُس کے صدر دروازے تک پہنچ گئے تھے جہاں درجنوں قندیلوں کی تابانی میں دن کا اُجالا ہو رہا تھا۔ ابھی رات کا پہلا پہر شروع ہوا تھا کہ بہت دور اونٹوں اور سانڈنیوں کے گھنگھروں پر بندھی گھنٹیوں کی ملی جلی آوازیں "صدائے کاروان" بن کر بلند ہوئیں اور شاہی قافلے کی آمد کا غُل اٹھا۔ اُس کے ساتھ ہی سلیمان بن عامر اپنے عراقی مہمان اور مصری، شامی، فلسطینی کنیزوں کے جھرمٹ میں فصیل

www.urdukorner.com

کی ڈیوڑھی سے نکل کر دروازے پر نمودار ہوا جس سے باہر کا منظر کچھ اور خوب صورت ہو گیا۔

اب گھنٹیوں کی مسلسل آوازیں اپنے مخصوص صحرائی آہنگ سے کچھ قریب سنائی دینے لگیں، جن کے ساتھ مشعل بردار غلاموں کا حلقہ بھی نظر آیا۔ مشعلوں کے اس حلقے میں شاہی محملوں کی ایک قطار دکھائی دی، آگے آگے شہزادہ شیبان اور کچھ محافظ سوار تھے مگر قافلے کے عقب میں سامان سے لدے پھندے اونٹ تھے جن کے پیچھے مسلح سواروں کا ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔

رات کے کالے حاشیے پر تھرتھراتی مشعلوں کی روشنی کچھ اور قریب آ گئی، تو فضا گھنٹیوں کی آوازوں سے گونجنے لگی اور ان آوازوں کے درمیان سرائے کے دروازے پر "اھلاً و سھلاً" کی صدا بلند ہوئی۔ شہزادہ شیبان نے جو قافلے کا امیر اور پیش رو تھا دروازے کے پاس آ کر گھوڑا روکا تو ایک غلام نے لپک کر اس کی لگام تھام لی اور سلیمان بن عامر ابن حرب کو ساتھ لے کر استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

کارواں کے رکتے ہی سارباں سانڈنیوں کی نکیلیں پکڑے مخصوص آوازوں میں انھیں بٹھانے لگے۔ سرائے کی کنیزیں محملوں کے آس پاس بکھر گئیں تاکہ شہزادیوں کو اترنے میں مدد دیں۔ اس اثنا میں شیبان گھوڑے سے اتر آیا تھا۔ اس نے سرائے دار کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنا استقبال کرتے دیکھا تو حیران سا رہ گیا۔ وہ صورت بھولنے والی نہیں تھی۔ سلیمان نے اس کی حیرت بھانپ لی اور کہا۔ "مجھے امید ہے، آپ منذر ابن حرب کو بھولے نہیں ہوں گے۔"

شیبان نے ماضی کے جنگی قیدی پر نظر ڈالی اور اسی سے مخاطب ہوا۔ "ابن حرب! میں تمھیں بھولا نہیں لیکن عزیش میں دیکھ کر حیران ضرور ہوں۔"

ابن حرب کے جواب نے اسے ایک نئی اور خوشگوار حیرت سے دوچار کر دیا۔

"شہزادہ عالی! سلیمان نے اسی عزیش میں میری قید کی بیڑیاں کاٹ کر میرے پاؤں میں دوستی کی زنجیر ڈال دی تھی۔ وہی زنجیر مجھے مصر میں کھینچ لائی ہے۔"

سلیمان بن عامر سے دوستی کا مطلب بنی طولون سے دوستی کا اظہار تھا۔ شیبان نے تحسین کی نگاہوں سے پہلے ابن حرب کو پھر سرائے دار کو دیکھا اور کہا۔ "لوہے کی بیڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن دوستی کی زنجیر نہیں ٹوٹتی۔"

ابن حرب کا دوسرا جواب بھی خوشگوار تھا۔ "اب یہ زنجیر کبھی نہیں ٹوٹے گی۔"

شیبان جانتا تھا وہ بے وجہ مصر نہیں آیا ہوگا۔ دوستی کے تعلق کا اظہار کسی واقعے یا مقصد کی طرف اشارہ کر رہا تھا لیکن کچھ سمجھ نہ سکا۔ اسے مقصد سمجھنے کی جلدی بھی نہیں تھی فوراً ہی ان سے بے تعلق ہو کر ہم سفر شہزادیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جنھیں کنیزوں نے محملوں سے بہ حفاظت اتار لیا تھا اور اب وہ اپنے چہروں پر نقاب کھینچے، کنیزوں کے جھرمٹ میں سرائے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان میں بنت سلطان، اسماء قطر الندیٰ، شہزادی عباسیہ اور شہزادی نجم الیل کی حیثیت نمایاں تھی کیوں کہ تینوں سلطان نمازیہ کے مزاج میں دخل رکھتی تھیں۔

اسماء قطر الندیٰ اپنی اتالیق عباسیہ کے ہمراہ طولونی خواتین میں سب سے آگے تھی۔ شیبان بھی اسی کی جانب بڑھا اور طبیعت کا حال پوچھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا کنیزیں انھیں اپنے حلقے میں لے کر سرائے کے دروازے میں داخل ہوئیں۔ غلام اور خدمت گار دروازے سے ہٹ گئے تھے۔ البتہ سلیمان اپنے دوست کے ہمراہ طولونی شہزادیوں کے رسمی استقبال کے لیے وہاں موجود تھا۔ سرائے دار کی حیثیت سے یہ بات اس کے فرائض میں شامل تھی کہ شاہی مہمانوں کو خوش آمدید کہے اور قیام و طعام اور آرام کا خیال رکھے۔ البتہ ابن حرب کو اس "حسین خدمت" کا موقع اس کی دوستی کے طفیل میسر آیا تھا۔

طولونی خواتین کے استقبال کا واقعہ، جس کی خیال انگیز دل کشی نے اس کے دل و دماغ کو کسی طلسم کی طرح جکڑ لیا، ناگہاں پیش آیا۔ ساری دل کشی کی وجہ شہزادی نجم الیل تھی، اور جب شہزادیاں، کنیزوں کے جلو میں دروازے کی جانب بڑھ رہی تھیں، سلیمان نے سرگوشی میں اسے بتا دیا تھا کہ اسماء قطر الندیٰ، امیر شیبان اور عباسیہ کے پیچھے پیچھے آنے والی وہی ہے جس پر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ چند ہی لمحوں میں بنت سلطان اپنے چچا شیبان اور چچی عباسیہ کے ہمراہ دروازے پر پہنچ گئی، تو دونوں نے سر جھکا کر اسے تعظیم دی اور سلیمان نے اھلاً و سھلاً کہا۔ جب اسی لمحے امیر شیبان، ابن حرب کی طرف اشارہ کر کے قطر الندیٰ سے مخاطب ہوا۔ "اسماء ذرا پہچانو۔ یہ کون ہے؟"

قطر الندیٰ نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ ایک ہی نظر ڈالی اور پہچان لیا۔ "منذر ابن حرب" ساتھ ہی اس کا حال پوچھا اور ابن حرب نے "طیباً، جیداً" کہہ کر ایک بار پھر گردن خم

www.urdukorner.com

کر دی واقعی اس کا احسان مند تھا۔

شیبان نے بتایا۔ "ابن حرب پہلے جنگی قیدی بن کر آیا تھا اب دوست بن کر آیا ہے۔"

قطر الندیٰ یہ سن کر خوش ہوئی۔ پھر بڑے موزوں اور بلیغ الفاظ میں کہنے لگی "دشمنی انسانوں کو بانٹ دیتی، بکھیر دیتی، توڑ پھوڑ دیتی ہے مگر دوستی انھیں متحد اور مضبوط کرتی ہے" یہ کہہ کر آگے بڑھی اور شاہانہ وقار سے چلتی دروازے میں داخل ہو گئی۔

شیبان اور عباسیہ اس کے ساتھ ہی آگے بڑھے۔ جب اس کی حلقہ بردار کنیزیں بھی دروازے سے گزر گئیں تو نجم اللیل چہرے پر سرخ نقاب کھینچے قریب آئی۔ صرف اس کی اپنی کنیز اس کے ساتھ تھی۔ سرائے دار نے رسمی طور پر اسے بھی تعظیم دی اور خوش آمدید کہا مگر ابن حرب سرخ نقاب کے اندر اس کے ترک حسن کی دل کشی اور نقاب سے باہر اس کی لمبی غلافی آنکھوں کی سحر آفرینی میں کھو گیا جن کے بھاری پپوٹے خمار و مستی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ لمبی جادوگر آنکھیں پورے منظر کو مسحور کر رہی تھیں اور سرخ نقاب کے اندر اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن تھا۔ طولوی شہزادی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک مشہور شعر شفق سی بکھرنے لگا جس میں شاعر نے محبوبہ کے سرخ نقاب کا ذکر کیا تھا اور نقاب نے شفق کی مانند چاند جیسا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

ابھی شعر کے حسین تصور میں گم تھا کہ سلیمان کی آواز کان میں پڑی جو نجم اللیل کو بتا رہا تھا۔

"یہ میرا دوست منذر ابن حرب ہے۔ عرب کے صحرائی قبیلے کندہ کا جوان۔ میدان جنگ کا یکتا شہسوار۔ حملہ کرنے میں تیز اور لڑنے میں بے رحم۔"

ان الفاظ میں گویا اس نے شہزادی کے "مطلوبہ عرب" کا تعارف کرایا تھا۔ نجم اللیل کی لمبی غلافی آنکھوں میں حیرت کی چمک پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی ابن حرب پر ایک نظر ڈالی۔ وہی ایک نظر جس میں مرد کے صبر و شکیب کو پھونک دینے والی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ ابن حرب کے پورے وجود میں اتر گئیں اور وہ محسوس کرنے لگا بعض خوب صورت عورتیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ مردوں کے تصرف میں نہ آئیں بلکہ انھیں اپنے تصرف میں لائیں اور ان پر حکومت کریں تاکہ ان کے جذبۂ افتخار کی تسکین کے ساتھ حسن کی شان بلند ہو اور نجم اللیل بھی انھی عورتوں میں سے ہے۔ وہ خود بھی اپنی سرکش طبیعت کی وجہ سے کسی کے تصرف میں آنے

کا عادی نہیں تھا۔ اسی لیے جب شہزادی کی نگاہ اس کے وجود میں اتری تو شریانوں میں دوڑتا ہوا باغی اور نافرمان خون مزاحمت کرنے لگا۔ شاید ایک عورت کے سامنے مفتوح ہونا نہیں چاہتا تھا لیکن کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اس کا باغی خون ان غلافی آنکھوں کی حسین قوت کے سامنے پسپا ہونے لگا۔

طولوی خاتون نے اس کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد بڑے مدھم لہجے میں سرائے دار سے کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کے گزرتے ہی سلیمان نے اپنے دوست سے سرگوشی کی۔ "اس نے بات چیت کے لیے مجھے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔"

اس اطلاع کے ساتھ ہی ابن حرب کی نبضوں میں خون تیزی سے دوڑنے اور دل دھڑکنے لگا۔ سلیمان بن عامر کو اس وقت تک وہیں ٹھہرنا تھا جب تک شہزادیاں سرائے کی ڈیوڑھی میں داخل نہ ہو جائیں۔ یہ سلسلہ جلد ختم ہو گیا۔ شہزادیوں کے گزر جانے کے بعد ساربانوں کو خالی محملوں والی سانڈنیاں اور ساز و سامان سے لدے ہوئے اونٹ لے کر سرائے میں داخل ہونا تھا جو باہر میدان میں کھڑے بلبلا رہے تھے۔ محافظ دستے کے گھوڑے بھی اصطبل کے تھانوں پر پہنچنے کے لیے بے چین تھے۔ شہزادیوں اور کنیزوں کے گزرتے ہی محافظ سواروں اور ساربانوں میں ہلچل سی مچ گئی اور وہ دروازے کی جانب بڑھنے لگے۔

ابن حرب سرائے دار کے ساتھ دروازے سے ہٹ رہا تھا کہ ناگہاں ایک شخص سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جسے دیکھتے ہی اپنی اسیری کے دن یاد آ گئے اور آنکھوں میں عجیب سی چمک دوڑ گئی۔ وہ محافظ دستے کا سالار امیر شیبان کا غلام حارث ابو ظفر تھا جس کی صورت آٹھ ماہ قبل دشت فرات میں بھی نظر آئی تھی اور دل کے کچھ زخم تازہ ہو گئے تھے۔ حارث کے ساتھ ایام اسیری کی کئی تلخ یادیں وابستہ تھیں مگر بنو عباس سے اپنی وفاداری کی صف لپیٹ لینے کے بعد اب وہ ایک بار پھر اس سرزمین پر کھڑا تھا جہاں ماضی کی تلخ یادیں بھلانے اور پرانی دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔

حارث نہ صرف اسے امیر شیبان اور قطر الندیٰ سے گفتگو کرتے دیکھ چکا تھا بلکہ اس کی ہوشیار نظریں اس وقت بھی دروازے کے آس پاس منڈلاتی رہی تھیں جب سرائے دار شہزادی نجم اللیل سے اپنے دوست کا تعارف کرا رہا تھا اور ترک خاتون نے اس پر توجہ کی نظر ڈالی تھی۔ حارث نے نجم اللیل کی توجہ کا مفہوم سمجھا یا نہیں سمجھا لیکن اپنے آقا شیبان کے دوستانہ

www.urdukorner.com

رویے کو ضرور سمجھ گیا تھا۔ اس لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بڑے خوشگوار لہجے میں مخاطب ہوا۔

"ابنِ حرب! ہم مصر میں دوسری بار ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔"

ابنِ حرب نے مصافحے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور اپنے لہجے کی تلخی کم کر کے کہنے لگا "میرا خیال ہے جس طرح آسمان پر ستاروں کی رفتار اور زمین پر ہوا کی گردش متعین ہے۔ اسی طرح لوگوں کی ملاقات کے علاقے بھی مقرر ہوتے ہیں۔"

گویا نجوم کی کتاب اسرار میں اگر بغداد سے اس کا فرار تقدیر کا فیصلہ تھا، تو مصر میں حارث سے ملاقات بھی مقدر میں تھی لیکن نہیں جانتا تھا، آگے چل کر یہ ملاقات اس کے لیے کتنی مشکلات اور پریشانیاں پیدا کرنے والی تھی۔ حارث ہر معاملے کو شبے کی نظر سے دیکھنے کا عادی تھا اور تقدیر کی کتاب میں اس کا نام ابنِ حرب کے سب سے بڑے حریف یا رقیب کے طور پر لکھ دیا گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی نظروں سے نظریں اور ہاتھ سے ہاتھ ملائے کھڑے تھے کہ اچانک سرائے دار کی آواز نے انھیں چونکا دیا جو کہہ رہا تھا "حارث! کیا یہ خوشی کی بات نہیں کہ امیر شیبان نے ابنِ حرب کو اپنا دوست بنا لیا؟"

"کیوں نہیں؟ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ دوستی سب کو ایک چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔" یہ کہہ کر حارث نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا "ابنِ حرب اب مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

اسے یوں لگا جیسے حارث اس کے ہاتھ کی قوت آزما رہا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نے اپنی عمر کا بہترین حصہ بغداد میں ضائع کر دیا۔"

اس کا جواب سلیمان بن عامر نے دیا "بے شک ابنِ حرب تیس اکتیس برس بغداد میں گزار آیا ہے لیکن مصر میں ابھی کئی سال اس کے منتظر ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی یہ مختصر سی ملاقات ختم ہو گئی کیونکہ ساربان اونٹوں کی نکیلیں پکڑے بلند و بالا ڈیوڑھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حارث وہیں رک گیا۔ اسے اپنے سواروں کا انتظار تھا مگر ابنِ حرب، سرائے دار کے ہمراہ ڈیوڑھی پار کر گیا اور چلتے چلتے سوچنے لگا۔ وہ بغداد سے اپنے رشتے توڑ آیا ہے اور مصر میں نئے واسطے اور نئے رابطے قائم ہو رہے ہیں لیکن دل میں کوئی چیز دھڑک رہی تھی۔ شاید یہ اس کا مستقبل تھا جسے ابھی کئی خطروں سے گزرنا تھا۔ بغداد سے فرار ہوتے وقت اس کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ کسی طرح عباسی

سلطنت کی حدود سے نکل جائے تاکہ خلیفہ معتضد کے عذاب سے بچ سکے اور زندہ رہ کر باپ کا انتقام لے۔ یہ خیال بھی تھا کہ اگر عریش پہنچ گیا تو محفوظ ہو جائے گا اور سلیمان بن عامر کو اپنی مدد پر آمادہ کر لے گا لیکن یہ بات تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ جب عریش کی کارواں سرائے میں داخل ہو گا، حالات کی صورت یکسر تبدیل ہو جائے گی۔ سلیمان بن عامر کا سلوک، شاہی قافلے کی آمد، شہزادہ شیبان کا دوستانہ رویہ، دختر سلطان اسماء قطر الندیٰ سے ملاقات اور شہزادی نجم الیل کی نگاہِ توجہ جس نے اس کے وجود میں اتر کر سرکش خون کی مزاحمت روک دی اور اب خون کی طرح پورے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ یہ سب کچھ بڑا حیرت انگیز یا پھر اس تقدیر کا لکھا تھا جو اسے عراق سے مصر میں گھسیٹ لائی تھی۔

بغداد کے قبرستانِ شونیز یہ سے لے کر عریش کی کارواں سرائے تک ہر واقعہ دوسرے واقعے سے، ہر اتفاق دوسرے اتفاق سے زنجیر کی کڑیوں کی صورت باہم منسلک اور منتج کیا ہوا تھا جس میں ایک بات دوسری بات کا سبب بنی تھی۔ اسباب و علل کا یہ تواتر اور اتفاقات کا یہ تسلسل بے مقصد نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ حالات کا کرشمہ یا قسمت کا فیصلہ تھا اور اب اس کا رخ اسی جانب تھا جدھر تقدیر اسے لے جانا چاہتی تھی۔

یہ خیال کتنا راحت بخش تھا کہ اسے دیکھ کر شہزادی نجم الیل نے اپنی لمبی اور غلافی آنکھوں کے پٹ یوں کھول دیے تھے، جیسے دل کا دروازہ کھول رہی ہو۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کسی شہزادی کی نظر اس کے وجود میں اتر جائے گی۔ اس ایک نظر میں کچھ بجلیاں تھیں کچھ کہکشاں تھیں، کچھ واقعات تھے، کچھ حادثات تھے جو اسے پیش آنے والے تھے۔

★

شاہی قافلے کے آتے ہی عریش کی کارواں سرائے میں زندگی کی نئی لہر دوڑنے لگی۔ سرائے انسانوں سے اور اصطبل جانوروں سے بھر گیا۔ شاہی مہمانوں کو بالائی منزل کے کمروں میں ٹھہرایا گیا تھا جو صرف اعلیٰ حیثیت کے مسافروں کے لیے مخصوص تھے کیونکہ مصر اور شام و فلسطین کے درمیان سفر کرنے والے سردار، اشیوخ، شہزادے حتیٰ کہ سلطان خمارویہ اور اس کے اعیانِ سلطنت بھی جب عریش سے گزرتے تو انھی کمروں میں قیام کرتے تھے جو ہر قسم کے سامانِ آرائش سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ خواتین کی موجودگی میں کسی غلام یا خادم کو اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی

www.urdukorner.com

اُن کی خدمت کنیزیں سرانجام دیتی تھیں اور سرائے دار مہمانوں کی حیثیت کے مطابق اُن کے آرام کا خیال رکھتا تھا۔

ابھی رات کا پہلا پہر ختم نہیں ہوا تھا کہ سب مہمان طعام سے فارغ ہو کر اپنے کمروں اور بستروں میں آرام کرنے لگے۔ بالائی منزل پر شہزادیاں محوِ استراحت تھیں اور امیر شیبان اپنے کمرے میں منذر ابن حرب کی روداد سن رہا تھا۔ جسے سلیمان بن عامر اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ خود شیبان کو ان معاملات سے دلچسپی تھی جو ابن حرب کو بغداد میں پیش آئے اور اُسے مصر کی جانب فرار ہونا پڑا۔

اُس نے وہ پوری کہانی جو سلیمان بن عامر کو سنا چکا تھا پھر دہرائی اور اُس کی ہدایت کے مطابق معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کے قتل کا واقعہ اور اثر صاف کی طرف اٹھنے والی انگلیوں کا ذکر قدرِ تفصیل سے کیا کہ معتمد کی غیر طبعی موت کی خبر سن کر بغداد کے لوگ کس طرح گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے اور قاتل کی گرفتاری کا مطالبہ کرنے لگے۔ شیبان کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ معتمد قتل یا فوت ہو چکا اور اس کی لاش قبر میں اتاری جا چکی ہے۔ وہ ابن حرب کی زبانی اس ہیجان خیز واقعے کی تفصیل سن کر حیران رہ گیا کہ جب معزول خلیفہ نے اپنے بھتیجے کی بیعت کر لی جس خلافت سے دستبردار ہو گیا، حتیٰ کہ اپنے بیٹے جعفر المفوض کو بھی ولی عہدی سے محروم کر دیا تو اُس کی روکی زندگی کیوں چھین لی گئی؟

سلیمان بن عامر نے توجہ دلائی کہ جعفر المفوض کے بعد اب جیجک خاتون کا بیٹا ابو محمد عالی ہوگا اور اہلِ بغداد نے معتمد کی ہلاکت کے بارے میں بھی الزام کی انگلی جیجک خاتون پر اٹھائی۔

ابن حرب نے بتایا۔ "جیجک خاتون ہی میرے باپ کے قتل اور میری مصیبت کا ذمہ دار بنی ہے۔"

شیبان نے فوری طور پر کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ جہاں اُسے معتمد کی ہلاکت پر افسوس ہوا وہاں اس بات کی خوشی بھی ہوئی کہ ابن حرب جیسا بہادر، جنگجو، معتضد ابو احمد سے اپنی وفاداری کا رشتہ توڑ آیا ہے۔ کہنے لگا۔ "ابن حرب! تم ایک مصیبت زدہ لیکن بہادر عرب ہو اور میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

اُس نے طولونی شہزادے کا شکریہ ادا کیا کہ مصیبت کے ان ایام میں مصر اُسے پناہ دے رہا اور برادرِ سلطان کا رویہ دوستانہ ہے۔

اب سلیمان بن عامر کو وہ بات کہنے کا موقع مل گیا جس کے لیے وہ اپنے دوست کو لے کر امیر شیبان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ "امیر شیبان! یہ سن کر آپ حیران ہوں گے کہ ابن حرب کا عریش تک تعاقب کیا گیا۔ معتضد کا افسر ضباط گرفتاری کے لیے اپنے چار سواروں سمیت سرائے میں پہنچ گیا تھا۔"

اس اطلاع پر جو ابھی تک مخفی رکھی گئی تھی، شیبان بُری طرح چونک گیا۔ "مگر عراقی سوار مصر میں کسی کو گرفتار کرنے کے مجاز نہیں۔"

"میں بھی اپنے دوست کو اُن کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھا۔"

"کیا عراقی سوار واپس چلے گئے؟"

"نہیں۔" سلیمان کے ہونٹوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پھر وہ کہاں ہیں؟"

"میں نے انھیں منزل پر پہنچا دیا۔" وہ بتانے لگا۔ "زندگی کا ہر سفر کسی قبرستان پر ختم ہوتا ہے اور ہر آدمی کی آخری منزل قبر ہوتی ہے۔ عریش کے قبرستان میں بھی آج ایک گڑھے کا اضافہ ہوا ہے۔"

شیبان پر ایک اور حیرت گزر گئی مگر سلیمان کہنے لگا۔ "امیر شیبان! عراقی سواروں نے طولونی سلطنت کی حدود میں بے جا مداخلت کی تھی اور جو لوگ طولونی اختیارات میں بے جا مداخلت کرتے ہیں اُن کے لیے میرے پاس بھی ایک اختیار ہے اور وہ اختیار مجھے آپ کے والدِ مرحوم احمد بن طولون نے دیا تھا۔"

یہ سنتے ہی طولونی شہزادے کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ عراقی سوار مصر میں کسی کو گرفتار کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ یقیناً وہ تم سے اُلجھ پڑے ہوں گے اور تم نے اپنا اختیار استعمال کیا ہوگا۔ ایک ایسے شخص کی حمایت اور حفاظت کرنا جو ہماری پناہ میں آیا ہو ہمارا دستور ہے۔ اگر عراقی سوار ابن حرب کی گرفتاری کے لیے بدسلوکی بجائے خلیفہ معتضد کے حکم پر مصر میں داخل ہوئے تھے تو بھی ان کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔"

سلیمان بن عامر غالباً اُس سے یہی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ اب اُس نے اپنی سوچی ہوئی چال کا مہرہ آگے بڑھایا۔ "میں چاہتا ہوں، خلیفہ معتضد کو اس واقعے کی اطلاع کر دی جائے۔"

شیبان کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "معتضد کو اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔ خود

www.urdukorner.com

سمجھ جائے گا کہ اُس کے سوار طویل سفر میں کہیں مر کھپ گئے ہوں گے یا پھر ابنِ حرب نے انھیں ہلاک کر دیا ہوگا۔"

"معاف کیجیے، میں آپ کی رائے سے متفق نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"امیر شیبان! عباسی خلیفہ کے اختیارات طولونی سلطنت کی حدود سے اُدھر ختم ہو جاتے ہیں۔ معتضد کو عراقی سواروں کے انجام کی اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے کہ آیندہ وہ طولونی حدود میں مداخلت کی جرات نہ کرے۔ یہ تو صرف ایک احتیاط ہے۔"

"تمھاری بات درست ہے سلیمان! مگر سلطانِ معظم شاید یہ احتیاط پسند نہ کریں۔ دو سلطنتوں کے درمیان بعض باتیں اس لیے نظر انداز کر دی جاتی ہیں کہ اُن کی دشمنی میں اضافہ نہ ہو۔"

شیبان کا جواب سلیمان کے تجربے یا پھر اُس نقشے کے برعکس تھا جو اس نے دو حکومتوں کو باہم ٹکرانے کے لیے اپنے ذہن میں تیار کیا تھا۔ حیرت کے لہجے میں بولا۔ "سلطانِ معظم کو ایسے احتیاط پر اعتراض کیوں ہوگا؟ یہ تو طولونی سلطنت کے حدود اختیارات کی بات ہے اور میں جانتا ہوں سلطان اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے اگر وہ معاملتاً خاموش رہنا چاہیں کیوں کہ معتضد ابھی نیا حکمران ہے تو بھی نئے حکمران کے لیے یہ احتیاط بڑا ضروری ہے۔ امیر شیبان! عجمیوں میں مثل مشہور ہے کہ "اگر بہ کشتن روزہ اول" اگر عراقی خطرے کا سر پہلے ہی روز کچل دیا گیا تو سلطنت میں بیرونی مداخلت معمول بن جائے گی اور عراقی سوار بنی طولون کے دوستوں اور وفاداروں کی گردنیں ناپتے پھریں گے۔"

اُس کا لہجہ کسی قدر تیز ہو گیا تھا۔ شیبان نے محسوس کیا۔ اگر ابنِ حرب کے سامنے سلیمان کی بات سے انکار کیا گیا تو یہ انکار بنی طولون سے اُس کی طویل وفاداری کے منافی ہوگا جب کہ ہم حکومت کو ایسے وفاداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوچ سمجھ کر بولا۔ "مجھے تمھارے تجربے کی دانائی سے انکار نہیں، تم طولونی سلطنت کے لیے بڑی خدمت سرانجام دیتے رہے ہو۔ اگر مناسب سمجھو تو خلیفہ معتضد کو عراقی سواروں کے انجام سے آگاہ کر دو۔"

یہ بات سرائے دار کے مطلب کی تھی۔ اُس نے خوشنودی کے اظہار میں اپنا سر خم کر دیا اور بساط کے اگلے خانے میں قدم رکھا۔ "امیر شیبان! ابنِ حرب صرف مصر میں پناہ لینے

نہیں آیا بلکہ باپ کا انتقام لینے آیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خون کا قصاص لینا ہر شریف اور بہادر عرب کا شیوہ ہے۔"

شیبان نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔ یہ معاملے کا نیا پہلو تھا۔ سلیمان فوراً مطلب پر آگیا۔ "اس کام میں میرے دوست کو آپ کی مدد بھی درکار ہے۔"

"کیسی مدد؟"

"یہ سارا جھگڑا دربارِ بغداد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے سلطانِ معظم کے علم میں آجانا چاہیے۔ آپ کی مدد سے ابنِ حرب کا حوصلہ بلند ہوگا اور یہ اپنے انتقام کا عزم پورا کر سکے گا۔"

انتقام عربوں کی دیرینہ روایت بھی تھی اور قصاص کتاب اللہ کا حکم بھی لیکن سردار حرب الکندی کے قتل کا معاملہ بڑا پیچیدہ تھا۔ شیبان نے جو کہانی سنی، اس کے مطابق ابھی یہ تحقیق بھی نہیں ہو سکی تھی کہ اُسے کس نے اور کیوں قتل کیا؟ صرف ابنِ حرب کا خیال تھا کہ وہ سازش کا شکار ہوا اور معتضد کی ہلاکت کا راز چھپانے کے لیے اُس پر خنجر زنی کی گئی لیکن معتضد کی ہلاکت سے لے کر حرب الکندی کے قتل تک سب کچھ اسرار میں لپٹا ہوا تھا اور جب تک اسرار کی گرہ نہ کھلے یا قاتل کا پتا نہ ہو جائے قصاص اور انتقام بے معنی تھا۔ اس قضیے میں قصرِ الصافی اور خلیفہ معتضد کی خاتونِ اوّل جیجک کا نام بھی بڑے تواتر سے آرہا تھا۔ غالباً اسی لیے بات سلطان مصر تک پہنچانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ شیبان نے حالات کی اس اُلجھی ہوئی صورت پر غور کیا اور کہنے لگا۔ "مجھے مدد سے انکار نہیں لیکن ابھی کچھ انتظار کرنا اور دیکھنا ہوگا کہ معتضد کا قانونِ انصاف کرتا ہے یا نہیں۔"

شیبان نے مدد سے انکار نہ کیا مگر قانون اور انصاف کو درمیان میں لے آیا تھا اور نفسِ مضمون میں بھی ایک احتیاط ملحوظ رکھی تھی۔ سلیمان بن عامر کے نزدیک مزید تکرار مناسب نہ تھی۔ رات کو پہلا پہر گزر چکا تھا۔ اُس نے امیر شیبان کا شکریہ ادا کیا۔ ابنِ حرب نے بھی اپنی حمایت پر سپاس گزاری کا اظہار ضروری سمجھا اور دونوں اجازت لے کر کمرے سے نکلے۔

بالائی منزل کی رہداری جس کے دورویہ رہائشی کمرے تھے، قندیلوں سے روشن تھی۔ انھوں نے زینے کا رُخ کیا۔ ابنِ حرب طولونی شہزادے کی ملاقات سے مطمئن تھا لیکن سرائے دار کچھ اُلجھا اُلجھا دکھائی دے رہا تھا۔ زینے پر قدم رکھتے ہی سرگوشی کے لہجے میں پوچھنے لگا۔ "تم نے شیبان کی باتوں سے کیا اندازہ لگایا؟ کیا وہ سلطان خمارویہ کو معتضد کے خلاف کسی اقدام

www.urdukorner.com

پر آمادہ کر سکے گا؟"

سوال بڑا اہم تھا۔ ابنِ حرب کو جواب میں دشواری محسوس ہوئی کیوں کہ سلیمان بن عامر کی طرح نئی طرزوں کی تہذیب اور سیاست کے رموز نہیں سمجھتا تھا۔ مدھم سی آواز میں بولا۔ "وہ سوال کیوں کرتے ہو جس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ تم شیبان کی باتیں مجھ سے بہتر طور پر سمجھتے ہو۔"

"اُس نے مدد سے انکار نہیں کیا۔ اُسے معتضد کے قانون سے مشروط کر دیا ہے۔"

"پھر تمھارا کیا خیال ہے؟ وہ اپنے بھائی سے میری سفارش کرے گا؟"

"شاید کرے، شاید نہ کرے۔ اسی لیے اب شہزادی نجم اللیل سے ملنا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔"

نجم اللیل کا نام سنتے ہی ابنِ حرب کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ دونوں زینہ اتر کر اُس ڈیوڑھی میں آ گئے جہاں سے ایک دوسرا زینہ اوپر جاتا تھا۔ جس طرح ہال نما کمرے نے سرائے کے نچلے درجے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، اسی طرح بالائی منزل بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی جن کے درمیان ویسا ہی ہال نما کمرہ تھا اور دونوں حصوں پر جانے کے لیے الگ الگ زینے تھے۔ نجم اللیل کا قیام بالائی منزل کے دوسرے حصے میں تھا۔ جہاں دو اور شہزادیاں بھی ٹھہری تھیں مگر اس کا کمرا اُن سے الگ تھلگ اور کچھ فاصلے پر تھا۔ درمیان میں ایک کمرا غلام پیشہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جو نجم اللیل کی سوڈانی کنیز کے حصے میں آیا تھا تاکہ ضرورت کے وقت دونوں جانب حاضری دے سکے۔

سلیمان بتا چکا تھا کہ شہزادی نے بات چیت کے لیے اُسے اپنے کمرے میں بلایا ہے لیکن رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا اور وہ ابھی تک اُس سے بات نہیں کر سکا تھا بلکہ بیشتر وقت شہزادہ شیبان کی حاضری میں گزر گیا تھا۔ اب اُسے نجم اللیل سے ملنے کا خیال آیا تو سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تم اپنے کمرے میں چلو، مجھے ابھی شہزادی سے ملنا ہے۔"

ابنِ حرب نے اُس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ "شاید اس وقت جانا بے سود ہو۔ رات کافی گزر چکی ہے۔"

"وہ میرا انتظار کرے گی۔" سلیمان نے اُسے نئی حیرت سے دوچار کر دیا۔ "میں نے جان بوجھ کر دیر کی ہے تاکہ اس کی پڑوسنیں سو جائیں۔ نجم اللیل سے ملاقات کے لیے یہی وقت مناسب ہے۔"

(۱۲)

ستارۂ شب

سلیمان بن عامر اس کا کندھا دباتا ہوا دبے پاؤں دوسرے زینے پر ہو لیا۔ ابنِ حرب ایک دو پل وہیں کھڑا رہا پھر آگے بڑھا۔ ڈیوڑھی سے نکلا اور اس راہداری کی طرف مڑا جو سلیمان کی خانگی رہائش گاہ کی جانب جاتی اور سرائے کو نجی گھر سے الگ کرتی تھی۔ نچلے درجے میں قیام کرنے والے مسافر، رات کا کھانا کھاتے ہی سو گئے تھے اور بعض کمروں سے خراٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غلام، خادم، باورچی، برتن مانجھنے اور دھونے والے لڑکے بھی اپنے حجروں میں آرام کر رہے تھے۔ صرف ڈیوڑھی کے بیرونی دروازے اور اصطبل کی نگرانی کرنے والے پاسبان اور چوکیدار باہر گھومتے پھر رہے تھے۔

وہ نرم قدموں سے چلتا اپنے کمرے میں جا پہنچا اور بستر پر لیٹ گیا۔ اُس نے امیر شیبان، فرنوفی خواتین، محافظ سواروں، غلاموں، سائیسوں سے کہیں زیادہ طویل سفر کیا اور کٹھن راستوں سے گزرا تھا۔ اُن بھیانک راستوں پر وہ وقت کی گردش کو بھی پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب موت کے سفر کی تھکن اتارنے کے لیے مسلسل کئی راتیں آرام کرنے کی ضرورت تھی۔ تب کہیں جا کر اُس کے دل و دماغ اور جسم میں اترا ہوا صحرا کا مہیب سناٹا دور ہو سکتا تھا مگر عریش کی کاسنی سرائے میں جن حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ شروع ہوا اُن کا تسلسل ابھی جاری تھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اُن واقعات پر غور کرنے لگا جن کی دل کشی نے آنکھوں سے نیند اُڑا دی تھی اور تصور میں کئی رنگ بکھرنے جا رہے تھے۔ تصور کے جھروکوں میں کہیں شیبان کھڑا اُسے خوش آمدید کہہ رہا تھا کہیں

www.urdukorner.com

حارث دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا، وہ کہیں شہزادی نجم الہیل اپنی لمبی آنکھوں کے جادو پھونک رہی تھی۔

سب سے بڑھ کر سلیمان بن عامر کا رویہ حیران کر دینے والا تھا جس نے اس کے درد کو اپنا درد، اس کی مصیبت کو اپنی مصیبت، اُس کے انتقام کو اپنا انتقام سمجھا اور اُسے کبھی شیبان سے ملایا اور کبھی نجم الہیل کے خواب دکھائے تھے۔ سلیمان نے ایک بار پہلے بھی اُسے اسیری سے رہائی بخشی تھی۔ اُس کی مشکلوں کو آسان کر دیا تھا لیکن نئے حالات میں اُس کا سلوک زیادہ مخلصانہ اور زیادہ دوستانہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ اُس کی خاطر نہیں بلکہ اپنے لیے کرتا پھر رہا ہے۔ حالاں کہ اس معاملے میں اُس کے ذاتی مفاد کا کہیں شائبہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ نجم الہیل سے تعارف یا تعلق کے لیے اس نے ایک شرط لگائی تھی اور اُسے اپنی مرضی کا پابند کر دیا تھا لیکن اس میں بھی ترازو کا پلڑا ابن حرب ہی کی طرف جھکتا تھا۔

یہ خیال دل و دماغ میں کرنیں سی بکھیر رہا تھا کہ اگر طولونی شہزادی کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہو گیا تو کتنا خوش قسمت ہوگا۔ وہ نجم الہیل تھی، "ستارۂ شب"، جبکہ اس کی اپنی زندگی جسے وہ بغداد سے ساتھ لے کر آیا، پریشانیوں اور مصیبتوں کی ایک سیاہ رات میں ڈھل گئی تھی۔ اس رات کا آسمان بھی تاریک تھا اور اُسی تاریک آسمان پر نجم الہیل خوش بختی کے ستارے کی طرح طلوع ہونے والی تھی۔ سلیمان بن عامر اُس کی مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے شہزادی سے ملنے گیا تھا۔ اب اسی کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی اور نجانے کیا بات چیت ہو رہی تھی؟

تقدیر اس کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ ہی بھاگی اور اُسے مصر میں کھینچ لائی تھی۔ گویا اس کی قسمت کا ستارہ یہیں طلوع ہونے والا تھا۔ سلیمان کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ابن حرب خیالوں میں الجھا سوچنے لگا۔ ممکن ہے اُدھر بھی بات الجھ گئی ہو۔ معاملے میں کوئی گرہ پڑ گئی ہو اور سلیمان گرہ کھول رہا ہو۔ معاملے کو سلجھا رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی خیالات کی رو بدل گئی اور ذہن میں ایک آندھی سی چلنے لگی۔ جیسے صحرا میں "ریگ رواں" کی آندھی چلتی اور ریت کے تودوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دیتی ہے۔ اُسے تیز ہوا کا شور بھی سنائی دینے لگا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی۔ اس نے اپنے ذہن کے کھلے دریچے بند کر لیے۔ صرف ایک خیال ذہن میں گردش کرتا رہا کہ جو کھیل شروع ہو چکا ہے وہ تقدیر کا کھیل ہے جس میں اس کا کوئی دخل نہیں اور جو فیصلہ

ہوگا وہ تقدیر کا فیصلہ ہوگا جسے وہ بدل نہیں سکتا۔ اب اُس کے نزدیک ہر بات تقدیر پر منحصر تھی حالانکہ تقدیر کی ایک شکل مبرم ہوتی ہے جو بدلتی نہیں، تو اس کی دوسری شکل مبدل ہوتی ہے جس میں انسان کی کوشش کا دخل ہوتا ہے اور وہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں بگاڑتا یا بناتا ہے۔

ابھی اپنی تقدیر ہی کے مطلق سوچ رہا تھا کہ راہداری میں ہلکی سی بے آواز سی چاپ ابھری معاً دروازہ کھلا اور سلیمان بن عامر تقدیر کے ایلچی کی صورت کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ سلیمان نے بھی اُس کے قریب جگہ سنبھالی اور بتانے لگا کہ شہزادی کے ساتھ اُس کی کیا بات چیت ہوئی ہے۔

اُس نے نجم الہیل کو اپنے دوست کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ طواحسین کی لڑائی میں وہ جنگی قیدی بنا کر فسطاط لایا گیا جہاں سے عریش کی کارواں سرائے میں منتقل ہوا اور یہیں سے رہا کیا گیا۔ اس مرتبہ وہ جن حالات میں بغداد سے بھاگا اور عریش پہنچا۔ شہزادی کو اُن کی تفصیل بھی بتا دی گئی تاکہ کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ یہ بات بھی اس پر واضح کر دی گئی کہ وہ خلیفہ معتضد کا دوست اور اس کے محافظ دستے کا افسر تھا مگر جب حالات کی صورت بدلی تو وہ بھی بدل گیا اور بغداد سے بھاگ آیا۔ شجاع اور جنگجو ہونے کے علاوہ آسانی سے کسی کی اطاعت قبول کرتا ہے نہ اپنی وفاداری بیچتا ہے۔

سلیمان نے بتایا کہ وہ اُس کے بارے میں یہ تمام معلومات بڑی دلچسپی سے سنتی اور حیران ہوتی رہی۔ اُس کا خیال ہے اگر ابو عباس نے ابن حرب کی گرفتاری کا حکم دیا تو ضرور اس حادثے سے بڑھ کر کوئی خطرناک بات ہوگی جو بغداد میں رونما ہوا اور جب وہ خلیفہ کے پنجے سے نکل آیا، اُس کے سواروں کے ہاتھ نہیں لگا اور بادیۂ شام کو عبور کر کے مصر پہنچا ہے تو بلاشبہ ایک غیر معمولی آدمی ہے کیوں کہ کوئی عام آدمی بلکہ ذی حیثیت سردار بھی عباسی حکمران سے ٹکر لینے کی نہیں سوچ سکتا۔ کہنے لگی، "ہمارے والد احمد بن طولون نے عباسیہ سے بغاوت کر کے اپنی علاحدہ سلطنت قائم کی تھی کیوں کہ وہ ایک زبردست جنگی مرد، ایک سیاست دان اور حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ ہمارے بھائی خمارویہ نے بھی ان عباسی لشکروں کو شکست دی تھی جو ابو عباس ہی کی سرکردگی میں شام و فلسطین پر حملہ آور ہوئے اور رملہ تک چڑھ آئے تھے۔ اب ابن حرب انہی لشکروں کے حکمران سے الجھنا چاہتا ہے تو یقیناً ہمارے باپ اور بھائی کی طرح بہادر ہے۔ ہم ایسے مرد کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ اپنے قبیلے کا سردار نہیں، کسی بڑی

www.urdukorner.com

حیثیت کا مالک نہیں۔ ماضی میں بنی عباس کا وفادار رہا ہے۔ ابھی تک بنی طولون کے لیے کوئی ایسا معرکہ بھی سرانجام نہیں دے سکا جو سلطان کو مطمئن کر سکے اور وہ اس کے ساتھ ہمارے تعلق پر آمادہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے اُسے کوئی بڑا معرکہ سر کرنا ہوگا۔"

میں نے بتایا۔ "وہ آج ہی یہاں پہنچا ہے اور ابھی طویل سفر کی تھکن بھی نہیں اتار سکا۔ اس وقت طولونی سلطنت کی سرحدوں پر نہ کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے اور نہ کوئی جنگ لڑی جا رہی ہے کہ اُسے معرکہ سر کرنے کا موقع مل سکے۔ البتہ میرے ذہن میں جنگ کا ایک نقشہ ہے اور اگر شہزادی چاہتی ہے کہ ابن حرب بنی طولون کی خاطر کوئی کارنامہ سرانجام دے تو جنگ کو یقینی بنانے کے لیے میری مدد کرے۔"

وہ حیران ہوئی اور پوچھنے لگی۔ "وہ جنگ کس کے خلاف ہوگی اور ہم اس کے لیے کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

میں نے اس سے وہی بات کہی جو تم سے کہہ چکا ہوں کہ احمد بن طولون کی رحلت کے بعد جب سلطان خمارویہ نے تخت پر جلوس کیا، عباسی لشکروں نے طولونی سلطنت پر حملہ کر دیا تھا اب موفق طلحہ کی وفات کے بعد معتضد ابوالعباس نے حکومت اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالی ہے طولونی سپاہ کو دس برس پرانا حساب چکانے کا موقع ہاتھ آگیا ہے لیکن اس قرض کو بے باق کرنے کے لیے سلطان کو آمادہ کرنا پڑے گا۔"

اُس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ "مگر ہم سلطان کو کس طرح آمادہ کریں گے؟"

میں نے اُسے یاد دلایا کہ طولونی سلطنت کی بنیاد خلیفہ معتمد کی معزولی پر رکھی گئی تھی کیوں کہ اُس نے مصر کے گورنر احمد بن طولون سے اپنے بھائی موفق طلحہ کے خلاف مدد طلب کی تھی۔ اسی بنا پر اُسے گرفتار اور معزول کیا گیا۔ معتمد کی ذات ہی بنی عباس اور بنی طولون کے درمیان جھگڑے کا باعث رہی ہے اور ۲۹ رجب کی رات کو اُسے بغداد میں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب اہل بغداد اس صحافہ پر الزام کی انگلی اٹھا رہے ہیں تو سلطان خمارویہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ معزول خلیفہ کے خون کا قصاص طلب کریں اور لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوں۔"

یہ بات سنتے ہی وہ بستر سے اٹھ کر فرش پر آگئی۔ اور کہنے لگی۔ "آدمی کبھی کبھی دوسروں کے حقوق کی خاطر بھی لڑتا ہے۔ معتمد کے حقوق اگرچہ اُس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بنی طولون پر اُس کا ایک حق تھا جو ادا نہیں کیا گیا۔ اب سلطان کو وہ حق ادا کرنے

کے لیے اُس کے خون کا قصاص طلب کرنا چاہیے۔"

"یہی میں چاہتا ہوں کہ سلطان کو اس حق کی طرف توجہ دلائی جائے اگر وہ فوج کشی پر تیار ہو گئے تو ابن حرب ان کے لیے جیت کا مہرہ ہوگا۔"

نجم اللیل کے ہونٹوں پر ہلکا تبسم نمودار ہوا۔ "ہم نے تمہاری بات سمجھ لی ہے اور سلطان کو اس کا فرض یاد دلائیں گے لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ ابن حرب معرکہ جیت لے گا؟"

"میں اُس آدمی کی ضمانت نہیں دیا کرتا جس پر مجھے یقین نہ ہو۔" پھر میں نے پوچھا کہ شہزادی نے اُسے ایک نظر دیکھ کر کیا اندازہ لگایا ہے کہ کیسا آدمی ہوگا؟

"مشکل سے بہادر، شہ زور، بے رحم، نڈر اور وحشی لگتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی ہے۔"

یہ میں نے اس لیے کہا کہ شہزادی نجم اللیل ایسا ہی مرد چاہتی ہے جو بہادر، شہ زور اور کچھ وحشی بھی ہو۔ تمہارے متعلق اُس کا پہلا تاثر بُرا نہیں۔ اُس نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر فسطاط آؤں۔ وہاں تم سے ملاقات کرے گی۔ یہاں ملنا مناسب نہیں سمجھتی لیکن وہاں ملاقات مشکل نہیں۔ وہ تمہیں القطائع کے ذاتی قصر میں بلا سکتی یا خود کسی ایسے مقام پر آسکتی ہے جو ملاقات کے لیے پہلے سے طے کر لیا جائے گا۔ نیل کے ساحل پر یا نیل کے اس پار اہرام کی وادی میں کیونکہ شہزادیاں دریائے نیل کی سیر کے علاوہ کبھی کبھی فراعنہ کے کوہ پیکر مقبرے دیکھنے چلی جاتی ہیں۔ مگر میں کوشش کروں گا، کل دن کو کسی وقت تمہیں تمہاری اور اس کی ایک چھوٹی سی ملاقات ہو جائے۔ پرسوں علی الصبح وہ قافلے کے ساتھ فسطاط روانہ ہو جائے گی۔

ابن حرب! میں جانتا ہوں، شہزادی نجم اللیل جیسی جوان اور خوبصورت بیوہ سے ملاقات خواہ وہ کتنی ہی مختصر ہو، تم جیسے آدمی کو بھی دیوانہ کر سکتی ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ خود تمہارے لیے بے چین رہے اس لیے کہ ایک عظیم مقصد میرے پیش نظر ہے جو اُس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ سلطان خمارویہ کے کانوں میں معتمد کے قتل کی بات اس طرح ڈالے کہ اُس کی تلوار میان سے باہر آجائے اور ایک ایسی جنگ ہو جس میں تم بنی طولون کے لیے ایک کارنامہ سر کر سکو۔ نجم اللیل کو بھی جیت لو۔ وہ اپنی طبیعت کے مطابق طاقت ور حریف سے جنگ پسند کرتی ہے تاکہ اُسے شکست دی جائے لیکن اس بات سے بھی پریشان تھی

www.urdukorner.com

شاید سلطان جنگ پر تیار نہ ہو کیوں کہ خلیفہ معتضد نے بڑی قوت حاصل کر لی ہے مگر میں نے اسے بتایا کہ معتمد کے خون کا مطالبہ اُس کی قوت کو ضعیف کر دے گا۔ بغداد کے لوگ اگر خلیفہ کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوئے تو اس کا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ وہ پہلے ہی معتمد کے قتل پر طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے شہزادی کو یہ نکتہ بھی سمجھا دیا ہے کہ بعض باتوں میں آدمی کو فائدے کی امید تو ہوتی ہے مگر نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ معتمد کے قصاص کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس میں بنی طولون کو اہل بغداد کی حمایت حاصل ہوگی اور جس معاملے میں لوگوں کی حمایت حاصل ہو اُس میں فتح یقینی ہوتی ہے۔ نقصان صرف معتضد کو ہوگا جو بدنامی کے خانے میں کھڑا ہے۔

ابن حرب! مجھے یقین ہے کہ نجم اللیل یہ ساری باتیں خمارویہ کے گوش گزار کرے گی اور بھائی کو اکسائے گی کہ وہ وقت سے فائدہ اٹھائے اور ایک پرانا حساب بے باق کر دے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں۔ کل اگر چھوٹی سی ملاقات کا موقع مل جائے تو اس کے دل میں اپنے لیے کچھ بے قراری پیدا کر دو تاکہ وہ معتمد کے قصاص اور بغداد کے خلاف جنگ کے لیے بھائی پر پورا زور دے سکے۔"

ان الفاظ کے ساتھ سلیمان بن عامر نے اپنی روداد ملاقات ختم کی اور ساتھ ہی اپنے دوست کے دل میں طولونی شہزادی سے ملاقات کا شوق بھی دوچند کر دیا۔ ابن حرب کہنے لگا "دوست! میں نے سنا تھا آدمی اپنا بویا ہوا خود کاٹتا ہے مگر میرے انتقام کی فصل تم بو رہے ہو جسے میں کاٹوں گا۔"

سلیمان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی اور بولا "ہو سکتا ہے تم نے بھی کسی کے لیے کچھ بویا ہو۔ کبھی کبھی آدمی ایک دوسرے کی بوئی ہوئی فصل کاٹتے ہیں۔"

ابن حرب کچھ نہ سمجھ سکا کہ وہ کس فصل کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیوں کہ آٹھ سال قبل جب عریش سے رہا ہو کر بغداد پہنچا تو کچھ عرصے تک سلیمان بن عامر کی مہربانیوں کے بارے میں سوچتا تو رہا تھا لیکن وقت کے ساتھ اس کے حافظے پر ایک گرد سی جمتی چلی گئی جس میں سلیمان کا تصور بھی دھندلا پڑتا گیا آخر اس کی یاد حافظے سے محو ہو گئی۔ حالاں کہ وہ اس کی مہربانیوں کا کچھ صلہ دینا چاہتا تھا۔ کئی سال کے بعد عریش کی کارواں سرائے اور اس کے مالک کی یاد اچانک اُس وقت آئی تھی جب وہ بغداد کے قبرستان شونیزیہ سے کسی ایسے مقام کی جانب فرار ہونے کی سوچ رہا تھا جہاں معتضد ابو عباس کے اختیار کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ آٹھ سال کے عرصے میں وہ اپنے محسن کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔ اُس نے اپنے فلسطینی دوست کے لیے کچھ نہیں بویا تھا۔

سلیمان یہ محسوس کر کے کہ اُس کا ذہن کہیں اُلجھ گیا ہے بستر سے اٹھا اور کہنے لگا۔ "کچھ سوچنے اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں کو ایک ہی شے اور ایک ہی حیلے کی ضرورت ہے جو ہمیں مقصد سے ہمکنار کر سکے۔ اپنے ذہن کو سوچوں کے جال سے نکال کر سو جاؤ اور آرام کرو۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی ہے۔"

پھر دروازہ کی جانب بڑھا اور رہداری میں نکلا تو کئی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ ابن حرب دروازہ بند کر کے پھر بستر پر آ لیٹا لیکن اب وہ تنہا نہیں تھا۔ طولونی شہزادی اُس کے تصور میں اس کے کمرے میں، اس کے حسین خیالوں میں کھڑی اُس پر توجہ کی نظر ڈال رہی تھی۔ اپنی خوبصورت لمبی غلافی آنکھوں سے اُسے جھانک رہی تھی۔

تاریک رات کے آسمان پر خوش بختی کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔

★

دوسرے دن کا سورج اپنی گردش کا سفر طے کرتا، مشرق کے اُجلے اور سنہرے غلافوں سے نکلتا بحیرۂ روم کے اُس ساحل پر جہاں ایشیا اور افریقہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے کھڑے ہیں۔ زندگی اپنے معمول کے مطابق شروع ہوئی۔ بغداد سے عریش تک طویل اور جوکھوں کے سفر میں وہ رات کو جاگنے اور دن کو آرام کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ صحرا کے دستور میں دن کو لوگ اور راتیں جاگنے یا سفر کرنے کے لیے ہوتی ہیں لیکن عریش میں شب و روز اپنے طبعی معمول کے مطابق بسر ہوتے تھے۔ یہاں رات آرام کے لیے اور دن کام کے لیے تھا۔ وہ کئی دنوں کی راتوں کا تھکا ماندہ تھا۔ پھر اس لیے بھی بے سُدھ ہو کر سویا کہ اس کا کمرا کسی رہائش گاہ سے ملحق تھا۔ کسی کو اُدھر آنے اور آرام میں خلل ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ سلیمان بن عامر نے بھی اسے اٹھانے کی ضرورت نہ سمجھی تاکہ نیند پوری کر کے تازہ دم ہو جائے۔ خود ہی جاگا تو سورج کئی نیزے بلند ہو چکا تھا اور محسوس کرنے لگا جیسے کئی راتوں کی نیند ایک ہی رات میں پوری ہو گئی ہو۔ سفر کی تھکن اتر گئی۔ جسم کی کسلمندی جاتی رہی اور جب نہا دھو کر نئے کپڑے پہن چکا تو سلیمان نے رات ہی فراہم کر دیے تھے تو کئی دنوں کے بعد اپنے بستر میں لوٹ آیا۔

کپڑے بدل کر بیٹھا ہی تھا کہ مصری کنیز سلامہ کھانے کا طباق اٹھائے کمرے میں داخل

www.urdukorner.com

ہوئی۔ ان مخصوص کمروں میں سلیمان کی کنیزیں ہی مہمانوں کی خدمت کرتی تھیں۔ سلامہ سے اپنے دوست کے بارے میں پوچھا تو اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سرائے میں آگیا۔ جنال تھا، افسر محصول داری ابونصر یاقوت جس پر سلیمان بڑا اعتماد کرتا تھا، جانتا ہوگا کہ وہ کہاں ہے۔ ابونصر یاقوت فسطاط سے آیا تھا جہاں سُوق الخیل میں اس کی ایک حویلی تھی۔ اس نے ابن حرب کا خیر مقدم "الصبح الخیر" کی بجائے "الیوم الخیر" کہہ کر کیا۔

ابونصر یاقوت نے اس خوش طبعی کا مظاہرہ غالباً اس لیے کیا کہ دوپہر کا وقت ہوا چاہتا تھا لیکن ابن حرب نے "الیوم الخیر" سے نیک فال لی۔ ان دو لفظوں نے گویا اُس کی کامیابی کی نوید دی تھی۔ یاقوت سے سلیمان کا پوچھا تو اُس نے بتایا کہ قریش کے رئیس نے جو شہر کا حاکم بھی ہے شاہی مہمانوں کو آج شام اپنی حویلی میں ضیافت پر مدعو کیا ہے اور امیر شیبان نے ضیافت قبول کر لی ہے۔ سلیمان حاکم شہر کے ساتھ ضیافت کے انتظامات دیکھنے گیا ہے۔

ابن حرب اپنے کمرے میں لوٹ آیا اور سلیمان بن عامر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس سے ملاقات بہت ضروری تھی مگر دوپہر کے بعد سہ پہر بھی گزری جا رہی تھی اور وہ نہ آسکا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی نئی مصروفیت کی وجہ سے شہزادی نجم اللیل کی ملاقات ممکن نہیں۔ غروب آفتاب کے بعد وہ شاہی مہمانوں کے ہمراہ ضیافت میں چلی جائے گی اور ملاقات کا قصہ ختم ہو جائے گا۔ وقت کا ہر لمحہ اُس کی مایوسی میں اضافہ کرتا ہوا گزر رہا تھا حتیٰ کہ ڈوبتے سورج کے ساتھ طولونی شہزادی سے ملنے کی امید بھی ڈوب گئی۔ اُس وقت سلیمان بن عامر اچانک کمرے میں داخل ہوا اور بتانے لگا۔ "شاہی مہمان شام کا کھانا آج حاکم قریش کی حویلی میں کھائیں گے۔ میں اسی ضیافت کے انتظامات میں مصروف رہا ہوں مگر شہزادی نجم اللیل ضیافت میں شریک نہیں ہو سکے گی۔ رات دیر تک جاگنے اور بے خوابی کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

ابن حرب کی مایوسی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا مگر اس نے اپنی مایوسی اور پریشانی کو دبی الفاظ میں چھپانے کی کوشش کی۔ "کیا طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

سلیمان نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔ "اس کی طبیعت اچانک اس لیے خراب ہو گئی ہے کہ تم سے ملاقات کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ جب شاہی مہمان حارث اور اس کے محافظوں کی معیت میں سرائے سے نکل جائیں گے، سلامہ شہزادی کو لے کر تمھارے کمرے میں پہنچ جائے گی۔ مجھے بھی مہمانوں کے ساتھ جانا ہے مگر میں نے سلامہ کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ وہ کسی کو خبر نہیں ہونے دے گی کہ شہزادی بالائی منزل سے اُتری بھی ہے یا نہیں۔ نجم اللیل خود تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے لیکن اس ملاقات کے بعد اس کی بے چینی میں کچھ اور اضافہ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ بھائی کو معتمد کے قصاص پر آمادہ کر سکے۔ اسی پر تمھاری اپنی کامیابی کا انحصار ہے۔"

ابن حرب پر ایک خوشگوار حیرت گزر گئی۔ وہ تو غروب ہوتے ہوئے سورج کے ساتھ ملاقات سے مایوس ہو گیا تھا، لیکن سلیمان مسرت کی نوید لے کر آیا۔ شام کا سرمئی اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور وہ زیادہ دیر وہاں رُک نہیں سکتا تھا۔ حاکم شہر تک شاہی مہمانوں کی رہنمائی اُسی کو کرنی تھی اس لیے ملاقات کو مختصر کرنے اور بامقصد بنانے کی تاکید کرتا ہوا نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی سلامہ کمرے میں داخل ہوئی اور فانوس روشن کرنے لگی۔ ابن حرب نے روشنی میں اسے دیکھا اور کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ خود مخاطب ہوئی۔ "میں تھوڑی دیر کے بعد پھر آؤں گی۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"

اُس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ گندم گوں، ملیح صورت سلامہ کا رنگ نکھرا ہوا، آواز سُریلی، نقش و نگار بڑے تیکھے اور خوب صورت تھے اس کے مسکرانے کا مطلب سمجھ کر خود بھی مسکرا دیا۔ "مجھے تمھاری دوسری آمد کا کب تک انتظار کرنا ہوگا؟"

"انتظار شدید نہیں ہوگا۔ موقع دیکھتے ہی آنے کی کوشش کروں گی۔"

یہ کہہ کر ہوا کے سبک رو جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی اور ابن حرب حسین خیالوں کے مدوجزر میں اُبھرنے ڈوبنے لگا پھر بستر پر بیٹھ گیا۔ جذبات کا دھارا اُسے اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا تھا۔ اسی کیفیت میں باہر اُبھرنے والی آوازوں اور آہٹوں سے اندازہ لگایا کہ شاہی مہمان سرائے سے نکل رہے ہیں۔ کچھ اور وقت گزر گیا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی کیوں کہ ایک حسین واقعہ ظہور میں آنے والا تھا۔ وقت کی رفتار بڑی سست تھی۔ انتظار کی ساعت طویل ہوتی جا رہی اور بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

معاً خیال آیا کہ سلیمان کہتا ہے بے چین اُسے نہیں شہزادی کو ہونا چاہیے پھر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا کہ بہت زیادہ وارفتگی اچھی نہیں۔ اُسے طولونی شہزادی سے عاشق بن کر نہیں ایک بہادر جنگجو انڈر ورلڈ کی حیثیت سے ملنا تھا اور عاشقوں کی طرح ملاقات کو طول دینے کی بجائے مختصر گفتگو کرنا ہوگی۔

www.urdukorner.com

یہی سوچ کر اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا کہ اپنی بے قراری پر قابو پا سکے۔ بے آواز اور
پانچ وقت گزرتا رہا۔ اچانک راہداری کا دروازہ بند ہونے کی بہت مدھم سی آہٹ سنائی دی
اور اٹھتے قدموں رک گیا۔ وہ حسین طوفانی قیامت جس کا انتظار تھا کنیز کے ہمراہ راہداری میں داخل ہو
گئی تھی۔ دوسرے لمحے اس کے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا اور سلام کرتے قدموں چلتی
کمرے میں آئی اور پیچھے ہٹتی گئی۔ پھر طوفانی شہزادی نجم الیل چہرے پر وہی سرخ نقاب ڈالے
جو کل بھی اس کے نرمیلے تابناک پر لٹک رہا تھا اور نقاب سے نکلی ہوئی لمبی غلافی آنکھوں نے
اپنے حسن کا جادو بکھیر کر دروازے میں دکھائی دی۔ کنیز نے جھک کر ہاتھ اٹھا کر کورنش ادا کی اور
اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی خود کمرے سے نکل گئی۔ شہزادی کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا
اب ابن حرب نے جھکے بغیر کھڑے کھڑے مقدس جملہ کہا۔ "میں بنت طوفان کا چہرہ
کرتا ہوں۔" ساتھ ہی اس مسند کی طرف اشارہ کیا جس پر قیمتی سمور بچھا تھا۔ نجم الیل خاموشی
سے مسند پر بیٹھ گئی۔ سرخ نقاب ابھی تک اس کے چہرے پر تھا۔ اس نے
نقاب اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

ابن حرب بالکل سامنے بستر کے پر بیٹھ گیا۔ شہزادی کو دیکھا اور عربی کا وہی مشہور شعر جو
کل اسے سرائے کے دروازے پر دیکھتے ہی ذہن سے گزرا تھا اس کے سرخ نقاب کو دیکھ
کر دل پر دستک دینے لگا۔ اس نے کسی تمہید کے بغیر شعر پڑھا۔

حَيْثُ زَارَتْ نَضُوْبُ قَوْمِهَا الْقَاسِيْ وَابْدَعَ سَمْعِيْ اَطْيَبَ الْخَبَرِ

(جب وہ مجھ سے ملنے آئی تو اس نے اپنا نقاب الٹ دیا اور میرے کانوں کو اچھی خبریں سنائیں)

فَوَضَحَتْ شَفْقَ اَغْنَاثَنَا قَمَرٍ وَسَاقَطَتْ لُؤْلُؤًا مِنْ خَاتَمِهَا عَلَيَّ

(اس نے اپنے چہرے سے شفق الٹ دی جس نے چاند کو چھپا رکھا تھا اور معطر منہ سے موتی برسائے)

یہ گویا فرمائش تھی کہ شہزادی اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے اور اس سے مطلب
کی باتیں کرے۔ نجم الیل اس حسین فرمائش کے ساتھ اس کی خوش ذوقی پر بھی زیر لب مسکرائی
اور وہ نقاب الٹ دیا جس نے طوفانی چاند کو چھپا رکھا تھا۔ ابن حرب نے صرف ایک لفظ میں
بہت کچھ کہہ دیا۔ "تشکر۔"

نجم الیل نے گفتگو کا آغاز کیا۔ "سلیمان نے ہمیں تمہاری روداد سنائی۔ تم سے ملنے
کی درخواست کی اور ہم نے اس کی درخواست منظور کر لی۔" ان الفاظ میں گویا اس نے اپنی
دلچسپی ظاہر کی۔

"سلیمان نے مجھ سے بھی تمہارے بارے میں گفتگو کی تھی۔ وہ چاہتا تھا میں تم سے
ملاقات کروں۔"

نجم الیل اس کے انداز تخاطب پر چونکی۔ اس نے جو کندہ قبیلے کا رئیس تھا نہ کسی اعلیٰ
حیثیت کا مالک طوفانی شہزادی کو "تم" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ اپنے دل میں جسم میں خون میں ایک
عجیب قسم کی سنسنی محسوس کرنے لگی۔ یہ آدمی دوسروں سے مختلف تھا۔ اب اس نے کھل بات کی
جس میں ترغیب کا رنگ تھا۔

"سلیمان نے بتایا ہے تم ہمیں حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"بے شک، کل تمہیں دیکھا اور حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔"

"کیوں؟"

"سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر عورت وہ ایک لفظ سمجھتی ہے جو تمہارے سوال کا
جواب ہو سکتا ہے۔"

وہی ایک لفظ آپ سے آپ شہزادی کی زبان پر آ گیا۔ "محبت؟"

"ہاں، یہی لفظ عورت کی تخلیق کا سبب ہے۔"

وہ ایک بار پھر چونکی کہ عورت کی تخلیق کا مطلب وہ سب بھی جانتا ہے۔ "کیا تمہیں ہم سے
محبت ہو گئی ہے؟"

"میں نہیں جانتا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ آج تک اس تجربے سے نہیں گزرا لیکن تمہارا
اب صورت چہرہ اور لمبی لمبی غلافی آنکھیں دیکھ کر تمہیں رات بھر یاد کرتا رہا ہوں۔ اگر یہی محبت
ہے تو شاید مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

طوفانی شہزادی کو محبت کے اظہار کا یہ انداز اچھا لگا جس میں کسی قسم کی لفاظی اور مبالغہ
نہیں مگر اس کے حسن کی تعریف ضرور تھی۔ مسکرا کر کہنے لگی۔ "ہمیں حاصل کرنے کی ایک شرط
ہے۔"

"تمہاری شرط سن چکا ہوں۔ خمارویہ سے کہو مقتدر کے خون کا قصاص طلب کرے
اور مجھے ساتھ لے کر عراق میں داخل ہو۔ میں ناکام نہیں لوٹوں گا اور بنی طوفان کے لیے معرکہ جیت
کر تمہیں حاصل کروں گا۔"

وہ سلطان خمارویہ جیسے حکمران کے متعلق اس کے اکھڑ فوجی لہجے پر مارے حیرت کے
[illegible] کے لہجے پر حیران کیوں ہے؟ ایسا ہی کھرا

www.urdukorner.com

جنگجو، بے رحم اور وحشی مرد اُس کے خوابوں کی تعبیر فراہم کر سکتا ہے جو اُسے حاصل کر
رکھتا ہے اور ایک دن حاصل کر لے گا۔

ابنِ حرب بھی سمجھ گیا تھا کہ اُسے اپنے حکمران بھائی کے متعلق اُس کا لعبہ ناگوار گ
مسند سے اٹھی تو خود بستر سے اٹھا اور اُس کے قریب ہو کر بولا "خمارویہ سلطان
بہادر ہے۔ اُس نے کسی میدان میں شکست نہیں کھائی اور شکست کبھی میں نے بھی
طواحسین کی جنگ میں ابوعباس کو مصری رسالے کے گھیرے سے نکالنے کے لیے خ
تھا تاکہ مصری سوار میری طرف متوجہ ہو جائیں اور ابوعباس نکل جائے۔ وہ تو نکل گیا مگ
سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔"

اُس نے وضاحت کی کہ میدانِ جنگ میں اُس کی گرفتاری شکست یا کمزوری ک
تھی وہ صرف ابوعباس کو گھیرے سے نکالنا چاہتا تھا جس کے خلاف اب فوج کشی کی ت
رہا ہے۔ پھر طوبیٰ شہزادی کی لمبی غلافی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔ "میں خمارویہ
ہوں، تمھیں بھی پسند کرتا ہوں۔"

ساتھ ہی نجم اللیل کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں کے جسم میں بیک وقت کئی بجلیاں
شہزادی نے اپنا ہاتھ نہ چھڑایا بلکہ کچھ قریب آ گئی اور محرآفریں تبسم کے ساتھ بولی۔ "ہ
پسند کرتے ہیں۔"

پھر اپنا دوسرا ہاتھ اُس کے مضبوط بازو پر رکھ دیا اور ایک ہی لمس میں جا
اُس کا بازو بلکہ سارا جسم فولاد کی طرح سخت ہے۔ فی الواقع وہ بڑا شہ زور، طاقت
جنگجو مرد معلوم ہوا۔

یہ ملاقات کا سب سے حسین منظر تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ
آنکھیں اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ اس عجیب سی کیفیت میں شہزادی کے
ہونٹ کپکپائے۔

"ابنِ حرب! آج کی ملاقات ادھوری ہے۔ فسطاط آؤ گے تو ہم تمھیں

www.urdukorner.com

ملاقات کا موقع دیں گے۔"

وہ لمحہ بڑا مختصر تھا۔ دھوری ملاقات اسی مختصر لمحے پر ختم ہو گئی اور طوفانی ٹھہراؤ کی دن میں ایک نئی بے چینی لیے کمرے سے باہر نکلی۔ رہداری میں سلامہ اس کی منتظر تھی۔

KHAN BOOK & LIBRARY
S-527, GHALLA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048639 - 0345-5045...
Prop: Ali Khan

(۱۳)

پُراسرار شیخ

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔

شاہی مہمان اور اُن کے محافظ ضیافت سے فارغ ہو کر کبھی کے آچکے اور زندگی کے سارے ہنگامے رات کی خاموشیوں سے چھپ کر سو گئے تھے۔ کاروں سرائے کے اندر اور باہر اس علاقے کا روایتی سکوت طاری تھا۔ البتہ اصطبل میں کبھی کبھی کسی اونٹ کے بلبلانے کی ہلکی سی آواز خاموش فضا میں ایک تھرتھراہٹ سی پیدا کر دیتی تھی۔

شاہی مہمانوں کی واپسی پر ابنِ حرب سلیمان بن عامر کا انتظار کر رہا تھا۔ سب لوگ لوٹ آئے تھے صرف وہی سرائے میں واپس نہیں آیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر کہ صبح اس سے شہزادی نجم الہیل کی ملاقات کا حال بیان کر دے گا۔ وہ بھی بستر پر لیٹ گیا اور خوش رنگ خیالوں کے ساتھ پرواز کرتا نیند کے ساحل پر اتر گیا۔ بڑی گہری اور پُرسکون نیند سویا تھا مگر نہ جانے کس طرح آنکھ کھل گئی اور بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ سونے سے قبل فانوس کی تمام شمعیں گل کر دی تھیں۔ روشنی میں سونے سے آنکھ کھل جاتی تھی لیکن آج اندھیرے میں آنکھ کھلی تھی اور حیران تھا کہ آنکھ کیوں کھلی ہے جب کہ حسین خیالوں نے اسے تھپک تھپک کر سلایا تھا اور ایسی گہری نیند بے وجہ نہیں ٹوٹتی۔ اچانک سرگوشیوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ آواز ساتھ والے کمرے سے آ رہی تھی جو نشی رہائش گاہ سے ملحق اور رات کے پہلے پہر تک خالی تھا [illegible]

کو دے دیا گیا تھا باقی تینوں خالی پڑے تھے لیکن نصف رات کو آنکھ کھلی تو ساتھ والا کمرا آباد ہو چکا تھا۔

اس حصے میں سلیمان بن عامر کے خاص مہمان ہی قیام کرتے تھے۔ سوچنے لگا یہ کون سی رات کو کمرے والا خاص مہمان کون ہے؟ اسی اثنا میں اپنے نام کی بھنک کان میں پڑی تو بڑی حیرت سے دوچار ہوا۔ نام لینے والا سلیمان بن عامر تھا جس کی آواز مدھم ہونے کے باوجود اس نے پہچان لی۔ وہ اپنے مہمان کو اسی کے بارے میں کچھ بتا رہا تھا۔

ابنِ حرب کا تجسس بڑھ گیا کہ سلیمان کس سے باتیں کر رہا ہے؟ آہستہ آہستہ کوئی آہٹ کیے بغیر بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں اندھیرے میں چلتا دروازے کے ساتھ جا لگا۔ ملحقہ کمرے کا دروازہ بھی رہداری میں کھلتا تھا۔ وہ انھیں دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ البتہ وہاں ان کی آواز قدرے بہتر سنائی دے رہی تھی۔ اب گفتگو کا موضوع بدل گیا اور شاہی مہمانوں سے متعلق بات ہونے لگی۔ ناگہاں سلیمان کی آواز سن کر اس پر سناٹا سا گزر گیا۔ وہ مہمان سے پوچھ رہا تھا۔ "آقا آپ نے شہزادی کو اچھی طرح دیکھ تو لیا؟"

آقا کے ایک ہی لفظ نے ابنِ حرب پر سلیمان کے خاص مہمان کی شخصیت منکشف کر دی۔ آٹھ برس پہلے اس نے اسی سرائے میں ایک بار اس مہمان کو دیکھا تھا۔ وہی سبز پوش جوان شیخ جو رات کو بھی اپنا نصف چہرہ سبز نقاب سے ڈھانپے رکھتا اور جسے سلیمان "آقا" اور "سیدی" کے القاب سے پکارتا تھا۔ ابنِ حرب نے سوچا تھا شاید وہ مصر یا فلسطین میں ظاہر ہونے والے کسی نئے امام کا بیٹا یا بھتیجا ہے۔ آٹھ سال کے بعد سرائے میں آیا تو پُراسرار شیخ نمودار ہوا اور سلیمان نے اس سے شہزادی کے متعلق سوال کیا۔ نہ جانے کس شہزادی کا ذکر تھا مگر سبز پوش آقا کا جواب سن کر ابنِ حرب کے پاؤں تلے زمین جیسے گردش کرنے لگی۔ یہ کہا تھا شیخ نے۔

"قطر الندیٰ اپنی کنیت کی طرح خوب صورت ہے ہم نے اسے اچھی طرح دیکھ کر اپنی حرم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے کہیں خمارویہ ہمارا پیغام مسترد تو نہیں کر دے گا؟"

"پیغام مسترد بھی کر دے تو کیا ہے۔ آقا نے قطر الندیٰ کو پسند کر لیا ہے تو حضور ہی کے حرم میں داخل کی جائے گی لیکن خمارویہ غالباً ابھی دو تین برس اس کی شادی نہیں کرے گا۔"

"ہم بھی دو تین برس انتظار کر سکتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی سنسنی خیز گفتگو کا موضوع ایک بار پھر تبدیل ہو گیا اور سلیمان کہنے

www.urdukorner.com

ان لوگوں کی مذہبی دیوانگی کسی خروج کا عنوان بن جاتی اور حکومت کے لیے پریشانیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اُسے ایسی تحریکوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر ایک بات اُسے حیران کیے دے رہی تھی۔

مذہبی شیخ، امام اور اُن کے داعی بڑے زاہد و عابد اور صاحب کردار ہوتے تھے۔ لوگ عقیدت سے اُن کے ہاتھ چومتے اور اُنھیں مقدس و محترم سمجھتے تھے لیکن سبز پوش آقا کے کردار کا دوسرا رُخ حیران کر دینے والا تھا۔ یہ بات مزید حیرت انگیز تھی کہ سلامہ عقیدے کے طور پر اُس کی خدمت کرنے آئی اور رفیق خلوت ہونے کے باوجود اُس کی روحانی شخصیت پر کامل یقین رکھتی تھی۔ سلیمان بن عامر نے اُسے خود شیخ کی خدمت کے لیے بھیجا تھا جیسے یہ خدمت بھی اُس کے فرض اور عقیدے کا حصہ تھی۔ ابن حرب یہی سوچ کر حیران ہوتا رہا کہ اگر سلامہ اپنے آقا کی خدمت گزاری پر خوش تھی تو سلیمان بن عامر کی عقیدت میں بھی کوئی فرق نہ آسکا تھا۔ یہ معاملہ بڑا عجیب و غریب اور پُراسرار لگا۔

اس مرتبہ شیخ کے ساتھ بادیہ نشینوں کا کوئی حلقہ بھی نہیں تھا۔ ابن حرب کی دعوت پر وہ تنہا آیا تھا اور یہ اس لیے تھا کہ مصر و شام کے سلطان خمارویہ بن احمد کی نوجوان اور خوب صورت بیٹی اسماء قطر الندیٰ کو اپنی زوجیت کے لیے پسند کر چکے جو شاہی قافلے کے ساتھ شام سے مصر واپس جاتے ہوئے صرف دو راتوں کے لیے عریش کی کاروں سرائے میں فروکش ہوئی تھی۔ نہ جانے سلیمان اُسے کون سی رات کو کس طرح بالائی منزل پر لے گیا اور کس فرضی یا درپیچے سے محو خوب شہزادی کا چہرہ دیکھ لیا تھا کہ سبز پوش آقا نے اُس فتنۂ خوابیدہ کو دیکھتے ہی زوجیت کے لیے پسند کر لیا۔ یہ بات اُس کی سمجھ سے باہر تھی کہ سلطان خمارویہ اپنی بیٹی کے لیے جیسے کسی شاہی محل کی زینت بننا چاہیے تھا ایک بادیہ نشین مذہبی شیخ کا پیغام کیسے قبول کر سکتا ہے مگر سلیمان بن عامر کا یہ خیال چکنا چور ہو گیا کہ اگر آقا نے قطر الندیٰ کو پسند کر لیا ہے تو سلطان خمارویہ کے انکار کے بعد بھی وہ اُس کے حرم میں داخل کی جائے گی مگر یا سلطان کا انکار بے معنی تھا۔ شہزادی کی مرضی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

شیخ کی پُراسرار شخصیت کے متعلق ابن حرب کا تجسس بڑھ گیا۔ آخر وہ کون ہے جو ایک شہزادی کے لیے مصر و شام کے سلطان کو پیغام بھیج سکتا اور پیغام مسترد ہونے پر بہ زور اُسے اپنے حرم میں لے جا سکتا ہے؟ یقیناً ایسا آدمی معمولی نہیں ہو سکتا اور وہ معمولی آدمی بھی کیسے ہو سکتا ہے جس کی خاطر سلیمان بن عامر جیسا شخص، جو بنی طوران کا نمائندہ اور قابل اعتماد دوست

لگا۔ "آپ بھی اٹھیے چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دیر آرام کر لیں کہیں آقا کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔"

"نہیں سلیمان! اب ہم اپنی زندگی کے وقت تک جاگتے رہیں گے تم جا کر آرام کرو۔"

"کیا آقا حضور سلامہ کو تھوڑی سی خدمت کا موقع دیں گے؟ وہ آپ کو کشیدہ کرتی ہے۔"

"سلامہ کو ہم بھی نہیں بھولے گئے بھیج دو۔"

پھر سلیمان ملحقہ کمرے سے نکلا اور اپنی رہائش گاہ میں چلا گیا لیکن ابن حرب سکتے کی حالت میں جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ راہداری میں نسوانی قدموں کی ہلکی سی چاپ اُبھری۔ پھر ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے ساتھ ہی مصری کنیز سلامہ کی مترنم سی آواز اُبھری۔ "آپ نے کنیز کو یاد فرمایا سیدی؟"

"ہاں مجھے اس لیے یاد کیا کہ تیرا یقین کامل ہے۔"

"فَدَيْتُ نَفْسِي سَيِّدِي! فَدَيْتُ نَفْسِي"

(میری جان آپ پر قربان ہو میرے آقا! میری جان آپ پر قربان ہو)

ابن حرب کو اُن کی گفتگو سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ اندھیرے میں دبے پاؤں چلتا اپنے بستر پر آ گیا لیکن اب نیند آنکھوں سے رخصت ہو چکی تھی۔

★

ابن حرب نے ملحقہ کمرے سے آنے والی سرگوشیوں اور آہٹوں کی طرف سے توجہ ہٹا لی اور بستر پر لیٹے لیٹے سوچوں کے صحرا میں بھٹکنے لگا۔

وہ پُراسرار شیخ کے بارے میں صرف اتنا جانتا تھا کہ جوان ہونے کے باوجود سبز لباس پہنتا، اپنا نصف چہرہ ہر وقت چھپائے رکھتا، تیز رفتار سانڈنی پر سفر کرتا اور کبھی کبھار سرائے میں آتا تو بادیہ نشین خرقہ پوشوں کا ایک حلقہ ساتھ ہوتا تھا جو اُس پر پروانہ وار فدا ہوتے تھے۔ سلیمان بن عامر بھی آگے پیچھے پھرتا اور "آقا" یا "سیدی" کے خطاب سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا تھا۔ اُس زمانے میں فاطمی، علوی، اسماعیلی امام اور شیخ یا پھر اُن کے بیٹے بھتیجے اور داعی عموماً سبز لباس پہنتے تھے جو مذہبی تقدس اور بزرگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ابن حرب جانتا تھا

www.urdukorner.com

جاتا تھا۔ سلطان خمارویہ سے غداری بلکہ دشمنی پر تیار تھا۔ بنی طولون سے سرائے دار کی
دوستی "کا یہ پہلو کسی چیلنج سے کم نہ تھا جس سے اس کی دوہری شخصیت کا پتہ چلتا تھا۔

پھر ابن حرب کا دھیان ان باتوں کی طرف چلا گیا جو سلیمان نے اس کے بارے میں
سرائے والوں سے کی تھیں اور جنھیں وہ سن نہیں سکا تھا۔ تاہم چند الفاظ سے جو کانوں میں پڑ گئے۔
اندازہ ہوتا تھا کہ بغداد سے اس کے فرار اور خلیفہ معتضد سے انتقام لینے کی روداد سنائی
تھی جس پر شیخ نے گہری دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ غالباً سلیمان کو یہ ہدایت بھی کی تھی
کہ اپنے دوست کو آزردہ خاطر نہ ہونے دے۔ معاملہ اگرچہ واضح نہیں تھا، نہ وہ یہ جان سکا
کہ شیخ کی ہمدردی کا کیا مقصد ہے لیکن اس کی پُراسرار شخصیت کے بعض گوشوں میں جھانک
لینے کے بعد خود ابن حرب کو اس سے ایک نامعلوم سی دلچسپی ہو گئی اور وہ سرائے کی مصری
لڑکی کے ساتھ اس کی محبت کا پہلو نظر انداز کر کے سوچنے لگا۔ اگر وہ کسی ظاہر ہونے
والے امام کا بیٹا یا بھتیجا ہے جو شہزادی اسماء قطر الندیٰ کی خاطر مصر و شام کی طولونی طاقت کو بھی
زیر نہیں لاتا تو ضرور اس کے پیچھے کوئی بڑی قوت کھڑی ہے۔

اس نے سوچا، جنگ لڑنے اور جنگ جیتنے کے لیے تربیت یافتہ لشکروں کے علاوہ
قبائل کی قوت اور مذہب کی طاقت ضروری ہوتی ہے جو سپاہیوں میں عقیدت اور
جذبات کا جذبہ پیدا کرتی اور نتیجے کو قریب لاتی ہے۔ اس اعتبار سے سبز پوش شیخ کی شخصیت
دلچسپ اور اہم معلوم ہوئی جس تک رسائی حاصل کر کے وہ اپنے انتقام کا مقصد پورا کر سکتا تھا۔

بے شک وہ خرچ کرنے والی جرعتوں اور خونیں تحریکوں سے دلچسپی نہیں رکھتا تھا جو
اس جدل و قتال کا ذریعہ بنتی تھیں لیکن یہ تو اس وقت کی بات تھی جب اس پر کوئی
مصیبت نہیں ٹوٹی تھی اور وہ سلطنت عباسیہ سے وفاداری کا دم بھرتا تھا۔ حالات کی تبدیلی
تھی جو انتقام کی لہر بن کر خون میں دوڑنے لگی تھی۔ اس کی سوچ کا انداز بھی بدل گیا تھا
اس نے فیصلہ کر لیا کہ سلیمان بن عامر کے ذریعے وہ بھی سبز پوش آقا سے ملے گا اور اس سے
زندگی تک رسائی حاصل کرے گا جس کی قبائلی اور مذہبی طاقت کو وہ اپنے انتقام میں سرخرو
ہونے کے لیے اب وہ ہر قیمت پر خلیفہ معتضد ابو عباس سے الجھنا اور اسے بھی ایک ایسی
مصیبت میں مبتلا کر دینا چاہتا تھا جس سے خود گزر رہا تھا۔

وہ ان خیالوں میں اتنا کھو گیا کہ یہ بھی پتا نہ چل سکا، سلامہ کب شیخ کے کمرے سے پلٹ کر

سلیمان بن عامر دوبارہ کب وہاں آ گیا۔ وہ سرائے دار کی آواز تھی جس نے اسے چونکا دیا۔
"عشا کا وقت ہو چکا اور وہ اپنے شیخ کو رخصت کرنے آیا تھا جو منہ اندھیرے اپنے صحرائی خیموں
میں لوٹ جانا چاہتا تھا۔ یہ انکشاف بھی اسی وقت ہوا کہ وہ تنہا نہیں بلکہ چار بادیہ نشین شتر سوار
حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ ہیں جنھیں احاطے کے کسی کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ سبز پوش
آقا نے اپنے صحرائی محافظوں کے بارے میں پوچھا تو سلیمان نے جواب دیا۔ "وہ چاروں سفر کے
لیے تیار ہو چکے اور آقا کے منتظر ہیں۔"

شیخ جو خود بھی رخصت کے لیے تیار تھا، پُرخیال انداز میں کہنے لگا۔ "سلیمان! اس
قطر الندیٰ کو دیکھ لینے کے بعد اسے حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے لیکن ہو سکتا ہے خمارویہ اس کا عقد
اپنے ہی خاندان میں پسند کرے۔"

سلیمان نے بڑے یقین سے جواب دیا۔ "اس کے سیدہ رشتہ دار تو بہت ہیں سیدی لیکن
سلطان نے ابھی تک کسی پر توجہ نہیں دی۔"

"اسماء شادی کے قابل ہے پھر وہ تاخیر کیوں کر رہا ہے؟"

"آپ پیغام بھیجیں گے تو شاید غور کرے۔"

"ہم اس معاملے میں عجلت نہیں چاہتے۔ اگر اس نے پیغام مسترد کر دیا تو حالات کی صورت
بالکل بدل جائے گی اور ہمیں طولون سے کوئی جھگڑا مول لینا اچھا نہیں ہوگا۔" ایک ساعت
کی خاموشی کے بعد اس کی آواز پھر سنائی دی۔ "ہم اسماء کے بارے میں بھائی سے مشورہ کریں
گے اُن کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے مگر اس بات کا خیال رکھو کہ بنت خمارویہ کا عقد
کسی دوسرے سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

اچانک سلیمان نے ایک سوال کر دیا جس نے اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑا دی
"ابن حرب کے بارے میں کیا حکم ہے آقا؟"

"اگر وہ شہزادی نجم اہیل کے ذریعے خمارویہ کو میدان جنگ میں کھینچ لائے تو ایک
بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

اس جواب نے ابن حرب کو حیران و ششدر کر دیا کہ وہ شہزادی نجم اہیل اور اس کی بھی
دلچسپی کے بارے میں بھی جانتا ہے جس کا آغاز صرف ایک روز قبل ہوا تھا۔ یقیناً سلیمان
ہی نے اسے معاملے کی یہ نازک صورت بتائی ہوگی لیکن اس کے سبز پوش آقا نے کچھ دیر ہی کہا

www.urdukorner.com

جسے سن کر ابن حرب حیرت کے بھنور میں چکر کھانے لگا اور یہ کہا "سلیمان! جماعت بنی طوطن کی درپردہ حمایت اس لیے کرتی ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے حریف کے باغی ہیں۔ خمارویہ کو معتضد کے خون کا قصاص طلب کرنا چاہیے۔"

"سب سے بڑے حریف" کا واضح اشارہ بنی عباس کی طرف تھا۔ سلیمان نے اپنے آقا کو بتایا "طوطن شہزادی منذر ابن حرب کی طرف متوجہ ہو گئی ہے اور اس کی خاطر اپنے بھائی کو قصاص پر آمادہ کرے گی پھر بھی آخری فیصلہ سلطان خمارویہ کو کرنا ہے۔"

"اگر خمارویہ معتضد کے قصاص کا جھنڈا بلند نہیں کرتا اور ابن حرب کو اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملتا، تو تمہارے دوست کو چاہیے وہ ہمارے صحرائی خیموں میں آ جائے اور طوطن شہزادی کو ساتھ لے کر آئے۔"

ابن حرب نے جو کچھ سنا اس سے وہ بے حد مسرور تھا لیکن اس کے بعد سبز آقا نے جو کچھ کہا اس نے نئی حیرتوں کے دروازے کھول دیے۔ "اب خروج کے اظہار اور اعلان کا وقت قریب آ گیا ہے اور جماعت کو ابن حرب جیسے جنگ جو اور تجربہ کار فوجی سالار کی ضرورت ہو گی۔ ہم چاہتے ہیں خروج سے پہلے بنی طوطن کو سپاہ خلافت سے الجھا دیا جائے تاکہ حریف کمزور ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ خمارویہ کے سامنے قصاص کی جو چال رکھی جائے وہ اسے کھیلے اور تم ابن حرب کو آمادہ کرو کہ معتضد کے نام پر ابن حرب کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھے۔ دشمن کو کمزور کرنے کے بعد حضرت امام کا خروج یقیناً کامیاب ہو گا اور بنی عباس کی ساری طاقت خون کے سیلاب میں ڈوب جائے گی۔"

ان الفاظ کی بجلی نے ابن حرب پر "سبز آقا" کی فوقیت اور نئی جماعت کی سیاست کی طرح واضح کر دی۔ طوطن اور بنی عباس کی باہمی مخاصمت میں اپنی کامیابی کا راستہ تلاش کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ کی یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ امر ابھی کسی نام کا محتاج نہیں جبکہ طوطن ہے جو بنی عباس کے خلاف خروج کرنے والا ہے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ پچھلے ابن حرب نے اپنے دوست کی معرفت اس کے آقا سے ملنے اور خاص گفتگو کرنے کے بارے میں جو کچھ سوچا وہ سبز آقا کے ذہن سے گزر چکا اور اس نے ویسا ہی ایک فیصلہ کیا تھا جیسا ابن حرب چاہتا تھا مگر اسے اپنے صحرائی خیموں میں جانے اور لخم لیل کو ساتھ لانے کی جلدی تھی اور یہ شبہ غالباً اس لیے تھا کہ بغداد کے خلاف فوجی مہم میں طوطن شہزادی کی

شرکت ضروری سمجھتا تھا۔

یہ خبر بڑی فرحت بخش تھی کہ طوطن شہزادی مہم کے دوران میں اس کے ساتھ ہو گی۔

ایک صحرائی امام کی طرف سے جس کے بارے میں اس کی معلومات ابھی ادھوری تھیں خروج اور میدان و قتال کا ہم ابن حرب جیسے جنگ جو اور رسے جرأت کے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔ اسے خروج کے نتیجے سے کوئی مطلب نہ تھا۔ میدان حرب سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے انتقام کی تلوار بلند کر سکتا تھا یہی اس کا سب سے بڑا مقصد تھا اور حصول مقصد کے اسباب آپ سے آپ پیدا ہو رہے تھے۔

اس کے سامنے دو راستے تھے۔ لخم لیل کے ذریعے معتضد کا راستہ۔ پھر لخم لیل کے ساتھ صحرائی خیموں کا سفر اور وہ دونوں راستوں پر اس کی رفیق تھی۔

بے اختیاری میں اس کی نگاہ بستر سے اٹھی اور سامنے والے کمرے میں جا کر پھر سبز آقا کے ہاتھ تھام لے۔ نہ صرف ہاتھ تھام لے بلکہ اس پر عقیدت کا بوسہ دے۔ یہ جان وہ ایک نام کا محتاج تھا جس کی زبردست خوابی طاقت خلیفہ معتضد اور بنی عباس سے ٹکر لینے والی تھی مگر اسی وقت سلیمان نے اپنے سبز آقا کے ساتھ کمرے سے نکلا اور اس کے قدموں کی چاپ دروازے پر سنائی دینے لگی۔ پھر دروازہ کھلنے کا کھٹکا ہوا اور وہ دونوں رہداری سے نکل گئے۔

ذہن میں سبز پوش شیخ سے ملنے اور اس کے ہاتھ پر عقیدت کا بوسہ دینے کا جو خیال آیا تھا، وہ پورا نہ ہو سکا۔ پھر خود ہی سوچنے لگا کہ ابھی تو وہ اس کا نام تک نہیں جانتا۔ ان کو کسی وقت سلیمان غالباً خود ہی معاملے کی بات چھیڑے گا۔ تب اس سے شیخ اور اس کی جماعت کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ یہی سوچ کر آنکھیں بند کر لیں لیکن نیند اڑ چکی تھی اور گزرے واقعات ذہن کے زیر سائے میں گرد باد کی طرح اٹھتے چلے جا رہے تھے۔

کاروان سرائے میں گزرنے والی دوسری رات جیسے الف لیلہ کی ایک ایک رات میں سے کوئی رات تھی۔ جو بھی غلافی آنکھوں والی طوطن شہزادی کی ملاقات سے شروع ہوئی اور سبز آقا کے جبت اگیز انکشافات پر ختم ہو رہی تھی لیکن خوش رنگ اور تلخی مصری کیسر سے لبریز رات کے ان دونوں حاشیوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ وہی طوطن شہزادی کو اس کے کمرے میں لے کر آئی، وہی شیخ کی رفیق خلوت تھی۔

حسین سلام اسے گزری رات کی [illegible] گزشت معلوم ہوتے گی۔

www.urdukorner.com

سلیمان بن عامر کا بھی کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں ہے۔ ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ ابن حرب کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بات پر بھی حیران تھا کہ اگرچہ طوفی شہزادی کے دل میں ایک نہ مٹنے والے جذبے پیدا کر چکا ہے لیکن خود اس سے بھی یارا دبے چین ہو رہا ہے۔ بہرحال یہ کوئی اور چیز تھی۔ نجم الیل کی محبت کا شعلہ تھا جو اس کے دل میں بھڑک رہا تھا۔

لگاتار اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے خیمہ خالی ہو چکا ہے اور اس میں کوئی فرد موجود نہیں کیونکہ اندر کوئی آواز نہ تھی اور باہر حلقے میں رخصت کا ہنگامہ بپا تھا کیا وہ روانگی سے قبل شہزادی سے ملاقات نہ کر سکے گا؟

اسی لمحے سلیمان کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جلدی میں تھا۔ کہنے لگا۔ "ابن حرب! قافلہ کوچ کرنے والا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ جب میں اصحاب کو روح کہوں تمہیں وہاں موجود ہونا چاہیے۔" اس نے مزید وضاحت کی۔ "امیر شیبان بالائی منزل سے نیچے آنا چاہتا ہے اس سے تمہاری ملاقات ضروری ہے۔"

ابن حرب کے ذہن میں امیر شیبان کی بجائے کوئی اور تھا۔ تاہم وہ سلیمان کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلا اور برآمدے سے گزر کر زینے کی ڈیوڑھی میں آیا جہاں دو مختلف طرف سے زینے اوپر جاتے تھے۔ سلیمان اسے لے کر وہیں ٹھہر گیا۔ کمرے میں شاید کوئی نہ تھا۔ شاہی مہمان۔ محل بردار ساتھیوں کو حلقے میں تھا اسے شہزادیوں کا انتظار کرنا تھا۔ محافظ دستے کا افسر صورت اپنے سوروں اور خادموں کے ہمراہ قبیلے کی روانگی کی تیاری پر کر چکا تھا۔ وہ جہاں سامان سے لدے پھندے اونٹ ایک قطار میں سفر کے لیے تیار تھے۔ کوچ کے علم جو خاص خادم اور برتن صاف کرنے والے لڑکے، نیز مخصوص دری بردار باقوت کے ساتھ ایک جانب صف بستہ تھے اور کیا ہی دوسری جانب بڑی طوفی شہزادیوں کی منتظر تھیں تاکہ انہیں محمل میں سوار کر سکیں۔ ان میں سادگی تھی لیکن اس کی ہیئت پر اصحاب کے آثار تھے۔ وہ معمول کے مطابق بڑی شگفتہ اور بشاش بشاش دکھائی دے رہی تھی۔

ابن حرب نے بے صبری سے منتظر ڈیوڑھی کے کھلے دروازے سے دیکھا جہاں وہ سراسر فخر کے ساتھ شاہی مہمانوں کے استقبال کے لیے کوچ کر رہا تھا۔ ایک ساعت کے دینے سے

www.urdukorner.com

اس رات کی صبح کا دن مرغے سے شاہی مہمانوں کے کوچ کی صبح تھی۔ سورج کی روشنی بعد بھی وہ رات کے حسین اور سنسنی خیز خیالوں میں گم تھا کہ اچانک فضا کی آواز خدائے دن کی عظمت و جبروت کا اعلان کرنے اور زمین کے باشندوں کو صبح کا پیغام دینے لگی۔

مرغے میں زندگی یک لخت کروٹ لے کر بیدار ہوئی۔ شاہی قافلے کے محافظ سوار غلام، ساربان حتیٰ کہ شاہی مہمان فجر کی نماز اور سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ابن حرب نے بھی بستر چھوڑ دیا۔

قافلے کی روانگی سے قبل وہ امیر شیبان سے ملا اور نجم الیل کی ایک جھلک دیکھ لینا چاہتا تھا جو تقدیر کی طرح اس کی زندگی کے دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ طوفی شہزادی سے ملاقات اگرچہ ایک ضرورت تھی تاکہ وہ سلطان خمارویہ کو صلح جنگ میں لے آئے لیکن سلیمان بن عامر کے بقول خود وہ شہزادی کسی ایسے جنگی مرد کی طلب گار تھی جو اپنی قوت بازو سے اسے ایک ریاست کا حکمران بنا دے۔ اس طرح دونوں کی ضرورتیں مل کر ایک حسین رشتے کا سبب بن رہی تھیں۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ طوفی شہزادی سے ملاقات محض اتفاقیہ نہ تھی بلکہ اس کے مرغے کی رات کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جو اس پر ٹوٹنے والی ناگہانی افتاد اور خلیفہ معتمد کے ساتھ طوفی پرنی طلوعوں کو دوبارہ بغداد کے خلاف جنگ قضاص پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں اس کا فائدہ یا اس کی جماعت کا مفاد مضمر تھا۔ پھر بھی یہ منصوبہ ابن حرب کے لیے کتنا حسین و دلآویز تھا کہ اس میں غلامی کے لمحوں میں ایک خوب صورت شہزادی نے پہلی ہی ملاقات میں اس کے دل کی دھڑکنیں بیدار کر دی تھیں۔

پھر امیر شیبان کی گفتگو سن کر شہزادی سے اس کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی اور اب چاہتا تھا کہ قافلے کی روانگی کے وقت اس کی نظروں کے سامنے رہے تاکہ جب وہ سلطان خمارویہ سے اس کی بھرپور سفارش کر سکے۔

باہر صبح کا اجالا پھیل چکا اور قافلہ کوچ کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اصطبل کی طرف سے اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن پر سامان لادا جا رہا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق شاہی مہمان ناشتے سے فارغ ہو چکے اور روانگی کے لیے تیار تھے لیکن

امیر شیبان نیچے آتا دکھائی دیا۔ اس کے اچھے چہرے پر سفید نقاب کھنچے ہوئے تھا۔ یہ اسماء فقط اندازی تھی جسے رات سبز شیخ نے اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا تھا۔ اس کے عقب میں شہزادی عباسیہ اور خاندان طولون کی کچھ باکرہ اور کچھ کنواری تھیں۔ امیر شیبان زینہ اتر کر ڈیوڑھی میں سلیمان بن عامر کے قریب رکا اور اس کے دوست سے مخاطب ہوا۔ "ابن حرب! میں سلطان معظم سے تمہاری مصیبت کا حال بیان کروں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں مصری راستے میں کوئی عہدہ مل جائے۔"

ابن حرب نے گردن جھکا دی۔ "میں سلطان معظم کے اعتماد پر پورا اتروں گا شہزادہ!"

شہزادہ شیبان نے اس کی دل جوئی کے لیے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اس اثنا میں قطر ندی اور عباسیہ قریب آ گئی تھیں۔ وہ سرائے والوں کا شکریہ ادا کر کے ان کے ساتھ ڈیوڑھی سے نکل گیا اور وہ دونوں بھی یک طرف ہٹ گئے تاکہ طولونی شہزادیاں بائیں طرف سے گزریں۔ ان کے پیچھے پیچھے نجم اللیل (ستارۂ شب) چہرے پر سرخ نقاب ڈالے اپنی سوڈانی کنیز کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔ غالباً وہ جان بوجھ کر سب سے آخر میں نیچے اتری اور جونہی ڈیوڑھی میں پہنچی، ابن حرب کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔ لمبی غلافی آنکھیں بدستور نقاب سے باہر جھانک رہی تھیں لیکن انگوٹھے سے موٹے سرخ نقاب کے اندر کھلے تو سلیمان بن عامر سے کہنے لگی۔ "ہم انقطائیہ میں تمہارا انتظار کریں گے۔ اپنے دوست کو ساتھ لے کر آنا۔"

"میری آمد آپ کے پیغام پر منحصر ہوگی بنت عم!" سلیمان نے اسے مقصد یاد دلایا۔ "آپ سے جو فرمائش کی گئی ہے وہ پوری ہوگی۔ تو دعوت ملتے ہی اپنے دوست کو ساتھ لے کر فسطاط پہنچنے میں دیر نہیں کروں گا۔"

حمدان طولون، سلیمان کو عزیز رکھتا تھا۔ اسی لیے وہ شہزادی کو اپنی قربت اور محبت کا احساس دلانے کی خاطر "بنت عم" کہہ کر گفتگو میں چاشنی کا رنگ بھر دیتا۔ نجم اللیل نے بھی اسی قرابت کے باعث اپنے خاوند اور اس کی تنہیہ کے راز میں شریک کر لیا تھا کہ وہ ابن حرب کا قابل اعتماد دوست ہے جس پر اس کے والد احمد بن طولون کو بھی بھروسا تھا۔ شہزادی نے

انقطائیہ فسطاط کی نئی آبادی کا نام تھا جو احمد بن طولون نے شاہی خاندان اور فوج کے لیے تعمیر کرائی۔ (مترجم)

اس کا مطلب سمجھ لیا اور کہا۔ "ہم تمہاری فرمائش پوری کریں گے سلیمان! اور بہت جلد تمہیں پیغام بھیج دیں گے۔"

مطلب یہ تھا کہ بھائی کو معتمد کے قصاص پر آمادہ کرے گی۔ پھر اس نے ابن حرب پر مسکراتی نظر ڈالی اور بڑی مدھم آواز میں جسے صرف وہ اور سلیمان سن سکتے تھے، سرگوشی کی۔ "ہم تم سے محبت کرتے ہیں ابن حرب!"

اور یہی آنکھوں سے اس کے حواس پر ایمان گرائی۔ اپنی کنیز کے ساتھ فوراً ہی سے نکل گئی۔ سلیمان اور ابن حرب احاطے میں آ گئے جہاں سلیمان کی کنیزیں معزز خواتین کو محلوں میں سوار کرا رہی تھیں۔ نجم اللیل کو دیکھتے ہی سلامہ آگے بڑھی اور شہزادی کو اس کے محل کی طرف لے گئی۔ اس کی ہمراہی کے باوجود سلامہ ہی نے اسے محل میں سوار کرایا۔ نجم اللیل اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اس کی دلآویز مسکراہٹ میں ابن حرب سے ملاقات کی لطافت گھل مل رہی تھی۔ سلامہ نے مسکرا کر اس کا جواب دیا۔ پھر "خدا حافظ" کہتی پیچھے ہٹی تو سوڈانی کنیز اپنی مالکہ کے ساتھ محل میں بیٹھ گئی۔

شاہی سائیس "ہش ہش" اور "ہٹو ہٹو" کی آوازوں میں سانڈنیوں کو اٹھانے لگے۔ تربیت یافتہ سانڈنیاں ہلکے سے جھٹکے لے کر محمل سمیت کھڑی ہو گئیں اور سائیس ان کی نکیلیں تھامے آگے پیچھے فصیل کی ڈیوڑھی سے نکلنے لگے۔ ابن حرب سلیمان کے ساتھ ساتھ شاہی قافلے کو "خدا حافظ" کہنے کے لیے فصیل کے احاطے سے باہر آ گیا۔ قافلے کا امیر شیبان اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ جونہی محمل بردار سانڈنیاں فصیل کی ہموار بلند ڈیوڑھی سے باہر نکلیں وہ چند سواروں کے ہمراہ قافلے کے آگے آگے انقطائیہ کو جانے والی شاہراہ پر روانہ ہو گیا جو میدان تپہ اور مجرائے سینائی کی شمالی پٹی سے گزرتی تھی۔

ابن حرب ڈیوڑھی سے باہر کھڑا محمل بردار سانڈنیوں کو سواروں کے پیچھے بڑھتے دیکھنے لگا۔ کہاں ایک محمل کا پردہ ہٹا اور اس کے چوکھٹے میں سرخ نقاب کی جھلک نظر آئی۔ ابن حرب کی بے تاب نگاہیں محمل کے چوکھٹے پر مرکوز ہو گئیں۔ پھر سرخ نقاب کی شفق چہرے سے اٹھ گئی جس نے چاند کو چھپا رکھا تھا لیکن یہ نظارہ جہاں پل دو پل کا تھا کیوں کر فوراً ہی شفق نے پھر چاند کو چھپا دیا۔ اب تنہا ہی محمل کا پردہ گرا اور سرخ نقاب پردے کے اندر چھپ گیا۔

[illegible] یہ نظارہ دیکھ جو اس کے لیے

www.urdukorner.com

کائنات کے تمام نظاروں سے زیادہ خوب صورت اور دل کش تھا۔ اگرچہ صبح کے وقت کائنات کا چہرہ غیر معمولی دلفریب تھا۔ دارِ عشرق میں سورج، عرش کے ایک نخلستان کی اوٹ سے طلوع ہو رہا تھا۔ مشرقی آسمان پر شفق کی لالی بکھری تھی اور تا حدِ طلوعِ آفتاب کے اس حسین منظر میں مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا لیکن ابنِ حرب نے ایک گل کے چھ کھلے میں جو شفق دیکھی وہ اس کے دل پر بکھر گئی تھی۔

گھنٹیوں کی مدھم آہنگ آوازوں کے درمیان قافلہ آہستہ آہستہ دور ہونے لگا مگر وہ گھنٹیاں جیسے ایک ترنم کے ساتھ اس سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ "ہم تم سے محبت کرتے ہیں ابنِ حرب! ہم تم سے محبت کرتے ہیں!"

ناگہاں سلیمان کا ہاتھ اس کے کندھے پر پڑا تو چونک کر شفق کے نظارے سے لوٹ آیا سلیمان کہہ رہا تھا۔ "ابنِ حرب! میں نے ایک پیغام القطائع کی طرف روانہ کر دیا ہے لیکن ابھی بغداد کی طرف پیغام بھیجنا باقی ہے۔ میرے ساتھ آؤ تاکہ وہ پیغام بھی آج ہی بھیج دیا جائے۔"

وہ جانتا تھا کہ سلیمان نے بڑی حکمت اور ہوشیاری سے امیر شیبان کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ خلیفہ معتضد کے فرستادہ کزمان ترک اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت کے بارے میں دربارِ بغداد کو آگاہ کر دیا جائے جو ابنِ حرب کا تعاقب کرتے ہوئے طولونی سلطنت کی حدود میں گھس آئے تھے۔ انھوں نے نہ صرف بنی طولون کے حقوق و اختیارات میں مداخلت کی بلکہ عربوں کے اس قدیم دستور کی بھی پرواہ نہ کی تھی کہ جب مفرور کسی عرب کی پناہ میں آ جاتا ہے تو اسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ بہ صورتِ دیگر گرفتار کرنے والے کو پناہ دینے والے کی تلوار اور طاقت سے الجھنا پڑتا ہے۔

کزمان ترک اور اس کے عراقی سواروں کے انجام کی اطلاع بھیج کر سلیمان بن عامر عباسی حکمران کو جہاں یہ بتانا چاہتا تھا کہ طولونیوں کی تلواریں اپنی سلطنت میں خلیفہ کی مداخلت گوارا نہیں کریں گی وہاں اس طلاع کے ساتھ اس کا اصل مقصد دربارِ خلافت کو مشتعل کرنا بھی تھا جس کی ایک بھیانک تجویز اس نے پہلے ہی سوچ رکھی تھی۔

یہ بات ابنِ حرب کے مطلب کی تھی کہ معتضد ابوالعباس کو کزمان ترک سمیت عراقی سواروں کی ہلاکت سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے بیاروں کے انجام پر "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" پڑھ سکے اور پھر دیکھے کہ ابنِ حرب پر وار کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن اس وقت ذہن دو حصوں

میں تقسیم ہو رہا تھا۔ ایک حصے میں شفق کی سرخیاں بکھری تھیں جن کے درمیان دو بھیگی بھیگی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ دوسرے حصے میں سلیمان بن عامر کا پراسرار سبز پوش آقا اپنے نصف چہرے کو سبز دھاری دار رومال سے ڈھانپے کھڑا تھا اور ابنِ حرب جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے؟

جب وہ سلیمان کے پیچھے پیچھے فصیل کی بلند و بالا ڈیوڑھی سے گزر کر محرابے کے راستے میں داخل ہوا تو نصف ذہن میں کھڑا سبز آقا اس کے پورے وجود پر اپنا سایہ ڈال رہا تھا۔

www.urdukorner.com

ATHAR & LIAQAT
S-527, SHABRA BAZAR, SAHIWAL
Cell: 0345-5048534 - 0345-5048569
Prop: Ali Khan

(۱۴)

قرامطہ

○

کارواں سرائے یک بار پھر خالی ہو گئی تھی۔ مسافر جا چکے تھے اور سلیمان کے غلام اپنی مختلف خدمات انجام دینے والے ملازم، خادم اور نوکر کے رہ گئے تھے۔ کارواں سرائے کی رونقیں کاروانوں کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتی تھیں مگر پیش کی کاروں سرائے کے مکینوں کی اپنی ایک دنیا تھی جہاں وہ مصروف زندگی گزارتے تھے۔

سلیمان اپنے دوست کو ساتھ لیے سرائے کے اس کمرے میں آیا جو صرف اسی کے لیے مخصوص تھا۔ ابن حرب کا خیال تھا کہ شاہی قافلے کی روانگی کے بعد وہ ان معاملات پر گفتگو کرے گا جو اس کے نزدیک بڑے اہم اور رات تک سرائے میں پہنچے ہوئے تھے لیکن اس نے خفیہ مقصد کی طرف بھیجے جانے والے پیغام کا ذکر کیا تھا جب کہ ابن حرب کا ذہن "رات کے مہمان" میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے بیٹھتے ہی پوچھا۔ "رات کوئی اور مہمان بھی آیا تھا؟"

سلیمان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور لاپروائی سے جواب دیا۔ "سرائے میں مہمان تو آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"مگر وہ کوئی عام مہمان نہیں تھا۔" ابن حرب نے بات آگے بڑھائی اور رات کی بہت سی باتوں پر اخفا کا پردہ ڈالتا ہوا کہنے لگا۔ "وہ مہمان میرے ساتھ والے کمرے میں مقیم تھا۔ سحری کے وقت آنکھ کھلی تو اس کمرے میں روشنی دکھائی دی اور میں نے بیداری میں تمہاری

آواز بھی سنی۔ شاید تم مہمان کو رخصت کرنے جا رہے تھے۔"

اس نے سحری سے قبل کے تمام معاملات حذف کر دیے اور صرف مہمان کی روانگی کا ذکر مناسب سمجھا کیوں کہ اجنبی حقیقتوں کا تذکرہ ضروری نہیں ہوتا۔ سلیمان بن عامر نے اس کی بات توجہ سے سنی اور کہا۔ "ہاں۔ وہ مہمان رات ہی آئے اور علی الصباح چلے گئے۔"

"کون تھے؟"

سلیمان نے کسی تردد کے بغیر جواب دیا۔ "آقا حسین۔"

"کون آقا حسین؟"

"ابو عباس حسین۔" سلیمان نے بھید کی گرہ کھول دی۔ "میرے مرشد کے بیٹے اور امام یحییٰ ابو القاسم کے بھائی۔"

ابن حرب پر ایک حیرت گزر گئی۔ "ذکرویہ قرمطی کے بیٹے؟"

"بے شک۔ وہ امام اسماعیل کی اولاد سے ہیں۔ یحییٰ ابو القاسم نے کوفہ کے قریب سحرائے سماوہ میں ظہور کیا ہے اور آقا حسین ان کے بیٹے اردن، شام اور فلسطین کے قبائل کو دعوت دے رہے ہیں۔"

سلیمان نے اس کی معلومات اور حیرتوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ "ابن حرب! میں یہ سب کچھ تمہیں بتانے والا تھا مگر تم نے خود پوچھا ہے تو پھر یہ بھی سن لو کہ عراقی قبائل کی زیادہ تعداد امام یحییٰ کے پیچھے ہے۔ وہ عنقریب خروج کر کے عباسیوں سے حق خلافت چھین لیں گے جنھوں نے علویوں، طالبیوں اور ہاشمیوں کو دھوکا دیا اور ان کا حق غصب کر لیا تھا۔"

ابن حرب نے یہ سب باتیں سنسنی خیز، تعجب سے سنیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ابو القاسم یحییٰ قرمطی کے سرپرست بھائی آقا حسین سے آ ٹکرایا ہے اور عراق کی کاروں سرائے کا مالک سلیمان بن عامر اس خفیہ جماعت کا ایک اہم رکن ہوگا جس کے بارے میں بغداد کا خفیہ محکمہ ضروری معلومات حاصل کرنے میں کوشاں ہے مگر کوشش کے باوجود خفیہ کا سربراہ بدر الجمالی تک کچھ معلوم نہیں کر سکا۔

موفق طلحہ بن متوکل کے عہد حکومت ۲۷۰ ہجری میں جب معتضد فضل اللہ اپنے بھائی کی قید میں تھا، سواد کوفہ میں ایک شخص ظاہر ہوا جو زہد و عبادت کا بڑا پابند اور اپنے آپ کو مہدی زماں کا نائب کہتا تھا۔ اس کا اصل نام فرج بن یحییٰ بن عثمان قاشانی تھا لیکن

www.urdukorner.com

ہمدان اور ذکرویہ[1] کے نام سے بھی یاد کیا جاتا اور بیل پر سوار ہونے کی وجہ سے قرمط کہلاتا تھا۔ قرمط کا لفظ قرمیط کا محرف ہے جس کے معنی ہیں۔ بیل پر سوار ہونے والا۔ وہ امام موعود کے نام پر ہر شخص سے ایک دینار لیتا تھا۔ اس نے اپنی جماعت کے بہت سے نقیب اور داعی مقرر کر دیے تھے، جنہیں "حواری" کہا جاتا تھا۔ ہزاروں عقیدہ پرست قبائل اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔

قرمطیت یحییٰ بن عثمان خاشانی المعروف ذکرویہ قرمط اپنا نسب امام اسماعیل کی طرف منسوب کرتا تھا[2] فرزند علی محمد بن الحنفیہ اور ان کے بیٹے احمد بن محمد بن الحنفیہ کی امامت کا قائل بلکہ آخر الامر کو رسول اللہ قرار دیتا تھا حالاں کہ احمد بن محمد الحنفیہ نے خود ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ عقیدہ پرستوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ اس نے ایک شخص کے ظہور کی بشارت دی تھی جو امام مہدی کا قاصد یا ایلچی ہوگا۔ ذکرویہ قرمط نے خود کو وہی آدمی قرار دیا اور مہدی کے ایلچی ہونے کا دعویٰ کیا۔

اس نے اپنے عقیدے کی جو کتاب لکھی اس میں دین کو صحرا نشینوں کے لیے بڑا آسان بلکہ کشش بنا دیا۔ دن میں دو نمازیں مقرر کیں ایک صبح اور ایک شام۔ سال میں روزے بھی دو رکھے۔ جنابت میں غسل واجب نہیں تھا کیوں کہ صحرا میں پانی کی قلت تھی۔ اس کے نزدیک نبیذ حرام لیکن شراب حلال تھی جو بہادروں کا خون گرماتی ہے۔ متعہ جائز تھا۔ لونڈی مباح تھی اور اس کے ساتھ نکاح ضروری نہ تھا بلکہ وہ ضرورت تھی اس کا عقیدہ تھا کہ خدا رسولوں اور امامؑوں میں ظہور لیتا اور رسولوں، اماموں کی روحیں ان کے نائبوں اور خاص لوگوں میں حلول کر جاتی ہیں جس سے ان کی روحانی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

صحرائی قبائل میں یہ عقائد بہت جلد مقبول ہو گئے۔ کوفہ کے والی ہیثم کو خروج کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے دھاوا کر کے ذکرویہ قرمط کو گرفتار کر لیا اور اس کی جماعت منتشر کر دی۔

---

[1] تحریک قرامطہ کا اصل بانی یہی تھا۔ تاریخ الکامل از ابن اثیر جلد ۷، تاریخ ابو الفدا جلد ثانی مطبوعہ استنبول۔ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد دہم۔ تاریخ الطیب نیز اقرب الموارد جلد ثانی۔ صاحب اقرب الموارد نے قرمط کی وضاحت کے ساتھ قرامطہ کو ایک علیحدہ فرقہ قرار دیا ہے جسے سبعیہ بھی کہتے تھے۔

[2] قرامطہ کے عقائد از طبری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون نیز "تذکرۃ الخلفاء" مولانا جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی

قرمط کو کوفہ کے زندان میں ڈال دیا گیا لیکن وہ پہرے داروں کی غفلت سے یا انہیں اپنے زہد و تقویٰ کا جھانسا دے کر قید خانے سے فرار ہو گیا۔ کوفے کے سرکاری دفتر یا بغداد کے محکمہ خفیہ کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ ذکرویہ قرمط زندان سے بھاگ کر کدھر چلا گیا اور زندہ بھی ہے یا نہیں؟ البتہ بعض قبائل میں ایک خفیہ جماعت کا ذکر ہو رہا تھا جو بنو عباس کا تختہ الٹ دینا چاہتی تھی۔ کسی کو اس جماعت کے مرکز اور امام کا علم نہ تھا کیوں کہ تحریک نہایت خفیہ تھی۔ ذکرویہ قرمط کے بارے میں کچھ لیا گیا تھا کہ وہ کہیں مر کھپ گیا ہے۔ محکمہ خفیہ کے مطابق یہ تحریک کسی نئے باطنی فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔

ابن حرب صرف اتنا جانتا تھا کہ یحییٰ قرمطی، ذکرویہ قرمط کا بیٹا ہے جو اس کی روپوشی یا وفات کے بعد خود بھی کسی نامعلوم جگہ آسودہ زندگی گزار رہا ہوگا لیکن اس بات کا علم تو سلیمان بن عامر سے ہوا کہ ابو قاسم یحییٰ ہی اس خفیہ جماعت کا سربراہ اور امام ہے جو مہدی کے ظہور کا مژدہ سناتی اور دربار بغداد کے لیے پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے۔ اس کا سبز پوش بھائی آذربائیجان، اردن، فلسطین اور شام کے بادیہ نشین قبائل میں اس کی دعوت پھیلا رہا ہے۔

سلیمان بن عامر نے تحریک کا ذکر کچھ اس طرح کیا کہ ابن حرب پر بہت سے نئے گوشے آشکار ہوئے۔ رات ہی سلیمان اور سبز پوش کی باتوں سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ کوئی زبردست صحرائی طاقت اس کی پشت پر موجود ہے اور یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ جماعت کی جو تفصیلات اسے معلوم ہوئیں وہ حیرت انگیز اور بڑی سنسنی خیز تھیں۔ سلیمان کے بقول بادیہ نشین قبائل میں مہدی زماں کے لیے جوش و خروش پایا جاتا تھا اور حالات نے ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ خروج کا اعلان و اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

ابن حرب کو بھی اس تحریک میں ایک عجیب سی دل کشی اور ترغیب نظر آئی جو اس کے لیے انتقام کا میدان فراہم کر سکتی تھی۔ اس دل کشی کا ایک نفسیاتی پہلو یہ تھا کہ معتمد کے ساتھ مرگ اور اس کے اپنے والد حرب بن کنداجی کے حادثۂ قتل نے جو صورت اختیار کر لی اس کے پیش نظر خلیفہ معتضد ابو عباس کو اس پر خفیہ جماعت کے رکن ہونے کا شبہ گزرا اور نہ جانے یہ شبہ کیوں گزرا تھا کہ اس کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا گیا۔ ابن حرب کے خیال میں ایک وجہ تو یہ ہو سکتی تھی کہ اس کا باپ شوذب کے باطنی فرقے سے میل جول رکھتا تھا اور دوسرا سبب وہ ہلال نما دو دھاری خنجر تھا جو عجیب حالت میں اسے ملا اور جسے ابو عباس

www.urdukorner.com

نے ولی عہدی کے ایام میں اُس کے پاس دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا تھا۔ وہ خنجر خفیہ جماعت کے فدائیوں کا نشان تھا۔ محکمے کو غالباً اسی بنا پر ابن حرب کی گرفتاری کا اختیار دیا گیا لیکن وہ اپنی صفائی پیش کرنے کی بجائے گرفتاری کا حلقہ توڑ کر نکل آیا کیوں معزول خلیفہ کی ہلاکت کے سلسلے میں فلسطینی کنیز، دمنہ اور اس کے باپ حرب الکندی کا نام لیا جا رہا تھا۔ اُن صاف پر انگلیاں اُٹھ رہی تھیں اور مکرجیک نے خلافت مآب کو ابن حرب کے خلاف ایک عرضی دی تھی کہ شاہد معتمد کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو۔

وہ یہی سمجھا کہ اُس کے لیے ایک پھندا تیار کیا جا رہا ہے۔ جعفر بخوی کی پیشین گوئی نے اس خیال پر مہر تصدیق لگائی اور بغداد سے نکل بھاگا لیکن یہ معاملہ کتنا عجیب و غریب اور پُراسرار تھا کہ تقدیر ابن حرب جیسے بے رحم اور انتقام پسند کو اسی خفیہ حلقے میں کھینچ لائی تھی جس کی رکنیت کا اُس پر شبہ کیا گیا تھا۔ یہ بھید بھی کسی طلسم کی طرح کھلا کہ سلیمان بن عامر اس جماعت کا حواری اور درپردہ "نقیب" ہے۔ نئی طرلون سے اُس کی دوستی اور قرابت کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔ بلکہ اعتماد کی اس پٹاری میں بھی اُس کے پُراسرار ارادے کا مفاد چھپ کر بیٹھا ہے جو سلطان خمارویہ کو ایک خاص مقصد کے تحت اپنے اصل حریف کے خلاف میدانِ جنگ میں گھسیٹ لانے میں کوشاں ہے۔

یہ سب کچھ بے حد حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ یہ حقیقت بھی کسی شعبدے سے کم نہ تھی کہ وہ ایک ایسی تحریک تک پہنچ گیا تھا جس کی بدلے ہوئے حالات میں خود بھی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ مقتضد ابوعباس سے اپنی وفاداری کا رشتہ توڑ لینے کے بعد یہی ایک راستہ باقی رہ گیا تھا کہ اُس کے حریفوں سے تعاون کیا جائے۔

سلیمان بن عامر اپنے جماعتی اسرار کی گرہ کھولنے کے بعد اُس کی خاموشی کا مطلب سمجھنے اور چہرے پر گزرنے والی مختلف کیفیتوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس نے اپنے آپ کو بے وجہ آشکار نہیں کیا تھا۔ چمک پوچھنے لگا۔ "کیا تمھیں اس بات پر حیرت ہوئی ہے کہ میں امام یحییٰ اور آقا حسین کا مرید ہوں؟"

"میرے لیے یہ بات کسی اچنبھے سے کم نہیں۔"

"بعض اوقات حقیقت اچنبھے سے زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے دوست!" پھر پُرخیال انداز میں کہنے لگا۔ "ایک سال قبل جو دعی رضا خیاط مقتضب بغداد میں ملا اور رہا ہوا تھا

خنجر تمہارے ہاں بھول گیا تھا، وہ دراصل ہماری ہی جماعت کا آدمی تھا۔ اگر تم نے اُس کی دعوت قبول کر لی ہوتی تو آج حالات کی صورت کچھ اور ہوتی۔"

"کیا وہ داعی تم نے بھیجا تھا؟"

"نہیں۔" سلیمان نے وضاحت کی۔ "میں نے کسی داعی کو تمہاری طرف نہیں بھیجا البتہ آقا حسین نے تمہارا ذکر ضرور کیا تھا۔"

ابن حرب کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔ "مجھے افسوس ہے، اُس وقت میں دعوت پر توجہ نہ دے سکا۔ مجھے وہ خنجر ابوعباس ہی پر استعمال کرنا چاہیے تھا۔"

سلیمان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "قدرت تمھیں تلافی کا موقع دے رہی ہے۔"

وہ شکایت کے لہجے میں بولا۔ "تم نے آقا حسین سے میری ملاقات کیوں نہیں کرائی؟"

"میں اُنھیں تمہارے حالات سے آگاہ کر چکا ہوں۔" پھر سلیمان بتانے لگا۔ "ابن حرب! شہزادی نجم النسا سے تمہارے تعارف کا خیال میرے ذہن میں اچانک آیا تھا کہ اگر وہ تم میں دلچسپی لے۔ تو تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ رات آقا حسین سے ذکر ہوا تو انھوں نے اس دلچسپی کو پسند کیا اور کہا اگر تم شہزادی نجم النسا کے ذریعے خمارویہ کو میدانِ جنگ میں کھینچ لائے تو ایک بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ وہ چاہتے ہیں خمارویہ معزول خلیفہ معتمد کے خون کا قصاص طلب کرے اور مصری سپاہ کو عراقی لشکروں سے الجھا دیا جائے تاکہ بنو عباس کی طاقت کمزور ہو اور جب امام یحییٰ ابوقاسم حقِ خلافت کے لیے خروج کریں تو عراقی لشکر اُن کے مقابلے میں پسپا ہو سکیں۔"

وہ سلیمان کو حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس نے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی اور سبز آقا حسین سے جو گفتگو ہوئی، جُوں کی تُوں بیان کر دی۔ اسے حیران سا دیکھ کر سلیمان پھر کہنے لگا۔ "ابن حرب! آقا حسین چاہتے ہیں کہ تم بغداد کے خلاف کوئی بڑا معرکہ سر کرو۔ اگر خمارویہ خلیفہ معتضد کے خلاف کسی کمزوری کا اظہار کرے تو خوبرو شہزادی کو لے کر اُن کے عراقی خیموں میں آ جاؤ۔ وہ تمھیں بادیہ نشین عربوں کی ایک جمعیت فراہم کر دیں گے تاکہ تم معتضد سے اپنا انتقام بھی لے سکو اور اُسے پریشان بھی کرتے رہو۔"

اُس پر حیرت کا ایک سکتہ گزر گیا۔ سلیمان نے اس مرتبہ بھی کسی حرف کی ضرورت نہ سمجھی اور وہی بات اسی طرح بیان کر دی، جس طرح وہ رات اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔ اُس کا

www.urdukorner.com

خیال تھا، سلیمان کچھ باتیں چھپانے کی کوشش کرے گا کیوں کہ مقصد کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار دوسروں سے مناسب نہیں ہوتا لیکن اُس نے جماعت کا مقصد، مطلب، منشور سب کچھ بیان کر دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اُس پر اعتماد کیا تھا اور جب کسی پر اس حد تک اعتماد کیا جاتا ہے تو وہ بھی اعتماد اور بھروسے پر پورا اترنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب ابن حرب نے اپنی دل چسپی کا اظہار ضروری سمجھا۔ "سلیمان! تم نے جس دعوت کا ذکر کیا ہے، وہ میری ضرورت ہے مگر اُس کا مقصد میری زندگی سے ارفع ہے۔ اگر تم نے رات ہی آقا حسین سے میری ملاقات کرائی ہوتی تو میں اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیتا۔"

"مگر وہ چاہتے ہیں، تم شرح صدر کے ساتھ معاملے پر غور کر لو۔"

"میں نے غور کر لیا ہے سلیمان! دنیا میں کسی نہ کسی سے اطاعت کا عہد ضروری ہے پھل اُسی شاخ کو لگتا ہے جو اپنے درخت سے پیوست ہو جو شاخ درخت سے ٹوٹ جائے وہ چولھے میں جلتی ہے۔" پھر اُس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "یہ کتنی عجیب لیکن مبارک بات ہے کہ تقدیر نے منتظم ابو عباس سے میری وفاداری کا حلقہ توڑ دیا اور مجھے حسین ابو عباس کی وفاداری کے حلقے میں لے آئی۔"

سلیمان کے چہرے پر خوشی ناچ اٹھی۔ سمجھا کہ آٹھ سال قبل اُس پر جو احسان کیا تھا اس کا صلہ آج مل گیا ہے۔ ابن حرب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تمھارا شمار جماعت کے خاص حلقے اخوان میں ہوگا کیوں کہ تم عام آدمی نہیں۔"

پھر اُس نے خود ہی بتایا کہ جماعت میں کئی حلقے ہیں۔ متفقین، مخلصین، مومنین، فدائین، حواریین اور اخوان۔ آخر الذکر دونوں حلقے خاص افراد کے ہیں۔ متفقین یعنی حالات سے اتفاق کرنے والے لوگ سب سے کم تر درجے کے ہوتے ہیں اور اُن کی حیثیت صحرائی بدوؤں سے مختلف نہیں جو مالِ غنیمت لوٹنے کی خاطر کسی بڑے لشکر کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ مخلص اور مومن صدق دل سے ایمان لانے والے اور فدائی مقصد کے لیے جان پر کھیل جانے والے راسخ العقیدہ لوگ ہیں۔ خنجر فدائین کے حلقے کی علامت ہیں۔ جماعت کی دعوت دینے اور اطاعت کا حلف وسیع کرنے والے قابل اعتماد افراد کو حواری یا نقیب کہا جاتا ہے۔ اخوان اُن سے اوپر کا درجہ ہے۔ جو خاص دوستوں، عزیزوں اور اعلیٰ حیثیت کے شیوخ پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی اعلیٰ اور آخری درجہ اخوان الصفا ہے۔ یہ پاک باطن اور پاکیزہ لوگ ہیں جو

جانی ہوتے ہیں۔

ابن حرب جماعت کے مختلف حلقوں اور درجوں کا حال سن کر مزید حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ قرمطی تحریک کے ہاتھ بڑے مضبوط اور لمبے ہیں۔ وہ خود ایک جنگ جو، تجربہ کار فوجی افسر تھا اور آقا حسین کے الفاظ میں انھیں دھاوا کرنے والے کچھ تازہ سردار کی ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے سلیمان نے اُس کے لیے جماعت کے خاص حلقے اخوان کا ذکر کیا تھا جس میں خاص لوگ شامل کیے جاتے تھے۔ اُس نے اپنے اخلاص کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ "سلیمان! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھے اخوان کے حلقے میں شامل کرنا چاہتے ہو مگر میں کسی خاص حلقے اور درجے کی خواہش نہیں رکھتا۔ مجھے تو صرف جماعت کی خدمت کرنا ہے۔"

سلیمان نے دنیاوی راحتوں کی تشریح بھی کر دی۔ "جس طرح اہل ایمان کے لیے جنت میں حوروں کی بشارت ہے، اُسی طرح دنیا میں حسین عورتیں اور خوب صورت کنیزیں خاص لوگوں کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں جن سے انکار کفرانِ نعمت ہے۔ تمھیں اس بات میں کسی قسم کا تعجب اور تردد نہیں ہونا چاہیے کہ اگر میں نے شہزادی نجم اللیل کو تمھاری خدمت کا صلہ ٹھہرایا۔ تو رات آقا حسین نے بھی بنت خمارویہ اسماء قطر الندی کو اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا ہے۔ رات سرائے میں اُن کی آمد کا یہی مقصد تھا۔"

ابن حرب سمجھتا تھا کم از کم وہ اسماء قطر الندی والی بات اُسے ہرگز نہ بتائے گا جس میں کمزوری کا ایک پہلو تھا لیکن یہ بات اُس کے ذہن سے محو نہ ہو سکی تھی کہ قرمطی مہمان شراب کو جائز قرار دیتے اور وہاں حسین عورتوں اور خوب صورت کنیزوں کو راحت و تفریح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اُن کے مسلمات میں عورت مرد کی کمزوری نہیں بلکہ ضرورت تھی۔ سلیمان نے صورت کی پوری وضاحت کر دی اور بتایا۔ "شاہی خاندان کی لڑکیاں سیاسی تعلقات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ نجم اللیل اور اسماء قطر الندی کو پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طولونی شہزادیاں ہماری جماعت کے کام آئیں۔"

اُس نے ہر پہلو کھول کر بیان کر دیا تھا۔ شہزادی نجم اللیل صرف ابن حرب کی نہیں بلکہ جماعت کی بھی ضرورت تھی۔ اب یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی کہ اُسے طولونی شہزادی کو اپنے لیے اور تحریک کے لیے جیتنا تھا۔ اُسے یاد آیا، نجم اللیل سے تعارف کرنے کے لیے سلیمان بن عامر نے ایک شرط رکھی تھی کہ وہ اُس کی مرضی کا پابند رہے گا۔ اُس شرط کا غالباً مقصد یہی تھا کہ [illegible] کے سامنے بھی ابن حرب کی سلاحتوں

www.urdukorner.com

اُس نے حالات سے سمجھوتا کر لیا یا اپنی فطرت کے مطابق بدلے، انتقام اور جارح کارروائی کی راہ اختیار کی۔ ابو عباس مقصد کی وفاداری ترک کر کے ابو جاسر حسین کی اطاعت کے حلقے میں آ گیا اور جب ایک جماعت یا تحریک سے وابستگی کا ارادہ کر لیا تو اُس کے اعلیٰ مقصد کے سامنے اپنی زندگی کو بھی ہیچ سمجھنے لگا۔ سلیمان اس بات پر خوش تھا کہ اُس نے کسی ردّ و قدح کے بغیر دعوت قبول کر لی ہے۔

سلیمان نے دعوت، تحریک اور خروج کا جو نقشہ پیش کیا تھا اُس میں ایک تبدیلی اور طاقت آزمائی کی کشش تھی۔ مہدی صاحب الزمان کے ظہور کا مژدہ تھا جس کے لیے بادیہ نشین خیموں میں فی الواقع بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ ابن حرب نے امام یحییٰ، امام حسین یا ذکرویہ کے تیسرے بیٹے علی کے بارے میں مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہ سمجھی۔ قرمطی تحریک کا نصب العین ظہورِ مہدی پر تھا جس کے وہ ایلچی یا داعی تھے اور کامیابی کے لیے یہی ایک نام کافی تھا۔ البتہ اُسے اگر تجسس تھا تو مہدی کے بارے میں۔

سلیمان سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ذکرویہ قرمطہ ابھی زندہ اور کسی جگہ ایک باطل کے اندر حالتِ اعتکاف میں ہے۔ جماعت کے عقائد اور مسلمات کے متعلق جو کتاب رائج ہوئی وہ اُسی کی طرف منسوب تھی۔ ابن حرب کو گمان گزرا شاید مہدیٔ زمان کا دعویٰ ذکرویہ قرمطہ نے کیا ہو جس کے بیٹے اس دعوت میں پیش پیش ہیں۔ سلیمان سے ذکر کیا تو اُس نے یہ خیال مسترد کر دیا اور کہا "شیخ ذکرویہ بلاشبہ جماعت کے بانی اور "قائم بالحق"[1] ہیں لیکن وہ مہدی نہیں صرف مہدی کے ایلچی ہیں۔"

"پھر مہدیٔ زمان کون ہیں؟"

سلیمان بن عامر نے پہلی بار تردد کا اظہار کیا۔ "مہدی ابھی پردۂ اخفا میں ہے اور ظاہر نہیں ہوا مگر وہ امام اسمٰعیل کی نسل سے ہوگا۔ اُس کے لیے شمالی افریقہ میں بھی تحریک شروع ہو چکی ہے جس نے قیروان میں اغلبی حکومت کو پریشان کر دیا ہے۔"

یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ مہدی ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا تاہم قیروان میں اس کے

---

[1] ذکرویہ قرمطہ نے "قائم بالحق" کا لقب اختیار کیا تھا۔

(ابن خلدون)

کا ذکر اسی لیے کیا گیا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اس طرح وہ حسین کھیل شروع ہوا جسے بہرحال ایک نتیجے پر پہنچنا تھا۔ ابن حرب کو کھیل کے مقصد سے اختلاف تھا۔ اس کے نتیجے سے انکار ہو گا۔ ہر کھیل کا ایک نتیجہ اور ہر کھیل کا ایک انجام ہوتا ہے اور کسے بھی یہ کھیل ایک بامقصد نتیجے تک لے جانا تھا۔ اُس نے یقین دلایا۔ "سلیمان! پہلے میں اس معاملے سے اچھی طرح آگاہ نہ تھا جو تم نے اب بیان کیا ہے۔ میں نے تمہارا مدعا سمجھ لیا ہے۔ بعض مقصد اتنے عظیم ہوتے ہیں جن کی خاطر آدمی پوری زندگی داؤ پر لگا دیتا ہے اور یہ مقصد بھی اتنا ارفع و اعلیٰ ہے جس کے سامنے مجھے اپنی زندگی ہیچ معلوم ہونے لگی ہے۔"

ان الفاظ کے بعد کچھ کہنے اور سننے کو باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سلیمان بن عامر نے اسرار میں لپٹی ہوئی کتاب کھول دی تھی۔ گنڈر ابن حرب نے اُس کے لکھے پر یقین کر لیا تھا۔ یوں اُن کے درمیان ایک اہم معاملہ طے پا گیا۔

زمانے کی گردش ابن حرب کو اُس دروازے تک لے آئی تھی جہاں آدمی کی مجبوری اور اُس کی ضرورت حالات سے سمجھوتا کر لیتی ہے لیکن بعض آدمی مزاج کے سخت ہوتے ہیں اور اپنی فطرت کے اعتبار سے کسی تبدیلی کو بہ آسانی قبول نہیں کرتے۔ انھیں تبدیلی کا احساس دلانے اور کسی مقصد کی طرف لانے کی خاطر کچھ ترغیبات دی جاتی ہیں۔ آدمی دولت اور شہرت کی خاطر اپنے آپ کو بدل ڈالتا ہے لیکن دنیا میں حسین صورت سے بڑی ترغیب اور کوئی نہیں جو کائنات کی سب سے حسین تخلیق ہے اور ابن حرب جیسے بے رحم جنگی مرد کو اپنے مقصد کی جانب لانے کے لیے یہی خوبصورت ترغیب دی گئی تھی۔

اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ سلیمان نے صرف دوستی کا تعلق پیدا نہیں کیا بلکہ بُرے حالات میں اُسے پناہ دی، کنعان ترک اور اُس کے ساتھیوں کا قصہ چکانے میں مدد کی۔ شہزادہ شیبان سے اُس کی دوستی کرائی اور نجم العلیا جیسی خوب صورت خاتون شہزادی کو اُس کا صلہ ٹھہرایا۔ ابن حرب کو جاگنا تھا اور اُس کے مقصد کی جانب لانے کی خاطر فی الواقع اُس نے بہت کچھ کیا۔ اب ابن حرب پر واجب تھا کہ دوستی کا جواب دوستی سے دے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ سلیمان بن عامر نے اُس کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا تھا اور جو کچھ کیا تھا اُس پر اُس کے گھرے ہوئے بڑے ہوئے تھے جنھیں نظر کر کے وہ ہیبت کے گرداب میں نہیں جھانک سکتا تھا کیوں کہ آدمی کی عقل ناسپاس بعض امور کا ادراک نہیں کر سکتی۔

www.urdukorner.com

لیے مہدی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ ۸۷۸ء کی بات تھی جب مہدی کا ایک داعی ابوعبداللہ[1] بن حسین بن محمد بن زکریا جو تاریخ میں ابوعبداللہ شیعی کے نام سے مشہور ہے، شمالی افریقہ میں داخل ہوا اور تونیسیہ میں بربر قبائل کے ساتھ مل کر سرگرم عمل ہو گیا۔ اغلبی حکمرانوں نے اس کی سرگرمیوں پر توجہ نہ دی جس کے نتیجے میں بربر قبائل حکومت سے دور ہوتے چلے گئے۔

۲۹۰ھ کا سال نئی کشمکش کے ساتھ طلوع ہوا تھا۔ مصر و شام کے علاوہ یہ خبر عراق اور یمن میں بھی سنی گئی تھی کہ قیروان میں زبردست شورش بپا ہو گئی ہے۔ قبیلہ قطامہ کے بربر داعی مہدی ابوعبداللہ کے ہم خیال اور ہم عقیدہ بن گئے ہیں اور وہاں ایک ایسی کشمکش کا آغاز ہو گیا ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔ ابن حرب ابھی بغداد میں تھا۔ جب اس نے قیروان میں مہدوی تحریک کے ہنگامے اور خروج کی اطلاع سن لی تھی مگر یہ عجیب و غریب انکشاف تو سلیمان بن عامر نے کیا تھا کہ مہدی زمان جو ابھی ظاہر نہیں ہوا، امام اسمٰعیل کی نسل سے ہو گا اور ذکر و یہ قرمطہ یحییٰ قرمطی ابوالقاسم اور آقا حسین کا سلسلۂ نسب بھی چوں کہ امام اسمٰعیل سے جا ملتا ہے اس لیے ان پر آنے والے مہدی کی حمایت فرض ہے۔

ابن حرب نے اس بات پر کوئی حرج نہیں کی کہ مہدی اگر اسمٰعیل کی نسل سے ظہور کرے گا تو کون ہو گا اور وہ ابھی تک اخفا کے پردوں میں چھپ کر کیوں بیٹھا ہے؟ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ مہدی کا داعی قیروان میں خروج کا پرچم بلند کر چکا تھا اور ادھر قرمطہ کی خفیہ جماعت بھی خلیفہ معتضد ابوالعباس کے خلاف بغاوت کے علم اٹھانے والی تھی اسے تو خلیفہ معتضد کے خلاف بغاوت سے دل چسپی تھی۔

جہاں دیدہ سلیمان بن عامر ابن حرب کے چہرے سے ان خیالات کا اندازہ لگا رہا تھا جو اس کے ذہن سے سمندر کی سرکش موجوں کی مانند گزر رہے تھے۔ اچانک وہ کہنے لگا۔

"ابن حرب! میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ تمھارے جنگی کارناموں اور فوجی تجربوں کے باعث آقا حسین تمھیں اپنی ضرورت سمجھتے ہیں۔ پھر بھی حلقۂ اخوان میں اہم مقام حاصل کرنے کے لیے

---

[1] ابوعبداللہ بن حسین۔ قطامہ کے بربر سرداروں کے [illegible] کرنے کے [illegible] تھے شمالی افریقہ پہنچا تھا جہاں اس نے بنی فاطمہ کے نام پر دعوت کا [illegible] آگے آئے گی۔ (قمر اجنادی)

تمھیں جماعت کی خاطر کوئی معرکہ سر کرنا اور کسی امتحان سے گزرنا ہو گا۔"

"میں کسی معرکے یا امتحان سے نہیں گھبراتا سلیمان جو کچھ تم سوچ رہے ہو میں اس سے کچھ زیادہ کر گزرنے کا عزم رکھتا ہوں۔ خود دیکھ لو گے کہ آقا حسین اور امام یحییٰ میرے کارناموں پر خوش ہوں گے۔"

"پھر میں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں ان کارناموں کا صلہ ملے گا۔" اس نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا۔ "ابن حرب! میرے ہاتھ پر عہد کرو کہ اپنی ذات سے جماعت کے مفاد کو عزیز رکھو گے اور جو حکم تمھیں دیا جائے گا اس سے انکار نہیں کرو گے۔"

ابن حرب نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور وہ الفاظ دہرائے جو سلیمان نے کہے تھے۔

"اس عہد کے ساتھ تم جماعت میں داخل ہو گئے ہو۔ آج سے اپنے آپ کو جماعت کا رکن سمجھو۔ تم اپنا ماضی بغداد میں چھوڑ آئے ہو اب تمھارے مستقبل کا نیا سفر مصر سے شروع ہوتا ہے اور تمھیں علوی شہزادی کو اپنی رفیق سفر بنانا ہے۔"

"میں اسے جیت لوں گا۔ اپنے لیے بھی اور تحریک کے لیے بھی۔"

"تمھاری کامیابی میری کامیابی ہو گی ابن حرب! میں تمھیں اور بھی کئی راز بتایا کروں گا۔ میرے ہاتھ پر عہد کر کے تم نے ان رازوں کا حق حاصل کر لیا ہے۔"

پھر ایک پل خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "شہزادی بنو اللیل القطائع کی طرف جو پیغام لے کر گئی ہے، اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا۔ اب ہم بغداد کی باتیں کریں گے کیوں کہ بغداد کی طرف پیغام بھیجنا بھی باقی ہے۔"

اس کے ساتھ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

★

گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے بند ہو گیا۔ بغداد کے بارے میں سلیمان بن عامر اپنے ذہن سے سوچ رہا تھا اور ابن حرب اپنے ذہن سے۔ دونوں کا مقصد اگرچہ ایک لیکن سوچنے کا انداز مختلف تھا۔ اچانک ابن حرب نے خاموشی کو توڑا۔ "بغداد کی طرف کیا پیغام بھیجو گے؟"

"تم نے خود کہا تھا خلیفہ معتضد کو عراقی سواروں کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے۔ [illegible] مدد کرنے کا [illegible]

www.urdukorner.com

ہے۔ وہ اپنے ایک بہترین افسر کے علاوہ پانچ سواروں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"تمہارا اندازہ پورا ہوگا۔ میں نے اطلاع بھجوانے کا معقول بندوبست کر لیا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے سرائے کے ایک خادم سے کہا۔ "وہ ابونصر یاقوت کو بلا لائے اور کہے کہ مدعا ساتھ لے کر آئے۔" خادم کے جاتے ہی وہ پھر ابن حرب سے مخاطب ہوا۔ "تمہیں یاد ہوگا، میں نے اس واقعے کی اطلاع دربارِ بغداد تک بھجوانے پر زور دیا اور اصرار کیا تھا کہ میرے شبیان خود اس کی اجازت دے۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"یہ شبیان سے اجازت حاصل کرنے کا ایک خاص مقصد تھا۔"

ابن حرب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرتکز ہو گئیں اور وہ ہنسنے لگا۔ "کرمان ترک اور عراقی سواروں کی ہلاکت کا پیغام بنی طوران کی طرف سے بھیجا جائے گا۔ شہزادہ شبیان سے اجازت لے کر میں نے وہ مقصد حاصل کر لیا ہے۔ یہ پیغام بھی ایسا آدمی لے کر جائے گا جو شبیان کا معتمد اور سرکاری حیثیت رکھتا ہے۔"

ابن حرب نے بے چینی سے پوچھا۔ "کون ہے وہ؟"

"ابونصر یاقوت۔" سرائے دار نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ میری طرف سے سرائے میں افسر داغ داری اور امیر شبیان کی جانب سے یہاں تجارتی کاروانوں سے مصر میں داخلے کا محصول لینے پر مقرر ہے۔ یوں اس کی سرکاری حیثیت بھی ہے۔ اس کے ذریعے دربارِ بغداد میں جو پیغام بھیجا جائے گا، وہ شہزادہ شبیان کا اور بنی طوران کا پیغام سمجھا جائے گا مگر تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ابونصر یاقوت دراصل جماعت کا آدمی ہے۔"

وہ سمجھ گیا کہ سلیمان اس منصوبے کے ذریعے بغداد اور مصر کی پرانی حریفی مخاصمت کو تازہ کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح کوئی شہزادی کے ذریعے سلطان خوارزم کو معتمد کے خون کا انتقام لینے پر اکسا رہا ہے۔ ہر آدمی کی کھوپڑی میں دماغ تو ایک سا ہوتا ہے لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ سلیمان کی دماغی صلاحیت یگانہ تھی۔ وہ ایک بساط پر دونوں طرف مہرے بڑھا رہا اور تصادم کا منظر تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایک اور انکشاف کیا۔ ابن حرب نے تو صرف عراقی سواروں کے قتل کی اطلاع خلیفہ معتضد تک پہنچانے کے لیے کہا تھا لیکن میں خود کے ساتھ ثبوت بھی بھیج رہا ہوں۔"

"کیسا ثبوت؟"

"اسی لمحے ابونصر یاقوت کمرے میں داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے سلیمان کا ایک غلام تھا جس نے چرمی تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ غلام نے تھیلا اپنے مالک کے قدموں میں رکھ دیا۔ ابن حرب چونک گیا۔ یہ وہی چرمی تھیلا تھا جس میں کرمان ترک اور اس کے چار ساتھیوں کے کٹے ہوئے سر محفوظ کر لیے گئے تھے۔ سلیمان کے اشارے پر غلام نے پانچوں سر تھیلے سے نکال کر فرش پر رکھ دیے۔ اب اس نے ابن حرب کے سوال کا جواب دیا۔ "میرے دوست، یہ پانچوں سر اس اطلاع کا ثبوت ہیں کہ کرمان ترک اور اس کے ساتھی فی الواقع قتل ہو چکے۔ بعض لوگ خبر سن کر شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ شاید یہ صحیح ہو، شاید صحیح نہ ہو۔ میرے نزدیک کانوں سنی کی بجائے آنکھوں دیکھی اچھی ہوتی ہے۔ یہ کٹے ہوئے سر دربارِ بغداد میں اس لیے بھیجے جا رہے ہیں کہ خلیفہ معتضد اور جدہ اپنے فرستادوں کا انجام بچشم خود دیکھ لیں۔"

اس کا ہر لفظ تضحیک آمیز اور ابھی سفاکانہ تھا۔ کٹے ہوئے سر دیکھ کر ابن حرب پر ایک سکتہ سا گزر گیا۔ بے شک یہ اس کے دشمنوں کے سر تھے لیکن ان کی حالت دیکھ کر وہ خوف ناک لگتے اور سکڑ کر کچھ چھوٹے اور بدوضع ہو گئے تھے۔ ابن حرب کرمان ترک کا سر پہچان گیا تھا۔ سرائے دار نے اسی سر کی جانب اشارہ کیا۔ "یہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ کرمان ترک خلیفہ کا ایک خطرناک اور بڑا بہادر آدمی تھا۔ اگر نہیں بلکہ اس کا پالتو درندہ تھا جس پر اسے بڑا اعتماد تھا۔ اس لیے میں نے کرمان ترک کا سر محفوظ کر دیا ہے۔ یہاں عجائب میں ایک پرانا مصری خاندان موجود ہے جس کے آباؤ اجداد قدیم زمانے میں لاشیں محفوظ کرنے کا دھندا کرتے تھے۔ یہ کاروبار صدیوں سے متروک ہو چکا ہے لیکن آج کل بھی کچھ لوگ پرندوں اور درندوں کی لاشوں کو محفوظ کرنے کا شوق رکھتے ہیں تاکہ انھیں یادگار کے طور پر محفوظ کر سکیں۔ میں نے سوچا ممکن ہے معتضد بھی کرمان ترک جیسے بہادر کا سر یادگار کے طور پر محفوظ کرنا چاہے۔ گو بغداد میں تو کوئی محفوظ کا فن جانتا نہیں، نہ وہاں ایسا مسالا دستیاب ہے جو لاش کو محفوظ رکھنے کے کام آ سکے۔ اس لیے میں نے یہ سر یہیں محفوظ کرا دیا ہے۔"

ابن حرب اس کی باتیں سنتا اور حیران ہوتا رہا۔ سلیمان اسے کرمان ترک سے زیادہ سفاک معلوم ہونے لگا۔ اچانک اس نے پوچھا۔ "دربارِ بغداد میں یہ پانچوں سر ابونصر یاقوت پیش کرے گا؟"

www.urdukorner.com

یہ خدمت اسی کے سپرد کی گئی ہے۔"

"کیا اس کے بعد ابونصر کا اپنا سر کندھوں پر قائم رہ سکے گا؟"

سلیمان بن حاتم نے سر اٹھا کر ابونصر یاقوت کی طرف دیکھا اور اس نے جواب دیا۔ "جب میں یہ کیے ہوئے سر کے بغداد پہنچوں گا، تو ہو سکتا ہے میرا اپنا [illegible] بھی شامل ہو جائے مگر مجھے اپنے سر کی پروا نہیں۔ مقصد عزیز ہے۔"

ابن حرب اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر دنگ رہ گیا اور سلیمان بتانے لگا۔ "ابونصر یاقوت فدائین کے حلقے سے تعلق رکھتا ہے۔ جنھیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہوتی، مقصد عزیز ہوتا ہے۔ دربار بغداد میں کیے ہوئے سر بھیجنے کا ایک مقصد ہے۔"

"مگر یہ مقصد کسی اور طرح بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ابونصر کا سر لے کر دربار بغداد میں جانا صریحاً خودکشی ہے۔ یہ خود اور اس کے ساتھی بغداد سے زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔"

"فدائین کے لیے زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔" سلیمان کا لہجہ بدل گیا۔ "تم نے آج ہی میرے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے۔ اس لیے جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سن لو اور یاد رکھو کیوں کہ میری بات کا ایک لفظ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ جماعت میں حکم سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک خدمت ابونصر کے سپرد کی گئی ہے۔ یہ اسے کس طرح ادا کرتا اور بغداد سے لوٹتا ہے یا نہیں یہ اس کا کام ہے مگر جس شخص نے تمھاری زندگی برباد کرنا چاہی، اب تمھیں بھی اسے برباد کرنا اور اس کے خلاف میدانِ جنگ میں نکلنا ہے اور میدانِ جنگ میں کسی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔"

ابن حرب اس کے الفاظ اور لہجے سے مرعوب ہو گیا اور بولا۔ "میں مقصد کی خاطر میدانِ جنگ میں اپنی جان بھی دے دوں گا۔"

سلیمان نے اپنے ہاتھ کو یوں جنبش دی جیسے اس کی بات کاٹ دی ہو۔ "تمھیں میدانِ جنگ میں اپنی جان دینے نہیں، کسی کی جان لینے جانا ہے ابن حرب! اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔"

شاید وہ بھول گیا تھا کہ انتقام اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ سلیمان نے اسے توجہ دلائی۔ "مت بھولو دشمن کا خاتمہ تمھارے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمھیں دشمن کے خاتمے

تک زندہ رہنا اور اپنی حفاظت کرنا ہے جو شخص جوش میں آکر ہوش کھو دیتا ہے وہ اپنی حفاظت سے دستبردار ہو جاتا ہے۔"

سلیمان کی باتوں نے اسے پھر مبہوت کر دیا کیوں کہ ان باتوں میں اس کے تجربے کی دانائی بول رہی تھی۔ وہ حیرت زدہ اسے دیکھنے لگا۔ فلسطینی سرائے دار ایک بار پھر مخاطب ہوا۔ "ابن حرب! ایک بات جو سب سے اہم ہے۔ اس پر تم نے غور نہیں کیا حالاں کہ وہ بات پہلے سوچنے کی تھی۔ جب ابونصر یاقوت دربار بغداد کو کزلان ترک اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت سے مطلع کرے گا، تو ان کی ہلاکت کا موجب تمھی سمجھے جاؤ گے کیوں کہ وہ تمھاری گرفتاری کے لیے بھیجے گئے تھے۔ کزلان ترک اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت اہلِ دربار کو مشتعل کر دے گی۔ مقصد ابوعباس حزن کے گھونٹ پی کے رہ جائے گا کیوں کہ تم اس کی دسترس سے دور ہو چکے ہو۔ وہ صرف ابونصر یاقوت اور اس کے ساتھیوں کی گردن مار دینے کا حکم دے گا۔ تمھیں اذیت پہنچانے کی خاطر ایک اور ہستی کو بھی اذیت پہنچا سکتا ہے جسے تم بغداد میں چھوڑ آئے ہو۔"

ابن حرب پر جیسے بجلی ٹوٹ پڑی۔ جلتی لکڑی کی طرح چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھول رہے کس ماں کو پیچھے چھوڑ آیا تھا اور دربار بغداد میں عراقی سواروں کی ہلاکت کا پیغام پہنچتے ہی اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہی بات اس نے اب تک نہیں سوچی تھی۔ وہ سمجھتا تھا اس شہر سے اپنے سارے رشتے توڑ آیا ہے مگر سب سے بڑا رشتہ تو ابھی تک قائم تھا اور اب سلیمان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ عراقی سواروں کے قتل کی اطلاع بغداد نہ بھیجے۔ ابونصر کا سفر منسوخ کر دے۔ یہ بات جماعت کے مفاد اور مقصد کے خلاف تھی۔ اب کیا کرے، کیا کہے؟ کچھ کہنا چاہتا تھا اور الفاظ ذہن میں دوڑتے پھرتے مگر زبان تک نہیں آتے تھے۔

"ہم کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔" سلیمان نے اس کی پریشانی بھانپ لی اور کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کوئی منصوبہ تیار کرنے سے پہلے میں اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر لیتا ہوں۔ تمھاری ماں کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا۔ دربار بغداد میں عراقی سواروں کی ہلاکت کا پیغام پہنچنے سے پہلے وہ وہاں سے نکل چکی ہو گی۔"

ابن حرب ابھی تک پریشان اور بدحواس تھا۔ "مگر وہ جائے گی کہاں؟"

اب سلیمان نے اپنے منصوبے کی کچھ وضاحت ضروری سمجھی۔ "ابونصر کے ہمراہ میرے

www.urdukorner.com

چار غلام بھی جائیں گے۔ وہ کُل پانچ ہوں گے جس طرح کرمان ترک سمیت عراقی سوار بھی پانچ ہی تھے جو سرائے میں داخل ہوئے اور اپنے پانچ اونٹ اصطبل میں چھوڑ کر موت کی منزل پر پہنچ گئے۔ ابونصر اور چاروں غلام انہی پانچ اونٹوں پر بغداد کا سفر کریں گے وہاں پہنچ کر دو غلام اُس سے علاحدہ ہو جائیں گے اور تمہاری ماں کو اپنی نگرانی میں لے کر فوراً مصر کی جانب چل پڑیں گے۔ اُس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ ابونصر دوسرے دن دربارِ بغداد میں حاضری دے گا۔ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ دونوں غلاموں کی گردنیں بھی اڑا دی جائیں۔ ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ ابونصر شہزادہ شیبان کا قاصد بن کر جائے گا اور قاصد کی گردن مارنا آدابِ حکمرانی کے خلاف ہے پھر بھی میں نے ابونصر کو ایک ترکیب بتا دی ہے جو تھی موٹی تلواروں کو روک دے گی۔ اُس ترکیب سے بچ سکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ بچ جائے گا اور بارِ دیگر لوٹ آئے گا۔"

ابنِ حرب نے اطمینان کا سانس لیا اور اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ ابونصر بغداد سے زندہ لوٹ سکے گا یا نہیں لیکن اس کی ماں کی زندگی ضرور محفوظ ہو گئی تھی۔ سلیمان نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ اُسے تقویت دے رہا تھا۔ ایک نیا مصرعہ پیش کیا۔ "اب تمہیں اپنی ماں کے نام ایک خط لکھنا ہے۔ اُسے بتانا ہے کہ تم بخیریت مصر پہنچ گئے اور حقاصد اس کی طرف بھیج رہے ہو۔ وہ تمہارے ہی آدمی ہیں۔ اس لیے کسی اندیشے کی نہیں۔ اُن کے ساتھ چل پڑے جو اُسے بحفاظت تمہارے پاس مصر لے آئیں گے۔ خط کے ساتھ تمہیں اپنی کوئی ایسی نشانی بھی بھیجنا ہوگی جسے دیکھتے ہی وہ فوراً پہچان لے اور تمہاری تحریر کے مطابق عمل کرے۔"

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا ماں کی طرف کون سی نشانی بھیجے کہ سرائے والے نے وہی انگوٹھی نکال کر دکھائی جو ابنِ حرب نے سرائے میں آتے ہی اپنی شناخت کے لیے اُس کی طرف بھیجی اور اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"تمہاری ماں اس انگوٹھی کو ضرور پہچانتی ہوگی۔"

"بے شک۔ وہ اسے اچھی طرح پہچانتی ہے۔ اس پر میرے نام کا لفظ بھی کھدا ہوا ہے۔ منذر۔"

انگوٹھی دیکھتے ہی ابنِ حرب کی پریشانی دور ہو گئی اور سلیمان نے انگوٹھی ابونصر یاقوت کے حوالے کر دی کہ اُسے اچھی طرح سنبھال لے۔ پھر اپنے دوست سے کہا۔ "خط بھی اسی وقت

لکھ دو۔ ابونصر آج ہی عریش سے روانہ ہو جائے گا۔"

وہ سمجھ گیا تھا، بغداد میں حالات ایک اور سنگین شکل اختیار کرنے والے ہیں اور ماں کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ خط میں اُسے تاکید کی کہ اُس کے بھیجے ہوئے قاصدوں کے ساتھ فوراً مصر کے لیے روانہ ہو جائے اور عبداللہ کو بھی ہمراہ لائے۔ خط لکھ کر ابونصر یاقوت کے حوالے کر دیا، جسے تیسرے پہر روانہ ہونا تھا۔ اُس کے ساتھ جانے والے غلام بھی سفر کے لیے تیار تھے اور انھیں ہدایات پہلے ہی دی جا چکی تھیں۔ سلیمان بن عامر ہر کام دور اندیشی اور پابندی سے کرنے کا عادی تھا۔ اُس نے ابونصر یاقوت کو رخصت کر دیا اور غلام پانچوں سر تھیلے میں ڈال کر اُس کے پیچھے پیچھے نکل گیا۔ اب وہ دونوں پھر تنہا تھے۔

تنہائی اور فرصت میں سلیمان بن عامر کو کچھ ضروری باتیں کرنے کا موقع مل گیا جو اُس سے کرنا چاہتا تھا۔ کہنے لگا۔ "ابنِ حرب! جماعت کے لیے تمہارا جذبہ اور جوش بڑا مبارک ہے۔ آقا حسین اسے پسند کریں گے لیکن جماعت کے متعلق تمہاری معلومات میں اضافہ ہونا چاہیے۔ اس وقت میں چند اہم باتیں بیان کروں گا۔ انھیں ذہن نشین کر لو تاکہ آئندہ کسی غلطی اور سہو کا احتمال نہ رہے۔ مثال کے طور پر آج تم نے ابونصر کے بغداد جانے اور دربارِ بغداد میں عراقی سواروں کے سر پیش کرنے کو خودکشی قرار دیا تھا جس سے اگر ابونصر نہیں، تو کسی فدائی غلام کا حوصلہ پست ہو جاتا جو یہاں موجود تھا اور اُس کے ساتھ بغداد جانے والا ہے۔ یہ غلطی صرف اس لیے سرزد ہوئی کہ ابھی تم جماعت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے۔ فدائیین کا حلقہ بڑا مخصوص ہوتا ہے اور انھیں اس طرح تربیت دی جاتی ہے کہ اگر جلتی آگ میں کود جانے کا حکم دیا جائے تو انکار نہیں کر سکتے اور آگ میں کود جاتے ہیں۔ اُن کے لیے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ ہو اور بجز موت نتیجہ ہو بھی کیا سکتا ہے لیکن وہ نتیجے کی پروا نہیں کرتے۔ موت کی صورت میں اُن کے سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ موت ایک دروازہ بند کرتی ہے دوسرا دروازہ کھول دیتی ہے اور دوسرا دروازہ جنت میں کھلتا ہے۔ جنت کی کشش انھیں جان پر کھیل جانے کی ترغیب دیتی ہے۔ مقصد کی خاطر چند روزہ زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ دائمی زندگی صرف وہی ہے جو انسان مرنے کے بعد داخل کرتا ہے۔ دنیا میں سب لوگ مرنے کے لیے جیتے ہیں پھر کیوں نہ موت کو مقصد بنایا جائے تاکہ موت کے بعد آدمی جنت میں داخل ہو جہاں خوش جمال حوریں اس کی خدمت

www.urdukorner.com

پر مامور ہوں گی۔

عقیدے کی پختگی اور جنت و حور کے یقینی حصول کی امید پر وہ لوگ اپنی جان قربان کر دیتے ہیں لیکن کسی کو بے وجہ موت سے کھیلنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اُن کی حفاظت کا ہر پہلو سوچ لیا جاتا اور واپسی کا ہر دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔ تمہارے خیال میں بغداد سے ابونصر کی واپسی ممکن نہیں مگر موت کے بازار میں بھی زندگی کی ایک گلی کھلی ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے، وہ اُسی گلی سے واپس آئے گا اور جو کام اُس کے سپرد کیا گیا ہے، اُسے انجام تک پہنچائے گا۔ میری طرح ابونصر بھی کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا!"

ابن حرب محسوس کرنے لگا کہ سلیمان نے جو کچھ کہا ہے، اُس نے جو کچھ سُنا ہے، اُس میں جینے اور مرنے کا ایک فلسفہ ہے اور جب آدمی کو ایک دن مرنا ہے، تو اُس کی موت کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہونی چاہیے جو اُسے دائمی راحتوں سے ہمکنار کر دے۔ مقصد کی خاطر قربانی کا جذبہ ضروری ہے اور جس جماعت یا تحریک میں یہ جذبہ پایا جائے۔ کامیابی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اُسے جماعت کے مقصد سے اتفاق تھا مگر ایک بات ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

۲۷۸ ہجری میں جب کوفہ کے گورنر نے ذکرویہ کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا تو بغداد میں بھی اُس کے اِس عقیدے پر بڑی باتیں ہوئی تھیں کہ خدا اُس کے اندر حلول کر گیا ہے۔ خود ابن حرب کو یہ بات عجیب لگی تھی کہ خدا کسی انسان میں کیوں کر حلول کر سکتا ہے۔ وہ تو لامحدود ہے اور کوئی آنکھ اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر حالات کا دھارا اُسے قرمطی تحریک ہی کی طرف بہا لایا اور خلیفہ معتضد سے دشمنی مول لینے کے بعد ضروری تھا کہ اُس کے خلاف کسی طاقت سے سمجھوتا کرے۔ اُسے تحریک قرامطہ میں ایک دل کشی نظر آئی اور اُس کے لیے جنگی معرکے سر کرنے پر بھی تیار تھا لیکن وہی ایک بات ذہن میں خلجان سا پیدا کیے دیتی تھی جو ذکرویہ قرمطی کا عقیدہ سمجھی گئی تھی۔

سلیمان بن عامر نے خودی زندگی اور موت کا قصہ چھیڑا تھا۔ عقیدے اور جنت کی بات کی تھی اور اب موقع تھا کہ اُس سے حلول کا عقدہ دریافت کرے۔ وہ کسی تمہید کے بغیر مقصد پر آ گیا اور کہنے لگا۔ "سلیمان! بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہیں کہ کسی شیخ یا امام کے اندر خدا کیسے حلول کر سکتا ہے یا نبیوں، رسولوں اور اماموں کی روحیں اُس میں کس طرح داخل ہو سکتی ہیں؟"

اُس نے قرامطہ کے بنیادی عقیدے کے بارے میں سوال کیا یا وضاحت چاہی۔ سلیمان کے چہرے پر مسکراہٹ سی بکھر گئی اور بولا۔ "ابن حرب! مجھے خوشی ہے کہ یہ سوال تم نے خود کیا ہے۔ جس سے عقیدے کے متعلق تمہاری دل چسپی ظاہر ہوتی ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ تمہارا عقیدہ راسخ اور یقین پختہ ہو اور تم وہ اعلیٰ منصب حاصل کر سکو جس پر آنا جنہیں تم نہ کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر پرستوں کو ہمارے عقیدے پر اعتراض ہے مگر ہم دنیا کو ظاہر کی آنکھ سے نہیں، باطن کی نظر سے دیکھتے اور یہ ادراک یا شعور حاصل کرتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے بہ ذاتِ خود کچھ نہیں بلکہ اُس کی ہستی کسی علت کا نتیجہ اور زندگی کسی اعلیٰ طاقت کی مرہونِ منت ہے۔ ایسی طاقت جو ساری کائنات پر حاوی یا اُس کی خالق و مالک ہے۔ اُسی طاقت سے ہر جاندار کے تھنوں میں سانس چلتا اور ہر شے میں زندگی حرکت کرتی ہے۔ وہ عظیم اور لافانی قوت ہر شے، ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ کسی میں کم، کسی میں زیادہ اور اُسی طاقت کو اللہ کہتے ہیں جس کا جلوہ ہر شے اور ہر انسان میں نظر آتا ہے۔ کیوں کہ اللہ سے ہٹ کر دنیا میں کسی شے کا وجود نہیں اور کوئی ہستی بہ جز اللہ خود بخود یا قائم بالذات نہیں۔

اگر کسی کے باطن سے "انا الحق"[1] کی آواز آئے تو ظاہر پرست کہیں گے یہ شخص خدا ہونے کا دعوے دار اور زندیق ہے مگر کہنے والا غلط نہیں کہتا کیوں کہ خدا تو ہر شے اور ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ میرا خیال ہے جو سوال تم نے کیا تھا میں نے اُس کا جواب دے دیا ہے اور تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔"

ابن حرب نہ صرف اُس کا مطلب سمجھ گیا بلکہ اُس کے استدلال پر بھی حیران رہ گیا کہ جس بات نے اُس کے ذہن میں وسوسہ اور اندیشہ ڈال رکھا تھا، وہ اس طرح چھٹ گئی جیسے گھٹا کے چھٹ جانے پر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ اب اُس کا اپنا ذہن بھی صاف ہو گیا بلکہ اُسے یہ بات اچھی لگی کہ دنیا کی ہر شے بہ ذاتِ خود کچھ نہیں بلکہ خدا کی ہستی سے عبارت ہے۔ اسی سے نظریۂ حلول کا فائدہ اٹھایا گیا تھا۔

---

[1] منصور حلاج اسی دور کا صوفی تھا جس نے "انا الحق" کہا۔ اُسے اونٹ پر بٹھا کر بغداد لایا گیا اور ۳۰۹ ہجری میں سُولی دی گئی۔ اُس پر قرمطی ہونے کا الزام تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

www.urdukorner.com

"تم نے میرے ذہن کو نئی روشنی بخشی ہے سلیمان! جماعت پر میرا اعتقاد پہلے سے بڑھ گیا ہے۔"

"سچائی ذہن کو روشن کرتی ہے ابن حرب!" پھر سوچ کر کہنے لگا۔ "کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کے بارے میں تمھیں اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیے۔"

"اور کون سی باتیں ہیں؟"

سلیمان نے بے دھڑک جواب دیا۔ "شراب اور لونڈی کے بارے میں ہمارا مسلک اور طریقہ کچھ مختلف ہے۔ مثلاً امتناعِ خمر کا حکم ہمارے نزدیک خمار کی کیفیت یا مستی کی حد پر صادر ہوتا ہے اور لونڈی سے خدمت لینا جائز ہے۔ البتہ جب وہ کسی سے نکاح کر لیتی ہے تو اس پر صرف شوہر کا حق ہوتا ہے۔"

پھر سلیمان بن عامر نے جماعت کے مسلک کے مطابق دونوں معاملوں پر جو باتیں کیں، ان سے ابن حرب صاف سمجھ گیا کہ اس مسلک میں بادیہ نشین قبائل کے لیے راحت و عیش کی ترغیب رکھی گئی ہے اور یہی دو معاملے آدمی کی دل چسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ خود ان معاملوں سے دل چسپی رکھتا تھا یا نہیں مگر جس تحریک سے وابستہ ہو گیا، وہاں شراب اور لونڈی شجرِ ممنوعہ نہیں تھی۔

اس نے باتیں سنیں لیکن نہ کوئی حجت نکالی، نہ کسی ردِ عمل کا اظہار کیا۔ اسے تو اپنے معاملے سے سروکار تھا۔ بغداد سے نکلنے کے بعد وہ ایسی زمین کی ضرورت محسوس کر رہا تھا جو اس کا بوجھ برداشت کر سکتی اور جس پر وہ اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جما کر کھڑا ہو سکتا۔ اب اسے وہ زمین یا جماعت مل گئی جو مستقبل میں کئی کامرانیاں حاصل کرنے والی تھی اور جس کی پشت پر بادیہ نشین قبائل کی طاقت کھڑی تھی اس لیے وہ غیر ضروری مسائل میں الجھنا نہ چاہتا تھا۔

نیکی کیا ہے؟ گناہ کیا ہے؟ اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ سمجھتا تھا، دنیا میں ہر نیکی کی جزا اور ہر گناہ کی سزا ہے لیکن بعض گناہ بخش دیے جاتے اور بعض نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ بغداد میں اس کی اپنی نیکیوں اور وفاداریوں کے بدلے گرفتاری کا حکم صادر ہوا تھا۔ اور جس جماعت سے کوئی دل چسپی نہ تھی، وہ اپنے بازو کشادہ کیے اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اس کی کامیابی کے راستے ہموار کر رہی تھی۔ اب اسے بھی جماعت کے اعتماد پر پورا اترنا تھا۔

دونوں نے دوپہر کا کھانا اکٹھے کھایا اور تیسرے پہر ابونصر یاقوت اور اونٹوں کے ہمراہ جانے والے چار غلاموں کو رخصت کرنے سرائے سے باہر آ گئے۔ ان پانچوں اونٹوں پر جو کزلان ترک اور اس کے ساتھی چھوڑ گئے تھے۔ پالان کس دیے گئے تھے۔ انھیں کسی گنجان راستے کی بجائے معروف شاہراہ پر سفر کرنا اور یہ سفر طویل تھا۔ معروف شاہراہ فلسطین اور شام سے گزر کر عراق میں داخل ہوتی تھی اور عام رفتار سے سفر کر کے شتر سوار ۲۵ ۔ ۲۶ دن میں بغداد پہنچتے تھے مگر اس شاہراہ پر کاروان سرائیں بھی تھیں اور پانی کے کنویں بھی تھے پھر بھی مشکیزے بھر لیے اور پالانوں کے ساتھ باندھ دیے گئے تھے۔ صرف ایک اونٹ پر کجاوا کسا گیا تھا اور ضروری سامان کے ساتھ وہ چرمی تھیلا بھی اسی کجاوے میں تھا جس میں پانچ انسانوں کے کٹے ہوئے سر رکھے تھے۔ کزلان ترک اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت کے ثبوت، جنھیں بغداد بھیجا جا رہا تھا۔

تیسرے پہر جب سورج مغربی اُفق کی طرف بڑھ رہا تھا، درختوں، کھجوروں اور انسانوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ ابونصر یاقوت کا چھوٹا سا قافلہ مشرق کی جانب روانہ ہو گیا اور طوطے کی سی ناک والا فلسطینی سرائے دار اپنے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ لیے ابن حرب کے ساتھ سرائے میں لوٹ آیا۔

اس نے ایک ہی دن بغداد اور القطائع کی طرف الگ الگ پیغام بھیجے تھے۔

www.urdukorner.com

اُٹھتے رہتے تھے۔ داخلی شورشیں اور بغاوتیں جاری تھیں پھر بھی اُن کے درمیان تجارت اور تجارتی قافلوں کی آمدورفت کا سلسلہ قائم تھا۔ کسی حکومت نے اس سلسلے کو منقطع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چھوٹے اور بڑے کارواں دور دراز ملکوں کا سفر کرتے اور ایک ملک کی اشیاء دوسرے ملک میں پہنچاتے رہتے تھے۔ ہر حکومت کا اخلاقی فرض سمجھا جاتا تھا کہ محصول لینے کے بعد انہیں گزر جانے دیا جائے۔

۲۸۰ ہجری کے آغاز کے ساتھ ہی قیروان میں ابوعبداللہ حسین کی فوجی کشمکش اور داخلی اقتدار کے خلاف شورش کی خبریں مصر و شام اور حجاز و عراق تک سنی گئی تھیں۔ شمالی افریقہ سے آنے یا ادھر جانے والے تجارتی کارواں اور سوداگر غالباً مقامی منڈیوں میں رُک گئے اور امن و امان قائم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ جنگی شورش کے زمانے میں راستے غیر محفوظ ہو جاتے اور ڈاکو تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برقہ، قیروان اور طنجہ کی طرف جانے اور آنے والا کوئی تجارتی قافلہ عریش نہ پہنچ سکا۔ صرف تین یوم قبل ایک کارواں فسطاط کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور اتنی جلدی نئے کارواں کے آنے کی اُمید بھی نہیں تھی۔ اسی لیے عریش کی کارواں سرائے میں کوئی گہما گہمی دکھائی نہ دیتی تھی۔

ابن حرب جانتا تھا شمالی افریقہ کی طرف جانے والے قافلے اور مسافر کم ہوتے تھے۔ قیروان میں فوجی شورش کے باعث اُن کی آمدورفت مزید کم ہو گئی مگر سلیمان بن عامر قیروان سے آنے والے کسی قافلے، سوداگر یا مسافر کا بڑی بے چینی سے منتظر رہتا تھا۔ جس سے اغلبی حکومت کے خلاف مہدوی تحریک اور وہاں کے داخلی حالات کی خبریں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ اُسے محسوس ہوا کہ عریش کی کارواں سرائے مغرب میں مہدی کے خروج اور مشرق میں تحریک قرامطہ کے رابطے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور یہ رابطہ سلیمان بن عامر کی وجہ سے ہے جو فسطاط اور بغداد کے درمیان بھی ایک نئی کشمکش کی راہیں ہموار کر رہا تھا۔ اس کشمکش سے ابن حرب کو بھی گہری دلچسپی تھی اور اُسے عریش کی کارواں سرائے ہی میں نئے حالات کا انتظار کرنا تھا۔

بغداد کی طرف بھیجے جانے والے پیغام کا نتیجہ دو ہفتے یا دو ماہ سے پہلے معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ انتظار قریب تھا اور شہزادی بلقیس اسمٰعیل زیادہ سے زیادہ دو ہفتے تک سلطان خمارویہ کے ارادوں کی اطلاع دے سکتی تھی۔ عریش اور فسطاط کے درمیان واقع شاہراہ کم و بیش [illegible] طویل تھی جسے قافلے [illegible] چار دن میں طے کرتے تھے [illegible]

۱۵

بُلاوا

اُس روز کارواں سرائے مہمانوں سے خالی تھی۔ شاہی قافلے کی روانگی کے بعد مشرق و مغرب سے کوئی کارواں نہ آیا تھا۔ بعض اوقات کئی کئی دن بلکہ کئی کئی ہفتے کسی قافلے کی [illegible] بھی نظر نہ آتی تھی۔ البتہ مصر اور شام و فلسطین کے درمیان آنے جانے والے مسافر ضرور [illegible] میں قیام کرتے تھے مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ شام تک کسی مسافر نے بھی ادھر کا رُخ نہ کیا۔

عریش کی کارواں سرائے مشرق اور مغرب سے آنے والے تجارتی قافلوں کی سب سے بڑی قیام گاہ تھی۔ قافلے حضرموت، یمن، حجاز، اُردن، عراق، آرمینیا، شام اور فلسطین کی طرف سفر کرتے یا مصر، قیروان اور طنجہ (مراکش) کو جاتے، عریش میں ضرور ٹھہرتے [illegible]۔ شمالی افریقہ کے ساحلوں سے سامانِ تجارت جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے بھی اندلس اور [illegible] کی بندرگاہوں پر اُتارا جاتا تھا۔

اُس دور میں اسلامی سلطنت کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اندلس میں بدستور بنو اُمیہ کی حکومت تھی اور اُس کے خلاف عباسیوں کی کوئی یلغار کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ شمالی افریقہ میں [illegible] برسرِ اقتدار تھے لیکن اغلبی حکومت کے خلاف مہدی کی دعوت کا آغاز ہو چکا تھا۔ مصر [illegible] اور شام پر ترکی خلفاء کا سکہ رواں تھا۔ جزیرہ نما عرب سے لے کر سمرقند و بخارا اور [illegible] حد تک عباسیہ سکہ رائج الوقت [illegible] رہے تھے۔ اسلامی سلطنت کا سب سے بڑا حلقہ یہی تھا [illegible] کی خانہ جنگیاں چل رہی تھیں۔ [illegible] اقتدار کے جھگڑے

www.urdukorner.com

یہ سفر دو ڈھائی یوم میں طے کر سکتا تھا۔ شاہی قافلے کو القطائع (فسطاط) پہنچنے، نجم الیل کو سلطان سے ملنے اور موقع محل کے مطابق گفتگو کرنے میں چند روز لگ سکتے تھے۔ ابن حرب نے مسافت اور القطائع میں حالات کی نزاکت کے پیش نظر اندازہ لگایا تھا کہ طولونی شہزادی چودہ پندرہ یوم کے اندر اُسے معاملے کی صورت سے آگاہ کر سکتی ہے۔ اُس کے نئے سفر اور کسی نئی مہم کا انحصار شہزادی کے جواب اور پیغام پر تھا اور اُمید تھی کہ جواب اُس کی توقع کے مطابق ہوگا۔

۲۸۰ ہجری کے ربیع الاول کی آخری راتیں تھیں۔ جن راتوں میں چاند بہت دیر سے طلوع ہوتا اور دنیا اس کی روشنی سے محروم رہتی ہے۔ گہری شام رات کی تاریکی میں ڈھل رہی تھی۔ عریش کی کارواں سرائے میں کوئی نئی سرگرمی نہیں تھی۔ دن کا ہنگامہ رات کی خاموشی میں تبدیل ہو چکا تھا کہ ابن حرب، جو شام کے وقت کچھ دیر سرائے سے باہر چلا گیا تھا، اپنے کمرے میں آیا تو ایک نئی مگر حسین صورت حال سے دوچار ہوا۔

کمرے میں فانوس روشن تھا اور اُس کی روشنی میں سلیمان بن عامر کی سب سے خوبصورت شگفتہ اور خوش ادا مصری کنیز سلامہ، جو صرف سرائے دار کے خاص مہمانوں کی دیکھ بھال کرتی تھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ قبل ازیں وہ فانوس روشن کر کے یا کھانا پہنچا کر چلی جاتی تھی خواہ مہمان کمرے میں ہو یا نہ ہو لیکن آج وہ خلاف معمول اُس کی واپسی کی منتظر اور پہلے سے زیادہ خوش دکھائی دیتی تھی۔

اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ مسند سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بڑی دل کش مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔ ابن حرب نے سوچا شاید طولونی شہزادی کا کوئی پیغام دینے کی خاطر اُس کا انتظار کر رہی ہے۔ شاہی قافلے کی روانگی کے بعد اُس کا بیشتر وقت سلیمان بن عامر کے پاس گزرا بلکہ دوپہر کا کھانا بھی اُسی کے ساتھ کھایا تھا اور سلامہ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ سلام کا جواب مسکرا کر دیا اور پوچھا۔ "آج کوئی خاص بات ہے کیا؟"

سلامہ نے شیریں تبسم سے کہا۔ "آپ کو مبارک باد دینے آئی ہوں۔"

"کس بات پر؟" وہ مبارک باد کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

سلامہ کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ "مالک نے بتایا ہے آپ جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔ آقا حسین سے وابستگی کا عزم بھرتے ہیں۔"

ابن حرب کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی کہ شاید طولونی شہزادی کا کوئی پیغام پہنچانے آئی تھی۔ "کیا تمھیں جماعت میں میری شمولیت سے خوشی ہوئی ہے؟"

"اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ جسے آقا حسین پسند کریں اُس سے بڑا خوش نصیب اور کون ہوگا؟"

ابن حرب کو خیال آیا کہ سبز آقا سے خاص وابستگی رکھتی ہے۔ ممکن ہے رات کی خلوت میں اس پسندیدگی کے بارے میں کوئی بات ہوئی ہو مگر ذرا تجاہل سے پوچھا۔ "تمھیں کس نے بتایا کہ آقا حسین مجھے پسند کرتے ہیں؟"

"مالک نے۔" سلامہ کا جواب پھر حیران کر دینے والا تھا۔ "وہ مجھے ہر بات بتا دیتے ہیں، جس طرح انھوں نے شہزادی نجم الیل اور آپ کی دل چسپی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا، اُسی طرح آج یہ بات بھی بتائی کہ آقا حسین آپ کو کسی بلند منصب پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ سلیمان بن عامر اپنی مصری کنیز پر بے حد اعتماد کرتا اور اُس سے کوئی بات چھپاتا نہ تھا۔ شاید اس میں کوئی مصلحت تھی۔ ابن حرب یہی سوچ رہا تھا کہ تبھی سلامہ نے ایک اور انکشاف کیا۔ "آج سے مالک نے مجھے آپ کی خدمت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔"

"پہلے بھی تمھی میرا خیال رکھتی ہو۔"

"مگر اب بات کچھ اور ہے۔ آپ جس وقت چاہیں مجھے طلب کر سکتے ہیں۔"

اس جواب نے اُسے نئی حیرت سے دوچار کر دیا۔ وہ بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اس میں ایک خاص اشارہ موجود تھا جس نے ذہن میں تجسس کی ایک نئی کھڑکی کھول دی مگر یہ بات بھول رہا تھا کہ اس وقت ایک قرمطی کنیز اُس سے مخاطب تھی۔ سلامہ نے مسند کی طرف اشارہ کیا جس پر کھانے کا طباق رکھا تھا۔ "میں آپ کے لیے کھانا لے آئی ہوں۔"

ابن حرب نے طباق کو دیکھا۔ کھانے کے علاوہ اس میں ایک خمدار صراحی بھی تھی قبل ازیں کھانے کے ساتھ صراحی کبھی نہیں آئی تھی۔ تعجب سے پوچھا۔ "صراحی میں کیا ہے؟"

سلامہ کے شگفتہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "بنت العنب۔"

وہ کچھ کہنے والا تھا کہ فوراً رُک گیا اور بات بنائی۔ "میں پانی سمجھا تھا۔"

"ہے تو پانی۔" پھر سلامہ نے بھی ایک بات بنائی۔ "الا ماء ما یحتاج۔" (لیکن وہ پانی جس کی آدمی کو ضرورت پڑتی ہے)

www.urdukorner.com

"کیا تمہارے خیال میں مجھے اس کی ضرورت ہے؟"

"اگر پہلے نہیں تھی تو اب ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ آپ ہماری جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور یہ اخوان کی ضرورت ہے۔"

ابن حرب کو اچانک خیال آیا کہ شراب کے متعلق قرامطہ کا عقیدہ مختلف ہے جس پر اعتراض واجب نہیں۔ سلیمان بن عامر نے جو جماعت کا سب سے اہم داعی امر نقیب تھا آج ہی شراب اور لونڈی کے بارے میں کچھ نشہ بات کی تھیں اور جماعت کا عقیدہ واضح کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کا امتحان لیا جا رہا ہو کیوں کہ کسی عقیدے کا لفظی اقرار کافی نہیں ہوتا اس پر عمل ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جماعت اور تحریک سے جو توقعات وابستہ کر لی تھیں سلیمان نے اس کی نصرت و کامیابی کے لیے جو میدان تیار کیا تھا اور سبز پوش آقا حسین نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ اس بازی میں ہار دینا مناسب نہ تھا۔ پھر شیشہ و جام کی کھنک تو امراء و رؤساء کے قصروں میں بھی سنائی دیتی تھی۔ دمشق، بغداد، فسطاط اور قطائع کے محلوں میں نغمے کی تان بھی اٹھتی تھی۔ اسے سلیمان بن عامر کا، آقا حسین کا، جماعت کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔ مسکراتا ہوا سلامہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم ساقیہ بنو گی؟"

"آپ کی خوشی کے لیے۔"

دونوں مسند پر آ بیٹھے۔ سلامہ نے صراحی اٹھائی، انگوری شراب پیالے میں ڈالی اور پیالہ اس کی طرف بڑھا دیا، ساتھ ہی پیالے میں مسکراہٹ گھول دی۔ "فلسطین کی کشید ہے۔"

شراب تلخ تھی مگر اس نے چہرے سے تلخی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ایک بہادر، جنگجو اور بے رحم آدمی کے لیے جو تلواروں کے زخم کھا کر بھی دشمن کو تہ تیغ کر دینے سے باز نہیں آتا تھا۔ شراب کی کاٹ یا تلخی کا اظہار اس کی شخصیت کے منافی تھا۔ جرعہ جرعہ کر کے چند لمحوں میں پیالہ خالی کیا تو پتا چلا، شراب صرف تلخ نہیں، زود اثر بھی ہے۔ ایک ہی پیالے سے اس کا جوان لہو گرم ہونے لگا۔

دوسرے پیالے کے بعد محسوس ہوا کہ کشیدۂ فلسطین حواس پر غالب آنے لگی ہے تو اپنی قوت ارادی سے نشے کی لہر کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی اور اچانک سلامہ سے سوال کیا۔ "تمہیں کبھی آقا حسین کی خدمت کا موقع ملا ہے؟"

تیکھی سلامہ نے بے دھڑک جواب دیا۔ "کئی بار۔ رات وہیں تھے اور میں رات بھی ان کی خدمت میں تھی۔"

جواب سن کر ابن حرب کا نشہ اڑ گیا۔ اسے ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ اتنی صاف گوئی سے کام لے گی مگر اتنا تو جانتا تھا کہ رات اس نے پیالہ و صراحی سے شیخ کی خدمت نہیں کی تھی، اور اس کے سوال کا اصل مقصد یہ تھا کہ کیا ان کبھی آقا حسین کی ساقیہ بنی ہے؟ اس نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔ "میرا مطلب صراحی کی خدمت سے ہے؟"

سلامہ نے بھی واضح جواب دیا۔ "آقا حسین کبھی کبھار آتے ہیں لیکن جب ایک دو راتیں قیام کرتے ہیں تو مجھے صراحی سے بھی خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ مجھ پر مہربان اور مجھے اکثر اپنی خدمت کا موقع دیتے ہیں۔"

مارے حیرت کے ابن حرب کی آنکھیں کھل گئیں۔ سلامہ کی صاف گوئی اسے شدید دھچکے دے رہی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے، سلیمان نے تمہیں صرف آقا حسین کی خدمت کے لیے مخصوص کر رکھا ہے اور تمہیں بھی ان سے گہری عقیدت ہے؟"

"یہ درست ہے۔ وہ میرے روحانی آقا ہیں اور ان کی خدمت کر کے مجھے دلی سکون ملتا ہے لیکن اب مالک نے مجھے آپ کی خدمت کا موقع دیا ہے۔"

اس کی صاف گوئی کے پیش نظر ابن حرب کو بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی۔ "لیکن ہے یہ بات آقا حسین کو ناپسند ہو کیوں کہ تم ان کی پسندیدہ کنیز ہو۔"

سلامہ نے تیسرا پیالہ بھی پیش کیا اور جواب بھی دیا۔ "اگر آقا حسین کی مرضی نہ ہوتی تو مالک مجھے آپ کی خدمت پر مامور نہ کرتے۔"

اب کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ ابن حرب کے ذہن میں جسم میں نشے کی لہر حرکت کر رہی تھی اور تیکھی سلامہ کی قربت اسے از خود رفتہ کیے دیتی تھی۔ بعض راتیں ایسی ہوتی ہیں جو زندگی میں کبھی کبھی آتی اور جب گزر جاتی ہیں تو انسان ساری عمر انہیں تلاش کرتا رہتا ہے لیکن ان راتوں میں سے ایک رات بھی حاصل نہیں کر سکتا کیوں کہ گزرے لمحے لوٹ کر نہیں آتے اور بیتی خوشیاں پلٹ کر نہیں دیکھتیں۔

عیش کی کارواں سرائے کی وہ رات بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔ جب عمر ابن حرب ایک حسین امتحان سے گزر رہا تھا اور سلیمان نے اس کے لیے نئی راہیں ہموار کر دی تھیں۔

www.urdukorner.com

گویا اُس کا امتحان لے رہا تھا کہ جماعت کے عقیدے اور مسلک کا اقرار صرف زبان سے کرتا ہے یا اُس پر کاربند بھی ہوتا ہے۔ اُسے بہرحال امتحان میں پورا اترنا تھا۔ بازی چلنی تھی جس کی بساط اُس کے سامنے بچھا دی گئی تھی اور وہی کچھ کرنا تھا جو سلیمان بن عامر چاہتا تھا۔

وہ نشے کی لہر کو اپنے حواس پر غالب آنے سے روک رہا تھا کیوں کہ مخمور اور مغلوب ہونا نہ چاہتا تھا لیکن سلامہ اس قدر قریب تھی کہ اُس کے حسین اور پرکشش سراپا سے انکار ممکن نہ تھا جو آقا حسین کے بعد صرف اُس کی خدمت پر مامور کی گئی تھی۔ اچانک ذہن میں ایک خیال اُڑتا ہوا آیا اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "میرے ذہن میں ایک سوال ہے جو کسی اور سے نہیں کر سکتا، صرف تم سے کر سکتا ہوں۔"

"کیا سوال ہے؟"

"پہلے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرو کہ صحیح جواب دو گی۔"

سلامہ نے کسی تذبذب کے بغیر اپنا خوب صورت، نرم، ملائم ہاتھ اُس کے سخت ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔ "اگر میں آپ سے جھوٹ بولوں تو آقا حسین سے جھوٹ بولوں۔"

وہ آقا حسین سے بے پناہ عقیدت رکھتی تھی۔ اقرار بھی اسی نام پر کیا۔ ابن حرب کا سوال بھی آقا حسین ہی کے بارے میں تھا۔ "آقا حسین ہر وقت اپنا آدھا چہرہ چھپائے رکھتے ہیں۔ شاید آج تک کسی نے اُن کا پورا چہرہ نہیں دیکھا مگر تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔"

"سلامہ نے اعتراف کیا۔ "بے شک مجھے اُن کا پورا چہرہ دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔"

"وہ آدھا چہرہ چھپا کر کیوں رکھتے ہیں؟"

"اُن کے نصف چہرے پر ایک داغ ہے۔"

"کسی ڈنبل وغیرہ کا داغ ہے یا تلوار کا زخم؟"

"نہیں، داغ قدرتی اور ہلال نما ہے اور اُن کی امامت کا نشان ہے۔"[1]

---

[1] حسین قرمطی کے چہرے پر داغ تھا جسے لوگوں سے ڈھانپے رکھتا اور اُسے اپنی صداقت کا نشان قرار دیتا تھا۔ (علامہ جلال الدین سیوطی، ابن خلدون، ابن اثیر)

ابن حرب کا تجسس بڑھا۔ "امامت کا اختیار تو اُن کے بڑے بھائی ابوالقاسم امام یحییٰ کو ہے۔"

"آقا حسین کو بھی ہے۔" سلامہ نے وضاحت کی۔ "اُن کے والد شیخ ذکرویہ نے دونوں بھائیوں کو امام مقرر کیا ہے۔ امام یحییٰ کی زندگی میں آقا حسین اُن کے نائب اور مددگار رہیں گے لیکن اُن کے بعد آقا حسین ہی امامت کے منصب پر فائز ہوں گے۔ شیخ ذکرویہ نے کہا ہے کہ چہرے کا داغ اُن کی امامت اور صداقت کا نشان ہے۔"

یہ انکشاف حیرت انگیز تھا۔ تعجب سے پوچھا۔ "پھر وہ لوگوں سے داغ کیوں چھپاتے ہیں؟"

"جب امامت پر فائز ہوں گے، لوگوں کو اپنا پورا چہرہ دکھائیں گے۔ وہ داغ اُن کی کامیابیوں کی علامت ہے۔ اُن کے لشکر اس طرح تیزی سے حرکت کریں گے جیسے پانیوں سے بھرے ہوئے بادلوں کے حاشیوں پر بجلیاں لپکتی ہیں۔ اُن کی قیادت میں بڑی فتوحات حاصل ہوں گی۔"

اُس نے ابھی تک ابن حرب کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑایا نہ تھا بلکہ اُس کا ہاتھ بڑی لگن سے تھام لیا اور کہنے لگی۔ "جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ آقا حسین سے وابستگی کا دم بھرتے ہیں تو میں آپ کو خوش نصیب سمجھنے لگی۔ پھر یہ بات سن کر تو بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ جماعت کے لیے معرکے سر کریں گے اور آقا حسین آپ کے جنگی تجربوں کی وجہ سے آپ کو سالارِ لشکر بنائیں گے۔"

"سالارِ لشکر؟"

"ہاں، میں نے یہی سُنا ہے اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔"

وہ سمجھ گیا، یہ ساری باتیں اُسے سلیمان نے بتائی ہوں گی جو اُس کے لیے جنگ کا میدان تیار کر رہا ہے۔ خود بھی سن چکا تھا کہ اگر سلطان خمارویہ، معتمد کے قصاص پر تیار نہ ہوا تو ابن حرب طوائف شہزادی کو اپنے ساتھ لے کر آقا حسین کے صحرائی خیموں میں پہنچ جائے۔ وہ اُسے لشکر فراہم کرے گا۔ یہ سب کچھ مستقبل میں ہونے والا تھا یا نہیں لیکن سلامہ ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار اور یقین رکھتی تھی کہ جو کچھ آقا حسین نے کہہ دیا ہے، اُسی طرح ہوگا۔

www.urdukorner.com

سلامہ پر کچھ اور قریب آ گئی تھی۔ اُس کی باتیں شراب سے زیادہ نشہ دے رہی تھیں۔ وہ کبھی اُس کا ہاتھ پکڑتی، کبھی بازوؤں کو تھام لیتی، جیسے اُس کے بازوؤں کی قوت کا جائزہ لے رہی ہو۔ اچانک کہنے لگی۔ "آپ کا جسم سخت ہے، سینہ کشادہ ہے، بازو مضبوط اور ہاتھ طاقت ور ہیں۔ یہ ہاتھ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتاریں گے، جاہ و حشمت کے لیے فتوحات حاصل کریں گے۔ آقا حسین کا پرچم قلعوں پر گاڑ دیں گے اور غاصبوں کے سر فصیلوں پر لٹکائیں گے۔"

سلامہ کی آواز کسی انجانے جوش اور جذبے سے مرتعش ہو گئی۔ دیوانی بے شک نہ تھی مگر اُس کی باتوں پر دیوانگی کا گمان ہوتا تھا۔ وہ دیوانگی آقا حسین سے گہری عقیدت اور وابستگی کا نتیجہ تھی۔ اُس نے جو کچھ کہا، اُس میں بناوٹ نہ تھی، کوئی مبالغہ نہ تھا۔ وہ اُس کے دل کی یا روح کی آواز تھی جیسے اُس کی زبان سے کوئی اور بول رہا ہو۔ جو کچھ کہہ رہی تھی، اُس پر یقین رکھتی اور سمجھتی تھی کہ جو کچھ کہہ دیا ہے، سب کچھ اُسی طرح ظہور میں آئے گا۔ کیوں کہ یہی آقا حسین کی مرضی ہے۔ وہ اُس مرضی کا سایہ ابن حرب کے وجود پر ڈال رہی یا اُس کا عکس اُس کے کشادہ سینے اور مضبوط بازوؤں میں دیکھ رہی تھی بلکہ اُس کی وارفتگی سے گمان ہونے لگا کہ ابن حرب کے جسم میں اپنے آقا حسین کا روپ دیکھ رہی ہے، جیسے سبز آقا کی روح اُس کے طاقتور جسم میں حلول کر گئی ہو اور کل رات کی طرح آج رات بھی اُسی کی خدمت میں ہو۔ یہ خدمت اُس کے فرض کا حصہ تھی۔

[illegible] ایک رات نے عریش کے شہر کو اپنی کالی چادر میں لپیٹ لیا تھا اور کارواں سرائے کے کمرے میں ابن حرب فلسطینی شراب کے سرور اور مصری کنیز کے نئے خیالوں اور عمادی جذبوں [illegible] وہ ایک امتحان کی رات تھی۔ الف لیلہ کی طلسمی راتوں کی طرح سحر و خیال کی رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی رات۔ اگرچہ عیش کے لمحے مختصر ہوتے ہیں مگر "امتحان کی وہ رات" پندرہ دنوں اور پندرہ راتوں پر محیط تھی۔

★

۴۸۰ ہجری کا ربیع الاوّل گزر گیا۔ ربیع الثانی کے چاند نے آسمان کو روشن اور کائنات کو منور کر دیا تھا۔ چاندنی نخلستانوں اور میدانوں میں کھیلتی اور اُس کا غبار

راستوں پر بکھرتا تھا۔ عریش کی کارواں سرائے میں مسافر آتے اور شب بسری کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے تھے مگر القطائع کے جس مسافر کا انتظار تھا، وہ ابھی تک نہ آیا تھا۔

شاہی قافلے کو گئے کئی دن گزر چکے تھے۔ اور ہر دن انتظار میں گزرا تھا۔ ہر رات طوائف شہزادی کی یاد آئی تھی۔ ابن حرب کی طرح سلیمان بن عامر کو بھی یقین تھا کہ وہ جواب ضرور بھیجے گی اور انھیں القطائع میں آنے کی دعوت دے گی۔ ایک ایک کر کے پندرہ راتیں بیت گئیں۔ پندرہ دن گزر گئے لیکن ابھی پندرھویں دن کا سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ فسطاط کی طرف جانے والے راستے پر گرد اُڑتی نظر آئی اور غبار میں ایک سانڈنی سوار کا ہیولا دکھائی دیا جو عریش کی جانب اُڑا آتا تھا۔

سلیمان بن عامر نے دور ہی سے پہچان لیا کہ وہ القطائع کا قاصد ہے۔ القطائع کے قاصد تیز رفتار سانڈنیوں پر سفر کرتے اور اپنے لباس سے پہچانے جاتے تھے۔ آنے والا طوائف شہزادی ہی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ سلیمان بن عامر اور ابن حرب کے چہرے مسرت سے کھل اُٹھے۔ انھوں نے سرائے کے خاص کمرے میں قاصد سے ملاقات کی مگر شہزادی کا جواب اور پیغام حیران کر دینے والا تھا۔

قاصد نے بتایا۔ "شام و فلسطین کے سفر سے واپسی پر شاہی مہمانوں کی سلطان معظم سے ایک رسمی اور سرسری سی ملاقات ہوئی تھی جس کے بعد شہزادہ شیبان کو خاص طور سے سلطانی بارگاہ میں طلب کیا گیا اور صرف ایک دن کے آرام کی مہلت دے کر مغربی سرحد کی دیکھ بھال اور قیروان کی افریقی حکومت کے خلاف شورش و بغاوت کی صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ سلطان کا خیال ہے کہ مہدوی تحریک کے پرچم تلے برابر قبائل مصر کا رُخ کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اسکندریہ کے گورنر کو حکم دیا گیا کہ وہ مشرق اور مغرب کے درمیان خشکی کا راستہ بند کر دے۔ تجارتی قافلے بھی حکومت کی خصوصی اجازت کے بغیر قیروان سے آ جا نہیں سکتے۔"

یہ اطلاع اگرچہ سلیمان کے مطلب کی لیکن بڑی حیرت انگیز تھی کہ شہزادہ شیبان فوری طور پر مغربی سرحد پر بھیج دیا گیا ہے۔ اس نے سوچا۔ ان حالات میں شیبان غالباً سلطان کو بغداد میں رونما ہونے والے حالات سے بھی آگاہ نہ کر سکا ہوگا۔ قاصد سے دریافت

www.urdukorner.com

Cell: 0345-5048634 . 0345-5048239
Prop: Ali Khan

کیا سلطان قیروان کے معاملے میں مداخلت کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"سلطانِ معظم کو بنو اغلب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ وہ صرف اس خطرے کی پیش بندی چاہتے ہیں کہ مہدوی تحریک کہیں مصر کا رُخ نہ کرے۔"

سلیمان کو خیال آیا، اگر شہزادہ شیبان سلطان کو بغداد کے حالات سے آگاہ نہیں کر سکا تو ضرور شہزادی نجم الیمن نے یہ فرض ادا کر دیا ہوگا لیکن قاصد کا جواب پریشان کن تھا کیوں کہ سرسری سی رسمی ملاقات کے بعد وہ بھی سلطان سے ملاقات نہ کر سکی تھی۔ قاصد نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ نے کئی بار سلطان سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ آج کل خواتین سے ملاقات نہیں کرتے اور زیادہ تر وقت اپنے قصر میں گزارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک شہزادی صاحبہ کو ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔"

اس مایوس کن اور افسوس ناک اطلاع کے بعد قاصد نے ایک اُمید افزا صورت بھی بیان کی اور بتایا۔ "شہزادی صاحبہ نے سرسری ملاقات ہی میں سلطان کو معزول خلیفہ معتمد کی ہلاکت سے آگاہ کر دیا تھا۔ سلطان نے شہزادی کی بات پوری توجہ سے سُنی اور ان کے طولونی جذبے پر تحسین کی تھی مگر معتمد کے معاملے میں مزید گفتگو نہیں ہو سکی۔"

اس سے طولونی شہزادی کے جذبے اور مقصد کی بے چینی کا اظہار ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے سلیمان بن عامر کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ اپنے دوست کو ساتھ لے کر خود فسطاط آئے اُس کی آمد پر وہ سلطان سے خصوصی ملاقات کی درخواست کرے گی اور اُسے توقع ہے کہ سلیمان کے حوالے سے ملاقات یقینی ہوگی کیوں کہ سلطان عریش کی کارواں سرائے کے مالک سے ملنا پسند کریں گے۔

معاملے کی یہ صورت اگرچہ کچھ مختلف تھی تاہم اس میں بھی شہزادی نجم سلطان پر زور ڈال سکتی تھی کہ وہ معتمد کے خون کا قصاص طلب کرے۔ سلیمان کے نزدیک ضروری تھا کہ اُس کی توجہ مغرب سے ہٹا کر مشرق کی جانب مبذول کرائی جائے اور مہدوی تحریک شمالی افریقہ میں اپنے مقصد کی طرف بڑھتی رہے۔

اُس نے طولونی شہزادی کی دعوت پر فسطاط جانے کا فیصلہ کر لیا اور ابنِ حرب سے کہا کہ وہ سفر کی تیاری کرے۔

★

تیسری صدی کے آخری ربع میں حالات نے ایک اور کروٹ لی تھی۔ وقت کے زبردست ہاتھ نے تاریخ کا ایک نیا باب کھولا اور شمالی افریقہ میں قیروان کی اغلبی حکومت کے خلاف مہدوی تحریک کا اتحاد اسلامی دنیا میں کشمکش اور تبدیلی کا ایک نیا پیغام لے کر آیا تھا۔

سلیمان بن عامر کے نزدیک یہ تبدیلی ضروری تھی اور وقت آگیا تھا کہ اب مصر کی طولونی حکومت کو بغداد سے اُلجھا دیا جائے اور دو طاقت ور حریفوں کو باہم لڑا کر کمزور کر دیا جائے تاکہ افریقہ کی طرح جب ایشیا کے میدانوں میں بھی عباسیہ کے سیاہ پرچموں کے مقابلے میں سبز علم بلند ہوں، تو کوئی طاقت ان علموں کو شہروں اور قلعوں پر لہرانے سے روک نہ سکے۔

۱۵ ربیع الثانی کو سلیمان بن عامر اپنے دوست کو لے کر انفطائع کے قاصد کے ہمراہ عریش سے نکلا اور فسطاط کی جانب روانہ ہو گیا۔ قاصد کی طرح وہ بھی تیز رفتار سانڈنی پر سفر کرتا تھا لیکن ابنِ حرب اپنے گھوڑے پر سوار تھا جو اُسے بادیۂ شام جیسے ہولناک صحرا سے نکال لایا اور کئی روز مسلسل آرام کر چکا تھا۔ انھیں میدانِ تیہ اور صحرائے سینائی کی پٹی سے گزرنا اور القنطرہ کی طرف سفر کرنا تھا۔

مصر کا مشرقی علاقہ جزیرہ نما سینائی، جسے خلیج عقبہ عرب سے الگ کرتی ہے، اگرچہ صحرا اور پہاڑیوں پر مشتمل ہے لیکن بادیۂ شام یا ربع الخالی کی طرح یہ کوئی ہولناک صحرا نہیں شمالی پٹی کا راستہ کہیں ریگستان، کہیں پہاڑیوں اور کہیں چٹیل میدانوں سے گزرتا تھا۔ عریش سے آگے واردہ، بلقارہ اور قرمہ کی بستیاں تھیں۔ اسی علاقے میں تل العجول کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے جو کسی زمانے میں ایک بہت بڑا تہذیبی اور ثقافتی مرکز تھا۔ مصر اور شام و فلسطین کے درمیان فوجی اور تجارتی قافلے اسی شاہراہ پر سفر کرتے تھے۔

اُن کی پہلی منزل القنطرہ تھی۔ دوسرا پڑاؤ پلوسیم سے آگے اُس مقام پر ہوا جہاں سے ایک راستہ شمال مغرب کی جانب اسکندریہ کو اور دوسرا جنوب کی طرف فسطاط کو جاتا تھا۔ تیسرے روز وہ جبلِ مقطم کا کوہستانی حلقہ عبور کر کے فسطاط پہنچ گئے اور باب النصر سے اُس کی عظیم شہر پناہ میں داخل ہوئے۔

فسطاط جبلِ مقطم اور دریائے نیل کے درمیان واقع اور دُور دُور تک پھیل گیا

www.urdukorner.com

تھا۔ عین الشمس اُس کے شمال مشرقی مضافات میں شامل ہونے لگا تھا۔

اس عظیم شہر کی بنیاد عہدِ فاروقی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ نے رکھی۔ اس وقت وہاں قصر الشمع کے نام سے ایک شہر اور قلعہ تھا جس میں رومی سپاہ رہتی تھیں۔ قصر الشمع کی فتح کے بعد جب لشکرِ اسلام نے مصر کے پایۂ تخت اسکندریہ کی طرف کوچ کیا تو پتا چلا سپہ سالار کے خیمے میں جسے چھوڑ کر وہ قصر الشمع کی طرف چلے گئے تھے۔ کبوتری نے گھونسلا بنا لیا اور انڈے دے رکھے ہیں۔ عمرو بن عاصؓ نے حکم دیا اُن کا خیمہ نہ اکھاڑا جائے اور کہا "میں یہ خیمہ اسے تحفے میں دیتا ہوں۔"

خیمے کو جوں کا توں چھوڑ کر وہ اسکندریہ روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد اُسے فتح کر کے پھر قصر الشمع کی طرف لوٹے تو اُس میدان میں جہاں خیمہ چھوڑا تھا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی اجازت سے ایک شہر آباد کیا جس کا نام خیمے کی رعایت سے فسطاط رکھا کہ عربی میں خیمے کو فسطاط کہتے ہیں۔ عمرو بن عاصؓ نے شہر کی تعمیر کے وقت عرب قبائل کے لیے الگ الگ قطعے مخصوص کیے جن کی آبادیاں اُن قبائل کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس کے قریب ہی دارالامارت بنوایا۔ مسجد کا ایک دروازہ دارالامارت کی جانب کھلتا تھا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی۔ بعد ازاں اسکندریہ کی بجائے یہی شہر مصر کا پایۂ تخت بن گیا۔

علامہ مقریزی نے اپنی تاریخ اور علامہ بشاری نے اپنے جغرافیے میں فسطاط کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ بشاری اسے "ناسخ بغداد" قرار دیتے ہیں۔

علامہ مقریزی نے "معجم البلدان" میں تصریح کی ہے کہ فسطاط دریائے نیل کے مشرقی کنارے آباد ہوا لیکن اُس کے بالمقابل مغربی ساحل پر جیزہ کی چھوٹی سی آبادی اہرام کی جانب واقع تھی۔ اسی نسبت سے دریائے نیل کی مغربی جانب واقع اہرام کو آج بھی "جیزہ کے اہرام" کہا جاتا ہے۔

اسکندریہ سے واپسی کے بعد عمرو بن عاصؓ نے دفاعی نقطۂ نظر سے ایک جیش جیزہ

ـــ الفاروق۔ از شبلی نعمانی

میں بھیج دیا جو عمر، ازد اور ہمدان کے قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ۲۱ ہجری میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا لیکن وہاں مقیم قبائل نے قلعے میں رہائش پسند نہ کی اور الگ محلے آباد کر لیے جن سے شہر کی آبادی بڑھ گئی۔ اُموی اور عباسی دور میں فسطاط کے ساتھ جیزہ کی رونق میں اضافہ ہوتا رہا۔ دونوں شہروں کے درمیان نیل حائل تھا۔ نیل میں جہاز رانی ہوتی اور دونوں آبادیوں میں کشتیوں کے ذریعے آمد و رفت رہتی تھی۔

منذر ابن حرب اس شہر حسین میں دوسری بار آیا تھا۔ پہلی بار جنگی قیدی کی حیثیت سے چند ماہ شہزادہ شیبان کی قید میں گزرے تھے لیکن اس مرتبہ وہ نہ صرف آزاد بلکہ طولونی شہزادی کے محبوب کی حیثیت سے فسطاط میں داخل ہوا، جو القطائع کے ایک شاہی قصر میں اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہوتے ہی سلیمان بن عامر نے قاصد کو القطائع کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ طولونی خاتون کو اُن کے آنے کی اطلاع دے سکے اور خود ابن حرب کے ساتھ سوق الخیل کی جانب ہو لیا۔ سرائے کے افسر محصول داری ابو نصر یاقوت کی حویلی اسی بازار میں تھی۔

سوق الخیل شہر کی جانب اور قلعے کی فصیل کے نیچے واقع تھا۔ یہ دراصل شاہی رسالے کے گھوڑوں اور اُن سے متعلق جملہ ساز و سامان کا بازار تھا جہاں نعل بندی سے لے کر زین سازی تک کی دکانیں تھیں۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اُن کے تاجروں کے ٹھکانے بھی یہیں تھے۔ اُمرا و رؤسا کے علاوہ گھوڑوں کے شوقین اور خریدار بھی سوق الخیل میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ قلعہ قریب ہونے کی وجہ سے جہاں ترکوں، عربوں، مصریوں، سوڈانیوں اور اتھوپیا کے حبشیوں کی ملی جلی فوج رہتی تھی، یہ بازار بڑا پُر رونق اور کئی دل چسپیوں کا مرکز تھا۔

سلطان خمارویہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اعلیٰ درجے کے سواروں کو بڑی اہمیت دیتا اور اُن کا خاص خیال رکھتا تھا۔ مصری رسالے کے تیز رفتار گھوڑوں اور دھاوا کرنے والے سواروں کو برقہ کی سرحد سے لے کر شام، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کی سرحدوں تک طولونی مملکت کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔ ۲۷۲ ہجری میں خمارویہ نے اسی مصری رسالے کے بل بوتے رملہ کی نہر طواحین پر ہونے والی جنگ جیتی اور ۲۷۶ ہجری میں اسی کی قوت اور یلغار سے ارمنی فوج کو شام کی سرحد پر شکست دی تھی۔

سوق الخیل میں ابو نصر یاقوت کی حویلی جو عریش کی کارواں سرائے میں دوہری خدمات

www.urdukorner.com

سرانجام دیتا تھا، چند سال سے سلیمان بن عامر ہی کے تصرف میں چلی آتی اور پُراسرار سرگرمیوں کا حلقہ بن گئی تھی۔ دوسرے تیسرے مہینے وہ جب بھی فسطاط آتا، حویلی میں پُراسرار آدمیوں کی آمدورفت شروع ہو جاتی اور خفیہ مجلس لگتی تھی۔ وہ خود طولونی محکمۂ کارِ خاص کے لیے جس کی نگرانی شہزادہ شیبان کے سپرد تھی۔ بڑا اہم آدمی تھا۔ اُس کے ذریعے طولونی حکومت کو حیرت انگیز معلومات ملتی رہتی تھیں۔ شاید اسی لیے سُوق الخیل میں اُس کی پوشیدہ سرگرمیوں پر بھی مصلحت کا پردہ پڑا رہتا تھا۔

حویلی میں اُس کا مصری کارندہ سلار، اپنی بیوی کے ساتھ رہتا اور فسطاط میں ضروری امور سرانجام دیتا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ لپک کر آگے بڑھا اور سانڈنی کی نکیل پکڑ کر شتر خانے کی طرف لے گیا۔ سلیمان اور ابن حرب اُس کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوئے۔ گھوڑے کو تھان پر باندھ کر وہ انھیں بڑے کمرے میں لے آیا۔ حویلی مردانہ اور زنانہ حصوں میں منقسم تھی۔ مردانے میں حمام بھی تھا۔ سقاوے میں پانی بھر کر سلار زنان خانے میں چلا گیا تاکہ مہمانوں کے لیے طعام کا بندوبست کر سکے۔

ابھی وہ نہا دھو کر کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ الفطائع کا وہی قاصد جو عریش میں پیغام لے کر گیا تھا، سُوق الخیل کی حویلی میں پہنچ گیا۔ اب کے وہ طولونی شہزادی کی طرف سے دعوت کا بلاوا لے کر آیا۔ نجم اللیل نے سرائے دار اور اُس کے دوست کو دوسرے روز دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ابن حرب کے معاملے میں دلچسپی رکھتی ہے۔

اب شہزادی نجم اللیل ہی سلطان سے ملاقات کا ذریعہ تھی اور ملاقات کا یہ ذریعہ زیادہ معتبر اور مفید تھا۔

(۱۶)

گفتگو

○

دوسرے روز وہ دوپہر سے پہلے ہی الفطائع کی طرف چل دیا۔ ابن حرب ساتھ تھا۔ الفطائع[1] فسطاط کی نئی آبادی اور امرا و رؤسا کے مرتبہ و منصب کے مطابق مختلف قطعات میں تقسیم تھی۔ خاندان طولون کا قطعہ جہاں شہزادوں اور شہزادیوں کے عالی شان قصر ترکستان و عراق کے فنِ تعمیر کا حسین امتزاج پیش کرتے تھے اور جس میں شہزادی نجم اللیل کا بھی الگ خوبصورت قصر تھا، شاہی محلات کی فصیل سے زیادہ دور نہ تھا۔ مختلف حلقوں اور قطعوں سے گزرتے ہوئے جب وہ قصرِ نجم کے دروازے پر پہنچے تو حبشی غلام فوراً اطلاع کے لیے اندر چلا گیا اور لوٹ کر آیا تو بتانے لگا کہ وہ شہزادی کی خاص کنیز عنبر کو اطلاع دے آیا ہے

---

[1] یہ نئی آبادی مختلف حلقوں اور قطعوں میں بٹی ہوئی تھی۔ احمد بن طولون نے منصب دار امرا میں قطعے تقسیم کیے تھے جن پر عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اسی لیے "الفطائع" کہلاتی ایک قطعہ محض بیماروں کے لیے شفاخانوں پر مشتمل تھا۔ ابن طولون نے اس علاقے میں جو جامع مسجد تعمیر کرائی، وہ سامرہ کے فنِ تعمیر کا نمونہ اور اس کا مینار اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ یہ "مسجد ابن طولون" کے نام سے آج بھی شہرت رکھتی ہے۔ بغداد میں بھی ایسی آبادیوں کے حلقے اور قطعے تھے جن میں "قطیعۂ زبیدہ بنت جعفر بن منصور" مشہور ہے۔ (معجم البلدان، تاریخ الکامل، النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ)

www.urdukorner.com

تھوڑی دیر میں سوڈانی کنیز، جو شام و فلسطین کے سفر میں شہزادی کے ساتھ تھی اور جسے ابن حرب عریش کی کارواں سرائے میں دیکھ چکا تھا، دروازے کی طرف آتی دکھائی دی۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ اُس کا نام عنبر ہے۔ عنبر کا رنگ سانولا تھا مگر نقش دلنگار دل کش تھے، آنکھیں موٹی تھیں اور سانولے رنگ میں بھی جوانی کی بھڑک چمک دل آویز تھی۔ اُس نے آتے ہی مہمانوں کو سوڈانی لہجے میں "اہلاً و سہلاً" کہا اور بڑی نیاز مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

طولونی شہزادی کا قصر بڑا وسیع، بہت عالی شان اور بخارا کے ترکستانی فنِ تعمیر کے ساتھ ساتھ عرب فنِ تعمیر کی جھلک بھی پیش کرتا تھا۔ غلام گردشوں کی محرابیں، بغداد اور سامرہ کے محلات کی محرابوں کا نمونہ تھیں۔ کنیز پھولوں کی کیاریوں اور سرو و صنوبر سے آراستہ صحن عبور کر کے اور ایک طویل غلام گردش سے گزر کر مہمانوں کو ملاقات کے کمرے میں لے آئی جہاں طولونی شہزادی اُن کی منتظر تھی مگر اب جسم پر برقع اور چہرے پر نقاب نہ تھا جیسے ابن حرب نے عریش میں اُسے دیکھا تھا بلکہ خوب صورت ترکستانی کُرتے، پشواز اور نخلیں صدری میں وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت، جوان اور سرو قد نظر آتی تھی۔

سلیمان بن عامر کی بجائے اُس کی پہلی نظر ابن حرب پر پڑی اور دیکھتے ہی لمبی غلافی آنکھیں، جن کے گلابی ڈورے اُن کی خوب صورتی اور سحر آفرینی میں اضافہ کر رہے تھے۔ مسکرانے اور بولنے لگیں۔ سرائے دار نے ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ وہ اُس کے دوست کے لیے بے چین ہی نہیں بلکہ نظروں ہی نظروں میں اُس پر قربان ہوئی جا رہی ہے۔ سلیمان کے نقطۂ نظر سے یہ وابستگی اور وارفتگی منصوبے کی کامیابی کے لیے ضروری تھی۔

کمرا مخملی راکے قالینوں، زربفت کے پردوں، آبنوس کی منقش تپائیوں، چاندی کے گلدانوں جن میں رنگ رنگ کے پھول سجے تھے۔ زرّیں فانوس اور قیمتی سموروں سے آراستہ تھا۔ سرائے دار نے کمرے کے سامان آرائش کو اور ابن حرب نے صرف شہزادی کو دیکھا دونوں کی نظریں بجلی سے بھرے ہوئے بادلوں کی طرح ٹکرائیں اور دلوں میں کڑاکے ہوئے مگر اُن کی آواز کوئی نہ سُن سکا۔ نجم نے آراستہ مسند کی طرف اشارہ کیا تو ابن حرب مسند پر بیٹھنے کی بجائے بالکل اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ طولونی شہزادی نے مسکرا کر دیکھا اور پوچھا "کیف حالک؟" (تمہارا کیا حال ہے؟)

اُس نے اپنی کیفیت بیان کی۔ "اَلْآنَ مَا کَانَ" (وہی جو پہلے تھا)

نجم اسمٰعیل نے تعجب کا اظہار کیا۔ "تمھارا حال پہلے سے تبدیل ہونا چاہیے تھا!"

ابن حرب کی بجائے جواب سرائے دار نے دیا۔ "بنتِ عم! حال اُسی وقت تبدیل ہو گا جب آپ میرے دوست پر توجہ دیں گی۔"

"ہم تو پوری توجہ دے رہے ہیں۔"

"اگر آپ نے پوری توجہ دی ہوتی تو سلطان سے ابن حرب کی سفارش کرتیں۔"

"ہم دل سے چاہتے ہیں کہ تمھارے دوست کی بھرپور سفارش کریں لیکن اتفاق ہیں اگر سلطانِ معظم سے ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔"

وہ دونوں غالباً اسی لیے کھڑے تھے کہ اُن کی میزبان کھڑی تھی۔ شہزادی نے یہ بات فوراً محسوس کی اور ایک آراستہ مسند پر بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھتے ہی دونوں نے سامنے والی مسند سنبھالی اور وہ بتانے لگی۔ "سلطان آج کل خاندان کے لوگوں سے بھی کم ملتے ہیں۔ عریش سے آکر دو تین بار ملاقات کی درخواست بھیجی مگر یہی جواب ملا کہ وہ مصروف ہیں۔ ہم نے آج ہی رضوان کے ذریعے اُن سے ملاقات کی درخواست کی ہے۔ یہ بھی کہلوا دیا ہے کہ تم اپنے دوست کے ہمراہ عریش سے آئے اور ایک ضروری معاملے میں گفتگو کرنا چاہتے ہو۔"

"پھر کیا جواب ملا؟"

"ابھی رضوان جواب لے کر نہیں آیا۔"

سلیمان بن عامر کا ذہن کہیں اُلجھنے لگا۔ "رضوان" ایک نیا نام تھا جس کے ذریعے طولونی شہزادی اپنے حکمران بھائی سے ملاقات کی درخواست کر رہی تھی۔ آخر پوچھ ہی لیا۔ "یہ رضوان کون ہے؟"

"سلطانِ معظم کا نیا ترک غلام۔ ابھی خدمت میں آئے صرف چند مہینے ہوئے ہیں۔"

"پھر تو شاید اُسے بھی حاضری کی اجازت نہ مل سکے۔"

"رضوان، انھیں بہت عزیز ہے۔ اُسے حاضری سے نہیں روکتے۔ آج کل تو بیگمات بھی اُسی کے ذریعے سلطان سے کوئی فرمائش کرتی یا پیغام بھیجتی ہیں۔"

سلیمان کو اس بات پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ حسین غلام اور ندیم خماسویہ کی کمزوری بن گئے

www.urdukorner.com

تھے۔ اسی لمحے سوڈانی کنیز عنبر نے اطلاع دی کہ کھانا لگا دیا گیا ہے۔ شہزادی اپنے مہمانوں کے ساتھ طعام گاہ میں آئی۔ دسترخوان پر صرف وہی تینوں تھے۔ عنبر کے ساتھ ایک اور کنیز خدمت کے لیے موجود تھی۔ کھانے کے ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ سلیمان نے شہزادی کو توجہ دلائی "پہلے تو سلطان آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ملاقات کے لیے کسی وسیلے اور ذریعے کی ضرورت نہ تھی۔"

"ہمارا خیال تو وہ آج بھی بہت رکھتے ہیں۔"

"پھر اُن سے ملاقات کیوں نہ ہو سکی؟"

نجم بتانے لگی۔ "ان دنوں جب وہ اپنی حرموں، بہنوں اور بھائیوں سے نہیں ملتے تو ہم سے بھی نہیں مل سکے کہ کسی کو شکایت نہ ہو۔"

ابنِ حرب نے تعجب سے پوچھا۔ "بھلا ملاقات سے کسی کو کیا شکایت ہو سکتی ہے؟"

"اگر وہ ہم سے ملاقات کرتے تو دوسرے قرابت داروں کو شکایت کا موقع ملتا کہ اُن سے تو ملتے نہیں، صرف ہم سے ملتے ہیں۔ پھر اُن کی کوئی حرم یا ہماری کوئی بہن اسی بات پر ہم سے حسد کرتی، کینہ رکھتی اور باتیں بناتی۔"

کیا طولونی خواتین معمولی باتوں پر ایک دوسری سے حسد کرتی ہیں؟"

"یہ صرف طولونی خواتین پر منحصر نہیں۔ خاندان جتنا بڑا ہوگا، حسد اور رقابت کا جذبہ بھی اُتنا ہی بڑھے گا۔ ہم سولہ بہنیں اور سترہ بھائی ہیں اور بعض اوقات معمولی باتیں بھی اختلاف کا سبب بن جاتی ہیں۔"

"تعجب ہے۔"

"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ تم نے سُنا نہیں کہ الاقارب عقارب۔ (قرابت دار بچھو کی طرح ہوتے ہیں)"

سلیمان نے شہزادی کی تائید کی۔ "یہ درست ہے۔ خاص طور پر قرابت دار عورتوں میں رقابت اور حسد کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ معمولی باتوں پر ایک دوسری کو بچھو کی طرح ڈستی رہتی ہیں۔"

"اسی لیے سلطان نے ہم سے ملاقات مناسب نہیں سمجھی۔ کوئی بھی دن آج کل کچھ پریشان ہیں۔ ہمارا خیال تھا کسی روز ہمیں طلب کریں گے۔"

ابنِ حرب نے ایک نئے اندیشے کا اظہار کیا۔ "پھر تو شاید وہ اب بھی ملاقات پر تیار نہ ہوں۔"

"نہیں۔ اب بات کچھ اور ہے۔ وہ ہماری معرفت دراصل تم لوگوں سے ملاقات کریں گے۔ تمام طولونی خواتین جانتی ہیں کہ ہمارے والدِ مرحوم بھی سلیمان بن عامر کو عزیز رکھتے تھے۔ اس ملاقات پر کسی کو شکایت نہیں ہو سکتی۔"

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر کمرۂ ملاقات میں آ بیٹھے۔ عنبر دوسری مرتبہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اب وہ سلطان کے ترک غلام، رضوان کے آنے کی اطلاع دینے آئی تھی۔ شہزادی بعجلت اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ نوجوان اور خوب صورت ترک غلام کو ساتھ لے کر مسند کی طرف آئی اور جب تک وہ بیٹھ نہیں گیا، خود کھڑی رہی۔ رضوان نے بتایا۔ "سلطانِ معظم ان دنوں بہت مصروف ہیں۔ اس لیے کسی سے نہیں ملتے مگر جب میں نے مطلع کیا کہ عریش سے سلیمان بن عامر اپنے عراقی دوست کے ساتھ آئے اور شہزادی نجم اسمٰعیل انھی کے ساتھ ملنا چاہتی ہیں تو انھوں نے ملاقات کی اجازت دے دی۔"

یہ سنتے ہی شہزادی کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔ "سلطان نے ملاقات کے لیے کون سا وقت دیا ہے؟"

"حوضِ سیماب[1] کی طرف جانے سے قبل، زوال کا وقت۔"

"ملاقات کہاں ہوگی؟"

"ایوانِ تصویر[2] میں" ترک غلام نے بتایا۔ "سلطانِ معظم نے ہدایت کی ہے۔ اُن کے

---

[1] خمارویہ نے ایک حوض میں پارا بھروا دیا تھا جس کی سطح پر چرمی گدّے بچھا کر آرام کرتا۔ حوض کے اردگرد چاندی کے ستون تھے جن سے چرمی گدّوں کے ریشمی فیتے بندھے رہتے تھے۔ (ہسٹری آف سیریا۔ از فلپ کے حتی)

[2] شاہی محلات میں ایک ایوان تصویر تھا جس کی دیواروں پر اپنی حرموں، کنیزوں، مغنیوں اور حسین غلاموں کی تصویریں بنوا کر آویزاں کرائی تھیں۔ الفقاعی کے شاہی محلات کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں اُن کی تفصیل علامہ ابن تغری بردی کی تاریخ "النجوم الزاہرہ فی الملوک مصر والقاہرہ" میں ملاحظہ فرمایئے۔ (قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

قبل از سے پہلے میں آپ کو لے کر ایوانِ تصویر میں پہنچ جاؤں۔ دونوں مہمان بھی ساتھ ہوں گے لیکن ملاقات مختصر ہوگی۔ کیوں کہ وہ وقت حوضِ سیماب پر استراحت کا ہوتا ہے۔"

"پھر تو ہمیں چل دینا چاہیے۔ زوال کا وقت ہو چاہتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور برقع اوڑھنے کے لیے دوسرے کمرے کو ہو لی۔ چند لمحوں کے بعد سرخ نقاب والا مخصوص برقع اوڑھ کر آئی تو سوڈانی کنیز عنبر بھی ساتھ تھی اور شاہی محلات کی طرف جانے کے لیے جب وہ کمرے سے نکل رہی تھی، ابنِ حرب قدم بڑھا کر ذرا قریب آ گیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ "میری کامیابی کا انحصار تمہاری سفارش پر ہے۔"

طوائف شہزادی نے اپنی لمبی غلافی آنکھوں کے گوشوں سے اُسے مسکرا کر دیکھا۔ یہی خوب صورت نشیلی مسکراہٹ ابنِ حرب کے سوال کا جواب تھی۔

★

القطائع کے شاہی محلات کئی کئی کنال رقبے میں پھیلے تھے۔ اردگرد ایک مضبوط فصیل تھی۔ اُس فصیل کے اندر ایک وسیع باغ تھا جس میں کئی ملکوں سے طرح طرح کے درخت منگوا کر لگائے گئے تھے۔ مختلف الوان پھولوں کے کئی گلستان، کئی بوستان تھے، جن کی کیاریوں میں پھول اور پودے اس ترتیب سے اُگائے جاتے کہ اُن سے عربی کے حروف اور الفاظ بن جاتے۔ کسی کیاری میں "العظمۃ للہ" کا طغرا بنتا اور کہیں پھولوں کی قطار "اللہ جمیلٌ ویحبُّ الجمال" کا خاکہ پیش کرتی۔ کئی حوض تھے، جن کے اندر سونے کا ملمع کیا گیا اور اُن میں پانی بھی سنہرا نظر آتا تھا۔ ایک خاص حوض میں پارا بھرا ہوا تھا جس پر چمڑے کے گدّے اور سمور کے بستر بچھے رہتے تھے۔ سلطان زوال کے وقت اُن گدّوں پر قیلولہ کرتا اور سو جاتا تھا۔ خمارویہ کو پرندوں، چرندوں اور درندوں کا بھی شوق تھا۔ ایک طرف قسم قسم کے پرندوں کا چڑیا گھر تھا جس میں مختلف ملکوں کے پرندے رکھے جاتے۔ دوسری جانب جنگلی جانوروں کے بڑے بڑے آہنی جنگلے تھے، جن کی دیکھ بھال کے لیے مصری، سوڈانی اور حبشی غلام مقرر تھے۔

ان جنگلوں، باغوں، حوضوں سے پرے شاہی حرموں کے لیے محل سرا تھیں۔ حسین کنیزوں کے قطار اور خوب صورت غلاموں کے حجرے تھے۔ پری جمال مغنیاؤں اور

رقاصاؤں کے لیے کرنک تھے۔ جہاں سلطان اُن کے رقص اور غنا سے شاد کام ہوتا تھا کئی عالی شان ایوان تھے۔ ایک ایوان تصویر تھا جس کی دیواروں پر سونے کے چوکھٹے لیے گئے تھے اور جہاں کئی ندیں فانوس آویزاں تھے۔ اس ایوان کی دیواروں پر خمارویہ اس کی حرموں، کنیزوں، مغنیاؤں اور خوب صورت غلاموں کی تصویریں بڑے بڑے خوب صورت چوکھٹوں میں آراستہ تھیں۔ خمارویہ کو فنِ مصوری سے چڑ لگا ہوا تھا اور اُس نے غیر ملکی مصوّر بلوا کر یہ تصویریں بنوائی تھیں جن کے لیے اُس کی حرموں، کنیزوں اور مغنیاؤں کو کئی کئی دن مصوّروں کے سامنے بیٹھنا پڑا تھا۔

القطائع کے شاہی محلات ترکستانی اور عربی فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ، اور اپنی شان و شوکت کے اعتبار سے پورے مصر میں بے نظیر تھے۔ باغات کی خوبی اور پرندوں چرندوں اور درندوں کی موجودگی سے شاہی قطعہ منفرد حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

ترک غلام کی رہنمائی میں کئی گلستانوں، کئی بوستانوں سے گزرتے، کئی قصروں اور حجروں کی راہداریاں عبور کرتے۔ وہ ایوان تصویر کے حلقے میں داخل ہوئے جہاں سلطان مصر و شام کے ترک محافظ اور حبشی غلام ننگی تلواریں اور چوڑے پھلوں والے نیزے لیے اردگرد پہرہ دے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ سلطان ایوان تصویر میں پہنچ چکا ہے۔ خوب صورت ترک غلام نے فوراً دروازے میں داخل ہو کر طوائف کو حرم سرا پر بیٹھنے کی بجائے فرش پر کھڑا اور تنہا تھا۔ شہزادی نجم اللیل اور مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی اور خود باہر آ گیا۔

شہزادی اپنی سوڈانی کنیز کو دروازے کے پاس چھوڑ کر تاکہ سلطان دیکھ لے کہ وہ اُس کے ساتھ ہے۔ مہمانوں کے ہمراہ آگے بڑھی اور بھائی کو تعظیم دی۔ سلیمان اور ابنِ حرب آدابِ شاہی کے مطابق کورنش بجا لائے۔ قریباً ۳۰ سال کے جوان خمارویہ نے اپنی ۲۵ برس کی بیوہ بہن کی خیریت پوچھی اور اس بات پر معذرت کی کہ مصروفیت کے باعث اُس سے ملاقات نہ کر سکا۔ شہزادی اُسے ایوان میں کھڑا دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ ملاقات بہت مختصر ہوگی۔ اس لیے رسمی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے سرائے دار کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"سلطانِ معظم! سلیمان بن عامر آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اور یہ ممتاز ابنِ حرب اسکندری ہے جو خلیفہ معتضد ابوالعباس کا دوست اور محافظ دستے کا سالار تھا لیکن ایک خاص معاملے میں بغداد سے اپنی وفاداری ترک کر کے آپ کی پناہ میں آ گیا ہے۔ بھائی شیبان نے ابنِ حرب

www.urdukorner.com

سے دوستی کرلی اور مدد کا یقین دلایا ہے۔"

گویا اُس نے بھائی کو توجہ دلائی کہ وہ ایک اہم آدمی کی سفارش کرنے آئی ہے۔

"منذر ابن حرب الکندی" کے ذکر پر خمارویہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا مگر مخاطب سلیمان بن عامر سے ہوا۔ "سلیمان تم یقیناً کسی اہم مقصد کے لیے آئے ہو۔"

گفتگو کا آغاز سرائے دار کی مرضی کے مطابق ہوا۔ وہ ابن حرب کے معاملات پر مصلحت کا پردہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ "سلطانِ معظم! معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کے قتل کا سانحہ ایسا لرزہ خیز ہے کہ بغداد میں بہت سے لوگوں کی وفاداریاں متزلزل ہو گئی ہیں۔ ابن حرب بھی وفاداری کا حلقہ توڑ کر مصر میں آگیا اور معتمد کے قصاص کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ کی حمایت اور مدد چاہتا ہے۔ دشمن کے حملوں کا حساب چکانے کا یہ بہترین موقع ہے۔ اگر سلطانِ عالی ابن حرب کو قصاص کا پرچم دے کر عراق کی طرف روانہ کریں گے تو یہ ناکام نہیں لوٹے گا۔"

خمارویہ نے سرائے دار کا مطلب سمجھ لیا لیکن ہاتھ کو اس طرح جنبش دی جیسے تمام باتوں کو کاٹ کر پھینک دیا ہو۔ وہ چند قدموں کے حلقے میں ٹہلتا ہوا بولا۔

"سلیمان! تم چاہتے ہو، ہم معتمد کے قصاص کا جھنڈا باندھیں۔ ہماری بہن کا بھی یہی خیال ہے کہ معتمد کا طولونی مملکت پر ایک ایسا حق ہے جو ابھی تک ادا نہیں کیا گیا اور اُس کے خون کا قصاص طلب کر کے ہم وہ حق ادا کر سکیں گے لیکن حاکم شام نے ابھی تک ہمیں معتمد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔ شیبان نے بتایا ہے کہ بغداد میں اس کی موت کی تفتیش ہو رہی ہے اور جب تک تفتیش کسی نتیجے پر نہ پہنچ جائے قصاص کا مطالبہ کمزور ہے۔"

"مگر بغداد کے لوگ جیجک خاتون کو معتمد کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ ان حالات میں جب آپ قصاص کا پرچم بلند کریں گے۔ وہ بہت سے لوگ جنھیں ابن حرب اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہے [illegible] کی حمایت میں [illegible] کھڑے ہو جائیں گے اور آپ کی طاقت میں اضافہ ہو گا۔"

"بغداد کے لوگوں نے معتمد کی زندگی میں اُس کی حمایت نہیں کی۔ اب وہ اپنی قبر میں جا سویا ہے تو اُس کے لیے کیا لڑیں گے؟"

"اب کوئی اور بات ہے سلطانِ معظم؟" سلیمان نے حجت نکالی۔ "بغداد کے حالات

خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔"

"لیکن قیروان کے حالات بغداد سے زیادہ خطرناک ہوتے جا رہے ہیں اور ان خطرناک حالات میں ہم برقہ کی سرحد کو چھوڑ کر بغداد کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔"

خمارویہ کا یہ جواب سلیمان بن عامر، ابن حرب اور طولونی شہزادی کی توقع کے قطعی خلاف تھا۔ وہ زمین اُن کے قدموں تلے سے نکلتی جا رہی تھی جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے مستقبل کے کچھ منصوبے بنائے اور کچھ خواب دیکھے تھے۔ خمارویہ اچانک سرائے دار کی طرف ہاتھ لہرا کر بولا۔ "سلیمان! تم نے طولونی مملکت کی بہت خدمت کی ہے۔ ہم نے بھی ہمیشہ تم پر اعتماد کیا ہے کیوں کہ تمھاری بات میں تجربے کا وزن ہوتا ہے۔ ہمیں بتاؤ قیروان کی مہدوی تحریک ہمارے لیے زیادہ خطرناک ہے یا معتضد ابو عباس کی خلافت؟"

سلیمان سوال سن کر دنگ رہ گیا۔ خمارویہ نے وہ بات پوچھی تھی، جسے ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ ہوشیار اور تجربہ کار آدمی کی طرح اپنی حیرت کو مصلحت کے غلاف میں چھپا لیا۔ سوال اگرچہ بڑا مشکل تھا مگر اُس نے بڑا آسان سا جواب دیا۔ "سلطانِ معظم! طوفان صحرا سے اُس پار اٹھا ہے اور صحرا طوفان کی لہر کو راستہ نہیں دیتا، اُسے روک لیتا ہے۔"

گویا اُس نے خمارویہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ مہدوی تحریک سے کوئی خطرہ نہیں۔ سلطان اُس کی منطق سن کر کچھ متذبذب سا نظر آنے لگا اور سلیمان اس کیفیت سے فائدہ اٹھا کر پھر اپنے مطلب پر آگیا۔ "جس طرح سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے اُسی طرح بنی طولون کے خلاف تلواریں بھی مشرق سے بلند ہوتی رہی ہیں۔ مغرب نے آپ کے خلاف کبھی مزاحمت نہیں کی اور اس سے پہلے کہ ابو عباس اُن تلواروں کے سائے میں شام یا مصر کا رُخ کرے۔ آپ اُس پر معتمد کے قصاص کی تلوار آزمائیں۔"

نجم الہیلی نے محسوس کیا کہ ابھی پوری زمین اُس کے قدموں سے نہیں نکلی۔ سلیمان کی تائید میں فوراً بولی۔ "سیاست یہی کہتی ہے۔ آپ مشرق پر توجہ دیں اور معتمد کا وہ حق ادا کریں جسے ابھی تک ہمارا خاندان ادا نہیں کر سکا۔"

خمارویہ نے بڑے جوش اور غصے میں شہزادی کی بات مسترد کر دی اور گرجنے گونجنے لگا۔ "یہ بات ہم تمھاری زبان سے دوسری مرتبہ سن رہے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ طولونی مملکت معتمد کی وجہ سے قائم ہوئی تو اُس کا خیال غلط ہے۔ خلافت سے اُس کی

www.urdukorner.com

معزولی نئی مملکت کے قیام کا بہانہ ضرور بنی لیکن والد مرحوم نے مصر کو عراق سے الگ کرنے کا منصوبہ اُسی وقت تیار کر لیا تھا جب وہ خلیفہ معتمد کے دور اقتدار میں مصر کے نائب السلطنت بن کر فسطاط آئے تھے۔ عباسیہ کے عہد میں مصر کی دولت[1] مصریوں پر صرف ہونے کی بجائے بغداد کے خزانے میں پہنچ جاتی تھی۔ ہمارے والد ایک زبردست جنگی مرد اور بلند پایہ سیاست دان تھے انھوں نے اپنی سیاسی حکمت اور فوجی طاقت سے مصر کو عراق سے الگ کر لیا پھر بھی بنی طولون معزول اور نظر بند خلیفہ کی اخلاقی حمایت کرتے رہے لیکن اپنے بھائی خمارویہ طلحہ کی وفات کے بعد جب معتمد حق خلافت سے دستبردار ہو گیا اور اُس نے اپنے بھتیجے معتضد ابو عباس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تو ہم نے بھی اخلاقی حمایت کا ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ بات تم بھی یاد رکھو، اُس مرے ہوئے آدمی کا بنی طولون پر کوئی حق نہیں۔

طولونی شہزادی بھائی کی تہدید پہ سکتے میں آ گئی۔ دل کو دھچکا لگا اور اندر کوئی چیز ٹوٹ کر بکھر گئی۔ یہ اُس کی اُمید تھی جس کے ٹوٹنے کا تڑاقا دل میں ہوا۔ بغداد کے خلاف ابنِ حرب کی معرکہ آرائی اور جیت کا انحصار معتمد کے قصاص پر تھا۔ اس کے علاوہ فوج کشی کا اور کوئی جواز نہ تھا مگر بھائی نے زمین کا وہ آخری ٹکڑا بھی اُس کے پاؤں تلے سے کھینچ لیا جس پر قدم جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

خمارویہ نے غلط نہیں کہا تھا معتمد کی خلافت سے معزولی تو محض ایک بہانہ تھی ورنہ احمد بن طولون نے اپنی سیاسی اور فوجی طاقت سے علاحدہ مملکت قائم کی۔ اُس میں معتمد کی معزولی کا دخل برائے نام تھا۔ طبری، یعقوبی اور ابن خلدون جیسے مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ ابنِ طولون کا سوتیلا باپ، خلیفہ مامون کے عہد میں بخارا (ترکستان) سے بغداد آیا اور اپنی سیاسی قابلیت سے اہم عہدے پر فائز ہوا۔ خلیفہ معتز نے اپنے عہد خلافت میں اُسے مصر کا گورنر مقرر کیا۔ اُس نے اپنے سوتیلے بیٹے احمد بن طولون کو جو سیاسی اور فوجی امور میں بڑا ماہر تھا اپنا نائب بنا کر فسطاط بھیج دیا جس نے بڑی مستعدی سے مصر کی حکومت سنبھال لی۔ ابن طولون نے اپنے سواروں کے ہمراہ عراق سے مصر تک ایک طویل سفر کیا اور شام و فلسطین کی معروف شاہراہ سے گزر کر فسطاط پہنچا تھا۔ اتنی لمبی مسافت طے

---

[1] بحوالہ "ہسٹری آف سیزیا"۔

Al LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048309
Prop: Ali Khan

کر کے اُسے خیال آیا کہ مصر دارالخلافت بغداد سے بہت دور، دوسرے براعظم میں واقع ہے، جسے سلطنت سے الگ کر لینا کچھ مشکل نہیں۔

مصر کا نظم و نسق سنبھالتے ہی اُس نے اپنے منصوبے کے مطابق فوجی انتظام کے بہانے خلیفہ معتمد سے فوج میں اضافے کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور ابن طولون نے ایسے لشکر تیار کیے جو اُس کے حکم اور اشارے پر حرکت کرتے تھے۔ بعض مصری عمائدین کو بھی اعتماد میں لیا کہ مصر کی دولت مصر میں صرف ہونی چاہیے اور اپنے خاکے میں رنگِ عمل بھرنے لگا۔ اسی عرصے میں خلیفہ معتمد نے امورِ سلطنت کے لیے مصر سے روپیا طلب کیا مگر اُس نے لیت و لعل سے کام لیا اور مطلوبہ رقم بغداد نہ بھجوائی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مصر کی دولت بیرون ملک جائے۔ مصر کا پورا مالیہ اور دیگر ذرائع سے موصول ہونے والی رقوم مصریوں پر خرچ کرنے سے علاحدگی کا راستہ نکل آیا۔ اتفاق سے انھی ایام میں موفق طلحہ نے اپنے بھائی معتمد کو خلافت سے معزول کر کے نظر بند کر دیا جس پر ابن طولون نے علی الاعلان علاحدگی اختیار کر لی اور مصر کے ساتھ شام پر بھی قبضہ جما کر بیٹھ گیا۔ شامی قبائل نے جو دارالخلافت، دمشق سے بغداد منتقل ہونے پر پہلے ہی تنہائیوں سے نالاں تھے، نئی مملکت کے قیام میں اُس کا ساتھ دیا۔

ابن طولون کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اُس میں ۲۰ ہزار ترک اور ۴۰ ہزار سوڈانی اور حبشی جاں نثار تھے۔ جن سے وفاداری کا حلف اُٹھوایا گیا تھا۔ یہ گویا "جاں نثاروں کی فوج" تھی۔ ابن طولون ایک آمر اور مطلق العنان حکمران تھا جس نے مصریوں اور شامیوں کی حمایت حاصل کر کے نئی طولونی مملکت کی بنیاد رکھی اور موفق طلحہ جو بھائی کو نظر بند کر کے بہت سے داخلی معاملات میں اُلجھ گیا تھا۔ ابن طولون جیسے صاحب تدبیر اور جنگی مرد کی علاحدگی کو نہ روک سکا۔ وہ سیاسی طور پر بڑا لائق، فوجی لحاظ سے بڑا شہ زور، جنسی اعتبار سے بڑا توانا اور قوی مرد تھا جس نے ہر میدان میں اپنی دھاک بٹھائی۔ اب اُس کی بیٹی بھی کسی ایسے مرد کی تلاش میں تھی جو بڑا لائق، بڑا شہ زور، بڑا توانا ہو اور اُس کے باپ کی طرح فتوحات حاصل کر کے اُسے کسی ریاست کی ملکہ بنا دے۔ عریش کی کارواں سرائے میں ابن حرب ایک ایسے شہ زور مرد کے روپ میں سامنے آیا تھا جسے اُس نے اپنی نگاہوں کا مرکز بنا لیا اور اُس کی معرکہ آرائی کے لیے ایک میدان تیار کرنے نکلی لیکن سلطان خمارویہ

www.urdukorner.com

کے جواب نے اُسے مایوس کر دیا۔

بہن کچھ اور چاہتی تھی، بھائی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ ابھی وہ بھائی کی سرزنش پر حیران تھی کہ اُس نے طولونی شہزادی پر ایک اور بجلی گرا دی۔ "بہن تم چاہتی ہو معتمد کا قصاص طلب کیا جائے مگر ہم چاہتے ہیں بغداد پر فوج کشی کرنے کی بجائے خلیفہ معتضد ابوعباس کو اپنا دوست بنائیں اور اُس کے ساتھ دوستی کا پیوند کر لیں۔"

خمارویہ کے یہ الفاظ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹے اور کھولتا گرم لاوا اُن تینوں کے ذہنوں، دلوں اور جسموں میں دوڑتا چلا گیا۔ ایک برستی آگ تھی جس نے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا اور سلیمان تڑپ کر بولا۔ "سلطانِ معظم! آپ اپنے وفاداروں کے سر اُس شخص کے سامنے جھکا دینا چاہتے ہیں، جو آپ کے تخت نشین ہونے ہی لشکر لے کر شام پر چڑھ آیا اور آخر شکست کھا کر لوٹا تھا۔"

"بے شک اُس نے ہمارے خلاف جنگ لڑی اور شکست کھائی لیکن شکست کھا کر بھی ہماری حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔"

"پھر ایسے دشمن سے دوستی کی کیا ضرورت ہے جو آپ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔"

"اُس نے دشمنی کی وجہ سے ہماری حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب ہم چاہتے ہیں، وہ دوستی کے ناتے ہمیں قبول کرے۔"

"اُس کی دشمنی نے آپ کو قوت بخشی اور طولونی مملکت کو مضبوط کیا ہے۔ ممکن ہے دوستی نقصان دہ ہو کیوں کہ دشمن کی آستین خنجر سے خالی نہیں ہوتی۔"

"سلیمان! اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ آدمی سانپ کی طرح اپنی کینچلی کب بدلتا ہے۔ اس کے باوجود ہم معتضد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہیں۔"

یہ بات سرائے دار کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی "کیوں؟"

اب خمارویہ کو وجہ بیان کرنا پڑی کہ صاحب بغداد سے دوستی کیوں ضروری ہے وہ پہلے سے کچھ سنجیدہ، کچھ متین، کچھ فہیم نظر آنے لگا۔ پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔ "شاید تم نہیں جانتے کہ جس طرح قانون بنانے سے قانون نافذ کرنا مشکل ہوتا ہے، اُسی طرح کوئی حکومت قائم کرنا آسان لیکن اُسے منوانا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمارے والد مرحوم نے جس بڑے کام کی ابتدا کی تھی، ہم ابھی تک اُسے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکے۔ ہم مصر و شام کے سلطان ضرور ہیں اور ہماری حکومت برقہ کی سرحد سے لے کر آرمینیا اور ایشیائے کوچک کی سرحدوں تک وسیع ہے لیکن ابھی تک ہر قانونی اور موروثی حکمران نہیں۔ یہ اعزاز ہمیں اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دنیا کی کوئی بڑی سلطنت ہماری حکومت اور مملکت کو تسلیم کرے اور ہمیں حکمرانی کی سند دے۔ اس وقت عباسیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور خلیفہ معتضد دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا ہے۔ اب تم نے سمجھ لیا ہوگا، ہم معتضد کی طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھانا چاہتے ہیں۔ مصر و شام کی مملکت بنی طولون کی موروثی مملکت اُسی صورت میں بن سکتی ہے جب ہماری حکومت کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اسی لیے خلیفہ سے دوستی ہماری ضرورت ہے۔"

یہ معاملے کی بالکل نئی اور حیرت انگیز صورت تھی جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں تھا لیکن بنی طولون کی سیاسی ضرورت اس طرح اچانک سامنے آئی، جیسے بے خبری میں کوئی مصیبت ناگہاں ٹوٹ پڑے۔ القطائع اور بغداد کی دوستی سلیمان بن عام کے منصوبے کی ناکامی، طولونی شہزادی کے ارادوں کی شکست اور ابن حرب کے لیے زندگی سے موت کی طرف واپسی تھی کیوں کہ اس صورت میں خلیفہ معتضد کے نافرمان اور مغرور باغی کی گرفتاری اور گرفتاری کے بعد ہلاکت یقینی ہو جاتی۔ سلطان خمارویہ پناہ دینے کی بجائے اُسے پابہ زنجیر بغداد کی طرف روانہ کر دیتا۔ بڑے مقصد کی خاطر چھوٹی چیزیں ہمیشہ قربان کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح ابن حرب ایک بار پھر موت کے کنارے کھڑا تھا۔

وہ تینوں گم صم، مُہر بہ لب، حیرت کے سکتے میں تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا یا موت نے گھیر لیا ہو۔ اچانک شہزادی نے کچھ سوچا اور حیرت کے سکتے سے نکل آئی۔ "سلطانِ معظم! خلیفہ معتضد طولونی حکومت کو راستی سے کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔"

خمارویہ نے غور سے بہن کی طرف دیکھا اور وہ کہنے لگی۔ "پہلے وہ ولی عہد تھا، اب خلیفہ

لہ جس طرح موجودہ دور میں کسی حکومت کے لیے بڑی طاقتوں کی منظوری ضروری سمجھی جاتی ہے، اُسی طرح ماضی میں بھی بڑے فرماں روا چھوٹے حکمرانوں کو اپنی سند دیتے تھے، جس سے اُن کی منظوری قانونی اور موروثی سمجھی جاتی تھی۔

(قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

اور ایک بڑی سلطنت کا فرماں روا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہے اور آپ کی دوستی کا ہاتھ مسترد کر دے۔"

"مگر ہمارا ہاتھ اتنا کمزور نہیں جسے وہ آسانی سے مسترد کر سکے۔"

"ہمارے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ ممکن ہے وہ بات آپ کو ناگوار گزرے۔"

"ہماری نیت کے بارے میں کوئی قیاس آرائی نہ کرو نجم! اگر تمہاری بات مفید ہوئی تو اس پر توجہ دیں گے۔"

"پھر آپ جانتے ہیں کہ طاقت ور صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ ابوعباس بھی طولونی حکومت کو اسی وقت تسلیم کرے گا جب آپ اس پر طاقت کا لوہا آزمائیں گے۔"

بھائی کو حیرت زدہ دیکھ کر طولونی شہزادی نے اپنی تجویز کی وضاحت کی "سلطان معظم! جیسا آپ نے کہا ہے کہ معتمد کا بھی طولون پر کوئی حق نہیں تو نہ سہی لیکن حکمراں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور آپ کو اس کے قصاص کا پرچم بلند کر کے ابوعباس پر اپنی طاقت کا دباؤ ڈالنا چاہیے۔ معتمد کے قتل میں جیک خاتون کا نام لیا جا رہا ہے۔ یہ کمزوری معتمد کو ضعیف کرتی اور آپ کو قوت دیتی ہے۔ اگر وہ اس معاملے سے جان چھڑانا چاہے تو اسے طولونی حکومت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح جنگ بھی نہیں ہوگی اور آپ اپنا مقصد بھی حاصل کر لیں گے لیکن آپ قصاص کے مطالبے میں دیر نہ کریں ورنہ بغداد کے لوگ معتمد کی ہلاکت کا واقعہ بھول جائیں گے اور کوئی مُردہ قبر سے نکل کر لوگوں کو یاد دہانی کرانے نہیں آتا۔"

خمارویہ نے بہن کی بات بڑی توجہ سے سُنی۔ کچھ سوچا اور کہنے لگا "ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ طاقت ور طاقت کی زبان سمجھتا ہے اور خلیفہ معتضد پر طاقت کا دباؤ ڈالنے کے لیے تاکہ وہ ہم سے سودا کرے، تمہاری تجویز بھی پسند آئی ہے۔"

نجم الہیل نے یہ سوچ کر کہ اس کی تجویز رد نہیں ہوئی مزید جرأت کی۔ "اس مقصد کے لیے بھی آپ ابن حرب کی فوجی صلاحیت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ معتضد ابوعباس طولونی حکومت کو تسلیم کر لے، تو ابن حرب لشکر سمیت واپس آ جائے گا۔"

"ہم جانتے ہیں حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس معاملے پر غور کریں گے۔"

طولونی شہزادی کی تجویز ابن حرب کے لیے نوید حیات تھی۔ سلطان خمارویہ کا جواب

S-527, BHABHA ... RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048569
Prop: Ali Khan

اطمینان بخش تھا اور سلیمان بن عامر کی دل چسپی پھر قائم ہو گئی تھی۔ کیوں کہ نجم نے بھائی سے وہ بات منوالی جو سرائے دار کے منصوبے اور اس کے اپنے عزائم کی ابتدا تھی۔ اچانک خمارویہ نے تالی بجائی ترک غلام کو طلب کیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوئی اور اب وہ استراحت کے لیے حوض سیماب کی طرف جانا چاہتا ہے۔ رضوان فوراً حاضر ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنی بہن سے رخصت لی لیکن چلتے چلتے اچانک عراقی مہمان کے پاس رک گیا اور بولا "ابن حرب! ہم تمہاری حربی صلاحیت سے واقف ہیں اور عنقریب تمہارے لیے ایک موقع فراہم کریں گے۔"

ابن حرب نے گردن خم کر دی اور خمارویہ ترک غلام کے ہمراہ ایوان سے نکل گیا۔ یہ بات بالکل خلاف توقع ہوئی تھی کہ طولونی سلطان نے نہ صرف ابن حرب کی جنگی صلاحیت کا اعتراف کیا بلکہ اسے آزمانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا اور ملاقات کامیابی پر ختم ہوئی تھی سرائے دار نے شہزادی کو سپاس کی نظروں سے دیکھا اور کہا "بنت عم! میں بے حد ممنون ہوں، آپ نے فی الواقع میرے دوست کی سفارش کا حق ادا کر دیا ہے۔ ورنہ مجھے ایک اور ہی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔"

"ہم نے تمہارے دوست کو اس خطرے سے بچا لیا ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق ابن حرب کے ذریعے اگر سلطان کو حکمرانی کی سند مل گئی تو یہ بھی ایک معرکہ ہوگا۔"

"میں کل عریش کی طرف لوٹ جاؤں گا مگر ابن حرب سوق الخیل کی حویلی میں ٹھہرے گا سلطان جو بھی فیصلہ کریں۔ آپ سوق الخیل میں خبر بھیج سکتی ہیں یا کسی ذریعے سے آگاہ کر سکتی ہیں۔"

اس گفتگو کے بعد وہ بھی ایوان تصویر سے بلکہ شاہی محلات کی فصیل سے نکل آئے اب ان کے راستے مختلف تھے۔ طولونی شہزادی، کنیز عنبر کے ساتھ اپنے قصر کی طرف چلی گئی اور سلیمان بن عامر اپنے دوست کے ہمراہ سوق الخیل کی جانب روانہ ہوا۔

★

رات کو دونوں دوستوں نے سلطان خمارویہ سے ہونے والی ملاقات پر آخری بار اظہار خیال کیا۔ اس ملاقات میں انتہائی مایوسی کے بعد کامیابی کی ایک راہ نکلی تھی اور وہ راہ طولونی شہزادی نے نکالی تھی۔ سرائے دار نے خیال ظاہر کیا "خمارویہ پہلے سے بہت بدل گیا ہے

www.urdukorner.com

اب وہ ابوعباس کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا بلکہ حکمرانی کی سند حاصل کرنے کے لیے ماضی کی دشمنی کو دوستی میں بدل دینا چاہتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، معتضد اس کی دوستی کو قبول کرے گا؟"

"ابن حرب! یہ دنیا امکانات کی بساط ہے۔ یہاں ہر بات ہو سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی۔ کبھی کبھی آدمی اپنا ارادہ اور اپنی چال بدلتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ خلیفہ اس کی دوستی قبول کرے گا یا نہیں اور وہ تم سے کیا کام لے گا مگر اس کے ذہن میں کچھ ہے ضرور۔"

اور خمارویہ کے ذہن میں کیا تھا؟ یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ سلیمان بن عامر نے اپنے دوست کو بتایا کہ جب تک خمارویہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا یا اُسے کوئی خدمت نہیں سونپتا وہ فسطاط کی اسی حویلی میں مقیم رہے گا جہاں سلارا اُس کی خدمت کرے گا۔ اُس نے بتایا سلارا اور اس کی بیوی دونوں قابلِ اعتماد ہیں۔ سرائے دار کا خیال تھا شہزادی نجم عن قریب اُس سے خود رابطہ قائم کرے گی لیکن اُسے محتاط رہنا چاہیے۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی کسی بہت بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

اسی پر اُن کی بات چیت ختم ہو گئی۔

(۱۷)

وادیٔ اہرام

○

دوسرے روز سلیمان بن عامر اپنی تیز رفتار سانڈنی پر عریش کی طرف لوٹ گیا لیکن نجم اہلیل کے بارے میں اُس نے جو بات کہی تھی، وہ پتھر پر لکیر ثابت ہوئی۔ اُس دن سورج غروب ہوتے ہی نجم کی سوڈانی کنیز عنبر، شوق الخیل کی حویلی میں پہنچ گئی، جو طولونی شہزادی کا پیغام ملاقات لے کر آئی تھی۔ غالباً وہ ابن حرب کو اپنی رفاقت کا زیادہ انتظار نہ کرانا چاہتی یا خود انتظار نہ کر سکتی تھی۔

عنبر نے بتایا کہ کل پہلے پہر شہزادی دریائے نیل کی سیر کو نکلے گی اور مشرقی گھاٹ سے اُس کا سفینہ (جس میں ایک چوبی کمرا ہوگا اور شہزادی عنبر کے ساتھ اُسی کمرے میں موجود ہوگی) جیزہ کے مغربی گھاٹ کی طرف روانہ ہوگا، ابن حرب کو چاہیے کہ وہ قلعہ جیزہ کے سامنے ایک کشتی پر وسطِ دریا میں اُس کا انتظار کرے۔ جب شہزادی کا سفینہ وسطِ دریا میں پہنچ جائے۔ اپنی کشتی اُس کے قریب لے آئے اور کشتی سے کود کر سفینے میں آ جائے۔ اس میں صرف دو ملاح ہوں گے۔ جنھیں سمجھا دیا گیا ہے کہ وسطِ دریا میں دوسری کشتی سے ایک مسافر سفینے میں آئے گا۔

سفینے کی پہچان یہ ہے کہ اُس کے چوبی کمرے کا رنگ سبز ہوگا اور کھلے دریچے میں شہزادی ایک عام مصری عورت کے لباس میں بیٹھی ہوگی، جسے وہ پہچان لے گا، کیوں کہ اُس وقت شہزادی کے چہرے پر نقاب نہیں ہوگا۔ سفینہ وہاں سے قلعے کو جنوب کی طرف

www.urdukorner.com

چھوڑتا ہوا جیزہ کے مغربی گھاٹ کی جانب بڑھے گا اور گھاٹ سے آگے ایک بستی کے قریب ساحل سے جا لگے گا جہاں سفینے کا سفر ختم ہو جائے گا اور وادیٔ اہرام کی سمت نیا سفر شروع ہوگا۔ شہزادی نے اس ملاقات کے لیے اہرام کی وادی کو پسند کیا ہے جو ابوالہول کے معبد یا پھر فرعون کے مقبرے کے آس پاس کسی جگہ ہوگی۔ شہزادی نے تاکید کی ہے، وہ کسی غلام یا خادم کو ساتھ لے کر نہ آئے، خواہ وہ کتنا ہی لائقِ اعتماد کیوں نہ ہو۔

اس نے عنبر کو یقین دلایا کہ وہ شہزادی کی ہدایت کے مطابق دن کا پہلا پہر شروع ہوتے ہی نیل پر پہنچ جائے گا اور کشتی پر وسط دریا میں اس کے سفینے کا انتظار کرے گا۔ جس پر عنبر ابھی وقت "الفطائع" کو لوٹ گئی اور وہ ایک حیرت انگیز بستی سے دوچار ہونے لگا کہ اپنی رفاقت کے لیے لحم العبلی نے اسے محل میں نہیں بلایا جہاں کئی کنیزیں تھیں، کئی دربان اور غلام تھے اور ان کے علاوہ غالباً نگرانی کی خاطر خی طولون کے مردوں اور عورتوں کی "نادیدہ نظریں" بھی تھیں بلکہ ملاقات کے لیے اس نے اہرام کی وادی یا دوسرے لفظوں میں ایک گونگے بہرے لق و دق میدان کا انتخاب کیا تھا جہاں فرعونوں کے عظیم اور مہیب مخروطی مقبرے محوِ لب کھڑے تھے اور ان کی ملاقات کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔

۸

اس احتیاط کا مطلب یہ تھا کہ شہزادی "دیکھنے والی نظروں سے" چھپ کر وادیٔ اہرام کے کسی خفیہ مقام یا الگ تھلگ گوشے میں ملاقات چاہتی تھی جہاں تنہائی میں اسے اپنی رفاقت کا موقع دے گی اور دونوں کے دلوں میں محبت کی جو جہات افروز بے قراری پیدا ہو چکی ہے اسے تھوڑا سا قرار بخشے گی۔ تنہائی کی اس ملاقات یا رفاقت کے لیے اس نے صرف اپنی کنیز عنبر پر اعتماد کیا تھا جو اس کے ساتھ ہوگی وادیٔ اہرام کے کسی گوشۂ تنہائی میں طولونی شہزادی سے ایسی خفیہ ملاقات کا تصور بڑا سنسنی خیز اور راحت انگیز تھا جس نے اس کے جسم میں دوڑتے ہوئے سرکش خون کی گردش تیز کر دی کیوں کہ وہ اس ملاقات کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کے لیے بامقصد بنانا چاہتا تھا۔

رات خواب میں بھی شہزادی کے ترکستانی حسن اور لمبی لمبی غلافی آنکھوں کے طلسم سے دوچار رہا جو اپنی بے نظیر خوب صورتی اور بے مثال جولانی کی راحتوں کا سایہ اس پر ڈالتی رہی اور وہ محسوس کرتا رہا کہ پری جمال شہزادی کا سایہ اس کے طاقت ور جسم اور نافرمان خون کو

محبت کی ایک نئی وحشت عطا کر رہا ہے۔ نئے دن کا سورج طلوع ہوا تو غسل اور ناشتے سے فارغ ہوتے ہی شوق الخیل سے نکلا اور نیل کی طرف چل دیا۔ فسطاط کو آباد ہوئے کم و بیش ڈھائی صدیاں بیت گئی تھیں۔ اس طویل مدت میں اس کی نئی آبادیوں کے کچھ حلقے جبلِ مقطم کی جانب اور کچھ حلقے دریا کی سمت پھیل گئے تھے اور پرانے فسطاط کی جگہ ایک نیا پُررونق اور وسیع و عریض فسطاط وجود میں آ چکا تھا جس کے سامنے عروس البلاد بغداد کی رونقیں اور دلچسپیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں کیوں کہ "الفطائع" کی نئی آبادی نے سامرہ اور بغداد کی یاد تازہ کر دی تھی۔

پرانا شہر اور قلعہ نیل کے جزیرۂ روضہ کی سمت واقع تھا جہاں سے ایک راستہ دریا کو نکلتا تھا۔ وہ اسی راستے پر ہو لیا اور شہر کے مضافات سے گزرتا چلا گیا جن کے خاکستری مکانوں کی چپٹی چھتوں پر تنوروں اور چولھوں میں جلانے کی لکڑیوں کے انبار لگے تھے۔ زیادہ کپاس کی خشک ٹینیوں کے گٹھے جمع کیے گئے تھے۔ کپاس چن لینے کے بعد جب کھیتوں سے پودے کاٹے جاتے تو انھیں ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

مصر کا روزی رساں نیل جو سیلاب کے ایام میں نئی مٹی کناروں پر اچھالتا اور زمین کو زرخیز بنا دیتا ہے۔ بڑا چوڑا اور گہرا دریا ہے جس میں قدیم زمانے سے جہاز رانی ہوتی رہی ہے۔ طولونی دور میں بھی زیریں اور بالائی مصر کے درمیان سامان کی نقل و حمل کا بڑا ذریعہ دریائے نیل تھا اور سامان سے لدے ہوئے جہاز اسوان، اخمیم[1] اور فسطاط سے اسکندریہ کی طرف سفر کرتے تھے جو بحیرۂ روم کے کنارے نیل کے مغربی ڈیلٹا میں واقع ہے۔ نیل کے دونوں کناروں پر فسطاط اور جیزہ کے درمیان بھی کشتیاں چلتی تھیں عام طور پر تیسرے پہر جب دن ڈھل جاتا تھا، عورتیں اور مرد کشتیوں اور شکاروں پر جنھیں "سفینے" کہا جاتا تھا، دریا کی سیر سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ خواتین عموماً سفینوں میں سیر کرتی تھیں جن میں کابک نما چوبی حجرہ یا کمرا بنا ہوتا جس کے دریچوں سے مشرقی اور مغربی ساحلوں کا نظارہ دیدنی ہوتا تھا لیکن دن کے پہلے پہر لوگ دریا کی سیر کو نہیں آتے تھے کوئی اکا دکا کشتی ہی فسطاط اور جیزہ کے درمیان چلتی دکھائی دیتی تھی ورنہ کشتیاں اور سفینے

---

[1] فراعنۂ مصر کے قدیم پایۂ تخت تھیبز کی جگہ جو زمانہ کا شہر آباد ہوا۔ (قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

گھاٹ سے لگے رہتے تھے۔

شہزادی نے غالباً اسی لیے پہلے پہر نیل کے سفر کا منصوبہ بنایا تھا کہ ساحل پر لوگوں کی بھیڑ نہیں ہوگی اور متجسس نظروں کے تعاقب سے محفوظ رہے گی۔ گھاٹ پر پہنچتے ہی ابن حرب نے ایک بادبانی کشتی کرائے پر لی جس کا ملاح ایک ادھیڑ عمر بوڑھا تھا۔ بوڑھے لوگ جوان مردوں اور عورتوں کی ملاقات اور سیر کے بارے میں زیادہ تجسس نہیں رکھتے کیوں کہ جوانی کے ایام میں خود بھی کئی حسین مرحلوں سے گزر چکے ہوتے اور ایسی ملاقاتوں کو جوانی کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ ابن حرب نے واضح کر دیا کہ اس کی کشتی کا رُخ جیزہ کے قلعے کی جانب رہے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سفینہ اسی جانب آئے گا اور عین وسط دریا میں وہ کشتی سے سفینے میں منتقل ہو جائے گا۔ پھر پیشگی کرائے کے ساتھ ملاح کو کچھ انعام بھی دیا جس پر وہ خوش ہو گیا۔ اس نے کشتی کے بادبان کھول دیے اور وہ نیل پر تیرنے لگی۔ حدِ نظر تک دریا میں کوئی کشتی یا سفینہ نظر نہ آتا تھا۔ ابن حرب تنہا نیل کی سیر کر رہا تھا۔ مشرقی ساحل کی زرخیز پٹی پر مصری کسان جنھیں "فلاحین" کہا جاتا ہے ہل چلا رہے تھے۔ مغربی ساحل پر جیزہ کی آبادی تھی، پرے صحرا کا وہ حلقہ تھا جس نے لیبیا کے ننگے پہاڑوں تک دامن پھیلا رکھے تھے۔ صحرا کے پس منظر میں قدیم فراعنہ کے سر بفلک اہرام (مقبرے) یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے اُن کی مخروطی چوٹیاں آسمان کے سینے میں چُھب رہی ہوں۔ نیل کے مغربی ساحل پر فراعنہ کے یہ مقبرے ہیئت اور فنِ تعمیر کے اعتبار سے عجائباتِ عالم میں شمار ہوتے ہیں اس لیے اہرام کی وادی شامی ہکسوس، اشوریوں، ایرانیوں، یونانیوں، رومیوں اور عربوں کے دور میں بھی سیاحوں مؤرخوں اور عام مسافروں کی دل چسپی کا مرکز رہی ہے بلکہ یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی کہ

مصر پر مختلف قوموں نے حملے کیے اور حکومت کی لیکن شام کے ہکسوس فاتحین اپنے آپ کو "فرعون" ہی کہلاتے رہے۔ چنانچہ پندرھویں اور سولھویں خاندان کے فراعنہ شامی الاصل ہکسوس تھے۔ بائیسویں اور تیئیسویں خاندان کے فرعون لیبیا سے آئے تھے اور پچیسواں خاندان حبشہ کے فرعون حکمرانوں پر مشتمل تھا۔ البتہ یونانی حملے کے بعد سکندر کے جانشینوں نے مصر میں خاندان بطالسہ کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کی آخری ملکہ کلیوپیٹرہ تھی (قدیم تاریخ مصر۔ ہسٹوریین ہسٹری آف دی ورلڈ)

کہ مصر میں اگر جس نے اہرام نہیں دیکھے اس نے مصر نہیں دیکھا۔

ابن حرب کشتی پر سوار مہیب اہرام دیکھ رہا تھا لیکن اس کی ساری توجہ مشرقی گھاٹ کی طرف تھی کہ سبز کمرے والا سفینہ کب ساحل سے روانہ ہوتا ہے۔ آخر ایک سفینہ نیل کی سطح پر حرکت کرنے لگا اور اس نے بوڑھے ملاح کو توجہ دلائی کہ کشتی کو وسطِ دریا میں لے جائے۔ سبز چوبی کمرے والا سفینہ جیزہ کے قلعے کے رُخ تیر رہا تھا۔ اس کی بے قرار نظروں نے دور ہی سے اس کے دریچے میں طلوعِ شہزادی کا ہیولا دیکھ لیا جس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا رکھا تھا۔ ملاح بڑی تیزی سے کشتی کو وسطِ دریا میں سفینے کے قریب لے آیا۔ سفینے کے مصری ملاح بھی معاملے کی نوعیت جانتے تھے۔ جونہی ابن حرب کشتی سے سفینے میں کودا ایک ملاح نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے چند درہم ملاح کے ہاتھ پر رکھ دیے اور ایک کابک نما چوبی کمرے کی طرف بڑھا۔

عنبر نے دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا۔ چوبی حجرے میں طلوعِ شہزادی ایک عام مصری عورت کے لباس میں اس کی منتظر تھی جس نے اٹھ کر ابن حرب کا خیر مقدم کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا بلکہ اس کے فولاد کی طرح سخت ہاتھ کی پشت پر اپنے مرتعش ہونٹ رکھ دیے۔ یہ نہ صرف دل کی بے چینی کا اظہار تھا بلکہ اس امر کا ثبوت بھی کہ اس پر اعتماد کرتی ہے۔ سینے کے اندر اگرچہ ابن حرب کا دل بھی اپنی بے قراری کے اظہار کے لیے بُری طرح دھڑک اور تڑپ رہا تھا لیکن اس نے خود پہ قابو رکھا اور اپنی عاشقانہ بے تابی ظاہر نہ ہونے دی۔ صرف اس کی بے چین محبت پر مسکرا دیا۔ "تشکر"

شہزادی نظریں اٹھا کر اپنی لمبی غلافی آنکھوں کا طلسم پھونکنے لگی اور وہ اس کے ترکمانی حسن کے جلوے میں کھو گیا۔ یہ اس کتابِ ملاقات کا دیباچہ تھا جو عنبر کے بہ قول ابوالہول کے معبد یا پھر کسی ہرم کے گوشۂ تنہائی میں کھلنے والی تھی۔ سوڈانی عنبر نے اس دیباچے پر توجہ نہیں دی اور نظریں جھکائے بند دروازے کے پاس کھڑی رہی جیسے کچھ نہیں دیکھ رہی اور اسے دیکھنا بھی کیا تھا۔ وہ دونوں پہلو بہ پہلو بالکل قریب بیٹھے ایک دوسرے کے نظارے میں کھو گئے تھے نہ شہزادی کچھ بول رہی تھی نہ ابن حرب کچھ کہہ رہا تھا صرف ان کی نظریں خاموش گفتگو کر رہی تھیں۔ عنبر اس دیباچے کا مضمون سمجھتی لیکن دلوں کی دھڑکنیں شمار نہ کر سکتی تھی۔

نیل کا ہمیشہ پانی ان کی بے قراریوں کا گواہ تھا

www.urdukorner.com

سفینہ جیزہ کے قلعے کو جنوب مغرب میں چھوڑتا ہوا بڑی تیزی سے شمال مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جیزہ کی آبادی پیچھے رہ گئی۔ آگے مغربی ساحل کی زراعتی پٹی پر کھیتوں کے درمیان فلاحین کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جس میں گنتی کے چند مکان تھے لیکن دیواروں کا نچلا حصہ گارے اور بے ترتیب بے ڈھنگے پتھروں پر اٹھایا گیا تھا جب کہ اوپر کا سارا حصہ مٹی کا تھا جب نیل میں سیلاب آتا اور پانی اس کے کناروں سے اچھل کر ساحل کے نشیبی علاقے کے ساتھ مکانوں میں بھی داخل ہو جاتا، تب فلاحین اپنے گدھے اور اونٹ لے کر جن کے ذریعے وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اونچی جگہوں پر چلے جاتے مگر کبھی کبھی جانور وہیں چھوڑ جاتے تھے جب پانی اتر جاتا فلاحین بھی ساحلی پٹی پر واپس آ جاتے جو دلدل اور کیچڑ میں تبدیل ہو جاتی اور وہ اسی کیچڑ کو فصل کے لیے تیار کرتے تھے۔ بعض اوقات تیز سیلاب کی وجہ سے ان کے گھروندے ڈھے جاتے اور دوبارہ تعمیر کرنا پڑتے تھے۔

سفینہ اسی بستی کے قریب ساحل سے آ لگا جسے کنارے کے کھونٹوں سے باندھ دیا گیا اور طولونی شہزادی ایک عام مصری عورت کے لباس میں اپنی کنیز کے ہمراہ چوبی تختوں پر چلتی، جو سفینے اور ساحل کے درمیان رکھ دیے گئے تھے، کنارے پر آ گئی۔ ابن حرب پیچھے پیچھے تھا ایک مصری الاصل بوڑھا پہلے سے وہاں موجود تھا اور اس کے قریب دو ملاح گدھے لیے کھڑے تھے جن پر پالان بندھے ہوئے تھے۔ ساحل سے وادیٔ اہرام کی طرف نیا سفر شروع ہونے والا تھا جیسا کہ عنبر پہلے ہی اطلاع دے چکی تھی۔ جب بوڑھا مصری شہزادی کی طرف بڑھا وہ ابن حرب کو بتانے لگی کہ یہ مصری بوڑھا حکومت کی طرف سے فراعنہ کے مقبروں کا سرکاری نگران اور ہمیں اپنی رہنمائی میں وہاں تک لے جائے گا۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ بوڑھا مصر کے اس قدیم خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو روزِ اوّل عہدِ حکومت سے نسل در نسل اہرام کی نگہبانی اور رہبری کا فرض ادا کرتا چلا آ رہا ہے۔ اموی اور عباسی دور میں بھی یہ فرض اسی خاندان کے سپرد رہا۔

ان کی سواری کے لیے صرف دو گدھوں پر پالان باندھے گئے تھے مگر ابن حرب نے گدھے پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور اپنی جگہ عنبر کو سواری کا موقع دیا۔ دونوں ملاحوں نے لگامیں سنبھال لیں اور بوڑھے مصری کے پیچھے پیچھے کھیتوں کے درمیان جہاں کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی کھڑے تھے، اس راستے پر ہو لیے جو اہرام کی وادی کو جاتا تھا۔ بستی

بستی سے آگے ایک طویل پہاڑی پشتہ شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا تھا (اور آج بھی پھیلا ہے) اہرام کو جانے والا راستہ اس پشتے کے جنوب میں جیزہ کے قریب سے نکلتا تھا لیکن شہزادی جیزہ کے گھاٹ کو مصلحتاً پیچھے چھوڑ آئی تھی اور اب کھیتوں کے ساتھ ساتھ جنوب مغرب کی طرف انھیں وہاں تک جانا تھا جہاں سے وہ وادیٔ اہرام میں داخل ہو سکتے تھے۔ فلاحین کی بستی سے مغرب کی سیدھ میں سفر کر کے وادی میں پہنچنا مشکل تھا۔ طویل پہاڑی پشتے کے علاوہ جس کی بلندی عبور کر کے وہ دوسری جانب اتر سکتے تھے۔ اس نشیبی علاقے میں دلدل اور کیچڑ کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا اسی لیے جنوب مغرب کا راستہ اختیار کیا گیا۔

ابن حرب کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس سفر کا ہر منظر (جو کہیں نہ کہیں شہزادی کے ساتھ اس کی ملاقات تنہائی پر ختم ہونے والا تھا) پہلے سے ترتیب دیا گیا اور یہ احتیاط مدِنظر رکھی گئی تھی کہ عام لباس کے باوجود وہ لوگوں کی نظر میں نہ آئے۔ یہ خیال بھی گزرا کہ بوڑھا مصری اس کی اصلیت سے آگاہ ہے اور جب شہزادی کی سواری کے ساتھ چلتے چلتے اس نے بڑے مدھم اور محتاط الفاظ میں اپنے خیال کا اظہار کیا تو اسے تسلیم کرنا پڑا کہ صرف بوڑھا اس کی شاہی حیثیت جانتا ہے مگر اسے تاکید کر دی گئی ہے کہ کسی سے اظہار نہ کرے اور وہ نہیں کرے گا۔

بوڑھا اس چھوٹے سے قافلے کے آگے آگے کھیتوں سے گزرتا چلا گیا اور اڑھائی تین میل کا فاصلہ طے کر کے اس جگہ پہنچ گیا جہاں طویل پہاڑی پشتہ ختم ہوتا تھا۔ وادیٔ نیل پشتے کی مشرقی سمت اور وادیٔ اہرام مغربی جانب ہے۔ بحرِ نیل کی وادی سے نکل کر وہ اہرام کی سنگلاخ اور بنجر وادی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ان کا رخ شمال کی طرف ہو گیا۔ جدھر ابوالہول[1] کا عظیم الجثہ اور کرۂ پیکر جسم زمین پر پھیلا کڑا مارے بیٹھا ہے۔ فرعونوں کے مقبرے ابوالہول کی پرلی جانب واقع ہیں۔

سنگلاخ، بنجر اور ریتلی زمین پر سفر کرتے جو تھوڑے سے اُبھار کے ساتھ دیوتا کے جسم تک چلی گئی ہے، بالآخر وہ وادیٔ اہرام کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابن حرب کا خیال تھا

---

[1] ابوالہول شیر اور آدمی کے مخلوط اعضا کا مجسمہ ہے مصری اس دیوتا کو ہیبت خوف اور دانائی کا نشان سمجھتے تھے۔ (قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

ابوالہول چھیاسٹھ فٹ اونچا ہے۔ دھڑ درندے کا اور سر انسان کا جو تیرہ فٹ
اونچا ہے۔ قدیم مصری رواج کی طرح اس پر شاہی وِگ یا ٹوپی نظر آتی ہے۔ وہ چھیاسٹھ فٹ
قد کے ساتھ اپنی چاروں ٹانگیں ٹیکے اور سنگلاخ زمین پر اپنے ہیبت ناک پنجے گاڑھے بیٹھا
ہے۔ اس کے پنجوں میں پانچ فٹ عرض کا ایک چھوٹا سا معبد یا مندر بنایا گیا ہے جہاں پہنچنے
کے لیے آدمی کو پہلے پندرہ سیڑھیوں کا ایک سنگی زینہ چڑھنا پھر پندرہ سیڑھیوں کا دوسرا
زینہ اترنا پڑتا ہے۔ دونوں زینے عبور کر کے آدمی معبد کی مقدس تنہائی میں پہنچ جاتا ہے۔

ابوالہول کو دیکھ کر جو انسان اور شیر کے اعضا کا مخلوط دیوتا ہے، احساس ہوتا ہے کہ
وہ زمین پر اپنی ہیبت ناک سنگینی کے ساتھ بیٹھا گویا اہرام کی پاسبانی اور نگہبانی کا فرض ادا
کر رہا ہے کیونکہ اس کا رُخ شمال کی جانب ہے، جدھر فراعنہ کے قلک بوس اہرام کھڑے ہیں۔

معبدِ ابوالہول کی مقدس تنہائی میں شہزادی سے ملاقات کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ
بوڑھا مصری راہبر چھوٹے سے قافلے کو لے کر آگے بڑھا اور ابوالہول کے دروازے سے
گزر کر اہرام کی سنگلاخ وادی میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا رُخ ہرم کبیر کی طرف تھا جو فرعون
خوفو کا مقبرہ اور تمام اہرام سے بلند ہے۔

یہ سر بفلک اہرام مصر کے چوتھے خاندان نے تعمیر کرائے تھے جو ۴۹۰۰ سے لے
کر ۴۷۵۰ قبل مسیح تک برسرِ اقتدار رہا۔ سب سے بڑا ہرم فرعون خوفو کا ہے جس سے
بلند فرعون خف رع اور فرعون منخ رع کے اہرام بھی عجائباتِ زمانہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ
اہرام اسی بنجر اور بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہیں جو مغرب کی جانب نیل کے حلقے سے جا
ملتی ہے۔

فرعون خوفو کا ہرم جہاں اسے اپنی ملکہ کے ساتھ دفن کیا گیا تھا،[1] ایکڑ کے رقبے میں
پھیلا اور چار سو اکیاسی فٹ بلند ہے۔ شمالی جانب کی ترچھی بلندی کو دیکھا جائے تو یہ ترچھی
بلندی چھ سو بارہ فٹ تک جا پہنچتی ہے۔ ہرم کا نچلا حصہ چوکور اور ہر سمت سے آٹھ سو
اڑسٹھ فٹ طویل ہے۔ اس پر استعمال ہونے والی چٹانوں کا اندازہ دو لاکھ من سونگا یا گیا ہے

---

[1] ابوالہول اور اہرام کے بارے میں جو معلومات یہاں درج کی گئی ہیں، ان کا ماخذ
"ونڈرس آف دی پاسٹ" ہے۔ (قمر اجنالوی)

ہر چٹان کا وزن اڑھائی ٹن سے کم نہیں اور انھیں باہم اس طرح پیوست کیا گیا ہے کہ جوڑ نظر
نہیں آتا۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کے بقول اس کی تعمیر پر ایک لاکھ مصری مزدور اور کاریگر
بیس سال تک کام کرتے رہے تھے۔ تب جا کر فرعون کا یہ عظیم اور مہیب مقبرہ مکمل ہوا تھا۔ اس
کا دروازہ شمال جانب سطحِ زمین سے اس کی ترچھی بلندی پر ڈیڑھ سو فٹ سے بھی کچھ زیادہ اونچائی
پر واقع لیکن بند ہے جسے کھولنے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

اس کے مقابلے میں فرعون خف رع کا ہرم چار سو اکیاون فٹ اونچا اور خوفو کے ہرم
کبیر سے تیس فٹ چھوٹا ہے لیکن ایسی جگہ تعمیر کیا گیا ہے جس کی سطح اونچی ہے، اس لیے
دیکھنے میں خوفو کے ہرم سے بلند نظر آتا ہے۔ اس وادی میں چھوٹا سر ہرم فرعون منخ رع کا ہے، جو
صرف دو سو اٹھارہ فٹ اونچا ہے۔ دوسرے مقبرے چھوٹے ہیں۔

ہرم کبیر کے پاس پہنچ کر جہاں بوڑھے مصری کا ایک نائب اس قافلے کا منتظر تھا۔
سوڈانی لونڈی فوراً گدھے سے اتری پھر اس نے اپنی مالکن کو اترنے میں مدد دی۔ ابن حرب
نے ہرم اور اردگرد کی زمین کو غور سے دیکھا۔ وہاں کوئی گوشۂ تنہائی نظر نہ آیا۔ سوائے اس
کے کہ شہزادی اہرام کے بوڑھے مصری نگران، اس کے نائب، دونوں فلاحین اور سوڈانی لونڈی
عنبر کو وہیں چھوڑ دے اور اسے ہرم کی دوسری جانب لے جائے جہاں وہ کسی گوشے یا کسی چٹان
کی اوٹ میں تنہائی کی ملاقات کر سکیں۔

جب یہ پریشان سا خیال اس کے ذہن سے گزر رہا تھا۔ شہزادی قریب آئی اور
مدھم آواز میں بولی "ابن حرب ہم نے بوڑھے مصری نگران سے فرعون خوفو کا ہرم دیکھنے کی فرمائش
کی تھی۔ یہ ہرم کے اندر جانے کا راستہ جانتا ہے اسی لیے ہم یہاں آئے ہیں اور اسی ہرم کے
ایک خاص کمرے میں تمھیں اپنے ساتھ تنہائی کا موقع دیں گے۔"

ابن حرب کے جسم میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی کہ اس نے تنہائی کی ملاقات کے
لیے فرعون خوفو کا مقبرہ پسند کیا اور اسے مقبرے کے اندر لے جانا چاہتی ہے۔ شاید یہ جانے
کے لیے کہ اس ہیبت ناک، وحشت انگیز، تاریک قبر کی تنہائی میں جس کے تصور ہی سے انسان
پر خوف طاری ہو جاتا ہے، وہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آتا، کیا سلوک کرتا اور اپنی وحشیانہ
بے رحم طاقت کو برقرار رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ وہ اس کے ساتھ مقبرے کی تاریک تنہائی میں
اترنے کے خیال سے تو ہراساں یا پریشان نہ ہو سکا، البتہ حیران ضرور تھا۔ پوچھنے لگا "کیا تمھیں

www.urdukorner.com

یہ بات پسند ہے کہ فرعون کے مقبرے میں میرے ساتھ محبت کی ملاقات کرو؟

"یہ تو ہمارے لیے اور تمھارے لیے بھی ایک اعزاز ہوگا کہ ہم فرعون کے مقبرے میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا پیمان کریں گے۔" پھر اسی سرگوشیانہ لہجے میں بتانے لگی۔ "ابن حرب خلیفہ مامون الرشید کے بعد یہ اعزاز صرف ہمیں اور تمھیں حاصل ہو رہا ہے کہ ہم اس عظیم مقبرے میں داخل ہوں گے۔"

طوطوئی شہزادی کے الفاظ نے ابن حرب پر سنسنی کی ملی کیفیت طاری کر دی کہ خلیفہ مامون کے بعد صرف ان دونوں کو ہرم کے اندر جانے کا موقع مل رہا ہے۔

مامون الرشید[1] (۱۹۸ تا ۲۱۸ ہجری) جب اپنے عہدِ خلافت میں فسطاط آیا تو اس نے خوفو کے ہرم میں داخل ہونے اور اسے اندر سے دیکھنے کے لیے ایک سرنگ کھدوائی تھی کیونکہ ہرم میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ شمالی دیوار میں واحد دروازہ ڈیڑھ سو فٹ کی ترچھی بلندی پر ہے جو اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ کوئی شخص اسے توڑ کر اندر داخل نہ ہو سکے۔ خلیفہ مامون نے ہرم کی اس شمالی دیوار کی بنیاد میں سرنگ کھودنے کا حکم دیا۔ زیرِ زمین سرنگ سے جو چوبیس فٹ کے لگ بھگ چوڑی تھی۔ فرعون کے مقبرے میں داخل ہوا۔ پھر مامون ہی کے حکم سے سرنگ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

بوڑھا مصری راہبر اپنے نائب کے ساتھ سرنگ کے دہانے میں اس شگاف کا مشاہدہ کر رہا تھا جو چند پتھر کھا کر اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ طوطوئی شہزادی اپنے مہمان کے ہمراہ اندر جا سکے۔ شگاف کو اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد وہ واپس آیا اور شہزادی کو سرنگ کی طرف چلنے کے لیے کہا۔ وہ ابن حرب اور اپنی سوڈانی کنیز کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔

اسی اثنا میں نائب نے جو سرنگ کے شگاف کے پاس کھڑا تھا، ایک مشعل روشن کر دی تھی۔ بوڑھے مصری نے آتے ہی مشعل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اپنے نائب کو مصری غلاموں کے ساتھ باہر کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر خود سرنگ کے شگاف میں اتر گیا۔ شگاف اتنا

---

[1] خلیفہ مامون ہرم کا دروازہ کھلوانے میں ناکام رہا جو ڈیڑھ سو فٹ کی ترچھی بلندی پر واقع ہے۔ آخر اس نے ہرم کی بنیاد میں سرنگ کھودنے کا حکم دیا اور سرنگ کے ذریعے اندر داخل ہوا۔ وہ حرم کا اندرونی نقشہ دیکھنا چاہتا تھا۔ (قمر اجنالوی)

بڑا تھا کہ ایک آدمی بخوبی داخل ہو سکتا تھا لیکن سرنگ چونکہ سطحِ زمین سے بہت نیچے تھی اس لیے شگاف میں داخل ہو کر نیچے اترنا پڑتا تھا۔ بوڑھے مصری کے بعد شہزادی بھی اندر جانا چاہتی تھی کہ ابن حرب نے اسے روک دیا اور خود شگاف میں اترا۔ اس کے بعد طوطوئی شہزادی اور کنیز باری باری اندر اتر گئیں۔

★

بوڑھا مصری جو زیرِ زمین سرنگ میں داخل ہو کر رک گیا اور انھیں روشنی دکھا رہا تھا۔ تینوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد آگے بڑھا۔ زمین کے اندر سرنگ کافی کھلی اور سیدھی ہرم کے بطن میں چلی گئی تھی لیکن اس کے اندر ایک عجیب سی گھٹن اور ایک عجیب سی بو محسوس ہو رہی تھی جو عام طور پر ایسے مقامات پر پائی جاتی ہے جنھیں سال ہا سال سے بند رکھا گیا ہو۔ جب کہ خوفو کا ہرم اگر پونے تین ہزار سال قبلِ مسیح سے بند پڑا تھا، تو عباسی خلیفہ مامون کے بعد اس کی کھدوائی ہوئی سرنگ بھی کم و بیش بیس صدی کے بعد کھولی گئی تھی۔ وہ گھٹن اور بو سرنگ کے اتنے طویل عرصے تک بند رہنے کی تھی۔

سرنگ کے فرش پر گرد کی ہلکی سی تہ جمی تھی، اس کی چھت اور دیواروں پر بھی گرد و غبار کا جالا لٹک رہا تھا۔ جو مشعل کی روشنی میں لرزتا (کیوں کہ شگاف کے راستے ہوا سرنگ میں داخل ہو رہی تھی) تو اس پر کسی طلسمی جال کا شبہ ہوتا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے تاریکی بھی بڑھتی چلی گئی جو مشعل کی زرد روشنی میں کٹتی اور چھٹتی رہی۔ کم و بیش ایک سو ساٹھ فٹ زمین کے پیٹ میں چلنے کے بعد سرنگ ہرم کے اس ڈھلوان سلامی راستے سے مل گئی جو شمالی دیوار میں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر واقع ہرم کے واحد دروازے سے ترچھا سطحِ زمین پر آتا اور مقبرے کے نامعلوم زمین دوز حجرے کی طرف کہیں نیچے اترتا تھا۔

اس طویل اور ترچھے سلامی راستے پر۔ جو ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے آتا اور کہیں زیادہ گہرائی میں زمین کے اندر اترتا تھا۔ ایک حجرہ نہ جانے کس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا۔ عباسی خلیفہ کی کھدوائی ہوئی سرنگ ختم ہو گئی اور بوڑھا مصری راہبر مشعل اٹھائے اس ترچھے سلامی راستے پر جا نکلا جو شمال سے جنوب کی طرف بطنِ زمین کے حجرے جاتا تھا۔

بوڑھے رہبر کے پیچھے پیچھے وہ تینوں بھی سرنگ سے نکل کر ڈھلوان سلامی راستے

www.urdukorner.com

پر آ گئے اور جنوب کی طرف ترچھے اترنے لگے۔ اس ترچھے راستے پر ابن حرب نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا جو سرنگ وہ عبور کر آئے تھے، وہ سطح زمین سے کئی فٹ گہری گویا زمین کے اندر تھی اور ڈھلوان سلامی راستہ سرنگ سے بھی کچھ نیچے مزید بطن زمین میں اتر رہا تھا۔ ہرم کے اندر اگرچہ کسی خطرے کا امکان نہیں تھا پھر بھی ابن حرب کا ایک ہاتھ شہزادی کے نرم گداز ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ تلوار کے سخت قبضے پر تھا تاکہ آن واحد میں کسی انسانی یا غیر انسانی خطرے کا مقابلہ کر سکے۔

ڈھلوان راستہ نیچے اور نیچے زمین کے پیٹ میں اترتا چلا گیا تقریباً ستر فٹ چلنے کے بعد بوڑھا رہبر ایک جگہ رک گیا اس کے ساتھ انھیں بھی رک جانا پڑا۔ وہاں سے ایک راستہ مغرب کی جانب اوپر کو جاتا تھا۔ بوڑھے نے بتایا کہ یہ راستہ ہرم کی گیلری میں جاتا ہے جو بڑی کشادہ ہے۔ اسی گیلری سے ایک راستہ ایوان شاہی کی طرف نکلتا ہے جسے فرعون خوفو کی آخری آرام گاہ کہنا چاہیے لیکن فرعون کی لاش جسے حنوط کر کے شاہی تابوت میں رکھا گیا تھا وہاں موجود نہیں، کیونکہ مصری جو چوتھے خاندان کے فرعونوں سے ناراض ہو گئے تھے جو ان پر جبر و تشدد کرتے رہے۔ اس لیے انھوں نے بغاوت[1] کی اور فراعنہ کی ممیاں (حنوط شدہ لاشیں) ان کے مقبروں سے نکال کر باہر پھینک دی تھیں۔ فرعون خوفو کی لاش بھی اس کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد مشتعل مصری ہرم سے نکال لے گئے تھے لیکن انھیں لاش سے کیا۔ وہ تو صرف

---

[1] اس بغاوت کا سبب پروہت تھے جنھوں نے فراعنہ کے چوتھے خاندان کو ظالم و جابر قرار دیا۔ اہرام کا بانی یا موجد مصری دانشور الہویت تھا جس نے سب سے پہلے تیسرے خاندان کے فرعون زوسر کے لیے ہرم تعمیر کرایا۔ دو زینوں والا یہ ہرم آج بھی سکرا میں موجود ہے۔ چوتھے خاندان کے فرعونوں نے اس کے بعد اہرام بنوائے۔ الہویت کی ہرم سازی کی بنیاد موت کے مصری فلسفے پر تھی۔ بعد ازاں مصریوں نے اسے دیوتا قرار دے دیا اور پروہتوں نے الہویت کی عبادت شروع کر دی۔ انھی پروہتوں نے چوتھے خاندان کے خلاف بغاوت کی اور فراعنہ کی لاشیں تک ان کے مقبروں سے نکال پھینکیں۔ پھر پروہتوں کی مدد سے پانچواں خاندان برسر اقتدار آیا۔ اس حکمران خاندان کا تعلق شمالی مصر سے تھا۔ (قدیم تاریخ مصر اور دنڈرس آف دی پاسٹ)

فرعون کا مقبرہ دیکھنے آئے ہیں اس لیے وہ انھیں شاہی گیلری میں لیے چلتا ہے۔

بوڑھا مصری مشعل اٹھائے اس نئے راستے پر ہو لیا جو مغربی جانب اوپر کو جاتا تھا۔ اس ڈھلوان راستے پر چلتے وہ ایک کشادہ گیلری میں پہنچ گئے جو تقریباً سو فٹ لمبی اور چالیس فٹ کے لگ بھگ چوڑی تھی۔ اس گیلری میں پہنچ کر انھیں محسوس ہوا کہ کہیں سے تازہ ہوا دان آ رہی ہے۔ حالانکہ ہرم کی بیرونی دیواروں کی بھاری بھرکم چٹانیں باہم اس طرح پیوست کر دی گئی تھیں کہ ہوا کے داخلے اور اخراج کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے تازہ ہوا کی ہلکی سی لہر گزرتی محسوس کی۔

گیلری غالباً فرعون خوفو کی نشست گاہ یا چہل قدمی کے لیے بنائی گئی تھی حالاں کہ فرعون کی لاش مقبرے میں موجود ہی نہیں تھی۔ پھر لاشیں نہ تابوت سے نکل کر چہل قدمی کر سکتی ہیں۔ نہ انھیں کوئی کمرا استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن موت کے مصری فلسفے کے مطابق فراعنہ کے روزمرہ استعمال کی اشیا بھی ان کے مقبروں میں رکھی جاتی تھیں تاکہ موت کے بعد وہ کسی چیز کی کمی محسوس نہ کریں۔

گیلری کا مغربی راستہ فرعون کے ایوان خاص یا دوسرے الفاظ میں آخری آرام گاہ کی طرف جاتا تھا اور بوڑھے مصری راہبر کے بقول اس شاہی ایوان کے آگے شمال کی جانب پانچ حجرے اور تھے جو شاید اس کے خادمان خاص کے لیے تیار کیے گئے ہوں۔ کشادہ گیلری کے جنوب مشرقی گوشے سے ایک ڈھلوان سلامی راستہ مغرب کی طرف ناف زمین میں اترتا تھا۔ جو ملکہ کی شاہی بارگاہ یا آخری آرام گاہ میں جاتا تھا۔ اچانک بوڑھا رہبر شہزادی سے مخاطب ہوا "شہزادی صاحبہ آپ نے ملکہ مصر آں جہانی کی شاہی بارگاہ دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس لیے ہم ملکہ کی شاہی بارگاہ میں اتریں گے جو زمین کی کئی تہوں کے اندر ہے۔"

بوڑھے نے "شہزادی صاحبہ" کے الفاظ سے اس لیے مخاطب کیا کہ وہ تینوں طوعوفی شہزادی کی اعلیٰ حیثیت سے آگاہ تھے اس کی اصلیت پر اخفا کا پردہ دوسروں کے لیے ڈالا گیا تھا اسی لیے وہ خود بھی ایک عام مصری عورت کے لباس میں نکلی تھی تاکہ دیکھنے والے اسے پہچان نہ سکیں۔ بوڑھا مشعل اٹھائے جنوب کی طرف اترنے والے ترچھے سلامی راستے پر ہو لیا اور ابن حرب کے ہاتھ پر بیگم اجیل کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ وہ راستہ کچھ زیادہ ہی ترچھا، ڈھلوان اور طویل بھی تھا۔ اور دو سو فٹ سے کم طویل نہ تھا۔ مشعل کی زرد روشنی میں بطن زمین کے اندر اترا ہوا تاریک راستہ

www.urdukorner.com

عبور کر کے بالآخر وہ ملکہ کی شاہی بارگاہ کے دروازے پر پہنچے۔ یوں تو پورے ہرم میں قبروں کا سا پُر ہول سناٹا طاری تھا لیکن ملکہ کی اس زیرِ زمین بارگاہ میں وہ سناٹا کچھ اور گہرا، کچھ اور مہیب ہو گیا تھا اور وہاں خوف کی انجانی لہر بھی حرکت کر رہی تھی۔

ملکہ کی شاہی بارگاہ، راستے کے اختتام پر مغربی جانب دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایک ایوانِ نشست، دوسرا ایوانِ راحت یا آخری آرام گاہ۔ پہلے وہ ایوانِ نشست میں داخل ہوئے جہاں پونے تین ہزار سال قبلِ مسیح استعمال ہونے والا پتھر کا کچھ سامانِ آرائش موجود تھا مگر اس پر صدیوں کی گرد جم چکی تھی اور ہوا کی غیر محسوس لہر اس زیرِ زمین مقبرے میں بھی چل رہی تھی۔

آگے ملکہ کا ایوانِ خواب تھا جس کے وسط میں پتھر کا ایک تابوت کسی طلسم کی طرح فرش پر پڑا نظر آیا۔ تابوت کا ڈھکنا بھی موجود تھا۔ ملکہ کی لاش کا اصل صندوق سنگین تابوت کے اندر رکھا گیا ہوگا اور معلوم نہیں اس تابوت کے اندر صندوق اور صندوق میں ملکہ کا محفوظ شدہ مُردہ جسم موجود بھی تھا یا نہیں۔ البتہ سنگین تابوت کو دیکھ کر انھیں یہ احساس بڑی شدت سے ہوا کہ وہ ملکہ کی آخری آرام دیکھ رہے ہیں۔

★

چند لمحے مقبرے کی پُر ہول سنگین خاموشی میں گزر گئے۔ پھر طولونی شہزادی نے بوڑھے راہبہ سے کہا کہ وہ مشعل دیوار کی کھونٹی سے لٹکا دے۔ خود اس شاہی بارگاہ سے نکل کر ڈھلوان راستے میں چلا جائے اور وہیں اُن کا انتظار کرے۔ بوڑھے نے شہزادی کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ ملکہ کے ایوانِ نشست کے دروازے سے نکل گیا تو شہزادی اپنی کنیز سے مخاطب ہوئی۔ "عنبر! اب تو بھی دوسرے کمرے میں چلی جا۔ ہم تنہائی میں اپنے مہمان سے کچھ باتیں کریں گے۔"

عنبر اپنی شہزادی کی بے چینی سمجھتی تھی فوراً ملکہ کے ایوانِ خاص سے نکل کر ایوانِ نشست میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس طرح طولونی شہزادی نے تنہائی کی ملاقات کا وہ موقع فراہم کر دیا جس کے ابنِ حرب رات بھر خواب دیکھتا رہا تھا مگر خوفو کے عظیم ہرم کے اندر، اُس کی ملکہ کے زیرِ زمین مقبرے میں تنہائی کی یہ ملاقات اُس کے حسین خیالوں سے بالکل مختلف، بڑی عجیب اور سنسنی خیز تھی۔ وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا کہ طولونی شہزادی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ

S-527, BHAGWA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048369
Prop: Ali Khan

تھام لیا اور اسے سنگین تابوت کے پاس لے آئی۔ اُس کے لہجے میں کوئی خوف نہ تھا۔ آواز میں کوئی لرزش نہ تھی۔ کہنے لگی "ابنِ حرب! عریش میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب فسطاط آؤ گے تو تمھیں پوری ملاقات کا موقع دیں گے۔ کارواں سرائے میں تم سے ہماری ملاقات ادھوری تھی۔ شاید یہ مقامِ ملاقات تمھاری مرضی کے مطابق نہ ہو۔ آخر یہ ہرم ایک فرعون اور اُس کی ملکہ کا مقبرہ ہے جس کے اندر صدیوں سے خاموشی اور زمانے کی حیرت گم صُم کھڑی ہے۔ تم چاہو تو اس خاموشی کو محبت کی زبان بخش سکتے ہو لیکن ہمیں پیار کرنے سے پہلے تمھیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ جس طرح فرعون خوفو اور اُس کی ملکہ ایک ہی مقبرے میں دفن ہوئے تھے، اُسی طرح ہمارا جینا مرنا بھی ایک ساتھ ہوگا۔ ہم دونوں اکٹھے جیئیں گے، اکٹھے مریں گے اور ایک ہی مقبرے میں دفن ہوں گے۔"

یہ الفاظ سن کر ابنِ حرب پر ایک نئی حیرت گزر گئی اور سمجھ گیا کہ تنہائی کی ملاقات کے لیے شہزادی نے فرعون خوفو کے ہرم کو کیوں منتخب کیا ہے۔ اُس نے اپنی تلوار سنگین تابوت کے ڈھکنے پر رکھ دی اور اُس کا حسین چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے بولا "تم زندگی اور موت کا پیوند چاہتی ہو تو میں تمھارے ساتھ یہ پیوند کروں گا لیکن تمھیں بھی قول دینا ہوگا کہ جو کچھ میں چاہوں گا، تم وہی کرو گی۔"

"کوئی بات ہماری مرضی کے خلاف بھی چاہو گے؟"

سوال بڑا خوب صورت اور معنی خیز تھا۔ ابنِ حرب نے بھی اپنے مطلب کا جواب دیا۔ "میں حُسن و عشق کی گھاتیں نہیں سمجھتا۔ جنگ و جدل کے داؤ پیچ ضرور جانتا ہوں اور اس معاملے میں تمھاری رائے یا مرضی مجھ سے بہتر نہیں ہو سکتی۔"

جنگ کے داؤ پیچ کا ذکر سُن کر وہ یک لخت اپنے خوابوں کی تعبیر پر آ گئی۔ "ہمارے والد کی طرح تم بھی ایک جنگ جو اور شہ زور مرد ہو اسی لیے ہم تمھیں چاہتے ہیں لیکن آج خوفو کے اس حرم میں، اُس کی ملکہ کے اس ایوانِ خواب میں ہمارے ساتھ پیمان کرو کہ تم ہماری خاطر تلوار اُٹھاؤ گے، ہمارے لیے فتوحات حاصل کرو گے اور ہمیں ملکہ بناؤ گے کیوں کہ ہم حسین اور خوب صورت ہیں۔ ہماری خوب صورتی میں کشش ہے۔ ہمارے حُسن میں وقار ہے اور ہم ملکہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔"

ابنِ حرب اس کی دل ربائی میں کھو گیا۔ "تمھارے حُسن میں ایک اور خوبی ہے۔"

www.urdukorner.com

"کیا؟" شہزادی کی لمبی غلافی آنکھیں مسکرائیں۔

"تمھارے حسن میں رُعب ہے، آنکھوں میں جادو ہے، لہجے میں تحکم ہے اور کسی بات میں بناوٹ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں تمھیں قدرت نے عطا کی ہیں اور حسن کی ملکہ بنایا ہے۔ میں تمھیں تخت کی ملکہ بناؤں گا مگر پہلے میرے لیے کوئی میدانِ جنگ تو فراہم کرو تاکہ جنگ جیت کر میں تمھیں جیت لوں۔"

طولونی خاتون کے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ ابن حرب نے اُسے جیت لینے اور ملکہ بنانے کا عزم کر لیا تھا۔ وہ بھی اعتماد کے لہجے میں بولی۔ "ہم نے سلطان سے سفارش کی ہے وہ قصاص کا جھنڈا باندھیں گے۔ تمھارے لیے جنگ کا میدان فراہم کریں گے اور ہم جانتے ہیں، تم جنگ جیت کر ہمیں جیت لو گے۔"

اب ابن حرب نے اس بات کا اظہار ضروری سمجھا جس کا اشارہ آقا حسین نے دیا تھا اور اس کے خوب صورت چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے سے نکال کر ایک نئے عزم اور نئے یقین کے ساتھ کہنے لگا۔ "نجم! میں تمھیں جیتنا چاہتا ہوں اور ایک دن جیت لوں گا کیوں کہ جو ارادہ کر لیتا ہوں اسے ادھورا نہیں چھوڑتا مگر دنیا میں ہر بات کا امکان ہے، ہو سکتا ہے خمارویہ قصاص کا جھنڈا نہ باندھے، بغداد کے خلاف میدانِ جنگ آراستہ نہ کرے اور تمھیں میرے عقد میں نہ دے۔ اس صورت میں بھی میں تم سے دستبردار نہیں ہوں گا اور دوسرا راستہ اختیار کروں گا۔ تمھیں اپنے گھوڑے پر بٹھا کر صحرائی قبیلوں میں لے جاؤں گا اور بادیہ نشین عربوں کی ملکہ بناؤں گا۔"

یہ سنتے ہی شہزادی کے پورے وجود پر حیرت اور مسرت کا ایک زلزلہ طاری ہو گیا۔ نبضوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا بہت دنوں پہلے، جب اُس نے ملکہ بننے کے خواب دیکھے تو کسی بادیہ نشین اور شہ زور عرب سردار کا تصور کیا تھا جو اس کی خاطر صحرائی قبیلوں میں اپنا گھوڑا دوڑاتا پھرے۔ انھیں اپنے صحرائی پرچموں کے نیچے لے کر فتوحات حاصل کرے اور اسے ایک ملکہ بنا دے۔ ابن حرب نے معاملے کی جو دوسری صورت پیش کی، وہ اس کے خوابوں کے عین مطابق تھی جس نے اسے ایک فرحت بخش حیرت سے دوچار کر دیا صرف ایک بات ذرا مختلف تھی کہ ابن حرب نے دوسری صورت خمارویہ کے انکار کا نتیجہ قرار دی تھی جس میں ایک خطرہ بھی تھا اور خطرہ یہ تھا کہ وہ اسے مصر سے زبردستی لے جائے گا اور جنگ

لے جائے مگر طولونی سوار صحرائی قبیلوں تک اس کا تعاقب کریں گے اور طولونی سواروں میں ترک مصری، سوڈانی اور حبشی بہادر ہوں گے جن کا سالار یقیناً القطائع کا محافظ سردار حارث ہوگا کیوں کہ شہزادہ شیبان کی طرح سلطان بھی اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اُسی اعتماد کے باعث وہ خود اس سے لگا ڈر رکھتا اور اس کا پوشیدہ طلب گار بھی ہے اس لیے ابن حرب سے اسے چھیننے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گا۔

اِدھر ابن حرب یہی سوچ رہا تھا کہ اُس نے بڑے مناسب موقع پر طولونی شہزادی کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا اور یہ بات قبل از وقت اس کے کانوں میں ڈال دی ہے کہ اگر خمارویہ بغداد کے خلاف میدانِ جنگ تیار نہ کر سکا تو وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بادیہ نشین قبائل کی طرف نکل جائے گا، جیسا آقا حسین نے سرائے دار سے کہا تھا کہ وہ طولونی شہزادی کو لے کر اس کے صحرائی خیموں میں آ جائے۔ گویا شہزادی کو صحرائی سفر کے لیے تیار کر رہا تھا کہ عین وقت پر کہیں ساتھ جانے سے انکار نہ کر دے۔

نجم اللیل جو خواب دیکھ چکی اور ملکہ بننے کے جو عزائم رکھتی تھی۔ ابن حرب انھی کی تعبیر پیش کر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ جانے سے انکار نہ کر سکتی تھی۔ انکار کرنا بھی نہ چاہتی تھی مگر بھائی کی بدگمانی اور ناراضی کا خیال ذہن میں گرد باد کی طرح چکر کاٹ رہا تھا۔ ابن حرب نے چہرے سے اس کی پریشانی بھانپ لی اور اس کا گداز ہاتھ پکڑ کے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"ہم سوچ رہے ہیں، تم جو کچھ کہتے ہو، وہی کرو گے۔"

"پھر چلو گی میرے ساتھ؟"

نجم اللیل نے اس کا دوسرا ہاتھ خود پکڑ لیا۔ "ابن حرب! تم ہمیں صحرائی قبیلوں کی طرف لے جانا چاہتے ہو اور ہم تمھارے ساتھ دنیا کے آخری کنارے تک جانے کے لیے تیار ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہیں تم مشکلات میں نہ پھنس جاؤ۔"

"مشکلیں تو بہادر آدمی کو اور بہادر بنا دیتی ہیں۔"

"مگر بعض مشکلیں آدمی کا راستہ گھیر لیتی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، تم کیا سوچ رہی ہو۔ تمھیں اپنے بھائی کا خیال پریشان کر رہا ہے کہ اگر میں تم کو اس کے ہاتھوں سے چھین لے گیا تو خمارویہ مجھے معاف کرے گا نہ تمھیں۔"

"اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ سلطان خود ہمارا عقد تم سے کر دیں۔ اس کے لیے ضروری ہے

www.urdukorner.com

کہ تم حکومت کے لیے کوئی معرکہ سر کر کے ہمیں جیت لو۔" وہ ایک لمحہ خاموش رہ کر کہنے لگی "شاید تمھارا خیال ہو کہ ہم تمھارے لیے اپنے خاندان کو نہیں چھوڑ سکتے لیکن لڑکی تو پیدا ہوتے ہی کسی دوسرے کے نام لکھ دی جاتی ہے اور اس کی قسمت کا ستارا اپنے آسمان کو چھوڑ کر دوسرے آسمان پر جگمگانے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ ابن حرب ہم بھی تمھاری جیت کا صلہ بننا چاہتے اور تمھارے لیے بہت بے چین ہیں۔ ہماری بے قراری کو اس وقت تک قرار نہیں آئے گا جب تک ہم اپنے آپ کو تمھارے سپرد نہیں کر دیں گے۔ ہماری خواہش ہے، یہ سب کچھ اسی طرح ہو جس طرح لڑکی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں یا ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر منتقل ہوتی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اثبات اور نفی اقرار یا انکار، اگر سلطان نے ہماری سفارش کے باوجود تمھیں معرکہ آرائی کا موقع دیا نہ ہمارا شوہر بننا پسند کیا اور وہ دوسری صورت پیش آگئی جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو جن صحرائی قبیلوں کی طرف لے جانا چاہو گے، ہم چلے جائیں گے اور سلطان ہمارا ہاتھ تمھارے ہاتھ سے نہیں چھڑا سکیں گے۔ دنیا میں کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو ارادہ کر لیتی ہیں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہیں اور شکست قبول نہیں کرتیں۔ ہم بھی انھیں عورتوں میں سے ہیں۔ اسی لیے آج تمھیں اس ہرم میں لے آئے ہیں جس کی پتھریلی آنکھوں نے سلطنتوں کے عروج و زوال کے سیکڑوں منظر دیکھے ہیں، جس کے بہرے کانوں نے اَن گنت جنگوں کا شور سنا ہے، انسان کو خون میں غسل کرتے دیکھا ہے، میدانِ جنگ میں دم توڑنے والے سپاہیوں کی آخری سسکیاں سنی ہیں مگر سب کچھ دیکھنے اور سب کچھ سننے کے باوجود یہ آج بھی زمین کی چھاتی پر اسی طرح قائم ہے جس طرح ہزاروں برس پہلے قائم تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکی۔ ہم بھی تمھارے ساتھ ایسا ہی مضبوط تعلق چاہتے ہیں جسے موت بھی نہ توڑ سکے۔ اس ہرم کے اندر مکہ کی آخری آرام گاہ میں آنے کا مقصد یہی ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ زندگی اور موت کا پیمان باندھو اور وعدہ کرو کہ ہمارے خوابوں کو تعبیر بخشو گے۔ جو کچھ ہم چاہتے ہیں، وہی کرو گے۔ اس کے عوض ہم قول دیتے ہیں کہ ہمارے حسن اور جسم کی تمام راحتیں صرف تمھارے لیے ہوں گی۔ تم ہمیں بڑی عورت بناؤ گے۔ ہم تمھیں عظیم مرد بنائیں گے۔ زندگی بھر تمھارے وفادار رہیں گے تمھارے ساتھ جئیں گے، تمھارے ساتھ مریں گے، تمھارے ساتھ دفن ہوں گے۔"

طونوئی شہزادی نے دوسری بار اس کے ساتھ جینے مرنے کا اقرار کیا تھا اور اب کہنے

& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5[illegible]
Prop: Ali Khan

کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سب باتیں خوفو کے اس عظیم حرم کے اندر ہو رہی تھیں جس کی عظمت اور مضبوطی کی شہرت دنیا کے آخری کناروں تک پہنچ چکی ہے۔ وہ ابن حرب سے ایسا ہی مضبوط پیمان چاہتی تھی جیسا خوفو کا مقبرہ مضبوط ہے اور اسی پیمان کی خاطر اسے نیرنگِ زمانہ ہرم میں لے کر آئی تھی۔

ابن حرب نے اس کی طویل گفتگو بڑے غور سے سنی۔ ہر بات دل کی لگن سے محسوس کی اور ذہن نے فیصلہ دیا کہ جو کچھ تمھتی ہے، ٹھیک کہتی ہے اور اس کے ساتھ محبت کا پیمان باندھنا ضروری ہے۔ جیسا وہ چاہتی ہے۔ یہ فیصلہ کر کے بڑے جذبات آفریں مگر گھمبیر لہجے میں بولا۔ "میں تمھارے اس خوب صورت چہرے، ان شگفتہ ہونٹوں اور لمبی لمبی جادوگر آنکھوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمھارے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو تم چاہتی ہو اور یہ پیوند جو آج ہم یہاں ایک دوسرے سے کر رہے ہیں کبھی نہیں ٹوٹے گا کیوں ایسے پیوند اور پیمان توڑنے کے لیے نہیں باندھے جاتے۔"

نجم الیل کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔ "پھر آج سے ہم تمھارے ہو گئے۔"

ابن حرب نے کچھ سوچ کر کہا۔ "جس طرح میں نے یقین دلایا ہے، عہد کیا ہے کہ تمھاری ہر بات پوری کروں گا، اسی طرح تم بھی میری کسی بات سے انکار نہیں کرو گی۔"

شہزادی ذرا چونکی کہ دوسری مرتبہ اپنی "ہر بات" منوانے پر اصرار کر رہا ہے نہ جانے اس کے ذہن میں کون سی بات ہے؟ اچانک خیال آیا کہ عرب معاشرے میں دوسری عورت یا کنیز مرد کی اضافی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور اس بارے میں اجازت بھی ہے شاید اپنے پیمان محبت کے ساتھ یہی بات منوانا چاہتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "ہم تمھیں اضافی راحتوں سے نہیں روکیں گے۔ ہمارے والدِ مرحوم کے حرم میں بھی کئی عورتیں اور کئی کنیزیں تھیں اور ہم نے تمھیں انھی کے معیار پر منتخب کیا ہے۔"

ابن حرب کو "اضافی راحتوں" پر ایک دل چسپ حیرت سی ہوئی کیوں کہ اس کے ذہن میں کوئی اور بات تھی جس کی خاطر اس کے وعدے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور وہ جماعت کے مقصد کی بات تھی جسے فی الوقت ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر بات کے بتانے اور منوانے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ابھی یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ مقبرے میں اس سے کون سی بات منوانا چاہتا ہے مگر اس کی اجازت پر مسکرا دیا۔ "تم میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی راحت ہو۔"

www.urdukorner.com

طولونی شہزادی نے اپنی اجازت برقرار رکھی "پھر بھی تمہاری اضافی راحتوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مذہب مرد کو بہ یک وقت چار عورتوں کی اجازت دیتا ہے۔"

"تم نے مان لیا ہے کہ آج سے تم میری ہو۔ خالد یہ سے کہو، وہ بھی مجھے تمہارے لیے اجازت دے دے۔"

"ابن حرب! ہم تم سے زیادہ بے چین ہیں۔ ہر دن جو گزرتا ہے۔ ہماری بے چینی میں کچھ اور اضافہ کر دیتا ہے، ہر رات جو بیت جاتی ہے، تمہارے جمال کو کچھ اور قریب کر دیتی ہے ہم تمہارے ہو چکے ہیں اور تمہاری معیت میں صحرائی قبیلوں کا سفر بھی ہمارے لیے راحت بخش ہوگا لیکن اس سے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ سلطان اجازت دے دیں اور ہم دستور کے مطابق تمہارے حجلۂ عروسی میں آئیں۔"

طولونی شہزادی نے اپنے دل کی ہر بات کہہ دی تھی اور یہ الفاظ "کتب ملاقات" کے تتمے یا ضمیمے کی حیثیت رکھتے تھے جو ہرم کبیر کے زمین دوز ایوان میں بالکل ہی مختلف انداز میں کھلی تھی۔ اس ضمن میں اس نے جو آخری بات کی، وہ یہ تھی۔

"ابن حرب! ہم کسی حالت میں تمہیں اپنی راحتوں سے محروم نہ رکھیں گے۔ اگر سلطان نے اجازت نہ دی تو ہم تمہیں اپنے لیے خود اجازت دے دیں گے اور ہمیں اجازت کا اختیار ہے کیوں کہ ہم بیوہ ہیں اور اپنی مرضی سے عقد ثانی کر سکتے ہیں۔"

ابن حرب مطمئن تھا کہ طولونی شہزادی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے اور اس کی تقدیر کا ستارہ بننے والی ہے۔ اسے صرف وہ آسمان مہیا کرنا تھا جس پر وہ پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو سکتی۔

شہزادی کی آخری بات کے ساتھ تنہائی کی ملاقات بھی ختم ہو گئی۔ اس نے ملکہ کے تابوت سے پرے ہٹ کر تالی بجائی جس کی آواز ہرم کے مہیب سناٹے میں گونج اٹھی اور سوڈانی کنیز فوراً حاضر ہو گئی۔ شہزادی نے حکم دیا کہ بوڑھے راہبر کو بلا لائے تاکہ ہرم سے واپسی کا سفر شروع ہو۔ دونوں ایوانوں کے دروازے کھل جانے سے مشعل کی روشنی اس تاریک اور زمین دوز راستے تک دوڑتی چلی گئی جہاں بوڑھا شہزادی کے حکم کا منتظر تھا۔ کنیز کے بلاوے پر اس نے آتے ہی مشعل گیر سے مشعل اٹھائی اور شہزادی کا اشارہ پا کر واپس چل پڑا۔

واپسی کا سفر بھی اٹھی راستوں پر چل کر وہ ملکہ کی زیر زمین شاہی بارگاہ

تک پہنچے تھے۔ بوڑھے راہبر کے پیچھے پیچھے ڈھلوانی راستہ چڑھ کر پہلے وہ فرعون خوفو کی شاہی گیلری میں آئے وہاں سے نکل کر مشرق کے رخ نیچے جانے والے راستے پر اترے اور اس طویل ترچھے راستے پر آ گئے جو ہرم کی شمالی دیوار میں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر واقع واحد دروازے سے سیدھا جنوب کی طرف بطن زمین میں تا تمام حجروں کی طرف آتا تھا۔ تھوڑی دور تک شمال کے رخ ترچھا سلامی راستہ چڑھ کر وہ خلیفہ مامون کی کھدوائی ہوئی سرنگ میں داخل ہوئے اور وہاں سے مشرق کی جانب چلتے سرنگ کے دہانے پر آ گئے جس کے قدآدم شگاف سے اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک ایک کر کے جب وہ شگاف سے باہر نکلے تو دوپہر ہو چکی تھی اور اہرام کی سنگلاخ وادی کے اوپر جلتا سورج اس صحرا کی طرف بڑھ رہا تھا جو مغرب میں حد نظر تک پھیلا لیبیا کے ننگے پہاڑوں کی جانب چلا گیا تھا۔

★

وادیٔ اہرام سے انھیں وادیٔ نیل کی طرف لوٹنا اور فلاحین کی بستی کے قریب دریا کے ساحل پر پہنچنا تھا جہاں سفینہ چھوڑا تھا مگر واپسی سے قبل بوڑھے مصری نے کھانے کی دعوت دی جس نے اس جمال کے پیش نظر کہ واپسی میں دیر ہو جائے گی، کھانے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہرم کبیر سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ وہاں انھیں ابوالہول کے عظیم الجثہ مجسمے کی طرف جانا تھا، جو وادیٔ اہرام کا محافظ دیوتا سمجھا جاتا تھا اور اس دیوتا کے قریب سے گزر کر جنوب کے رخ جیزہ کی سمت چلنا تھا۔ پہلے کی طرح طولونی شہزادی اور اس کی کنیز گدھوں پر سوار ہو گئیں۔ دونوں فلاح گدھوں کی لگامیں تھامے آگے آگے اور ابن حرب بوڑھے مصری راہبر کے دوش بہ دوش پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔

دریا کے ساحل تک یہ سفر کم و بیش پانچ میل کا تھا اور اس سفر میں بوڑھے مصری نے ابن حرب کو اہرام کے علاوہ فراعنہ کی دوسری یادگاروں، مقبروں، ہیکلوں کے بارے میں بڑی اہم معلومات فراہم کیں جن کا سلسلہ نیل کے کناروں پر جیزہ اور سقارہ (سکرا) سے لے کر کمزور (تھیبز) تک پھیلا تھا۔ بوڑھے کے خاندان نے جو صدیوں سے اہرام کی نگرانی اور رہبری کا فرض ادا کرتا چلا آ رہا تھا، مصر پر اسلامی غلبے کے تھوڑے عرصے بعد اسلام قبول کر

www.urdukorner.com

تھا۔ اس خاندان میں مصر کی قدیم تاریخ اور فراعنہ کی یادگاروں سے متعلق اہم معلومات سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آ رہی تھیں اور بوڑھے راہبر و نگران کو بھی تمام تاریخی معلومات ازبر تھیں۔

ابن حرب کی دلچسپی کی خاطر اس نے فراعنہ کے چودھویں، پندرھویں اور سولھویں خاندان کا ذکر خصوصیت سے کیا جو ہکسوس کہلاتے اور شامی الاصل سمجھے جاتے تھے کیوں کہ وہ شام و فلسطین کی جانب سے مصر میں داخل ہوئے اور پورے مصر پر قابض ہو گئے۔ ہکسوس فراعنہ نے منس ہی کو دارالحکومت بنایا جو نیل کی اسی وادی میں تھا جہاں عہدِ اسلام میں فسطاط کا شہر آباد ہوا۔

ہکسوس فراعنہ کے دور میں حضرت یوسفؑ، اُن کے والد حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) اور برادرانِ یوسف مصر میں آئے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کا عہدہ حاصل کیا جو فرعون کے بعد سب سے بڑا اعزاز تھا۔ دارالحکومت منس سے کچھ دور بنی اسرائیل نیل کی مشرقی جانب جشن کے علاقے میں آباد ہوئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد عزیزِ مصر کا عہدہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ ہکسوس کے دور میں بنی اسرائیل نے خوب ترقی کی مگر سولھویں خاندان کا آخری عہد زوال پذیر تھا۔ اس زوال پذیر عہد میں تھیبز کے ایک مصری الاصل شہزادے احمس نے طاقت فراہم کر کے ہکسوس کا تختہ اُلٹ دیا اور بالائی اور زیریں مصر پر اصل مصریوں کا حکمرانی کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

ہکسوس کی تباہی کے ساتھ بنی اسرائیل کی غلامی کا دور شروع ہوا جنھیں ہکسوس کے دور میں عروج حاصل ہوا تھا۔ مصر میں ان کی غلامی کا یہ دور بڑا طویل تھا جو سترھویں، اٹھارھویں اور اُنیسویں خاندان تک جاری رہا۔ اٹھارھویں اور اُنیسویں خاندان کے عہد میں مصری طاقت عروج پر پہنچ گئی اور مصریوں نے افریقہ میں اِردگرد کے علاقوں کے علاوہ ایشیا میں شام و فلسطین تک اقتدار حاصل کر لیا بلکہ فتوحات کی لہر دریائے فرات تک پہنچ گئی۔

اٹھارھویں خاندان کا حکمران تحوتمس ثالث (۱۵۰۱ تا ۱۴۹۶ ق م) عظیم فرعون سمجھا جاتا ہے جس نے شام و فلسطین کو مصری مقبوضات میں شامل کیا۔ تحوتمس ثالث شروع میں بڑا کمزور حکمران ثابت ہوا۔ اصل اقتدار اس کی ملکہ ہتشپسوت کے ہاتھ میں تھا جو مصر کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے مگر ملکہ کی وفات کے بعد تحوتمس ثالث کا عروج شروع ہوا اور وہ اپنی زبردست فوجی طاقت کے ذریعے نہ صرف ایک بڑا فاتح بلکہ عظیم فرعون بن گیا۔

اٹھارھویں خاندان ہی میں وہ اصلاح پسند فرعون گزرا جو اخناتون کے نام سے مشہور ہوا اس کا دورِ حکومت (۱۳۷۵ تا ۱۳۵۸ ق م) اگرچہ صرف سترہ سال پر مشتمل تھا لیکن اس نے مصری پروہتوں کے مقابلے میں جو لاتعداد دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ایک الٰہ اتون کی عبادت کو رواج دیا۔ اس کے نزدیک اتون (سورج) جو قبل ازیں مصریوں میں "رع" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، کائنات کی تمام قوتوں کا مظہر تھا اور اس کے سامنے فرضی دیوی دیوتا کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اخناتون (سورج کا جمال) کہلایا ورنہ خاندانی اعتبار سے اس کا نام امن ہوتپ رابع تھا۔ اس کا بیٹا توت انخ آمن (۱۳۵۸ تا ۱۳۵۲ ق م) بھی نئے مذہب پر چلا لیکن مذہبی اصلاح پسندی کے اس دور ہی میں جب مصر کو داخلی مسائل کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ پروہت ان دونوں حکومتوں کے سخت مخالف تھے۔ مصر اپنے ایشیائی مقبوضات سے محروم ہو گیا اور رمسیس سوم کے عہد ہی میں شام و فلسطین کے اموری حکمرانوں نے مصری استعمار کے خلاف جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا، وہ اخناتون اور اس کے بیٹے توت انخ آمن کے عہد میں مزید تیز ہو گئی۔ مصری لشکروں کو شکست کھا کر شام سے واپس آنا پڑا۔

اٹھارھویں خاندان کے زوال کے بعد انیسویں خاندان کا آغاز فرعون حورمہب سے ہوا۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے مصر کی عظمت پھر بحال کر دی اور شام و فلسطین پر دوبارہ قبضہ جما لیا۔ رعمسیس ثانی (۱۲۹۲ تا ۱۲۲۵ ق م) اس دور کا عظیم فرعون کہلاتا ہے، جو اپنے نام کے ساتھ خود بھی "اعظم" کا لفظ استعمال کرتا تھا لیکن وہ تحوتمس جیسا عظیم فرعون نہیں تھا۔ رعمسیس ثانی وہی فرعون تھا جس کے محل میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی اور جو بنی اسرائیل پر سخت مظالم ڈھانے کے لیے شہرت رکھتا تھا۔ اس کی حکمرانی کا عہد (۶۷ برس) اتنا طویل تھا کہ ولی عہد منفتاح اس کے عہدِ حکومت ہی میں بوڑھا ہو گیا۔

رعمسیس ثانی کی وفات کے بعد منفتاح (۱۲۲۵ تا ۱۲۱۵ ق م) نے صرف دس برس حکومت کی۔ اسی فرعون کے عہد میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نکال لائے۔ منفتاح نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے خوف زدہ ہو کر بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے کی اجازت دے دی تھی مگر بعد ازاں اپنے عمائدینِ سلطنت کے اُکسانے پر بحیرۂ احمر کی کھاڑی تک ان کا تعاقب کیا۔ جہاں شق البحر کے معجزے سے حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار کر گئے لیکن فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ بعض مؤرخین اس واقعے کو تھا بیہ

www.urdukorner.com

خاندان کے فرعون تحوتمس اوّل (۱۵۴۱ تا ۱۵۰۱ ق م) سے منسوب کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے اور سمندر میں غرق ہونے والا فرعون منفتاح[1] ہی تھا۔

بوڑھا مصری راہبر حضرت موسیٰؑ کے واقعے کا ذکر کرنے کے بعد سیدھا عہد اسلام پر آگیا۔ طلوعِ اسلام سے قبل مصر پر قسطنطنیہ کے یونانی الاصل رومی قیصروں کی حکومت تھی جن کا پایۂ تخت اسکندریہ تھا اسی سلسلے کے حکمران ہرقل کی طرف سے قبطی بادشاہ مقوقس مصر پر حکومت کرتا تھا جسے پیغمبرِ اسلام نے خط روانہ کیا اور اسلام کی دعوت دی تھی۔ مقوقس نے قاصد نبویؐ کا خیر مقدم کیا۔ خط سنا۔ اسلام کی دعوت پر غور کیا اور جواب میں کئی تحائف ارسال کیے ایک کنیز ماریہ قبطیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جو بعد ازاں ام المومنینؓ کہلائیں کیوں کہ حضورؐ نے اُن سے عقد کر لیا تھا۔ فرزندِ رسولؐ ابراہیم انہی کے بطن سے ہوئے، جو کمسنی میں انتقال کر گئے۔ عہدِ فاروقی میں حضرت عمروؓ بن العاص غازیوں کے لشکر کے ساتھ مصر میں آئے۔ انھوں نے ہرقل کی رومی فوج کو شکست دے کر قصر الشمع، اسکندریہ اور دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا پھر نیل کے مشرقی ساحل پر پرانے قلعے قصر الشمع سے ہٹ کر فسطاط کا شہر آباد کیا۔

بوڑھے مصری راہبر نے جس کے حافظے کی لوح پر مصر کی پوری تاریخ گویا رقم تھی، تاریخی واقعات اس طرح بیان کیے، جیسے کوئی داستان بیان کی جاتی ہے۔ ابن حرب ان کی دل چسپی میں کھویا رہا اور ابوالہول سے جیزہ کی طرف سفر کا پتا ہی نہ چلا حتیٰ کہ ان کا مختصر سا قافلہ اس مقام سے جہاں طویل پہاڑی پشتہ ختم ہوتا تھا جنوب سے شمال مشرق کو مڑ گیا اور نیل کی زرعی پٹی پر کھیتوں کے درمیان گزرتا اور فلاحین کی چھوٹی سی بستی کو ایک جانب چھوڑتا ہوا دریا کے ساحل پر آگیا جہاں سفینے کے دونوں ملاح "مصری خاتون" کے منتظر تھے۔

طوطی شہزادی نے بوڑھے راہبر کے تعاون کا شکریہ ادا کیا جسے اس خدمت کا معاوضہ پہلے ہی ادا کر دیا گیا تھا مگر اُسے مزید انعام دیا۔ اس کے علاوہ فلاحین کو بھی انعام دے کر رخصت کیا اب ابن حرب کو شہزادی کے ساتھ سفینے ہی میں سفر کرنا اور مشرقی گھاٹ پر اترنا تھا مغربی

www.urdukorner.com

---

[1] منفتاح کی لاش بحیرۂ احمر کی کھاڑی سے مل گئی اور برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ (قمر اجنالوی)

Prop: Ali Khan

ساحل پر صرف جیزہ کے گھاٹ سے کشتی مل سکتی تھی، جو بہت دور تھا۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا اور اس وقت مشرقی گھاٹ پر سیر کی خاطر آنے والوں کی آمد شروع ہو جاتی تھی مگر انھیں ساحل پر اترتے ہی ایک دوسرے سے الگ ہو جانا اور مختلف سمتوں میں چلنا تھا۔ ابن حرب کو سوق الخیل کی طرف اور شہزادی کو القطائع کی نئی آبادی کی جانب۔ اس لیے ایک ساتھ دریا پار کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

ملاحوں نے سفینے کے بادبان کھول دیے اور دریا کا سفر پھر شروع ہو گیا۔ سفینہ نیل کی سطح پر تیرنے اور بہاؤ کے خلاف ہولے ہولے مشرقی گھاٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ سورج ڈھلتے ہی نیل کے دونوں ساحلوں کا موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس خوشگوار موسم میں ابن حرب کو کابک کا چوبی حجرے میں طولونی شہزادی کی تھوڑی سی رفاقت اور میسر آ گئی اور اسی رفاقت میں آئندہ ملاقات کے متعلق گفتگو ہوئی جس میں یہ بات طے پا گئی کہ شہزادی بہت جلد سلطان سے ایک ملاقات کرے گی تاکہ اسے بغداد کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کر سکے اور اسے سوق الخیل میں عنبر کے ذریعے ملاقات کے نتیجے سے آگاہ کر دے گی۔

تھوڑی دیر بعد سفینہ گھاٹ پر آ لگا جہاں انھیں ایک دوسرے سے جدا ہونا تھا۔ پہلے ابن حرب ساحل پر اترا اور اکا دکا لوگوں کے درمیان چلتا ابھی چند ہی قدم بڑھا تھا کہ مارے حیرت کے ٹھٹک کر رہ گیا۔ القطائع کے محافظ دستے کا سالار اور شہزادہ شیبان کا غلام حارث ابوظفر نہ جانے کہاں سے نکل کر ناگہاں اس سے آ ٹکرایا جسے دیکھتے ہی ابن حرب پر حیرت کا سکتہ سا گزر گیا کیوں کہ طولونی شہزادی اپنی کنیز کے ہمراہ سفینے سے اتر رہی تھی اور غالباً حارث نے اسے بھی سفینے سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ مشرقی گھاٹ پر اترتے ہی یہ ایک ایسی خلاف توقع بات ظہور میں آئی تھی جس نے ابن حرب کو دم بخود سا کر دیا تھا اور جو آگے چل کر ایک [illegible]

www.urdukorner.com

(۱۸)

رقیب

فسطاط کی دریائی بندرگاہ پر حارث، ابنِ حرب سے ناگہاں اس طرح آ ٹکرایا تھا جیسے سمندر کے مدّ کی بپھری ہوئی سرکش موجوں کا ریلا ساحل کی چٹان سے ٹکراتا اور اسے سر بسر کے لوٹ جاتا ہے مگر حارث لوٹنے والا ریلا نہیں بلکہ اپنے زور سے چٹان کو ہلا دینے والا طوفان بن کر نمودار ہوا تھا۔ اگر ابنِ حرب اُسے دیکھتے ہی بھونچکا سا رہ گیا تو خود حارث بھی اُسے فسطاط میں دیکھ کر حیران ہوا اور اسی حیرانی کی حالت میں چڑھتی موج کی طرح آگے بڑھا لیکن اس سے کہیں بڑھ کر استعجاب اور حیرت کا وہ لمحہ تھا جب اُس نے ایک مصری خاتون کو اپنی کنیز کے ہمراہ اسی سفینے سے اُترتے دیکھا جس سے چند لمحے پہلے ابنِ حرب اُترا تھا۔ اُنھیں پہچان تو نہ سکا کیونکہ دونوں برقعے میں تھیں لیکن ابنِ حرب کے مزاج کی رنگینی ڈھکی چھپی نہ رہ سکی۔ نیل کا مغربی ساحل "رنگین تفریح" کے لیے بڑا موزوں تھا جہاں سیر کرنے والے جوڑوں کو تنہائی میسر آ جاتی تھی۔

ابنِ حرب اس کے چہرے پر گزرنے والی حیرت کا جائزہ لے رہا اور بار بار سوچتا تھا کہ طولونی شہزادی اور عنبر دونوں عام لباس کے علاوہ پردے میں ہیں، حارث انھیں پہچان نہ سکے گا۔ پھر اُس کی توجہ ہٹانے کے لیے گرم جوشی سے بولا۔ "حارث! برقہ کی سرحد سے کب لوٹے؟"

"آج ہی!" وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "[illegible]

بھی شروع کر دیا۔"

ابنِ حرب کا دل دھک سے رہ گیا۔ "عاشقانہ میل جول؟"

"بغداد کی طرح فسطاط میں بھی خوب صورت عورتوں کی کمی نہیں ابنِ حرب! میں نے تمھیں اسی سفینے سے اُترتے دیکھا تھا جس سے ابھی ابھی ایک مصری خاتون اُتری ہے۔"

"مگر مجھ جیسے مصیبت زدہ جنگی مرد کا کسی مصری خاتون سے کیا واسطہ؟"

وہ اس بات پر دل ہی دل میں خوش تھا کہ حارث شہزادی کو کوئی مصری خاتون ہی سمجھ رہا ہے پھر اُسے بتانے لگا۔ "آج میں نیل کے ساحل پر اہرام کی وادی دیکھنے گیا مگر واپسی پر کوئی کشتی نہ مل سکی کیوں کہ جیزہ کے گھاٹ سے دور چلا گیا تھا۔ اتفاق سے ایک سفینہ ادھر آ نکلا۔ میں نے ملاحوں سے درخواست کی کہ مجھے دوسرے ساحل پر پہنچا دیں۔ پہلے تو انھوں نے انکار کر دیا اور بتایا کہ سفینہ ایک خاتون نے کرائے پر لیا ہے۔ پھر میری پریشانی دیکھ کر اُدھیڑ عمر ملاح نے سفینہ کنارے سے لگا کر مجھے سوار کرا لیا اور اپنے پاس ہی بیٹھنے کو کہا۔ خاتون اور اس کی کنیز نے مجھے سوار ہوتے دیکھا یا نہیں مگر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح میں مشرقی گھاٹ پر آ گیا اور تم اسے "عاشقانہ میل جول" کہتے ہو۔ بندۂ خدا! کیا خوفِ خدا برقہ کی سرحد پر چھوڑ آئے ہو؟"

اُس نے خاتونِ سفینہ سے اپنی ناآشنائی اور بے تعلقی کا اظہار اس اعتماد سے کیا کہ حارث کے ذہن میں اس کی "رنگین مزاجی" کا جو خیال پیدا ہوا تھا، وہ جاتا رہا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ابنِ حرب! جنگی مرد کے لیے عورت کوئی شجرِ ممنوعہ تو نہیں مگر یہ مصر ہے اور مصری عورت دل کے ساتھ دماغ کو بھی اپنی زلفوں میں اسیر کر لیتی ہے اس لیے....."

نہ جانے آگے کیا کہنے والا تھا کہ ابنِ حرب کے عقب میں اس کی نظریں ایک بار پھر مصری خاتون اور اُس کی کنیز کے تعاقب میں دوڑیں اور کنیز کی رنگ دار جوتیوں پر ٹک گئیں جنھیں دیکھ کر وہ بُری طرح چونک اٹھا۔ ابنِ حرب اُسے چونکتے دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی غیر معمولی بات پیش آ گئی ہے مگر اپنی لاتعلقی قائم رکھی۔ معلوم نہیں حارث نے کنیز کی چال ڈھال یا اُس کی رنگ دار جوتیوں سے کوئی سُراغ پا لیا تھا یا نہیں مگر اب وہ ابنِ حرب سے دامن چھڑا رہا اور غالباً خاتون اور کنیز کے پیچھے جانا چاہتا تھا تاکہ جو شبہ گزرا ہے، اس کی تصدیق کر سکے۔ ابنِ حرب نے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور [illegible] کہ شہزادی اپنی کنیز کے ساتھ دور نکل جائے

www.urdukorner.com

یا کہیں اِدھر اُدھر ہو جائے۔ اپنے دونوں ہاتھ بڑی بے تکلفی سے اُس کے کندھوں پر رکھ دیے اور کہنے لگا۔ "میں یہاں آتے ہی تم سے ملنے چاہتا تھا مگر معلوم ہوا کہ شہزادہ شیبان کے ساتھ برقہ کی سرحد پر چلے گئے ہو۔ سُنا ہے قیروان میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

"ہاں۔۔۔" یہ کہہ کر پیچھے ہٹنا چاہا تو کندھوں پر ابن حرب کے ہاتھوں کی گرفت محسوس کی جس نے اُس کا زاویہ بھی کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ وہ اس حرکت کو کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ فقط اس کی بے تکلفی سمجھا۔ اس نے تکلفی کی پہل خود کر چکا تھا۔ اب گھبرائے ہوئے لہجے میں بتانے لگا "بنی فاطمہ کے حامیوں نے بربر قبائل کے ساتھ مل کر اغلبی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ہے مگر مجھ کو کوئی خطرہ نہیں۔"

"کیا شہزادہ شیبان بھی واپس آ گئے ہیں؟"

"اگر وہ نہ آتے تو تم مجھے بھی یہاں نہ دیکھتے"

"پھر اُن سے میری ملاقات کا بندوبست کرو۔"

"ابھی اُن کی طبیعت خراب ہے۔ کچھ دن ٹھہر جاؤ۔" حارث ملاقات کو ختم کر دینے کی فکر میں تھا، جلدی سے بولا۔ "ٹھہرے کہاں ہو؟"

"سوق الخیل میں۔"

"ابونصر یاقوت کی حویلی میں؟"

"ہاں، فی الحال وہیں قیام ہے۔"

"پھر تم سے ملاقات ہوتی رہے گی۔"

یہ کہہ کر اُس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹا دیے جیسے اب چھٹکارا چاہتا ہو۔ اس وقت میں ابن حرب نے شہزادی اور اُس کی کنیز کو گھاٹ سے دور فلاحین کی بستی کے پاس ایک پالکی میں سوار ہوتے اور حمالوں کو پالکی اٹھا کر موڑ پر غائب ہوتے دیکھا اور اطمینان کے لہجے میں بولا۔ "تمھیں جلدی کس بات کی ہے حارث؟"

"ایک ضروری کام سے گھاٹ پر آیا تھا اور وہ کام جلدی کا ہے۔"

"پھر میں تمھیں نہیں روکتا مگر شیبان کے صحت یاب ہوتے ہی ان سے میری ملاقات کرانا بھول نہ جانا۔"

"تمھیں اب کیسے بھول سکتا ہوں۔"

اس کے الفاظ اگرچہ بڑے صاف اور سیدھے سادے تھے لیکن اُن کی ادائیگی کے اظہار سے ایک ایسے خطرناک جذبے کی ترجمانی ہوتی تھی جیسے کوئی دھمکی دے رہا ہو۔ الفاظ کی ادائیگی نے ابن حرب کو چونکا دیا اور اس سے پہلے کہ دھمکی کا مطلب پوچھتا، وہ جا چکا تھا اور متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر کسی کو ڈھونڈ رہا تھا مگر اس کی مطلوبہ خاتون اب کہیں دکھائی نہ دے رہی تھی، بالآخر اُسی راستے پر ہو لیا جدھر شہزادی گئی تھی۔

ابن حرب اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ گھاٹ سے دُور ہو گیا تو کچھ سوچ کر بڑی تیزی سے سفینے کی طرف پلٹا۔ دونوں ملاح اُسے واپس آتے دیکھ کر یہی سمجھے کہ شاید کوئی چیز بھول گیا تھا اور لینے آیا ہے۔ قریب پہنچ کر اس نے دونوں کے ہاتھ پر دو دو طلائی دینار رکھ دیے۔ ملاح جو دن بھر میں چند دانگ[1] یا تین چار درہم کما لیتے تھے، سونے کے چار دینار حاصل کر کے بڑے خوش و خرم نظر آنے لگے۔ یہ انعام ان کی حیثیت سے بڑھ کر تھا۔ اب وہ سرگوشی کے لہجے میں انھیں سمجھانے لگا:

"تمھیں یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ میں نیل کے مغربی ساحل پر جزیرہ سے شمال کی جانب کافی دُور کسی کشتی کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اتفاق سے تمھارا سفینہ وہاں سے گزرا تو میں نے درخواست کی کہ مجھے مشرقی گھاٹ پر لے چلو مگر تم نے انکار کر دیا اور بتایا کہ سفینہ ایک خاتون نے سیرِ دریا کے لیے حاصل کیا ہے جو اپنی کنیز کے ساتھ چوبی حجرے میں موجود ہے۔ ہم کسی غیر مرد کو سوار نہیں کر سکتے، پھر میری پریشانی اور مجبوری کو دیکھتے ہوئے یا مجھے اجنبی سمجھ کر سفینے میں بٹھا لیا اور دوسرے کنارے لا اُتارا۔ نہ میں کسی خاتون سے واقف ہوں، نہ وہ مجھے جانتی ہے۔"

اُس نے وہی قصہ جو حارث کو سُنایا تھا، ملاحوں کو سمجھایا۔ انھوں نے کچھ تعجب اور کچھ رضامندی کی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا کہ خاتون سے ناآشنائی اور لاتعلقی چاہتا ہے اور سونے کے چار دینار اس خدمت کا صلہ ہیں۔ اُدھیڑ عمر ملاح نے کہا۔ "صاحب! حق بات یہ ہے ہم خود نہیں جانتے وہ خاتون کون تھی اور آپ کون ہیں۔ ہمیں تو صرف اپنی اُجرت سے غرض

---

[1] دانگ درم سے کم قیمت کا سکہ جو رائج تھا۔ درم چاندی کا ہوتا تھا۔ سونے کا دینار سب سے بڑا اور قیمتی سکہ تھا جسے فارسی میں اشرفی کہتے تھے۔ (قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

ہے۔ کسی دوسرے معاملے سے کوئی مطلب نہیں۔"

"پھر یہ چار دینار اس خدمت کی معقول اُجرت ہے جو تم ادا کرو گے۔ میرا خیال ہے تم دونوں کو میرا قصہ اچھی طرح یاد رہے گا۔"

دوسرا ملاح بولا۔ "آپ فکر نہ کریں، یہاں اس قسم کے قصے پیش آتے ہی رہتے ہیں ہم ایسے جھگڑوں میں نہیں اُلجھتے مگر اپنے مسافروں کی حفاظت کرنا ہر ملاح کا فرض ہے اور ہم بیٹے نیل کے ملاح ہیں جو ہمارا روزی رساں ہے۔"

مسافروں کی حفاظت کا ملاحی کے پیشے سے گہرا تعلق ہے مگر یہاں "حفاظت" کا ایک اور نقشہ تھا اور ملاحوں کو چار طلائی دیناروں کے عوض اس نقشے میں رنگ بھرنا تھا انھوں نے اطمینان بخش جواب دیا تو ابن حرب سمجھ گیا کہ وہ اس کے بیان کردہ قصے کو یاد رکھیں گے پھر اُن پر بھروسے کی نظر ڈالتا ہوا مُڑا اور قصبے کی پرانی آبادی، سُوق الخیل کی طرف چل دیا۔

☆

نیل دنیا کے بڑے دریاؤں میں شمار ہوتا اور مصر کی شہ رگ سمجھا جاتا ہے جس کے ذریعے "زندگی کا خون" مصر کی شریانوں میں دوڑتا ہے۔ بڑا چوڑا اور گہرا دریا ہے جس میں شروع سے جہاز رانی ہوتی رہی ہے۔ سامانِ تجارت یا اجناس سے لدے ہوئے جہاز اور بڑے بڑے سفینے لکڑی سے فسطاط اور فسطاط سے اسکندریہ کے درمیان رواں دواں رہتے تھے۔ نئے دارالحکومت القطائع سے ملحق ہونے کے باعث فسطاط کی دریائی بندرگاہ پر خاصی چہل پہل ہوتی تھی اور اس چہل پہل کی ایک بڑی وجہ یہ بھی کہ اسی مقام پر کسی زمانے میں مصر کا قدیم دارالحکومت شہر ممفس آباد تھا جو فراعنہ کا دارالحکومت رہا۔ اسی شہر کے بازار میں حضرت یوسفؑ غلام کی حیثیت میں بکے اور عزیزِ مصر کے عہدے تک پہنچے۔ ممفس کو بنی اسرائیل سے ایک خاص نسبت رہی ہے۔ علاوہ ازیں اسی مقام پر نیل کے مغربی ساحل پر اہرام کی وہ تاریخی وادی ہے جہاں فرعونوں کے تیرہ زمانہ مقبرے اپنے محافظ دیوتا ابوالہول کی نگرانی میں صدیوں سے زمین کی چھاتی پر کھڑے اور ہر دور میں غیر ملکی مسافروں، سیاحوں اور مقامی لوگوں کی دلچسپی کا مرکز بنے رہے ہیں۔

انھی خصوصیات کے باعث طولانی دور میں بھی نیل کے ساحل پر خاصی رونق رہتی تھی۔

مردوں کے علاوہ خواتین بھی اپنے شوہروں، عاشقوں یا کنیزوں کے ہمراہ سیرِ دریا کے لیے آتی اور تھوڑی سی تفریح کے بعد لوٹ جاتی تھیں، کسی نے ان پر کبھی توجہ نہیں دی تھی پھر انقطائع کے محافظ دستے کے سالار حارث کی نظروں میں وہ خاتون کیوں کھٹکی جو کنیز کے ساتھ سفینے سے اُتری اور اپنی راہ ہوئی تھی؟

اس کا سبب دراصل ابن حرب تھا جسے اُس نے ناگہاں گھاٹ پر سفینے سے اترتے دیکھا اور جب اسی سفینے کے چوبی حجرے سے ایک برقع پوش خاتون اپنی کنیز کے ہمراہ نمودار ہوئی تو ذہن میں ابن حرب کی رنگین مزاجی کا خیال گزرا اس طرح وہ خاتون اس کی پہلی توجہ کا مرکز بنی۔ ابن حرب نے اگرچہ ایک من گھڑت قصہ سُنا کر "رنگین غلط فہمی" دور کرنے کی کوشش کی لیکن وہ جوان کنیز کی چال ڈھال اور رنگ دار جوتیاں دیکھ کر ہکا بکا سا رہ گیا۔ پھر یہ سوچ کر کہ اس کنیز کے ساتھ خاتون کون ہو سکتی ہے؟ فتیلے کی طرح جلنے سُلگنے لگا عرائی سمان ایک رقیب بن کر سامنے آیا اور اُسے معنی خیز دھمکی دے کر خاتون کے تعاقب میں بھاگا مگر گھاٹ پر ابن حرب نے اس کا جو تھوڑا سا وقت ضائع کر دیا تھا وہ بہت مہنگا پڑا۔

اسی اثنا میں برقع پوش خاتون اپنی کنیز سمیت کسی طرف نکل گئی یا کہیں غائب ہو گئی تھی۔ اس کی یہ "گمشدگی" حارث کے لیے بڑی پریشان کن ثابت ہوئی۔ ساحل سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کا سلسلہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا تھا اور ان کھیتوں سے پرے فلاحین کے خاکستری مکانات نظر آ رہے تھے۔ وہ تیز قدموں سے ایک بگ ڈنڈی پر انھی مکانات کی طرف ہو لیا۔ چلتے چلتے ایک کسان نظر آیا جو کھیت سے چارا کاٹ رہا تھا۔ بگ ڈنڈی چھوڑ کر اس کے سر پر جا پہنچا اور پوچھنے لگا، آیا اس نے ایک برقع پوش خاتون کو ادھر سے گزرتے دیکھا ہے جس کے ہمراہ ایک کنیز تھی؟

مصری کسان نے اُسے غور سے دیکھا پھر زبان ہلانے کی بجائے نفی میں سر ہلا دیا کسان نے کسی خاتون کو دیکھا تھا یا نہیں لیکن یہ سوچ کر کہ معاملہ سنگین معلوم ہوتا اور سوال کرنے والا لباس اور اپنے لہجے سے کوئی افسر لگتا ہے، انکار ہی مناسب سمجھا۔ اس نے یہ بھی سوچا، ممکن ہے وہ خاتون اس افسر کی زوجہ ہو جو کنیز کے ہمراہ اپنے کسی چاہنے والے کو ساحل پر ملنے آئی اور خاوند کے آجانے پر اسے نخچا دے کر نکل گئی ہو، لہٰذا وہ اس قضیے میں کیوں پڑے؟

حارث کے ذہن میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ پوچھنے لگا۔ "کیا بستی میں کوئی ایسا گھر بھی

www.urdukorner.com

ہے جہاں کوئی معزز خاتون تھوڑی دیر قیام کر سکے؟"

کسان نے دوسری بار سر ہلایا تو حارث جھنجھلا گیا۔ "بولتے کیوں نہیں، کیا گونگے ہو؟"

مصری کسان نے تیسری مرتبہ سر کو نفی میں حرکت دی تو حارث غصے میں بڑبڑاتا چلا گیا۔ لیکن اس پوچھ گچھ میں کچھ اور وقت ضائع ہو گیا۔ خاتون اپنی کنیز سمیت آناً فاناً غائب ہو گئی تھی تب اسے کہاں تلاش کرے، کدھر جائے؟ ذہن میں شبے کی جو چنگاری سلگی تھی، وہ تاؤ کھا کر کچھ اور بھڑکی اور رگ و ریشے میں دوڑنے لگی۔ وقت کی وہی چند گھڑیاں جن میں ابن حرب نے اسے باتوں میں لگا لیا تھا، فریب دے کر نکل گئی تھیں۔ اب یوں چل رہا تھا جیسے قدم من من بھر کے ہو گئے ہوں۔ گھاٹ پر جس کام کے لیے آیا تھا، اس کا بھی دھیان نہ رہا یا وہ کام اس بے چینی کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہوا جس نے دل کو گھیر لیا تھا۔ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر اور دل میں ایک نئی بے چینی لیے بوجھل قدموں کے ساتھ القطائع کی جانب ہو لیا۔

چلتے چلتے سوچنے لگا، اگر اس کا شبہ درست ہے تو معاملے کی صورت بالکل تبدیل ہو گئی اور اس کی آرزوؤں کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلنے والا ہے۔ لیکن اپنی پریشانی اور بے چینی کا کسی سے اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں تڑپتا اور پیچ و تاب کھاتا چلتا رہا۔ پاؤں رکے تو اپنی حویلی کی بجائے شہزادی نجم الہیل کے قصر کے پھاٹک پر کھڑا تھا۔ حیران ہوا کہ یہاں کیوں آ گیا ہے؟ یہاں آنے میں کسی ارادے کا دخل نہیں تھا لیکن ذہن کے گوشوں میں سانپ بن کر رینگتا ہوا شبہ آپ سے آپ اسے ایک ایسے قصر تک لے آیا تھا جس کا دروازہ شاید قدرت اس کے لیے بند کر رہی تھی مگر ہاتھ خود بہ خود دروازے تک چلا گیا۔

حبشی غلام نے دروازہ کھولا تو شہزادہ شیبان کے خاص غلام اور القطائع کے محافظ سالار کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا۔ "کیا شہزادی صاحبہ نے آپ کو طلب کیا ہے؟"

غیر متوقع سوال نے کچھ اور پریشان کر دیا کیوں کہ طلب نہیں کیا گیا تھا پھر جواب کیا دیتا سوچا لوٹ جائے مگر کچھ کہے سنے بغیر لوٹ جانا مشکوک اور خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس نے اپنی پریشانی پر عذر کا پردہ ڈال لیا اور کہا۔ "شہزادی صاحبہ نے تو طلب نہیں کیا مگر ان کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔ انھیں میرے آنے کی اطلاع دے دو تو کرم ہوگا۔"

حبشی غلام جس کا نام ٹونگا تھا شہزادی کو اطلاع دینے چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ٹونگا خاص کنیز عنبر اس کے پیچھے پیچھے آتی دکھائی دی۔ حارث نے اس کی چال ڈھال کا غور

S-527, BHAGAN BAZAR
Cell: 0345-5048636 - 0345-5046999
Prop: Ali Khan

جائزہ لیا اور پاؤں پر نظر پڑی تو وہی رنگ دار جوتیاں پہن رکھی تھیں جنھیں دیکھ کر گھاٹ پر چونکا تھا۔ اب یہاں بھی حیرت کے ایک نئے سکتے سے دوچار ہوا۔ اس نے عنبر کی جوتیوں کو پہچان لیا اور یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ گھاٹ پر ابن حرب کے پیچھے پیچھے سفینے سے اترنے والی طولونی شہزادی نجم الہیل اور اس کی کنیز خاص عنبر ہی تھی۔ فوراً ابن حرب کا خیال ذہن میں سانپ کی طرح پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا جس نے سفینے پر سوار ہونے کا کوئی اور ہی قصہ سنایا تھا۔ اب وہ قصہ اسے معانی سے خالی اور دروغ پر مبنی معلوم ہوا۔ دل میں اپنے عراقی رقیب کے خلاف نفرت کی لہر تیزی سے حرکت کرنے اور اندر ہی اندر بس گھولنے لگی۔

عنبر قریب آئی تو بھی اس کی نظریں اس کی جوتیوں سے نہیں ہٹیں جو طولونی شہزادی سے عراقی رقیب کی ملاقات کا راز فاش کر رہی تھیں۔ عنبر حیران ہوئی کہ کچھ کہنے کی بجائے اس کی جوتیوں کی طرف کیا دیکھے جا رہا ہے۔ "میرے پاؤں میں کیا دیکھ رہے ہو؟"

وہ چونکا۔ "یہ رنگ دار جوتیاں تمھارے پاؤں میں بہت اچھی لگتی ہیں پہلے بھی ایک دو بار دیکھ چکا ہوں۔"

ہوشیار کنیز کو یہ بات بری طرح کھٹک گئی کہ شاید اس نے گھاٹ پر یہ جوتیاں دیکھ لی تھیں اسی لیے سیدھا یہاں پہنچا ہے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اسے یہ رنگ دار جوتیاں پہن کر حارث کے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا مگر بڑی ہوشیاری سے بتانے لگی۔ "رنگ دار جوتیوں کا یہ نمونہ اسکندریہ کے چرم دوزوں نے نکالا اور بڑا مقبول ہوا ہے۔ آج کل فسطاط میں، القطائع میں انھی کا رواج ہے۔ سینکڑوں عورتیں پہنے پھرتی ہیں، تم یہاں ہر چوتھی پانچویں عورت کے پاؤں میں یہی جوتیاں دیکھو گے۔"

عنبر نے اس کے ذہن کو الجھا دیا۔ کچھ پریشان اور متذبذب سا نظر آنے لگا کہ ہو سکتا ہے ساحل پر اس نے جس کنیز کے پاؤں میں رنگ دار جوتیاں دیکھیں، وہ کوئی دوسری عورت ہو۔ پھر فوراً سنبھلا کہ جوتیاں کسی اور کی ہو سکتی ہیں مگر وہ چال ڈھال تو کسی دوسری عورت کی نہیں ہو سکتی جو عنبر کی ہے۔ نیل کے ساحل پر اس نے جس کنیز کو دیکھا، وہ صد فی صد عنبر ہی تھی۔ نظریں ایک بار پھر جوتیوں پر جا ٹکیں۔ چالاک کنیز سمجھ گئی کہ کیا سوچ رہا ہے اسے جوتیوں میں ڈال دینے پر آ گئی اور چہک کر بولی۔ "اگر میری جوتیاں تمھیں پسند آ گئی ہیں تو پاؤں سے اتار کر ہاتھوں میں پکڑا دوں؟"

www.urdukorner.com

حارث کچھ کھسیانا سا ہو گیا۔ پوچھنا چاہتا تھا، آج وہ نیل پر کیا لینے گئی تھی، اس کے ساتھ کون تھا اور ابنِ حرب سے خفیہ ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ ذہن میں اس قسم کے کتنے ہی سوال بگولوں کی طرح چکر کاٹ رہے تھے مگر کچھ پوچھ نہ سکا۔ جانتا تھا عنبر کچھ نہیں بتائے گی بلکہ طولونی شہزادی کے بارے میں جس کے خاندان کا وفادار تھا، کوئی سوال یا کسی شبے کا اظہار کرتے وقت احتیاط لازم تھی اور جو ملازم اس قسم کی احتیاط نہیں کرتے، اُن کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ اسی اندیشے نے زبان تھام لی لیکن دل میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ طولونی شہزادی اپنی کنیز کے ساتھ نیل کے مغربی ساحل پر گئی اور ابنِ حرب سے ملی ہے البتہ ملاقات کا کوئی ثبوت ہاتھ نہ آسکا تھا۔ رہے عنبر کی رنگ دار جوتیاں تھیں جن کے بارے میں اس نے کہہ دیا تھا کہ ان دنوں یہاں ہر چوتھی پانچویں عورت ایسی جوتیاں پہنے پھرتی ہے۔ بس دل میں بھڑکنے والی آتشِ رقابت اندر ہی اندر جلائے جا رہی تھی۔ اچانک کنیز نے اس بھڑکتی آگ پر تیل ڈال دیا۔ "لینے کیا آئے ہو؟"

بتانا کیا کہ کیوں آیا ہوں؟ فوراً بات بنائی۔ "شہزادی صاحبہ سے ایک خاص معاملے میں مشورہ چاہتا ہوں۔"

"اس مقصد کے لیے تمھیں پہلے شہزادہ شیبان سے پوچھنا چاہیے۔"

"تم شہزادی صاحبہ کو میرے آنے کی اطلاع تو دو۔ ممکن ہے وہ مجھے طلب کر لیں۔"

دیکھنا چاہتا تھا کہ اب ملاقات کی اجازت بھی مل سکتی ہے یا نہیں؟ مگر اس کا جواب مایوس کن تھا۔ "وہ کسی کو طلب نہیں کریں گی۔ آج اُن کی طبیعت ناساز ہے اور وہ آرام کر رہی ہیں۔"

حارث اسے بہانہ سازی سمجھا۔ ملاقات سے انکار کر دیا گیا تھا جو آگ بن کر نس نس میں دوڑ گیا۔ اب ناکام واپسی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا مگر واپس جانے سے پہلے اُس نے بھی ایک انگارہ پھینکنا ضروری سمجھا۔ "میں جا رہا ہوں عنبر! لیکن میرا ایک پیغام شہزادی صاحبہ تک پہنچا دینا کہ نیل کے مغربی ساحل کی سیر کے بعد طبیعت عموماً ناساز ہو جاتی ہے۔ اُنھیں ایسی سیر سے اجتناب کرنا چاہیے۔"

یہ انگارا اس شبے کی آگ کا تھا جس میں خود جل رہا تھا۔ کنیز بھی اس کی جرأت پر تڑپ گئی اور جل کر بولی۔ "تم سے اس گستاخی کا جواب طلب کیا جائے گا حارث!"

اگر وہ شہزادہ شیبان کا خاص اور معتبر غلام تھا تو عنبر بھی طولونی شہزادی کی رازدار کنیز اور جانتی تھی کہ بنی طولون کی حفاظت کا فرض ادا کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک اہم آدمی سمجھنے لگا ہے، شہزادی کا طلب گار بھی ہے لیکن ابھی اپنی آرزو کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکا جب کہ شہزادی اُسے ایک اچھے محافظ اور ایک ہوشیار نگہبان کی حیثیت سے ضرور پسند کرتی تھی لیکن اس کے ذہن میں اپنے دوسرے خاوند کا نقشہ کچھ اور ہی تھا۔

وہ ابھی پلٹا ہی تھا کہ عنبر کی بات سُن کر اُسی قدموں رُک گیا۔ دل میں خطرے کی آہٹ ہوئی۔ اپنی بے وقوفی یا رقابت کے جوش میں شہزادی پر شبے کا اظہار کر بیٹھا اور "مغربی ساحل کی سیر" سے اجتناب کا مشورہ بھی دے چکا تھا جس کا اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، جب کہ شہزادی عباسیہ کے بعد بنی اہلیل سلطان کے مزاج میں سب سے زیادہ دخل رکھتی تھی اگر وہ بھائی سے شکایت کر دے تو یقیناً اپنے عہدے سے معزول اور طولونی اعتماد سے محروم ہو سکتا تھا۔ یہی سوچ کر دروازے کی طرف مڑا اور کنیز کے پاس آکر سرگوشی میں کہنے لگا۔ "ناراض کیوں ہوتی ہو عنبر! میں نے شہزادی صاحبہ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔ صرف نیل کے مغربی ساحل کی سیر سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے۔"

عنبر نے محسوس کیا کہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی ہے تو لہجے میں کچھ اور سختی پیدا کر لی۔ "شہزادی صاحبہ جب سے شام و فلسطین کے سفر سے لوٹی ہیں، نیل کی طرف نہیں گئیں اور تم مغربی ساحل کی سیر کا الزام دیتے ہو۔"

حارث کی نگاہیں ایک بار پھر اس کی جوتیوں پر جم گئیں۔ "مگر تمھاری جوتیوں پر مغربی ساحل کی گرد ہے۔"

وہ پٹاخ سے بولی۔ "میری جوتیوں پر مغربی ساحل کی نہیں، تمھارے منھ کی گرد جم گئی ہے۔ اپنا ذہن صاف کرو حارث! ورنہ شہزادی پر بے ہودہ الزام کی پاداش میں تمھارا سر فسطاط کی کسی دیوار پر لٹکتا نظر آئے گا۔"

کنیز کے پُریقین لہجے نے حارث کو بدحواس کر دیا۔ گھبرا کر بولا۔ "عنبر! مجھے تمھارا مشورہ پسند اور تمھاری خوشنودی عزیز ہے۔ اب شہزادی صاحبہ تک میرا پیغام پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ میں کل ہی تمھارے لیے ایک قیمتی تحفہ بھیجوں گا۔"

عنبر منھ ہی منھ میں بڑبڑائی۔ "میری جوتی سے۔" اور قصر میں لوٹ گئی۔ حارث نے اس

www.urdukorner.com

کے ہونٹ ہلتے دیکھے مگر آواز نہ سن سکا۔ ہم اتنا ضرور سمجھ گیا کہ شہزادی تک پیغام نہ پہنچانے کی خواہش بے کار ہی ثابت ہوگی۔ عنبر اس کی ایک ایک بات مالکن کے سامنے دہرائے گی اور اپنی حماقت سے شہزادی پر جس شبے کا اظہار کر چکا ہے، وہ اس کے لیے کسی مصیبت کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ اگر شبہ درست ہے تو بھی اسے خاموش رہنا چاہیے تھا۔ اب اس اندیشے سے قدم اٹھانا دشوار ہو رہا تھا کہ بات سلطانِ معظم یا شہزادہ شیبان تک پہنچ گئی تو شاید شاہی عتاب کا شکار ہو جائے۔ خیال آیا اسے اپنی حفاظت کا انتظام یا پھر شبے کا کوئی ثبوت فراہم کر لینا چاہیے جس کے طفیل نہ صرف خود بچ سکتا بلکہ اپنے عراقی رقیب کا سر بھی قلم کرا سکتا ہے۔ چلتے چلتے اچانک ایک سانپ ذہن میں لکیر کھینچتا گزرا کہ وہ سب سے بڑا ثبوت تو نیل کے گھاٹ پر چھوڑ آیا ہے۔ اسے سفینے کے ملاحوں سے پوچھ گچھ کرنا چاہیے تھی جو تھوڑے سے انعام کے لالچ میں سب کچھ اگل دیں گے۔

اس نادر خیال کے آتے ہی وہیں سے مڑا اور تیز قدموں سے نیل کی جانب ہو لیا۔ عنبر کی جوتیوں نے اگرچہ اس کے شبے کی تصدیق کر دی تھی مگر ہوشیار کنیز نے اسے باتوں میں اڑانے کی کوشش کی اور باز پرس کی دھمکی دی تھی جس پر فی الواقع خوف محسوس کرنے لگا تھا لیکن ملاحوں کے خیال نے کچھ حوصلہ دیا۔ اسے یقین تھا، ابنِ حرب نیل پر بے درجہ نہیں گیا۔ عنبر اپنی مالکن کے ہمراہ بے سبب سفینے پر سوار نہیں ہوئی۔ اس پردۂ اسرار میں ایک اہم بات، ایک ملاقات چھپی ہوئی تھی اور وہ اسرار کا پردہ اٹھا دے گا۔

ساحل پر پہنچا تو اتفاق سے دونوں ملاح مل گئے۔ نیل کے گھاٹ پر تماشائیوں کا ہجوم بڑھ گیا تھا جس میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں۔ سفینے کے ملاح اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر سمجھے کہ شاید سیرِ دریا کا شوق رکھتا ہے۔ حارث نے جیب سے چند درم نکال کر ملاحوں میں برابر برابر تقسیم کر دیے۔ اس کی حیثیت اور شخصیت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ "اب مجھے یہ بتاؤ وہ برقع پوش خاتون کون تھی جو آج تیسرے پہر اپنی کنیز کے ہمراہ تمھارے سفینے سے گھاٹ پر اتری اور مغربی ساحل پر کیا لینے گئی تھی؟"

"برقع پوش خاتون" کے ذکر سے دونوں چونکے اور سمجھ گئے کہ کوئی اہم اور خطرناک معاملہ ہے جو سردار حارث پوچھ گچھ کرنے آیا ہے۔ اُدھیڑ عمر ملاح نے صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے جواب دیا۔ "سردار حارث! ہم غریب ملاح صرف اپنی روزی سے غرض رکھتے ہیں

اور سفینے پر سوار ہونے والی کسی خاتون کے متعلق یہ معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ کون ہے۔ آج ایک خاتون نے اپنی کنیز کے ساتھ ہمارے سفینے میں کچھ دیر دریا کی سیر کی تھی، اس کے علاوہ ہم اور کچھ نہیں جانتے۔"

حارث کو پہلی مایوسی ہوئی مگر ملاح کو تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم کہتے ہو خاتون کے ساتھ صرف اس کی کنیز تھی مگر سفینے سے ایک مرد بھی اترا تھا۔ اس مرد کا خاتون سے کیا تعلق تھا؟"

"جناب! وہ مرد بے چارا تو کوئی اجنبی اور شاید فسطاط میں پہلی بار آیا ہے۔" پھر ملاح وہی قصہ دہرانے لگا جو ابنِ حرب نے چار طلائی دیناروں کے عوض ذہن نشین کرایا تھا۔ "جب ہمارا سفینہ مغربی ساحل کے قریب پہنچا وہ اجنبی کسی کشتی کے انتظار میں وہاں کھڑا تھا۔ اس نے فرمائش کی کہ ہم اسے مشرقی گھاٹ پر لے چلیں۔ پہلے ہم نے انکار کر دیا کیوں کہ سفینہ ایک معزز خاتون نے کرائے پر لے رکھا تھا، پھر یہ دیکھ کر کہ وہ جزیرہ کے گھاٹ سے بہت دور ہے، جہاں اسے کوئی کشتی نہیں مل سکتی، ہم نے اسے پریشانی سے بچانے کے لیے سفینے پر آنے دیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس خدمت کے عوض اس نے ہمیں دو درم دینا چاہے مگر ہم نے اس سے کرایہ لینا مناسب نہیں سمجھا کہ فسطاط میں نو وارد اور اجنبی ہے اس طرح اسے مشرقی گھاٹ پر اتارا اور وہ ہمارا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔"

ملاح نے حارث کے پاؤں تلے سے وہ زمین ہی کھینچ لی جس پر چلتا ہوا انقطاع سے پھر گھاٹ پر لوٹ آیا تھا۔ یہاں بھی وہی قصہ سننا پڑا جو ابنِ حرب سے ملتے ہی سن چکا تھا۔ ملاح نے اس قصے کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی تھی۔ اب فضا میں معلق سوچ رہا تھا کہ اس کا شبہ بے بنیاد ثابت ہوا ہے مگر نہیں جانتا تھا کہ سونے کے چار دینار اس کے چند درموں کو نگل گئے ہیں۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا گئی ہے۔

اب گھاٹ سے لوٹا تو خیال آیا جیسے عنبر نے کہا تھا کہ ایسی رنگ دار جوتیاں بیسیوں عورتیں پہنے پھرتی ہیں، تو وہ جوتیاں عنبر کی بجائے کسی دوسری عورت کی تھیں۔ پھر جوان عورتوں کی چال ڈھال بھی ایک جیسی ہوتی ہے اور فسطاط میں جوان سانولی سوڈانی کنیزوں کی کیا کمی تھی۔ شبے کی دیوار ڈھے جانے کے بعد اب اس کے بلے پر چل رہا تھا مگر اس بات کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی کہ شہزادی کو "نیل کی سیر" کا طعنہ دے کر غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا ہے۔

S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

طولونی بیوہ کا طلب گار تھا۔ اگر سیر دریا کا طعنہ شہزادی کی ناراضی کا باعث بن گیا تو اس کی نظروں سے گر جانے کا اندیشہ تھا اس کے ساتھ شاید شہزادہ شیبان اور سلطان ابوجیش کی نظروں میں بھی گر جائے دل کو یہی دھڑکا لگ رہا تھا کہ اسے مات ہو گئی ہے لیکن ذہن کے کسی گوشے میں دبک کر بیٹھا ہوا شبے کا سانپ ابھی تک اپنی جیبھ لپلپا رہا تھا، جو تصور میں ابن حرب کی صورت اختیار کر لیتا اور ایک آواز اندر ہی اندر گونجنے لگتی کہ اس نے دوہری مات کھائی ہے۔

★

برقہ (طرابلس الغرب) کی سرحد سے واپسی کے بعد شہزادہ شیبان نے اپنے بھائی سلطان خمارویہ ابوجیش کو قیروان کے بارے میں جو معلومات فراہم کیں، وہ ان اطلاعات سے مختلف نہیں تھیں جنہیں خمارویہ پہلے بھی کئی ذرائع سے سن چکا تھا۔ اغلبی حکومت کے خلاف شمالی افریقہ کے بربر قبائل بنی فاطمہ کی حمایت میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ اس دعوت میں بڑی کشش تھی جو بیک وقت علوی، فاطمی اور حسینی دعوت قرار پائی۔ لوگوں میں مہدی کی امامت اور خلافت کی حمایت کا بڑا جذبہ پایا جاتا تھا۔ وہ بربر قبائل بھی جو مہدوی تحریک میں شامل نہ ہو سکے علوی اور فاطمی دائیوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔

شیبان نے قیروان کے حالات کا جو تجزیہ پیش کیا اس کے مطابق بڑے بڑے قبائل کے شیوخ کو اغلبی حکومت کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔ اعیانِ سلطنت، امرائے حکومت اور وہ سردار جو سرکاری مراعات کے باعث بنی اغلب سے وابستہ تھے، اس وقت تک حکومت کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جب تک ان کے وظیفے اور مفادات خطرے میں نہیں پڑ جاتے فی الوقت مفادات کی یہی دیوار اغلبی حکومت کی حفاظت کر رہی تھی۔

دوسری جانب وہ قبائل جو خروج کے پرچم اٹھائے حکومت سے لڑ رہے تھے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بنی فاطمہ کو برسرِ اقتدار نہ لے آئیں۔ تاہم مفادات

---

[1] برقہ (طرابلس الغرب) قیروان کا صوبہ تھا جس کی سرحد مصر سے ملتی تھی۔

(قمر اجنالوی)

کی حفاظتی دیوار ابھی ان کی راہ میں حائل ہے۔ شیبان نے بتایا۔ یہ معاملہ کوئی ایک دو سال کا نہیں۔ اس کے لیے کئی سال درکار ہیں۔ اس عرصے میں مصر کی عسکری طاقت کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اگر قیروان میں مہدوی تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو اس کا دھارا مصر کا رُخ نہ کر سکے۔

خمارویہ ابوجیش نے بھائی کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ مغرب کی طرف سے کوئی فوری خطرہ درپیش نہ سہی مگر مشرق میں ایک نہایت اہم تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔ عباسی مملکت کا نقشہ بدل رہا تھا۔ معتضد ابوالعباس کی ہیبت، سرکش امیروں کو خوف زدہ کر رہی تھی۔ ان حالات میں طولونی مملکت کو قانونی اور موروثی شکل دینا ضروری تھا۔

——— کچھ سوچ کر بھائی سے مخاطب ہوا "ہم چاہتے ہیں کہ خلیفہ معتضد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ اس کے ساتھ ایک نیا تعلق قائم کریں کیوں کہ قیروان کے حالات بدل رہے ہیں اور شاید ایک دن بالکل ہی بدل جائیں۔ ان حالات میں مشرق سے ہماری دوستی ضروری ہے۔"

"معتضد ہمارا زخم خوردہ ہے۔ بنی طولون کی دوستی قبول نہیں کرے گا۔"

"جانِ برادر! جس طرح ہر شے کی ایک قیمت ہوتی ہے، اسی طرح ہر دوستی کا ایک ہدیہ ہوتا ہے اور ہم وہ ہدیہ پیش کریں گے۔ مصر و شام کی مملکت کو بنی طولون کی موروثی مملکت بنانے کے لیے ضروری ہے کہ خلافتِ عباسیہ ہماری حکومت کو تسلیم کرے۔"

اب شہزادہ شیبان پر بنی عباس سے دوستی اور بغداد سے تعلق کی اہمیت کھل گئی کہ غیر تسلیم شدہ حکومت کو کوئی بھی حملہ آور پامال کر سکتا ہے مگر اس سے بھی اہم معاملہ بنی طولون کی مملکت کو موروثی اور خاندانی مملکت بنانے کا تھا۔ پوچھنے لگا "کیا وہ ہماری دوستی اور بنی طولون کی حکومت کو آسانی سے تسلیم کر لے گا؟"

"ہو سکتا ہے تسلیم کر لے، ہو سکتا ہے تسلیم نہ کرے یا پھر ہم سے اپنی شرائط منوائے۔"

اب اس نے قریش کے سرائے دار سلیمان بن عامر اور اس کے دوست ابن حرب کی آمد اور ملاقات کا ذکر بھی ضروری سمجھا۔ معزول خلیفہ معتمد کے قتل اور قصاص کی بات چھیڑی۔ شہزادی نجم اللیل کی سفارش کا حال بھی بیان کیا اور سب کچھ بتانے کے بعد کہنے لگا "ہم نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ ہم معتمد کا قصاص طلب کریں اور ابن حرب کی سرکردگی میں ایک لشکر

BOOKS & LIBRARY
527, BHABHA BAZAR, RAWALPINDI.
Ph: 0345-5048634 · 0345-5048659
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

عراق کی جانب روانہ کریں جو اہلِ بغداد کی زبان بن کر جائے گا۔ سنا ہے معتمد کے قتل میں ابو عباس کی حرمِ اوّل جیحک خاتون کا نام لیا جا رہا ہے۔ وہ ہرگز نہ چاہے گا کہ قتل میں اس کی ملکہ کا چرچا ہو، اس لیے معاملے کو ٹالنے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت ہم یہ شرط منوا سکتے ہیں کہ وہ ہمیں مصر و شام کا سلطان تسلیم کر لے تو ہم معتمد کے قصاص سے دست بردار ہو جائیں گے۔ ہم نے اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا ہے۔"

شیبان کسی فکر میں کھو گیا پھر بولا۔ "سلطانِ معظم! ابنِ حرب پاشا ایک بہادر اور جنگی مرد ہے مگر اسے بغداد کی طرف روانہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ معتمد کے قتل میں اس کے والد حرب الکندی کا نام بھی لیا جاتا ہے جو الرّصافہ کا محافظ سردار تھا اور اسی سلسلے میں قتل بھی ہو چکا ہے۔ اگر معتمد کی ہلاکت میں حرب الکندی کا ہاتھ ثابت ہو گیا تو قاتل کے بیٹے کو قصاص کا پرچم دے کر بغداد کی طرف روانہ کرنا سیاسی حکمت کے خلاف ہوگا۔"

خمارویہ نے بے چینی سے مسند پر پہلو بدلا۔ "ہمیں یہ نہیں بتایا گیا کہ معتمد کے قتل میں ابنِ حرب کا باپ بھی ملوث تھا۔ اس حالت میں ہم نجم کی تجویز پر عمل نہیں کر سکتے۔ نہ معتمد کے قصاص کا مطالبہ کر کے کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ خلیفہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ سفارت روانہ کریں اور دیکھیں کہ وہ ہماری دوستی کا ہاتھ قبول کرتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ سخت مزاج آدمی ہے لیکن ہم اسے آزمائیں گے۔"

"مجھے آپ سے اتفاق ہے۔"

"پھر سفیر کا نام بھی طے کی تجویز کرو، جسے دوستی کا پیغام دے کر بغداد بھیجا جائے۔"

"اس مقصد کے لیے ایک دو روز کی مہلت چاہتا ہوں تاکہ کسی موزوں آدمی کا نام تجویز کر سکوں۔"

بغداد کی طرف فوج کشی کی بجائے دوستانہ سفارت روانہ کرنے پر اتفاق رائے کے بعد دونوں بھائیوں کی مشاورت ختم ہو گئی اور شیبان اپنے قصر میں لوٹ آیا۔ قیروان میں بنی فاطمہ کی دعوت و تحریک کے پیشِ نظر بنی عباس سے دوستی ضروری ہو گئی اور عباسیہ سے تعلق قائم کر کے بنی طولون کے لیے حکومت کی سند حاصل کی جا سکتی تھی۔ خمارویہ کے دونوں بیٹوں جیش اور ہارون کے بعد شیبان خود ولی عہد حکومت تھا اور عباسیہ سے دوستی نئے حالات کا تقاضا بھی تھا۔ بنی طولون کی ضرورت بھی تھی۔ سوچنے لگا کہ سفیر کے لیے کس آدمی کا نام تجویز

کرے؟ کئی نام ذہن کی لوح پر ابھرے لیکن کوئی نام مطمئن نہ کر سکا۔ وہ لوگ بنی عباس کے خلاف جنگوں میں شریک رہے تھے۔ اب اپنا مفاد بھی عزیز تھا اور کسی ایسے آدمی کا نام تجویز کرنا چاہتا تھا جس پر اسے بھروسا ہوتا اور جو عباسی خلیفہ کے ذہن سے اس کی اپنی دشمنی اور کدورت کی گرد بھی صاف کر سکتا۔

سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ شاید اس سلسلے میں حارث اسے کوئی مشورہ دے سکے کبھی کبھی وہ اچھا مشورہ دیتا اور بات بڑے سلیقے سے کرتا تھا۔ ممکن ہے وہی کسی ایسے امیر یا سردار کا نام بتا دے جو سلطان خمارویہ، ابو جیش اور اس کے اپنے لیے عباسی حکمران کی توجہ اور دوستی حاصل کر سکے۔ یہی سوچ کر اپنے ذاتی غلام سے کہا کہ سردار حارث کو اسی وقت بلا لائے۔

★

وہ شام جب شہزادہ شیبان نے حارث کو اچانک طلب کیا، نیل پر پیش آنے والے واقعے کے بعد دوسرے دن کی شام تھی۔ اس کی ایک رات اور ایک دن اسی فکر میں گزرا تھا کہ اگر طولونی شہزادی نے سلطان یا شیبان سے اس کی شکایت کر دی تو انھیں کیا جواب دے گا؟ بہرحال رات بیت گئی تھی، دن گزر گیا تھا اور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو پریشانی کا باعث ہوتی۔ سوچنے لگا شاید شہزادی نجم نے شکایت مناسب نہیں سمجھی اور "سیر دریا" کے طعنے کو نظر انداز کر دیا ہے مگر شام کے اندھیرے میں جب شہزادے کے خادم نے طلبی کا حکم سنایا تو اس خیال سے کانپ گیا کہ بازپرس کے لیے طلب کیا گیا ہے۔

شیبان کا وفادار اور منہ چڑھا غلام تھا۔ بہت سی خدمات کے علاوہ القطائع میں شاہی خاندان کی حفاظت کا فرض بھی اسی کے سپرد تھا۔ شام و فلسطین کے سفر میں طولونی شہزادیوں کے محافظ دستے کا سالار بن کر ساتھ گیا اور اس سفر میں شہزادی نجم الہیل سے تھوڑا سا بے تکلف بھی ہو گیا کیوں کہ بیوہ اور جوان شہزادی کو دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں۔ دل میں اسے حاصل کرنے کی طلب تھی مگر اظہارِ مطلب سے ڈرتا اور کسی موقعے کی تلاش میں تھا کہ اگر بیوہ شہزادی اس کا حال دل سن کر تھوڑی سی توجہ دے تو کسی ذریعے اپنے آقا شیبان تک بات پہنچائے اور اپنی وفاداریوں کے صلے میں شہزادی کی آرزو کرے لیکن حالات نے قسمت میں ایک نیا پیچ ڈال دیا اور اب بازپرس، سرزنش یا کسی سزا کا بھی خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

www.urdukorner.com

جب پتا چلا کہ شہزادۂ عالی تھوڑی دیر قبل سلطانِ معظم سے مل کر لوٹے تھے اور واپسی پر اُسے فوراً طلب کر لیا ہے، تو جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی کہ اس کی بدبختی کا آغاز ہو چکا ہے مگر دل میں خوف و اندیشہ لیے اپنے آقا کی بارگاہ میں پہنچا تو خلافِ معمول پہلے سے کہیں زیادہ پذیرائی دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ شہزادہ شیبان کا رویہ دوستانہ تھا۔ اُسے دیکھتے ہی بولا۔ "حارث! میرے قریب آجاؤ۔ تمھیں ایک ضروری مشورے کے لیے طلب کیا ہے اور خیال ہے تم میری مشکل آسان کر سکو گے۔"

یہ الفاظ حوصلہ افزا تھے۔ ملاقات بھی تنہائی کی تھی اور شہزادہ شیبان نے بالکل اپنے قریب بٹھایا تھا۔ چہرے پر کسی خشونت یا ناراضی کے آثار بھی نہیں تھے۔ متذبذب تھا کہ نہ جانے کیا معاملہ ہے؟ آخر شیبان نے مقصد کی گرہ کھولی اور بتانے لگا۔ "حارث! سلطانِ معظم چاہتے ہیں کہ بنی عباس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے اور دربارِ خلافت میں ایک سفارت بھیجی جائے جو بغداد اور القطائع کے درمیان ٹوٹے ہوئے رشتے بحال کر سکے۔ مجھے کسی ایسے سفیر کی تلاش ہے جس کے ذریعے نہ صرف یہ رشتے بحال ہوں بلکہ جو خلیفہ معتضد ابوعباس کے ساتھ میری ذاتی دوستی کا ذریعہ بھی بن سکے۔ تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ شاید کسی ایسے آدمی کی نشان دہی کر سکو۔ تم جانتے ہو ہماری تلواریں ہمیشہ بنی عباس کے خلاف بلند ہوئی ہیں اور اس دشمنی کے بعد سلطان، دوستی بھی اس شرط پر چاہتے ہیں کہ دربارِ بغداد، مصر و شام پر بنی طولون کی حکمرانی تسلیم کرے۔ ممکن ہے اس شرط پر معتضد دوستی کا ہاتھ جھٹک دے۔"

حارث نے اطمینان کا سانس لیا کہ معاملہ اس کے خدشے کے بالکل برعکس سیاسی مشورت کا ہے، جس سے اس پر ایک نئے اعتماد کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ بے دھڑک بولا۔ "شہزادہ عالی! خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ نہیں جھٹک سکتا کیوں کہ اسے بھی دوستی کی ضرورت ہے۔"

شہزادہ شیبان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور وہ بتانے لگا۔ "سلطانِ معظم بنی عباس سے دوستی غالباً اس لیے چاہتے ہیں کہ قیروان میں مہدی تحریک جوان ہو رہی ہے اور کسی دن علوی اور فاطمی وہاں اپنی حکومت قائم کر لیں گے لیکن اس حکومت سے بنی طولون کو کم، بنی عباس کو زیادہ خطرہ ہے کیوں کہ علوی اور فاطمی خلافت پر اپنا حق سمجھتے اور یہ حق چھین لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے عباسی خلیفہ بنی طولون کی دوستی کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ وہ دوستی کا ہاتھ چوم لے گا۔"

شیبان پر حیرت اور مسرت کی ایک نئی کیفیت گزر گئی۔ غالباً اس نے معاملے کے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ "مہدوی خطرے" کی وجہ سے اگر بغداد سے دوستی بنی طولون کی ضرورت ہے تو اسی خطرے کے پیشِ نظر بنی عباس بھی مصر کی حمایت اور دوستی کے طلبگار ہوں گے کیوں کہ مہدوی تحریک کے ظہور ماضی میں ہونے والی تمام شورشوں اور بغاوتوں سے مختلف تھے اور اس کا میدان مرکزِ خلافت سے بہت دور تھا۔ حارث کی بات اس لحاظ سے بالکل درست تھی کہ قیروان کی بغاوت خود بنی عباس کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے اور ان حالات میں عباسی خلیفہ، بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ جھٹک نہیں سکتا۔ شیبان نے محسوس کیا کہ حارث نے اس کی ایک بڑی مشکل حل کر دی ہے اور شاید اسے وہ سفیر بھی مل گیا ہے جس کی تلاش تھی۔ پوچھنے لگا۔ "حارث! معتضد ابوعباس کے بارے میں تمھاری اپنی رائے کیا ہے؟"

"شہزادۂ عالی! احمد ابوعباس ایک بہادر آدمی ہے اور بہادر آدمی اپنے بہادر دشمن سے دوستی کرنا بھی جانتے ہیں۔" پھر حارث نے اُسے ایک پرانا واقعہ یاد دلایا۔ "میں دشتِ فرات میں ابوعباس سے ملاقات کر چکا ہوں اور ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ آلِ عباس کے اشراف کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ایک بہادر آدمی کی طرح درندے سے شہزادی قطر الندیٰ کی جان بچائی تھی اور جب میں نے وہاں پہنچ کر شکریہ ادا کیا کہ جو فرض مجھے ادا کرنا چاہیے تھا وہ آپ کو ادا کرنا پڑا، تو ابوعباس نے جو جواب دیا وہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ اس نے کہا تھا۔ "ہم نے جو فرض ادا کیا اس کے لیے کسی شکریے کی ضرورت نہیں کیوں کہ بعض فرض خود شکوار اور قیمتی ہوتے ہیں جنھیں ایمان سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے۔" شہزادۂ عالی! کیا یہ الفاظ اس امر کا ثبوت نہیں کہ ابوعباس ایک عالی ظرف عباسی ہے، جس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر دشمن کی بیٹی کو بچایا اور اُسے ایک انسانی فرض سمجھا۔"

شیبان اگر اس بات پر حیران اور مسرور ہوا تھا کہ اس نے مہدوی خطرے سے بنی عباس اور بنی طولون کی دوستی کے لیے ایک قدرِ مشترک تلاش کی تھی تو دشتِ فرات کا واقعہ سُن کر دنگ رہ گیا جسے غالباً وہ بھول چکا تھا۔ پھر بڑی بے تکلفی سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا اور خوشی کے لہجے میں بولا۔ "یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ تم دشتِ فرات میں ابوعباس سے مل چکے ہو اور وہ تمھیں شہزادی قطر الندیٰ کے محافظ کی حیثیت سے جانتا ہے۔ یہ واقعہ یاد دلا کر تم نے میری دوسری پریشانی بھی ختم کر دی ہے۔ بس تمھی دربارِ بغداد میں سفیر بن کر جاؤ گے اور

www.urdukorner.com

اپنے بہادر دشمن کی دوستی حاصل کر دو گے۔"

شہزادہ شیبان کے آخری الفاظ نے حارث پر حیرت کا ایک سکتہ سا طاری کر دیا کیونکہ نئی ذمے داری کا جو اعزاز اُسے دیا جا رہا تھا، وہ اُس کی حیثیت سے بہت اونچا اور بہت بالا تھا جس کا اُس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ وفورِ سپاس سے اپنی گردن جھکا دی۔ "شہزادہ عالی! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ میں آپ کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا اور حضور کو اس شکایت کا موقع نہیں دوں گا کہ جس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا، اُسے حاصل نہیں کر سکا۔"

شیبان نے مزید ہمت افزائی کی۔ "حارث! سلطانِ معظم بغداد کی دوستی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اگر تم یہ دوستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمھارے اعزاز میں اضافہ کیا جائے گا۔ تم بنی طولون کے کچھ اور قریب آ جاؤ گے اور میں سلطانِ معظم کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔"

منہ مانگے انعام کا وعدہ سُن کر حارث کو یوں معلوم ہوا، جیسے ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بھی کوئی بڑی چیز ہاتھ آ گئی ہو۔ ذہن میں جنت کا ایک دریچہ کھل گیا اور نظر اُٹھا کر دیکھا، تو ماہ طلعت طولونی خاتون۔ نجم اللیل اس دریچے میں کھڑی تھی۔ خوب صورت جوان بیوہ شہزادی کو ہفت اقلیم کی بادشاہت سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا جس کے حصول کے صرف خواب دیکھتا رہا مگر اب وہ خواب تعبیر کے مرحلے تک آ پہنچے تھے۔ کپکپاتی آواز میں بولا۔ "آپ جو فرض مجھے سونپ رہے ہیں، اس کی تکمیل مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ سلطانِ معظم جو کچھ چاہتے ہیں، وہ ہو جائے گا۔ فقط یہ فرمایے مجھے بغداد کی طرف کب روانہ ہونا ہے؟"

"میں کل ہی سلطان سے مل کر تمھاری روانگی کی تاریخ مقرر کر دوں گا۔"

سفیر کے طور پر حارث کا انتخاب اگر اُس کی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ اعزاز تھا جس کے ہفت رنگ پردوں میں طولونی شہزادی کا ترک ریشمیں بدن لپٹا ہوا تھا، تو شہزادہ شیبان نے بھی اس کا انتخاب اس لیے ضروری سمجھا کہ وہ انتہائی وفادار، معتبر اور قابلِ اعتماد غلام تھا اور وہی مقتصد ابو عباس جیسے بہادر دشمن سے اس کی دوستی کرا سکتا تھا اگرچہ ان کے درمیان آخری بات بھی طے ہو گئی اور اب سلطان ابو جیش خمارویہ سے مل کر صرف روانگی کی تاریخ مقرر کرنا تھی لیکن اچانک شیبان کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندے کی طرح لپکا اور اُسے تاکید کرنے لگا۔ "فی الحال کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم دوستی کے پیغامبر بن کر بغداد جا رہے ہو۔ خاص طور پر منذر ابن حرب کے کانوں میں تو اس بات کی بھنک بھی نہ پڑے۔ وہ آج کل فسطاط میں ہے۔ شہزادی نجم اللیل سے بھی تمھاری نئی ذمے داری ابھی پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے۔"

حارث ابن حرب کے ساتھ طولونی شہزادی کا ذکر سن کر چونک گیا کہ شہزادے نے بالخصوص انھی دونوں سے اخفا کی تاکید کیوں کی ہے؟ تجسس کے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا یہ بات شہزادی صاحبہ سے بھی چھپانے کی ہے؟"

اب شیبان نے تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھی اور بتایا۔ "شاید تم نہیں جانتے، ابن حرب اپنے دوست سلیمان بن عامر کے ساتھ سلطانِ معظم سے ملاقات کر چکا اور چاہتا ہے کہ ابو جیش معتمد کے قصاص کا جھنڈا باندھیں۔ یہ ملاقات شہزادی نجم کے ذریعے ہوئی تھی جس نے ابن حرب کی سفارش کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ سلطان اس موقع سے فائدہ اٹھائیں مگر ابو جیش نہیں جانتے تھے کہ ابن حرب کا باپ بھی اس قتل میں ملوث تھا جب میں نے بتایا تو انھوں نے نجم کی تجویز پر عمل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سیدھے راستے دربارِ خلافت میں دوستی کا پیغام بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اگر نجم کو معلوم ہو گیا اس کی تجویز مسترد کر دی گئی ہے تو اُسے صدمہ ہوگا۔"

حارث کا ذہن جہاں اس بات پر اُلجھ کر رہ گیا کہ شہزادی نجم اللیل نے آخر سلطان سے ابن حرب کی سفارش کیوں کی؟ وہاں یہ امر اطمینان کا باعث تھا کہ شہزادہ شیبان کے توجہ دلانے پر سلطان نے اس کی تجویز مسترد کر دی ہے جس سے ابن حرب کو کوئی فائدہ پہنچنے والا تھا۔ اس کے برعکس بزدل سلطان نے اسے "دوستی کے سفیر" کے لیے منتخب کر کے نہ صرف ابن حرب پر ترجیح دی بلکہ ایک نیا اعزاز بھی بخشا اور کامیابی کی صورت میں منہ مانگے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ خیر یہ تاکید تو بے حد سنسنی خیز تھی کہ اُسے اپنی نئی حیثیت شہزادی نجم اللیل سے بھی فی الحال پوشیدہ رکھنا ہوگی۔

دنیا میں ہر شخص کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کے لیے وہ نہ جانے کیا کچھ کرتا ہے۔ ابن حرب بھی ایک مقصد لے کر مصر آیا اور خلیفہ معتضد ابو عباس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ [illegible] طولونی شہزادی کے حصول کو اپنا مقصد بنایا تھا لیکن بغداد کے

www.urdukorner.com

[illegible] مقصد کے متعلق [illegible] عباس کے متعلق طولوفی حکومت کے بیانات میں [illegible] تھی جس کے نتیجے میں وہاں کا نقشہ بدل گیا تھا۔ جہاں بدل گئی تھی، مہرے بدل گئے تھے۔ اب ابن حرب اپنے مقصد سے دور ہو گیا اور حارث اپنے مقصد کے قریب آ گیا تھا۔ تقدیر اس کی کامیابی کا دروازہ اپنے ہاتھ سے کھول رہی تھی۔

شہزادہ شیبان سے ملاقات ختم ہوئی تو ایک نئی مسرت کے ساتھ طولوفی [illegible] اور طولوفی [illegible] اس کے خیالوں میں نئے رنگ بکھیرنے لگی۔ اب وہ اس قدر قریب محسوس ہو رہی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا۔ شیبان کی حاضری کے بعد اس شکایت کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی جس کا دھڑکا دل میں نئے نئے اندیشے اور وسوسے پیدا کر رہا تھا۔ اب وہ خود ایک جیالا آدمی اور نئی عورتوں کے لیے ایک ایسی خدمت سرانجام دینے والا تھا جس کے صلے میں طولوفی شہزادی کا مطالبہ کر سکتا تھا اور وہ سوسن سنگھار اور بارہ گنوں کے ساتھ جا ملنے کے بعد اس کے حجلۂ عروسی میں داخل کر دی جائے گی۔ حارث کو اپنی خدمت کا یہی حسین صلہ حاصل کرنا اور کچھ مانگنے انعام میں صرف نجم کو مانگنا تھا۔

★

شہزادی نجم النبیل جانتی تھی، حارث اس کے چچا شیبان کا بڑا معتبر غلام ہے۔ طولوفی کا انتہائی وفادار اور القطاع کا محافظ سالار اور اس کا طلب گار بھی ہے مگر [illegible] مطلب سے ہچکچاتا ہے۔ یہ بات اس نے از خود معلوم کر لی تھی۔

قدرت نے عورت کو یہ حس بخشی ہے کہ وہ خطرے کا بہت جلد احساس کر لیتی اور مرد کی باتوں اور نگاہوں سے اس کا ارادہ بھانپ لیتی ہے کہ کیا چاہتا ہے۔ پھر اپنا تحفظ کرتی ہے مگر طولوفی شہزادی نے، جس کے اور بھی کئی طلب گار تھے، حارث سے اپنے تحفظ کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ شام و فلسطین کے طویل دورے میں جو کم و بیش دس مہینوں پر مشتمل تھا، ایک دو فرمائشیں کر کے اس کی کچھ حوصلہ افزائی کی اور فرمائشیں پوری ہونے پر تھوڑی سی مسکراہٹ بھی نچھاور کر دی مگر وہ ذو معنی الفاظ سے آگے نہ بڑھا اور اپنی ساری دلچسپی صرف ایک فقرے میں لپیٹ کر پیش کر سکا تھا۔ "میں آپ کا جاں نثار ہوں۔"

طولوفی شہزادی نے تبسم زیر لب کے ساتھ جواب دیا تھا۔ "ہم اپنے جاں نثاروں کی

KHAN [illegible]
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, [illegible]
Cell: 0345-5048634 - 0[illegible]
Prop: Ali Khan

قدر کرتے ہیں۔"

جس طرح حارث کا اظہار دلچسپی ذو معنی تھا اسی طرح جواب کے بھی کئی پہلو اور کئی معنی تھے مگر نجم النبیل جیسی خوب صورت اور جوان بیوہ کی طرف ایک مسکراہٹ کسی کو دیوانہ بنا دینے کے لیے کافی تھی۔ حارث اسی مسکراہٹ کو اپنی تقدیر سمجھ بیٹھا اور ذرا کھل کر مطلب کا موقع تلاش کرنے لگا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب شہزادی ابن حرب سے نہیں ملی تھی۔ طولوفی کا کارواں صحرا میں ہونے والی ملاقات کے بعد اس کی نظروں کا مفہوم بدل گیا تھا اور خود بھی بدل گئی تھی کیوں کہ ابن حرب کے روپ میں ایک ایسا مرد زور جنگی مرد اس سے ٹکرایا جیسا شہزادہ جنگی مرد وہ چاہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے سوڈانی کنیز کی زبانی حارث کے قصر تک آنے والے کا اظہار کرنے اور نیل کے مغربی ساحل کی سیر سے اجتناب کا مشورہ دینے کی روداد سنی تو چھاتی کے اندر دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ شیبان شہزادے اگرچہ اپنی چالاکی سے رنگ دار جوتیوں کے عام رواج کی کہانی سنا کر اس کا شبہ دور کرنے کی کوشش کی اور "خرام تراشی" پر جواب طلبی کی دھمکی بھی دے دی تھی جس پر حارث اس کے بے قابو ہو گیا اور گھبرا کر خود شامد کرنے لگا تھا کہ اب "مغربی ساحل کی سیر" کا ارادہ اپنی ماکن سے نہ کرے۔ گویا خود متذبذب اور دو چار ہو گیا تھا مگر شہزادی کے دل کا سکون اڑا کر اور یہ حیرانی پریشان کر تا رہا کہ حارث نے اسے ابن حرب کے ساتھ حرم کی وادی میں جاتے اور وہاں سے آتے دیکھا تو بیک نہیں لیکن گھاٹ پر جو صورت حال پیش آئی، وہی شبے کا باعث بنی۔

ابن حرب کو اپنی نگاہوں اور قدموں کا مرکز بنانے کے بعد جانتی تھی کہ کوئی احمال کسی دوسرے شخص بالخصوص حارث کو اس دلچسپی کا علم نہ ہونے پائے لیکن پراسرار تقدیر نے ساحل پر ایک جال بچھایا اور اسے شبے میں لپیٹ لیا تھا۔ عنبر کی تسلی کے باوجود دل کو چین اس لیے نہیں تھا کہ اپنے طلب گار کی نظروں کو پہچانتی اور جانتی تھی کہ رقیب کو مشکوک حالت میں دیکھ کر جو شبہ اس کے دل میں بیٹھ گیا ہے، وہ آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ کسی سے ڈرتی نہ تھی، خود سلطان سے ابن حرب کی سفارش کر چکی اور نتیجہ دیکھنا چاہتی تھی تاہم مصلحت کا تقاضا تھا کہ ابھی اس سے تعلق کا بھید نہ کھلے۔

[illegible] اور [illegible] کی ایک معقول وجہ یہ تھی کہ جوشِ رقابت میں شکی مزاج حارث

www.urdukorner.com

کہیں اپنے آقا شیبان سے بات نہ کر دے۔ رقیب کو رستے سے ہٹانے اور مات دینے کے لیے وہ اپنے شبے کو بطور حربہ استعمال کر سکتا تھا جس سے بھائی کے دل میں بدگمانی پیدا ہوتی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ قدرت نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ اگر حارث کو یہ دھڑکا لگا تھا کہ شہزادی کہیں "سیر دریا" کے حلیے کی شکایت سلطان سے نہ کر دے جس پر اُسے کسی عتاب کا نشانہ بننا پڑے تو خود نجم اللیل بھی اسی پریشانی میں مبتلا تھی کہ بات اس کے کسی بھائی تک نہ پہنچ جائے۔

دوسرے دن معلوم ہوا کہ حارث نے شہزادہ شیبان سے ایک طویل ملاقات کی ہے لیکن ملاقات کا مضمون نہ کھل سکا۔ شیبان کا خادمِ خاص بھی نہیں جانتا تھا کہ دونوں کے درمیان تنہائی میں کیا گفتگو ہوئی ہے؟ تاہم اگلے دن کوئی خلافِ معمول واقعہ پیش آیا نہ شیبان نے بیوہ بہن پر کسی بدگمانی یا بدظنی کا اظہار کیا جس سے وہ سمجھ گئی کہ حارث نے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ اگر کی ہوتی تو بھائی ضرور کچھ کہتا، کچھ سمجھاتا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حارث کا شک جاتا رہا ہے بلکہ نجم اللیل کے نزدیک اس نے اپنا شک کسی مصلحت کے غلاف میں چھپا لیا تھا۔

★

جس طرح ایک عورت جو کسی مرد سے محبت کرتی ہو، دوسرے امیدوار کو اپنی وفاداری کا یقین نہیں دلا سکتی، اسی طرح طولونی شہزادی بھی جو اپنی فرمائشوں کے صلے میں حارث پر ایک دو بار مسکراہٹ نچھاور کر چکی تھی، اس کے دل سے اپنے نئے طلب گار کا خیال بہ آسانی زائل نہ کر سکتی تھی جس سے عریش کی کارواں سرائے کے بعد دوسرا ٹکراؤ نیل کے ساحل پر ہوا تھا۔

ٹھیک چوتھے روز طولونی شہزادی نے ڈوبتے سورج کے ساتھ عنبر کے ذریعے حارث کو ملاقات کا پیغام بھیجا اور اُسے اپنے قصر میں طلب کر لیا۔ وہ اس خلافِ توقع بلاوے پر حیران ضرور تھا لیکن شہزادہ شیبان سے ملاقات اور اپنے نئے اعزاز کا مژدہ سن لینے کے بعد بڑا پُراعتماد نظر آتا تھا۔ شہزادی نجم نے محلِ خاص میں اُسے تنہائی کی ملاقات کا موقع دیا اور شکایت کی کہ نیل کے مغربی ساحل کی سیر کا پیغام بھیج کر اُس نے بدگمانی کا اظہار کیا ہے۔ کہنے لگی "حارث!

ہمیں کسی سے نیل کے ساحل پر ملنے کی کیا ضرورت تھی جہاں کئی دیکھنے والی نظریں تعاقب کرتی ہیں۔ اگر ہم کسی سے ملاقات کرنا چاہیں تو اُسے اپنے محل میں بلا سکتے ہیں جس طرح آج تمھیں بلایا ہے مگر ہماری جاں نثاری کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور ہم سے بدگمان بھی ہو۔"

یہ ایک حسین شکایت تھی اور شکایت کا انداز کچھ ایسا انوکھا تھا جس سے ناراضی کے ساتھ ساتھ ایک جذبے اور دل چسپی کا اظہار ہوتا تھا کہ ہمارے طلب گار اور جاں نثار ہو تو ہم پر کسی قسم کا شبہ، گمان اور قیاس کیوں کرتے ہو؟ حارث نے یہ دھڑکتے، تڑپتے الفاظ سنے ان الفاظ کی اہمیت پر غور کیا اور اس کے ترکانہ خدوخال پر بے چین ادا سی دیکھی تو ایک عجیب سی حیرت کے ساتھ دل ہی دل میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوا کہ ماہ طلعت خاتون اُسے اپنا جاں نثار سمجھتی اور اُس سے وفاداری کی توقع رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں کسی شک کا اظہار بے وقوفی تھی۔ ندامت کے لہجے میں بولا "میں بے حد شرمندہ ہوں شہزادی صاحبہ کہ آپ سے بدگمان ہوا۔"

نجم اللیل نے ایک اور حسین تیر اُس کے جگر میں ترازو کر دیا "اگر تمھیں کوئی بدگمانی تھی، کوئی شکایت تھی، تو ہم سے کہتے اور ہمیں موقع دیتے کہ تمھاری غلط فہمی دُور کرتے۔"

ان الفاظ نے حارث کو از خود رفتہ کر دیا۔ اب وہ ایک ایسا دیوانہ معلوم ہوتا تھا جو اپنی دیوانگی کا سبب بھی نہیں جانتا۔ اپنے آپ پر پشیمان ہونے لگا "میں اپنی مہربان شہزادی سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

پھر بڑے تاسف کے لہجے میں اپنے شبے کی وجہ بیان کرنے لگا "شہزادی صاحبہ! آپ جانتی ہیں کہ امیر شیبان مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور میں بنی طولون کی حفاظت پر مامور ہوں مگر نیل کے گھاٹ پر ابنِ حرب کے بعد ایک برقع پوش خاتون کو اپنی کنیز کے ہمراہ بیٹھنے سے اترتے دیکھا تو کنیز کی جوتیاں دیکھ کر چونک گیا اور گمان گزرا شاید آپ سیر دریا کے لیے تشریف لائی ہیں مگر ابنِ حرب کے ساتھ میں آپ کی سیر دریا کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا اور میں اپنی بدگمانی کے جوش میں اس خاتون کا تجسس کرنے لگا جو آپ نہیں تھیں۔"

طولونی شہزادی نے اپنی تدبیر کا کمرہ بساط کے اگلے خانے میں رکھا "اگر ہم سیر دریا کو جاتے تو اپنے محافظ کو ساتھ لے کر جاتے مگر اس خاتون کو دیکھ کر تمھیں ہم پر بدگمانی

www.urdukorner.com

کیوں ہوئی؟

اب حارث کو وہ بات کہنے کا موقع مل گیا جسے آج تک چھپاتا رہا اور جس کے اظہار کی جرأت نہ کرتا تھا۔ "شہزادی صاحبہ! بے شک آپ اسے میری گستاخی سمجھیں لیکن سچ یہی ہے کہ اس حرب کو وہاں دیکھ کر مجھے شک گزرا کہ وہ حضور کو نہ صرف بی خوان سے بلکہ مجھ سے بھی جو آپ کا جاں نثار محافظ ہوں، چھیننے کی کوشش کر رہا ہے۔ شہزادی بیگم! آج مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ میں آپ کو دیوانہ وار چاہتا ہوں۔ آپ سے بے پناہ محبت کرتا اور آپ کا جاں نثار ہی نہیں، طلب گار بھی ہوں۔ اس لیے اس حرب کو اپنا رقیب سمجھا اور دیوانگی کے جوش میں آپ پر بدگمانی کی کیوں کہ جب آدمی جوش میں ہو تو اس کا دماغ کام نہیں کرتا اور وہ اپنے ہوش کھو دیتا ہے۔ میں بھی اس جرمِ محبت کا گناہ گار اور آپ سے معافی کا، بخشش کا طلب گار ہوں۔"

شہزادی عرصے سے جانتی تھی کہ اُسے چاہتا اور اُس کی طلب رکھتا ہے مگر یہ پہلا موقع تھا جب حارث نے بڑی جرأت سے اپنے عشق کا اظہار کیا اور یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھا کہ اُسے حاصل کرنا چاہتا ہے اور کسی کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دے گا۔ اظہارِ عشق کی یہ جرأت غالباً اس لیے ہوئی تھی کہ شہزادہ شیبان نے اُسے ایک اہم خدمت کے لیے چن لیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ کامیابی کی صورت میں فتح مند لشکر انعام حاصل کر سکے گا۔ اس کے نزدیک نجم ایل سے بڑا اور حسین انعام اور کوئی نہ تھا اور پھر شہزادی کی شکایت کا رویہ بجائے خود بڑا حوصلہ افزا تھا اس لیے پہلی بار اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دیا۔

طوبیٰ شہزادی اس جرأت پر حیران ضرور ہوئی لیکن جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اُسے عشق کا اظہار کرنا ہی تھا۔ معنی خیز تبسم کے ساتھ بولی۔ "اس وقت تم جوش کی بجائے ہوش میں ہو، تمھارا دماغ بھی صحیح کام کر رہا ہوگا اور ہماری بات کو اچھی طرح سمجھ سکو گے۔"

"مگر جب تک آپ معاف نہیں کر دیں گی، میں خود کو مجرم سمجھتا رہوں گا۔ آپ انتہائی خوب صورت ہیں، وہ طلعت ہیں اور آپ جیسی حسین عورتیں اپنے جاں نثاروں پر بری طرح بجلیاں گرتی ہیں۔"

"ہم نے صرف تم سے بدگمانی کی شکایت کی ہے حارث!"

"اسی بدگمانی کی معافی چاہتا ہوں اور اگر آپ معاف نہیں کر سکتیں تو یہ سزا بھگتنے کو

تیار ہوں۔"

پھر تلوار میان سے کھینچ کر دوزانو ہو گیا اور تلوار دونوں ہاتھوں سے اُس کی طرف بڑھائی۔ "شہزادی بیگم! تلوار اٹھایے اور اپنے ہاتھ سے میرا سر قلم کر دیجیے تاکہ آپ کو حاصل نہیں کر سکتا تو آپ کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں۔"

شہزادی کو اس کا یہ اظہارِ اطاعت اچھا لگا۔ اظہارِ عشق کر چکا، دربار اُس کا نام سن چکا اور اب اپنے قتل کے لیے اس کے ہاتھ میں تلوار دے رہا تھا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہنے لگی۔ "یہ تلوار تمھیں ہماری حفاظت کے لیے دی گئی ہے حارث! اور جس تلوار سے ہماری حفاظت کرو گے، اس سے ہم تمھیں نقصان کیوں پہنچائیں! تمھارا جذبۂ شوق (جذبۂ عشق کہنا چاہتی تھی) دیکھ کر ہمارا غصہ جاتا رہا۔ تلوار نیام میں ڈالو اور تلوار سے تمھیں ہماری حفاظت کرنا ہوگی۔"

ان الفاظ کے ساتھ اس نے گویا حارث کو اپنی حفاظت کا حق دے دیا۔ وہ اُسے پُرشوق نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھا اور اپنے جذبۂ عشق کی تائید چاہی۔ "کیا میں نے پہلی بار اپنی محبت کا اظہار کیا ہے، کہیں آپ کو بُرا تو نہیں لگا؟"

اس نے ایک ادائے دلبری کے ساتھ جواب دیا۔ "ہمیں بُرا کیوں لگے گا؟ ہمارے نزدیک محبت یا عشق ایک طبعی جذبہ ہے اور طبعی جذبے روکے نہیں جا سکتے۔ ہم تمھیں نہ تو اظہارِ محبت سے روک سکتے نہ تمھارے جذبے سے انکار کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ جذبہ ناقابلِ انکار ہوتا ہے۔"

حارث کو اچانک ایک نیا خیال پریشان کرنے لگا۔ "مگر اظہارِ محبت کے ساتھ میں نے اپنی زندگی آپ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔"

وہ مسکرا دی۔ "ہمیں اپنے جاں نثار کی زندگی عزیز ہے۔ اگر کھو گے تو ہم اپنے ہاتھ کی مٹھی نہیں کھولیں گے۔"

شہزادی نے اُس پر اپنے اعتماد کا جادو پھونک دیا۔ تڑپ کر بولا۔ "میں بھی آپ کی خاطر اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

اب وہ مطلب پر آ گئی۔ "ہم تمھاری جان نہیں مانگتے حارث! صرف تم سے اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں۔"

www.urdukorner.com

"آپ کے حکم کی تعمیل میری عبادت ہے۔"

"سوچ لو جو بات زبان سے نکل جائے، وہ کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کی طرح واپس نہیں آتی۔"

شہزادی نے اُسے سوچنے کا موقع دیا مگر وہ سوچے بغیر ذرا بے تکلفی سے بولا۔ "دل نہیں سوچتا نجم، دماغ سوچتا ہے اور عشق دل سے کیا جاتا ہے۔"

نجم اللیل کے ہونٹوں پر ایک دل نواز سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "پھر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں دماغ کی بجائے دل سے سوچا کرو، جبھی تم ہمارے حکم کی بہتر تعمیل کر سکو گے۔"

حارث اس ادا پر سو جان سے قربان ہو گیا۔ "حکم کیا ہے؟"

طولونی شہزادی اپنے حسن و شباب کے نظارے کی ترغیب دیتی ہوئی ذرا قریب آ گئی اور اپنی انتہائی خوب صورت لمبی گردن بڑے فخر سے اٹھا کر بولی۔ "تمھارے علاوہ کچھ ترک امیر اور چند عرب سردار بھی ہمارے طلب گار ہیں تاکہ ہمیں حاصل کر کے وہ بنی طولون کے قریب ہو جائیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حسین عورتوں کے طلب گار ایک دوسرے کے رقیب ہوتے ہیں اور ہر عاشق اپنے رقیب کو مات دینے کی کوشش کرتا ہے مگر تم کسی سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کرو گے اور تمھیں کسی سے اُلجھنے کی ضرورت بھی نہیں کیوں کہ اپنے محبوب اور جاں نثار کا فیصلہ تو ہم خود کریں گے۔"

نجم نے اپنے متعدد عاشقوں اور طلب گاروں کا ذکر کر کے دراصل حارث کو اپنے اصل رقیب کے خلاف کسی اقدام سے روک دینے کی تلقین کی تھی لیکن اس طرح کہ ذو معنی الفاظ اور حسین پیرایۂ بیان نے اُس کے قلب و ذہن میں محبت کے کئی جھروکے کھول دیے اور حیرت انگیز سنسنی کے ساتھ سوچنے لگا کہ جس عاشق اور طلب گار کے حق میں فیصلہ دے گی وہی ہے جس کی طرف "جاں نثار" کے لفظ سے اشارہ دے رہی ہے جہاں کہ وہ اسے ابن حرب کے بارے میں کسی قسم کے تجسس سے دور رکھنا چاہتی تھی تاکہ اپنی سنکی طبیعت اور رقابت کی وجہ سے اس کے لیے نئی پریشانی پیدا نہ کر دے مگر حارث اُس کے حسین اشارے کا رُخ اپنی جانب سمجھ کر خوش رنگ خیالوں میں کھو گیا۔ "شہزادی نجم! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ پہلے ہی ایک غلطی کا ارتکاب کر چکا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

وہ اپنے خوب صورت شگفتہ ہونٹوں کو تبسم کی موج سے دوچار کرتی ایک خاص انداز میں دلبری سے مڑی اور دیوار کی طرف منہ کر کے بڑی ادا سے پوچھنے لگی۔ "تم نے ابن حرب کو اپنا رقیب سمجھ لیا ہے؟"

وہ اس اچانک اور غیر متوقع سوال سے جس کا اُس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، بوکھلا سا گیا۔ اس سارے فساد کی جڑ ابن حرب ہی تھا جس پر اُس نے شبہ کیا۔ گمان جیاں آیا وہ عریش کے سرائے دار اور ابن حرب کے ساتھ سلطان سے مل چکی ہے۔ پھر اپنے الفاظ کو دبا کر اور اُن کی تلخی کم کر کے جواب دیا۔ "شاید اُس کی رقابت کا وہم اس لیے پیدا ہوا کہ آپ ابن حرب کو بغداد کی مہم پر بھیجنے کے لیے منتخب کر چکی ہیں۔"

نجم اللیل نے یہ نہیں پوچھا کہ اُسے یہ بات کیسے معلوم ہوئی مگر چونک سی گئی۔ یہ دوسرا ثبوت تھا کہ اپنے رقیب کے بارے میں تجسس رکھتا تھا حالاں کہ یہ بات اُسے کسی تجسس کے بغیر امیر شیبان سے خود بخود معلوم ہو گئی تھی۔ اُس کا جواب سُن کر فیصلہ کن انداز سے بولی۔

"پھر بھائی شیبان سے کہو اُسے کسی مہم کے ساتھ بغداد روانہ کر دیں۔ میدان جنگ میں جو کچھ اُسے پیش آئے گا، وہ اُس کی قسمت ہو گی۔" پھر اُس کی آواز میں ہلکی سی ہنسی کی کھنک سنائی دی۔ "اگر اُسے اپنا رقیب سمجھ بیٹھے ہو تو تمھارا راستہ بھی صاف ہو جائے گا۔"

اس نے یہ مشورہ غالباً اس لیے ضروری سمجھا تھا کہ ایک تو ابن حرب کی طرف سے اُس کا دھیان ہٹ جائے۔ دوسرے شیبان اپنے وفادار غلام کی بات مانتا تھا اور شیبان کے مشورے سلطان کے لیے راستے تیار کرتے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ ابن حرب کو میدان جنگ میں بھجوانے کا مشورہ اُسے مطمئن کرنے کی خاطر دے رہی اور سمجھا رہی ہے کہ جنگی مرد عشق کرنے کے لیے نہیں کسی اور مقصد کے لیے ہوتے ہیں جو اپنا بستر تیروں، تلواروں اور نیزوں پر بچھاتے ہیں مگر ابھی حارث کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ صرف اُسی کی ہے اور کسی کی نہیں۔ البتہ نجم نے اپنی کھنکتی ہنسی کے ساتھ رقیب کا راستہ صاف کرنے کی بات کی تو بڑے محتاط مگر پُرجوش لفظوں میں جن کے معنی نکلتے تھے کہنے لگا۔ "اگر وہ آپ کا عاشق نہیں تو میرا رقیب نہیں لیکن ماضی سے اپنا رشتہ توڑ آیا اور مستقبل کی تلاش میں ہے تو کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔"

حارث کے جواب کا مقصد پورا ہو گیا تھا کہ اب وہ ابن حرب کے تجسس میں نہیں رہے گا۔ اس کی راہ میں نئی مشکلیں اور پریشانیاں پیدا نہیں کرے گا۔ خوشی کے لہجے میں بولی۔

www.urdukorner.com

تم تم سے خوش ہیں، اب جا سکتے ہو اور جو کچھ تمھیں کہا گیا ہے، اُسے راز میں رکھو۔"

"آپ نے مجھے شریک راز کر کے اپنا بنا لیا ہے۔"

مگر یہ کہہ کر وہ وہیں ٹھہرا رہا جب کہ شہزادی ملاقات ختم کر چکی تھی۔ آہستہ سے پوچھا:

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ مجھے کہنا تھا، میں کہہ چکا ہوں اور آپ سن چکی ہیں۔" گویا اپنے اظہارِ عشق کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ پھر یک لخت بولا:

"رخصت ہونے سے پہلے آپ کے خوب صورت ہاتھ پر بوسہ دینا چاہتا ہوں۔"

شہزادی مسکرائی: "شاید ہم تمھیں یہ موقع بھی دیں لیکن ابھی نہیں۔"

"پھر کب؟"

"جب وقت آئے گا۔"

اب اُس کے ہونٹوں پر بھی معنی خیز تبسم بکھر گیا اور ایک اشارہ دیتے ہوئے بولا: "میں قیامت تک اس وقت کا انتظار کر سکتا ہوں لیکن شہزادی نجم! قربِ قیامت کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور میرا خیال ہے وہ موعود وقت بہت جلد آ جائے گا۔"

طوفی شہزادی ان الفاظ پر چونکی لیکن اپنی حیرت کو فوراً حسین مسکراہٹ میں لپیٹ لیا اور اپنے طلب گار کی آتشِ شوق کو بھڑکاتی ہوئی بولی: "ہم بھی اس وقت کا انتظار کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ حارث نے بیرونی دروازے کا رُخ کیا۔ باہر ہوشیار اور طرح دار سانولی عنبر منتظر تھی جو چند قدم تک چھوڑنے گئی لیکن اس مرتبہ وہ اپنے زعم میں بازی جیت کر نکلا تھا اس لیے کنیز سے نہیں اُلجھا کیوں کہ ہر کنیز اپنی مالکن کی پابند ہوتی اور اُس کی مرضی کو سمجھتی ہے پھاٹک سے نکلا تو پلٹ کر کہنے لگا: "معاف کرنا عنبر! تمھارے لیے تحفہ بھیجنا بھول گیا تھا کل ضرور بھیج دوں گا۔"

اس نے ہنس کر جواب دیا: "جلدی کیا ہے۔ قیامت کے دن تمھارا تحفہ وصول کر لوں گی۔ قربِ قیامت کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور قیامت بھی آنے والی ہے۔"

پھر ہنستی مسکراتی قصر کی طرف مڑ گئی مگر عنبر کے الفاظ حارث کے لیے راحت افزا ثابت ہوئے اور اس خیال سے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ سانولی سوڈانی کنیز نے بھی جو اپنے آپ کو شاید "بیری زاد" سمجھتی ہے شہزادی کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن لی ہے اور جب گفتگو سن لی ہے تو اس کا اظہارِ عشق بھی سن لیا ہوگا اور اپنی ترک مالکن کا خدیہ بھی سمجھ گئی ہوگی۔ اس سے آئندہ چلی کٹی سنانے یا ازیت دکھانے کی بجائے اُس کا احترام کرے گی۔

دوسرے دن اُس نے سانولی سلونی عنبر کے لیے واقع جڑاؤ کنگن کا ایک جوڑا بھیج دیا حالاں کہ اتنے قیمتی تحفے کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ یوں لگتا تھا طوفی شہزادی کے ساتھ اس کی سوڈانی کنیز پر بھی عاشق ہو گیا اور "یومِ موعود" پہلے سے بھی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ عنبر نے دونوں کنگن اپنی سڈول گداز سانولی کلائیوں میں پہن لیے مگر تیسرے یومِ حارث کے متعلق ایک دھماکا خیز خبر سنی گئی کہ وہ "دوستی کا سفیر" بن کر بغداد کی جانب روانہ ہو چکا اور خلیفہ مقتفد ابو عباس کے لیے بڑے قیمتی تحفے لے کر گیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی طوفی شہزادی پر حیرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا۔ عنبر کو اُسی وقت سوقِ الخیل کی جانب دوڑایا کہ ابن حرب سے ملا کر نیل کے مغربی ساحل پر فاطمین کی چھوٹی سی بستی میں دوسرے دن کی ملاقات کا وقت مقرر کرا آئے۔ اب ابن حرب سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ بغداد کی جانب جنگی مہم بھیجنے کی بجائے دوستی کی سفارت روانہ کرنا اُس منصوبے کے برعکس تھا جس کے خواب دیکھ رہی تھی۔ عنبر لپکتی جھپکتی پرانے قلعے کی طرف ہولی اور سانولی کلائیوں میں سونے کے جڑاؤ کنگن جیسے بولنے لگے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔

www.urdukorner.com

(۱۹)

کٹے ہوئے سر

○

دنیا میں ایک قوم کے ایلچی دوسری قوم کی طرف اور ایک ملک کے سفیر دوسرے ملک میں آتے جاتے رہے ہیں۔ ان گنت قاصدوں، ایلچیوں اور سفیروں نے بڑے بڑے دربارِ اپنے ملک، اپنی قوم کی وکالت اور سفارت کے فرائض ادا کیے ہیں لیکن عریش کی کاروں سرائے کے فلسطینی مالک سلیمان بن عامر نے دربارِ بغداد میں جو پیغام بھیجا وہ بادشاہوں کی طرف بھیجے جانے والے تمام پیغامات سے انوکھا تھا اور عباسی خلیفہ معتضد ابوعباس کی خدمت میں جو "تحفہ" ارسال کیا وہ پُرجلال حکمرانوں کی خدمت میں بھیجے جانے والے تمام تحائف سے نرالا بلکہ عجوبہ تھا۔

اس پیغام کی اجازت اگرچہ سلطان خمارویہ ابوجیش کے بھائی شہزادہ شیبان سے حاصل کر لی گئی تھی لیکن شیبان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سرائے دار پیغام کے ساتھ کوئی تحفہ بھی روانہ کرے گا۔ اس نے سلیمان کے اصرار پر محض ایک غیر رسمی اجازت دے دی تھی لیکن سرائے دار نے شہزادے کے معتمد اور عریش میں تجارتی قافلوں اور سوداگروں سے محصول لینے والے سرکاری ابلکہ ابونصر یاقوت کو ایلچی بنا کر اپنے پیغام کو بامقصد اور نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کی تھی۔

ابونصر یاقوت اپنے مختصر سے قافلے کے ہمراہ عریش سے چل کر دمشق پہنچا تو بخار نے آلیا مگر سفر جاری رکھا اور حمص تک پہنچتے پہنچتے طبیعت زیادہ خراب ہو گئی جس کی وجہ

سے وہاں چھ سات یوم قیام کرنا پڑا کیوں کہ موسمی بخار میں سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ اس طرح اکیس بائیس دن کی بجائے وہ ایک ماہ بعد سوادِ بغداد میں داخل ہوا جہاں غلاموں کو دو ٹولیوں میں تقسیم ہو جانا تھا۔ ایک ٹولی کو قافلے سے الگ ہو کر محلہ خیزران میں حرب الکندی کی حویلی میں پہنچنا، اُس کی بیوہ کو بیٹے کا خط دکھا کر وہاں سے نکال لے جانا، واپسی کا سفر دریائے فرات کی پٹی پر کرنا اور عراق کی سرحد کے اُس پار ایک شامی بستی میں ابونصر یاقوت کا انتظار کرنا تھا۔ دو غلاموں کی دوسری ٹولی کو ابونصر کے ہمراہ دربارِ بغداد میں جانا اور خلیفہ کو تحفہ و پیغام پہنچا کر بعجلت وہاں سے نکلنا تھا جس کے بعد ساحلِ فرات کے ساتھ ساتھ تیز سفر کرتے وہ بھی شام کی بستی میں پہنچ جاتے جہاں غلاموں کی پہلی ٹولی، ابن حرب کی والدہ اور اُس کے غلام عبداللہ کے ساتھ اُن کی منتظر ہوتی۔

یہ سارا منصوبہ انھوں نے پہلے ہی تیار کر لیا تھا کہ انھیں بغداد میں کیسے پہنچنا اور اپنے اپنے کام نمٹا کر وہاں سے کیسے فرار ہونا ہے۔ چنانچہ پہلی ٹولی باب شام سے بغداد کی فصیلوں میں داخل ہو گئی جہاں سے اُسے محلہ خیزران کا رُخ کرنا تھا، تو ابونصر یاقوت دوسری ٹولی کے ہمراہ بغداد کے مشہور دروازے باب شماسیہ سے شہر میں داخل ہوا۔

عباسیہ کا بغداد جسے دریائے دجلہ دو حصوں میں کاٹتا ہوا گزرتا تھا، دارالخلافت بھی تھا، عروس البلاد بھی اور اُس دور میں دنیا کا سب سے بڑا شہر بھی، جس کے مسقف کوچہ و بازار، محرابی غلام گردشوں والی طلسمی محل سراؤں، زر و سیم کی فراوانی، مال و دولت کی کثرت، لونڈی غلاموں کی رونق، مختلف النسل اور مختلف اللون لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کے افسانے نہ صرف ایشیا اور افریقہ بلکہ یورپ کے ملکوں اور شہروں میں بھی الف لیلہ کی جیسی داستانوں کی طرح مشہور تھے۔

عباسیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔

بغداد دنیا کا سب سے پُررونق شہر تھا جس کی خوبی اور خوب صورتی کے سامنے القطائع[1] کی نئی آبادی سمیت فسطاط کی رونقیں بھی ہیچ تھیں۔

---

[1] بعد ازاں جب فسطاط فاطمیین کا مرکزِ خلافت بنا اور قاہرہ کے نام سے موسوم ہوا تو اُس کی رونقیں بغداد سے بھی بڑھ گئیں۔ ہلاکو خان کے تاتاری لشکروں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے بعد قاہرہ ہی اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔
(قمر اجنالوی)

www.urdukorner.com

بغداد کو اگر عباسیہ کے نامور حکمران خلیفہ ہارون الرشید بن مہدی سے خاص نسبت ہے تو اس لیے کہ خلیفہ ہارون کے عہد میں عباسی سلطنت اپنے عروج پر تھی اور اسی دور میں بغداد نے تمدن، معاشرت، تہذیب، ثقافت اور مختلف علوم و فنون میں ترقی کی۔ مامون عبداللہ کے عہد میں جہاں اس کی تعمیر نو ہوئی، وہاں بخوم، داستان گوئی، موسیقی اور رقص و غنا کی محفلوں کی دلچسپیاں بڑھ گئیں۔ نجومی گردش کواکب کی گردش و رفتار اور برج سماوی کے زمین پر تب ہونے والے اثرات کے نقشے کھینچتے، داستان گو بازاروں میں محفلیں لگا کر الف لیلہ جیسی لاتعداد داستانیں بیان کر کے سننے والوں پر سحر پھونک دیتے تھے۔ اور جنگ کے میدانوں میں تیغ زن داستان کے ہیرو ہوتے تھے۔ رقاصوں اور مغنیوں کی ادائیں اور کرامات گونجتی تھیں۔ ادھر بغداد کی محفلوں میں نغموں کی تانیں اٹھتی اور علیہ[1] و ابراہیم کی ایجاد کردہ موسیقی کی دھنیں حاضرین پر وجد و کیف طاری کر دیتی تھیں۔

بغداد عباسیہ کی عظمتوں کے ساتھ ساتھ ہزاروں دلچسپیوں، آسائشوں، فائدوں، رنگینیوں، راحتوں، سخاوتوں اور دلداریوں اور دل لگیوں کا دیار تھا۔ دریائے دجلہ کے دونوں کنارے پھیلے اس شہر کی علمی محل سراؤں میں حسینانِ عالم کے جلوے بکھرتے تھے۔ راتوں کو موسیقی کی محفلیں سجتی تھیں، دلوں کو بجوتی اور داستان سرا اپنے جھنڈے گاڑتے تھے۔ الف لیلہ کے اس شہر کی فضائے دلکش کو نہیں تھی لیکن جب عزیز کا پیغامبر ابو نصر یاقوت تیسرے پہر بغداد میں داخل ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ عباسیہ کی عظمتیں بغداد میں دفن ہو چکی ہیں اور اب بازاروں میں

---

[1] علیہ اور ابراہیم خلیفہ مہدی کے صلب اور اس کی ام ولد حرم مکنونہ کے بطن سے تھے مکنونہ خود مغنیہ تھی۔ اس نے اپنی بیٹی علیہ کو موسیقی کی بطور خاص تربیت دی۔ اس کا بیٹا ابراہیم بھی موسیقی میں نامور ہوا۔ اس فن میں اسحاق موصلی کے علاوہ کوئی دوسرا موسیقار اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ علیہ بنت مہدی فن موسیقی میں ایسی ماہر تھی کہ اس نے کئی دھنیں ایجاد کیں اور اس کی دھنوں نے بغداد کی محفلوں میں ایک تہلکہ بپا کر دیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اپنی موسیقار اور مغنیہ بہن کے نغمے بڑے شوق سے سنتا تھا۔ خلیفہ مامون نے بھی ایک بار اپنی پھوپھی علیہ کا گانا سنا اور بے قرار ہو کر اسے سر محفل چوم لیا تھا۔ علیہ کی بنائی ہوئی دھنیں صدیوں بغداد کی روایت بنی رہیں۔ (مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی)

عظمتوں کے سائے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

معتضد ابو عباس نے جو اس دور زوال میں عباسیہ کی عظمت رفتہ کا پاسبان بن کر تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی حکم دیا تھا کہ کتب فروش نسخے فروخت کریں، اہل نجوم سر بازار بیٹھیں، نہ پیشین گوئی کریں، داستان سرا نہ بازاروں میں بیٹھنے لگائیں نہ داستان گوئی کریں، کوئی شخص نرد روز پر جگہ جگہ نہ لوگوں پر پانسے پھینکے۔ خلیفہ کے یہ احکام بڑے سخت تھے اور کوئی آدمی ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بہت سی ایسی باتیں بھی ممنوع قرار دے دی تھیں جن سے بازاروں اور کوچوں میں گھٹنے لگ جاتے تھے۔ بغداد کے بازار ان رونقوں، بہاروں، دلچسپیوں سے محروم ہو گئے تھے جن کی کہانیاں دنیا بھر میں مشہور تھیں حتیٰ کہ ابو شعبہ یاقوت کو وہ بازی گر اور شعبدے باز بھی نظر نہ آئے جو دھوکے، دھوکے، انگارے پیٹ کر اور نظریاں بکا کر پاس اور رستے پر تماشا دکھایا کرتے تھے۔ بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت بدستور تھی، دکانیں بھی کھلی تھیں اور خرید و فروخت بھی ہو رہی تھی لیکن بازاروں کی رونقیں مفقود تھیں۔ اسے کوئی نجومی، کوئی داستان سرا، کوئی نال گیر، کوئی بازیگر، کوئی شعبدے باز یا کوئی دوسرا مجمع گیر دکھائی نہ دیا۔ اسی لیے رونق بازاروں سے گزرتا وہ سرائے جعفر کے دروازے پر پہنچا جہاں اسے دونوں غلاموں کے ساتھ صرف ایک رات قیام کرنا تھا۔

معتضد ابو عباس کا دربار عباسیہ کی گزری عظمتوں کی یاد تازہ کرنے لگا تھا جہاں اعیان سلطنت کے علاوہ صوبوں کے والی اور شہروں کے حاکم حاضری دیتے تھے۔ ابو نصر یاقوت نے اسی شام وزیر سلطنت عبیداللہ سے مسجد المنصور میں ملاقات کی اور بتایا کہ وہ مصر سے آیا ہے اور برادر سلطان شہزادہ شیبان کا قاصد ہے۔ عبیداللہ نے خوشی کا اظہار کیا اور پیغام کے بارے میں پوچھا تو اس نے اصرار کیا کہ پیغام دربار خلافت ہی میں بیان کرے گا۔ یہ بھی بتایا کہ وہ آنحضرت کے لیے ایک ضروری تحفہ بھی لے کر آیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل سلطان ناصر یہ نے معتضد ابو عباس کی تخت نشینی پر مبارک باد کا پیغام بھیجا، نیاز مندی کا اظہار کیا اور بہترین تحائف ارسال کیے تھے۔ عبیداللہ کا خیال تھا ابو نصر یاقوت اسی تعلق کو مضبوط کرنے آیا ہے۔ اس نے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی اور خود دجلہ کے مشرقی ساحل پر الرصافہ کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ امیر المومنین معتضد ابو عباس کو مشرقی

www.urdukorner.com

قاصد کی آمد سے آگاہ کر سکے۔

★

دوسرے دن کا سورج ایک نئے ہنگامے کے ساتھ طلوع ہوا اور طولونی پیغامبر کے آنے کی خبر نے اہلِ دربار میں سنسنی سی پیدا کر دی۔ دربار میں خلیفہ معتضد ابوعباس کے علاوہ عمائدینِ سلطنت، امرا و شیوخ، فوجی سالار، قاضی، علمائے کرام، شاعر، صوفی اور ہر طبقے کے نمائندہ افراد موجود تھے جن میں خلیفہ کا نوجوان ولی عہد اور مکھ جیسک خاتون کا انتہائی جمیل[1] اور شکیل (تکسال) قاسم بن عبداللہ ابوالحسن (اتالیق ولی عہد) اسحاق بن کنداج، فوجی سالار محمد بن طاہر، صاعد بن مخلد، معتضد کا آزاد کردہ غلام اور افسر نصاتا بدر، سردار صوار تکین، توصیف بن صوار تکین غلام مشیل، معتضد کا ابن عم المفوض بن معتمد اور اولاد معتصم بن ہارون الرشید کے علاوہ دیگر امرائے بنی عباس نمایاں تھے۔ علاوہ ازیں بلادِ مغربیہ اور بلادِ شرقیہ کے دونوں ناظم الامور بھی موجود تھے۔

شعرا میں سے دربارِ عباسیہ کے ملک الشعرا ابوعبیدہ البحتری[2] عبداللہ ابن معتز، ابن سیار اور صوفی، قضاۃ میں قاضی یوسف، قاضی اسماعیل، قاضی ابوبکر، قاضی ابوحازم، علما میں عبداللہ بن محمد (ابن ابی الدنیا) حارث بن ابی اسامہ اور صوفیا میں سے شیخ الصوفیہ ابوسعید خراز اور ابوجعفر ترمذی شیخ الشافیہ کے نام قابلِ ذکر تھے۔

معتضد نے امرائے سلطنت کی باہمی رقابتوں اور سازشوں کو ختم کر دیا اور تھوڑے ہی

---

[1] ابومحمد علی مکتفی انتہائی صاحبِ جمال اور حسن میں ضرب المثل تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وَاللّٰہِ لَا کَلَّمْتُہٗ وَلَوْ اَنَّہٗ کَالشَّمْسِ اَوْ کَالْبَدْرِ اَوْ کَالْمُکْتَفِیْ

(خدا میں اپنی محبوبہ سے ہرگز نہیں بولوں گا، خواہ وہ چاند، سورج یا مکتفی کی طرح خوبصورت ہو) "تذکرۃ الخلفاء"

[2] بحتری کو اشعار میں جانوروں کی خصوصیات بیان کرنے میں کمال حاصل تھا۔ اس نے حماسہ بھی ترتیب دیا لیکن [illegible] سے بہتر نہیں۔ عباسیہ کا ملک الشعرا تھا۔ (مترجم)

عرصے میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا تھا۔ اس کے رعب و دبدبہ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دربار میں لوگ بڑے مؤدب رہتے تھے حتیٰ کہ امرائے آلِ عباس میں بھی کوئی امیر اختلاف کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ خلیفہ کے دربار میں آتے اور مسند نشین ہوتے ہی حاجب نے مصری قاصد ابونصر یاقوت کے نام کا اعلان کر کے اس کی حاضری کی اطلاع دی تو سب کی نظریں اس شخص پر دوڑ گئیں، جو دو غلاموں کے آگے آگے بے خوف چلتا ایوان کے وسط میں پہنچا اور چند قدم آگے بڑھ کر مسندِ خلافت کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ خلیفہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے پیغام پڑھنے کی اجازت دی لیکن ابونصر یاقوت کے پاس پڑھنے کے لیے کوئی تحریری بیان نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ پیغام زبانی عرض کرے گا مگر پیغام سنانے سے قبل عباسی خلیفہ کو "امیر المومنین" کے معروف و مروج خطاب سے یاد کرنے کی بجائے صدف "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے مخاطب کیا اور پوچھنے لگا۔ "اعلیٰ حضرت! حاضری کا مقصد بیان کرنے سے قبل صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کسی ناخوش گوار اطلاع یا پیغام پر حضور کے دربار میں کہیں قاصدوں کے سر تو قلم نہیں کر دیے جاتے؟"

اہلِ دربار یہ الفاظ سن کر اسے چشمِ حیرت سے دیکھنے لگے۔ کسی قاصد، کسی ایلچی، کسی سفیر نے آج تک ایسی بات نہیں پوچھی، جو ابونصر یاقوت پوچھ رہا تھا مگر اسی سوال پر اس کی اپنی زندگی کا انحصار تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے پہلے یہی سوال کرے اور زندگی کی ضمانت حاصل کرنے کے بعد ہی اصل مطلب پر آئے۔ جریش کا سرائے دار خوب جانتا تھا کہ ایسے گستاخانہ سوال کا جواب اس کی مرضی کے مطابق ملے گا۔

معتضد ابوعباس بھی قاصد کے سوال پر حیران رہ گیا لیکن گستاخی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بلند اور پُرشوکت آواز میں تاکہ تمام اہلِ دربار اچھی طرح سن لیں، مخاطب ہوا "ابونصر یاقوت! اسلام میں قاصد یا سفیر کا قتل جائز نہیں بلکہ اس کی گرفتاری بھی جائز نہیں اور آلِ عباس اسلامی اصولوں پر سختی سے عمل کرتی ہے۔ تمھارا پیغام کتنا ہی تلخ اور الفاظ کتنے ہی کڑوے کیوں نہ ہوں، ہم انھیں سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔"

ابونصر یاقوت کے لیے یہ جواب اطمینان بخش تھا گویا خلیفہ نے زندگی کی وہ ضمانت دے دی جو اسے مطلوب تھی۔ اب وہ اپنے مقصد کی طرف آیا "اعلیٰ حضرت! میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا، مجھے ایک افسوسناک فرض سونپا گیا ہے جو ادا کرنے پر مجبور

www.urdukorner.com

[illegible] پیغام لایا ہے اور تکلیف دہ ہے مگر میں ایسے الفاظ استعمال کروں گا جو زیادہ کڑوے نہ ہوں۔"

یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز تھا کہ وہ کوئی تلخ اور تکلیف دہ پیغام لے کر آیا ہے۔ اعیانِ سلطنت، عباسی امرا، عرب شیوخ، ترک جرنیل، وفادار غلام، اہلِ علم و فکر، شاعر، قاضی، صوفیا، علما سب ہمہ تن گوش ہو گئے اور مصری قاصد کہنے لگا۔ "اعلیٰ حضرت کو یاد ہوگا۔ کچھ عرصہ پہلے آپ نے پرانے دوست منذر ابن حرب الکندی کی اسیری ضروری سمجھی اور کیوں ضروری سمجھی اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ تاہم حضور نے اپنے ایک افسر کزلان ترک اور اس کے پانچ یکہ تاز سواروں کو حکم صادر فرمایا کہ ابن حرب کو زندہ یا مُردہ ہر حالت میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ حضور کا ملزم بغداد سے مصر کی طرف فرار ہوا اور اس نے بادیۂ شام کا انتہائی خطرناک اور جان جوکھوں کا راستہ اختیار کیا جسے عبور کرنا کسی تنہا آدمی کے بس کی بات نہیں مگر قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ کزلان ترک بھی اپنے سواروں کو لے کر اسی راستے پر ہو لیا اور قصر العمرہ میں ایک ساتھی سے محروم ہو گیا جو اس قافلے کا رہبر تھا۔ وہ بادیۂ شام کی آتشیں لُو کی تاب نہ لا سکا اور چل بسا۔ پھر بھی کزلان ترک نے ابن حرب کا پیچھا نہیں چھوڑا اور عریش کی کارواں سرائے تک اس کا تعاقب کیا۔ میں اعلیٰ حضرت کے لیے یہ افسوس ناک خبر لے کر حاضر ہوا ہوں کہ عریش میں کزلان ترک اور ابن حرب کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں حضور کا افسر مارا گیا اور اس کے ساتھ اس کے چاروں یکہ تاز عراقی سوار بھی ہلاک ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت جس روز کوئی انسان پیدا ہوتا ہے، اسی روز اس کی موت کا دن بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ سو عریش کی کارواں سرائے میں کزلان ترک اور چاروں عراقی سواروں کو وہ دن پیش آ گیا جس سے کڑا اور سخت دن اور کوئی نہیں ہوتا۔ اسی طرح موت ہر ذی روح کو جو پیدا ہوا ہے، ایک دن گھسیٹ کر لے جائے گی۔"

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابو نصر یاقوت نے اپنے الفاظ سے اس سانحۂ اجل کی تلخی گھٹا دی یا بڑھا دی تھی۔ مگر عراقی سواروں کی ہلاکت کے ذکر نے لوگوں کو دہلا دیا۔ کزلان ترک جیسے بے رحم اور بہادر افسر کو آسانی سے ہلاک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے ہمراہ پانچوں سوار بھی ایسے تھے جو پانچ سو بہادروں کا حلقہ توڑ کر نکل جانے کی ہمت رکھتے تھے مگر ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ خلیفہ کے لیے بھی یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ تاہم ایک مدبر حکمران کی طرح اس نے اپنے چہرے پر مصلحتاً بیگانگی کا پردہ گرا لیا کیوں کہ عقل مند لوگ اپنے دل کی صحیح کیفیت خاص طور سے اپنی ناکامی کا حال دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ قاصد کے بیان سے اس نے معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگا لیا اور کہا۔ "تم ہماری طرف ابن حرب کے قاصد بن کر آئے ہو؟"

"نہیں اعلیٰ حضرت!" ابو نصر یاقوت نے وضاحت کی۔ "ابھی میں نے ایک خبر حضور کو سنائی ہے۔ اب اپنے آقا امیر شیبان برادر سلطان کا پیغام گوش گزار کرتا ہوں۔ پیغام یہ ہے کہ کزلان ترک اور اس کے سواروں نے ایک شخص کو ایسے علاقے میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جو عباسیہ کے حق و اختیار سے باہر ہے۔ اس اقدام سے طولونی مملکت کی حدود میں مداخلت ہوئی اور میرے آقا توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ حضور ایسی مداخلت سے اجتناب فرمائیں گے۔"

"کیا شیبان ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ عباسی سلطنت کہاں ختم ہوتی اور طولونی مملکت کہاں سے شروع ہوتی ہے مگر ہم خمارویہ کی حکومت کو قانونی تسلیم نہیں کرتے۔"

مصری قاصد نے ایک بار پھر اپنا سر خم کر دیا۔ "اعلیٰ حضرت! جس طرح میں نے آقا شیبان کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے اسی طرح آپ کا جواب بھی ان کے گوش گزار کر دوں گا۔ بس مجھے کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب اجازت چاہتا ہوں البتہ حضور کو کزلان ترک اور اس کے چار عراقی سواروں کا آخری دیدار منظور ہو تو باہر میرے اونٹ کے کجاوے میں ان کے کٹے ہوئے سر موجود ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پانچوں سر آپ کو تحفے میں نذر کروں اور اگر اعلیٰ حضرت یہ تحفہ پسند نہ فرمائیں تو سر دریائے دجلہ میں پھینک کر لوٹ آؤں۔"

یہ الفاظ پورے اہلِ دربار پر بجلی بن کر گرے اور ایک زبردست تڑاقا ہوا اور سب کے ہوش گم ہو گئے کہ مصریوں کو خلیفہ معتضد ابو عباس کے حضور جو "سفاح ثانی" کہلاتا ہے، کٹے ہوئے سروں کا تحفہ بھیجنے کی جرأت بھی ہو گئی۔ ناگہاں ولی عہد خلافت ابو محمد علی تلوار کھینچ کر اٹھا اور قاصد کی طرف بڑھا۔ "ابو نصر یاقوت! کیا تم اپنا سر اپنے کندھوں پر سلامت لے جاؤ گے؟"

یاقوت اور دونوں غلام سمجھ گئے کہ وہ ساعت آ گئی ہے جس کا اندیشہ تھا۔ ان کے ہاتھ لبادوں کے اندر اپنے زہر آلود دہلانی خنجروں کے قبضوں پر مڑ گئے جن کی ہلکی سی خراش بھی جان لیوا تھی۔ تینوں فدائیین کے حلقے سے تعلق رکھتے اور جانتے تھے کہ مرنے سے پہلے انھیں کم از کم تین آدمیوں کا رشتۂ حیات منقطع کرنا ہوگا۔ انھوں نے تینوں اہم آدمیوں کا انتخاب

www.urdukorner.com

کر لیا۔ ان میں پہلا معتضد ابو عباس، دوسرا ولی عہد ابو محمد علی اور تیسرا وزیر سلطنت عبید اللہ تھا، مگر اسی لمحے خلافت مآب نے بیٹے کو سرزنش کی۔ "علی! قاصد کو خوف زدہ نہ کرو۔ اسلام میں کسی قاصد پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔"

ولی عہد ابھی قدموں رک گیا۔ "امیر المومنین! قاصد کٹے ہوئے سر دربارِ خلافت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ آلِ عباس کی توہین ہے۔"

معتضد کی آواز پورے دربار میں گونج گئی۔ "ہمیں آلِ عباس کی عزت سے اسلام کی حرمت زیادہ عزیز ہے۔"

ولی عہد کی تلوار پھر نیام میں چلی گئی اور وہ قاصد سے کہنے لگا۔ "ابو نصر! شہزادہ شیبان سے کہنا کہ وہ کزلان ترک اور اس کے چاروں سواروں کے قاتلوں کو پابہ زنجیر بغداد روانہ کر دے ہم قاصدوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر قاتلوں کو معاف نہیں کرتے۔"

قاصد کا جواب بھی اتنا ہی تیز تھا۔ "ابو محمد! شیبان کسی کمزور آدمی کا نام نہیں۔ اس نام کے پیچھے مصر و شام کے لشکر کھڑے ہیں مگر لڑائی تو ابنِ حرب اور کزلان ترک کے درمیان ہوئی اور جب دو حریفوں میں لڑائی ہوتی ہے سر کٹتے اور کٹے ہوئے سر نیزوں پر چڑھائے جاتے ہیں، قانون کی میزان میں نہیں تولے جاتے۔"

ولی عہد کچھ کہنے والا تھا کہ معتضد نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور قاصد سے کہا۔ "ابو نصر! شیبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، تم جو پیغام لے کر آئے ہو اس کا جواب ابو جیش خمارویہ کو مل جائے گا۔"

گویا قاصد کو فارغ کر دیا گیا۔ ابو نصر یاقوت کو جو خدمت سونپی گئی تھی وہ پوری ہو گئی اور اب اُسے بعجلت دربار سے بغداد سے، عراق سے نکل جانا تھا۔ اُس نے عباسی حکمران کو آخری سلام کیا، اُلٹے قدموں پیچھے ہٹا اور دونوں غلاموں کے ہمراہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف ہو لیا۔ اہلِ دربار حیرت زدہ تھے۔ ولی عہد جہاں کھڑا تھا ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ معتضد کی آواز خاموشی کو توڑتی ہوئی بلند ہوئی اور ایوان کے آخری کنارے تک سُنی گئی۔ وہ ایک بار پھر بیٹے سے مخاطب تھا۔ "جانِ پدر! تم ہمارے جانشین اور عباسیہ کے ہونے والے حکمران ہو۔ حکمران کی سب سے بڑی دانائی یہ ہوتی ہے کہ اپنا غصہ اور جوش قاصد پر نکالنے کی بجائے اُس کے بھیجنے والے کے لیے محفوظ رکھے۔ ہمارے اور بنی طولون کے مابین جو لڑائی شروع ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے نتیجے کی منتظر ہے اور دنیا اس کا نتیجہ دیکھ لے گی۔"

ادھر بات ختم ہوئی اُدھر شاہی دربان اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک چرمی تھیلا اٹھائے دربار میں داخل ہوا اور خلیفہ کے سامنے پہنچ کر بتانے لگا۔ "امیر المومنین! مصری قاصد یہ تھیلا قصرِ خلافت کے دروازے پر چھوڑ گیا ہے۔ اس میں پانچ کٹے ہوئے سر ہیں اور کزلان ترک کا سر بھی ہے۔"

اہلِ دربار قاصد کی زبانی سُن چکے تھے کہ وہ کٹے ہوئے سروں کا تحفہ لے کر آیا ہے اور اگر اعلیٰ حضرت یہ تحفہ پسند نہ فرمائیں گے، تو ان کے وفاداروں کے سر دریائے دجلہ میں پھینک کر لوٹ جائے گا لیکن دجلہ میں پھینکنے کی بجائے وہ پانچوں کٹے ہوئے سر باہر دروازے پر رکھ کر چلا گیا تھا۔ جب دربان انھیں لے کر دربار میں حاضر ہوا تو اہلِ دربار حیرت کے ایک نئے سکتے اور تعجب کی ایک نئی سنسنی سے دوچار ہوئے۔ خلیفہ معتضد وہ الم ناک منظر دیکھنے پر مجبور ہو گیا جو عریش کا قرمطی سرائے دار اُسے دکھانا چاہتا تھا۔ وزیرِ سلطنت عبید اللہ فوراً آگے بڑھا اور اس نے پانچوں سر تھیلے سے نکال کر مسندِ خلافت کے نقرئی اسٹیج پر رکھ دیے تاکہ سب لوگ انھیں دیکھ لیں۔ یہ ایک ایسا بھیانک نظارہ تھا کہ اہلِ دربار کی نظریں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

ابو عباس سفاح سے لے کر ابو عباس معتضد تک ہمیشہ عباسی دشمنوں ہی کے سر نیزوں پر چڑھائے یا فصیلوں پر لٹکائے گئے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ کسی دشمن نے عباسیہ کے دربار میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ بھیجا تھا جس نے تمام اعیانِ سلطنت اور حاضرینِ دربار کو مبہوت کر دیا۔ ناگہاں عبید اللہ وزیر نے کزلان ترک کا سر اٹھایا جو سب سے نمایاں تھا اور انکشاف کیا۔ "امیر المومنین! کزلان ترک کا سر خود کر کے بھیجا گیا ہے۔"

اس انکشاف نے نئی سراسیمگی دوڑا دی اور لوگ دشمن کی جرأت پر چہ میگوئیاں کرنے لگے پھر ایک آواز بلند ہوئی۔ "بنی طولون کے خلاف اعلانِ جنگ کیا جائے۔"

اکثر لوگوں نے اس آواز کی حمایت کی۔ دربارِ خلافت میں کٹے ہوئے سر بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ دربارِ عراق، مصر و شام پر حملے کا فیصلہ کرے اور دو فریقوں میں جنگ و جدل کا بازار گرم ہو جائے۔ وزیرِ سلطنت نے خلیفہ کی طرف دیکھا اور اس نے حکم دیا۔ "عبید اللہ! پانچوں سر تھیلے میں رکھ لو۔ انھیں آج ہی طاہریہ کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔"

www.urdukorner.com

وزیر سلطنت نے باری باری پانچوں سر تھیلے میں ڈالے اور تھیلا اپنے نائب کی تحویل میں دے دیا۔

دربار کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ ولی عہد ابو محمد علی ابھی تک وہیں کھڑا تھا اس نے دریافت کیا۔ "امیر المومنین! اب آپ بنی طولون کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟"

"تقدیر بنی طولون کا فیصلہ خود کرے گی۔"

قاسم بن عبداللہ ابوالحسن فوراً کھڑا ہوا۔ "پھر تقدیر کا فیصلہ یہ ہے کہ امیر المومنین خارجیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کریں۔ خمارویہ پر تلوار اٹھائیں جس نے مصر و شام کی علاحدگی کے ذریعے برقہ اور قیروان کا راستہ روک رکھا ہے اور وہاں حکومت کا ایک نیا دعوے دار پیدا ہو گیا ہے۔ حضور کو اپنے والد مرحوم کی آخری خواہش یاد ہو گی۔ انھوں نے آپ کو خمارویہ کی گردن پر اپنی تلوار کا لوہا آزمانے کی وصیت کی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ بنی طولون کو علاحدگی پسندی کی سزا دی جائے اور عراقی لشکر مصر و شام کی طرف کوچ کریں۔"

قاسم بن عبداللہ نے جو کچھ کہا، بہت سے امرا اور سردار بھی وہی کہنا چاہتے تھے مگر قاضی یوسف کی رائے مختلف تھی۔ "میں امیر المومنین کو جہاد کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ جہاد کافروں اور مشرکوں سے ہوتا ہے۔ بنی طولون سے پہلے بھی جنگیں ہو چکی ہیں اور ان جنگوں میں بہنے والا خون مسلمانوں کا تھا۔"

قاضی یوسف کا جواب قاضی ابوعمر نے دیا۔ "بنی طولون خلافت کے منکر ہیں اور منکرین خلافت کے خلاف تلوار اٹھانا جائز ہے۔"

معتضد ابوعباس نے علما کی طرف دیکھا تو ابن ابی الدنیا نے اپنی رائے پیش کی۔ "امیر المومنین! آپ کے والد موفق طلحہ کے دور میں امر خلافت منقطع ہو گیا تھا اور بنی طولون کا اصرار یہی تھا کہ معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کو خلافت پر بحال کیا جائے مگر موفق طلحہ کی زندگی میں یہ امر معطل رہا اور اسی بہانے بنی طولون کو اپنی علاحدہ حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ اب آپ کے ہاتھ پر خدا نے قوم کو متحد کر دیا اور امر خلافت پھر جاری ہو گیا ہے۔ طولونی خلافت کے منکر اور باغی نہیں انھیں کسی میدان جنگ میں بلانے کی بجائے پہلے بیعت کی دعوت دی جائے اگر انھوں نے انکار کیا اور سرکشی اختیار کی تو پھر آپ کو اختیار ہو گا کہ ان کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔"

ابن ابی الدنیا کی رائے سن کر اہل دربار کا جوش کچھ مدھم پڑ گیا۔ معتضد ابوعباس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "آپ کی رائے صائب ہے۔ بنی طولون کے خلاف ہماری تلوار اس وقت تک نیام سے باہر نہیں آئے گی جب تک خمارویہ خود ہمیں جنگ کی دعوت نہیں دے گا۔"

اس پر بعض لوگوں کو حیرت ہوئی اور فوجی جرنیل محمد بن طاہر نے پوچھا۔ "امیر المومنین! دربار خلافت میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ بھیجنا اگر جنگ کی دعوت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟"

ولی عہد ابو محمد علی، توصیف بن صوارتکین، قاضی ابوعمر اور ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کا بھی خیال تھا کہ کٹے ہوئے سر بھیج کر خمارویہ نے جنگ کی دعوت دے دی ہے۔ اب صرف اس دعوت کو قبول یا مسترد کرنا باقی رہ گیا ہے مگر معتضد نے جو نیا خیال پیش کیا اس نے پورے دربار کو حیران کر دیا۔ "قاصد فسطاط کی بجائے عریش سے آیا ہے اور اب ہم سوچ رہے ہیں ممکن ہے ابونصر یاقوت شہزادہ شیبان کا قاصد نہ ہو کیوں کہ اس کے پاس پڑھنے کے لیے کوئی تحریری بیان موجود نہیں تھا۔"

ابھی لوگ اس نئے خیال پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ اسحاق بن کنداج کہنے لگا۔ "گستاخی معاف امیر المومنین! شہزادہ شیبان کچھ عرصہ پہلے آرمینیا اور ایشیائے کوچک کا سرحدی خراج لے کر دمشق سے روانہ ہوا تھا جن تاریخوں میں ابن حرب بغداد سے فرار ہو کر عریش پہنچا انھی تاریخوں میں شیبان کا قافلہ بھی عریش میں پہنچنے والا تھا جس کی سرائے میں کزلان ترک اور عراقی سواروں کو موت کا حادثہ پیش آیا سرائے میں شیبان اور ابن حرب کی ملاقات ضرور ہوئی ہو گی اس لیے ابونصر یاقوت جو پیغام لے کر آیا ہے وہ شیبان ہی کا ہو سکتا ہے۔"

معتضد ایک ساعت کے لیے رکا پھر اپنی پُرشوکت آواز اور مخصوص لہجے میں کہنے لگا۔ "اگر وہ پیغام شیبان ہی نے بھیجا ہے تو بھی اس کا جواب ہم خمارویہ ابوجیش سے طلب کریں گے اور جیسے ہمیں مشورہ دیا گیا ہے۔ پہلے اسے اپنی بیعت کی دعوت دیں گے پھر ہماری سواریاں مصر و شام کی طرف روانہ ہوں گی جنھیں کوئی نہیں روک سکے گا۔"

گویا اس نے اہل دربار کو مطمئن کر دیا پھر قاسم بن عبداللہ سے مخاطب ہوا۔ "ابوالحسن! ہم اپنے مرحوم باپ کی وصیت نہیں بھولے۔ مصر و شام اور عراق کے درمیان جو لکیر تلواروں سے کھینچی گئی ہے اسے بنی طولون تلواروں ہی سے مٹا دیں گے۔ قدرت چاہتی ہے کہ

www.urdukorner.com

وہ بکھر مٹ جائے اور ہمیں رویا میں ایک اشارہ بھی دیا گیا ہے۔"

معتضد ابوعباس کے آخری الفاظ نے دربار میں دلچسپی کی لہر دوڑا دی۔ ہر شخص یہ جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ امیرالمومنین نے کیا رویا دیکھا ہے؟ یہ درخواست اس کے بیٹے ابومحمد علی نے کی۔ ولی عہد کی درخواست پر اس نے بتایا "ابومحمد! رات ہم نے ایک عجیب و غریب رویا دیکھا اور یہ دیکھا کہ بنی طولون کا چاند اپنے آسمان سے ٹوٹ کر ہمارے قدموں میں آ گرا ہے اور ہم اس چاند کو سمیٹتے اور سنبھالتے ہیں۔ تو یہ رویا دیکھا ہے ہم نے اور اس کی تعبیر ابوجعفر ترمذی شیخ الشافعیہ بیان کریں گے۔"

خلیفہ کا اشارہ پا کر شافعی بزرگ نے اہلِ دربار کو مخاطب کیا اور کہا "آج امیرالمومنین نے طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مجھے الرصافہ میں طلب کیا اور اپنا رویا سنا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ علمِ تعبیر میں چاند جاہ و حشمت، حکومت و دولت اور شخصی عظمت کے علاوہ حسن و جمال کی بھی علامت ہے۔ اگر چاند کو آسمان سے ٹوٹ کر اپنے قدموں میں گرتا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ رویا دیکھنے والے کو اس خاندان یا ملک کی جاہ و حشمت اور حکومت و دولت نصیب ہوگی جس کے آسمان سے چاند ٹوٹ کر اس کے قدموں میں آ گرا ہے۔ رویا کے مطابق بنی طولون کی عزت حشمت اور حکومت امیرالمومنین کو ملنے والی ہے۔"

ولی عہد نے تعجب کا اظہار کیا۔ "ابوجعفر تو امیرالمومنین کے رویا کی تعبیر یہ بتلاتے ہیں کہ انھیں بنی طولون کی حکومت ملنے والی ہے لیکن عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی مصری قاصد دربارِ خلافت میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ لے کر آیا جو محمد بن طاہر جیسے فوجی سالار کے نزدیک جنگ کی کھلی دعوت ہے۔"

"تو پھر امیرالمومنین کو بھی طولونی حکومت کسی جنگ کے نتیجے میں مل جائے گی۔"

اس جواب کے بعد شیخ ابوجعفر ترمذی نے پُراسرار خاموشی اختیار کر لی۔ لوگ خلیفہ معتضد کا رویا اور شافعی بزرگ کی تعبیر سن کر سوچنے لگے کہ ابوعباس اگرچہ علمِ نجوم کے خلاف ہے اور ستاروں کے سعد اور نحس اثرات کو نہیں مانتا لیکن اس کا اپنا ستارہ بڑا مبارک اور آسمان کی بلندی پر طولونی ستارے کو جیت رہا ہے۔

دربار برخاست کرنے سے قبل اس نے اعلان کیا کہ عن قریب ایک وفد مصر بھیجے گا۔ جو خمارویہ ابوجیش سے آج کے پیغام کا جواب طلب کرے گا اور اسے خلافت کا حلفِ قبول

کرنے کی دعوت دے گا۔ اس وفد کی قیادت ولی عہد کے اتالیق قاسم بن عبداللہ ابوالحسن کریں گے۔

★

اس روز جب کزلان ترک اور اس کے چار عراقی سواروں کے سر قبرستان طاہریہ میں سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیے جا رہے تھے، لوگوں کا ایک ہجوم وہاں موجود تھا۔

دربار برخاست ہوتے ہی یہ خبر پر لگا کر اڑی اور بغداد کے محلوں، حلقہ در حلقہ پھیلی بازاروں، سراؤں، منڈیوں کوچوں، گلیوں میں پھیلتی چلی گئی تھی کہ کزلان ترک اور اس کے ساتھی جو منذر ابن حرب الکندی کا تعاقب کرتے عریش پہنچ گئے تھے، وہاں مارے گئے اور ان کے سر کاٹ کر بطور تحفہ دربارِ خلافت میں بھیج دیے گئے ہیں۔ یہ ایک بھیانک اور لرزہ خیز واقعہ تھا جس نے سنا قبرستان کی طرف بھاگا کہ چشم خود دیکھ سکے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خلیفہ معتضد ابوعباس اپنے اعیانِ سلطنت، علماء امراء اور شیوخ سمیت تدفین میں شریک تھا جس سے اس واقعے کا چرچا ہوا اور بے شمار لوگ قبرستان میں پہنچ گئے۔

بغداد میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی اور اہلِ بغداد اپنی عادت کے مطابق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ انھوں نے ماضی میں کمزور خلفا کو ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوتے بھی دیکھا اور ان کے جنازے بھی اٹھائے تھے مگر معتضد باللہ احمد ابوعباس ایک طاقت ور حکمران تھا۔ اس کے عہدِ خلافت میں ایسا بھیانک واقعہ بالکل خلافِ توقع تھا۔ لوگ اسے دیکھتے اور باتیں کرتے کہ بہت جلد طولونیوں سے جنگ شروع ہو جائے گی اور سپاہِ خلافت مصر و شام پر چڑھائی کر دے گی۔

ان افواہوں کے درمیان بعض لوگ معتضد ابوعباس کے رویا کا ذکر بھی کرتے اور کہتے تھے کہ بنی طولون کی حکومت اور دولت ابوعباس کو ملنے والی ہے کیوں کہ اس نے بنی طولون کا چاند آسمان سے ٹوٹ کر اپنے قدموں میں گرتے دیکھا ہے۔

معتضد کی حرموں اور کنیزوں نے "خوفناک تحفے" کی خبر سنی، جسے طاہریہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا جا رہا تھا، تو وہ بھی اس سانحے پر دم بخود سی رہ گئیں کیوں کہ مشرق و مغرب کے کسی حکمران میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا کے حضور ایسی گستاخی

www.urdukorner.com

کرنا لیکن مصر کی سرزمین سے ایسی گستاخی کا ارتکاب کیا گیا تھا اس خبر نے ملکہ جیحک خاتون کو بالکل مضمحل سا کر دیا تھا اور اس خیال سے بے حد خوفزدہ تھی کہ کہیں ابو عباس نے مصر پر حملے کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔

تیسرے پہر جب معتضد ایوان صافہ میں داخل ہوا جیحک نے سب سے پہلے کزلان ترک کی بات کی اور خلیفہ نے جواب دیا۔ "ایک افسوس ناک واقعہ پیش آ گیا ہے۔ کوئی دوسرا بہادر شاید کزلان ترک کو ایک زخم بھی نہ لگا سکتا لیکن ابن حرب نے اُسے ہلاک کر دیا اور سر کاٹ کر ہمیں بھجوا دیا۔ شاید وہ سمجھتا ہے کہ ہماری دسترس سے باہر ہو گیا ہے لیکن وہ اتنا دور بھی نہیں جتنا سمجھتا ہے۔ کیوں کہ تیز رفتار سواریوں کے سامنے طویل فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔"

جیحک خاتون نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اُسے گرفتار کرنے کے لیے امیر المومنین کچھ اور لوگوں کو بھیجیں گے؟"

ابھی معتضد نے سوال کا جواب نہیں دیا تھا کہ ایک کنیز نے حیرت انگیز اطلاع دی۔ "امیر المومنین سردار حرب الکندی کی بیوہ حاضری کی طلب گار ہے۔"

معتضد ابو عباس نے فوراً حاضری کی اجازت دے دی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اُسے ایک ایسی عورت کا سامنا کرنا تھا جس کا شوہر کبھی ایوان صافہ کی اور بیٹا معتضد احمد ابو عباس کی حفاظت پر مامور تھا لیکن حالات کی صورت اتنی بدل گئی کہ ایک بغداد میں قتل کر دیا گیا اور دوسرا فرار ہو چکا تھا۔

ادھیڑ عمر عورت جس کی کمر مصیبتوں کے بوجھ نے وقت سے پہلے خم کر دی تھی جب کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر زندگی کی کوئی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی جیسے اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہی ہو۔ اُس نے خلیفہ کو سلام کیا اور کہنے لگی۔ "امیر المومنین! میں نے سنا ہے میرے بیٹے نے کزلان ترک اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے کٹے ہوئے سر دربار خلافت میں بھیجے گئے ہیں لیکن میں آپ کو اس واقعے سے آگاہ کرنے آئی ہوں جو رات مجھے پیش آیا۔"

معتضد ہمہ تن گوش ہو گیا اور بڑھیا نے بتایا۔

"امیر المومنین! رات دو غلام جو عریش کی کاروان سرائے سے بھیجے گئے تھے میرے پاس منذر کی انگوٹھی جیسے [illegible] ہوں، اور اُس کا پیغام لے کر آئے [illegible]

اس لیے بھیجی تھی کہ دونوں غلام اسی کے پیغامبر ہیں اور پیغام یہ بھیجا ہے کہ میں بغداد چھوڑ دوں اور اُن کے ساتھ مصر چلی آؤں مگر میں نے مصر جانے سے انکار کر دیا اور منذر کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ بغداد لوٹ آئے تو میں امیر المومنین سے کہہ کر اُس کی خطا معاف کرا دوں گی، اور اس وقت یہ پوچھنے آئی ہوں کیا بغداد میں میرے بیٹے کو زندگی مل سکتی ہے؟"

یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے معتضد ابو عباس پر سکتہ طاری کر دیا کیوں کہ ماں ایک ایسے بیٹے کی زندگی مانگ رہی تھی جو معتضد کے اختیارات کی سرحد پار کر چکا تھا۔

حرب الکندی کی بیوہ کا ایوان صافہ میں آنا اگر حیرت انگیز تھا تو اس کا بیان ایک اچنبھا ثابت ہوا۔ خلیفہ معتضد روداد سن کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ اُس نے ابن حرب کے بھیجے ہوئے غلاموں کے ہمراہ عریش (مصر) جانے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا تھا کہ بغداد لوٹ آئے اور اب ایوان صافہ میں خلیفہ سے یہ پوچھنے آئی تھی، کیا بغداد میں اُسے پناہ مل سکتی ہے؟

ماں نے اپنے بیٹے کے لیے رحم مانگا تھا، زندگی مانگی تھی اور معتضد حیران تھا کہ کیا جواب دے۔ جو کچھ وہ طلب کر رہی تھی اس کے پاس نہیں تھا۔ نہ رحم، نہ زندگی۔ بیوہ عورت صورت سوال کھڑی خلیفہ کے جواب کی منتظر تھی اور وہ معاملے کی عجیب و غریب نوعیت پر غور کر رہا تھا۔ آخر کہنے لگا۔

"ہم ایک ایسی مسند پر بیٹھے ہیں جو انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ابن حرب پہلے ہمارے حضور پیش ہو اور قانون کا سامنا کرے۔"

عورت سمجھ گئی کہ وہ اس کے بیٹے کی گرفتاری پر اصرار کر رہا ہے اور یہی بات اُسے منظور نہ تھی۔ اس نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک نکتہ نکالا۔ "امیر المومنین! قانون کا سامنا مجرم کرتے ہیں۔"

اب خلیفہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہے، کزلان ترک اور اُس کے سواروں کا قتل کوئی جرم نہیں؟"

"بے شک میں یہی سمجھتی ہوں۔" بیوہ عورت نے دو ٹوک جواب دیا اور آواز بھی کچھ تیز اور اونچی ہو گئی۔

[illegible] اس لیے کہا کہ اسے زندہ یا مردہ آپ کے حضور

www.urdukorner.com

پیش کر سکے مگر جب کسی بے گناہ کو اس کا جرم بتائے بغیر گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے اور اس پر بے خبری میں دھاوا کیا جائے تو اُسے اپنے دفاع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس نے یہی حق استعمال کیا۔ امیر المومنین! جھگڑا میرے بیٹے نے نہیں کزلان ترک نے کیا اور مجرم وہ ہے جو جھگڑے کا آغاز کرتا ہے۔ ظلم کا دھبہ آپ کے افسر پر تھا میں سن چکی ہوں، عریش کی کارواں سرائے میں لڑائی بھی اس نے خود مول لی تھی اور دو بہادروں کے درمیان لڑائی کا جو انجام ہوا کرتا ہے، وہ ہوا۔ میں اس بات پر نادم نہیں کہ آپ کا افسر میرے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔ ان دونوں میں سے بہرحال کسی کو مرنا تھا۔ ان حالات میں ابن حرب کو کزلان ترک کے قتل کا مجرم قرار دینا خلافِ انصاف ہے اور آپ انصاف کی مسند پر بیٹھ کر کوئی غلط فیصلہ محض اس لیے نہیں کر سکتے کہ آپ خلیفہ اور صاحبِ اقتدار ہیں۔"

معتضد ابو عباس کو ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ بیوہ عورت کی باتیں سن کر دل و دماغ پر ایک حیرت سی گزر گئی وہ ابھی اسی حیرت سے دوچار تھا کہ اُس نے ایک اور سوال کر دیا۔

"اب میں پوچھتی ہوں، آپ نے میرے بیٹے کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر کیا؟ وہ تو آپ کا دوست اور محافظ دستے کا سالار تھا۔ آخر اس سے کیا جرم سرزد ہوا؟"

اس سوال نے خلیفہ کو مزید پریشان کر دیا۔ ابن حرب کی گرفتاری کا حکم صادر کرتے وقت اسے جرم کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ معزول خلیفہ معتمد کی پراسرار ہلاکت اور اپنے باپ حرب الکندی کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں مطلوب تھا اور کیوں مطلوب تھا؟

کزلان ترک نے اپنے سواروں سمیت سردار حرب کی حویلی پر دھاوا کیا، اس کی بیوی کو بیوہ ہونے کی خبر سنائی۔ خمدار ہلالی خنجر شناخت کے لیے پیش کیا، سونے کی ایک انگوٹھی دکھائی، جس کی کٹوری میں سبز زمرد جڑا ہوا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ تمہارا بیٹا ان دونوں چیزوں کو پہچانتا ہے مگر کسی خنجر یا انگوٹھی کو پہچاننا ثبوت جرم نہیں ہو سکتا۔ انگوٹھی اُم رصافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ کی تھی جسے جیحک خاتون بھی جانتی اور پہچانتی تھی پھر اس کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر نہ کیا گیا، جبکہ اہلِ بغداد نے الزام کی انگلی اسی پر اٹھائی تھی؟

بیوہ عورت غالباً انہی خیالات سے دوچار تھی۔ معتضد محسوس کر رہا تھا کہ اس پر ماتم

کا جذبہ غالب ہے اور وہ ان امور سے آگاہ نہیں جو پردۂ اخفا میں ہیں۔ حکومت کے کئی معاملے ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ابن حرب کے معاملے میں بھی کئی باتیں مخفی تھیں لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ ان سے اخفا کا پردہ اُٹھا دیا جائے۔

خلیفہ نے غمزدہ عورت کو جو اپنے بیٹے کی زندگی مانگنے آئی اور انصاف کے لیے جھگڑ رہی تھی، ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حکم دیا کہ اس کے غلام بدر کو حاضر کیا جائے تاکہ وہ معاملے کی صورت واضح کرے۔

ایک کنیز فوراً نئے داروغۂ محل کی طرف بھاگی تاکہ ضباط کے افسرِ اعلیٰ بدر کو حاضری کا حکم دیا جائے۔ کمرے کا منظر یک لخت تبدیل ہو گیا اور بیوہ عورت کے بیٹھتے ہی مکر جیک نے جو ابھی تک خاموش تھی، اپنے شوہر سے پوچھا۔ "ابو عباس! اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں یہاں سے ہٹ جاؤں تاکہ میری ذات گفتگو میں حائل نہ ہو۔"

"نہیں، یہاں تمہاری حاضری ضروری ہے" ان الفاظ کے ساتھ خلیفہ نے اُم رصافہ کی خاتون کو جس پر معتمد اور حرب الکندی دونوں کو قتل کرانے کا شبہ کیا گیا تھا، کمرے میں حاضر رہنے کا پابند کر دیا اور خود بے چینی سے ٹہلنے لگا اسے اپنے غلام بدر کا انتظار تھا۔ اس کے آنے تک کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ چند لمحوں کے بعد کنیز نے غلام کے آنے کی اطلاع دی تو اُسے وہیں طلب کر لیا گیا مگر اس اثنا میں اس محراب کے سامنے پردہ کھینچ دیا گیا جہاں جیحک خاتون بیٹھی تھی۔

بدر کے حاضر ہوتے ہی خلیفہ کا رویہ اچانک بدل گیا اور وہ بڑے کرخت لہجے میں جس سے بے رحمی نمایاں تھی اپنے حاکم ضبطیہ سے مخاطب ہوا۔ "بدر! سردار حرب الکندی کی بیوہ ایک درخواست لے کر آئی ہے اور اپنے بیٹے کے لیے ہم سے انصاف چاہتی ہے۔ تمہیں اس لیے طلب کیا گیا ہے کہ منذر ابن حرب کی گرفتاری کا مقصد بیان کر کے خاتون کو بتاؤ کہ اس کے بیٹے کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر کیا گیا تھا۔"

خلیفہ کے آزاد کردہ معتمد غلام نے معاملے پر غور کیا اور بڑے محتاط پیرائے میں واقعے کی صورت بیان کرنے لگا۔ الفاظ نپے تلے مگر کثیر المعانی تھے۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل چند حالات جو اسرار کے غلافوں میں لپٹے ہوئے تھے، اس طرح ناگہاں پیش آئے جیسے بادلوں کے حاشیوں میں چھپ کر بیٹھی ہوئی بجلیاں چمکتی پہلے ہیں لیکن ان کی

www.urdukorner.com

کڑک کچھ دیر بعد سنائی دیتی ہے۔ الرصافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ وہی بجلی تھی جو بغداد کے آسمانوں پر چھائے حالات کے بادلوں میں چھپ کر بیٹھی رہی اور اچانک قصر معتمد پر اس وقت ٹوٹی جب معزول خلیفہ نے حق خلافت سے دستبردار ہو کر امیر المومنین ابو عباس مقتفد باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اعلیٰ حضرت معتمد کی پراسرار ہلاکت بھی ان واقعات کا پیش خیمہ بنی جن کا سلسلہ ابن حرب کی گرفتاری کے حکم تک پہنچا۔

خوبصورت فلسطینی کنیز جو تیس دینار کے عوض بغداد میں کیوں آئی تھی؟

دمنہ کا اپنا بیان یہ تھا کہ شامی بردہ فروشوں نے اسے فلسطین کے ساحلی شہر حیفہ سے اغوا کیا اور بصرہ کے کسی رئیس کے پاس فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن جب قافلہ بادیۂ شام کی پٹی پر سفر کرتا عراق میں داخل ہوا کچھ لوگوں نے قافلے پر حملہ کر کے دوسری لڑکیوں سمیت دمنہ کو بھی بردہ فروشوں سے چھین لیا اور بغداد لے آئے، بغداد پہنچ کر پتا چلا کہ وہ بھی لڑکیوں کے تاجر ہیں۔ موقع پا کر دمنہ ان کے اڈے سے بھاگ نکلی اور اڈے کے آدمی اس کے پیچھے بھاگے۔ دمنہ اتفاق سے دجلہ کنارے الرصافہ کے قریب پہنچ گئی اور دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ الرصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ دمنہ کا تعاقب کرنے والے سردار حرب کو دیکھ کر ڈر گئے اور اس خیال سے کہ الرصافہ کے داروغہ سے الجھنے کا نتیجہ خطرناک ہوگا، تتر بتر ہو گئے۔ سردار حرب نے دمنہ کو ایک مظلوم اور بے سہارا لڑکی سمجھ کر چیک خاتون کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح وہ الرصافہ میں پہنچی لیکن امور خاص کے محکمے نے جو تحقیق کی، وہ بتاتی ہے کہ دمنہ دراصل اغوا نہ ہوئی تھی وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی تعاون کرتی رہی جو اسے بردہ فروشوں سے چھین کر بغداد لے آئے تھے۔ وہ "کرائے کے آدمی" تھے ان کا کام دمنہ کو صرف بغداد پہنچانا اور الرصافہ کے قرب و جوار میں اس کے فرار کا ایک نمائشی کھیل کھیلنا تھا۔ دفتر خفیہ کو یہ معلومات اڈے کے اس آدمی سے حاصل ہوئیں جسے الرصافہ کے ایک محافظ کی نشان دہی پر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ آدمی دمنہ کا تعاقب کرنے والوں میں شامل تھا اس نے بتایا کہ جو لوگ فلسطینی لڑکی کو بغداد لے کر آئے، وہ دوسری صبح کسی نامعلوم سمت چلے گئے تھے۔

الرصافہ میں دمنہ صرف سردار حرب سے میل جول رکھتی تھی ان کی بیشتر ملاقاتیں اگرچہ دوسروں سے خفیہ اور پوشیدہ نہیں مگر زمانے کی نظروں سے جس کے چہرے پر

ہزار ہا آنکھیں ہوتی ہیں، کوئی ملاقات مخفی نہیں رہتی۔ فلسطینی کنیز ایک خفیہ جماعت کی فرستادہ تھی جو ایک رات سردار حرب کی وساطت سے قصر معتمد میں داخل ہو گئی کیوں کہ حرب نے اعلیٰ حضرت معتمد کی عجمی کنیز شاہفرانہ کو اس کی بہن کا جعلی خط دکھا کر سامرا بھیج دیا اور اعلیٰ حضرت کی خلوت میں دمنہ کی حاضری اور نغمہ سرائی کا جواز پیدا کر لیا تھا۔ لیکن انہیں اس رات کی صبح دیکھنا نصیب نہ ہو سکی۔ فلسطینی کنیز نے جڑ سریع الاثر زہر استعمال کیا جو اس نے اپنی انگوٹھی کی کٹوری میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنا کام سرانجام دے کر چوروں کی طرح قصر سے نکلی۔ باہر سردار حرب اس کا منتظر تھا جو اسے قصر معتمد سے بحفاظت نکال کر لے گیا۔ دمنہ بغداد میں تنہا نہ تھی۔ خفیہ جماعت کے آدمی اس کی نگرانی پر مامور تھے اور سردار حرب ان کا ٹھکانا جانتا تھا۔ دونوں رات کے اندھیرے میں وہیں پہنچے اور وہ ٹھکانہ شونیزیہ کی خانقاہ سے کچھ دور ایک باطنی مرید کا حجرہ تھا۔ شونیزیہ کا شیخ اس بات سے بے خبر تھا کہ فرقۂ باطنیہ کے کسی مرید نے چند پراسرار لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ سردار حرب الکندی درپردہ اسی فرقے سے تعلق رکھتا لیکن کسی "پراسرار آقا" کے حکم کی تعمیل میں جان کی بازی بھی لگا سکتا تھا اور دمنہ اسی "پراسرار آقا" کی بھیجی ہوئی تھی۔ اس نے سردار حرب کے تعاون سے معزول خلیفہ کی زندگی ختم کر دی جن کا وجود، عدم کے برابر تھا مگر دمنہ نے انہیں جام مرگ پلا کر "نئی زندگی" دے دی تاکہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ امیر المومنین کو ان کی ذات سے خطرہ تھا۔ ان کی ہلاکت کے تیسرے دن بغداد سے دور دجلہ کے کنارے سردار حرب کی لاش مل گئی جسے ایک خمدار خنجر سے ہلاک کیا گیا تھا۔ جیب سے دمنہ کی انگوٹھی دستیاب ہوئی۔ ضبطیہ (پولیس) دمنہ کی لاش بھی تلاش کرتی رہی جو نہ مل سکی۔ غالباً کوئی جانور اسے گھسیٹ کر جنگل میں لے گیا یا اسے کسی گڑھے میں دفن کر دیا گیا تھا کہ عورت کی لاش رسوا نہ ہو۔

دونوں کو ختم کر دینے کا مقصد یہ تھا کہ معتمد کی ہلاکت کا الزام الرصافہ پر عائد ہو اور اہل بغداد یہ سمجھیں کہ پہلے دونوں سے ایک سنگین جرم کرایا گیا پھر افشائے راز کے خوف سے ان کی زبانیں ہمیشہ کے لیے بند کر دی گئیں۔ لوگوں نے یہی سمجھا اور الرصافہ پر انگلی اٹھائی لیکن یہ منصوبہ اس لیے کامیاب نہ ہو سکا کہ موقعۂ بختم والطایر (اڈے) کے ایک آدمی کے علاوہ شونیزیہ کا باطنی مرید بھی گرفتار کر لیا گیا تھا جس نے خفیہ جماعت کے کارکنوں کو پناہ

www.urdukorner.com

دی تھی مگر وہ "پراسرار آقا" کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا جس کے اشارے پر دمنہ سردار حرب تک پہنچی تھی۔ حالات کی اس زنجیر میں حرب الکندی اہم کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ دمنہ اس کے بیٹے منذر میں بھی دل چسپی لے رہی تھی اور اس نے اس صافہ کی بعض کنیزوں سے ایسی باتیں کی تھیں جن سے اس کی دل چسپی کا پتا چلتا ہے۔ اس انکشاف کے بعد منذر ابن حرب کی گرفتاری ضروری سمجھی گئی اور کزلان ترک کو حکم دیا گیا، وہ اسے امیرالمومنین کے حضور پیش کرے اور گرفتاری کا حکم اس لیے دیا گیا کہ عربی کہاوت کے مطابق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بیٹا باپ کا بھید ہوتا ہے)

سردار حرب کو جس خدا رہالی خنجر سے ہلاک کیا گیا، وہ دراصل خفیہ جماعت کا نشان یا ایک علامت ہے اور ایسا ہی ایک خنجر ابن حرب کے پاس بھی دیکھا گیا تھا جس کے متعلق اس نے امیرالمومنین کے سامنے عذر پیش کیا کہ خنجر اسے راستے میں پڑا ہوا ملا تھا لیکن خفیہ جماعت کے علامتی خنجر راستوں میں پڑے نہیں ملتے، صرف خاص لوگوں کو مہیا کیے جاتے ہیں اور ابن حرب کو بھی وہ علامتی خنجر کسی خاص مقصد کی خاطر مہیا کیا گیا تھا۔ اس نے یہ بات پوشیدہ رکھی۔ اعلیٰ حضرت معتمد کی ہلاکت اگر پراسرار تھی تو سردار حرب کا قتل بھی حیرت افزا تھا لیکن علامتی خنجر سے جو غالباً غلطی یا افراتفری کے باعث اس کے مردہ جسم میں رہ گیا خفیہ جماعت کی نشان دہی ہوئی جس کے بعد ابن حرب کو حراست میں لینے کا حکم صادر ہوا تاکہ اس کے ذریعے خفیہ جماعت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے لیکن وہ قانون کا سامنا کرنے کی بجائے بغداد سے فرار ہو گیا، گویا اس پر جو شبہ کیا گیا، وہ بے وجہ نہ تھا جس طرح ایک واقعہ دوسرے واقعے کا سبب بنتا ہے، اسی طرح ایک شبہ دوسرے شبے کو تقویت دیتا ہے۔ کزلان ترک اور اس کے سواروں کی ہلاکت کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ امیرالمومنین کا دوست نہیں رہا۔ اس نے اپنے جسم سے وفاداری کا لبادہ اتار پھینکا اور عداوت کا جامہ پہن لیا ہے۔ وہ عباسی سلطنت کی حدود سے ضرور نکل گیا اور مصر و عراق کے درمیان فاصلے بھی طویل ہیں مگر جب سیاہ پرچم حرکت میں آگئے فاصلے سمٹ جائیں گے۔ علاقوں اور ملکوں کو جدا کر دینے والی سرحدیں مٹا دی جائیں گی ہر مرد، ہر عورت یہ بات سمجھ لے اور اپنے دل پر لکھ لے کہ افتراق، شورش، بغاوت، سازش، مصلحت اور کمزوری کا زمانہ گزرے موسموں کی طرح بیت گیا۔ امیرالمومنین

معتضد باللہ کے ساتھ عباسیہ کی عظمت و شوکت اور فتوحات کا دور پھر لوٹ آیا ہے اور خلافت کے باغیوں کو نہ شام میں نہ مصر میں پناہ مل سکے گی۔

ابن حرب اگر یہ سمجھتا ہے کہ طولونیوں کی تلواریں اور خفیہ جماعت کے خنجر اسے بچا لیں گے تو یہ خیال بالکل خام اور بودا ہے۔ آج نہیں تو کل وہ پابہ زنجیر بغداد میں لایا جائے گا اور عبرت ناک انجام کو پہنچے گا جو غداروں کا مقدر بن چکا ہے اور انجام یہ ہوگا کہ اس کا سر کاٹ کر باب الحرب پر آویزاں کر دیا جائے گا اور بغداد کے لوگ اسے نفرت سے دیکھیں گے.....!"

ابھی بدر کی تقریر جاری تھی کہ بیوہ عورت کے حلق سے ایک دل خراش چیخ بلند ہوئی جیسے سچ مچ اس کے بیٹے کا سر کاٹ کر شہر کے کسی دروازے پر لٹکا دیا گیا ہو اور ایسی لرزہ خیز تھی وہ چیخ کہ پردے کے پیچھے چھپی خاتون نے گھبرا کر ابوعباس کو آواز دی اور خلیفہ نے ہاتھ کے اشارے سے بدر کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ سب یہی سمجھے کہ ماں اپنے بیٹے کے انجام پر جس کا نقشہ بڑے بھیانک الفاظ میں کھینچا گیا تھا، غش کھا کے گر پڑے گی لیکن دوسرے لمحے وہ بجلی کے کوندے کی طرح تڑپ کر اپنی نشست سے اٹھی اور معتضد کے سب سے زیادہ بااختیار اور عزیز ترین افسر اعلیٰ کی جانب ہاتھ لہرا کے کہنے لگی۔ "ذلیل غلام! تو میرے بیٹے کو گرفتار کرنے اور اس کا سر کاٹنے کی ڈینگ مارتا ہے۔ اگر امیرالمومنین مجھے اس کی گرفتاری کا خطرناک فرض سونپ دیں تو اپنا کفن ساتھ لے کر جانا، جس میں تیرا مردہ لپیٹ کر کسی گڑھے میں دفن کیا جا سکے۔ ورنہ تیری لاش کو کتے گھسیٹتے پھریں گے۔ تو نے منذر کے کسی خفیہ جماعت کے ساتھ تعلق کی جو داستان سنائی وہ تیرے اپنے ذہن کی گھڑت ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس کا باپ باطنی عقیدے سے دل چسپی رکھتا اور کبھی کبھار شونیزیہ میں جایا کرتا تھا لیکن میرے بیٹے کو اس قسم کے کسی عقیدے اور کسی فرقے سے دل چسپی نہ تھی۔ اس کے گلے میں صرف امیرالمومنین کی وفاداری کا حلقہ تھا۔ اگر حرب سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تھی تو اس کی سزا منذر کو نہیں دی جا سکتی جو قانون باپ کے جرم کا پھندا بیٹے کی گردن میں ڈال کر سمجھتا ہے کہ انصاف ہو گیا وہ ایک نئے ظلم کی بنا ڈالتا ہے اور کسی دن اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گرے گا اور تو نے جو یہ کہا کہ میرے بیٹے نے وفاداری کا لبادہ اتار کر عداوت کا جامہ پہن لیا ہے

www.urdukorner.com

تو غلط نہیں کہا۔ جب کہ لان ترک اپنے سواروں سمیت اس کی گرفتاری کے لیے طوق اور زنجیر لے کر حویلی کے دروازے پر آیا اس سے پہلے میں اُسے رخصت کر چکی تھی۔ وہ اپنی وفاداری کا بوجھ وہیں اتار کر پھینک گیا اور جب گھر کی دہلیز سے باہر نکلا تو ایک بدلا ہوا آدمی تھا جسے تقدیر بھی شکست نہیں دے سکتی کیوں کہ تقدیر انسان کے اپنے عزم اور عمل کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے وہ بغداد سے بے شک چلا گیا لیکن اپنے باپ کا قصاص لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا اور جن لوگوں نے حرب کو قتل کیا ہے، وہ ابنِ حرب کی تلوار سے نہیں بچ سکیں گے۔"

اس نے بدر پر نفرت کی نظر ڈال کر اپنا رُخ پھیر لیا، پھر خلیفہ سے مخاطب ہوئی۔

"امیر المومنین! میں نے آپ سے رحم کی درخواست کی اور اپنے بیٹے کی زندگی مانگی تھی لیکن اب میں سمجھ گئی ہوں کہ رحم آپ کے پاس نہیں، نہ آپ کو کسی کی زندگی پر اختیار حاصل ہے اس لیے اپنی درخواست واپس لیتی اور معاملہ خدا کے سپرد کرتی ہوں اگر آپ کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ منذر گرفتار ہو تو بے شک اسے گرفتار کر لیں اور اگر آپ کا عدل چاہتا ہے کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے شہر کے کسی دروازے پر لٹکا دیا جائے تو ضرور لٹکا دیں کیوں کہ آپ بنی عباس کے سفاح ثانی (دوسرے خون ریز) ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ میرا شوہر دمنہ کو جیحک خاتون کے حکم پر معتمد کے قصر میں لے گیا تھا اور شاید مرحوم خلیفہ کو زہر بھی اسی کی مرضی سے دیا گیا ہو۔ آج یہ بات میری زبان پر آئی ہے، کل اس کا چرچا پورے بغداد میں ہوگا۔"

یہ کہہ کر مڑی اور جیحک خاتون کے ساتھ معتضد ابو عباس کو بھی حیرت کے سکتے میں ڈال کر دروازے کی جانب بڑھی۔ اس انکشاف نے کہ حرب، جیحک خاتون کے حکم پر دمنہ کو قصرِ معتمد میں لے گیا تھا، اترصافہ کے در و دیوار پر خوف کا ایک لرزہ سا طاری کر دیا اور پھر اسی حالت میں خلیفہ نے سردار حرب کی بیوہ کو روک لیا۔

"ٹھہرو!"

ابھی اُس نے کمرے کی دہلیز عبور نہیں کی تھی کہ انھی قدموں رُک گئی اور گردن موڑ کر اپنے عقب میں دیکھا۔ معتضد ابو عباس اس کے قریب آگیا اور تحکم کے لہجے میں بولا۔ "کیا چاہتی ہو؟"

"اپنے الفاظ کی قیمت۔"

"قیمت بیان کرو۔"

"آپ میرے الفاظ کا وزن جانتے ہیں دوسرے پلڑے میں اتنا ہی وزن ڈال دیں کہ میزان برابر ہو جائے۔"

معتضد اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ جانتا تھا، وہ ان کے بدلے میں کیا چاہتی ہے اور اپنے بیٹے کی زندگی چاہتی تھی جس کی ضمانت وہ نہیں دے سکتا تھا کیوں کہ اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی لوگوں پر اپنی دہشت طاری کر دی تھی اور اسے قائم رکھنا چاہتا تھا تاہم کبھی کبھی بے رحم آدمی کے دل میں بھی رحم کی لہر گزرتی ہے۔ اس نے بیوہ عورت کو مایوس نہ کیا اور اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"تمھاری خاطر ہم ابنِ حرب سے دستبردار ہوتے ہیں اور اس کی گرفتاری ضروری نہیں سمجھتے۔ اسے بھی چاہیے کہ بغداد سے دور رہے اور ہماری وفاداری کے حلقے سے نکل گیا ہے تو ہمارے سامنے آئے نہ ہم سے اُلجھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس نے بنی طولون یا کسی دوسری جماعت کے ساتھ مل کر ہمارے کسی علاقے پر تاخت کی، ہمارا کوئی مال لوٹا یا ہمارے کسی قافلے کو روکا تو جواب میں ہماری تلوار اٹھے گی اور اس کا سر قلم ہوگا۔ بس یہی تمھارے الفاظ کی قیمت ہے کہ نہ وہ ہم سے اُلجھے نہ ہم اس پر حملہ کریں گے۔"

سردار حرب کی بیوہ نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس نے سپاس کی نظروں سے خلیفہ کی طرف دیکھا اور بولی۔ "شکریہ ابو عباس! میں اسے آپ سے دور رہنے کی ہدایت کروں گی۔"

یہ کہہ کر مڑی اور اترصافہ سے نکل گئی۔

★

رات اس نے اپنے بیٹے کے بھیجے ہوئے غلاموں کے ساتھ مصر جانے سے انکار کر دیا اور اسے پیغام بھیجا تھا کہ وہ بغداد میں لوٹ آئے لیکن اب اس کی واپسی خطرناک تھی اور اسے شہرِ خلفا سے بہرحال دور رہنا تھا جس کے دروازے اس کے لیے بند ہو گئے تھے۔

www.urdukorner.com

بغداد طلسم و خواب کا شہر تھا جس کے باشندے نئی نئی باتوں میں دل چسپی رکھتے۔ کسی بھی حادثے کی خبر سن کر سوکھی لکڑی کی طرح فوراً مشتعل ہو جاتے اور جیسے پانی کے چھینٹوں سے جلتی لکڑی دھواں چھوڑتی ہوئی بجھ جاتی ہے۔ اسی طرح گزرتے وقت کے ساتھ پرانے واقعات کو ذہن سے اتار کر خود بھی ان کے ساتھ ہی بجھ جاتے تھے اور کسی نئے واقعے، کسی نئے حادثے پر چہ میگوئیاں کرنے لگتے۔ معزول معتمد کی ہلاکت کا واقعہ بھی کم و بیش ان کے ذہن سے اتر چکا تھا مگر کزلان ترک سمیت عراقی سواروں کے کٹے ہوئے سروں کی آمد اور تدفین سے جہاں پورے شہر میں ایک نئی سنسنی پھیل گئی تھی۔ وہاں ابن حرب کے حوالے سے معتمد کی ہلاکت کا سانحہ بھی پھر سے تازہ ہو گیا تھا اور لوگ مسقف کوچوں اور بازاروں میں کٹے ہوئے سروں کے اعجوبے کے ساتھ ساتھ موت کے گزرے واقعات بھی دہرانے لگے تھے۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور بغداد کے کوچہ و بازار میں لوگوں کی ٹولیاں جگہ جگہ کھڑی مرگِ معتمد کے علاوہ سردار حرب الکندی کے پراسرار قتل اور ابن حرب کے حیرت انگیز فرار پر جو امیر المومنین معتضد ابو عباس سے برگشتہ ہو کر طولونیوں کی پناہ میں چلا گیا تھا، طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے ان کے نزدیک مصری قاصد کٹے ہوئے سروں کی شکل میں دراصل جنگ کا پیغام لے کر آیا تھا جس کے بعد عباسی لشکروں کو صرف روانگی کا حکم دینا باقی رہ گیا تھا کہ وہ مصر پر دھاوا کر کے ابن حرب کا سر کاٹ لائیں اور بنی طولون کو عبرت ناک سزا دیں۔

سردار حرب کی بیوہ منہ پر نقاب ڈالے بازاروں اور کوچوں سے گزرتی، لوگوں کی باتیں سنتی محلہ خیزران کی حویلی میں پہنچ گئی جہاں ابن حرب کا وفادار غلام عبداللہ بڑی بے قراری کے ساتھ اس کا منتظر تھا کیوں کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے ایک بے رحم آدمی سے رحم مانگنے گئی تھی اور یہ سن کر عبداللہ پر حیرت و مسرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا، کہ خلیفہ معتضد نے اس کے آقا کی گرفتاری سے ہاتھ اٹھا لیا مگر شرط یہ رکھی تھی کہ وہ بغداد سے دور رہے گا۔ ابو عباس کے روبرو نہیں آئے گا، کسی حلیف کے ساتھ مل کر عباسی علاقے پر تاخت نہیں کرے گا، خلیفہ کا مال نہیں لوٹے گا اور اس کے کسی قافلے کو نہیں روکے گا جب کہ عریش سے آنے والے قاصد یہ اطلاع لے کر آئے تھے کہ ابن حرب بنی طولون سے مل کر معتمد کے قصاص کا جھنڈا باندھنے اور عراق پر لشکر کشی کرنے والا ہے مگر اب ضروری تھا کہ اسے عراق پر حملہ کرنے سے باز رکھا جائے۔

عریش سے آنے والے غلام واپس جا چکے تھے اور ماں چاہتی تھی، بیٹے کو جلد از جلد معاملے کی نئی صورت سے آگاہ کر دے۔ پیغام رسانی کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ عبداللہ کو مصر روانہ کر دیا جائے۔ وفادار غلام اس خدمت کے لیے فوراً آمادہ ہو گیا۔ صبح اس کی تیز رفتار سانڈنی شام کی طرف جانے والی معروف شاہراہ پر بھاگی جا رہی تھی۔

www.urdukorner.com

(۲۰)

خواب

○

ابن حرب جانتا تھا، عریش کی کاروان سرائے سے جو پیغام اور تحفہ دربار بغداد میں بھیجا جا چکا ہے، وہ خلیفہ معتضد کے لیے جنگ کا بلاوا ہے۔ ابونصر یاقوت اگر بغداد سے اپنا سر سلامت لے کر واپس آگیا تو اس کے پیچھے پیچھے عباسیہ کے لشکر آئیں گے، جو مصر و شام کو پامال کر دیں گے۔ اس وقت خمارویہ ابوجیش اُسے جنگ میں اتار دے گا لیکن سوڈانی کنیز عنبر کی زبانی جو شہزادی نجم النیل کا پیغام لے کر گئی تھی، یہ اطلاع سن کر ششدر رہ گیا کہ سلطان خمارویہ نے حارث کو "دوستی کا سفیر" بنا کر بغداد کی طرف بھیجا اور خلیفہ کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے کے لیے کئی اونٹوں پر قیمتی تحائف بھی روانہ کیے ہیں۔

یہ ایک غیر متوقع خبر تھی جس کے ساتھ طولونی شہزادی نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ کل دن کے پہلے پہر ایک بار پھر اس سے نیل کے مغربی ساحل پر ملنا چاہتی ہے لیکن یہ ملاقات فلاحین کی اس بستی میں ہوگی جہاں سے انھوں نے وادیٔ اہرام کا سفر شروع کیا تھا۔ ابن حرب جو حارث کی سفارت پر حیران رہ گیا تھا، شہزادی کی پریشانی اور ملاقات کا مقصد سمجھ گیا مگر خود اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا لیکن نہ دوسرے دن کا انتظار کر سکتا نہ دن کے اجالے میں نیل کے ساحل پر میل جول مناسب سمجھتا تھا مبادا کوئی دردِ بکھیڑا نکل آئے۔ اس نے عنبر کو اپنی قدموں واپس کر دیا کہ عشا کے بعد جب لوگ عام طور پر سو جاتے یا سونے کی تیاری کرتے ہیں، وہ اقطائع میں پہنچ جائے گا اور شہزادی کے قصر ہی میں اس سے ملاقات کرے گا۔

عنبر اس کا جواب لے کر ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتی چلی گئی کیونکہ سورج مغربی صحراؤں میں غروب ہو چکا تھا اور مصر کی شام نے اپنی ملگجی زلفیں کھول دی تھیں۔ وہ چاہتی تھی اپنی مالکن کو جلد از جلد ابن حرب کے آنے کی اطلاع دے تاکہ وہ قصرِ نجم میں اس کی ملاقات کا بندوبست کر سکے مگر طولونی خاتون اس اطلاع پر پریشان ہو گئی۔ ابن حرب کے لیے اگرچہ دل کے ساتھ اپنے قصر کے دروازے بھی کھول دینا چاہتی تھی لیکن حالات کی صورت یک لخت بدل گئی اور اب رات کے وقت قصر میں تنہائی کی ملاقات کسی نئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

بغداد کی جانب سفارت بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ ابوجیش خمارویہ خلیفہ معتضد پر فوجی دباؤ ڈالنے کی بجائے خود اس کے سامنے جھک گیا اور اپنی حکمرانی تسلیم کرانے کے لیے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اسی بات نے شہزادی نجم کو آزردہ خاطر کر دیا تھا کہ بھائی نے لشکر کشی کی تجویز مسترد کر کے اس کے منصوبے پر پانی پھیر دیا اور خلیفہ کی خوشنودی کے لیے صلح کا راستہ نکالا ہے۔ اب شاید وہ ابن حرب سے اس کا میل جول پسند نہ کرے اسی لیے پریشان تھی کہ اسے اقطائع میں نہیں آنا چاہیے۔

ادھر سوق النجیل کی حویلی میں ابن حرب کچھ اور ہی سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ دربار بغداد میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ موصول ہونے کے بعد جب حارث دوستی کا پیغام لے کر پہنچے گا، اسے بنی طولون کی کوئی نئی چال سمجھ کر مسترد کر دیا جائے گا۔ اس کے نزدیک معتضد ابوعباس جیسے سخت گیر حکمران کو دوستی کے پیغام اور تحائف سے متاثر نہیں کیا جا سکتا مگر اس سفارت کا ایک نتیجہ بہرحال نکلنے والا تھا۔

ابن حرب کی منطق یہی کہتی تھی کہ حالات کا رُخ اگرچہ بدل گیا ہے لیکن ان کا نتیجہ نہیں بدل سکتا۔ سلیمان بن عامر نے بھُس میں چنگاری پھینکی تھی۔ اب دھواں بھی اٹھے گا آگ بھی بھڑکے گی اور دو قبیلوں یا دو حکومتوں کی دشمنی اپنے انجام تک پہنچے گی۔

حارث کی سفارت کا ذکر سن کر اس کے ذہن پر مختلف اندیشوں کا جو غبار چھا گیا تھا وہ خود بخود چھٹتا چلا گیا اور اس خیال سے کہ حارث کی ناکامی یقینی ہے، وہ اپنے آپ کو کچھ ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اب اسے صرف شہزادی نجم النیل کا خیال ستا رہا تھا جو اس بات پر پریشان ہو گئی تھی کہ بغداد کے خلاف لشکر کشی کا موقع جاتا رہا لیکن جب وہ معاملے کی دوسری صورت سنے گی تو حیران رہ جائے گی۔

www.urdukorner.com

عشاء کی اذان ہو رہی تھی کہ اس نے القطائع کی طرف جانے کی تیاری شروع کر دی۔ طولونی شہزادی سے رات کی ملاقات کا ایک بہانہ نکل آیا اور وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قصرِ نجم کا "موسم" کیسا ہے اور یہ ملاقات کس نتیجے پر ختم ہوتی ہے؟ ابھی اس نے لبادہ نہیں اوڑھا تھا کہ یک لخت کمرے کا دروازہ کھلا اور سوڈانی کنیز عنبر ہوا کے جھونکے کی طرح داخل ہوئی جسے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا اور خیال گزرا، اب وہ کوئی دوسرا پیغام لے کر آئی ہے۔ عنبر نے اس کی حیرت بھانپ لی اور بتانے لگی۔

"شہزادی صاحبہ نے کہا ہے رات کو آپ کا القطائع میں آنا اور قصر میں ملاقات کرنا مناسب نہیں اس لیے میں فوراً واپس جاؤں اور آپ کو روک دوں۔"

ابن حرب کے دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا گویا قصرِ نجم کا موسم ابھی اس کے لیے سازگار نہیں تھا۔ اس چبھن کے ساتھ ہی تنہائی کی ملاقات اور حسین تصورات کا تانا بانا بکھر گیا۔ ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا لیکن فوراً سنبھلا اور کچھ سوچ کر بولا۔

"سوق الخیل میں تمہارا بار بار آنا جانا بھی کئی شبہات پیدا کر سکتا ہے۔"

موٹے موٹے سوڈانی ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "میں اکیلی نہیں آئی؟"

ابن حرب نے سوچا شاید القطائع کا وہ شتر سوار اس کے ساتھ ہوگا جو پہلے بھی یہاں آ چکا ہے۔ "اور کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"آپ کی محبت۔"

جواب اگرچہ مختصر لیکن حیران کر دینے والا تھا۔ "تمہارا مطلب ہے شہزادی نجم اللیل؟"

ادھر سوڈانی کنیز نے "ہاں" کہا ادھر طولونی شہزادی ایک عام مصری خاتون کے لباس میں اچانک دروازے پر نمودار ہوئی لیکن نیا لباس اس لباس سے مختلف تھا جس میں اس نے وادیٔ اہرام کا سفر کیا تھا۔ ابن حرب پر حیرت اور مسرت کی ایک ناقابلِ بیان کیفیت گزر گئی دل پھول کی طرح کھل اٹھا۔ شہزادی کی غیر متوقع اور اچانک آمد جیسے بہار کی آمد تھی جو چپکے سے سوق الخیل کے ویرانے میں آ گئی وہ اس اطلاع پر آزردہ خاطر ہو گیا اور دل میں غم کے کانٹے کی چبھن محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کا رات کو القطائع میں آنا مناسب نہیں مگر اب خیال آیا، اگر محبت کی شاخ سے غم کا کانٹا نکلتا ہے تو خوشی کا پھول بھی اسی شاخ پر کھلتا ہے۔ شہزادی نے اسے تو القطائع میں آنے سے روک دیا لیکن خود ملاقات کے لیے سوق الخیل میں آ گئی۔

یہ طولونی خاتون کی محبت اور وارفتگی کا ایسا ثبوت تھا جس نے ابن حرب کو بے خود کر دیا، دیوانہ وار اس کے خیر مقدم کو آگے بڑھا اور بولا۔ "چاند سوق الخیل پر طلوع ہوا ہے۔"

شہزادی نے اس پر مسکراتی نظر ڈالی اور ساتھ ساتھ چلتی مسند کی جانب آئی۔ اب عنبر کا وہاں ٹھہرنا بے محل تھا۔ فوراً زنان خانے میں لوٹ گئی۔ کمرے میں وہی دونوں رہ گئے پھر ایک دھڑکتی ہوئی تنہائی تھی، ایک بولتی ہوئی خاموشی تھی۔ ایک دو پل اسی خاموشی میں گزر گئے پھر ابن حرب بتانے لگا۔ "میں چند ساعتوں میں یہاں سے نکلنے والا تھا کہ عنبر نے آ کر بتایا....."

نجم اللیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ابن حرب ہمیں الزام نہ دینا کہ کسی خوف کے باعث تمہیں القطائع میں آنے سے روک دیا بس ہم نے تھوڑی سی احتیاط کی ہے اور اس سے پہلے کہ تم یہاں سے روانہ ہوتے ہم خود تمہارے پاس آ گئے ہیں۔"

"میں تمہیں الزام کس بات پر دوں؟ میری خوش نصیبی بن کر آئی ہو۔" وہ اس کی غیر متوقع آمد کو کوئی اور ہی معنی پہنانے لگا۔ "تم القطائع میں تھیں میں سوق الخیل میں تھا اور ہمارے درمیان تقدیر حائل تھی۔ اب سوچتا ہوں تقدیر ہی تمہارا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آئی ہے۔"

شہزادی نے بات کا رخ بدل دیا۔ "ہاں آدمی کچھ اور سوچتا ہے خدا کچھ اور کر دیتا ہے۔ ہم نے سوچا تھا، عراق پر لشکر کشی کی جائے لیکن ابو جعفر نے بغداد کی طرف دوستی کا سفیر بھیج دیا۔"

ابن حرب نے اس کا خوب صورت ہاتھ پکڑ لیا۔ "تم اس لیے دل شکستہ ہو کہ خمارویہ نے تمہاری تجویز مسترد کر دی مگر تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے، اگر ہمارا منصوبہ پورا نہیں ہوا تو خمارویہ نے بھی دوستی کی خواہش ظاہر کر کے عباسیوں پر اپنی کمزوری واضح کر دی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"طاقت ور حریف سے دوستی کی خواہش کمزوری کا اظہار ہے اور کمزوری

www.urdukorner.com

طائف ور کو حملے کی دعوت دیتی ہے۔"

اس جواب نے طولونی شہزادی کو چونکا دیا۔ "تمھارا خیال ہے خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ قبول نہیں کرے گا؟"

"میں معتضد کو خمارویہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ کیا تمھارا بھائی مصر و شام کو عباسی سلطنت کا ایک صوبہ بنانے پر تیار ہوگا؟"

اس سوال کا جواب بہرحال نفی میں تھا اور نجم اللیل نے بھی وہی جواب دیا جو اسے طولونی شہزادی کی حیثیت سے دینا چاہیے تھا۔ "ابوجیش خلیفہ سے دوستی اس لیے چاہتے ہیں کہ وہ مصر و شام کو ایک علاحدہ مملکت مان لے اور اس پر بنی طولون کا موروثی حق تسلیم کر لے۔"

"پھر ان میں دوستی نہیں ہو سکتی اور حارث بغداد سے ناکام واپس آئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ ایک ایسی بات بیان کرنے لگا جو ابھی تک مصر کے محکمۂ کارِ خاص تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس نے بتایا۔ "خمارویہ نہیں جانتا، موفق طلحہ نے مرنے سے قبل بیٹے سے خواہش کی تھی کہ جو علاقے عباسی سلطنت سے الگ کر دیے گئے ہیں، انھیں دوبارہ اپنی عمل داری میں شامل کرے۔ اگر خمارویہ ان علاقوں کے الحاق پر تیار نہ ہو، تو اس پر تلوار کا لوہا آزمائے۔ معتضد ابوعباس اپنے مرحوم باپ کی وصیت بہرصورت پوری کرے گا۔ تمھارا بھائی خلیفہ سے دوستی چاہتا ہے تو اسے علاحدہ طولونی مملکت کے حق سے دستبردار ہونا پڑے گا، نہیں ہوتا تو عباسی لشکروں سے جنگ کرنا ہوگی۔"

طولونی شہزادی کی لمبی غلافی آنکھوں میں حیرت کی بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ "اگر خلیفہ نے طولونی مملکت کو ختم کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تو ابوجیش بھی کسی کمزور آدمی کا نام نہیں۔ حارث کی ناکام واپسی کے ساتھ ہی حالات بدل جائیں گے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ تھام لے۔ اس دوستی سے عباسیہ کے اپنے دست و بازو مضبوط ہوں گے۔"

"میں جانتا ہوں دوستی کی پیش کش "دشمنی کی چال" سمجھ کر ٹھکرا دی جائے گی۔" اس کے ساتھ ہی ابن حرب نے ایک اور انکشاف ضروری سمجھا۔ "یہ بات تم نے عریش میں سن لی تھی کہ خلیفہ معتضد نے میری گرفتاری پر کزلان ترک کو مامور کیا تھا جو اپنے سواروں

سمیت کارواں سرائے میں ہلاک کر دیا گیا مگر تمھیں اس بات کا علم نہیں کہ سلیمان بن علم نے شہزادہ شیبان سے اجازت حاصل کر لی تھی کہ دربارِ بغداد کو ان کی ہلاکت سے آگاہ کر دیا جائے، جانتی ہو سلیمان نے خلیفہ کو کس طرح آگاہ کیا؟"

پھر خود ہی بتانے لگا۔ "سرائے دار نے کزلان ترک اور عراقی سواروں کے سر تن سے جدا کرائے، کٹے ہوئے سر ایک چرمی تھیلے میں بند کیے اور دربارِ بغداد میں بھیج دیے۔ تمھارا کیا خیال ہے ایسا نادر تحفہ وصول کرنے کے بعد خلیفہ تمھارے بھائی کی دوستی کا ہاتھ تھام لے گا یا کاٹ دے گا؟"

اس نے کٹے ہوئے سر بطور تحفہ بغداد روانہ کرنے کا انکشاف کچھ ایسی بے رحمی سے کیا کہ طولونی شہزادی دم بخود رہ گئی اور ایک دو لمحے گم صم رہنے کے بعد بولی۔ "اس صورت میں تو خلیفہ دوستی کا ہاتھ کبھی قبول نہیں کرے گا۔ سنا ہے وہ انتقام پسند اور بے رحم آدمی ہے۔"

"اگر بے رحم آدمی کے ساتھ بے رحم بن کر بات کی جاتی اور اس سے خلیفہ معتمد کے خون کا قصاص طلب کیا جاتا تو اسے اپنے دفاع کی فکر ہوتی اور وہ بنی طولون سے سمجھوتے کی کوشش کرتا لیکن خمارویہ نے یہ موقع کھو دیا صرف موقع نہیں کھو دیا بلکہ دوستی کا ہاتھ بھیج کر اپنی کمزوری ظاہر کر دی۔"

"پھر ہوگا کیا؟"

"دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ طولونی ریاست سے دستبرداری یا پھر عباسی لشکروں سے جنگ اور جنگ صرف وہی فریق جیتے گا جس کی تلواریں خون آشام اور سنانیں جان لیوا ہوں گی۔"

نجم اللیل کچھ پریشان نظر آنے لگی۔ معتضد ابوعباس کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد عباسی لشکروں کو نئی قوت مل گئی تھی۔ نئے حالات میں اگر وہ مصر و شام پر حملہ کرتا تو نتیجہ ماضی سے مختلف ہو سکتا تھا۔ ابن حرب نے بھانپ لیا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ اس کی غلافی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔ "تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟ اگر طولونی ریاست میں تمھارا کوئی حصہ ہوتا تو خمارویہ تمھاری تجویز کو مسترد کرتا نہ تمھارے مشورے کے بغیر بغداد کی طرف "دوستی کا سفیر" بھیجتا مگر میرے پیچھے ایسے بادیہ نشیں قبائل کی جمعیت موجود ہے

& LIBRARY
S-527, BHABHA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 · 0345-5048559
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

جو حریف کے گردوں میں نیزہ مارنے اور جن کی خم دار تلواریں دشمن کی گردنیں کاٹنے میں بڑی تیز ہیں۔ میں تمھیں انھی صحرا نشینوں میں لے جاؤں گا اُن کے سر تمھارے سامنے خم کر دوں گا اور تم صحرائی ریاست تدمر کی ملکہ الزباء کی طرح "ملکہ صحرا" کہلاؤ گی۔"

ملکہ الزباء کا نام سن کر طولونی شہزادی مارے حیرت کے اچھلی اور مسند سے فرش پر آگئی۔ پورے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑنے لگی۔ "الزباء" کا نام کچھ ایسا ہی سحر انگیز تھا۔ "کیا کہا تم نے؟ ہم الزباء کی طرح "ملکہ صحرا" کہلائیں گے؟"

"ہاں یہی کہا ہے میں نے، بادیہ نشین تمھاری پرستش کریں گے کیوں کہ تم الزباء سے زیادہ خوب صورت اور اس سے بڑھ کر دل ربا ہو۔ اس کا رنگ گندمی تھا تمھارا رنگ سرخ و سفید اور خود ترک حسن کا شاہکار ہے، الزباء کی آنکھیں چشم آہو جیسی موٹی اور چمک دار تھیں مگر تمھاری لمبی لمبی غلافی آنکھوں میں چشم آہو سے زیادہ مستی اور زیادہ کشش ہے۔ مجھے لمبی غلافی اور مستی میں ڈوبی آنکھیں بہت پسند ہیں، جیسی آنکھیں تمھاری ہیں، میں ان غلافی آنکھوں میں حکومت کا نشہ بھر دوں گا اور ان گلابی رخساروں پر حکمرانی کا رنگ بکھیر دوں گا تب لوگ کہیں گے تم "ملکہ صحرا" بھی ہو اور ملکہ حسن بھی، تمھاری خوب صورتی اور شہرت کے سامنے ملکہ الزباء کی خوب صورتی اور شہرت ماند پڑ جائے گی۔"

ملکہ الزباء[1] شام کی صحرائی ریاست تدمر کی حسین بیوہ جس نے اپنے نابالغ بیٹے وہب اللات (لات دیوی کا عطیہ) کے نام پر حکومت کی تاریخ میں زنوبیا کے نام سے شہرت رکھتی مگر عرب قصص و حکایات میں الزباء کہلاتی ہے۔ اس کی شخصیت بڑی دل کش اور پرکشش تھی تدمر کے کتبات میں اسے "بت زابائی" بھی کہا گیا ہے۔ حکمرانی کا حلقہ مصر سے اناطولیہ تک وسیع تھا اس نے روما کی بالادستی کا جوا اتار کر خود مختار حیثیت اختیار کر لی تھی جس پر رومی شہنشاہ اولیان نے ۲۷۲ عیسوی میں تدمر پر غلبہ حاصل کر لیا اور ملکہ زنوبیا کو، جس نے رومی لشکروں

---

[1] ملکہ الزباء (زنوبیا) ارغوانی رنگ کا لباس پہنتی اور اسی لباس کے ساتھ دربار میں جلوس کرتی تھی جو ہیرے جواہرات سے مرصع ہوتا اور اس کی گندمی رنگت پر خوب سجتا تھا۔ موٹی موٹی غزالی آنکھوں میں بلا کی کشش تھی۔ صحرا نشین قبیلے اس کی پرستش کرتے تھے۔ (فلپ کے حتی)

کی زبردست مزاحمت کی تھی، بیٹے سمیت گرفتار کر کے روم[1] لے گیا جہاں فتح کے جلوس میں زنجیروں میں جکڑی زنوبیا کی نمائش کی گئی۔ اس ایشیائی ملکہ کی زندگی کا آخری حصہ روم میں گزرا جو "ملکہ صحرا" کے لقب سے مشہور تھی۔

نجم الیل زندگی میں ایسے اچنبھے سے کبھی دوچار نہ ہوئی تھی تصویر حیرت بنی اس کی باتیں سنتی رہی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اُسے الزباء کی طرح "ملکہ صحرا" بنانا چاہتا ہے یا پھر دوسرے لفظوں میں تاریخ شام کی نامور خاتون اس کے خیالی جھروکے میں کھڑی ہے۔ حالانکہ طولونی شہزادی نے اسے یا کسی دوسرے کو اشارہ و کنایہ کی زبان میں بھی آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے صحرائی ریاست تدمر کی ملکہ الزباء ہی کا خواب دیکھا اور اس کی دل کش تعبیر اپنے وجود میں دیکھنا چاہتی ہے۔ الزباء یا زنوبیا ہی وہ مثالی عورت تھی، جو اس کے خیالوں میں بس گئی تھی خود بھی اسی کی طرح "ملکہ صحرا" بننے کی تمنا رکھتی اور دوسری الزباء بن جانا چاہتی تھی وہ تصور، خیال اور خواب میں اپنے آپ کو ملکہ الزباء کے ارغوانی لباس میں ملبوس دیکھا کرتی تھی جسے کمسوئے سے کمر پر باندھ لیا جاتا تھا اور جس میں پورے بازو کندھے تک ننگے رہتے تھے جب کہ ترک یا عرب خواتین میں ایسے لباس کا رواج نہیں تھا۔

الزباء کو گزرے کم و بیش چھ صدیاں بیت چکی تھیں لیکن عرب حکایات میں وہ صحرا کی ایک حسین اور بے مثال ملکہ کی حیثیت سے مشہور تھی جو شہزادی نجم الیل کی طرح جانے کتنی عورتوں کے خیال و خواب سے گزری ہو گی لیکن اچنبھا تو یہ ہوا کہ طولونی بیوہ نے عریش کے مردم شناس مرلے دار سے کسی ایسے جنگجو صحرائی مرد کو ڈھونڈنے کی خواہش کی تھی جو اس کی حکمرانی کے خوابوں کو تعبیر مہیا کر سکے اور اسے کسی ریاست کی ملکہ بنا دے۔ الزباء کا نام اس نے اپنے دل کے نہاں خانے میں ایک رازِ سربستہ کی مانند چھپا کے رکھا تھا لیکن ابن حرب نے یہ سرِ نہاں کھول دیا اور الزباء کا نام لے کر اسے "ملکہ صحرا" بنانے کا وعدہ کیا تھا گویا اس کے خوابوں کی صدق صد صحیح تعبیر نکالی تھی، بلکہ وہ تو اس کے ترک حسن کو الزباء کے گندمی حسن پر، اس کی لمبی لمبی غلافی آنکھوں کو الزباء کی موٹی موٹی آنکھوں

---

[1] تاریخ ابن خلدون ۔ ہسٹری آف سیریا

www.urdukorner.com

پر فوقیت دے کر اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔

حیران تھی کہ ابن حرب نے اس کے خوابوں کے گہرے کنویں میں جھانک کر اس کا پسندیدہ چہرہ کیسے دیکھ لیا؟ یہ تو بالکل طلسم والی بات ہوئی تھی اور اگر محض اتفاق تھا تو بڑا بامقصد اور حیرت انگیز اتفاق تھا بلکہ اسے بھی تاریخ و حکایات کے پردوں میں صرف الزبا ہی ایک ایسی عورت نظر آئی جس کا ذکر کر سکے ایک حیرت اور سنسنی سے دوچار اسے یوں دیکھے جا رہی تھی جیسے دل میں اس پر قربان ہو رہی ہو۔

اگر عورتوں میں ملکہ الزبا کا مثالی وجود اس کے خوابوں اور خیالوں کا مرکز تھا تو مردوں میں اپنے باپ احمد بن طولون کو ایک مثالی مرد سمجھتی تھی جو میدان جنگ اور سیاست سے لے کر اپنی حرموں کے کمرۂ خواب تک شجاعت و مردانگی کا پیکر ثابت ہوا تھا اور اب ابن حرب کے مضبوط جسم اور طاقت ور بازوؤں میں اپنے باپ کی قوت و مردانگی کا عکس دیکھ رہی تھی مگر ابن حرب اس کی طویل اور پراسرار خاموشی کا مطلب سمجھنے سے قاصر اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ "نجم! کیا تمھیں میری باتوں پر اعتبار نہیں؟"

طولونی شہزادی اس کی آواز سن کر چونکی پھر اس نے بھی خاموشی کی مہر توڑ دی اور انتہائی دل کش آواز میں بولی۔ "تم نے یہی کہا ہے نا کہ ہم الزبا سے زیادہ خوبصورت ہیں؟"

"بے شک" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"اور ہماری بلبی آنکھیں۔ الزبا کی موٹی آنکھوں سے زیادہ پرکشش ہیں؟"

"ہاں۔" جواب پھر اثبات میں تھا بلکہ ابن حرب نے اس کی کچھ مزید تعریف کی "تمھاری غلافی آنکھیں بڑی نشیلی اور حسن کی مستی میں سرشار ہیں۔ ایسی مستی چشم آہو میں نہیں ہوتی تمھاری آنکھوں کے سرخ ڈورے بادۂ انگور سے زیادہ نشہ آور ہیں۔"

طولونی شہزادی کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ "کیا تم ہماری ان خوب صورت آنکھوں میں حکومت کا نشہ بھر دو گے؟"

"ہاں تاکہ تمھاری آنکھوں میں کچھ اور مستی بھر جائے۔ کیا تم نے یہ ضرب المثل نہیں سنی کہ سُکْرُ الْحُکُوْمَةِ اَشَدُّ مِنْ سُکْرِ الْخَمْرِ" (حکومت کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ مستی رکھتا ہے)

"اور تم ہماری آنکھوں میں حکومت کا نشہ اس لیے بھر دینا چاہتے ہو کہ ہم ملکۂ مصر بن کر زیادہ خوب صورت ہو جائیں اور "ملکۂ حسن" کہلائیں؟"

"تخت حکومت پر بیٹھ کر تم جیسی خوب صورت عورت اگر "ملکۂ حسن" نہیں تو اور کیا کہلائے گی؟"

وہ ایک پل اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر تحکم کے لہجے میں بولی۔

"ابن حرب! اپنے بازو کھول دو۔"

وہ اس حکم یا فرمائش پر حیران ہوا مگر تعمیل ضروری سمجھی اور دونوں بازو کھول دیے۔ دوسرے لمحے وہ حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آ گیا جسے آسمان کے ستارے بھی نہ دیکھ سکے۔ "ستارۂ شب" بلندی سے ٹوٹ کر اس کے کھلے بازوؤں پر گرا اور ابن حرب نے اپنی خوش بختی کو سمیٹ لیا۔

نجم اسمیل اچانک ہی ایک نئی تبدیلی سے دوچار ہوئی۔ وہ اس بات پر بے حد پریشان تھی کہ ابوجیش خمارویہ نے بغداد پر لشکر کشی کی تجویز مسترد کر دی اور خلیفہ کی جانب دوستی کا سفیر بھیج کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا لیکن سوق النیل کی حویلی میں یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ جس جنگی مرد کو اس نے عقد ثانی کے لیے پسند کیا اور جس کے ساتھ خوابوں کے ہرم میں جینے مرنے کا پیمان باندھا تھا، وہ کسی اشارے کے بغیر ہی اس کے خوابوں کی صحیح تعبیر تک پہنچ گیا اور الزبا کی طرح اسے "ملکۂ مصر" بنانے کا عزم رکھتا ہے۔ یہ اتنا بڑا مژدہ تھا جس پر سب کچھ قربان کر سکتی تھی۔ اس زندگی بخش انکشاف کے ساتھ ہی اپنی تجویز مسترد ہونے پر ناکامی کا جو احساس ابھرا تھا خود بخود زائل ہو گیا کیوں کہ زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یا بشارت ابن حرب کے روپ میں سامنے کھڑی تھی اس نے احساس ناکامی کو ذہن سے اتار پھینکا اور خود کو اپنی کامیابی کے سپرد کر دیا۔

ایک حسین منظر نے دونوں کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا۔ طولونی شہزادی نے اسی حالت میں اسے اپنے خوابوں سے آگاہ کیا جس سے کمرے کا منظر اور حسین ہو گیا۔ وہ کہہ رہی تھی

"ابن حرب! ملکۂ الزبا ہمارا خواب ہے جو ہم نے دیکھا۔ اس کے اور ہمارے درمیان کچھ باتیں مشترک ہیں۔ وہ بیوہ تھی ہم بھی بیوہ ہیں، وہ خوب صورت تھی اور تم کہتے ہو ہم اس سے زیادہ خوب صورت ہیں اس نے قیصر روم کی بالادستی کا جوا اتار پھینکا اور زرد

www.urdukorner.com

لشکروں سے جنگ لڑی، ہم بھی اس دور کے سب سے بڑے حکمران سے جنگ لڑیں گے اور کسی کی بالادستی قبول نہیں کریں گے مگر ہماری طرف سے یہ فریضہ تم ادا کرو گے۔ ہم تمہاری زوجہ بنیں گے کیوں کہ تم ہمارے والد احمد بن طولون کی طرح ایک شہ زور مرد ہو۔ ہمارا ہاتھ تمہاری پشت پر ہوگا اور جب ہم جیسی خوب صورت عورت کا ہاتھ ایک جنگجو مرد کی پشت پر ہو، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔"

ابن حرب نے بھی جو ایک حسین منظر سے دوچار تھا اسی جذبے سے جواب دیا۔ "اگر ملکہ الزباء تمہارا خواب ہے تو تم میرا خواب ہو اور میں تمہاری خاطر سب سے بڑے حکمران کے خلاف جنگ لڑوں گا۔ الزباء کے سپہ سالاروں[1] نے روم کے سریع الحرکت رسالے کے مقابلے میں پسپائی اختیار کی تھی جس سے رومی لشکروں کو تدمر تک پہنچنے کا راستہ مل گیا لیکن میری کتاب حرب میں پسپائی کا لفظ نہیں، نہ دشمن کو ان صحرائی بستیوں تک پہنچنے کا راستہ مل سکے گا جہاں میں تم کو لے جاؤں گا۔"

اگر کمرے کا منظر خوبصورت تھا تو ابن حرب کے الفاظ بھی تسکین بخش تھے۔ طولونی شہزادی کے دل میں تجسس کی ایک نئی لہر دوڑنے لگی، محبت کے لہجے میں بولی "کہاں لے جاؤ گے ہمیں؟"

ابن حرب نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک پل دور دور اس کی آنکھوں میں اپنے سوال کا جواب تلاش کرتی رہی۔ پھر اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکلی اور مسند پر بیٹھ گئی۔ "تم نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

ابن حرب بتا دینا چاہتا تھا کہ اسے آقا حسین کے صحرائی خیموں میں لے جائے گا جہاں کسی دشمن کا گزر نہیں ہو سکتا لیکن فوراً اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ طولونی شہزادی اگرچہ خود عباسی حکمران سے جنگ آزما ہونے کا جذبہ رکھتی تھی جس کے خلاف قرمطی جماعت اپنے پھندے

---

[1] ملکہ الزباء (زنوبیا) کے سپہ سالاروں زبدہ اور زبائی نے رومی لشکروں کے خلاف ایشیائے کوچک میں فوجی چوکیاں قائم کر لی تھیں لیکن وہ رومیوں کے سبک رفتار رسالے کے مقابلے میں پسپائی پر مجبور ہو گئے اور تدمر تک پیچھے ہٹ آئے تھے۔
(ہسٹری آف سیریا)

پھیلا رہی تھی لیکن ابھی اسے تحریک قرامطہ کے بارے میں کچھ بتانے کا وقت نہیں آیا تھا۔ وہ ان صحرائی بستیوں کی نشان دہی کرنے کی ضرورت تھی جہاں آقا حسین نے اسے آنے کی دعوت دی تھی کچھ سوچ کر کہنے لگا "ایک صحرا مصر کے مغرب میں واقع ہے اور صحرائے اعظم کہلاتا ہے جس کے طوفان سے خمارویہ خوف زدہ ہے کیونکہ ادھر مہدوی تحریک کی ہوا تیز ہو رہی ہے۔ دوسرا مشرق کی جانب ہے اور مشرقی صحراؤں میں اکثر آندھیاں چلتی رہتی ہیں۔ ان صحراؤں سے اٹھنے والی ایک آندھی عنقریب عراق کا رخ کرے گی۔"

نجم الیل منتظر تھی شاید وہ کچھ اور بھی کہے لیکن اس نے عراق کا رخ کرنے والی "صحرائی آندھی" کی وضاحت ضروری نہ سمجھی اور اس کے قریب ہی مسند پر بیٹھ گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ کسی مشرقی صحرا میں لے جائے گا۔ اس کے خوابوں میں مشرقی صحرا ہی بکھرے ہوئے تھے جہاں صحرائی قبیلے نخلستانوں اور چشموں کے آس پاس خیمے لگاتے اور بگولوں کے ساتھ خود بھی گردش کرتے رہتے تھے مگر اس نے یہ نہیں پوچھا کہ ان صحرائی قبیلوں سے اس کا کیا تعلق ہے؟

ہر ملاقات میں کچھ باتیں ادھوری رہ گئی تھیں، سوائے ہم کبیر کی زیر زمین ملاقات کے جس میں انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا تھا۔ ایک منصوبے کے تحت ابن حرب کو بنی طولون کے لیے کوئی معرکہ سر کرنا اور خوب صورت طولونی بیوہ کو جیت لینا تھا لیکن اب وہ چال بھی ادھوری رہ گئی یا اس کی صورت ہی بدل گئی تھی اور اس کے ساتھ بہت کچھ بدل گیا تھا جس سے شہزادی آزردہ خاطر ہو گئی مگر تنہائی کی اس ملاقات میں کچھ غیر متوقع باتیں ظہور میں آ گئیں۔

ابن حرب کا یہ بیان ہی بڑا حیرت انگیز اور خلاف توقع تھا کہ بنی طولون اور بنی عباس میں دوستی ممکن نہیں اور دوستی اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں کے عزائم مختلف تھے اور مختلف سمتوں کو جانے والے دو متبائن خط یا راستے کبھی اکٹھے نہیں ہوتے اس لیے حارث کا بغداد سے ناکام واپس آنا لازمی تھا۔

دوسرا انکشاف اس سے بھی کہیں زیادہ سنسنی خیز تھا کہ وہ اسے ملکہ الزباء کے روپ میں دیکھتا اور اس کے ان کہے خواب کی تعبیر مہیا کرنا چاہتا تھا۔ نجم کے نزدیک یہ تو ایک معجزہ تھا کہ جس مثالی عورت کا خواب اس نے دیکھا وہی تعبیر ابن حرب کے دل میں دھڑک رہی تھی۔

www.urdukorner.com

اس انکشاف کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا قدرتی امر تھا کہ ابن حرب سے اس کی ملاقات، دوستی، محبت اور وصل کے لیے بے چینی سب کچھ تقدیر کا لکھا ہے اور قدرت خود ان دونوں کو ازدواج کے رشتے میں باندھ دینا چاہتی ہے۔ یہی سوچ کر اس نے ابن حرب سے بازو کھولنے کی فرمائش کی تھی اور چند ساعتوں کے لیے اسے اپنی حسین قربت سے دوچار کر دیا تھا اگرچہ وہ ساعتیں بہت مختصر تھیں، جیسے مشرق سے آنے والی ہوا کا لطیف جھونکا نخلستان کو چھوتا ہوا گزر جائے۔ انہی چند حسین اور لطیف ساعتوں نے طولونی شہزادی کے خیالات کو یکسر تبدیل کر دیا۔ تاہم وہ اپنی محبت کے نخلستان سے نکل کر ایک بار پھر اسی دنیا میں آ گئی جہاں حالات کا پانسہ پلٹ گیا تھا اور اس کا حکمران بھائی اپنے ماضی کے دشمن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ اپنے بھنگ جو محبوب پر محبت کی نظر ڈال کر کہنے لگی۔ "حالات کی منطق یہی کہتی ہے کہ ابوجیش خمارویہ اور خلیفہ معتضد میں دوستی نہیں ہو سکتی لیکن اس دنیا میں کبھی کبھی انہونی باتیں ہو جاتی ہیں اگر دوستی ہو گئی تو کس قیمت پر ہو گی؟"

ابن حرب نے سوال پر غور کیا اور سوچ کر جواب دیا۔ "معتضد کی پہلی شرط یہ ہو گی کہ مصر و شام کو ایک صوبہ بنا دیا جائے لیکن خمارویہ علاحدہ طولونی ریاست سے دستبردار نہیں ہو گا کیا تمہارے بھائی کے پاس مصر و شام سے کوئی قیمتی شے بھی ہے جسے خلیفہ کو پیش کر کے اپنی علاحدہ مملکت کو منوا سکے؟"

"مصر و شام سے قیمتی شے اور کیا ہو گی؟"

"اگر خمارویہ کے پاس کوئی ایسی قیمتی شے نہیں جو مصر و شام کا بدل ثابت ہو سکے اور خلیفہ اسے قبول کرے تو پھر ان میں دوستی ممکن نہیں۔ البتہ ایک بات ممکن ہے۔"

"وہ کیا؟"

"معتضد خمارویہ سے فرمائش کرے گا کہ مجھے زنجیروں میں جکڑ کے یا میرا سر کاٹ کر بغداد روانہ کر دیا جائے۔"

طولونی شہزادی تڑپ اٹھی۔ "کیا ابوجیش کے لیے یہ فرمائش قابل قبول ہو گی؟"

ابن حرب کا جواب بالکل واضح تھا۔ "اگرچہ شیبان مجھے مصر میں پناہ دے چکا اور خمارویہ نے اس کی تصدیق کی ہے، اس کے باوجود وہ خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے میرا ہند بند کاٹنے پر تیار ہو جائے گا۔"

ان الفاظ نے نجم اللیل کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہی ایک لمحہ تھا جب اسے موت زندگی سے قریب نظر آئی اور مضطرب ہو کر پوچھنے لگی۔ "یہ جانتے ہوئے بھی تم حارث کی واپسی کا انتظار کرو گے؟"

وہ سوال کے ساتھ اس کا عندیہ بھی سمجھ گیا کہ اسے فسطاط سے روانگی کا اشارہ دے رہی ہے پھر بے چینی کے لہجے میں بولا۔ "مجھے حارث کی واپسی کا نہیں اپنی بوڑھی والدہ کا انتظار ہے، جسے میں بغداد چھوڑ آیا ہوں اگر ابونصر یاقوت اپنے ساتھی غلاموں کے ہمراہ وہاں سے دفعتہً نکل آیا تو پھر وہ بھی مصر کی جانب روانہ ہو چکی ہو گی اور بہت جلد عریش پہنچ جائے گی۔"

اس نے شہزادی کے چہرے پر نئی اطلاع کا ردِعمل دیکھنے کی کوشش کی کہ اس کی والدہ کے بارے میں کیا رویہ ظاہر کرتی ہے اور وہ ردِعمل خوشگوار تھا جس کا اظہار ترک خاتون نے ان الفاظ میں کیا۔ "کیا تمہاری والدہ کی آمد ہمارے لیے خوشی کا باعث ہو گی۔"

"شاید میں اسے صحرائی بستیوں کی طرف بھیج دوں کیونکہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے اب مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا اور وہ راستہ صحرا کی طرف جاتا ہے۔"

طولونی شہزادی کے خیالوں میں صحرا کے منظر نخلستان اور ان کے حاشیوں پر بادیہ نشین قبائل کے خیمے حسین خوابوں کی صورت بکھرے ہوئے تھے اس کا ہاتھ دبا کر اپنی رضامندی کا اظہار کرنے لگی۔ "ابن حرب! ہم نے آج اور اسی وقت خود کو تمہاری مرضی کا پابند کر لیا ہے تم جس دن اور جس وقت کہو ہم صحرائی بستیوں کی جانب سفر کے لیے تیار ہیں اس سفر کے بارے میں ہمیں کسی سے کوئی مشورہ لینا یا کچھ پوچھنا نہیں بس تمہارے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ اب صحرا کا سفر تمہاری مرضی پر منحصر ہے جہاں ہمیں لے جانا چاہتے ہو، لے جاؤ اور بنی طولون اور بنی عباس کو اپنا جھگڑا خود طے کرنے دو۔"

اچانک ابن حرب نے اسے حیران و ششدر کر دیا۔ "مگر جس صحرائی قبائل کی طرف تم میرے ساتھ سفر کرو گی، وہ بغداد اور فسطاط کے درمیان کش مکش کے منتظر ہیں۔"

"کیوں؟" وہ سراپا سوال بن گئی۔

"اس لیے کہ دو حریفوں کی جنگ ایک نئی صحرائی ریاست کے قیام کا ذریعہ بنے گی۔"

ساتھ ہی اس نے ایک اور انکشاف ضروری سمجھا۔ "صحرائی قبیلوں کو عباسیوں اور طولونیوں

S-927, Bilgha Bazar, Rawalpindi
Cell: 0345-6048634 - 0345-5049859
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

کے اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں پھر بھی بنی عباس کے خلاف وہ بنی طولون کی مدد ضرور کریں گے لیکن بنی عباس کی حمایت میں ان کی تلواریں بنی طولون کے خلاف کبھی نہیں اٹھیں گی۔"

یہ انکشاف طولونی شہزادی کے لیے اگرچہ اطمینان بخش لیکن حیرت انگیز بھی تھا۔ اب وہ اس کا اشارہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی کہ اسے کن صحرائی قبیلوں کی طرف لے جائے گا۔ نجم لیبل نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت کچھ اور مضبوط کر لی اور لمبی لمبی غلافی آنکھوں سے جن کے گلابی ڈورے پیار کی دعوت دے رہے تھے اس پر اپنی مدہوش بھری نظریں نچھاور کرنے لگی۔ "ابن حرب! پہلے ہمیں اندیشہ تھا کہ جب ہم تمہارے ساتھ کسی جانب چلے جائیں گے تو ابوجیش ہمارے تعاقب میں اپنے سوار دوڑائیں گے جو کہیں نہ کہیں ہمیں گھیر لیں گے اور جدال و قتال ہوگا۔"

ابن حرب نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تمہیں اصل خوف یہ تھا کہ القطائع کا محافظ اور تمہارا طلب گار حارث ہی اپنے سواروں کے ساتھ تمہارا پیچھا کرے گا۔"

"بے شک ہمیں یہی خدشہ تھا کہ ہمارا تعاقب ہوگا۔" پھر اس کا مضبوط اور سخت ہاتھ دبا کر کہنے لگی۔ "آج یہ بات کھل گئی ہے کہ جب ہم نے الزبار کا خواب دیکھا ہے اور ہم ہمارے خواب کی تعبیر تک پہنچ گئے اور ہمیں "ملکۂ صحرا" بنانا چاہتے ہو تو ہمارے لیے جدال و قتال بھی ضرور ہوگا اور ہمیں کسی جنگ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے، خواہ وہ جنگ ابوجیش خمارویہ سے ہو یا خلیفہ معتضد سے۔"

ان الفاظ کے ساتھ اس نے ابن حرب کی ایک بہت بڑی پریشانی دور کر دی جو سمجھتا تھا کہ شاید وہ اپنے بھائی سے کوئی جھگڑا یا لڑائی پسند نہیں کرے گی۔ پھر اپنا بازو اس کی کمر میں حمائل کر دیا اور پُرجوش آواز میں بولا۔ "تم جیسی حسین عورت کو کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ تمہاری خاطر میں ہر ایک سے جنگ لڑوں گا اور تمہارے ہر خواب و تمنا کو ایک شیریں تعبیر بخشوں گا۔"

وہ بھی جانتی تھی کہ اس کی لمبی غلافی آنکھوں میں محبت کے ان گنت سحر خوابیدہ ہیں اور ابن حرب ان آنکھوں پر جان دیتا اور اس کے شبنم زیر لب کو پیار کا مژدہ یا دعوت سمجھتا

www.urdukorner.com

ہے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر تبسم کی دعوت نمودار ہوئی جسے ابن حرب نے قبول کر لیا اور کمرے کا منظر چاندنی میں ڈوبے ہوئے کسی صحرائی نخلستان کی طرح ایک بار پھر حسین ہو گیا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کہنے لگی۔ "ابن حرب! اب ہمیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ حارث بغداد سے ناکام واپس آتا ہے یا کامیاب اور ابو حبیش اور خلیفہ میں دوستی ہوتی ہے یا جنگ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ حارث کی واپسی سے پہلے ہمیں لے کر فسطاط سے نکل جاؤ۔"

ابن حرب مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری بے قراری کو سمجھتا اور خود بھی تمہارے لیے بے قرار ہوں صرف چند روز انتظار کرو پھر ہم کسی نخلستان میں حسین راتیں گزاریں گے۔"

یہ سن کر طولونی شہزادی کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

ماضی میں بنی طولون اور بنی عباس کے مابین شدید مخاصمت اور محاذ آرائی رہی لیکن اس دشمنی کی عمر زیادہ طویل نہ تھی۔ گیارہ بارہ سال قبل احمد بن طولون نے مرکزِ خلافت بغداد سے مصر کی دوری، مصریوں سے حکومت کے ناروا سلوک، بھاری خراج، سخت احکام، مصر کے داخلی امور میں مداخلت کے علاوہ شامی قبائل اور ان امراء و شیوخ کی نفرت و عداوت سے فائدہ اٹھا کر جو انھیں عباسی حکمرانوں سے تھی، مصر و شام کو سلطنتِ عباسیہ سے الگ کر لیا تھا اور بغاوت و علاحدگی کی بنیاد امرِ خلافت پر رکھی تھی جو موفق طلحہ بن متوکل کے عہدِ حکومت میں معطل رہا لیکن اس آڑ میں اصل مقصد بنی طولون کی ایک موروثی ریاست قائم کرنا تھا جس کے لیے ابو جیش خمارویہ نے بالآخر ایک نیا راستہ نکالا۔

دربارِ بغداد کی طرف سے کوئی یلغار، کوئی جنگ، کوئی کوشش علاحدگی کی لکیر کو نہ مٹا سکی۔ قسمت نے ہر جنگ میں خمارویہ کا ساتھ دیا۔ مصر کی علاحدگی پر موسم بدلتے اور سال گزرتے رہے۔ صبح و شام کی گردش نے بغداد اور القطائع و فسطاط میں سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی فاصلے حائل کر دیے۔ جب علاحدگی عمل میں آئی اس کی وجہ خلیفہ معتمد کی معزولی بیان کی جاتی رہی، اب حالات کی صورت بالکل بدل گئی یا پھر دوسرے لفظوں میں "جب" اور "اب" کے درمیان علاحدگی بنی طولون کی ایک ضرورت بن چکی تھی۔

دربار بغداد کی منظوری کے بغیر طولونی ریاست "لوٹ کے مال" سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی جسے کوئی بھی حملہ آور پامال کر سکتا تھا لیکن منظوری کے بعد اس پر حملہ بین الاقوامی اصولوں اور مروجہ قانون کی خلاف ورزی کے مترادف سمجھا جاتا اس صورت میں بنی طولون حملہ آور کے خلاف بنی عباسیہ سے بھی مدد حاصل کر سکتے تھے

عباسیہ کے خلاف پہلے بھی متعدد بغاوتیں ہو چکی تھیں۔ متعدد لوگوں نے خروج کیا تھا مگر ہمیشہ انھیں فوجی طاقت سے قتل یا گرفتار کیا گیا۔ فاطمیوں اور علویوں کا اصل جھگڑا خلافت کے لیے تھا جو بنی عباس کو "غاصب" سمجھتے ان کے سیاہ پرچم سے بیزار اور منبروں پر دعوے کرتے تھے کہ جو لوگ گھڑی ہوئی روایات کو اپنے اقتدار کی بنیاد قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ حکومت پر صرف انھی کا حق ہے، عنقریب ایک بلائے عظیم سے دوچار ہونے والے ہیں۔

خلیفہ معتضد کے نزدیک منبروں پر دیے جانے والے خطبوں کی بہ نسبت تلوار کی زبان زیادہ "فصیح و بلیغ" ہوتی اور لوگوں کو بہتر سبق دیتی ہے لہٰذا اس کے سامنے کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی مگر وہ طولونی ریاست کو بہ زور تیغ ختم نہ کر سکا اور اب مغرب میں مہدی کا داعی ابو عبداللہ شیعی اغلبی حکومت سے برسرپیکار تھا۔

علمائے سیاست کے سامنے بغاوت اور خروج کی کئی سابقہ مثالیں تھیں اور وہ جانتے تھے مہدوی تحریک کو فی الحال ایک ایسے علاقے کی ضرورت ہے جہاں وہ قدم جما کر اقتدار کا آغاز کر سکے۔ ایسا علاقہ مشرق میں نہیں تو مغرب میں سہی جہاں اسے بربر قبائل کی حمایت حاصل تھی لیکن بعد ازاں طاقت اور جمعیت فراہم کر کے وہ عباسیہ کے خلاف اپنے علم بلند کرے گی اور عباسی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے قیروان کا رخ نہیں کر سکیں گے کیوں رستے میں غزہ کی پٹی اور طولونی مملکت حائل ہے، جو افریقہ کو ایشیا سے جدا کرتی اور کسی بھی مشرقی لشکر کو مغرب کی جانب بڑھنے سے روکتی ہے۔

سپاہ خلافت طولونیوں سے جنگ یا دوستی کے بغیر ایشیا سے افریقہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بات خلیفہ معتضد بھی سمجھتا تھا جو اپنی [illegible] میں مصر و شام کی علاحدگی ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اس کلیے موفق طلحہ جو اپنے وقت کا ایک فتح نصیب جرنیل سمجھا جاتا تھا، طولونی حریف کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا اور اپنے سینے

www.urdukorner.com

پر یہ داغ لے کر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا کہ اس کے عہد اقتدار میں جہاں امر خلافت معطل رہا وہاں مصر و شام عباسیہ کی عمل داری سے نکل گئے تھے مگر اب مغرب میں بنی طولون سے زیادہ خطرناک حریف نمودار ہوا تھا جس کی پشت پر عقیدے کی زبردست طاقت موجود تھی۔

معتضد کو قیروان کی مہدوی تحریک اور اس کے حامی قبائل کی بجائے بنی طولون کی زیادہ فکر تھی جو مصر و شام پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے تھے لیکن معزول خلیفہ مہتدی کی ہلاکت اتر عافہ کے محافظ سردار حرب الکندی کے قتل، فلسطینی کنیز ضرمہ کی گمشدگی یا موت اور منذر ابن حرب کے فرار کے ساتھ پُراسرار حالات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ابھی تک جاری تھا۔ ابن حرب نے مصر میں پناہ حاصل کر لی اور اس کے ساتھ ہی مصری قاصد ابو نصر یاقوت قریش سے شہزادہ شیبان کا جو پیغام اور تحفہ لے کر آیا تھا اس نے صورت حال کو آناً فاناً تبدیل کر دیا اور خود معتضد بھی سوچنے لگا تھا شاید مصر کی جانب پیش قدمی کا وقت آ گیا ہے مگر پہلے اُسے خمارویہ ابو جیش سے شیبان کے پیغام کی وضاحت طلب کرنا تھی جس کے لیے ابو الحسن قاسم بن عبداللہ جیسے سیاست دان کو فسطاط بھیجنے کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن ابھی اس کی روانگی عمل میں نہ آ سکی تھی۔

معتضد ابو الحسن کے ہمراہ ایسے فوجی افسروں کا ایک وفد بھی بھیجنا چاہتا تھا جو دربار القطائع پر اپنی ہیبت طاری کر دیں۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ طاقت اور تلوار دونوں مل کر ایک نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ سفارتی وفد کے ذریعے اس نتیجے کی خواہش رکھتا تھا۔

چند ہی روز میں وزیر سلطنت عبیداللہ نے ان فوجی افسروں کی ایک فہرست خلافت مآب کے حضور پیش کر دی جنہیں ابو القاسم کے ہمراہ مصر کا سفر کرنا تھا۔ خلیفہ معتضد نے وہ نام منظور کر لیے اور حکم دیا کہ وفد ٹھیک تیسرے دن نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد بغداد سے روانہ ہو جائے لیکن اسی روز رقہ سے ایک عراقی سوار نئی خبر لے کر حاضر ہوا جس نے خلیفہ اور وزیر دونوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ سوار نے بتایا۔

"طولونی شہزادے شیبان کا خاص غلام حارث ابو ظفر جو القطائع کا محافظ سردار بھی ہے، والیٔ مصر ابو جیش خمارویہ کا ایک خاص پیغام لے کر شام سے عراق کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے ہمراہ کئی اونٹوں پر تحائف لدے ہوئے ہیں جو خمارویہ نے

امیر المومنین کی خدمت میں ارسال کیے ہیں۔ مصری قافلہ دو تین یوم میں بغداد پہنچ جائے گا کیوں کہ اس کے سفر کی رفتار تیز ہے۔"

یہ خبر کسی اچنبھے سے کم نہ تھی۔ قبل ازیں شیبان ہی کا ایک معتمد ابو نصر یاقوت جس کے متعلق تصدیق ہو چکی تھی کہ وہ قریش کی کارواں سرائے میں تجارتی قافلوں سے سرکاری محصول وصول کرنے پر متعین ہے، ایک ایسا پیغام اور ایک ایسا "تحفہ" لے کر آیا تھا جس نے دربار خلافت کو طولونیوں کی جرأت و گستاخی پر مشتعل کر دیا تھا اور اب شیبان ہی کا ایک غلام حارث خمارویہ کی طرف سے نئے تحائف اور پیغام لے کر آیا تھا۔

اچانک معتضد ابو عباس کو یاد آیا کہ حارث شیبان کا وہی غلام ہے جو سفر شام میں بنت خمارویہ اسماء قطر الندیٰ کی حفاظت پر مقرر تھا اور ایک سال قبل دشت فرات میں اُسے مل چکا ہے۔ ساتھ ہی ذہن میں حسین یادوں کا ایک غرفہ بھی کھل گیا۔ اس غرفے میں کھڑی شہزادی قطر الندیٰ مسکراتی نظروں اور دھڑکتے دل کے ساتھ شبنمی موتیوں کا ایک نادر ہار پیش کر رہی تھی کہ ابو عباس اُسے یاد رکھ سکیں۔ پھر وہ اپنے محافظ سالار حارث کے ہمراہ شام کی طرف لوٹ گئی لیکن اُس کے دل میں ایک ایسی چیز چھوڑ گئی تھی جس کی کسک وہ آج تک محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی یہ خیال اُسے پریشان کر دیا کرتا تھا کہ ان کے درمیان خون کے کئی قلزم واقع ہیں جنہیں عبور کرنا بڑا کٹھن تھا۔ اِدھر عباسی، اُدھر طولونی لشکر کھڑے تھے اور معتضد جانتا تھا طولونی حکمران اس کی بیعت کا حلقہ قبول نہیں کرے گا لیکن اس اطلاع نے کہ خمارویہ کا قاصد حارث بغداد کی جانب چلا آتا اور کئی اُونٹوں پر تحائف لادے آ رہا ہے اس پر حیرت اور استعجاب کا ایک عالم سا طاری کر دیا۔

"کیا خمارویہ کو اس کی غلطی کا احساس ہو گیا ہے جو اس کے بھائی سے سرزد ہو چکی ہے اور اب خود اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہے یا معاملہ کچھ اور ہے؟" یہی سوچ کر اپنے وزیر عبیداللہ سے سوال کیا۔ "تمہارے خیال میں خمارویہ ہمیں تحائف کیوں بھیج رہا ہے یہ کوئی نئی چال تو نہیں؟"

"واللہ اعلم مگر پیغام سن کر اس کی نیت کا اندازہ ہو جائے گا۔"

یکلخت معتضد نے حکم جاری کیا۔ "ابو الحسن قاسم کی روانگی چند روز کے لیے ملتوی کر دو۔ پہلے ہم خمارویہ کا پیغام سن لیں اگر جواب کی ضرورت باقی رہ گئی تو ابو الحسن کو مصر کی

www.urdukorner.com

جانب روانہ کر دیں گے۔"

وزیر نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور خلیفہ نے دوسرا حکم دیا "خمارویہ کے سفیر کو دربارِ خلافت کی بجائے الرصافہ میں پیش کیا جائے۔ کل سے ہمارا قیام الرصافہ میں ہوگا۔ ہم مصری سفیر سے وہیں ملاقات کریں گے۔"

عبیدہ اللہ سمجھ گیا کہ اس نے دربارِ خلافت کی بجائے الرصافہ میں ملاقات کی احتیاط کیوں ملحوظ رکھی ہے۔ بعض پیغامات ایسے ہوتے ہیں جنھیں اہلِ دربار کی موجودگی میں سننا مناسب نہیں ہوتا اور کوئی نہیں جانتا کہ شیبان کے قاصد کے بعد خمارویہ ابوجیش کا ایلچی کیا پیغام لا رہا ہے۔

★

تیسرے دن اور وہ یوم الجمعہ تھا جب بغداد میں نئے مصری سفیر کی آمد کا غل ہوا۔ اسی روز ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کو اپنے وفد کے ہمراہ مصر کی جانب روانہ ہونا تھا۔ لوگ روانگی کے لیے بڑے بے چین اور چاہتے تھے کہ بنی طولون کی گوشمالی کی جائے۔ نمازِ جمعہ کے بعد وہ جامع منصور کے باہر اکٹھے ہو گئے تھے کہ عباسی سفیر کی روانگی کا نظارہ کریں لیکن ابوالحسن کی روانگی ملتوی ہو گئی تھی اور جب انھیں التوا کی وجہ معلوم ہوئی اور پتا چلا کہ خمارویہ کا خاص ایلچی تحائف سے لدے ہوئے اونٹ اور ایک ضروری پیغام لے کر آج ہی تیسرے پہر بغداد پہنچ رہا ہے، تو حیرت کے ساتھ ساتھ ان کی دلچسپی بھی بڑھی اب وہ نئے مصری سفیر کی آمد کا انتظار کرنے اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگے کہ خمارویہ کا ایلچی کیوں آ رہا ہے؟

کسی کا خیال تھا کہ خمارویہ نے اس پیغام پر معذرت کی ہوگی جو شہزادہ شیبان کا قاصد لے کر آیا تھا۔

کسی نے کہا کہ طولونی عباسیوں کی تلواروں سے ڈر گئے ہیں۔

کوئی یہ کوڑی لایا کہ ایلچی وہ پرندہ ہوتا ہے جو طوفان کے آگے آگے پرواز کرتا ہے۔

کوئی یہ کہتا تھا کہ بنی طولون کے تحفے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

کسی کی رائے میں بنی طولون نے علاحدگی کی جو غلطی کی تھی، اُس کے ازالے کا وقت گزر چکا ہے۔

ایک عراقی نے بڑے وثوق سے کہا "خمارویہ کا ایلچی تحائف کے ساتھ کچھ مانگنے آ رہا ہے۔" پھر عرب کے ایک قدیم شاعر کا یہ شعر پڑھا ؎

وَذُقْتُ مَرَارَةَ الْأَشْيَاءِ طُرًّا
فَمَا طَعْمٌ أَمَرُّ مِنَ السُّؤَالِ

(میں نے تمام کڑوی چیزوں کو چکھا ہے مگر سوال سے زیادہ کڑوی شے کوئی نہیں دیکھی)

جتنے منہ اتنی باتیں۔ اہلِ بغداد قیاس آرائی کرنے اور زبان کی پھلجھڑی اڑانے کے لیے کسی ہنگامے یا کسی سنسنی خیز واقعے کی تلاش میں رہتے تھے۔ جب سے خلیفہ کے حکم سے فلسفے کی کتابیں بیچنے، بازاروں میں بیٹھ کر قصے سنانے، اہلِ نجوم کے پیش گوئیاں کرنے، نوروز کا جشن منانے، لوگوں پر پانی ڈالنے، حتیٰ کہ بازاری گروں کے ڈھول تاشے بجانے اور سر بازار کرتب دکھانے پر پابندیاں عائد ہوئی تھیں، اہلِ بغداد کی جملہ دلچسپیاں صرف نئے نئے واقعات تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں جنھیں وہ اپنی عادات کے مطابق منسوب ہوا دیتے تھے۔ نئے مصری ایلچی کی آمد بھی ان کے لیے کسی طرفہ تماشے سے کم نہ تھی جس کی خاطر ابوالحسن کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ اب یہ جاننے کا اشتیاق تھا کہ دیکھیں نیا مصری سفیر اپنی پٹاری سے کون سا سانپ نکالتا ہے؟

اکثر لوگ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے جیسے کھیاں بھنبھناتی ہیں، گھروں اور بازاروں کی طرف چلے گئے کیوں کہ ابھی مصری قافلے کے آنے میں ایک پہر باقی تھا۔ لیکن وہ سرپھرے جنھیں یہ خبط یا تجسس تھا کہ طولونی حکمران نے کس قدر اور کس قسم کے تحائف بھیجے ہیں، دار الضیف (مہمان خانہ) سے متصل اس میدان کا رُخ کرنے لگے جہاں بیرونی جات اور خاص طور پر دور دراز کی ولایات سے آنے والے سرکاری مہمانوں کو لایا جاتا اور ان کی سواریوں سے سامان اتارا جاتا تھا مگر وہاں کسی سرگرمی کے آثار نہیں تھے۔

عصر کے وقت جب سورج مغربی صحراؤں کی طرف نکل جاتا اور نخلستانوں اور کارتوں

www.urdukorner.com

کے سائے لمبے ہو جاتے تھے۔ بغداد میں زندگی ایک نئی کروٹ بدلتی تھی۔ ہوائے شمال کے ہلکے ہلکے جھونکے شاخوں کو چھو کر گزرنے لگتے۔ کھجور، صنوبر، سرو، شمشاد اور ہندی سکھ درخت جو عموماً گھروں میں لگائے جاتے تھے، سبک ہوا سے جھومنے لگتے۔ پرندے گھونسلوں سے نکل کر شاخوں پر پھدکتے اور نغمہ سرائی کرتے، پالتو غزال اپنی چراگاہیں چھوڑ کر صحنوں اور باغوں میں نکل آتے۔ شہر کے بیچوں بیچ بہتے دجلہ کے ساحلوں کی رونق بیدار ہو جاتی، کشتیوں کے بادبان کھل جاتے، مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے درمیان دریائی آمد و رفت شروع ہو جاتی، ملاح مسافروں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے جاتے اور ان کے چپوؤں کی مسلسل "چھپ چھپ" ایک خوش آہنگ نغمہ بن کر ابھرتی۔ مسجدوں کے مدور گنبد اور بلند مینار سورج کی فراوانی دھوپ میں ایک ملکوتی منظر پیش کرتے۔ اونچے اونچے قصروں، محلوں، ایوانوں اور دو منزلہ چوبی کے مرصع دروازوں، دریچوں، جھروکوں اور محرابوں کے خوش رنگ ریشمی پردے ہٹا دیے جاتے کہ بادِ شمال جو خرام ہو، غلام گردشوں، راہداریوں اور محرابوں کے ستونوں کے درمیان گندھی، صندلیں، مرمریں کلائیاں حرکت کرتی اور معطر رومال ہلاتی نظر آتیں۔ شام کی کرنیں کھلنے سے قبل ہی حرم سراؤں کی خوب صورت کنیزیں عود ہندی، اگر اور لوبان جو عدن، عمان اور بصرہ کی بندرگاہوں کے رستے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں آتے اور بے حد مقبول تھے خوشبو دانوں میں جلا دیتی تھیں تاکہ غروبِ آفتاب سے پہلے حرم سراؤں کی فضا معطر ہو جائے۔

بغداد میں یہی وقت تھا جب عباسیہ کے شاہی سواروں نے مصری قافلے کو شہر کی فصیلوں کے باہر ہی اپنے گھیرے میں لے کر باب البصرہ کی طرف ہانک دیا اور قصرِ خلافت یا دارالضیف کی معروف شاہراہ کی بجائے اسے کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ شاہی سواروں کی سرداری خلیفہ معتضد کے غلام شبل کو سونپی گئی تھی اس کا لہجہ کرخت اور رویہ سخت تھا جس نے خمارویہ کے سفیر حارث کو پریشان کر دیا کیوں کہ پذیرائی کا یہ انداز بڑا عجیب، غریب بلکہ توہین آمیز تھا۔

ہر ملک کے دارالحکومت میں غیر ملکی سفیروں کو خوش آمدید کہا جاتا اور ان کا خیر مقدم خوش دلی سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے حارث نے سرحدِ عراق میں داخل ہوتے ہی

اپنی آمد کی اطلاع بھیج دی تھی لیکن بغداد میں سفارتی قافلے کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، اس نے حارث کے دل میں کچھ وسوسے، کچھ اندیشے پیدا کر دیے اور وہ ان کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

شاہی سواروں کی نگرانی یا پہرے میں مصری قافلہ مختلف راستوں سے گزرتا شام کے قریب جب گھروں میں چراغ روشن ہو رہے تھے، دریائے دجلہ کے مغربی ساحل پر پہنچا اور اسے وہیں ایک وسیع و عریض خیمہ تاریک احاطے میں داخل کیا گیا جہاں تین چار کمرے بھی تھے مگر بند اور مقفل۔ دجلہ کنارے بلند قصروں اور عالی شان عمارتوں میں روشن قندیلوں، جھلاں جھلاں کرتے فانوسوں اور دجلہ کے بہتے پانی پر ان کی روشنیوں کے لرزتے تھرتھراتے ارتعاش سے عکس دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ وہ شاہی محلات کے قریب آ پہنچے ہیں کہ یہاں فضا میں ہندوستانی اگر کی مخصوص مہک رچی بسی تھی اور یہ خاص "اگر" صرف شاہی حرم سراؤں میں استعمال ہوتی تھی۔

احاطے کے اندر پہنچ کر بھی مصری سارباؤں کو اونٹوں سے سامان کے پشتارے اتارنے اور قافلے کے سواروں کو گھوڑوں کے زین اور نمدے کھولنے کی اجازت نہ تھی، حالاں کہ وہ بڑا طویل سفر کر کے آئے اور تھکے ماندے تھے۔ یہاں پہنچتے ہی شبل نے اپنے نائب افسر کو کہیں بھیج دیا تھا شاید وہ کسی کو بلانے یا اطلاع دینے گیا تھا۔ حارث کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی کہ اس عجیب و غریب اور نامناسب سلوک کا مطلب کیا ہے؟ شبل کا لہجہ بدستور کرخت اور برتاؤ سخت تھا۔ آخر حارث نے پوچھ ہی لیا۔ "کیا ہم یہاں اپنے آپ کو اسیر سمجھیں؟"

شبل نے کھردری آواز میں جواب دیا۔ "میں کچھ نہیں جانتا، صرف حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ مصری قافلے کو اس احاطے میں لے آؤں اور میں لے آیا ہوں مگر یہ کوئی قید خانہ نہیں۔"

"اگر قید خانہ نہیں تو کوئی مہمان خانہ بھی نہیں۔" پھر حارث نے ایک اور سوال کر دیا "کیا بغداد میں سفیروں اور ایلچیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

ابھی شبل نے اس کے دوسرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا اور شاید دینا بھی نہیں چاہتا تھا کہ اسی لمحے وزیرِ سلطنت عبیداللہ نائب افسر کے ہمراہ احاطے کے پھاٹک

www.urdukorner.com

یہاں داخل ہوا۔ شبل نے اُس کی طرف دیکھا اور حارث سے کہا۔ "اب تمھیں جو کچھ پوچھنا ہے وہ تم وزیر سلطنت عبید اللہ سے پوچھو گے۔"

وزیر سلطنت کو آتے دیکھ کر حارث پر ایک اور حیرت گزر گئی اور سوچنے لگا کہ حالات کی صورت اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر مخدوش اور خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ شبل کے بقول اب اُسے جو کچھ پوچھنا تھا وزیر سلطنت سے پوچھنا تھا لیکن عبید اللہ نے اسے کسی سوال کا موقع نہیں دیا اور آتے ہی خود سوال کرنے لگا۔ "تمھارا نام؟"

"حارث" اس نے جواب دیا۔

"کنیت؟"

"ابوظفر"

"عہدہ؟"

"القطائع کا محافظ سردار۔"

"کس کے ایلچی ہو؟"

"سلطان مصر و شام ابوجیش خمارویہ بن احمد بن طولون کا۔"

"سفارت کی سند پیش کرو؟"

حارث نے ایک دستاویز پیش کی جس پر اسے خمارویہ کی طرف سے "سفیر دوستی" مقرر کیا گیا اور گفتگو کا اختیار دیا گیا تھا۔ نیچے "سلطان مصر و شام ابوجیش خمارویہ بن احمد بن طولون" کی خاص مہر ثبت تھی۔ وزیر نے خمارویہ کا وہ مکتوب بھی دیکھا جو اس نے خلیفۃ المسلمین معتضد باللہ ابوالعباس احمد بن موفق بن متوکل کے نام تحریر کیا اور اپنی دوستی کا یقین دلایا تھا۔ اسی مکتوب میں خلیفہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ مصری تحائف قبول فرمائیں۔

سفارت کی سند اور خمارویہ کا مراسلہ دیکھ لینے کے بعد جن پر شاہی مہریں ثبت تھیں عبید اللہ مطمئن نظر آنے لگا اور خوشگوار لہجے میں مخاطب ہوا۔ "اب اونٹوں سے سامان اور گھوڑوں سے زین اتار لو۔ تمھارے ساتھی یہیں آرام کریں گے۔ صرف تم میرے ساتھ امیرالمومنین کے حضور الرصافہ میں چلو گے۔"

حارث نے اُس کے رویّے اور لہجے کی تبدیلی کو محسوس کیا تو پوچھا۔ "جناب آپ

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABHA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048558
Prop: Ali Khan

خلیفۃ المسلمین کے وزیر اور میں سلطان مصر کا سفیر ہوں مگر یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ شاہی سواروں نے میرے قافلے کو بغداد کی فصیلوں سے باہر ہی کیوں گھیر لیا اور اس اس احاطے میں لا کر مجھ سے اتنی باز پرس کیوں کی گئی؟ سفیر اور ایلچی تو اپنی اسناد دربار میں پیش کرتے ہیں۔"

وزیر کو شاید ایسے سوال کی توقع تھی۔ اُس نے غور سے حارث کی طرف دیکھا اور دریافت کیا۔ "کیا تم ابونصر یاقوت کو جانتے ہو جو عریش میں تجارتی قافلوں سے محصول لینے پر مامور اور شہزادہ شیبان کا معتمد رہ چکا ہے؟"

"بے شک جانتا ہوں۔ شہزادہ عالی آج بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔"

عبید اللہ اس جواب پر حیران سا رہ گیا۔ "پھر تمھیں یہ معلوم ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل شیبان نے اس کے ہاتھ عریش سے ایک پیغام اور ایک تحفہ دربارِ خلافت میں بھیجا تھا۔"

اب حیران ہونے کی باری حارث کی تھی۔ "یہ بات میرے علم میں نہیں، اگر امیر شیبان کوئی پیغام یا تحفہ بھیجتے تو مجھے ضرور معلوم ہوتا۔"

گویا حارث نے شہزادہ شیبان کے کسی پیغام یا تحفہ بھیجنے سے انکار کیا تھا۔ حیرت کے ساتھ عبید اللہ کی دلچسپی بھی بڑھی اور اُس نے مزید کرید کی۔ "کیا دو تین ماہ قبل شیبان نے عریش میں قیام نہیں کیا تھا؟"

حارث بتانے لگا کوئی اڑھائی ماہ قبل امیر شیبان شام و فلسطین کا دورہ کر کے مصر کی طرف لوٹے تو عریش کی کارواں سرائے میں ٹھہرے تھے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ وہاں بغداد کے شاہی دستے کے سالار منذر ابن حرب سے بالکل غیر متوقع ملاقات ہوئی۔ میں ابن حرب کو جانتا تھا۔ وہ طوالحسین کی جنگ میں اپنے آقا ابوعباس کو بچاتا ہوا خود گرفتار ہو گیا اور کئی ماہ جنگی قیدی کی حیثیت سے مصر میں رہا تھا لیکن یہ سن کر تعجب ہوا کہ کسی معاملے میں خلیفۃ المسلمین سے اس کی ان بن ہو گئی اور وہ بغداد سے فرار ہو کر اپنے دوست سلیمان بن عامر کے پاس عریش آ گیا ہے۔ یہ افسوسناک خبر بھی میں سنی تھی کہ وہ عراقی سوار جو بغداد سے ابن حرب کا تعاقب کر رہے تھے عریش میں ہلاک کر دیے گئے۔"

حارث نے خود وہ بات چھیڑ دی تھی، جو عبید اللہ سے یاد دلانا چاہتا تھا۔ اب اُس نے انکشاف کیا۔ "ابونصر یاقوت انہی عراقی سواروں کے کٹے ہوئے سر اور شیبان

www.urdukorner.com

کا یہ پیغام لے کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تھا کہ مضر کا عریش تک تعاقب کر کے طولونی اختیارات میں مداخلت کی گئی ہے اور آئندہ بھی ایسی مداخلت گوارا نہیں کی جائے گی۔"

اس انکشاف پر حارث مارے حیرت کے بھونچکا سا رہ گیا اور اب پتا چلا کہ بغداد میں ہوا کا رُخ بنی عباس اور خاص طور سے اُس کے آقا کے خلاف کیوں ہے، حیران و ششدر سا کہنے لگا۔ "لیکن امیر شیبان نے عریش سے اس قسم کا کوئی تحفہ اور کوئی پیغام نہیں بھیجا تھا سرائے میں مختصر سے قیام کے بعد وہ فسطاط روانہ ہو گئے تھے اور میں ان کے ہمراہ تھا۔ میرے علم کے مطابق عریش میں ابونصر یاقوت کو شہزادۂ عالی سے ملاقات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا اگر وہ کوئی پیغام لے کر آیا تو کسی اور کا پیغام لے کر آیا ہوگا۔"

حارث کی بات سن کر خلیفہ کے وزیر عبید اللہ کے علاوہ غلام شبل اور شاہی سواروں پر ایک عجیب سی سنسنی گزر گئی اگرچہ ابونصر یاقوت پر یہ شبہ پہلے بھی ہوا تھا کہ وہ طولونی حکومت یا شہزادہ شیبان کا قاصد نہیں بلکہ کسی اور کا بھیجا ہوا تھا جو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنا کام کر کے بغداد سے بعجلت نکل گیا اور لوگوں میں اشتعال کی ایک لہر چھوڑ گیا تھا مگر اب عبید اللہ کو اس بات پر رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے ابونصر یاقوت کی سفارتی سند دیکھے بغیر اسے دربارِ خلافت میں حاضری کی اجازت کیوں دی اور اگر یہ غلطی کی تھی تو ابونصر کو بغداد سے جانے کیوں دیا لیکن یہ وہی کیفیت تھی کہ اَتٰی حِیْنَ فَرَّطْتَ وَمَا یَنْفَعُ النَّدَمُ (اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت)

مصری سوار اور ساربان بھی اس انکشاف پر دم بخود رہ گئے تھے کہ حارث ابوظفر سے قبل ابونصر یاقوت دربارِ خلافت میں ایک ایسا پیغام لے کر حاضر ہو چکا ہے جو شہزادہ شیبان نے نہیں بھیجا تھا اور غالباً اسی لیے مصری قافلے کو بغداد میں گھیر لیا گیا اور طویل راستے سے اس احاطے میں لایا گیا تھا۔ حارث سے باز پرس بھی اسی لیے ہوئی تھی کہ ضرب المثل کے مطابق مَنْ لَسَعَتْهُ الْحَیَّةُ یَخَافُ مِنْ جَرِّ الْحَبْلِ (سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے) تاہم سفارتی سند اور ابوحبیش خمارویہ کا سرکاری مکتوب دیکھ لینے کے بعد وزیر عبید اللہ مطمئن ہو چکا تھا اور اب اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ مصری قافلے کے ساتھ عجیب رویّہ کیوں اختیار کیا گیا۔

عبید اللہ مصری سفیر کو لے کر احاطے سے نکلا اور دجلہ کے کنارے کنارے قنطرۃ العتیقہ (پرانے پل) کی طرف ہو لیا جو دریائے دجلہ کے مغربی ساحل کو مشرقی ساحل سے ملاتا تھا۔ اس صحافہ مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے شبل بھی اپنے سواروں کو لے کر چل دیا۔ اب اسے اس صحافہ کی نگرانی کا فرض ادا کرنا تھا۔

www.urdukorner.com

(۲۲)

دوستی

○

گرمی شام کے اندھیرے میں دجلہ کے دونوں ساحلوں پر عالی شان عمارتوں کے کھلے دریچوں، چھرکوں جالی دار محرابوں اور خدام گردشوں سے جھانکتی روشنیوں اور بہتے دریا کی سطح پر ان کے عکس کے انعکاس کا منظر اس قدر حوصلہ افزا تھا کہ اس پر کسی جادوگری یا پرستان کے نظارے کا گمان ہوتا تھا۔ حارث ابوالظفر نے یہ سن لینے کے باوجود کہ ابونصر یاقوت بغداد کی قضا خراب کر گیا ہے جس سے وہ پریشان ہو گیا تھا حیرت سے یہ منظر دیکھا۔ اگر دجلہ کے دونوں کنارے قصروں اور بہتے پانی پر ان کی روشنیوں کے انعکاس کا نظارہ مبہوت کر دینے والا تھا، تو شاہی محل الرصافہ کے اندر ایک اور عجیب منظر اس کا منتظر تھا۔

جب وہ عباسی وزیر کے ہمراہ الرصافہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس خیال سے کچھ مطمئن ہو گیا کہ خلیفہ معتضد کے ساتھ اسے تنہائی کی ملاقات کا نادر موقع مل رہا ہے۔ کم از کم عبیداللہ کے علاوہ وہاں تیسرا کوئی فرد نہیں ہو گا اور کہتے ہیں کہ مَنْ یَّاتِی الْحَکَمَ وَحْدَہٗ یَفْلَحُ (جو شخص حاکم کے پاس اکیلا جائے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے) وہ بھی تنہائی کی ملاقات میں اپنا فرض زیادہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکے گا اور خلیفہ کو بنی طولون کی دوستی کے لیے ہموار کر لے گا لیکن الرصافہ کی ڈیوڑھی سے گزر کر اور ایک دالان عبور کر کے جونہی وہ ہال نما مرصع ایوان میں داخل ہوا تو ایوان کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا جس کی دیواروں پر جگہ جگہ بیس قندیلیں فروزاں تھیں۔ چھت سے جس پر سونے چاندی کی استرکاری کی گئی تھی سات شاطے زریں فانوس آویزاں تھے جن کی بے دود شمعوں نے ایوان کو بقعۂ نور بنا رکھا تھا۔ خوشبو دانوں میں عود ہندی آہستہ آہستہ سلگ رہا تھا جس کی ہلکی ہلکی مہک پورے محل میں پھیل رہی تھی اور فرش خوب صورت ایرانی قالینوں سے آراستہ تھا۔

ایوان الرصافہ کی یہ آرائش و زیبائش یا سونے چاندی سے مرصع چھت اور زریں فانوس اور بیس قندیلیں حارث کے استعجاب کا باعث نہ تھیں۔ وہ تو طولونی حکمرانوں کے ایوان تصویر، ایوان خاص، ایوان نشاط بلکہ محل شاہی کے سبز رنگ زبرجدی حوضوں میں بھی سونے چاندی کا بے حد و حساب استعمال دیکھ چکا تھا اور دولت و حشمت کی نمائش اس کے لیے وجۂ حیرت نہیں ہو سکتی تھی جس منظر نے اسے حیران و ششدر کر دیا، وہ کچھ اور ہی تھا۔

اس نے دیکھا جس ایوان میں اسے خلیفہ کے حضور پیش کیا جا رہا تھا، وہاں جو بیس مجلس کے لگ بھگ اعیان سلطنت پہلے سے موجود تھے جو مختلف شعبوں سے وابستہ اعلیٰ عہدوں پر فائز اور خاص مقام رکھتے تھے فی الواقع ان امراء و اعیان کو سلطنت عباسیہ کی "آنکھیں" کہا جا سکتا تھا جن میں ولی عہد ابو محمد علی کے علاوہ ماہر سیاست ابوالحسن قاسم بن عبداللہ، صاحب الضرب ہارون بن اسماعیل، معتضد کا منہ چڑھا مشیر اور ضبطیہ کا سربراہ بدر، اسحاق بن کنداج، سپہ سالار محمد بن طاہر، صاعد بن مخلد، جان نثاریوں کے دستۂ فوج کا سالار محمد بن شاری بن ملک، دیوان غربی کا ناظم الامور علی بن عیسیٰ بن داؤد اور بلاد شرقی کا منتظم اعلیٰ محمد بن داؤد بن جراح، ترک سردار عواتکین، توصیف بن صواتکین، قضاۃ میں سے قاضی یوسف، قاضی ابوحازم اور قاضی ابوعمر جیسے لوگ علاوہ ازیں ضبطیہ اور محکمہ امور خاص کے افسر بھی شامل تھے۔ الرصافہ کا یہ ایوان ایک خاص دربار کا نقشہ پیش کر رہا تھا جہاں خلیفہ معتضد نے الرجیش خمارویہ کا پیغام سننے کے لیے انہی خاص حکام کو مدعو کیا تھا جو سلطنت کی "آنکھیں" اور "کان" سمجھے جاتے تھے۔ قدیم فارسی زبان میں ان کے لیے "چشم و گوش" کی اصطلاح رائج تھی انھیں صرف اہم مواقع پر طلب کیا جاتا تھا۔

اس صورت حال نے حارث کو چونکا دیا اور خیال آیا اگر وزیر نے اس کے کاغذات کی سختی سے جانچ پڑتال کی تو خلیفہ نے اس کی باریابی کے لیے خاص اعیان سلطنت

www.urdukorner.com

کو جمع کر رکھا ہے اسے انہی لوگوں کے سامنے اپنا سفارتی فرض ادا کرنا تھا۔

وزیر سلطنت عبیداللہ مصری سفیر کے ساتھ چلتا ایوان کے وسط میں پہنچ کر رکا اور خلیفہ معتضد باللہ کے سامنے، جو ایک زریں مسند پر متمکن تھا رکوع میں چلا گیا۔ حارث ابونصر نے بھی اس کی پیروی کی، پھر وہ امیرالمومنین سے مخاطب ہو کر بتانے لگا کہ حارث ابونصر والئ مصر ابوجیش خمارویہ کا خاص ایلچی اور دوستی کا پیغام لے کر آیا ہے لیکن اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل شہزادہ شیبان نے ابونصر یاقوت کے ہاتھ ابوجیش کے کوئی پیغام دربار خلافت میں بھیجا تھا۔ حارث امیر شیبان کا معتبر غلام اور ابوجیش کی کارروائیوں میں ان حرب سے بھی مل چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ابونصر کو کسی اور نے بھیجا ہو مگر وہ شہزادہ شیبان یا مصری حکومت کا قاصد ہرگز نہیں تھا۔

عبیداللہ کے اس بیان نے ایوان میں حیرت کی ایک لہر دوڑا دی اور خلیفہ معتضد نے حارث کی طرف ہاتھ لہرا کر کہا۔ "کیا خمارویہ کا سفیر ایوان کے سامنے عبیداللہ کے بیان کی تصدیق کرتا ہے؟"

حارث نے فوراً گردن خم کر دی پھر سر اٹھا کر بولا۔ "امیرالمومنین! جس طرح آسمان کا نیلی فام گنبد ستونوں کے بغیر ہی زمین پر قائم ہے اور اس کی حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اسی طرح میرے یہ الفاظ بھی حقیقت پر مبنی ہیں کہ ابونصر یاقوت میرے آقا شیبان کا قاصد نہیں تھا اور دنیا کا کوئی خوف یا تشدد مجھے اس بیان سے منحرف نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ حضرت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ سلطان مصر ابوجیش خمارویہ کی طرح شہزادہ شیبان نے بھی حضور کی خدمت میں کچھ تحائف ارسال کیے ہیں، جب میں اپنے قافلے کے ہمراہ الفطائع سے روانہ ہوا، وہ جبل مقطم تک مجھے رخصت کرنے آئے اور انہوں نے ہدایت کی تھی کہ جب میں حضور کی خدمت میں پیش کیا جاؤں تو سلام کے بعد ان کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بوسہ دوں۔ اعلیٰ حضرت اور اعیان سلطنت خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جب امیر شیبان خلیفۃ المسلمین سے بندگی کا اظہار چاہتے ہیں، تو دربار خلافت میں ایسا پیغام کیوں بھیجے جو حضور کی برہمی کا باعث ہوتا؟"

خلیفہ معتضد کے ساتھ سب حاضرین نے حارث کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں اور اس کی گفتگو کے لہجے اور انداز کلام کو پسند کیا۔ معتضد نے اس کے الفاظ کے معانی اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا وہ مخاطب کا صرف چہرہ نہ دیکھتا بلکہ چہرے پر اس کے خیالات پڑھنے کی قدرت بھی رکھتا تھا اور حارث کے الفاظ میں اس کا ذہن بول رہا تھا جس سے معتضد کو اسے سمجھنے میں مدد ملی اور رعب دار آواز میں بولا۔

"تمہارا بیان معتبر معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس پیغام کی تردید جو ابونصر لے کر آیا تھا شہزادہ شیبان کی طرف سے ہونی چاہیے۔"

"امیرالمومنین! الفطائع لوٹتے ہی میں انہیں معاملے کی صورت سے مطلع کروں گا پھر ان کا جواب آپ کو مل جائے گا۔"

خلیفہ نے سر کے اشارے سے اس کے جواب کو تسلیم کیا تو اس نے فرمائش کی۔

"اعلیٰ حضرت! اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے آقا شیبان کی طرف سے حضور کے دست بوسی کا شرف حاصل کروں۔"

معتضد کے دل میں کیا تھا؟ یہ تو کوئی نہ جان سکا لیکن اس نے اپنا ہاتھ ضرور آگے بڑھا دیا، جسے حارث نے لپک کر دونوں ہاتھوں میں لے لیا پھر اس پر عقیدت کا بوسہ دیا اور خلیفہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اس نیازمندی اور فروتنی کو اعیان سلطنت نے دلچسپی کی نظروں سے دیکھا، حارث خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دے چکا تو کہنے لگا۔

"امیرالمومنین! آج مجھے دوسری بار حضور کی ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ پہلی ملاقات دشت فرات میں ہوئی تھی، جب آپ نے بے مثال شجاعت و بہادری کے ساتھ ایک زبردست شیر کو پچھاڑ دیا اور بنت سلطان شہزادی اسماء قطرالندیٰ کو اس درندے سے بچا لیا تھا، مجھے امید ہے حضور کو وہ ملاقات یاد ہوگی۔"

"ہمیں یاد ہے تم اپنے سواروں کے ہمراہ شہزادی کے تعاقب میں آئے تھے مگر اس سے قبل خدا نے ہمیں موقع دیا کہ ہم شیر کا خاتمہ کر دیں۔"

دشت فرات کے حوالے سے احمد ابوعباس کو اور بھی بہت کچھ یاد آ گیا طویل و دوشیزہ اسماء قطرالندیٰ یاد آئی۔ مہین نقاب کے اندر اس کے شبابی عارض، سنوال ناک اور غزالی آنکھیں یاد آئیں، جو ستاروں کی طرح روشن تھیں، اس کی سریلی آواز اور دلکش لہجہ یاد آ گیا، شبنم کے قطروں جیسے موتیوں کا نادر ہار یاد آیا، جو سورج کی روشنی اور قندیلوں کی شعاعوں میں یوں جگمگ جگمگ کہ اس سے ہفت رنگ کرنوں کا انعکاس

www.urdukorner.com

ہوتا تھا۔ بنت خمارویہ نے بار ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا تھا۔ "شاید یہی بار کبھی آپ کو ہماری یاد دلا سکے۔"

گویا قطر الندیٰ چاہتی تھی احمد ابو عباس اُسے یاد رکھے اور ابو عباس نے اُس وقت بھی جب وہ عباسیہ کا ایک پُرجلال حکمران بن چکا اور اپنے اعیانِ دولت کے درمیان مسندِ خلافت پر بیٹھا مصر کا مقدمہ سن رہا تھا، والیٔ مصر کی انتہائی خوب صورت اور ساحرانہ جمال لڑکی کے تصور سے ایک راحت محسوس کی جس کا ترک حسن قطرۂ شبنم کی طرح شفاف روشن اور دل افروز تھا لیکن حارث نے اسماء قطر الندیٰ کا نام لے کر دشتِ فرات کا حسین واقعہ یاد دلایا تو حرائے سلطنت کی مجلس میں وہ طوفانی دوشیزہ کسی متعلق کسی جذبے کا اظہار نہ کر سکا جو اس کے دل میں دھڑک رہی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ مصری سفیر کا پیغام سن لینے کے بعد وہ اسے اپنے کمرۂ خلوت میں طلب کرے گا اور اسماء قطر الندیٰ کے بارے میں چند باتیں پوچھے گا۔ "اب ہم خمارویہ ابو جیش کا پیغام سننا چاہتے ہیں۔"

اس اثنا میں وزیر عبید اللہ اپنی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ حارث نے خلیفہ کی مسند سے چند قدم پیچھے ہٹ کر سلطان مصر خمارویہ کا وہ مکتوب نکالا، جسے خلیفہ کا وزیر پہلے ملاحظہ کر چکا تھا اور اونچی آواز میں پڑھنے لگا تاکہ تمام حاضرین مجلس سن سکیں۔ حمد و صلوٰۃ اور ضروری القابات کے بعد خمارویہ نے خلیفہ معتضد باللہ کے نام یہ عبارت تحریر کی تھی۔

"اعلیٰ حضرت، ہم نے آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور الثغور کے محافظ سردار حارث ابو ظفر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے کچھ تحائف بھی ارسال کیے ہیں جو ہمارے جذبۂ دوستی کے شاہد ہیں، آپ کی اعلیٰ ظرفی سے امید ہے کہ ان تحائف کو قبول فرما کر ہمیں عزت بخشیں گے اور ہماری دوستی کا ہاتھ قبول فرمائیں گے۔

ابو عباس! بے شک ماضی میں ہمارے تعلقات کشیدہ رہے ہیں مگر ماضی کے رنج و ملال اور تلخ واقعات فراموش کر کے ہمیں مستقبل کو خوشگوار بنانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہمارا سفیر جو بالمشافہ گفتگو کرے گا اسے آپ ہماری زبان سمجھیں۔ ہم نے حارث کو ان تمام باتوں کا اختیار دیا ہے۔ آئندہ آپ سے کرے گا۔ ہم آپ سے دوستی کے طلب گار ہیں۔

والسلام۔"

حارث نے خط پڑھ کر ایک بار پھر اپنا سر جھکا دیا گویا بالمشافہ گفتگو کے لیے اجازت طلب کر رہا تھا۔ معتضد کہنے لگا۔ "خمارویہ نے ہمیں گزرے واقعات بھول جانے کا مشورہ دیا ہے۔ اس طرح وہ ماضی میں رونما ہونے والے حوادث اور مشکلات کی ذمے داری سے بچنا چاہتا ہے۔"

"اعلیٰ حضرت!" حارث بڑے نرم لہجے میں بولا۔ "اَلْمَاضِیْ کَا یُذْکَرُ مَضٰی مَامَضٰی۔" (ماضی کا ذکر مناسب نہیں، جو ہوا، سو ہوا۔)

"کوئی انسان اپنے ماضی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا، ماضی قبر تک آدمی کا پیچھا کرتا ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا لیکن حضور دانا ہیں اور دانا یہ بھی کہتے ہیں کہ گزری باتیں بھول جاؤ اور آنے والی باتوں کو سلام کرو۔"

"پھر بھی ہم خمارویہ کا مطلب جاننا چاہتے ہیں۔"

"امیر المومنین! دوستی کا مطلب صرف دوستی ہوتا ہے اور ابو جیش آپ سے دوستی چاہتے ہیں۔"

"دوستی..... لیکن کس قیمت پر، کس شرط پر؟"

حارث اپنے مقصد پر آ گیا۔ "اگر اعلیٰ حضرت مصر و شام پر بنی طولون کا حق و اختیار تسلیم کر لیں، تو وہ بھی ہر معاملے میں آپ کے نصیر و مددگار رہیں گے۔"

یہ سنتے ہی عباسی امرا و اعیان مضطرب ہو گئے، معتضد ابو عباس اپنی مسند پر تڑپ اٹھا۔ "اگر خمارویہ اس شرط پر دوستی چاہتا ہے تو ہمیں منظور نہیں۔ ہم نے نہ ماضی میں مصر و شام کو علاحدہ سمجھا ہے نہ کبھی آئندہ سمجھیں گے۔"

حارث نے فوراً اپنا لہجہ بدل دیا۔ "اعلیٰ حضرت! میں نے اسی لیے گزارش کی تھی کہ ماضی کی تلخیوں کو بھول جانا بہتر ہوگا۔ بنی عباس اور بنی طولون میں دوستی وقت کا تقاضا ہے۔ حضور نے قیروان میں مہدوی تحریک کی سرکوبی ضرور کی ہوگی وہ جنگ صرف بنی اغلب سے نہیں.....!"

www.urdukorner.com

حارث نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی اور خلیفہ کو اپنا اشارہ سمجھنے کا موقع دیا۔ معتضد نے اس کا عندیہ کچھ سمجھا، کچھ نہ سمجھا اور کہا۔ "اگر قیروان میں مہدوی تحریک کامیاب ہو بھی گئی تو اس سے خطرہ اموی حکومت کو ہو سکتا ہے، دولتِ عباسیہ کو نہیں۔"

اب حارث نے اپنے اشارے کی گرہ کھول دی۔ "اعلیٰ حضرت! اموی حکومت کو خطرہ صرف اس لیے ہوگا کہ قیروان اور آپ کے درمیان حائل ہے۔ فاطمیوں اور علویوں کی اصل منزل فسطاط نہیں بغداد ہے۔ جھگڑا ابھی خلافت اور حکومت کا ہے اور خلافت کا ہر دعویٰ بغداد کا رخ کرے گا مگر مصر کو فتح کیے بغیر بغداد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ قیروان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اگر اس نے مصر پر حملہ کیا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تحریک نے اپنی توجہات کا رخ آپ کی طرف پھیر دیا ہے اور میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جس خطرے نے مغرب میں سر اٹھایا ہے، اسے مشرق میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور بغداد و مصر کی دوستی اس خطرے کے سامنے ایک مضبوط فصیل بن کر کھڑی ہو جائے۔"

خلیفہ معتضد اور اس کے اعیانِ دولت نے اس پہلو پر غالباً توجہ ہی نہیں دی تھی اب حارث کی گفتگو میں ان کی دلچسپی بڑھی اور وہ قیروان میں ہونے والی کشمکش کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے لگا۔

"اعلیٰ حضرت! بغداد آنے سے پہلے میں امیر شیبان کے ہمراہ برقہ کی سرحد کا دورہ کر چکا ہوں، وہاں جو حالات سننے میں آئے ان سے پتا چلتا ہے کہ اغلبی حکومت زیادہ عرصے تک مہدوی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ لمتی[1] قبائل کے علاوہ بنی کتامہ بھی مغرب میں پہنچ چکے ہیں اور یہ بربر قبائل کے ساتھ ان کا مکمل اتحاد ہے۔ وہ جلد یا بدیر قیروان پر غالب آ جائیں گے پھر ان کا رخ مصر کی جانب ہوگا، وہاں سے وہ فلسطین، حجاز اور یمن کی طرف بڑھیں گے۔ یمن ان کی پہچان، ان کی اصل ہے اور کل شیٔ یرجع الیٰ اصلہٖ (ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) ان اندیشوں اور خطروں کے پیشِ نظر بھی کیا آپ مصر

---

[1] لمتی قبائل میں اکثر اہلِ بیت کے حامی اور عباسیوں سے گلو خلاصی چاہتے تھے (قمر اجنالوی)

سے دوستی ضروری نہیں سمجھتے؟"

حارث نے قیروان میں مہدوی تحریک کا جو نقشہ پیش کیا اور مستقبل کے خطرات کی جس طرح منظر کشی کی، اس نے عباسی امرا پر معاملے کی صورت واضح کر دی۔ بغداد جغرافیائی طور پر قیروان سے ہزاروں میل دور تھا اس لیے شمالی افریقہ کی خبریں بہت دیر سے وہاں پہنچتی تھیں اور دولتِ عباسیہ کے اعیان و امرا مغرب کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہ تھے جب کہ مصر ایک افریقی ملک ہونے کے ناتے قیروان کے معاملات سے زیادہ باخبر اور زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ معتضد کے امیروں، جرنیلوں، افسروں، قاضیوں نے مصری سفیر کی باتوں میں وزن محسوس کیا۔ ان پر مغرب کی صحیح صورتِ حال پہلی بار منکشف ہوئی اور پتا چلا کہ مستقبل میں کس قسم کے حوادث پیش آنے والے ہیں مگر حارث نے اچانک اپنی گفتگو کا رخ بدل دیا اور ترغیب کے انداز میں کہنے لگا۔

"اعلیٰ حضرت! میں نے جن خدشات کا ذکر کیا ہے، ان کا پیش آنا وقت اور حالات پر منحصر ہے کیوں کہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ (ہر بات اپنے وقت پر موقوف ہے) لیکن ہر انقلاب بطنِ زمین سے جنم لیتا ہے، آپ کے جدِ اعلیٰ ابو عباس عبداللہ السفاح[1] نے امویوں کو تلوار سے کاٹا اور اپنا حکم نافذ کر دیا مگر ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن مشرق سے فرار ہو کر مغرب میں پہنچ گیا جس نے اندلس میں نئی اموی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اور وہ آج تک قائم ہے۔ اب اللہ نے آپ کو مسندِ خلافت پر فائز کیا ہے۔ آپ بھی ابو عباس اور "السفاح ثانی" کہلاتے ہیں اگر آپ دشمن کے خلاف تلوار اٹھائیں اور اپنے پرچموں کو حرکت دیں تو ان خطروں کو ختم کیا جا سکتا ہے، جو قیروان میں سر اٹھا رہے ہیں۔ لمتی اور بربر قبائل عباسی لشکروں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں گے پھر برقہ سے طنجہ (مغرب الاقصیٰ) تک آپ کو کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔ وہاں سے اندلس کا ساحل قریب ہے۔ اپنے جدِ امجد کی طرح حضور بھی بنو امیہ پر اپنی تلوار کا لوہا آزما سکتے اور اندلس پر عباسیہ کا حکم

---

[1] عبداللہ ابو عباس نے کوفہ کی جامع مسجد میں بحیثیت خلیفہ جو پہلا خطبہ دیا اس میں اپنے لیے السفاح (خوں ریز) کا لقب خود اختیار کیا تھا۔
(طبری جلد ۹ ص ۱۳، ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۶)

www.urdukorner.com

نافذ کر سکتے ہیں جس کے لیے آپ کے بزرگ ابوجعفر منصور اور ابوعبداللہ مہدی بڑے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن اپنے گھوڑوں کی لگامیں اٹھانے اور کشتیاں سمندر میں ڈالنے سے پہلے آپ کو بنی طولون سے جنگ یا دوستی کرنا ہوگی جو آپ کے دشمنوں اور آپ کے درمیان حائل ہیں اور جن سے معاملہ طے کیے بغیر آپ افریقہ میں داخل نہیں ہو سکتے اب فیصلہ حضور کے اختیار میں ہے کہ بنی طولون سے جنگ یا دوستی؟"

حارث کے آخری الفاظ نے ایوان الرصافہ کے علاوہ عباسی امرا کے دلوں میں بھی ایک گونج پیدا کر دی اور ان الفاظ پر غور کرنے لگے جو ریشم کی مثال نرم و ملائم لیکن تلوار کی طرح تیز اور سخت بھی تھے۔ اس کی تقریر میں مغرب کی طرف بڑھتے مہدی کے داعی ابوعبداللہ شیعی کے حامی مینی اور بربر قبائل سے نمٹنے اور مہدوی تحریک کو اس کے آغاز ہی میں کچل دینے کے علاوہ اندلس کی اموی مملکت کو بھی سر کرنے کی زبردست ترغیب موجود تھی، جس کی خواہش اکثر عباسی حکمرانوں کے دل میں مچلتی اور تڑپتی رہی تھی۔ ابوعباس معتضد باللہ بھی اپنے آباء کی طرح فتوحات کا شوق رکھتا اور اندلس کی اموی حکومت کا خاتمہ چاہتا تھا تاکہ تاریخ میں اس کا نام "السفاح ثانی" (دوسرے خون ریز) کے طور پر لکھا جائے لیکن بغداد سے شمالی افریقہ بہت دور اور اندلس اس سے بھی پرے یورپ میں واقع تھا جہاں پہنچنے کے لیے ایشیا و افریقہ کے کئی میدان، کئی دریا اور کئی صحرا عبور کرنا پڑتے تھے، سب سے اہم معاملہ بنی طولون کا تھا جو مصر و شام پر قابض ہو چکے اور مشرق و مغرب کے درمیان حائل تھے۔

معتضد نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کر دیا اور مصر و عراق کے درمیان کھنچی گئی لکیر کو مٹا دینا چاہتا تھا مگر ماضی میں بنی طولون نے اس لکیر کی اپنی تلواروں سے حفاظت کی اور عباسی لشکروں کو ہر مرتبہ پسپا کر دیا، ان تلخ تجربوں کے پیش نظر عباسی امیر اور جرنیل بھی جانتے تھے کہ طولونیوں کو آسانی سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ جنگ کی شکل میں انھیں مصر و شام کی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور بہت سے اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ جب جنگ ہوتی ہے تو دونوں جانب سے مسلمان ہی لڑتے اور مسلمان ہی مرتے ہیں۔ اب مصری سفیر جنگ کی بجائے دوستی کی تجویز لے کر آیا اور چاہتا تھا کہ ماضی میں جو کشت و خون ہو چکا ہے،

اسے فراموش کر کے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا جائے کیوں کہ آدمی آدمیوں کے ساتھ چلتا ہے ان کی قبروں اور کتبوں کے ساتھ نہیں چلتا۔

حارث کی باتیں سن کر خلیفہ اور اس کے وزیر مشیر بنی طولون کے معاملے پر نئے سرے سے غور کرنے لگے، اب وہ دوستی کی ضرورت اور اہمیت سمجھ رہے تھے، لیکن خمارویہ نے دوستی کی جو شرط رکھی، وہ انھیں منظور نہ تھی پھر بھی سوچ بچار کے بعد معتضد نے معاملے کی ایک نئی صورت نکالی اور کہا "خمارویہ دوستی چاہتا ہے تو ہمیں بھی دشمنی منظور نہیں مگر ہم اس کی دوستی کا ہاتھ اسی وقت قبول کریں گے جب وہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔"

اعیان سلطنت نے اس تجویز پر خوشنودی کا اظہار کیا اور بیعت کو "امر واجب" قرار دے کر خلیفہ کی تائید کی۔ بیعت کا مطلب یہ تھا کہ خمارویہ معتضد کا مطیع و فرمانبردار اور اس کے احکام کا پابند ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں کسی جھگڑے کے بغیر مصر و شام دولت عباسیہ کا حصہ بن جائیں۔

حارث نے بھی ایک معقول عذر ڈھونڈ لیا "امیر المومنین! مصر اور بغداد کے مابین جو فاصلے حائل ہو گئے، ان کا اصل سبب امر خلافت ہی تھا۔ آپ کے والد مرحوم نے خلیفہ معتمد کو معزول اور خلافت کو موقوف کر دیا تھا جس پر بنی طولون ان سے ناراض ہو گئے۔ اب آپ کے ذریعے امر خلافت بحال ہو گیا ہے، تو بنی طولون بھی حضور کے ساتھ معاملہ طے کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ مطمئن اسی صورت میں ہوں گے جب اعلیٰ حضرت خمارویہ ابوالجیش کو مصر و شام کا آزاد و خود مختار سلطان تسلیم کر لیں گے۔"

ابوالحسن قاسم نے جواب دیا "پہلے خمارویہ امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرے پھر اسے مصر و شام کا والی مقرر کر دیا جائے گا۔"

"ابوالحسن! گیارہ سال کے جس عرصے میں مصر و شام ایک طولونی ریاست کا تشخص حاصل کر چکے ہیں اور یہ پہچان ایک دن میں [illegible] ہو سکتی۔ شامی اور مصری بغداد کی دوستی پر راضی ہو جائیں گے لیکن اس کی ماتحتی اور غلامی گوارا نہیں کریں گے۔"

حارث نے پھر مصر و شام کی علاحدگی پر زور دیا بلکہ اس مرتبہ اپنا موقف بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا جس پر عباسی امرا مایوس ہو گئے اور خلیفہ نے بھی دو ٹوک جواب دینا

www.urdukorner.com

ضروری سمجھا۔

"حارث! ہم نے دوستی کا ہاتھ قبول کرنے کی جو تجویز رکھی، وہ تمہیں یا پھر تمہارے آقا کو منظور نہیں کیوں کہ یہاں تم اپنے آقا کی زبان میں گفتگو کر رہے ہو اور دوستی کی جو شرط اس کی طرف سے لے کر آئے ہو وہ ہمیں تسلیم نہیں۔ ہم علاحدگی کی لکیر ختم کر دینا چاہتے ہیں، تم اس کو قائم رکھنے پر اصرار کرتے ہو۔ اس لیے ہم یہ معاملہ آنے والے وقت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ تم نے خود کہا ہے کہ کُلُّ اَمْرٍ مَوْقُوْفٌ بِاَوْقَاتِہٖ (ہر بات اپنے وقت پر موقوف ہے) ہم بھی اپنے پرچم اس وقت کھولیں گے اور گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو وقت مصر و شام کے لیے مقرر ہوگا۔"

دوستی سے انکار کے ساتھ یہ ایک کھلی دھمکی بھی تھی کہ مصر و شام کو الگ تھلگ نہیں رہنے دیا جائے گا اور عباسی لشکر مناسب وقت پر یلغار کریں گے۔ حارث نے معتضد کے الفاظ کو فاتح کے پلڑے میں جانچا، دوسرے پلڑے میں ان سے وزنی الفاظ ڈال دیے اور کہنے لگا۔ "امیر المومنین! ضروری نہیں کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں، وہ اسی طرح ہو جائے۔ میں نے حضور کے سامنے معاملے کی جو صورت پیش کی، اس کا مقصد یہ تھا کہ مہدوی تحریک کا جس سے مصر کو کم اور آپ کو زیادہ خطرہ ہے، مل کر مقابلہ کیا جائے اور بربر لشکروں کو مشرق کی طرف نہ بڑھنے دیا جائے لیکن آپ مصر و شام کی تسخیر کا عزم کیے بیٹھے اور وقت کے بے موزوں وقت کے منتظر ہیں، تو اس سے سیاست کی بساط کا سارا نقشہ تبدیل ہو جائے گا۔ بنی طولون اپنے علاقے کی پہلے بھی حفاظت کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ البتہ نئے حالات میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شاید آپ کے خلاف وہ مہدوی تحریک ہی سے صلح کر لیں اور بنی فاطمہ کے حامی یمنی اور بربر قبائل کو نہ صرف عباسی لشکروں کے مقابلے پر لے آئیں بلکہ مہدوی تحریک کا رُخ بغداد کی جانب موڑ دیں۔ فاطمیوں اور علویوں کا اصل دعویٰ بنی عباس کے خلاف ہے۔ جب وہ مصر و شام کی طولونی ریاست سے معاہدہ دوستی کر کے اپنے علم عراق کی طرف پھیر دیں گے، تو انہیں روکنا بڑا مشکل ہوگا کیوں کہ عراق و شام کے بادیہ نشین قبائل ان کی حمایت میں سبز علم لہراتے صحرائی بستیوں سے نکل آئیں گے، اس وقت آپ کو اور آپ کے اعیانِ دولت کو غلام کی عرضِ دوستی یاد آئے گی لیکن وقت گزر چکا ہوگا۔ بعض اوقات آدمی اچھے حالات میں ایک تجویز مسترد کر دیتا اور برے حالات میں اس پر عمل کرنا چاہتا ہے تو وقت آگے نکل چکا ہوتا اور آدمی پیچھے رہ جاتا ہے۔ تب اس کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں رہتا لہٰذا اس سے پہلے کہ بنی طولون اپنی ریاست و حکومت کے تحفظ کی خاطر آپ کے دشمنوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیں، بنی عباس کو ان کی دوستی کا ہاتھ تھام لینا چاہیے۔ میں یہی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

خلیفہ معتضد کی دھمکی کے مقابلے میں حارث کا انتباہ کہیں زیادہ خوف انگیز اور سنسنی خیز تھا جس نے ایوانِ مصر کے ایوان میں تشویش کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ ماضی میں زیادہ تر فاطمی اور علوی دعوے دار ہی نے عباسی حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور اپنے سبز علم لہرائے تھے۔ اگرچہ ہر دعوے دار جس نے عباسیہ کے خلاف خروج کیا پسپا، قید یا ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے باوجود ان کی حمایت کے حلقے بدستور قائم رہے جنہوں نے علوی عقیدے کی مضبوط دیواروں میں محصور کر لیا تھا۔ کبھی کبھی وہ ان دیواروں کے حصار سے باہر نکل آتے اور اپنے عقیدے کی دعوت دیتے تھے۔ یمن میں ان کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مہدی کا داعی بھی یمنی قبائل کے ہمراہ مغرب میں جا پہنچا تھا اور بربر قبیلوں نے اس کی حمایت میں تلواریں اٹھالی تھیں۔

عراق اور شام کے بادیہ نشین کسی مہدی موعود کی آمد کے منتظر تھے جس کے متعلق یہ روایت تھی کہ وہ تلوار سے دشمنوں کو فنا کر دے گا۔ کچھ عرصے قبل ذکر دیہ قرمط نے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ازارقہ خوارج کا مذہب رکھتا تھا، خود کو مہدی کا اپنی ذات کر کے صحرائی قبیلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا مگر گرفتاری کے باوجود وہ قید سے فرار اور لاپتا ہو گیا تھا۔

اس اشتباہ پر کہ اگر لشکرِ خلافت نے مصر و شام پر حملہ کیا، تو بنی طولون اس کے دشمنوں سے دوستی کر لیں گے اور مہدوی تحریک کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف موڑ دیا جائے گا، خلیفہ معتضد اور اس کے اعیان و امرا کا ذہن ان فاطمیوں، علویوں، اسماعیلیوں حتیٰ کہ محمد بن الحنفیہ کے پیروکاروں میں الجھ کے رہ گیا جو دولت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے اور عباسی حکمرانوں سے کدورت رکھتے تھے، انھوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر ایسا ہو گیا جیسا مصری سفیر حارث کہتا ہے اور مہدوی تحریک نے مشرق

www.urdukorner.com

کا رخ کریں تو بنی عباس کے تمام مخالف حلقے اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایک فساد عظیم برپا ہوگا، جس پر قابو پانا فی الواقع مشکل ہو جائے گا اور جیسا زمانے کا دستور ہے کہ جب کوئی مشکل پڑتی یا اس کا احساس ہوتا ہے تو آدمی کا رویہ بدل جاتا اور وہ اس سے نمٹنے کی سعی کرتا ہے، امرائے عباسیہ میں بھی ایک تبدیلی واقع ہوئی ان کے دلوں میں بنی طولون کے خلاف پہلا سا جذباتی جوش نہ رہا اب وہ ان سے دوستی کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ خلیفہ معتضد نے بدلے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"حارث! تم چاہتے ہو ہم بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ تھام لیں اور مصر و شام کی آزادی کو تسلیم کر لیں۔ بفرض محال اگر ہم یہ علاقے خمارویہ کے حوالے کر دیں اور ان سے کچھ عرصے کے لیے ہاتھ اٹھا لیں تو بھی طولونی حکومت کو ہمیں خراج ادا کرنا ہوگا۔"

حارث نے خلیفہ کے بدلے ہوئے لہجے سے اندازہ لگایا کہ معاملے کی صورت تبدیل ہو رہی ہے۔ فوراً بولا۔ "عالی جاہ! پہلے یہ اصول طے پا جائے تو خراج کے مسئلے پر بھی بات ہو جائے گی۔"

ساتھ ہی اس نے ترغیب کا نیا پہلو پیش کیا۔ "جب حضرت فراخ دلی سے بنی طولون کا حق تسلیم کر لیں گے تو اس سے عداوت کی نا سمجھی فریقین کے درمیان نفرت کی لکیر ضرور مٹ جائے گی اور بغداد و افریقیہ میں تعاون کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا، جو آگے چل کر کوئی دوسری شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

خلیفہ نے مزید دلچسپی لی اور بات آگے بڑھائی۔ "تمہارے خیال میں یہ دوستی الحاق میں کب تک بدل سکتی ہے؟"

"امیر المؤمنین! حکمرانوں کے معاملات بے تدبیری سے بگڑتے اور حسن تدبیر سے سنورتے ہیں، یہ بات تو دربار بغداد پر منحصر ہے کہ وہ بنی طولون کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اور اپنی خوش تدبیری سے دوستی کو الحاق میں کب بدل دیتا ہے لیکن فی الحال مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ طولونی حکومت کو تسلیم کیا جائے۔"

معتضد نے محسوس کیا کہ حارث اگرچہ خمارویہ کا سفیر اور بنی طولون کے مفاد کی بات کر رہا ہے لیکن وہ دولت عباسیہ کے لیے بھی اپنے دل میں تعاون کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس نے حارث کی تعریف کی۔ "ہمیں تمہاری زبان پر اعتماد ہے۔"

حارث کا سر جھک گیا۔ "مَا الْإِنْسَانُ لَوْلَا اللِّسَانُ" (اگر زبان کچھ نہیں تو انسان کچھ نہیں)

خلیفہ اصل مطلب پر آ گیا۔ "ہم بنی طولون کی دوستی صرف اس لیے قبول کریں گے کہ اسے جلد سے جلد الحاق میں تبدیل کر دیا جائے۔"

مارے خوشی کے حارث کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا اور دھڑکتے دل کے ساتھ بولا "پھر ہمارے درمیان دوستی کا معاہدہ ہو جانا چاہیے۔"

"معاہدے کی مدت کیا ہوگی؟" خلیفہ نے خود اپنا عندیہ پیش کیا۔ "مدت کم ہوگی تو الحاق میں آسانی رہے گی۔"

"معاف کیجیے اعلیٰ حضرت! غلام کا خیال ہے، جلدی کا امر ہمیشہ نہیں رہتا۔ دوستی کا معاہدہ طویل المیعاد ہونا چاہیے تاکہ فریقین میں ربط و ضبط بڑھے۔"

"پھر تم کتنے عرصے کا معاہدہ چاہتے ہو؟"

حارث نے مدت کا تعین کیا۔ "دوستی کا معاہدہ کم از کم پچاس سال کے لیے ہونا چاہیے۔"

معتضد بے اختیار پکار اٹھا۔ "حَتّٰى يَشِيبَ الْغُرَابُ" (یہاں تک کہ کوا سفید ہو جائے) اور عربی کی اس ضرب المثل کے ساتھ اس نے پچاس سال کی مدت مسترد کر دی۔ "نصف صدی کی مدت بہت طویل ہے اور اتنی دیر تک ہمیں مصر کی علاحدگی گوارا نہیں۔"

مصری سفیر نے اس کے چہرے پر ابھرنے والے ناگوار اثرات دیکھے اپنی تلخی محسوس کی تو اپنا لہجہ پھر بدل دیا۔ "عالی جاہ! قوموں اور ملکوں کی زندگی میں پچاس برس کی مدت طویل نہیں ہوتی۔ بنو عباس کو بنو امیہ سے اقتدار حاصل کیے ڈیڑھ صدی گزر رہی ہے اور لوگوں نے انھیں برداشت کیا ہے۔ کیا آپ صرف نصف صدی کے لیے بنی طولون کی حکومت قبول نہیں کر سکتے؟"

عباسی خلیفہ نے اسے غور سے دیکھا اور وہ کہنے لگا۔

"اگر آپ کو نصف صدی کا عرصہ زیادہ طویل معلوم ہوتا ہے، تو اس سے دس برس کم کر دیجیے۔ ابو جیش خمارویہ چالیس برس سے کم کسی معاہدے پر راضی نہیں ہوں گے۔"

www.urdukorner.com

حارث نے ایک بار پھر حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ "اعلیٰ حضرت، بنی طولون کو اپنے قریب رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آئیں اور چالیس برس کے لیے معاہدۂ دوستی کرلیں۔ آپ کے نزدیک یہ مدت طویل ہے لیکن لوہے کو بھی تلوار میں ڈھالنے سے پہلے بھٹی سے گزرنا پڑتا اور سپاہی کے ہاتھ تک پہنچنے میں کچھ عرصہ لگ جاتا ہے۔ اگر آپ کو یہ معاہدہ منظور نہیں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ مصر ایشیا کا نہیں افریقہ کا ملک ہے اور افریقہ میں حالات بدل رہے ہیں۔"

اس موقع پر وزیر سلطنت عبیداللہ نے مداخلت ضروری سمجھی اور اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ کہنے لگا۔ "امیرالمومنین! جب آپ مصر کا معاملہ دوستی سے طے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور حارث بھی یہی تجویز لے کر آیا ہے تو میری رائے میں معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لینا چاہیے اور اوسط مدت تیس برس کی ہوتی ہے۔"

سب لوگوں نے عبیداللہ کی رائے کو پسند کیا جو مغرب میں حالات کی نئی گردش کے پیش نظر، خاطولون سے جنگ کی بجائے دوستی کا معاہدہ بہتر سمجھتے تھے۔ خلیفہ نے اپنے وزیروں اور مشیروں کے فیصلے سے اتفاق کر لیا اور حارث بھی تیس برس پر راضی ہو گیا۔ معتضد ابوالعباس جیسے حکمران کو جو مصر و شام کا معاملہ نوک تلوار سے حل کرنے پر تلا ہوا تھا تیس برس کے معاہدۂ دوستی پر رضامند کر لینا فی الواقع ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ جو حارث کے حصے میں آئی۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ ہی پانچ لاکھ دینار سالانہ خراج کا مطالبہ کر دیا لیکن جس طرح معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح تین لاکھ دینار خراج پر فیصلہ ہو گیا، جو طولونی حکومت کو ہر سال ادا کرنا تھا۔ اب معتضد اس امر کی ضمانت چاہتا تھا کہ خمارویہ معاہدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

"ہم نے خمارویہ اور اس کے جانشینوں کی حکومت تیس برس کے لیے تسلیم کر لی اور اس کے عوض تین لاکھ دینار سالانہ خراج قبول کیا ہے۔ کل یہ معاہدہ ضبط تحریر میں آجائے گا لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہو گی کہ خمارویہ یا اس کے جانشین معاہدے کے پابند رہیں گے، خراج کی ادائیگی میں تساہل نہیں برتیں گے اور کسی وقت معاہدے کو توڑ کر ہمارے دشمنوں سے نہیں مل جائیں گے۔"

حارث نے خلیفہ معتضد اور اس کے امرا کا یہ اندیشہ بھی دور کر دیا اور معاہدے پر کاربند رہنے کے ساتھ ایفائے دوستی کی ایک ایسی ضمانت پیش کی جس نے نہ صرف پورے ایوان کے وسوسے دور کر دیے بلکہ سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ کہنے لگا۔ "معاہدے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ ان پر عمل ہو۔ بنی عباس سے دوستی کے معاہدے پر پوری طرح سے عمل ہو گا۔ معاہدے کے الفاظ صاف اور معانی واضح ہونا چاہییں تاکہ کسی قسم کی غلطی یا غلط فہمی کا احتمال نہ رہ جائے۔ ہم ایک صاف اور واضح معاہدہ لکھیں گے، جس کے دونوں فریق پابند ہوں گے۔ ہم اعلیٰ حضرت نے بنی طولون سے ایفائے عہد کی ضمانت طلب کی ہے، تو میں ایک ایسی ضمانت پیش کروں گا جس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا کیوں کہ دو ملکوں اور قبیلوں کے درمیان اس سے بڑی ضمانت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ تو سلطان مصر و شام ابوجیش خمارویہ نے مجھے بنی طولون اور بنی عباس کے مابین ایک ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا اختیار دیا ہے، جو دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دے گا اور بنی طولون کی دوستی پر کسی شبے کی گنجائش نہیں رہ جائے گی۔"

"ازدواجی رشتے" کے الفاظ سن کر تمام حاضرین ایوان چونک گئے اور معتضد نے حارث کو چشم حیرت سے دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

"اعلیٰ حضرت! سلطان مصر نے مجھے اس اختیار کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ میں بنت سلطان شہزادی اسماء قطرالندیٰ کو آپ کے فرزند ابومحمد علی کی زوجیت میں دینے کی تجویز پیش کروں۔ اگر آپ کے فرزند خوبی اور خوب صورتی میں یوسف ثانی ہیں تو شہزادی اسماء قطرالندیٰ بھی حسن و جمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ لا تحتاج الی البیان (جو بات ظاہر ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں) اعلیٰ حضرت کچھ عرصہ قبل دشت فرات میں شہزادی قطرالندیٰ سے ملاقات کر چکے اور جانتے ہیں کہ ایسی خوب صورت لڑکی شاید ہی بخارا کے کسی خاندان میں پیدا ہوئی ہو۔ اب حضور بنت سلطان کو اپنے ولی عہد کی زوجۂ صاحبہ بنانے کی منظوری دیں اور بنی طولون کی طرف سے شہزادی قطرالندیٰ کو دوستی کی ضمانت سمجھیں۔"

دولت عباسیہ کے اعیان و امرا اور جرنیل اس بات پر حیران ہوئے اور مطمئن

www.urdukorner.com

بھی کہ طولونی حکمران فی الواقع بنی عباس سے دوستی چاہتا ہے۔ ان کے نزدیک ولی عہد ابو محمد علی اور شہزادی قطر الندیٰ کی جوڑی گویا شمس و قمر کی جوڑی تھی۔ انہوں نے دونوں کے عقد کی تجویز پر بہ آواز بلند احسنت کہی مگر یہ کوئی نہ دیکھ سکا کہ عقد کی یہی تجویز سن کے امیر المومنین کے دل پر کیا قیامت بیت گئی تھی۔

معتضد ابو عباس نے مصری سفیر کی زبان سے ازدواجی رشتے کی بات بڑے شوق سے سنی مگر جونہی حارث نے شہزادی قطر الندیٰ کو ولی عہد کی زوجیت میں دینے کی تجویز پیش کی، اس پر جیسے برقِ آسمانی ٹوٹ پڑی۔ دل میں رعد سے زیادہ ہولناک تڑاکا ہوا اور یوں لگا جیسے کائنات زیر و زبر ہو گئی ہو۔ اس صاعقہ انگیز تجویز کے سوا جس نے معتضد کے قلب و ذہن میں ایک زلزلہ بپا کر دیا تھا۔ وہ اور کچھ نہ سن سکا کہ حارث نے کیا کہا، کیا نہیں کہا، اُسے کوئی ہوش نہ تھا۔ الفاظ سر کے اوپر سے گزرتے چلے گئے جیسے ایک ہی ہولناک تڑاکے سے جو کہیں دل میں ہوا تھا، اس کی سماعت مفلوج ہو گئی تھی، چند لمحوں کے لیے وہ بیگانۂ ہوش ہو گیا اور یہ بھی نہ جانتا تھا کہ جب حارث نے اپنی تقریر ختم کی۔ تو ساتھ ہی شہزادی قطر الندیٰ کو ولی عہد ابو محمد علی کی زوجہ و صاحبہ بنانے کی منظوری طلب کی تھی۔

اس خلافِ توقع تجویز کو سن کر معتضد ابو عباس کے قلب و ذہن پر ایک ایسا سناٹا طاری ہو گیا تھا کہ جب اعیان سلطنت نے حارث کی تجویز پر صدائے احسنت بلند کی تو کچھ نہ سکا یہ شور کیسا ہے؟ حاضرینِ مجلس کے چہروں پر ایک بے پایاں مسرت دیکھ رہا تھا لیکن اس کا مفہوم جاننے سے قاصر تھا۔ ذہن کے ویرانے میں صرف ایک بات بگولہ بن کر چکر کاٹ رہی تھی کہ مصری سفیر نے شہزادی قطر الندیٰ کو جو اس کی محبت، اس کی تمنا اور اس کی منظورِ نظر تھی، اس کے بیٹے کی زوجیت میں دینے کا اعلان کیا تھا اور اسی اعلان یا اسی

www.urdukorner.com

تجویز نے اس کے ہوش و حواس سلب کر لیے تھے۔

ابھی ڈیڑھ سال قبل دشتِ فراشت میں محبت کا کیسا انوکھا واقعہ پیش آیا تھا جب وہ شکار کرنے گیا لیکن خود "شکار" ہو گیا تھا جیسے جعفر نجومی نے پیش گوئی کی تھی کہ خود شکار ہو جائے گا۔ دشتِ فرات سے واپسی پر اس نے جعفر کی پیش گوئی کا مذاق اڑایا تھا کیوں کہ ایک بھاری بھرکم شیر کا شکار کر کے آیا تھا جس نے فرات کے بیلے میں شہزادی قطر الندیٰ کا تعاقب کیا اور جسے اس نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے دو حصوں میں کاٹ دیا تھا۔ حالاں کہ جنگل سے لوٹا تو خود قطر الندیٰ کے تیرِ نظر سے گھائل ہو چکا تھا لیکن جعفر نجومی کے پُرحکمت الفاظ کا ادراک اسے بعد میں ہوا۔

کس قدر عجیب بات تھی۔ ایوانِ الرصافہ میں پہنچ کر اس نے اپنی خاتونِ اوّل جیحک خاتون سے بھی اسماء قطر الندیٰ کے حسن و جمال کا ذکر کیا اور بتایا تھا کہ خمارویہ کی نوخیز باکرہ لڑکی اسے گھائل کر گئی اور ایک نادر قیمتی ہار کی شکل میں اپنی محبت کا تحفہ بھی دے گئی ہے۔ میں بیوی میں قطر الندیٰ کے متعلق گفتگو ہوئی اور جیحک خاتون نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ ابو عباس طولونی شہزادی کو بھولنے کی بجائے یاد رکھیں۔ شاید وہی بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان رابطے یا امن و اتحاد کی آخری امید ہو، اس نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی بنتِ خمارویہ کو یاد رکھا تھا۔ اگر سیاست کی بساط پر اسماء قطر الندیٰ بنی طولون سے تعلق کی آخری امید یا آخری چال تھی تو آج ابو جیش خمارویہ نے اپنے سفیر حارث کے ذریعے وہ "آخری امید" اس کے نوجوان بیٹے علی کی زوجیت میں دینے کا اعلان کر کے اس کی امیدوں پر برقِ ناگہاں گرا دی تھی۔ ایوانِ محبت پر ایک زلزلہ طاری تھا اور دل کے طاقچوں میں حسین یادوں کی فروزاں شمعیں آندھی کے ایک ہی جھونکے سے بجھ کر رہ گئی تھیں۔

بجھتی شمعوں کے دھوئیں میں اس کا ذہن آہستہ آہستہ کچھ سوچنے اور اس ہولناک سناٹے سے نکلنے لگا جو شکستِ دل کی مہیب کڑک کے بعد پورے جسم پر طاری ہو گیا تھا۔ چند ساعتوں کے بعد جب وہ کسی قدر سنبھل گیا، تو خیال آیا کہ بنی طولون کے ساتھ تعلق یا اتحاد کی بساط وہی تھی جس کا نقشہ کچھ عرصہ قبل اس کے اور جیحک خاتون کے مشترکہ خیالوں میں ابھرا تھا۔ اس بساط پر شہزادی قطر الندیٰ بھی اسی خانے میں موجود تھی

جہاں وہ پہلے تھی اور جسے جیت کر ایک بڑی بازی جیت لی جاتی لیکن دستِ قدرت نے اس بساط پر شہزادی قطر الندیٰ کو جیتنے والا مہرہ بدل دیا اور معتضد ابو عباس کو نقشے سے ہٹا کر اس کی جگہ ولی عہد ابو محمد علی کا مہرہ آگے بڑھایا تھا کہ وہ شہزادی قطر الندیٰ کو اپنی زوجہ و صاحبہ بنا لے یا قطر الندیٰ عباسی ولی عہد کو جیت لے اور دو حکومتوں کے مابین دوستی، اعتماد اور نہ ٹوٹنے والے تعلق کی ضمانت بن جائے، بہرحال یہ جو کچھ بھی تھا، بے حد اذیت ناک تھا۔

کبھی کبھی ایک معمولی سا واقعہ کسی عظیم واقعے کا سبب بن جاتا اور ایک چھوٹی سی بات دو محبت کرنے والوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ معتضد ابو عباس کو بھی قطر الندیٰ سے جدائی کا منظر اور علاحدگی کا اذیت ناک سانحہ درپیش اور دل کو کچوکے دے رہا تھا کہ اس نقشے کا مہرہ اور اس جدائی کا سبب اس کے بیٹے کو بنایا جا رہا ہے۔

وہ ایک ایسے صدمے یا ایسی کیفیت سے دوچار تھا جس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہوشِ قدرے بحال ہوئے تو سوچنے لگا کہ تقدیر کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہوا ہے اس موقع پر وہ اپنے جذبات کو روکنے کی کوشش کرے گا جو دل کو زیر و زبر کیے دے رہے تھے اور ان کے تیز دھارے کے سامنے ضبط کا ایک پشتہ اور پابندی کی ایک مینڈ باندھ لے گا تاکہ لوگ اس کے دل کی بے قراری نہ جان سکیں مگر کیا ایسا کرنا ممکن تھا؟

ایوانِ الرصافہ میں سب کی نظریں نوجوان اور خوش جمال ولی عہد ابو محمد علی پر مرکوز تھیں اور بعض اُسے مبارکباد دے رہے تھے لیکن معتضد ابو عباس صحرا کی طرح خاموش اور سمندر کی طرح گہرے سانس لے رہا تھا۔ اچانک اس نے مصری سفیر کو اپنی جانب مڑتے اور جھکتے دیکھا پھر اس کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"امیر المومنین! شہزادی اسماء قطر الندیٰ اور ولی عہد ابو محمد علی کی نسبت منظور فرمایئے تاکہ بنی طولون اور بنو عباس میں دوستی اور قرابت کا تعلق گہرا ہو۔"

حارث کے سوال نے معتضد کے دل پر پھر ایک پھندا ڈال دیا اور ابھی وہ کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ ناگہاں ایوانِ الرصافہ کی محراب سے جس کے سامنے اطلس کا پردہ لٹک رہا تھا، جیحک خاتون کی آواز بلند ہوئی۔ "مجھے شہزادی قطر الندیٰ سے اپنے بیٹے کی نسبت منظور نہیں۔ میں اس رشتے کو مسترد کرتی ہوں۔"

www.urdukorner.com

عباسیہ کی خاتون اوّل کے الفاظ ایوان کے آخری سرے تک سنے گئے اور لوگوں پر ایک سناٹا سا طاری ہو گیا۔ نسبت نامنظور کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ملکہ جیجک کو بنی عباس اور بنی طولون میں قرابت اور دوستی کا تعلق منظور نہیں اور یہ ایک ایسی بات تھی جس نے اعیانِ دولت کو دم بخود کر دیا۔ مصری سفیر حارث اس سناٹے میں یوں ہکا بکا سا کھڑا تھا جیسے وہ ملاح جس کی کشتی گرداب سے تو بچ نکلے لیکن کنارے کے قریب کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے اور بیچارہ قدرت کی اس ستم ظریفی کو سمجھ نہ سکے۔

اس کا خیال تھا عباسی اعیان و امراء کی طرح خلیفہ معتضد اور اس کی ملکہ جیجک خاتون بھی شہزادی اور ولی عہد کے رشتۂ ازدواج پر خوش ہوں گے۔ فریقین کے درمیان دوستی کی اس سے بڑی ضمانت اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ حارث نے جان بوجھ کر یہ تجویز بعض امور پر تصفیہ ہو جانے کے بعد پیش کی تھی اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں حیرت اور مسرت دوڑا دے لیکن جیجک خاتون نے عقد کی تجویز مسترد کر کے حارث کے ساتھ حاضرینِ مجلس کو بھی حیران و پریشان کر دیا جس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ بنی طولون سے قرابت داری نہیں چاہتی۔ خود معتضد بھی اس پیش کش پر خوش نہ تھا بلکہ بعض لوگوں نے اس کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھا تھا۔

الرصافہ کی محراب میں پردے کے پیچھے جیجک خاتون کے علاوہ خلیفہ کی دوسری حرمیں فتنہ بانو اور شغب خاتون بھی موجود تھیں۔ عباسیہ کی چند اہم اور چیدہ چیدہ خواتین کو بلا لیا گیا تھا تاکہ وہ خلیفہ سے مصری سفیر کی ملاقات کا منظر دیکھ سکیں اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لیں مگر گفتگو تو ختم ہو گئی تھی اور ایوان پر استعجاب کا سکتہ چھا گیا تھا۔ نہ کوئی بول رہا تھا، نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ جیجک خاتون نے جو کچھ کہہ دیا، وہی دلوں پر بوجھ بن گیا، اچانک محراب سے اس کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ اب کے وہ براہِ راست خلیفہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"امیر المومنین! آپ خاموش کیوں ہیں؟ مصری سفیر اور امرائے سلطنت کو بتایئے کہ میں نے شہزادی قطر الندیٰ سے اپنے بیٹے کا عقد کیوں پسند نہیں کیا۔"

لوگ چونک گئے کہ طولونی شہزادی کا رشتہ نامنظور کرنے کی کوئی وجہ بھی موجود ہے۔ انھوں نے معتضد کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا اُڑا ہوا رنگ عود کر آیا اور دل کا سناٹا ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ مصری سفیر سے پوچھا۔

"ابوجیش خمارویہ نے تمھیں جس رشتے کا اختیار دیا ہے، کیا اس کے لیے اپنی بیٹی کی مرضی دریافت کر لی تھی؟"

سوال بڑا اہم تھا۔ حارث نے ایک پل سوچا اور جواب دیا۔ "اعلیٰ حضرت! اس رشتے کا مقصد بنی عباس اور بنی طولون کی دوستی کو قرابت داری سے مستحکم کرنا ہے اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں حکومت کی مرضی شہزادی کی مرضی پر مقدم ہو گی۔"

"یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں۔" معتضد کی آواز نے لوگوں کو چونکا دیا۔ "اسلام نے لڑکی کی مرضی کو ہر حال میں مقدم قرار دیا ہے اور جیجک خاتون نے یہ رشتہ اس لیے پسند نہیں کیا کہ شہزادی قطر الندیٰ ہمارے ولی عہد سے نہیں کسی اور سے لگاؤ رکھتی ہے۔"

اس انکشاف نے پورے ایوان کو حیران کر دیا اور حارث نے محسوس کیا کہ بنی طولون کی عزت پر حملہ کیا گیا ہے۔ تاہم معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر بڑے احترام سے بولا "اسماء قطر الندیٰ شبنم کی طرح صاف، شفاف ہے انسان تو کیا، مصر سے گزرنے والی ہوا بھی شہزادی کے کسی لگاؤ اور تعلق سے انکار کر دے گی۔ اگر ملکہ جیجک خاتون یا حضور نے کوئی ایسی افواہ سنی ہے تو مجھے اس شخص کا نام بتایا جائے جو شہزادی کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتا ہے تاکہ میں اسی ایوان میں اس کا جھوٹ ثابت کر سکوں۔"

حارث نے امرائے بنی عباس کے درمیان طولونی عزت کا دفاع ضروری سمجھا اور جو مطالبہ کیا اس سے معاملے کی صورت بالکل تبدیل ہو گئی۔ اسی لمحے محراب کے حریری پردے میں تیز حرکت کی لہر سرسرائی اور الرصافہ کی ایک کنیز نے شبنم جیسے موتیوں کا جگمگ کرتا ہار محراب کے پاس کھڑے محافظ غلام کے سپرد کیا کہ امیر المومنین تک پہنچا دیا جائے۔ ہار خلیفہ کے ہاتھ میں پہنچا تو اس نے مسند پر بیٹھے بیٹھے اسے لہرایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ فانوسوں اور قندیلوں کی روشنیوں میں اس کے نیرنگ زمانہ موتیوں سے ہفت رنگ کرنیں منعکس ہو کر دیکھنے والی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرنے لگیں۔ پھر اس نے حارث سے دریافت کیا۔

"کیا اس ہار کو پہچانتے ہو؟"

وہ استعجاب کے مارے بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نادر اور نایاب سبک مروارید کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ کپکپاتی آواز میں بولا۔ "ایسا ایک ہار شہزادی قطر الندیٰ کے پاس تھا۔"

www.urdukorner.com

"یہ وہی ہار ہے جو بنتِ خمارویہ نے اس شخص کو اپنی نشانی کے طور پر دیا تھا جس سے لگاؤ رکھتی ہے۔"

شاید کسی چٹان کے ٹوٹ کر گرنے سے بھی ایسا دھماکا نہ ہوتا جو معتضد کے اس سنسنی خیز انکشاف سے ہوا۔ حاضرینِ مجلس نے اس کے الفاظ کی دھمک اپنے دلوں میں محسوس کی۔ حارث نے اگر کسی کے ساتھ شہزادی کے لگاؤ یا تعلق سے قطعی انکار کیا تو معتضد نے اس لگاؤ کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کر دیا تھا جس سے وہ خود بھی انکار نہ کر سکا۔ سماء قطر الندیٰ کا انوکھا ہار دیکھ کر، خلیفہ کے الفاظ سن کر گردن خود بخود جھک گئی اور اب اس بات پر پریشان تھا کہ نجانے وہ شخص کون اور کس حیثیت کا ہوگا جسے شہزادی نے اتنا قیمتی اور عجوبہ ہار بطورِ تحفہ دے دیا تھا۔

عباسی حکمران حارث کی جھکی ہوئی گردن دیکھ کر سمجھ گیا کہ ثبوت دیکھ لینے کے بعد غالباً اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا اور خائف ہے کہ اگر اس شخص کا نام ظاہر کیا گیا، جسے قطر الندیٰ نے ہار کا تحفہ دیا تھا تو شاید بنی طولون کی عزت پر حرف آئے مگر وہ کسی تردد کے بغیر کہنے لگا۔

"حارث! تمھیں اور تمھارے آقا ابو جیش خمارویہ کو اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ شہزادی قطر الندیٰ نے کسی معمولی آدمی کے ساتھ لگاؤ نہیں کیا بلکہ اس نے یہ نایاب ہار اپنی نشانی کے طور پر ہمیں دیا تھا اور اس وقت دیا تھا جب دشتِ فرات میں ہم نے اس کی زندگی ایک خطرناک درندے کے منہ سے چھین لی تھیں۔ شہزادی نے ہمیں اپنا محسن ہی نہیں بلکہ کچھ اور سمجھ لیا تھا۔ اس ہار کے بدلے ہم نے بھی اپنی شاہی انگوٹھی پیش کر کے اس کے ساتھ ایک تعلق قائم کیا تھا۔ جیحک خاتون کو ہمارے اور قطر الندیٰ کے تعلق کا علم ہے اسی لیے اس نے ولی عہد سے شہزادی کا رشتہ منظور نہیں کیا مگر ملکہ چاہتی ہے کہ بنی طولون سے دوستی اور قرابت داری قائم ہو۔ اس لیے ہم اسماء قطر الندیٰ کا رشتہ اپنے لیے قبول کرتے ہیں۔"

اس اعلان نے ایوان میں تحیر اور تعجب کی نئی لہر دوڑا دی۔ حارث دشتِ فرات میں ابو عباس اور قطر الندیٰ کے باہمی لگاؤ کا قصہ سن کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ اعیانِ دولت نے بھی معتضد پر استعجاب کی نظر ڈالی جس نے شہزادی سے اپنے تعلق کا اظہار کر کے انھیں حیران کر دیا تھا۔ حالاں کہ وہ یہی سمجھ رہے تھے، قطر الندیٰ اور ولی عہد ابو محمد علی کی جوڑی نہایت موزوں رہے گی۔ خلیفہ نے ان کی آنکھوں کے گوشے سے جھانکتے ہوئے استعجاب کو بھانپ لیا اور بات آگے بڑھائی۔

"دشتِ فرات میں بنتِ خمارویہ نے ہم سے درخواست کی تھی کہ اسے یاد رکھیں اور ہم نے اسے یاد رکھا بلکہ کچھ عرصہ قبل ایک عجیب و غریب رویا بھی دیکھا اور یہ دیکھا کہ بنی طولون کا چاند اپنے آسمان سے ٹوٹ کر ہمارے قدموں میں آگرا ہے۔ شافعیہ کے شیخ ابو جعفر ترمذی نے اس رویا کی تعبیر یہ نکالی تھی کہ بنی طولون سے ہمارا معاملہ درست ہو جائے گا مگر عجیب بات یہ ہوئی، جس رات ہم نے رویا دیکھا اس رات کی صبح کو عریش کا قاصد ابو نصر یاقوت ہمارے دربار میں ایک ایسا پیغام اور ایک ایسا تحفہ لے کر آیا جو دوستی کی بجائے جنگ کا اعلان تھا۔ لوگوں نے کہا ہمارے رویا کی تعبیر الٹ پیش آئی مگر آج حارث مصر سے دوستی کا پیغام اور اس کی ضمانت کے لیے شہزادی قطر الندیٰ کا رشتہ لے کر یا پھر ہمارے خواب کی تعبیر بن کر آیا ہے۔ جیحک خاتون نے "بنی طولون کا چاند" قطر الندیٰ ہی کو قرار دیا تھا اور خواب کی تعبیر یہ نکالی تھی کہ وہ ہمارے عقد میں آجائے گی تبھی اس نے شہزادی سے اپنے بیٹے کا رشتہ نامنظور کر دیا۔ ہمارے رویا کو تعبیر ملتی کی اور ہم نے بنتِ خمارویہ کو اپنے لیے قبول کر لیا ہے۔"

مصری سفیر کے لیے معتضد کا رویا کسی اچنبھے سے کم نہیں تھا مگر دولتِ عباسیہ کے امیروں، مشیروں اور فوجی سرداروں کا رویہ یک لخت بدل گیا اور وہی لوگ جو کچھ دیر پہلے ولی عہد کو "مبارک باد" دے رہے تھے اب رویا کی حسین تعبیر پر خلیفہ کو تحسین و آفرین کہنے لگے۔

وزیرِ سلطنت عبید اللہ اور ابو الحسن قاسم نے یہ نکتہ نکالا کہ دوستی کا معاہدہ خلیفۃ المسلمین معتضد باللہ احمد ابو عباس اور ابو جیش خمارویہ بن احمد بن طولون کے مابین ہو رہا ہے جس کی ضمانت شہزادی قطر الندیٰ ٹھہرائی گئی ہے، لہٰذا بنتِ خمارویہ کا عقد امیر المومنین ہی سے ہونا لازمی ہے۔ اب لوگوں کی توجہ مصری سفیر پر مبذول ہو گئی کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس نے یہ کہا۔

"اعلیٰ حضرت! سلطانِ مصر نے مجھے صرف ولی عہد سے شہزادی کے ازدواج کا

(حاشیہ اگلے صفحے پر)

www.urdukorner.com

اختیار دیا تھا مگر حضور نے لڑکی کو اپنے لیے قبول فرمایا اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے پھر بھی اپنے آقا کی منظوری حاصل کیے بغیر میں اس رشتے کا اعلان نہیں کر سکتا۔"

ولی عہد ابو محمد علی کو اس کا جواب پسند آیا اور خلیفہ نے بھی اس کا عذر قبول کر لیا۔

"ہم تو یہ چاہتے ہیں، خمارویہ کے علاوہ شہزادی قطر الندیٰ کی مرضی بھی معلوم کی جائے ہمارے نزدیک یہ بہت ضروری ہے۔"

اسی اثنا میں معتضد کا غلام شبل جو اتر صافہ کی نگرانی پر مامور تھا مصری قافلے کے محافظ سردار اور حارث کے نائب طغلک کو لے کر ایوان کے دروازے پر نمودار ہوا اور اس کے لیے حاضری کی اجازت طلب کی۔ شبل نے بتایا۔ "مصری قافلے کا ترک سردار طغلک انقطائع سے امیر المومنین کے لیے ایک ضروری خط لے کر آیا اور اصرار کرتا ہے کہ وہ خط حضور کے ہاتھ تک خود پہنچائے گا۔"

خلیفہ نے فوراً حاضری کی اجازت دے دی۔ ترک سردار ایوان میں داخل ہوا تو حارث نے اسے تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک پل کے لیے اپنے امیر وفد کے پاس رکا، سرگوشی کے لہجے میں کچھ کہا پھر اسے حیرت زدہ سا چھوڑ کر آگے بڑھا اور مسندِ خلافت کے پاس پہنچ کر ادب سے جھک گیا۔ معتضد نے پوچھا۔

"کس کا خط لے کر آئے ہو؟"

سردار طغلک بتانے لگا۔ "اعلیٰ حضرت! جب میں اپنے وفد کے قائد حارث ابو ظفر کے ساتھ انقطائع سے روانہ ہونے والا تھا اچانک قصرِ سلطانی کا ایک غلام میرے پاس آیا اور اطلاع دی کہ مجھے اندر طلب کیا گیا ہے۔ میں سمجھا شاید سلطانِ معظم نے کوئی ضروری ہدایت دینے کے لیے یاد فرمایا ہے لیکن غلام مجھے ایک ایسے دروازے کے پاس لے گیا جس کے اطلسی پردے کے پیچھے بنتِ سلطان شہزادی قطر الندیٰ بہ نفسِ نفیس موجود تھیں

(پچھلے صفحے کا حاشیہ)

مؤرخین کے مطابق خمارویہ نے اپنی بیٹی ابو محمد علی ہی کے نکاح میں دینا چاہی تھی مگر خلیفہ معتضد قطر الندیٰ سے خود عقد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مصری سفیر پر زور دیا کہ شہزادی کا عقد اسی سے ہونا چاہیے۔

میں نے شہزادی کی آواز سنی۔

"سردار طغلک! ہم نے بلایا ہے تمہیں اور ایک ضروری خدمت تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔"

پھر بنتِ سلطان نے ایک مہر بند خط میرے حوالے کیا اور کہا۔ "بغداد میں جب تم خلیفۃ المسلمین سے ملو، تو یہ خط انہیں دے دینا لیکن خبردار! ہمارا مراسلہ کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگے۔ تمہیں ہمارا خط اپنے ہی ہاتھ سے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ تک پہنچانا ہوگا اور ہمیں امید ہے، تم ایسا ہی کرو گے۔"

اس تاکید کے ساتھ شہزادی صاحبہ نے مجھے رخصت کر دیا ہم طویل مسافت طے کر کے بغداد میں داخل ہوئے تو یہاں غیر معمولی حالات سے سابقہ پڑا اور سلطانِ معظم کے سفیر کو اتصالہ میں طلب کر لیا گیا جس سے مجھے خیال آیا۔ شاید ہمارا وفد دربارِ خلافت میں پیش نہ ہو سکے اور میں آپ کی حاضری سے محروم رہ جاؤں اس لیے سردار شبل سے درخواست کی کہ مجھے اسی وقت اعلیٰ حضرت کے حضور پیش کر دیا جائے تاکہ جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے اسے آپ تک پہنچا دوں۔"

اس تمہید کے بعد جو بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز تھی۔ ترک سردار نے اپنے لبادے سے ایک مہر بند مراسلہ نکالا اور آگے بڑھ کر خلیفہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایوان میں شہزادی قطر الندیٰ ہی کا معاملہ زیرِ بحث تھا لوگ اس کے لگاؤ کی روداد اور معتضد ابو عباس کے سودا کی تعبیر سن چکے تھے۔ سردار طغلک جو خط لے کر آیا۔ اس نے ایک نئی دلچسپی، ایک نئی سنسنی پیدا کر دی۔ کوئی نہیں جانتا تھا، اس موقع پر جب سلطان خمارویہ نے بیٹی کو ولی عہد سے منسوب کر دیا تھا، شہزادی کے خط کا مضمون کیا ہوگا۔

اتنی دیر میں خلیفہ نے مہر توڑ کر خط کا مطالعہ کیا اور وزیرِ سلطنت عبید اللہ کی طرف بڑھا دیا کہ حاضرین کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ یہ ایک اور طرفہ بات ہوئی تھی عبید اللہ اونچی آواز میں تاکہ سب لوگ سن لیں، خط پڑھنے لگا۔ شہزادی نے لکھا تھا۔

"ابو عباس! ہم اکثر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ امید ہے آپ بھی ہمیں بھولے نہیں ہوں گے۔ جب سے آپ نے تختِ خلافت پر جلوس فرمایا ہے ہم عروس البلاد بغداد کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ پچھلے دنوں ہم شام اور

www.urdukorner.com

فلسطین کے کئی شہروں سے گزرے اور القطائع پہنچے تو پتا چلا کہ تاریخ کی نظریں شمالی افریقہ کا بغور جائزہ لے رہی ہیں جہاں بربر قبائل نے مہدی کی حمایت میں اپنے پرچم اٹھا لیے ہیں جب کہ وہ خود ابھی پردۂ اخفا میں ہے۔ ہم نے سلطانِ معظم کو مشورہ دیا وہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ ابوجعفر اس مشورے پر بہت حیران ہوئے مگر ہم نے انھیں یقین دلایا کہ آپ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ تھام لیں گے چنانچہ ہماری درخواست پر سلطانِ معظم "دوستی کا سفیر" آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔

ابوعباس: ہم چاہتے ہیں آپ بنی طولون سے دوستی کر لیں اور دوستی کی شرط ہمیں ٹھہرائیں۔ یہ شرط سن کر سلطان ہماری مرضی ضرور دریافت کریں گے اور ہم کہہ دیں گے کہ علی حضرت جو کچھ چاہتے ہیں، وہی کیا جائے اس طرح ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی کہ ہم آپ کی حرم ہیں اور مصر و عراق کے درمیان قرابت کا رشتہ قائم ہو جائے بنی طولون اور بنی عباس میں دشمنی کی رات ختم ہو جائے گی اور دوستی کا نیا دن طلوع ہو گا۔ قانونِ قدرت کے مطابق۔ لِکُلِّ لَیْلٍ نَهَارٌ (ہر رات کے لیے دن ہے)

ہم اس خط پر اس انگوٹھی کی مہر ثبت کر رہے ہیں جو آپ نے دشتِ فرات میں ہمیں اپنی محبت کا تحفہ سمجھ کر پیش کی تھی۔

مع السلام

مشتاق دید

(اسماء قطر الندیٰ)

خط کے نیچے جہاں "اسماء قطر الندیٰ" کے دستخط تھے وہاں احمد ابوعباس کے نام کی مہر بھی ثبت تھی۔ یہی نام اس انگوٹھی پر کندہ تھا جو دشتِ فرات میں قطر الندیٰ کو دی گئی تھی۔ خط کی تحریر نے اسماء قطر الندیٰ اور معتضد ابوعباس کے باہمی لگاؤ کی تصدیق کر دی۔ یہ بات مزید دلچسپی کا باعث تھی کہ شہزادی نے ابوجعفر خمارویہ کو خلیفہ سے دوستی کرنے کا مشورہ دیا اور خط لکھ کر معتضد سے درخواست کی کہ "دوستی کی شرط" اسے

ٹھہرایا جائے تاکہ وہ اس کی حرم بن سکے۔

شہزادی کا خیال تھا جب اسے "دوستی کی شرط" ٹھہرایا جائے گا، تو خمارویہ اس کی مرضی معلوم کرے گا اور وہ "ہاں" کہہ دے گی۔ لیکن ہوا یہ تھا کہ باپ نے بیٹی کی مرضی دریافت کیے بغیر ہی اسے "دوستی کی ضمانت" قرار دے دیا اور عباسی ولی عہد کے ساتھ اس کے ازدواج کی پیش کش کر دی تھی جس کا اختیار حارث کو دیا گیا تھا لیکن شہزادی کو معاملے کی اس نوعیت کا علم نہیں تھا نہ وہ جانتی تھی کہ باپ نے اس کے مشورے کی کیا قیمت لگائی ہے۔

خط کا مضمون معتضد کے حق میں تھا۔ اب وہ پورے رعب اور جلال اور تحکم کے لہجے میں سفیر سے مخاطب ہوا۔ "حارث! ہم نے تمھیں اجازت دی تھی کہ شہزادی سے ہمارے عقد کے لیے خمارویہ کی منظوری حاصل کر لو بلکہ قطر الندیٰ کی مرضی بھی معلوم کر لو کہ وہ کیا کہتی ہے اور جو کچھ وہ کہتی یا چاہتی ہے، شہزادی کا خط اس کی تحریری شہادت پیش کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک اب خمارویہ سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں۔ ہم شہزادی قطر الندیٰ کو "دوستی کی شرط" قرار دیتے ہیں اور اب دوستی کا معاہدہ اسی صورت میں لکھا جائے گا جب خمارویہ اپنی بیٹی سے ہمارا عقد منظور کرے گا۔"

حارث یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ "اعلیٰ حضرت! دوستی کے معاہدے کی تمام شرطیں طے ہو چکی ہیں، اس کی تحریر کو التوا میں نہ ڈالیے میں یقین دلاتا ہوں، حضور کی نئی شرط بھی پوری کر دی جائے گی۔"

"ہم معاہدے سے انکار نہیں کر سکتے۔" معتضد نے اسی بدلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "تین لاکھ دینار سالانہ خراج کے عوض ہم نے تیس سال کے لیے طولونی حکومت کی منظوری دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ خراج کی رقم اور منظوری کی مدت وہی رہے گی جو ہم طے کر چکے ہیں صرف معاہدے کی بنیاد تبدیل ہو گئی ہے اب "دوستی کی شرط" قطر الندیٰ ہے اور دوستی کا معاہدہ بھی بغداد کی بجائے القطائع میں لکھا جائے گا جس پر پہلے خمارویہ کے دستخط ہوں گے اور اس کے بعد ہماری طرف سے ابوالحسن قاسم بن عبداللہ دستخط کریں گے جو تمھارے ساتھ مصر جائیں گے۔"

حارث چاہتا تھا معاہدہ بغداد میں لکھا جائے اور خلیفہ اس کی منظوری دے دے

www.urdukorner.com

تاکہ جب وہ القطائع واپس جائے تو کامیابی کی دستاویز ہاتھ میں ہو اور اپنے آقا شیبان سے کہہ سکے کہ جو فرض اس کے سپرد کیا گیا تھا، اسے پورا کر کے لوٹا اور منہ مانگے انعام کا حق دار ہے۔ جس کا روانگی سے قبل وعدہ کیا گیا تھا۔ اگر معتضد قطر الندیٰ کو "دوستی کی شرط" قرار دے رہا تھا تو حارث بھی نجم اللیل کو حاصل کرنے کے لیے کامیابی کی سند ضروری سمجھتا تھا۔ بڑی نیاز مندی مگر بے چینی سے کہنے لگا۔ "اعلیٰ حضرت! آپ علی نسب اور وسیع القلب ہیں اور غلام یہ تمنا لے کر آیا تھا کہ آپ کے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ میری گزارش ہے کہ دوستی کا معاہدہ بغداد ہی میں رقم ہو۔"

"مگر ہماری شرطِ دوستی؟"

"میں سلطانِ معظم ابو جیش خمارویہ کی طرف سے آپ کی شرط منظور کرتا اور یہ ضمانت دیتا ہوں کہ ابو جیش کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

غالباً اس نے سوچ لیا تھا جب قطر الندیٰ معتضد ابو عباس سے لگاؤ رکھتی، اس کی حرم بننا چاہتی اور خود کو "دوستی کی شرط" قرار دیتی ہے تو خمارویہ اس شرط سے انکار کیوں کرنے لگا۔ جو ہر قیمت پر عباسیہ کی دوستی اور طولونی حکومت کی منظوری چاہتا تھا مگر اس نے معاہدے پر خلیفہ کے دستخط کرانے کے لیے ایک نکتہ نکالا۔

"میری دوسری گزارش یہ ہے کہ معاہدے کی شرط بنت سلطان سے اعلیٰ حضرت کی مناکحت قرار پائی ہے۔ لہٰذا معاہدے پر آپ کے دستخط پہلے ہوں گے۔ القطائع میں جب ابو جیش دستخط کریں گے، تو آپ کے خاص ایلچی کی حیثیت سے ابو الحسن قاسم بن عبداللہ وہاں موجود ہوں گے۔"

دوستی کے معاہدے نے ایک قسم کے نکاح نامے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وزیر عبیداللہ بن سلیمان نے حارث کی بات سمجھی اور اس کی تائید کی۔ معتضد نے اعلان کیا۔ "ابو الحسن قاسم اور حارث ابو ظفر مل کر معاہدے کا مسودہ تیار کریں۔ ہم اس پر دستخط کر دیں گے۔"

پھر اس نے عبیداللہ بن سلیمان کو ہدایت کی کہ مصری سفیر حارث اور اس کا نائب سردار طفنگ حکومت کے خاص مہمان ہوں گے۔ ان کے قیام اور آرام کا خاص خیال رکھا جائے اور مصری وفد کے دوسرے ارکان محافظ سواروں اور ساربانوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا جائے۔

اس کے ساتھ ہی معتضد مسند سے اٹھا اور اجلاس ختم ہو گیا۔ حارث ابو ظفر کی خلیفہ سے پہلی ملاقات کامیاب رہی تھی اور اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

☆

بعض واقعات بالکل خلافِ توقع رونما ہوتے اور گرد و پیش پر گہرا اثر چھوڑتے بلکہ حالات کا رُخ بدل دیتے ہیں۔

مصری سفیر کی غیر متوقع آمد بھی ایک ایسا ہی واقعہ تھا۔ عریش سے آنے والے تحفے اور پیغام کے بعد لوگ سوچ رہے تھے، اب لشکرِ خلافت عنقریب مصر پر چڑھائی کر دے گا مگر حارث کے آتے ہی صورتِ حال یک لخت تبدیل ہو گئی اور اہلِ بغداد یہ خبر سن کر حیران رہ گئے کہ ابو نصر یاقوت، شہزادہ شیبان یا طولونی حکومت کا قاصد نہیں تھا، پھر وہ کس کا ایلچی بن کر آیا تھا؟

بغداد کے لوگوں کو جو عجیب و غریب خبروں کی ٹوہ میں رہتے اور نت نئے اشغلے چھوڑنے کے عادی تھے۔ اب ابو نصر یاقوت کا اشغلا ہاتھ آ گیا اور وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرنے لگے کہ اسے مصری حکومت نے نہیں بھیجا تھا۔ بغداد کے کوچوں، بازاروں، گلیوں محلوں میں اسی بات کا چرچا ہونے لگا اور ہر شخص کی زبان پر ایک ہی لفظ تھا۔

"اُعْجُوْبَۃٌ" (یہ تو ایک انوکھی بات ہے)

لیکن اس سے بھی ایک انوکھی بات یہ ہوئی تھی کہ خلیفہ معتضد نے تین لاکھ دینار سالانہ کے عوض تیس برس کے لیے مصر و شام پر بنی طولون کا اختیار تسلیم کر لیا، گویا دشمن سے دوستی کر لی تھی اور اس سے بڑا عجوبہ بلکہ طرفہ تماشا جو لوگوں نے سنا یہ تھا کہ سلطان خمارویہ نے اپنی بیٹی قطر الندیٰ کو ولی عہد ابو محمد علی کی زوجیت میں دینے کی پیش کش لیکن خلیفہ معتضد نے "طولونی عذرا" کو اپنے لیے پسند کر لیا اور بنی طولون کے ساتھ دوستی کی شرط ہی یہ رکھی کہ شہزادی قطر الندیٰ اس کے حبالۂ نکاح میں دی جائے۔

ایک نوجوان عراقی نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "خیر یہ بات ہے تو انوکھی کہ جو لڑکی ولی عہد سے منسوب کی جا رہی تھی، اسے خلیفہ اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے

MIAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048659
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

لیکن آئی انوکھی بھی نہیں کہ معتضد پر اعتراض کیا جائے۔"

کسی بوڑھے نے انگلی اٹھائی۔ "اعتراض کیوں نہ کیا جائے صاحب زادے!"

اب نوجوان اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔ "اگر قطر الندیٰ سولہ برس کی حسین دوشیزہ ہے تو معتضد ابو عباس بھی چالیس برس کا جوان، انتہائی خوب صورت اور شجاع مرد ہے۔"

اسی بوڑھے نے جسے غالباً یہ قلق تھا کہ کنواری شہزادی کی نسبت نوجوان ولی عہد سے کیوں نہیں ہونے دی گئی۔ معتضد کی جوانی پر فقرہ کسا۔ "اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ وَحُبُّكَ الْعَذْرَاءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ" (جوانی دیوانی ہوتی ہے اور کنواری لڑکی کی محبت آدمی کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے)

بوڑھے کی بات سن کر پورا مجمع چونک اٹھا اور اس نے اعتراض کا نیا پہلو نکالا۔ "یہ بنی طولون کی حسین باکرہ کی اندھی بہری محبت کا جادو نہیں تو اور کیا ہے کہ خلیفہ نے تیس سال کے لیے مصر و شام کی آزادی اور علاحدگی کا پٹا لکھ دیا اور طولونی حکومت کو تسلیم کر لیا کیا ہماری تلواریں اتنی کند ہو چکی ہیں کہ اب وہ باغیوں کے خلاف نہیں اٹھ سکتیں؟"

لوگوں نے یہ خبر سنی تھی یا نہیں کہ ان کی ابکی دل چسپی کا معاملہ دشت فرات ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر انھیں تو صرف "دوستی کی شرط" سے غرض تھی جس کے نتیجے میں خمارویہ اور اس کے طولونی جانشینوں کی حکومت تیس سال کے لیے تسلیم کی جا رہی تھی۔ بوڑھے نے اس معاملے کو جس رنگ میں پیش کیا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ خلیفہ معتضد نے محض قطر الندیٰ کی خاطر مصر و شام کی علاحدگی قبول کر لی ہے، گویا بنت خمارویہ مصر و شام سے کوئی زیادہ گراں قدر اور قیمتی شے تھی۔

بوڑھے کے سوال نے مجمع میں ایک نئے تحیر کی لہر دوڑا دی۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ موفق طلحہ کے دور میں بنی طولون سے جنگیں لڑی گئیں تاکہ تفریق کی لکیر مٹا دی جائے اور معتضد ابو عباس کے عہد خلافت میں طولونیوں کے خلاف تلوار کا لوہا آزمانے کی بجائے ان کی ریاست اور حکومت کو تسلیم کیا جا رہا تھا اور کس قیمت پر تسلیم کیا جا رہا تھا؟

بوڑھے نے یہی سوال اٹھایا تھا اس کے نزدیک طولونی عذرا، قطر الندیٰ ہی نئی ریاست کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ معاملہ اگرچہ بڑا ٹیڑھا معلوم ہوتا تھا لیکن کسی نے بھی اس کا سیدھا جواب نہیں دیا جیسا کہ لوگ چاہتے تھے۔ اچانک ایک قصہ گو نے جو سر بازار داستان گوئی پر پابندی لگنے سے بیکار ہو گیا اور دل ہی دل میں جلا بیٹھا تھا ایک نیا اشغلا چھوڑ دیا۔ "میں نے تو سنا ہے معتضد اور قطر الندیٰ کے ازدواج کی راہ جیجک خاتون نے ہموار کی تھی اور اس میں بھی ایک گہری چال ہے۔"

"گہری چال" کے الفاظ سن کر لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے اور جسموں میں سنسناہٹ سی گزرنے لگی کہ نجانے وہ "گہری چال" کیا ہے؟ قصہ گو خود ہی بتانے لگا۔ "جیجک خاتون کی چال یہ ہے کہ قطر الندیٰ کو معتضد کی حرم بنا کر دریرہ کا کانٹا نکال دیا جائے۔ نوخیز طولونی دوشیزہ کے حسن پر فریفتہ ہو کر وہ دریرہ کو بھول جائے گا جو بحیرہ کے محل میں رہتی اور تمام حرموں کی چھاتی پر مونگ دلتی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ معتضد آئے دن بحیرہ[1] میں کیا لینے جاتا ہے جناب! ساٹھ ہزار سونے کے دینار خرچ کر کے وہاں دریرہ کے لیے ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی گئی ہے اور ابو عباس کی اکثر راتیں وہیں بسر ہوتی ہیں۔"

سب لوگ جانتے تھے کہ بحیرہ میں ایک عالی شان اور حسین قصر تعمیر کرایا گیا ہے اور معتضد ابو عباس اکثر وہاں جاتا ہے۔ قصہ گو کی بات سن کر انھوں نے سر ہلائے۔ دو تین سے ایک دوسرے کو اشارے کیے کہ بات واقعی بڑے پتے کی ہے۔ عورتوں میں رقابت اور حسد کی آگ تو ہوتی ہے۔ قصہ گو کے نزدیک جیجک خاتون نے دریرہ کے خلاف ایک گہری چال کھیلی تھی۔ یقیناً دوسری حرموں نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کر لیا ہوگا۔ ایک شخص بولا۔

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب دریرہ کے حسن کا جادو نہیں چل سکے گا۔"

قصہ گو نے مشہور شاعر ابن بسام کے شعر پڑھے جو اس نے معتضد ابو عباس اور دریرہ کے تعلق پر کہے تھے۔ شعر ایسے تھے کہ صرف خاص خاص اور بھروسے کے لوگوں

---

[1] خلیفہ معتضد نے ساٹھ ہزار دینار کی لاگت سے اپنی محبوبہ کے لیے بحیرہ میں ایک خوب صورت قصر بنوایا تھا جہاں حسین دریرہ کے ساتھ خلوت ہوتی تھی اور بھی کئی حسین کنیزیں وہاں رہتی اور خلیفہ کا دل بہلاتی تھیں۔

(بحوالہ تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی)

www.urdukorner.com

میں پڑھے اور سنے جاتے تھے۔

قَدْ تَرَكَ النَّاسُ بُحَيْرَه وَتُخَلِّي فِي الْبُحَيْرَه

(لوگوں نے بحیرہ چھوڑ دیا اب خلیفہ وہاں خلوت میں بیٹھتا ہے)

قصہ گو نے دوسرا شعر ذرا دبا کر پڑھا، جس کا قافیہ "دریرہ" تھا اور سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ شاعر نے دریرہ کی نسبت سے بڑا فحش مضمون باندھا تھا۔ وہی شخص جس نے "حسن کے جادو" کا ذکر کیا تھا۔ قصہ گو کو سمجھانے لگا۔ "میرا مشورہ مانو تو پھر کسی مجمع میں یہ شعر نہ پڑھنا کسی مخبر نے تمھیں شعر پڑھتے ہوئے سن لیا تو ابن بسام کے ساتھ تمھاری بھی خیر نہیں ہوگی۔"

شعر معتضد ابو عباس کے خلاف لکھے گئے تھے جو قلیل الرحم مشہور تھا اور اگر کسی سے ناراض ہوتا تو اسے زمین میں زندہ گڑوا دیتا تھا۔ قصہ گو نے مشورہ سن کر تجسس سے ادھر اُدھر دیکھا۔ حاضرین پر توجہ کی نظر ڈالی اور جب یہ اطمینان کر لیا کہ سب بھروسے کے آدمی ہیں اور کسی پر "سرکاری مخبر" کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تو بے خوفی سے بولا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو، میں خلیفہ سے ڈرتا ہوں؟ نہیں جناب! بلکہ میں تو ابن بسام سے مل کر کہوں گا وہ دریرہ کو چھوڑ کر اب "طولونی عذرا" اسماء قطر الندیٰ کے حسن کی تعریف میں کوئی قصیدہ لکھے۔ واللہ، کیا حسین کنیت ہے قطر الندیٰ..... قطرۂ شبنم، اب دریرہ کا قصہ تو ختم سمجھو۔"

"اگر ابن بسام نے قطر الندیٰ کی تعریف میں قصیدہ لکھا، تو دریرہ پر شعر لکھنے کی خطا شاید معاف ہو جائے۔"

۱۔ ابن حمدون ندیم نے اپنی کتاب میں ابن بسام کے وہ اشعار نقل کیے ہیں جو معتضد اور دریرہ کے تعلق پر لکھے گئے تھے۔ شروع شروع میں یہ شعر خلیفہ تک نہ پہنچ سکے مگر علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ جب ابن بسام کے اشعار خلیفہ نے سن لیے اس نے بحیرہ کا قصر ویران کر دیا۔ دریرہ بھی کچھ عرصے بعد اسی صدمے سے چل بسی جس پر معتضد بہت رویا اور دریرہ کی موت پر ایک مرثیہ لکھا۔ (تاریخ الخلفا)

بوڑھے کو جس نے بنت خمارویہ کے لیے "دوستی کی شرط" کو جوانی کی دیوانگی سے تعبیر کیا تھا اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ جیوک خاتون نے دریرہ کے خلاف کوئی چال چلی ہے یا نہیں۔ شاید اس نے کسی مقصد ہی کے تحت قطر الندیٰ سے اپنے بیٹے کی نسبت منظور نہیں کی تھی۔ بوڑھے کا ذہن تو صرف ایک ہی نقطے، ایک ہی محور پر گھوم رہا تھا کہ خلیفہ نے نوخیز طولونی شہزادی کی خاطر مصر اور شام کی آزادی تک قبول کر لی ہے۔ کہنے لگا۔

"اب تو شاید خراسان سے بھی کوئی لڑکی آئے اور آزاد و خود مختار خراسان کے لیے دستاویز لکھی جائے۔"

ایک اُدھیڑ عمر آدمی نے جو ابھی تک خاموش تھا، بوڑھے کی بات مسترد کر دی اور معاملے کی بالکل ہی نئی صورت بیان کی۔ "تم کہتے ہو مصر و شام الگ ہو گئے لیکن میں کہتا ہوں، قطر الندیٰ کے ذریعے مصر کے ساتھ ایک نیا تعلق قائم ہوگا۔ میں تو بنت خمارویہ کو اتحاد کی علامت سمجھتا ہوں۔ جو لڑکی دو خاندانوں کو، مسلمانوں کے دو ناراض گروہوں کو باہم ملا دے وہ مبارک ہے۔"

یہ کہہ کر اُدھیڑ عمر آدمی مجمع سے نکلا اور درب البان (دودھ بیچنے والوں کے پھاٹک) کی جانب ہو لیا۔ کوئی بھی اُس کی بات کو جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکا۔ لوگ اُسے جاتے دیکھتے رہے پھر گہری سوچوں میں کھو گئے۔ یہ تو قاعدے اور اصول کی بات تھی کہ جب دو خاندانوں میں رشتے داری ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے قریب آ جاتے اور اُن کے دل ایک ہی مرکز میں دھڑکنے لگتے ہیں۔ ماضی میں بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان جنگیں لڑی گئی تھیں۔ نیزوں سے نیزے اُلجھے تھے، تلواروں سے تلواریں ٹکرائی تھیں اور نتیجے میں مسلمانوں کا خون بہا تھا مگر اب اُن سے دوستی کا معاہدہ ہو رہا تھا۔ قطر الندیٰ "شرط دوستی" قرار پائی تھی اور وہ دوستی اور اتحاد کی علامت بن رہی تھی۔

یہ اُس معاہدے کا بالکل نیا گوشہ اور نیا زاویہ تھا جس پر لوگوں نے توجہ نہیں دی تھی اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ شمالی افریقہ میں حالات کی رفتار بدل گئی اور وہاں ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے جو آگے چل کر ایشیا کے حالات پر اثر انداز ہونے والی تھی۔ خلیفہ معتضد کی فراست نے بنی طولون سے دوستی اس لیے ضروری سمجھی کہ مصر کہیں افریقی آندھیوں کی لپیٹ میں نہ آ جائے

www.urdukorner.com

اور نہ ان آندھیوں میں شریک ہو سکے جو شاید مشرق کے اُفق کو بھی گرد آلود کر دیں۔

★

مصری وفد کو بغداد آئے پانچواں دن تھا۔ ان ایام میں ارکانِ وفد نے اہم مقامات دیکھے اور شاہی بجرے پر دریائے دجلہ کی سیر کی۔ بغداد دو حصوں میں بٹا ہوا شہر تھا جہاں ہزاروں دل چسپیاں تھیں۔ قبل ازیں یہ ایک ساسانی گاؤں تھا۔ عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے ۱۴۶ھ میں اس کا سنگِ بنیاد رکھا پھر کوفہ کو چھوڑ کر اسی شہر میں آ گیا جسے مدینۃ السلام قرار دیا۔ شہر کے گرد تین فصیلیں تھیں۔ پہلی فصیل سے باہر ایک خندق تھی۔ جنوب مشرق میں باب الکوفہ، جنوب مغرب میں باب البصرہ، شمال مشرق میں باب خراسان اور شمال مغرب میں باب الشام تھا۔ اندرونی فصیل میں متعدد دروازے تھے۔

تھوڑے ہی عرصے میں بغداد نے جس ترقی کی کہ اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور ایک الف لیلوی شہر بن گیا۔ اس کے محلات اور قصر و ایوان دیکھ کر چشمِ انسانی حیران رہ جاتی تھی۔ باب الذہب سونے کا محل تھا، امین کا قصر الخلد، مکہ زبیدہ کا قصر القرار، قصر ابیض یحییٰ برمکی کا قصر الطیبین۔ علاوہ ازیں دجلہ کے ساحلوں پر متعدد عالی شان قصر تھے۔ قصرِ خلافت بجائے خود ایک عظیم عمارت تھی۔ بے شمار مساجد تھیں۔ جامع المنصور اور جامع الرصافہ بہت وسیع اور فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔ آئمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مزار بھی بغداد میں تھے جب کہ امام مالکؒ مدینہ میں اور امام شافعیؒ فسطاط (مصر) میں مدفون ہوئے۔ دریائے دجلہ کا ایک پل مزار احمد بن حنبل کے قریب سے مشرقی ساحل پر جاتا تھا۔ پھر نظامیہ اور مستنصریہ کی عالی شان درس گاہیں تھیں جو خلیفہ ہارون الرشید اور مامون نے تعمیر کرائیں۔

لہ یعقوبی نے کتاب البلدان میں بغداد کو "عطیۂ خدا" قرار دیا ہے۔ بلاذری بھی فتوح البلدان میں یہی لکھتا ہے۔ بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اس ساسانی گاؤں میں خوش نما باغات تھے اور نوشیروان نے یہاں مظلوموں کی دادرسی کی تھی اس لیے قصبے کا نام "باغ داد" پڑ گیا جو عباسی دور میں بغداد کہلایا۔ عربیت کے باوجود بغداد پر ساسانی اثرات ہمیشہ غالب رہے (قمر احناوی)

اور جن کے برج قابلِ دید تھے۔

سیر بغداد کے علاوہ الرصافہ، قصر معتمد اور قصر ابیض (سفید قصر) میں دی جانے والی ضیافتیں مصری وفد کے لیے بڑی پُرکشش تھیں جن میں عباسیہ کے اعیانِ دولت امراء اور قبائل کے شیوخ نے شرکت کی اور یہ ضیافتیں مصری وفد کی غیر معمولی پذیرائی کی مظہر تھیں۔

اس عرصے میں ابوالحسن قاسم بن عبداللہ اور حارث ابوظفر نے دوستی کا معاہدہ تیار کر لیا تھا جس کا مسودہ وزیرِ سلطنت عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کی منظوری کے بعد خلیفہ معتضد باللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ معتضد نے معاہدے پر دستخط کر دیے تھے۔ حارث ابوظفر نے بھی دستخط کیے لیکن مصر کے سلطان اور شہزادی قطر الندیٰ کے والد کی حیثیت سے معاہدے پر خمارویہ کے دستخط ضروری تھے اور ان کے بعد ہی یہ معاہدہ فریقین کے لیے قابلِ قبول سمجھا جاتا پھر بھی حارث اس قدر خوش تھا جیسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا معرکہ جیت لیا ہو جو مقصد لے کر آیا تھا حاصل ہو گیا جو تمنا کی تھی پوری ہو گئی اور اسے یقین تھا جب وہ دوستی کی دستاویز اپنے ہاتھ میں لے کر واپس جائے گا ابوجیش خمارویہ اس کا ممنون ہو گا جس کے لیے اس نے "سلطان" کا لقب تسلیم کرا لیا تھا۔

ابوجیش خمارویہ اگرچہ "سلطان" ہی کہلاتا تھا مگر طولونی حکومت کو دنیا کی سب سے بڑی عباسی سلطنت نے پہلی بار تسلیم کیا تھا۔ اب خمارویہ "سلطان" کے لقب کا سیاسی اعزاز حاصل کر چکا تھا اور دولتِ عباسیہ کے ساتھ ہونے والے معاہدۂ دوستی میں اسے سرکاری طور پر "سلطان مصر و شام" کے لقب سے یاد کیا گیا تھا۔ طولونی ریاست کی بنیاد احمد بن طولون نے رکھی تھی اس کی موروثی حیثیت کو حارث ابوظفر نے منوایا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی اور جیسے اس کے آقا شیبان نے وعدہ کیا اور اس نے یہ وعدہ ابوجیش خمارویہ کی طرف سے کیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں اس کا مرتبہ بلند ہو گا اور اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ تو اس نے خود کو ایسے انعام کا مستحق ثابت کر دیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا جس طرح سورج کا ہر صبح مشرق سے طلوع ہونا اور ہر شام مغرب میں غروب ہو جانا گردشِ لیل و نہار کا طبعی اور سلسلہ وار یقینی عمل ہے اسی طرح منہ مانگے انعام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہو گا۔ اب وہ تصور

www.urdukorner.com

کی آنکھ سے شہزادی نجم اللیل کا راستہ دیر اسنہ محلہ سرا کی دیکھنے لگا جہاں یک رات سے داخل ہوتا تھا۔

عراقی قافلوں اور کاروانوں کی طرح چند روزہ قیام کے بعد مصری وفد اگلی صبح بغداد سے روانہ ہونے والا تھا لیکن روانگی سے قبل حارث نے عباسی حکمران سے آخری ملاقات کی درخواست کی تھی جسے خلیفہ معتضد نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ جب سورج مغربی صحرا میں غروب ہو گیا اور شام بغداد نے اپنی سرمئی زلفیں کھول دیں۔ حارث ابن حسافہ کی ڈیوڑھی میں نمودار ہوا۔ نئے داروغہ نے استقبال کیا اور فوراً ہی اسے اوضۃ الصنا قاۃ میں پہنچا دیا جہاں معتضد پہلے سے اس کا منتظر تھا۔

وہ عباسی حکمران کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا جس نے اس کی سفارت کو غیر معمولی عزت اور پذیرائی بخشی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی نیازمندی کا اظہار کیا۔ مصافحہ کے بعد خلیفہ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا اور بڑے ادب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہ ملاقات تنہائی کی تھی جس میں حارث معتضد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فروتنی کا اظہار ضروری تھا اور اس کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان جذبات کا ایک دریا رواں تھا اور گفتگو کا آغاز کرنے کے لیے اس نے ابن حرب کا نام منتخب کر لیا تھا جو خلیفہ معتضد کا باغی مگر اس کی اپنی محبت کے لیے بھی کہیں نہ کہیں خطرہ بن سکتا تھا۔

عجیب بات یہ تھی شہزادی نجم اللیل کی سوڈانی کنیز عنبر نے اور پھر شہزادی نے اسے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ابن حرب اس کا طلب گار نہیں بلکہ ایک سپاہی اور جنگی مرد ہے جسے وہ کسی میدان جنگ میں بھیج دینا چاہتی ہے تاکہ فتوحات حاصل کرے۔ خود حارث کوشش کے باوجود شہزادی سے اس کی دلچسپی یا کسی عاشقانہ راز و رسم کا ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ پھر بھی ابن حرب کا نام کئی بار شہزادی نجم اللیل کے ساتھ سنا گیا تھا۔ یہی بات حارث کے ذہن کو ڈس رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا نام شہزادی کے نام کے ساتھ لیا جائے۔ بس اس کے نام ہی سے رقابت کا زہر اسے محسوس کر رہا تھا۔ اسی زہر کے باعث اندیشے اور خلیفہ معتضد کی خوشنودی کے پیش نظر اس نے ابن حرب کی بات چھیڑ دی۔

"اعلیٰ حضرت! جب ابن حرب بغداد سے فرار ہو کر عریش پہنچا اس وقت کوئی بھی حالات کی صورت سے واقف نہ تھا۔ عربوں کے قدیم دستور کے مطابق اسے مصر میں عارضی پناہ دے دی گئی تھی مگر اب ہمارے درمیان دوستی بلکہ قرابت کا معاہدہ طے پا گیا ہے اور میں ابن حرب کے متعلق حضور کا ارادہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ معاہدۂ دوستی کے بعد مصر آپ کے کسی دشمن کو پناہ نہیں دے سکتا۔" حارث کا خیال تھا خلیفہ اپنے باغی کی گرفتاری یا ہلاکت کا مطالبہ کرے گا جس کے لیے وہ کزلان ترک جیسے بہترین افسر اور پانچ عراقی سواروں سے محروم ہو چکا تھا مگر اس نے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اب ابن حرب ہمارا نہیں طولونی حکومت کا مسئلہ ہے۔" یہ جواب غیر واضح، مبہم بلکہ حارث کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ خلیفہ نے اس کے سامنے ایک مفاد رکھ دیا جس کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا اگر ابن حرب طولونی حکومت کا مسئلہ ہے تو طولونوں کو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے یہ کچھ سوچ کر بولا۔

"طولونوں کو حضور کی خوشنودی منظور ہے۔ آپ جو حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ طولونی آپ کی مرضی کو مقدم سمجھیں گے۔"

ان الفاظ میں اس نے ترغیب دی تھی کہ وہ حکم کرے تو ابن حرب کا کام تمام ہو سکتا ہے۔ معتضد نے اس ترغیب پر توجہ دینے کی بجائے بات کو ایک نیا رنگ دے دیا۔ "تم کہتے ہو ابو نصر یاقوت شہزادہ شیبان یا مصری حکومت کا قاصد نہیں تھا مگر عریش سے جو پیغام ہمیں بھیجا گیا اس کے الفاظ میں ایک طاقت بول رہی ہے۔"

حارث نے فوراً جواب دیا۔ "میرا خیال ہے وہ پیغام ابن حرب نے بھیجا تھا۔"

"نہیں۔" خلیفہ نے اس کا بیان مسترد کر دیا۔ "تمہارا ابن حرب ایسی جرأت نہیں کر سکتا اس کے پیچھے کوئی خفیہ طاقت کام کر رہی ہے۔ جو جلال رقتاں چاہتی ہے۔"

"خفیہ طاقت؟" حارث دم بخود رہ گیا۔

پھر اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔ "اعلیٰ حضرت! مصر میں ایسی کوئی خفیہ طاقت نہیں جو بغداد کے کسی باغی کی پشت پناہی کر سکے۔ آپ حکم دیں تو ابن حرب کو طوق بسلاسل میں جکڑ کر یا اس کا سر نیزے پر چڑھا کر بغداد روانہ کر دیا جائے۔"

حارث نے یہ خوفناک تجویز اگر یہ معتضد کی خوشنودی کے لیے پیش کی لیکن یہ نتیجہ

www.urdukorner.com

عقل کی عیاری یا دل کے نہاں خانے میں چھپ کر بیٹھی ہوئی رقابت تھی جس نے ہمارے دشمن کو راستے سے ہٹانے کا جتن کیا تھا۔ پھر بھی خلیفہ نے اس کی پیش کش پر توجہ نہ دی، نہ یہ وضاحت ضروری سمجھی کہ چند شرطوں کے عوض اس کی ہلاکت اور سبری سے ہاتھ اٹھا چکا ہے۔ حارث کی بات سن کر اس نے نفی میں اپنا ہاتھ ہلایا اور کہا۔

"ہم نے ایک معاملے میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ باغی کا انجام بہرحال قتل ہوتا ہے مگر اب ہم چاہتے ہیں وہ زندہ رہے۔"

حارث نے بڑی حیرت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ تو سمجھا تھا باغی کا سر نیزے پر چڑھانے کی تجویز پیش کر کے وہ عباسی حکمران کی خوشنودی حاصل کر سکے گا لیکن مقتضد اس کی زندگی کا خواہش مند تھا۔ اس نے حارث کے استعجاب میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ "دشت فرات میں ابن حرب ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے شہزادی قطر الندیٰ کو پہچان لیا تھا اور جب وہ تمہارے ہمراہ شام کے علاقے کو لوٹ گئی تو ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہمارے دشمن کی بیٹی ہے ہم دشمن کو یاد رکھیں اور اس کی بیٹی کو بھول جائیں۔ ابن حرب کا خیال تھا ابھی ہمیں خمارویہ سے اپنا حساب بے باق کرنا ہے لیکن اب بنی طولون سے ہمارا معاہدہ ہو گیا اور اسما قطر الندیٰ ہمارے عقد میں آ رہی ہے۔ اس مبارک عقد کی خوشی میں ہم ابن حرب کے قتل سے دوسری بار دست بردار ہوتے اور چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہے اور قطر الندیٰ کو ہماری عروس بنتے دیکھے۔"

خلیفہ کی مرضی جان لینے کے بعد حارث نے بھی فوراً پینترا بدلا۔ "امیر المومنین! یہ تو آپ کی رحمدلی اور بلند ظرفی ہے کہ عقد کی خوشی میں اس کی جان بخشی دی۔ خوشی کے موقع پر لوگ فدیہ دے کر قیدی رہا کراتے ہیں۔ آپ ایک واجب القتل باغی کی جان بخشی کر رہے ہیں۔"

"ہم جانتے ہیں وہ مصر کی جانب اس لیے بھاگا تھا کہ خمارویہ کو اکسا کر ہمارے خلاف میدان جنگ میں لے آئے لیکن ہم اسے اور ہی منظر دکھانا چاہتے ہیں۔"

یہ بات سن کر حارث کچھ بدحواس ہو گیا لیکن مقتضد اس کی بدحواسی کو نہ دیکھ سکا، یا نظر انداز کر گیا اور کہنے لگا۔ "ہم اسے قطر الندیٰ کی رخصتی کا منظر دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارا دشمن اپنی بیٹی کو ہماری عروس بنا کر بغداد کی طرف روانہ کر رہا ہے۔ اس منظر سے ابن حرب کے دل کو ایک دھچکا لگے گا کہ وہ خمارویہ کو ہمارے خلاف استعمال نہ کر سکا۔ گرزی کا سر نیزے پر چڑھا دیا جائے تو وہ نہ کچھ دیکھ سکتا ہے، نہ کچھ سن سکتا ہے، نہ کچھ محسوس کر سکتا ہے لیکن ابن حرب زندہ رہ کر کچھ دیکھے گا، کچھ سنے گا، کچھ محسوس کرے گا۔"

حارث پر ایک سکتہ گزر گیا۔ ابن حرب نے خمارویہ کو عباسی حکمران کے خلاف اکسانے کی پوری کوشش کی مگر خمارویہ نے بغداد پر چڑھائی کی تجویز مسترد کر کے خلیفہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ مقتضد کو کسی بھی ذریعے سے اس واقعے کی اطلاع نہ ہو سکتی تھی پھر بھی اس نے خود ایک ایسی بات کا ادراک کر لیا تھا جو حارث نے اس سے پوشیدہ رکھی تھی۔ فوراً اس کی تائید ضروری سمجھی اور کہنے لگا۔

"آپ کا خیال درست ہے اعلیٰ حضرت! ابن حرب کو شہزادی قطر الندیٰ کی رخصتی کا منظر دیکھنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ رخصتی کا منظر اس کے لیے کسی سزا سے کم نہ ہوگا۔"

"اسی لیے ہم نے کہا تھا۔ اب وہ ہمارا نہیں طولونی حکومت کا مسئلہ ہے۔" پھر اس نے اپنا لہجہ یک لخت تبدیل کر لیا اور بدلی ہوئی آواز اور بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ ....

"ہماری طرف سے ابن حرب کو اس وقت تک مہلت ہے جب تک وہ ہمارے خلاف تلوار نہیں اٹھاتا، کسی دشمن کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ نہیں کرتا، ہمارے قافلوں کو نہیں روکتا اور ہمارے کسی علاقے کو تاراج نہیں کرتا۔"

حارث سمجھ گیا کہ ابن حرب کی جان بخشی اگرچہ مشروط ہے۔ لیکن اس کے بارے میں عباسی حکمران کی رائے بدل چکی ہے اور وہ اپنے باغی کو اس لیے زندہ رکھنا چاہتا ہے کہ وہ اس کے حاکمانہ جاہ و جلال اور اپنے ارادوں کی شکست کا نظارہ کر سکے۔

حارث نے ابن حرب کے خلاف خلیفہ کے سامنے جو چال رکھی تھی وہ ناکام ہو گئی اب اسے رقیب کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے خود ہی کوئی ترکیب سوچنا تھی۔ اس کے ساتھ ابن حرب کے متعلق گفتگو بھی ختم ہو گئی۔

مقتضد نے اپنی قبا کی جیب سے اطلس کا ایک چھوٹا سا بٹوا (صرّہ) نکالا اور اس کا منہ کھول کر الٹا تو ایک ہی ساخت اور ایک ہی وزن کے دو قیمتی ہیرے اس کی ہتھیلی پر جھلمل جھلمل کرنے لگے پھر ہتھیلی حارث کے سامنے کر دی۔ "یہ دنیا کے نایاب ہیرے ہیں۔ ہماری طرف سے قطر الندیٰ کے لیے لے جاؤ۔ وہ جوہر شناس ہے اور یہ ہیرے اس

www.urdukorner.com

کے کانوں میں جھومتے اچھے لگیں گے۔"

حارث نے ہیرے کی تعریف کی اور کہا "اعلیٰ حضرت! آپ نے بھی بی حوران کو سب سے قیمتی اور سب سے بہترین ہیرا پسند کیا ہے۔"

معتضد نے دونوں ہیرے ریشمی تھیلی میں ڈال دیے اور تھیلی حارث کے حوالے کر دی مگر اس سے پہلے کہ ملاقات ختم ہوتی، حارث نے ایک نئی درخواست کر کے اسے چونکا دیا۔ "اعلیٰ حضرت! جس طرح تیل کے بغیر چراغ نہیں جلتا، اسی طرح سلطان خمارویہ اپنے بھائی شیبان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ سفارت کے لیے مجھے آقا شیبان ہی نے نامزد کیا تھا اور جب میں مصر واپس جاؤں گا، میری کامیاب واپسی کی سب سے زیادہ خوشی بھی انھی کو ہوگی کیوں کہ وہ خلیفۃ المسلمین سے دوستی کے خواہاں تھے اور میں ان کے لیے آپ کی محبت کا خواہش مند ہوں۔"

معتضد نے حارث کی بات توجہ سے سنی اور مسکرا کر جواب دیا۔ "ہم جانتے ہیں شہزادہ شیبان خمارویہ کے چراغ میں جلنے والا تیل ہے اور تلوار اسی بھی اپنے بھائی شیبان کو تمام بھائیوں سے زیادہ عزیز رکھتی ہے اس لیے شیبان ہمیں بھی عزیز ہوگا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی معتضد مسند سے اٹھا اور ملاقات ختم ہوگئی۔

★

دوسرے روز جب مصری قافلہ بغداد سے روانہ ہوا اس کی سواریوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ سارے اونٹ جو مصر سے تحائف لے کر آئے تھے، اب عراقی تحائف سے لدے پھندے واپس جا رہے تھے بلکہ قافلے میں مزید اونٹ اور عراقی ساربان بھی شامل ہو گئے تھے۔ خلیفہ معتضد نے سلطان ابوجیش خمارویہ اور شہزادہ شیبان کے علاوہ ان کے پندرہ بھائیوں کے لیے بھی تحائف بھجوائے تھے اور ان میں سولہ طولونی شہزادیوں کا بھی حصہ رکھا تھا۔

اونٹوں کے ساتھ قافلے میں گھوڑوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔ دولتِ عباسیہ کا نمائندہ ابوالحسن قاسم بن عبداللہ اپنے وفد اور محافظ سواروں سمیت مصری سفیر کے ہمراہ جا رہا تھا، جہاں اسے سلطان خمارویہ ابوجیش کی طرف سے خلیفہ معتضد اور اسماء قطر ندی

کے رشتۂ ازدواج کی منظوری کے بعد معاہدے پر گواہ کی حیثیت سے دستخطوں کے علاوہ شہزادی کی رخصتی کے بارے میں دیگر امور طے کرنا تھے۔ اس طرح مصر کی جانب جانے والے قافلے کی تعداد دگنی ہو گئی اور اس نے ایک بڑے کارواں کی شکل اختیار کر لی تھی۔

بے شمار لوگ اس کی روانگی کا منظر دیکھنے کے لیے دارالامارۃ کے اردگرد جمع ہو گئے اور حسبِ معمول چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ آج تک کسی ریاست کو مصر کی طرف بھی دارالخلافت سے اتنا بڑا قافلہ روانہ نہیں ہوا تھا جتنا بڑا قافلہ مصر جا رہا تھا۔ خلیفہ معتضد باللہ نے سلطان خمارویہ کو اتنے تحائف ارسال کیے تھے کہ ماضی میں ان کی کوئی مثال نہ ملتی تھی۔ اہلِ بغداد کے نزدیک طرفہ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ جس ملک پر عباسی لشکروں کی چڑھائی اور یلغار کی توقع رکھتے تھے اس کی جانب اونٹوں کا ایک بڑا کارواں تحائف لے کر جا رہا تھا۔

یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ خلیفہ نے تیس سال کے لیے مصر و شام کی علاحدگی کا مطالبہ ترک کر دیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا تیس سال کے لیے الحاق کی شرط رکھی گئی ہوگی۔ لیکن اکثر لوگ کہتے تھے معاہدے میں ایسی کوئی شرط شامل نہیں۔ معتضد نے اپنے لیے صرف بنت خمارویہ سے نکاح کی شرط رکھی ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ تیس برس کی مدت کے بعد مصر و شام سے عباسیہ کا الحاق از خود ختم ہو جاتا ہے اور یہ بات خلیفہ معتضد اور اس کے جانشینوں پر منحصر ہے کہ وہ معینہ مدت کے بعد یا اس سے قبل علاحدگی کی لکیر مٹا سکتے ہیں یا نہیں۔

اہلِ بغداد کی ان قیاس آرائیوں کے درمیان قافلہ روانہ ہوا تو مصری سفیر حارث، دربارِ سلطنت عبیداللہ بن سلیمان سے یوں رخصت ہوا جیسے وہ بغداد کو فتح کر کے لوٹ رہا ہو۔

www.urdukorner.com

(۲۴)

عبداللہ

○

قارئین پڑھ چکے ہیں کہ جب حارث خلیفہ معتضد کے لیے دوستی کا پیغام اور تحائف سے لدے ہوئے اُونٹ لے کر مصر سے روانہ ہوا تھا، شہزادی نجم الیل بے حد پریشان ہوگئی اور اس نے سوق الخیل کی حویلی میں ابنِ حرب سے ملاقات کی تھی جس میں اس کی ساری پریشانیاں جاتی رہی تھیں اور ابنِ حرب نے اُسے ملکۃ الزباء سے تشبیہ دے کر اس کے خوابوں کو ایک نئی تعبیر بخش دی تھی لیکن طویل سفر کے بعد حارث کے بغداد پہنچنے اور خلیفہ سے مذاکرات کرنے تک، جس میں ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا، فسطاط اور عریش میں بھی کئی واقعات ہو گزرے تھے۔

حارث کی سفارت ایک اچنبھا تھی۔ ابنِ حرب اپنے سرائے دار دوست سلیمان بن عامر کو بھی اس اچنبھے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر اتنی دنوں حویلی کے خادم سلار کی بیوی عائشہ چشم میں مبتلا تھی اور وہ ایک مصری کمال سے اس کا علاج کرا رہا تھا (مصر میں آنکھوں کی بیماری عام ہوتی ہے اور آنکھوں کا علاج کرنے والے طبیب بھی عام ملتے ہیں) تاہم چند روز کے بعد اس نے سلار کو عریش کی جانب دوڑایا تاکہ سرائے دار کو بدلتے حالات کی خبر دے سکے اور یہ بھی معلوم کرے کہ آیا ابو نصر یاقوت بغداد سے واپس آگیا ہے یا نہیں؟ اس نے سلیمان کو اطلاع دی تھی کہ اب وہ اپنی والدہ کو فسطاط میں ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ ابو نصر کے ہمراہ بغداد سے آجائے، اسے عریش ہی میں روک لے اور فسطاط میں اس کے پہنچنے کی خبر کر دے۔ وہاں سے ملنے وہ خود عریش آجائے گا۔

ابو نصر یاقوت ابھی بغداد کے سفر سے نہیں لوٹا تھا کہ سلار ابنِ حرب کا پیغام لے کر عریش پہنچ گیا۔ سرائے دار یہ خبر سن کر حیران رہ گیا کہ سلطان خمارویہ نے عراق پر چڑھائی کرنے اور خلیفہ پر فوجی دباؤ ڈالنے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا ہے جیسے اس کی بیوہ بہن نے تجویز پیش کی تھی، بلکہ سردار حارث کو "دوستی کا سفیر" بنا کر بغداد بھیج دیا ہے۔ اسے بھی یہ سوچ کر حیران کن واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حارث نے عراق کی طرف جاتے ہوئے اپنے قافلے کے ہمراہ نہ تو عریش کی کاروان سرائے میں پڑاؤ کیا، نہ وہ عریش کے قرب و جوار ہی سے گزرا تھا جب کہ شمالی افریقہ، مصر سے فلسطین، شام، اردن، حجاز، یمن اور عراق کی طرف جانے والے فوجی قافلے اور تجارتی کاروان اس قدیم تاریخی شاہراہ پر سفر کرتے تھے جو بحر المتوسط (بحیرۂ روم) کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ عریش سے گزرتی تھی مگر حارث نے اس معروف شاہراہ کو چھوڑ کر غالباً صحرائے سینا اور دشتِ تیہ کا دشوار گزار راستہ اختیار کیا اور اپنے قافلے کو لے کر کئی میل جنوب سے گزر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عریش میں کسی کو بھی اس سفارتی قافلے کا علم نہ ہو سکا۔

فلسطینی سرائے دار، جو حالات کو سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا، اس خلافِ معمول واقعے پر نہ صرف بری طرح چونک گیا بلکہ اس کا ہوشیار ذہن اس نتیجے پر پہنچا کہ حارث کے سفر بغداد کو اس سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور یہ کوشش غالباً اس لیے کی گئی ہے کہ اُس نے بغداد پر چڑھائی کا مشورہ دیا تھا اور سلطان خمارویہ اس مشورے کے برعکس خلیفہ کی جانب "سفیرِ دوستی" بھیج رہا تھا۔

یہ کوشش گویا اس پر بے اعتمادی کے مترادف تھی اور یہ تھا ان تمام خدمات کا صلہ جو اس نے بنی طولون کی خاطر سرانجام دی تھیں۔ سرائے دار کے ماتھے پر کئی شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ غصے میں بڑبڑایا۔

"ابو جلیش! تم نے اپنے دل میں جو گرہ باندھی اور جو معاملہ مجھ سے چھپایا ہے میں اسے کھولوں گا نہیں، بلکہ اس پر ایک ایسی گرہ لگاؤں گا کہ بنی طولون کی خم دار تلواریں بھی اس کو کاٹ نہ سکیں گی۔"

ابنِ حرب نے اس دل شکن خبر کے ساتھ ایک خوش خبری بھی بھیجی تھی کہ طولونی شہزادی

www.urdukorner.com

عجوانی خیموں کی طرف سفر کے لیے تیار رہے لیکن آقا حسین کو اس معاملے سے قبل از وقت مطلع کرنا ضروری ہے تاکہ جب وہ صحرا کا رُخ کرے، اس کا استقبال ایک شہزادی کی حیثیت سے کیا جائے۔

دوسرے روز اس نے سلار کو اس جواب کے ساتھ فسطاط کی طرف بھیج دیا کہ ابونصر یاقوت ابھی بغداد سے نہیں لوٹا جب آئے گا، اُسے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اس نے ابن حرب کو تاکید کی تھی کہ ابھی فسطاط سے نہ نکلے اور سوق الخیل ہی میں ٹھہرے۔ شہزادی نجم الخیل پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت بھی کی گئی تھی جسے قرامطہ کے آسمان پر "ستارۂ شب" کی طرح فروزاں ہونا تھا۔ سلیمان بن عامر کے نزدیک بھی حارث کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اور ابن حرب کو وہیں اس کی ناکام واپسی کا انتظار کرنا تھا۔

سلار کو رخصت کر کے سرائے دار اس تشویش میں کھو گیا کہ ابونصر یاقوت ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ اس کی واپسی کے ایام اور سفر کے پڑاؤ طے شدہ تھے اور طے شدہ ایام کے مطابق اسے لوٹ آنا چاہیے تھا۔ سوچنے لگا کہیں اسے بغداد میں روک نہ لیا گیا ہو۔ لیکن سلار کی واپسی پر ابھی تیسرے دن کا سورج غروب ہوا تھا اور عریش میں شام کا اندھیرا بتدریج گہرا ہو رہا تھا کہ ابونصر یاقوت چاروں غلاموں کے ہمراہ لوٹ آیا۔ مگر سرائے دار اس بات پر حیران تھا کہ حرب الکندی کی بیوہ اور اس کے غلام عبداللہ کی لاشیں ساتھ نہ آئی تھیں۔

جب ابونصر نے بتایا کہ بڑھیا نے ابن حرب کو واپس بلایا اور پیغام بھیجا ہے اگر وہ بغداد لوٹ آئے تو خلیفہ سے کہہ کر اس کی خطا معاف کرا دے گی تو سرائے دار ہکا بکا رہ گیا کیوں کہ اب ابن حرب کو واپس نہیں جانا تھا اور جماعت کے لیے دو اہم خدمات سرانجام دینا تھیں جن کے لیے بہت عرصہ پہلے اس کا انتخاب کر لیا گیا تھا۔

بادیہ نشین قبائل تلوار چلانے اور نیزہ مارنے میں بڑے بہادر اور جری دار تھے، لیکن عسکری اصولوں اور حربی گھاتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ قرامطہ کو صحرائی لشکروں کی تربیت اور قیادت کے لیے ایک ایسے تجربہ کار جنگی مرد کی ضرورت تھی، جو انھیں تربیت یافتہ فوجوں سے لڑانے اور خروج کو کامیاب بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ابن حرب کو جماعت کا رکن بنانے اور اس کے فوجی تجربوں سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ اس وقت ہو گیا تھا جب اس

کا باپ حرب الکندی اترصافہ کے محل کا داروغہ اور وہ خود معتضد ابوعباس کے محافظ دستے کا سالار تھا کہ اچانک فلسطینی کنیز دستہ اترصافہ میں نمودار ہوئی اور کچھ عرصے کے بعد ابن حرب کو بغداد سے فرار ہونا پڑا۔ سرائے دار نے سوچا، بڑھیا کا بغداد میں رہنا اور خلیفہ سے ملنا سراسر خلافِ مصلحت ہے اُسے وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

ابونصر یاقوت نے اپنے سفر کی جو رُوداد سنائی، وہ دل چسپ تھی اس کے پیغام نے دربارِ بغداد کو مشتعل کر دیا تھا اور دولتِ عباسیہ کے امراء، سردار اور فوجی سالار کی ملازمت پر اپنی صلاحیت کا اوہا آزمانے پر تیار ہو گئے تھے۔

سلیمان بن عامر کا منصوبہ یہی تھا کہ اِدھر بغداد میں اشتعال پیدا ہو، اُدھر مصر کو حملے پر تیار کیا جائے مگر خمارویہ نے خلیفہ کی طرف "سفیرِ دوستی" بھیج کر معاملہ مشکوک بلکہ خراب کر دیا تھا، سرائے دار کا خیال یہ تھا عریش سے بھیجے جانے والے اشتعال انگیز پیغام کے متعلق اُس کے علاوہ ابونصر یاقوت سے بھی جواب طلبی ہو گی۔ سرائے دار کو اپنی فکر نہ تھی اس کے پاس شہزادہ شیبان کی اجازت کا عذر موجود تھا البتہ ابونصر کی گرفتاری کا اندیشہ تھا جو کاروان سرائے میں سرکاری محصول لینے والا افسر تھا۔

شخصی حکومتوں میں معمولی جرم کی سزا بڑی بھیانک ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے مگر جو تنظیمیں حکومتوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے خفیہ سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتا اور سر کٹوا جاتی ہیں۔ قرامطہ[1] کی خفیہ تحریک میں قربانی دینے والوں کی کمی نہ تھی بلکہ فدائیوں کا حلقہ جماعت کی خاطر دوسروں کی جان لینے اور اپنی جان دینے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ابونصر یاقوت اسی حلقے کا آدمی تھا۔ قرامطی سرائے دار کی سیاست یہ کہتی تھی کہ اب ابونصر یاقوت اور اس کے ساتھ چاروں غلاموں کو عریش کے منظر سے غائب ہو جانا چاہیے۔ انھیں صحرا میں بھیج دیا جائے جہاں کوئی اُن کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔

---

[1] تحریکِ قرامطہ روس کے باشویکوں کی طرح انتہائی منظم اور خفیہ تحریک تھی جسے عقیدے کی قوت سے مضبوط کیا گیا تھا۔ اسی عقیدے کی بنا پر جس میں دہشت پسندی کا عنصر بھی شامل تھا۔ وہ عالمِ اسلام کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوئی (قمر اجنادی)

www.urdukorner.com

بادیہ نشین قبائل صحرا کے قدیم اور طبعی دستور کے مطابق جو صدیوں اور قرنوں سے رائج تھا آزاد و خود مختار سمجھے جاتے تھے۔ وہ نہ تو کسی کے باجگزار تھے نہ کسی کے دشمن تھے۔ صحرا کی آزاد گرم ہواؤں کی طرح ان کی زندگی بھی آزاد تھی جس میں وہ کسی کی مداخلت گوارا نہ کرتے تھے۔ مدائنات صحرا کے قدرتی دستور اور رہن سہن کے خلاف تھی۔ صحرا کا دستور آزادی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حکمران بھی ان صحراؤں میں مخل ہوتے نہ ان کے داخلی معاملات سے کوئی سروکار رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی اگر صحرائی قبائل میں کوئی خفیہ تحریک پیدا ہوتی تو اس کا سراغ لگانا اتنا ہی مشکل ہوتا تھا جتنا صحرا میں کسی چھپے کی جاسوسی۔

قرامطہ کی دعوت کا پیغام کوہ سراۃ سے ہوتا ہوا بلاد شام میں تھا جو جنوب مشرقی عراق میں بحرین اور کوفے کے سوا تک پھیلا تھا۔ یہاں کسی نامعلوم مقام پر ابوالقاسم یحییٰ قرمطی کی بارگاہ تھی جہاں صرف اخوان الصفا یا پھر حلقۂ اخوان کے سردار اور شیوخ حاضری دیتے تھے مگر جماعت کا دوسرا حلقہ بادیۂ شام کے ان صحرائی حاشیوں پر قائم ہوا جو قلزم سے الجزیرہ تک پھیلے تھے۔ یہ سارا علاقہ عراق، اردن، فلسطین اور شمال مغربی حجاز کا بادیہ نشین قبائل کرتا تھا جو کسی جغرافیائی وحدت کے قائل نہ تھے۔ جماعت کا یہ حلقہ امام یحییٰ کے نائب اور بھائی اکتا حسین نے قائم کیا تھا جو بنی کلب اور بنو قلیص کے حلقے سے نکل کر جہاں دونوں بھائیوں نے ذکر کیا ہے قائم باطنی کی روپوشی کے ایام میں دعوت کا آغاز کیا۔ بادیۂ شام کے جنوب مغربی حاشیے پر آ گیا تھا تاکہ شام و فلسطین اور شمال مغربی حجاز کے بادیہ نشین قبائل کو اپنی تحریک میں شامل کر سکے۔ بنی کلب کی ایک شاخ بجیر مردار کے جنوب مغرب میں صحرا کے اس حاشیے پر آباد تھی جو حجر کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ قرامطہ کی پراسرار صحرائی بستیوں کا حلقہ تھا مگر اکتا حسین کے صحرائی خیمے کہاں تھے؟

یہ بات سلیمان بن عامر یا چند خاص لوگوں کے سوا جن کا شمار "اخوان" میں ہوتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ بحیرۂ مردار کے جنوب سے لے کر جو علاقہ خلیج عقبہ کے دہانے تک پھیلا ہے اور کسی زمانے میں جو ارکسی زمانے میں پیٹرا کہلاتا تھا، اکتا حسین کو اس لیے پسند تھا کہ بیک وقت مصر، فلسطین، اردن اور حجاز سے ملتا تھا جہاں سے عباسیوں کے علاوہ طولونیوں کے خلاف بھی کارروائی ہو سکتی تھی۔

ابونصر یاقوت اور چاروں غلاموں کو بنی کلب کی صحرائی بستیوں کی طرف سفر کرنا

تھا۔ جو حجر کے علاقے سے شمالی جانب بادیۂ شام کے حاشیے پر واقع تھیں۔ ابونصر ایک مرتبہ پہلے بھی ان بستیوں کا سفر کر چکا اور بنی کلب کے سردار سے مل چکا تھا۔ یہ سفر اس کے لیے مشکل نہ تھا۔

دوسرے روز علی الصباح ابونصر یاقوت چاروں غلاموں سمیت عریش سے رخصت ہو گیا۔

★

ابونصر یاقوت کو منظر سے غائب ہوئے ابھی پانچواں دن تھا کہ ڈوبتے سورج کے ساتھ گرد و گرما کا مارا ہوا ایک سانڈنی سوار جس کے مشکیزے کا پانی ختم ہو چکا اور پیاس کی شدت سے ہونٹ سوکھ رہے تھے۔ کارواں سرائے کے بیرونی دروازے پر سانڈنی سے اترا اور پاسبان سے فلسطینی سرائے دار سلیمان بن عامر کے بارے میں اس کا نام لے کر پوچھا جیسے اسے جانتا یا اس کے لیے کوئی ضروری پیغام لے کر آیا ہو۔

پاسبان نے سانڈنی کو اصطبل میں اور اجنبی کو سرائے دار کے کمرے میں پہنچا دیا۔ سلیمان اسے دیکھ کر کوئی رائے قائم نہ کر سکا کہ اجنبی کو اس سے کیا کام درپیش ہے۔ خشک ہونٹوں سے پیاس کا اندازہ بھی کر لیا اور فوراً پانی منگوایا تاکہ اس کے حواس بحال ہوں۔ جب تک اجنبی پانی پیتا رہا سلیمان کی جانچنے والی نظریں اسے گھورتی رہیں۔ پانی پی چکا تو پوچھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"بغداد سے۔"

سرائے دار بری طرح چونک گیا اور ایک بار پھر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ "بغداد سے کبھی اچھی خبر نہیں آئی۔"

"مگر میں اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔" اجنبی کے لہجے میں بے قراری تھی۔ "میرا نام عبداللہ ہے اور میں اپنے آقا ابن حرب سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

[illegible] اگر وہ ابن حرب کا غلام عبداللہ ہی تھا تو اسے

www.urdukorner.com

اپنی مالکن سمیت پانچ روز قبل ابو نصر یاقوت کے ہمراہ آنا چاہیے تھا مگر ابو نصر کے بقول حرب الکبیر کی بیوہ نے مصر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب عبداللہ ناگہاں عربیش پہنچ گیا اور فوراً اپنے آقا سے ملنا چاہتا تھا۔ سلیمان نے سوچا شاید ابن حرب کو لینے آیا ہے اور اگر لینے آیا ہے تو ممکن ہے خلیفہ نے اس کی خطا معاف کر دی ہو۔ سرائے دار کے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہ تھی۔ تجسس کے لہجے میں پوچھا۔

"کیا اپنی مالکن کو بغداد میں تنہا چھوڑ آئے ہو؟"

"انھی کا ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں اور پیغام پہنچا کر لوٹ جاؤں گا۔"

یہ ایک حیران کن بات تھی کہ وہ ابن حرب کو لینے نہیں آیا بلکہ کوئی ضروری پیغام پہنچانے آیا تھا۔ نجانے کیا معاملہ ہے۔ سلیمان کی دل چسپی بڑھی۔ "پیغام کیا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔ "میرے آقا کہاں ہیں؟"

"وہ اس وقت یہاں نہیں؟"

"یہاں نہیں تو پھر....."

عبداللہ اچانک پریشان نظر آنے لگا۔ سلیمان بن عامر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمھیں ابن حرب کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ آج کل فسطاط میں ہے۔"

"فسطاط میں کیوں؟"

"سلطانِ معظم سے ملنے گیا تھا۔"

عبداللہ کی پریشانی بدحواسی میں تبدیل ہو گئی۔ "کہیں وہ سلطان کے ساتھ مل کر عباسی علاقے پر حملہ تو نہیں کرنا چاہتے؟"

عبداللہ کی بدحواسی کے ساتھ اس کے سوال نے سرائے دار کو مزید حیران کر دیا۔ تاہم سلیمان جاننا چاہتا تھا۔ عبداللہ نے حملے کی بات کیوں کی اور "حملے" کے لفظ سے اس کی پریشانی کیوں بڑھ گئی؟ پھر بات کا ایک نیا سرا آگے رکھا۔ "میں نے سنا تھا تمھاری مالکن ابن حرب کو بغداد واپس بلا رہی ہے۔"

"یہ تو کوئی ایک ماہ پہلے کی بات ہے جناب! جب مالکن نے انھیں واپسی کا پیغام بھیجا تھا لیکن اب میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ کہیں وہ واپس نہ چل دیں۔"

سرائے دار سمجھ گیا کہ کزلان ترک اور اس کے سواروں کے سر دیکھ کر خلیفہ ابن حرب

کو زندگی نہیں دے سکتا اور ہر قیمت پر اسے قتل کرنا چاہے گا۔ ممکن ہے اس نے بڑھیا پر بھی کوئی سختی کی ہو۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"جناب! ہوا یہ کہ مالکن نے خلیفہ سے آقا کے لیے رحم کی درخواست کی اور اس سے جھگڑتی رہیں۔"

"خلیفہ نے رحم کی درخواست مسترد کر دی ہوگی۔"

"نہیں صاحب! تعجب کی بات تو یہی ہے کہ اس نے میرے آقا کے قتل بلکہ گرفتاری سے بھی ہاتھ اٹھا لیا ہے۔"

یہ سن کر سرائے دار پر حیرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا اور عبداللہ بتانے لگا۔

"گرگٹ جب تک دوسری ٹہنی نہ پکڑ لے پہلی کو نہیں چھوڑتا۔ خلیفہ نے بھی دوسری ٹہنی پکڑ لی اور یہ شرط لگائی ہے کہ میرے آقا اپنے گھر سے، بغداد سے، عراق سے دور رہیں کسی حریف کے ساتھ مل کر حملہ یا عباسی علاقے پر تاخت نہ کریں۔ خلیفہ کے کسی قافلے کو نہ روکیں، نہ اس کا مال لوٹیں۔ اگر کسی ایک شرط کو توڑا گیا، تو جواب میں وہ بھی اپنا وعدہ توڑ دے گا اور اپنی تلوار کا حکم نافذ کرے گا..... تو جناب! میں اسی لیے طویل سفر کر کے یہاں آیا ہوں کہ آقا کو معاملے کی اس صورت سے مطلع کر سکوں۔ اب بغداد کی طرف ان کی واپسی خطرناک ہوگی اور مالکن نے تاکید کی ہے کہ وہ کسی شرط کی خلاف ورزی نہ کریں۔"

سلیمان بن عامر یہ روداد سن کر زیرِ لب مسکرایا کیوں کہ خلیفہ کی کوئی بھی شرط پوری نہ ہو سکتی تھی۔ ابن حرب کو صحرائی لشکروں کی قیادت کرنا تھی۔ خلیفہ کے قافلوں کو روکنا اور لوٹنا تھا۔ عباسی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا تھا۔ یہ سب باتیں قرامطہ کے منصوبے میں شامل تھیں۔ تاہم اس نے کوئی بات عبداللہ پر ظاہر نہ ہونے دی اور شرطیں سن کر بولا۔

"بالرأس والعیون (سر آنکھوں پر) خلیفہ نے مصیبت سے بچنے کے لیے بڑی شرطیں لگائی ہیں لیکن کوئی مصیبت اطلاع دے کر نہیں آتی بلکہ ناگہاں ٹوٹ پڑتی ہے۔"

"لا ریب فیہ" (اس میں کوئی شک نہیں) عبداللہ نے سرائے دار کی تائید کی "مصیبت اچھی کہ نہیں آتی آتا تو ناگہاں ہی آتی ہے اور خلیفہ معتضد پر بھی کوئی مصیبت

www.urdukorner.com

ضرور نازل ہوگی لیکن میں یہ ہدایت لے کر آیا ہوں کہ اس پر گزرنے والی کسی مصیبت میں میرے آقا کا ہاتھ نہیں ہونا چاہیے۔"

سلیمان بن عامر نے اپنی بات پر الفاظ کی چلمن گرا دی۔ "ابن حرب کو کیا پڑی ہے کہ خلیفہ سے خواہ مخواہ جھگڑا مول لے۔ اگر اس پر بغداد کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں تو مصر و شام کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اب وہ یہیں رہے گا۔"

"مگر فسطاط سے واپسی کب ہوگی؟"

"ابن حرب کو وہاں کئی معاملے درپیش ہیں۔ ہو سکتا ہے واپسی میں مزید ایک مہینا لگ جائے۔" سرائے دار نے اسے تسلی دی۔ "فکر نہ کرو تمہارا پیغام اُسے پہنچ جائے گا۔"

"پھر تو مجھے فسطاط جانا ہوگا۔ بس ان کا پتا دے دیں اور راستے کے بارے میں ضروری معلومات سے آگاہ کر دیں۔ میں ان سے وہیں مل لوں گا۔"

سلیمان بن عامر کے چہرے پر تشویش کا ایک سایہ سا گزر گیا۔ "ممکن ہے جب تم فسطاط پہنچو وہ کسی اور طرف نکل گیا ہو اور تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔"

"وہ جہاں بھی ہوں گے میں انھیں ڈھونڈ لوں گا۔ ان سے ملے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔"

کئی روز سے فسطاط جانے والا کوئی قافلہ سرائے میں نہیں اترا تھا۔ سلیمان کچھ سوچ کر بولا۔ "فی الحال سرائے میں قیام کرو۔ شاید پانچ چھ یوم تک کوئی قافلہ آجائے تو اسی کے ہمراہ تمھیں فسطاط بھیج دیا جائے گا۔"

"میں نے بغداد سے عریش تک تقریباً ایک ماہ کا طویل سفر تنہا کیا ہے۔ فسطاط تو یہاں سے دو تین دن کی مسافت پر ہوگا جناب! اس لیے پانچ چھ یوم تک قافلے کا انتظار کیوں؟"

عبداللہ فسطاط جانے اور اپنے آقا سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ سلیمان نے اس کی بے چینی کو بھانپ لیا۔ "اب میں تمھیں نہیں روک سکتا۔ میری طرف سے صبح روانہ ہو جاؤ۔ فسطاط میں ابن حرب پرانے قلعے کی جانب سوق الخیل کی حویلی میں رہتا ہے۔ حویلی ابو نصر یاقوت کی ہے جس کسی سے اس کا پتا پوچھو گے وہ بتا دے گا۔"

ابو نصر یاقوت کا نام سن کر عبداللہ دنگ رہ گیا۔ بغداد کے کوچوں اور بازاروں

میں اس ناپسندیدہ نام کا چرچا ہو رہا تھا اور اس کا آقا فسطاط میں اسی کا مہمان تھا۔ سرائے دار نے راستے کے بارے میں صرف اتنا کہا۔ "فسطاط کی طرف جانے والی شاہراہ سیدھی اور صاف ہے۔ البتہ القنطرہ کے آس پاس آج کل ایک درندہ گھومتا پھرتا دیکھا گیا ہے لیکن ضروری نہیں تمہارا اُس سے آمنا سامنا ہو۔ اگر تمہارے نیزے کی ضرب مضبوط اور سانڈنی کی رفتار تیز ہے تو کوئی درندہ تمہارا راستہ نہیں روک سکتا۔"

پھر اس نے ایک غلام کو طلب کیا اور اسے ہدایات دینے لگا۔ "منصور! یہ میرے عزیز مہمان ابن حرب کا خادم عبداللہ ہے، جو اپنے آقا کے لیے بغداد سے ایک ضروری پیغام لے کر آیا اور صبح فسطاط کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ آج رات عبداللہ کے آرام کا خیال رکھو اور سویرے جب اسے روانہ کرو تو اس کا توشہ دان خوراک سے اور مشکیزہ پانی سے بھرا ہوا ہونا چاہیے۔"

منصور مہمان کو اپنے ساتھ لے گیا۔

★

عبداللہ ابن حرب سے ملنے کے لیے اس قدر دیوانہ ہو رہا تھا کہ اس نے کسی قافلے کا انتظار ضروری نہ سمجھا اور جس طرح بغداد سے تنہا آیا تھا اسی طرح فسطاط کے سفر پر بھی تنہا تیار ہو گیا۔ سویرے جب وہ سرائے سے رخصت ہونے لگا اُس کا توشہ دان خوراک سے اور مشکیزہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ منصور نے اسے راستے کے بارے میں جملہ معلومات فراہم کر دی تھیں لیکن سرائے کے بڑے محرابی دروازے پر ابھی وہ سانڈنی پر سوار نہیں ہوا تھا کہ مصری کنیز سلامہ ہوا کے جھونکے کی طرح اُڑتی آئی اور عبداللہ کے ہاتھ میں ایک خط دے کر بولی

"یہ اپنے آقا ابن حرب کو دے دینا۔"

عبداللہ نے حیرت پاش نظروں سے پہلے سلامہ کی طرف دیکھا پھر اس کی استفہامی نگاہیں منصور کے چہرے پر مرتکز ہو گئیں جس نے سر کو اثبات میں حرکت دی اور چند لفظوں میں پوری داستان بیان کر دی۔ "شاید تمہارے آقا ابن حرب کو بھی سلامہ کے خط کا انتظار ہوگا۔"

عبداللہ نے خط اپنے لبادے میں محفوظ کر لیا اور سلامہ پر ایک نظر ڈالتا ہوا سانڈنی

www.urdukorner.com

پر سوار ہو گیا۔ منصور نے بتا دیا تھا کہ دوپہر کو اُسے کہاں دم لینا اور رات کو کہاں پڑاؤ کرنا ہے۔

دوسرے دن کی دوپہر اسے القنطرہ کی سرائے میں گزارنا تھی۔ اُجاڑ شاہراہ پر اس کی سانڈنی تنہا بھاگی جا رہی تھی۔ آگے پیچھے کوئی قافلہ تھا، نہ کوئی مسافر۔ چھوٹی چھوٹی کھردری چٹانوں کو دیکھ کر خوف کی ایک لہر جسم سے گزرنے لگی کہ ایسی ہی جگہوں پر درندہ گھات لگا کر بیٹھتا اور اکیلے مسافر پر ناگہاں جھپٹتا ہے۔ عبداللہ نے نیزہ مضبوطی سے تھام لیا۔ ابھی القنطرہ سے تین چار فرسخ دور تھا کہ عقب سے چند شتر سوار بڑی تیزی سے نمودار ہوئے اور راستے کو برق رفتاری سے طے کرتے آناً فاناً اس کے قریب آ گئے۔

عبداللہ کو حوصلہ ہوا کہ اب وہ تنہا نہیں اور ان کے ساتھ القنطرہ پہنچ جائے گا۔ جلتے سورج کے نیچے کسنے والوں کے سفر کی رفتار خاصی تیز تھی اور عبداللہ کی سانڈنی بھی تیز دوڑ سکتی تھی۔ اچانک دو شتر سوار جنھوں نے اپنے چہرے نطاق (چلکے) سے ڈھانپ رکھے تھے اُس کے دائیں بائیں سے نکل کر آگے بڑھے اور راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ابھی وہ صورت حال کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ عقب سے کسی نے رسّے کا جال پھینکا اور وہ کسی بے بس پرندے کی طرح اس میں پھنس گیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ نیزے کو حرکت دے سکا نہ میان سے تلوار نکال سکا۔ ایک ہی جھٹکے میں سانڈنی سے زمین پر کھینچ لیا گیا۔ ساتھ ہی سر پر بھاری ضرب پڑی اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

معروف راستوں پر اگرچہ لوٹ مار کا خطرہ کم تھا کیوں کہ تجارتی قافلے محافظ سواروں کی نگرانی میں سفر کرتے اور خطرات سے نمٹ لیتے تھے لیکن تنہا سفر کرنے والے اِکّا دُکّا مسافر بعض اوقات صحرائی قزاقوں کے ہتھے چڑھ جاتے اور زادِ راہ کے ساتھ کبھی کبھی اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔

شتر سواروں نے بے ہوش اور زخمی عبداللہ کو اسی کی سانڈنی پر باندھا ہمیانی سے جو رقم ملی لوٹ لی پھر سانڈنی کو اپنے حلقے میں لے کر جدھر سے آئے تھے، اُسی جانب لوٹ گئے۔

(۲۵)

پریشانی

ابن حرب کو فسطاط آئے تین مہینے ہو چکے تھے۔ ۲۸۰ ہجری کا جمادی الاول گزر رہا تھا۔ سلیمان بن عامر نے حبش سے کوئی نئی اطلاع نہیں بھیجی تھی نہ ابونصر یاقوت کے بعد اور سے لوٹنے کی، نہ اس کی والدہ اور غلام عبداللہ کے حبش پہنچنے کی اس کے نزدیک ابونصر یاقوت جسے ربیع الثانی کے آغاز تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔ اگر واپس نہیں آیا تو بغداد میں قتل یا گرفتار ہو چکا تھا۔ اُسے خبر ہی نہ تھی کہ وہ منظر سے غائب کر دیا گیا اور ان صحرائی بستیوں میں پہنچ چکا ہے جہاں فسطاط کے مخبر تو کیا صحرائے سینائی کے گرد و باد بھی داخل ہوتے ڈرتے تھے کیوں کہ خلیج عقبہ کے ادھر عرب کی ہواؤں کے مزاج بڑے مختلف اور بادیہ شام کے حاشیوں پر نقل مکانی کرنے والے قبیلے صحرائی بگولوں کے ساتھ گردش کرتے تھے کوئی غیر صحرائی آدمی اس حلقے میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ ابونصر کی واپسی کے ساتھ اب وہ اپنی والدہ اور غلام عبداللہ کی آمد سے بھی مایوس ہو چکا تھا۔

سلیمان نے ہدایت کی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں اسے سوق الخیل ہی میں رہنا اور شہزادی نجم اللیل کو زیادہ اعتماد میں لینا بلکہ خارجیہ اور سنی طولونیوں سے الگ تھلگ کرنا ہے۔ قرمطی دعوت اور تحریک کو ذہنی طور پر قبول کر لینے کے بعد ابن حرب اس منصوبے کی اہمیت کو سمجھتا اور خود بھی اس میں بڑی کشش محسوس کرتا تھا جس کے مطابق اسے بھی بھی غلافی آنکھوں والی طولونی خاتون کو جیتنا یا پھر صحرائی بستیوں کی طرف بھاگنا

www.urdukorner.com

لے جاتا تھا۔ یہ تقدیر کی مہربانی اور ابنِ حرب کی خوش بختی تھی کہ حسین شہزادی خود اس کی جنگی شخصیت، حربی وحشت اور مردانہ کشش کی گرویدہ ہوگئی اور خوف کے ہم میں اس کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر چکی تھی لیکن شوق الخیل کی ملاقاتِ تنہائی میں نجم اللیل کے پُراسرار خواب کی تعبیر اور الہ باد کی طرح "ملکہ صحرا" بننے کا انکشاف کچھ ایسا حیرت انگیز اور سحر آفریں تھا کہ ابنِ حرب اس کی تمام تمناؤں کا مرکز اور مستقبل کے خوابوں کا نقطۂ تعبیر بن گیا تھا اور اس کے ایک اشارے پر سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی۔

ابنِ حرب کے دل میں بھی طولونی بیوہ کے لیے جذبات کا ایک بیاندر جزر چل رہا تھا اسے جتنا اگرچہ قرمطی منصوبے اور اس کے فرض کا ایک حصہ تھا لیکن نجم اللیل کے ترک حسن اور لمبی لمبی جادوگر آنکھوں نے اس پر محبت کا سحر پھونک دیا اب وہ جماعت کے مقصد کے علاوہ اسے اپنی دھڑکنوں، اپنی راحتوں، اپنے خوابوں کی تعبیر بنا چکا تھا یہی وجہ تھی نجم اللیل سے محبت بڑھی تو ساتھ ہی سلیمان بن عامر اور آقا حسین سے دل چسپی بھی بڑھ گئی۔

شوق الخیل کی ملاقات کے بعد طولونی شہزادی کی اپنی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی آگئی اور وہ نخلستان میں چلنے والی متالہ ہوا کی طرح لہراتی پھرتی تھی اور اب ہر یوم الخمیس (جمعرات) کی شام کو سوڈانی کنیز عنبر کے ساتھ شوق الخیل کا رخ کرتی۔ طولونی خواتین جمعرات کی شام ہی کو امام شافعیؒ کے مزار کی حاضری دینے اور خیر و برکت کی دعا مانگنے جایا کرتی تھیں، اسی بہانے نجم اللیل کو بھی القطائع سے نکلنے کا موقع مل جاتا تھا اور ہر جمعرات کو ابنِ حرب کی جنت کچھ دیر کے لیے آباد ہو جاتی تھی طولونی خاتون اس پر پہلے سے زیادہ مہربان ہوگئی تھی۔ اس کی کنیز عنبر حویلی کے زنانہ حصے میں سالار کی بیوی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو جاتی اور وہ خود مردانہ حصے میں ابنِ حرب کے کمرے کو بیت الصنم میں تبدیل کر دیتی تھی۔

عورت کا حسن صحرا کو بھی فردوس بنا دیتا اور اس کا صرف ایک لمس جنگجو وحشی مرد کو مغلوب کر لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ جس مرد کو پیار کرتی ہے، اس کے ساتھ صحرا کی تنہائی اور دشت کی ویرانی کو بھی باغِ بہشت میں بدل دیتی ہے۔ نجم اللیل نے ابنِ حرب کے لیے دل کا ہر گوشہ کھول دیا تھا اسے اپنی مہربانیوں سے نوازتی اور

اس پر حسین مسکراہٹیں نچھاور کرتی تھی جس طرح بادِ صبا کا کوئی گستاخ جھونکا شاخِ گل کو لہراتا ہوا گزر جائے تو اس کی ٹہنی پر کھلتے پھول اور ادھ کھلے غنچے زیادہ خوب صورت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح محبت کی ہوا نے اس کے حسن کو کچھ اور نکھار دیا تھا یا پھر اس نے خود کو ایک مکمل طولونی محبوبہ میں ڈھال لیا تھا۔ اب اس کی لمبی لمبی غلافی آنکھیں ابنِ حرب کو ختن اور خطا کی نافہ نوافہ کی آنکھوں سے زیادہ سحر انگیز معلوم ہونے لگی تھیں جن میں ہر شب گاں کی کتنی ہی حسین راتیں خوابیدہ تھیں۔

دونوں اس کوشش میں تھے کہ کوئی بھی محبت کے اس دل کش سنہرے حصار سے نہ نکل سکے جو انھوں نے اپنے اردگرد تعمیر کر لیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے تھے اور اب علاحدگی ممکن نہ تھی۔ حسین طولونی بیوہ نے جرأت کا مظاہرہ کر کے ایک شام ابنِ حرب کو اپنے قصر میں بلا لیا اور کمرۂ خواب میں اسے ملاقات کا شرف بخشا تھا۔ اس طرح القطائع میں قصرِ نجم کا موسم بدل گیا تھا۔ اس بدلے ہوئے موسم نے جو بڑا عشق انگیز اور راحت افزا تھا، ابنِ حرب کو یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ مصر اور عراق کے موسم بھی تبدیل ہو رہے ہیں اور ان کے ساتھ ہی بہت کچھ بدل جانے والا ہے۔

ان ایام میں ایک عجیب واقعہ ہوا تھا کہ ابو جیش خمارویہ نے بیوہ بہن کو اپنے ترک غلام رضوان کی معرفت قصرِ تصویر میں بلایا اور اس سے ایک مشہور ترک سردار کے متعلق رائے دریافت کی تھی۔ شہزادی نجم یہ بھی شاید بھائی اسے کسی اہم عہدے پر فائز کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے والد مرحوم کے قابلِ اعتماد سرداروں میں شامل رہا ہے آپ کو کسی معاملے میں دھوکا نہیں دے گا۔"

جس طرح خمارویہ کا سوال مبہم تھا یعنی اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ترک سردار کے متعلق اس کی رائے کیوں درکار ہے، اسی طرح طولونی بیوہ کا جواب بھی سرسری تھا تاہم اس کے جواب سے خمارویہ کو بات واضح کرنے کا موقع مل گیا۔ "کیا تم اسے ذاتی طور پر پسند کرتی ہو؟" اب نجم اللیل اس کے سوال کا مطلب سمجھ گئی اور اس نے دو ٹوک جواب دیا۔ "نہیں۔" خمارویہ مایوس ہوگیا۔ "ہم اس کے بارے میں صرف تمھاری ذاتی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب تمھیں پسند نہیں تو ہم اسے انکار کر دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہوگئی اور ملاقات کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سلطان

www.urdukorner.com

کو اس کے عقدِ ثانی کی فکر ہے، نہ صرف سلطان کو بلکہ طولونی خواتین کو بھی، بعد میں پتا چلا کہ ترک سردار کی سفارش شہزادی عباسیہ نے کی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ خاندان میں اس کے عقدِ ثانی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔

اُسی شام وہ پھر سوق الخیل کی حویلی میں موجود تھی۔ اُس نے ابن حرب کو معاملے کی صورت سے آگاہ کر دیا اور اپنی تشویش کا اظہار بھی کیا۔ وہ جانتی بلکہ ابن حرب کو بتا چکی تھی کہ اس کے طلب گار بہت ہیں۔ انتظار کا محافظ سردار حارث تو کھل کر سامنے آ گیا اور اپنے عشق کا اظہار بھی کر چکا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا جب سلطان ابوجیش خمارویہ نے کسی طلب گار کے متعلق اس کی رائے دریافت کی تھی۔

اس شام بھی سوق الخیل کی وہی حویلی تھی، وہی کمرۂ تنہائی تھا، جہاں طولونی بیوہ ابن حرب پر مہربان ہوتی تھی اور وہ اُسے "ملکۂ صحرا" کے روپ میں دیکھتا تھا، وہی مسند تھی وہی دونوں تھے۔ پہلو بہ پہلو ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے کہ اچانک نجم النیل پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"ہم نے اپنے ایک اُمیدوار کے لیے انکار کر دیا ہے، کسی دوسرے کے متعلق پوچھا گیا تو اس کے لیے بھی انکار کر دیں گے لیکن تیسرے طلب گار کے لیے شاید ہمیں موقع نہ دیا جائے اور فیصلہ یک طرفہ ہو جائے۔"

ابن حرب پریشان ہو گیا مگر فسطاط میں قیام کا پابند تھا اور سرائے والے کی مرضی کے بغیر وہاں سے نکل نہ سکتا تھا۔ اسے وقت کا یا پھر آقا حسین کے اشارے کا انتظار تھا۔ صحرائی بستیوں میں طولونی شہزادی کے متعلقات کی جو تجویز پیش کر چکا تھا، بھی تک سلیمان بن عامر نے اس کے متعلق بھی کوئی اطلاع نہ دی تھی بلکہ عیاش سے کوئی خبر ہی نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں فسطاط میں ابوجیش خمارویہ کے جواب کا اور بغداد سے آنے والی خبر کا انتظار کر رہا ہوں مگر میرے سوا کوئی طلب گار تمہیں حاصل نہیں کر سکے گا۔"

ان الفاظ نے طولونی بیوہ کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔

★

دوسری شام کو جب آسمان پر جمادی الثانی کا چاند دیکھ لیا گیا اور [illegible]

ہو گیا تھا، سلیمان بن عامر کا غلام منصور اچانک سوق الخیل کی حویلی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی ابن حرب یہ سمجھا شاید اس کی والدہ اور غلام عیاش پہنچ گئے ہیں اور منصور ان کی آمد کی اطلاع دینے آیا ہے مگر منصور حویلی میں آتے ہی بڑی متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"عبداللہ کہاں ہے؟"

ابن حرب اس کے سوال پر حیران رہ گیا۔ "کون عبداللہ؟"

"آپ کا غلام عبداللہ" اور اس کے ساتھ ہی منصور نے ابن حرب پر بجلی گرا دی۔ "اُسے تو عیاش سے روانہ ہوئے بیس روز گزر چکے ہیں۔"

اس سنسنی خیز اطلاع پر ابن حرب سکتے میں آ گیا اور یوں گم صم ہو گیا جیسے گویائی اور سماعت جاتی رہی ہو۔ جب ذہن میں ہونے والے کڑاکے کی گونج کم ہوئی اور حیرت کا سکتہ ٹوٹا، بے چینی سے بولا۔ "مگر عبداللہ عیاش کب آیا تھا؟"

منصور بتانے لگا۔ "ابونصر یاقوت چاروں غلاموں سمیت بغداد سے لوٹ آیا تھا لیکن آپ کی والدہ نے مصر آنے سے انکار کر دیا بلکہ آپ کے لیے پیغام بھیجا تھا کہ بغداد واپس نہ جائیں۔ وہ خلیفہ سے کہہ سن کر آپ کی خطا معاف کرا دیں گی جس پر مالک سلیمان بن عامر کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ اس بات پر بھی بہت پریشان تھے کہ سلطان خمارویہ نے بغداد کی طرف "دوستی کا سفیر" بھیجا ہے اور خطرہ تھا کہ کہیں حارث کی واپسی پر ابونصر یاقوت کو گرفتار نہ کر لیا جائے۔ اس لیے مالک نے اسے چاروں غلاموں سمیت صحرائی بستیوں کی جانب بھیج دیا۔ ابونصر کو گئے ابھی پانچواں دن گزرا تھا کہ ۹ جمادی الاوّل کی شام کو عبداللہ ناگہاں عیاش میں وارد ہوا، وہ بغداد سے تنہا اور بھاگم بھاگ اس لیے آیا تھا کہ والدہ کا پیغام سن کر کہیں آپ بغداد کی طرف نہ چل پڑیں کیوں کہ آپ کو نہ صرف بغداد سے بلکہ عباسی سلطنت سے بھی دور رہنا چاہیے ورنہ دشمنوں کی تلواریں آپ پر اٹھیں گی۔ یہ پیغام دے کر اسے بغداد لوٹ جانا تھا مگر جب پتا چلا آپ فسطاط میں ہیں، وہ فسطاط آنے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ مالک نے بہتیرا کہا کہ کوئی قافلہ آ جائے تو اس کے ساتھ سفر کرے لیکن وہ آپ سے فوراً ملنا اور فوراً واپس جانا چاہتا تھا۔ اسے سوق الخیل کی حویلی کا پتا دے دیا گیا تھا۔ مالک [illegible] مشکیزہ پانی سے بھر دیا تھا [illegible]

www.urdukorner.com

جمادی الاوّل کو علی الصبح عریش سے روانہ ہوا بلکہ عین روانگی کے وقت سلامہ نے اسے آپ کے لیے ایک خط بھی دیا تھا۔ مالک کا خیال تھا شاید آپ نے اسے فسطاط میں روک لیا ہے مگر آپ کہتے ہیں عبداللہ یہاں نہیں آیا۔ اگر یہاں نہیں آیا تو پھر کہاں چلا گیا؟"

منصور کی زبانی یہ روداد سن کر ابن حرب دم بخود رہ گیا۔ ماں کا مصر آنے سے انکار کرنا بلکہ اسے بغداد بلانا پھر فوراً ہی عبداللہ کو تنہا عریش کی طرف دوڑا دینا کہ وہ بغداد نہ آئے اور عباسی سلطنت سے بھی دور رہے، کسی اچنبھے سے کم نہ تھا مگر اس سے بڑا اچنبھا یہ تھا کہ عبداللہ بغداد سے عریش پہنچ گیا مگر عریش سے فسطاط نہ پہنچ سکا اور کہیں راستے ہی میں غائب ہو گیا۔ حیرت اور صدمے سے ابن حرب کا ذہن مفلوج ہونے لگا۔ منصور نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ "صحرائی قزاق اکا دکا مسافر کی تاک میں رہتے اور دن دہاڑے انھیں لوٹ لیتے ہیں ممکن ہے عبداللہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور کہیں زخمی کر کے پھینک دیا ہو۔"

اس سے صرف یہ سوچا جا سکتا تھا کہ شاید وہ زندہ اور کہیں زخمی پڑا ہو مگر کوئی زخمی پانی، خوراک اور علاج کے بغیر زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا اگر وہ چلنے پھرنے کے قابل تھا یا کسی راہ گیر نے اسے زخمی حالت میں دیکھا ہوتا تو بھی کسی نہ کسی ذریعے عریش کی کارواں سرائے یا فسطاط میں سوق الخیل کی حویلی تک اس کی خبر پہنچ سکتی تھی جب بیس روز تک کسی بھی جگہ ایسی اطلاع نہیں پہنچی تو اس کا زخمی ہونا یا زندہ رہنا قرین قیاس نہ تھا۔ یہی بات ابن حرب کو پریشان اور مایوس کیے دیتی تھی کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور ملتی۔ عبداللہ کے ساتھ کوئی اور حادثہ پیش آیا تھا۔

منصور نے ایک نیا خدشہ ظاہر کیا۔ "کچھ عرصے سے القنطرہ کی صحرائی پٹی پر ایک درندہ بھی دیکھا جا رہا ہے اور مالک نے عبداللہ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔"

سلامہ نے اس بات کی تصدیق کی۔ "گذشتہ دنوں جب میں عریش گیا تو القنطرہ میں درندہ کے متعلق سنا تھا جس نے ایک فلاح کو جو القنطرہ کی جانب آ رہا تھا اس کے گدھے سمیت ہلاک کر دیا اور فلاح کی لاش اٹھا کر لے گیا تھا۔"

"شاید عبداللہ پر درندہ ہی جھپٹا ہو۔"

یہ خیال بڑا اذیت ناک تھا۔ [illegible] ابن حرب کو اور غمزدہ کر دیا۔ منصور اور سلامہ

اب یہی سوچ رہے تھے کہ شاید وہ کسی ایسے ہی حادثے کا شکار ہو گیا ہے مگر عبداللہ کو جو حادثہ پیش آیا وہ اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور ہولناک تھا کیوں کہ فسطاط کی طرف جاتے ہوئے اس پر انسانی درندے جھپٹے تھے جو بے ہوشی کی حالت میں اسے سانڈنی پر باندھ کر لے گئے اور کیا معلوم اس کے ساتھ کیا بیتی۔ آیا بے ہوشی کے بعد اس کی آنکھ اس دنیا میں کھلی تھی یا کسی دوسری دنیا میں؟

ابن حرب کو عبداللہ کے صدمے کے ساتھ دوسری پریشانی یہ تھی کہ اب بغداد میں اس کی بوڑھی ماں کا پرسان حال کون ہوگا۔ خاوند ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بیٹا بغداد سے بھاگ آیا تھا۔ غلام مصر میں کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا اور خیزران کی حویلی میں وہ بالکل یکا و تنہا رہ گئی تھی۔ منصور نے بتایا کہ مالک اس کی والدہ کو بغداد سے نکالنے اور مصر بلانے کی ایک اور کوشش کریں گے۔ اب اس کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں جس سے ابن حرب کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

منصور عریش سے ایک ضروری پیغام لے کر آیا تھا۔

سلیمان بن عامر نے فسطاط کے بدلے ہوئے حالات کی اطلاع آقا حسین کے صحرائی نخلوں تک پہنچا دی اور ابن حرب کے بارے میں اجازت طلب کی تھی کہ اسے شہزادی نجم اللیل کے ہمراہ فسطاط سے کب نکالنا چاہیے؟ آقا حسین کی ہدایت یہ تھی، خمارویہ کے سفیر حارث کی واپسی تک اسے وہیں رہنا اور یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ خلیفہ معتضد کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر کے آتا یا ناکام لوٹتا ہے۔ اگر خلیفہ نے بنی طولون کی دوستی قبول نہ کی تو شاید خمارویہ کا رہی ایک بار پھر تبدیل کیا جا سکے اور وہ عباسی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے ابن حرب کی ضرورت محسوس کرے۔ فسطاط میں اس کے قیام کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ بنی عباس کے خلاف خمارویہ کو اپنی ضرورت کا احساس دلائے اس کے برعکس اگر بنی طولون سے خلیفہ کی کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو بھی اسے معلوم کرنا ہے کہ بات کہاں اور کس طرح طے پائی؟ اسی پر کسی آئندہ عمل کا دارومدار تھا گویا ابن حرب کو حارث کی واپسی تک بہرحال فسطاط ہی میں قیام کرنا اور شہزادی نجم اللیل سے بھی ملتے رہنا تھا۔

دوسرے روز منصور عریش کی طرف لوٹ گیا اور یہ تسلی بھی دیتا گیا کہ وہ عریش میں [illegible] مسافر [illegible] عبداللہ کے متعلق پوچھتا رہے گا۔ شاید کوئی کھوج مل

www.urdukorner.com

جائے کہ اسے کیا حادثہ پیش آیا تھا راستوں کے قزاق کبھی کبھار کسی مسافر کو یرغمال بھی بنا لیتے اور رقم لے کر چھوڑ دیتے تھے کیا عجب عبداللہ کو بھی یرغمال بنا لیا گیا ہو۔

منصور کی واپسی کے بعد ابن حرب نے طولونی شہزادی کو سارے معاملے سے آگاہ کر دیا اور یہ پھلجھڑی چھوڑ دیا کہ ایک نئی صحرائی ریاست کے قیام کی خاطر دو حریف طاقتوں کے درمیان فوجی تصادم کی ضرورت ہے۔ "صحرائی ریاست" کے ذکر ہی سے طولونی بیوہ کی شریانوں میں لہو کی روانی تیز ہو گئی، ابن حرب نے پہلی مرتبہ اپنے مذہبی شیخ کی بات چھیڑ کر اس کی دلچسپی میں مزید اضافہ کر دیا اور بتایا کہ مذہبی شیخ کے فتوے پر بادیہ نشین قبائل اپنے سبز علم اٹھا لیں گے اور وہ خود ان لشکروں کو لے کر میدان جنگ میں اترے گا۔ بہتر اچھا جنگ جو قائد صرف جنگ نہیں لڑتا بلکہ اس کا اچھا نتیجہ چاہتا ہے۔ وہ کچھ نقشے تیار کرتا اور اپنے طاقت ور دشمن کو ضعیف کر دینے کے لیے اس کے دوسرے حریفوں سے بھی کام لیتا ہے اور فسطاط میں اس کے قیام کا مقصد یہی ہے۔

ابن حرب نے جو اشارے دیے شہزادی نجم انھیں صاف صاف سمجھ گئی۔ اب خود بھی بڑی شدت سے حارث کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ چاہتی تھی کہ وہ بغداد سے ناکام واپس آئے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ مصر اور عراق کے درمیان حالات کی رفتار بدل گئی تھی وقت دبے پاؤں آگے گزر گیا تھا اور وہ اس کے قدموں کی چاپ بھی نہ سن پائے تھے۔

جمادی الثانی گزرنے لگا اور ستائیس تاریخ کا دن طلوع ہوا تو ایک سوار مصری قافلے کی واپسی کا مژدہ لے کر آیا۔ حارث نے سلطان ابوجیش خمارویہ اور اپنے آقا شیبان کو اطلاع دی تھی کہ تیسرے پہر اس کا قافلہ فسطاط پہنچ جائے گا۔ اس کے ہمراہ خلیفۃ المسلمین کا خاص مشیر اور عباسی ولی عہد ابوالعلی کا اتالیق ابوالحسن قاسم بن عبداللہ بھی سلطان معظم سے ضروری گفتگو کرنے آیا ہے۔ اس نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ فریقین کے درمیان دوستی کی خوشی میں ابوالحسن کا شایان شان استقبال کیا جائے۔

یہ اطلاع فی الواقع کسی مژدۂ جاں فزا سے کم نہ تھی۔ خمارویہ نے نہ صرف خلیفہ معتضد باللہ کے مشیر خاص ابوالحسن قاسم کا پرجوش استقبال کرنے کا حکم دیا بلکہ حارث ابوظفر کی شاہانہ پذیرائی کا بھی اہتمام کیا جو اپنے سفر سے کامیاب لوٹا تھا۔ سلطان خمارویہ اگر الفطائع کے شاہی محل میں مہمانوں کی واپسی کا منتظر تھا تو شہزادہ شیبان نے شہر سے

باہر نکل کر قافلے کا استقبال کیا۔ سلطان کے دونوں بیٹے جیش اور ہارون شہر پناہ پر قافلے کے انتظار میں تھے۔

یہ خبر سن کر کہ بنی طولون اور بنی عباس میں باہم دوستی ہو گئی اور خلیفہ معتضد باللہ نے طولونی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لوگ ہجوم در ہجوم قافلے کا استقبال کرنے امڈ آئے۔ سردار حارث ابوظفر اپنی کامیابی کی دستاویز ہاتھ میں لے کر شہر میں داخل ہوا تھا۔ فسطاط میں ایسا فقید المثال جلوس شاید کسی حکمران کے لیے بھی آراستہ نہیں ہوا ہوگا جیسا جلوس حارث ابوظفر کی واپسی پر دیکھنے میں آیا۔ لوگوں کے لیے یہ بات بھی حیرت و دلچسپی کا باعث تھی کہ جتنی سواریاں حارث کے ہمراہ بغداد گئی تھیں، ان سے دگنی سواریاں فسطاط آئی ہیں اور عباسیہ کے نامدار حکمران نے مصری تحائف کے جواب میں صرف سلطان ابوجیش خمارویہ اور شہزادہ شیبان ہی کو تحفے نہیں بھیجے بلکہ تمام طولونی شہزادوں اور شہزادیوں کو تحائف میں شریک کیا ہے۔

حارث ابوظفر کی روانگی اگر حیرت انگیز تھی (کیوں کہ باہمی دشمنی کی وجہ سے دوستی کی امید نہ ہونے کے برابر تھی) تو اس کی واپسی کسی عجوبے سے کم نہ تھی۔ خلیفہ معتضد نے دوستی کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا تھا کہ دشمنی خواب و خیال معلوم ہونے لگی۔

حارث ابوظفر کی واپسی اور استقبال کا نظارہ ابن حرب نے بھی دیکھا اور قلب و ذہن پر کئی چیزیں گزر گئیں۔ اس کے نزدیک ایک ناقابل یقین واقعہ ظہور میں آ گیا تھا۔ ایک ان ہونی ہو گئی تھی۔ وہ سمجھتا تھا خمارویہ کے پاس مصر و شام سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں جس کے عوض خلیفہ معتضد سے اپنی ریاست اور حکومت کو تسلیم کرا سکے مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ خمارویہ کے پاس مصر و شام سے بھی قیمتی ایک شے موجود تھی اور اب حارث کی واپسی کا منظر دیکھ کر محسوس کرنے لگا تھا کہ مصر کی زمین اس کے قدموں تلے سے نکل گئی ہے۔

اسی شام کو جب الفطائع کے شاہی محل میں بہت بڑی ضیافت کا ہنگامہ بپا تھا، جہاں بنی طولون کے تمام مردوں اور خواتین کے علاوہ امرا، سردار، شیوخ اور ان کی بیگمات اور تمام طبقوں کے نمائندہ لوگ مدعو تھے۔ شہزادی نجم اللیل سوق الخیل میں ابن حرب سے ملاقات کر رہی تھی۔ وہ جس امید پر سہارا بیٹھا تھا اسے حالات کی گردش یا تقدیر کی ضرب نے

www.urdukorner.com

& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5045...
Prop: Ali Khan

چکنا چور کر دیا تھا۔ اس کے نزدیک اب بنی عباس اور بنی طولون میں کوئی فرق نہ رہ گیا تھا دونوں اپنی دشمنیاں ماضی کے طاقچوں میں رکھ کر دوستی کی دہلیز پر اکٹھے ہو گئے تھے مگر وہ نہیں جانتا تھا۔ دوستی کس شرط پر ہوئی ہے۔ طولونی بیوہ نے جو تمام معلومات حاصل کر چکی تھی بتایا:

"اسماء قطر الندیٰ دوستی کی شرط قرار پائی ہے۔"

ابن حرب کے ذہن میں بیک وقت کئی بجلیاں کوند گئیں اور شہزادی نجم اللیل اجمال کی تفصیل بیان کرنے لگی۔ "ابو جیش نے بنی عباس سے دوستی کے لیے قرابت داری کی بنیاد رکھی اور بنت سلطان قطر الندیٰ کو عباسی ولی عہد ابو محمد علی کے عقد میں دینے کی تجویز پیش کی تھی مگر خلیفہ معتضد نے قطر الندیٰ کو اپنے لیے قبول کر لیا اور دوستی کی یہ شرط ٹھہرائی کہ قطر الندیٰ اس کے عقد میں دی جائے۔ اُس کا مشیر ابو الحسن قاسم یہی شرط منوانے کے لیے مصر آیا ہے ابو جیش نے فوراً شرط قبول کر لی اور کہا "یہ تو بڑے فخر کی بات ہے کہ ہماری بیٹی ولی عہد کی بجائے خلیفۃ المسلمین کی زوجہ بنے۔"

یہ تفصیل یا انکشاف سن کر ابن حرب کا ذہن اسی طرح سنسنا اٹھا جیسے کسی نے سر پر ہتھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔ ایک دم مسند سے اُچھل کر فرش پر آ گیا۔ نجم اسے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگی وہ خود فرش پر حیران و ششدر سا کھڑا تھا کہ حافظے پر کارواں سرائے کی اُس رات کا منظر اُبھرا، جب نقاب پوش آقا حسین سرائے دار کے ساتھ بنت سلطان اسماء قطر الندیٰ کے خوابیدہ حُسن کا نظارہ کر کے بے چین ہو گیا اور اُس نے "طولونی عذرا" کو اپنی حرم بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی ذہن میں سلیمان بن عامر کا یہ فقرہ گونج گیا "آقا نے قطر الندیٰ کو پسند کر لیا ہے تو حضور ہی کے حرم میں داخل کی جائے گی۔"

لیکن وہ بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان دوستی کی شرط قرار پا چکی اور اب معتضد ابو عباس کے جائز نکاح میں دی جا رہی تھی۔ ابن حرب کے دماغ سے ایک خیال بگولے کی طرح گزر گیا۔ شہزادی نجم حیران تھی کہ نجانے کیا سوچ رہا ہے لیکن ابن حرب نے اُسے کسی سوال کا موقع نہ دیا اور خود ہی بتانے لگا۔ "میں معتضد ابو عباس کا خواب منتشر کر دوں گا صرف چند روز کے لیے مجھے تم سے رخصت ہونا ہے۔"

"کیا کرنے جا رہے ہو، کہاں جا رہے ہو؟" نجم بے چین ہو گئی

"یہ نہ پوچھو، صرف میری واپسی کا انتظار کرو۔"

اُس کی گفتگو کا ہر لفظ، ہونٹوں کی ہر جنبش اور لہجے کا اتار چڑھاؤ ایک ہی جانب اشارہ کر رہا تھا کہ اُس نے اپنے دشمن کے خلاف کوئی اہم فیصلہ کر لیا ہے۔ اب کچھ پوچھنا بیکار تھا۔ تاہم نجم جو پوچھنا چاہتی تھی ابن حرب نے کسی سوال کے بغیر ہی اُس کا جواب دیدیا۔

"شاید مجھے واپسی میں ایک عشرہ لگ جائے اور ایک عشرہ (دس یوم) کوئی لمبا عرصہ نہیں۔"

اسی وعدے پر طولونی شہزادی اُس سے رخصت ہوئی۔

www.urdukorner.com

(۲۶)

حلول

○

دوسرے دن ابن حرب کا گھوڑا عریش کی جانب اُڑا جا رہا تھا۔ بنی طولون سے خلیفہ معتضد کی دوستی، ایک اہم خبر تھی مگر اُس سے اہم خبر یہ تھی کہ اسماء قطر الندیٰ معتضد کو سونپی جا رہی ہے اور اب وہ سلیمان بن عامر کے پاس اس لیے جا رہا تھا کہ سرائے دار اُسے آقا حسین کے صحرائی خیموں کا راستہ دکھائے تاکہ یہ سنسنی خیز خبر خود آقا حسین کے گوش گزار کرے اور اُس کا نتیجہ دیکھے۔

معتضد نے اُس پر بغداد کے دروازے بند کر دیے تھے اور اب خمارویہ سے دوستی کر کے فسطاط بلکہ پورے مصر کی زمین اُس کے پاؤں تلے سے کھینچ لی تھی۔ ابن حرب کا جذبۂ انتقام چاہتا تھا کہ وہ بھی اُس دوستی کی دیوار گرا دے جس نے اُس کے تمام راستے روک لیے تھے اور جس لڑکی کو خلیفہ اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے اُسے کسی دوسرے حرم میں داخل کیا جائے۔ وہ صرف صحرائی حرم تھا۔ اس طرح اُس نے اپنے قرمطی آقا کی پہلی خدمت سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا۔

دل میں انتقام کا جو الاؤ بھڑک رہا تھا۔ ذہن میں ماضی کے کچھ منظر اور کچھ سائے گزر رہے تھے۔ اُن سایوں میں معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کا سایہ، معتضد ابو عباس کا سایہ، ملکہ چیک خاتون کا سایہ، الرّمادہ کی فلسطینی کنیز دعنہ کا سایہ اور اُس کے باپ حرب الکندی کا سایہ بھی شامل تھا وہ سمجھتا تھا ان ساری مصیبتوں کی وجہ فلسطینی کنیز [illegible] چیک خاتون [illegible]

معتمد کی ہلاکت کے بعد اس کے باپ کے قتل میں بھی استعمال کی گئی پھر اخفائے راز کی خاطر زمین کے پیٹ میں اتار دی گئی۔ بہرحال باپ کا انتقام واجب تھا۔ معتضد ابو عباس ہی اُس کا نشانہ بننے والا تھا۔ وہ اُس پر پہلا وار کرنے جا رہا تھا تاکہ اُس کے دل کو دھچکا لگے۔ وہ اپنی آرزوؤں کی شکست سے دوچار ہو اور ناکام حسرتوں کا ماتم کرے۔

اسی جوش میں عریش کا سفر بہت تیز رفتاری سے طے ہوا۔ دوسرے دن شام کے گہرے اندھیرے میں وہ کارواں سرائے کے دروازے پر گھوڑے سے اُترا تو گھوڑا اصطبل کے حوالے کر کے کہ اُسے اصطبل میں لے جائے، خود دروازے کی طرف بڑھا۔

غالباً سرائے میں کوئی کارواں نہ اُترا تھا نہ وہ چہل پہل تھی جو کاروانوں کی آمد سے ہو جاتی تھی۔ کمرے خالی لگ رہے تھے البتہ قندیلیں ہر طرف فروزاں تھیں۔ اوضۃ الدواب (اصطبل) میں رہٹیوں کا جھنجھنا ہو رہا تھا اور اندر سے خنجری کی تھاپ اور اُس کے چھناکوں کی موسیقی پر گانے کی بڑی دل کش آواز سنائی دے رہی تھی۔ رقص و غنا کی ایسی مجلس خاص خانوں ہی کی خاطر منعقد ہوتی تھی۔ ابن حرب نے سوچا۔ شاید کوئی شامی رئیس سرائے میں اُترا ہے اور دروازے میں داخل ہوا۔

دروازہ اُسی سُدّہ (ڈیوڑھی) میں کھلتا تھا جہاں دونوں جانب سے زینے اُوپر کی منزل پر جاتے تھے۔ سامنے رہداری تھی۔ جونہی اُس نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا، ایک پاسبان جو ڈیوڑھی میں کھڑا موسیقی اور غنا سے لطف اندوز ہو رہا تھا، چونکا اور اُسے روکنے کے لیے فوراً پلٹا لیکن آنے والے کی شکل دیکھی، تو ایک طرف ہٹ گیا۔ بلکہ ذرا جھک بھی گیا۔ ابن حرب رہداری سے سیدھا ہال کمرے کی جانب بڑھا۔

یہ وہی کمرا تھا جہاں کزلان ترک اور اُس کے ساتھی اپنے انجام کو پہنچے تھے اور آج وہاں رقص و غنا کی محفل برپا تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اُس نے ایک جھٹکے سے کواڑ کھول دیے اور حیران و ششدر رہ گیا۔ سامنے آقا حسین سبز لباس پہنے، سر کے پٹکے یا نطاق سے نصف چہرہ ڈھانپے مسند پر جلوس آرا تھا۔ مسند کے پایوں میں یا پھر آقا حسین کے قدموں میں سلیمان بن عامر بیٹھا تھا اور فرش کے قالین پر نیم عریاں لباس میں ایک نوجوان اور خوبصورت رقاصہ خنجری بجا کر رقص و غنا کے جادو بکھیر رہی تھی۔ ابن حرب اُسے دیکھ کر نقش حیرت بن گیا وہ الرّمادہ کی فلسطینی کنیز دعنہ تھی۔ پہلے تو یہی گمان گزرا، شاید دھوکا ہوا ہے لیکن اُس پر نگاہ

www.urdukorner.com

پڑتے ہی دمنہ کے رقص کی گت اور نغمے کی تان ٹوٹ گئی اور خود بدحواس ہو گئی۔

ابن حرب نے سر سے پاؤں تک پہچان لیا، وہی تھی۔ پھر خون میں انتقام کا شعلہ بھڑکا اور ایک پل کے اندر تلوار میان سے باہر آ گئی۔ اس ادا کے ساتھ ہی جو میان سے تلوار کھینچنے سے پیدا ہوتی اندر دلوں میں ہول پیدا کر دیتی ہے، دمنہ کی چیخ بلند ہوئی۔ خنجر ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گری اور خود موت کی دہشت سے کانپنے لگی مگر اس سے پہلے کہ تلوار اپنا کام کرتی، سبز پوش آقا پُرجلال آواز میں گرجا۔ "ابن حرب! دمنہ ہماری امانت ہے۔"

ساتھ ہی مسند سے کود کر دمنہ اور ابن حرب کے درمیان حائل ہو گیا۔ اٹھتی تلوار وہیں رک گئی۔

ابن حرب نے دمنہ کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ تلوار آقا حسین کے قدموں میں ڈال دی۔ شاید مصلحت یہی تھی لیکن مصلحت سے زیادہ اس میں کسی پُراسرار طاقت کا دخل بھی تھا جس نے اُسے تلوار پھینک دینے اور "سبز شیخ" کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جتنی تیزی سے آنکھ پلک جھپکتی ہے۔ اتنی ہی تیزی سے آقا حسین مسند سے اُٹھا تھا، ابن حرب نے بس اس کا ہاتھ بلند ہوتے دیکھا۔ ایک آواز سنی۔ پھر ذہن پر دھند سی چھا گئی اور بازو کے تیغ زن فضا میں اٹھا رہ گیا جیسے کسی طاقت نے اُسے پکڑ لیا ہو۔ نجانے یہ پُررعب آواز کا اثر تھا یا کچھ اور کہ اس کا بازو حرکت نہ کر سکا۔ ایک پل سے بھی قلیل لمحے میں آقا حسین فرش پر کود چکا اور ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا تھا پھر یوں لگا گویا کسی دستِ غیب نے تلوار اُس کے ہاتھ سے چھین کر آقا حسین کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہو۔ ساتھ ہی وہ جھکا اور گھٹنے ٹیک کر دو زانو ہو گیا۔ اس معاملے میں اُس کے ارادے کا دخل تھا یا نہیں لیکن ذہن پر سبز دھند اُتر رہی تھی اور اسی سبز دھند میں ایک آواز چکر کاٹ رہی تھی۔

"دمنہ ہماری امانت ہے۔"

ابن حرب یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جنگ خاتون کی آہ کا راز اور الرّصافہ کی خدمت گزار کنیز جو اس کے باپ حرب الکندی کے قتل کا ذریعہ بنی، آقا حسین کی امانت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسی عالمِ حیرت میں اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا۔ سبز آقا اسے بازوؤں سے پکڑ کر قدموں سے اٹھا رہا تھا اور جب وہ کھڑا ہوا تب بدلے ہوئے لہجے میں جو بڑا نرم تھا اور ٹھہری آواز میں جو شیریں تھی اس سے مخاطب ہوا۔

"ابن حرب! تم نے ہمارا حکم مانا اور ہماری خاطر اپنا سر تسلیم خم کر دیا جو اطاعت کرتا ہے، وہ عنایت کا حق دار ہوتا ہے۔ ہم بھی تمہیں اپنی عنایات سے سرفراز کریں گے۔"

پھر جھک کر تلوار اٹھائی اور اُس کے حوالے کر دی۔ "تمہاری تلوار صرف ہمارے دشمنوں کے خلاف اٹھے گی، بنات العرب پر نہیں، اسے میان میں رکھو۔"

اس نے تلوار میان میں ڈالی تو "سبز آقا" نے اس کی پُشت پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "اب اگر ہم حقیقت بیان کریں اور تم توجہ سے سنو تو ہماری یہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔"

پُراسرار حسین کی شخصیت ابھی تک ابن حرب کے وجود پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بتدریج لوٹ رہی ہے۔ خیال آیا شاید وہ آقا حسین سے اس لیے مرعوب ہو گیا تھا کہ خود کو تحریک قرامطہ سے وابستہ کر چکا ہے یا پھر اس لیے کہ یہ ملاقات بالکل خلافِ توقع تھی اور خلافِ توقع ملاقات میں کچھ اضطراری باتیں غیر معمولی اثر کرتی ہیں۔ دمنہ بھی کسی طلسم ہوشربا کی طرح بالکل ناگہاں نظر آئی تھی۔ اور اس پر حملہ بھی ایک اضطراری فعل تھا جسے آقا حسین نے اپنے حکم یا پُراسرار طاقت سے روک دیا اور ابن حرب ابھی تک ایک ایسی کیفیت سے دوچار تھا جو اسے مضمحل کیے دے رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر سرِ اطاعت خم کر دیا۔ آقا حسین اسے بازو سے پکڑ کر مسند پر لے گیا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔

یہ اعزاز "اخوان" میں سے کسی کو حاصل نہ ہو سکا تھا کہ وہ نائب امام کی مسند پر اس کے پہلو میں بیٹھے جو آگے چل کر خود امام بننے والا تھا۔ سلیمان بن عامر جیسا سرگرم داعی اور معتمد مشیر بھی جس نے جماعت کے لیے بڑی اہم خدمات سرانجام دی تھیں، آقا حسین کے قدموں میں بیٹھتا اور اس وقت بھی ادب سے گردن جھکائے، سر نہوڑائے ایک طرف کھڑا تھا۔ فلسطینی کنیز دمنہ رقص کے لباس، پشواز اور صدرہ (سینہ بند) میں نیم عریاں سی کسی ڈری اور سہمی ہوئی کبوتری کی طرح اپنے اوپر جھپٹنے والے عقاب کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مسند پر بیٹھتے ہی پُراسرار حسین نے وہ بات چھیڑ دی جس نے ابن حرب کے ذہن میں ہلچل سی ڈال رکھی تھی۔ کہنے لگا۔

"ابن حرب! تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ دمنہ الرّصافہ کی آلۂ کار اور تمہارے والد

www.urdukorner.com

کے قتل کا ذریعہ بنی یہ ہماری خاص کنیز ہے اور ہمارے حکم پر بغداد بھیجی گئی تھی۔ اسے بنی عباس کے دو احمدوں میں سے کسی ایک احمد کو ختم کرنا تھا۔ نئے خلیفہ معتضد باللہ احمد کو یا معزول خلیفہ معتمد علی اللہ احمد کو۔ حرب الکندی کا کام صرف یہ تھا کہ وہ دمنہ کو الرصافہ میں پہنچا دے اور اس نے اپنا کام بڑی ہوشیاری سے پورا کیا۔ دونوں ایک ہی مقصد میں شریک تھے اور جب دو افراد کسی مقصد میں شریک ہوں، وہ ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں۔ دمنہ کو اپنی انگوٹھی کا زہر معتضد پر آزمانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ گنتی کی چند راتیں الرصافہ میں گزارتا ہے، اس کی راتیں اور اوقات منقسم ہیں مگر جیجک خاتون کے دل میں پیدا ہونے والا تجسس کہ معزول خلیفہ اس کے شوہر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد بھی بنی طولون کے پراسرار قاصدوں سے میل جول کیوں رکھتا ہے، معتمد کی موت کا بہانہ بن گیا۔ جیجک خاتون نے اس کے دل میں جھانکنے کی خدمت دمنہ کے سپرد کی۔ حرب الکندی نے جیجک خاتون کی فرمائش پر معتمد کی بھی کنیز شاہفرانہ کو سامرہ بھگا دیا اور اس کی جگہ دمنہ کو قصر معتمد میں چھوڑ آیا۔ ۲۹ رجب کی رات کو جب یہ اپنا کام ختم کر کے قصر کے اس حصے میں اتری جو دجلہ کے رخ واقع ہے تو حرب اس کا منتظر تھا۔ وہ دمنہ کو اپنی حفاظت میں لے کر شونیزیہ کے ایک مکان میں پہنچا جہاں ان دونوں کو چند روز روپوش رہنا اور پھر شام کی طرف کوچ کرنا تھا مگر بغداد میں دمنہ اور حرب کی تلاش اس طرح شروع ہوئی کہ سرکاری مخبر اچانک شونیزیہ کی خانقاہ تک پہنچ گئے اور دونوں کو اپنی خفیہ کمین گاہ سے افراتفری میں دریائے دجلہ کی طرف بھاگنا پڑا تاکہ کشتی پر کوفہ کی جانب نکل جائیں اور وہاں سے بنو قلیص کی صحرائی بستیوں کا رخ کریں مگر دجلہ کے گھاٹ پر حرب کی مڈبھیڑ ایک ایسے ملاح سے ہو گئی جو اسے جانتا تھا۔ اس نے حرب کو گرفتار کرنے کی خاطر اپنے ساتھیوں کو آواز دی مگر اس سے پہلے کہ کوئی آتا دمنہ نے اپنا ہلالی خنجر اس کے سینے میں ترازو کر دیا اور حرب کو لے کر بھاگی۔ ملاح گھائل ہو کر گر پڑا لیکن گرتے گرتے اس نے خنجر اپنے سینے سے نکال کر حرب پر پھینکا جو دمنہ کے عقب میں تھا۔ خنجر اس کی پشت میں اتر گیا اور چونکہ زہر میں بجھا ہوا تھا اس لیے ملاح کے ساتھ حرب کے لیے بھی جان لیوا ثابت ہوا۔ دمنہ نے حرب کو بچانے کے لیے جو کوشش کی تھی، وہ بیکار گئی مگر خود رات کے اندھیرے میں بچتی بچاتی جماعت کے ایک داعی رضا خیاط کی قیام گاہ تک پہنچ گئی اور وہیں چھپی رہی۔ آخر ہمارے داعی نے دمنہ

کو یہاں پہنچا دیا۔ یہ ہے اصل واقعہ، اب تم خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ دمنہ جزا کی مستحق ہے سزا کی نہیں۔"

یہ داستان اسرار سن کر ابن حرب ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ فلسطینی حسینہ جیجک خاتون کی نہیں بلکہ "سبز آقا" کی آلۂ کار تھی۔ یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا کہ دمنہ ایک خطرناک مقصد کے لیے بغداد بھیجی گئی تھی مگر اس سے بھی بڑا اور سنسنی خیز انکشاف یہ تھا کہ اس کا باپ اور الرصافہ کا داروغہ حرب الکندی اس خطرناک مقصد میں فلسطینی کنیز کا رفیق اور مددگار تھا گویا جماعت کارکن اور آقا حسین کے حکم کا پابند تھا۔ یہ بات ابن حرب کے علم میں تھی کہ اس کا باپ باطنی عقیدے سے دلچسپی رکھتا اور کبھی کبھار شونیزیہ کی خانقاہ میں جایا کرتا تھا لیکن یہ حقیقت بجلی کے کڑاکے کی طرح آشکار ہوئی کہ وہ تحریک قرامطہ کا پیروکار اور امام یحییٰ قرمطی کو مہدیٔ موعود کا ایلچی سمجھتا تھا۔

معتمد کے قتل کی روداد سن کر یہ خیال بھی نقش بر آب ثابت ہوا کہ دمنہ اس کے باپ کی قاتل یا قتل میں شریک تھی۔ اس کے برعکس اس نے حرب کو گرفتاری سے بچانے کی خاطر ایک ملاح کو اپنے خنجر سے ہلاک کر دیا اور یہ محض اتفاق یا تقدیر تھی کہ حرب کی موت بھی اسی زہر آلود خنجر میں چھپ کر بیٹھ گئی اور وہ ایک مقصد کی خاطر جاں بحق ہوا۔

وہ قرامطہ کی خفیہ تحریک کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہ رکھتا تھا نہ اسے باپ کی طرح کسی باطنی مسلک سے دلچسپی تھی۔ وہ تو سمجھتا تھا، اس کا باپ الرصافہ کی سازش کا شکار ہوا اور جیجک خاتون کے وفادار غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا ہے اس کی اپنی گرفتاری کا حکم اس خیال کی تصدیق کرتا تھا۔ وہ گرفتاری سے بچنے اور باپ کا انتقام لینے کی خاطر عراق پہنچا تو یہاں اس کے سرائے دار دوست نے تحریک قرامطہ کے بارے میں حیرت انگیز معلومات فراہم کیں اور مشورہ دیا کہ انتقام کا مقصد پورا کرنے کے لیے کسی طاقت کا اس کی پشت پر ہونا ضروری ہے۔ اسی رات سبز پوش آقا کی شخصیت سامنے آئی جو اپنا نصف چہرہ ہمیشہ چھپائے رکھتا تھا اور ابن حرب خلیفہ معتضد کے خلاف اپنے جذبۂ انتقام کی تکمیل کے لیے تحریک قرامطہ میں شامل ہوا۔ مگر یہ حقیقت کتنی پراسرار تھی کہ باپ پہلے ہی سے اس کارکن اور جماعت ہی کی خاطر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

یہ بات سلیمان بن عامر سے پوشیدہ نہ ہو سکتی تھی کہ حرب الکندی جماعت کا کارکن

www.urdukorner.com

اور بغداد میں دمنہ کا منگا تھا لیکن اس نے ابن حرب سے سب کچھ چھپائے رکھا البتہ اسے جماعت کے مقصد کی ترغیب دیتا رہا حتیٰ کہ باپ کی طرح بیٹا بھی جماعت کے لیے اپنا تن من قربان کر دینے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح عربی کی یہ ضرب المثل پوری ہوئی کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے)

اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد کہ باپ بیٹا دونوں ایک ہی جماعت، ایک ہی تحریک اور ایک ہی مقصد سے وابستہ ہوئے، ابن حرب کے دل میں اس وابستگی کا نقش کچھ اور گہرا ہو گیا۔ اُس کے نزدیک یہ پُراسرار تقدیر ہی تھی، جو اسے عجیب و غریب حالات میں بغداد سے نکال کر عراق میں لے آئی اور تقدیر ہی اس جیسے جنگی مرد کو قرامطہ کی چوکھٹ پر کھینچ لائی تھی تاکہ وہ باپ کی وفاداری کو تازہ کرے اور جو واقعات ابھی عدم کے حجابوں میں چھپے ہیں، معرضِ وجود میں آئیں۔

ابن حرب کے ذہن سے یہ ساری باتیں کسی تیز رفتار خواب کی صورت گزر رہی ہیں اور جیسے خوابوں میں منظر آناً فاناً تبدیل ہو جاتے ہیں، اسی طرح زندگی کے واقعات بھی حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ پیش آئے تھے جنھیں اس نے ان دیکھی قدرت کا فیصلہ یا پھر پُراسرار آقا حسین کا بلاوا سمجھ کر قبول کر لیا۔

اسے خاموش اور گم صم دیکھ کر "سبز آقا" نے اپنے بازو کو حرکت دی اور کہا۔ "ابن حرب! تم اس باپ کے بیٹے ہو، جو جماعت کی خاطر جاں بحق ہوا۔ ہمیں بھی حرب کی رحلت کا صدمہ ہے مگر وہ بغداد میں ہلاک ہوا۔ ہم بالواسطہ طور پر خلیفہ معتضد ہی کو اس کا قاتل سمجھتے ہیں۔ جس نے اُس کی تلاش و گرفتاری کا حکم جاری کیا تھا اور باپ کا انتقام تم پر واجب ہے۔"

ابن حرب نے پُراسرار حسین کا مطلب سمجھ لیا اور اطاعت کے لہجے میں کہا۔ "سیدنا! انتقام نہ لینا ایک بہادر عرب کی غیرت سے بعید ہے۔"

"ہم تمھیں انتقام کا پورا موقع دیں گے۔"

"اور جماعت کا مقصد میری زندگی کا مقصد ہو گا۔"

"مرحبا....." آقا حسین نے کلمۂ تحسین بلند کیا۔ "ہمارا خیال ہے دمنہ کے بارے میں تمھارا دل صاف ہو چکا ہو گا۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ دمنہ پر تلوار اُٹھانے کی غلطی کی اور میری غلط فہمی کا

نتیجہ تھی۔"

"دمنہ تم سے ڈر گئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم اس کا خوف دور کرو۔" پھر آقا حسین نے فلسطینی کنیز کی طرف دیکھا جو ابھی تک سہمی کھڑی تھی۔ "دمنہ! آگے آجا۔"

حکم سنتے ہی وہ فوراً آگے بڑھی اور مسند کے قریب آگئی۔ آقا حسین نے دوسرا حکم دیا۔ "ہمارے مہمان سے ہاتھ ملا۔"

دمنہ کی نظریں اس جنگ جو وحشی مرد کے چہرے پر مرتکز تھیں، جس نے اس پر تلوار اٹھائی تھی اور اپنا خوب صورت ہاتھ آگے بڑھایا۔ اب "سبز آقا" نے ابن حرب کو دیکھا اور دمنہ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پکڑ اور چوم لو۔"

اس نے کسی سحر زدہ آدمی کی طرح تعمیل کی، دمنہ کا خوب صورت، نرم و گداز ہاتھ اپنے سخت کھردرے ہاتھوں میں تھام لیا پھر اس ہاتھ کو ہونٹوں کے قریب لے گیا اور اسے بوسہ دیا۔ دمنہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ ایک ساعت کے لیے دونوں کی نظریں ٹکرائیں اور جیسے بجلیاں کڑک گئیں ہوں مگر ان بجلیوں کے کڑاکے دونوں نے اپنے دلوں میں محسوس کیے۔ غالباً آقا حسین نے بھی ان کی نظروں کو باہم ٹکراتے دیکھ لیا اور ان کا مفہوم سمجھ لیا تھا۔ اچانک ایک نئی کڑک سنائی دی۔ "دمنہ!"

یہ بجلی فلسطینی کنیز کے دل پر گری اور اُس کی آواز بھی رعد کی طرح سماعت سے ٹکرائی۔ دمنہ کانپ گئی۔ ابن حرب نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور آقا حسین نے کنیز کو سرزنش کی۔ "اتنی بے قرار نہ ہو دمنہ! تیری خدمت کا صلہ دیا جائے گا مگر مہمان کا احترام واجب ہے۔"

دمنہ ابن حرب کے سامنے ادب سے جھک گئی اور اس نے پریشان نظروں سے آقا حسین کی طرف دیکھا۔ "سیدنا! کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے؟"

"نہیں۔" پُراسرار آقا نے ذو معنی جواب دیا۔ "نظروں کی خطا جزا چاہتی ہے۔"

سلیمان بن عامر جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا آگے بڑھا اور پہلی بار گفتگو میں شریک ہوا۔ "سیدی! میرا دوست واقعی جزا کا مستحق ہے مگر میں اس کی اچانک آمد پر حیران ہوں۔"

www.urdukorner.com

پھر وہ اس سے براہ راست مخاطب ہوا۔ "ابن حرب! فسطاط کس حال میں ہے؟"

سرائے دار کے سوال پر ابن حرب کو اچانک اپنی آمد کا مقصد یاد آیا ورنہ عریش میں آتے ہی وہ جس واقعے سے دوچار ہوا اس نے ذہن کو اس قدر منتشر کر دیا تھا کہ اپنے آنے کا مقصد ہی بھول گیا۔ اب فسطاط کے ذکر پر چونکا اور بولا۔

"فسطاط کے حالات بگڑ گئے دوست!"

"وہاں کیا ہوا؟"

ابن حرب بتانے لگا۔ "حارث فسطاط لوٹ آیا اور اس کے ساتھ خلیفہ معتضد کا خاص مشیر ابوالحسن قاسم بن عبداللہ بھی آیا ہے جس کا فسطاط میں فقید المثال استقبال کیا گیا۔"

سلیمان بن عامر نے خیال ظاہر کیا۔ "ابوالحسن غالباً خلیفہ کی طرف سے کچھ نئی شرطیں لے کر آیا ہوگا کہ خمارویہ انھیں مان لے تو دوستی کا معاہدہ ہو جائے۔"

"دوستی کا معاہدہ تو ہو گیا سلیمان! حارث بغداد سے کامیاب لوٹا اور جب فسطاط میں داخل ہوا تو معاہدے کی دستاویز اس کے ہاتھ میں تھی۔ خلیفہ معتضد نے تین لاکھ دینار سالانہ کے عوض تیس برس کے لیے طولونی ریاست کو تسلیم کر لیا ہے۔"

یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی جس نے سرائے دار کے ساتھ آقا حسین کو بھی حیران کر دیا۔ اس نے بڑے اضطراب سے مسند پر پہلو بدلا اور پوچھا۔ "جب فریقین میں معاہدہ ہو گیا اور خلیفہ نے طولونی ریاست کو تسلیم کر لیا پھر ابوالحسن قاسم کیا لینے آیا ہے؟"

"خلیفہ معتضد نے دوستی کی شرط قطر الندیٰ ٹھہرائی ہے۔"

آقا حسین کا نصف چہرہ اگرچہ اس وقت بھی عمامے کے "ذیل" سے ڈھکا ہوا اور چہرے پر گزرنے والے تاثرات کا پورا اندازہ لگانا مشکل تھا لیکن پرکشش سیاہ اور گہری آنکھوں میں کوندتی ہوئی حیرت کی بجلیوں سے معلوم ہوتا تھا کہ قطر الندیٰ والی شرط نے دل کا سکون چھین لیا ہے۔ تڑپ کر پوچھا۔ "قطر الندیٰ کی کیا شرط ہے؟"

ابن حرب شرط بیان کرنے لگا۔ "خمارویہ نے اپنی بیٹی معتضد کے لڑکے ابومحمد علی کے عقد میں دینے کی پیش کش کی تھی مگر خلیفہ نے معاہدے کی شرط یہ رکھی ہے کہ اسماء قطر الندیٰ اس سے بیاہی جائے۔ ابوالحسن قاسم یہی شرط منوانے آیا ہے۔"

"کیا خمارویہ نے شرط مان لی؟"

"نہ صرف شرط مان لی بلکہ وہ اس بات پر خوش ہوا کہ اس کی بیٹی خلیفہ معتضد جیسے جوان مرد کی عروس بنے گی لیکن میں یہ سن کر پریشان ہو گیا اور عریش کی طرف بھاگا تاکہ اپنے دوست کو اس ناشدنی خبر سے مطلع کروں۔ میں نے سنا تھا قطر الندیٰ کو سیدہ ناپسند کر چکے اور اپنی حرم بنانا چاہتے ہیں۔"

ابھی آقا حسین نے کسی بے چینی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ سلیمان بن عامر نے ہاتھ کو یوں حرکت دی جیسے کچھ کاٹ دیا ہو اور پرجوش لہجے میں کہا۔ "بغداد کے شاہی محلات کی دیواریں اپنے بنانے والوں کا ماتم کر رہی ہیں اور خمارویہ کی بیٹی ان محلوں میں داخل نہیں ہو سکتی۔"

پھر وہ آقا حسین سے مخاطب ہوا۔ "سیدی! ابن حرب کو میں نے بتایا تھا کہ شہزادی قطر الندیٰ کو آقا نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے مگر خمارویہ نے لڑکی کا عقد خلیفہ سے منظور کر لیا تو میرا دوست فسطاط سے بھاگا تاکہ آپ کو اطلاع دی جائے۔"

اس اثنا میں آقا حسین نے اپنی بے چینی پر کچھ قابو پا لیا تھا۔ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سلیمان! ہمارے ذاتی معاملے سے تمھارے دوست کی اتنی گہری دلچسپی اور بے قراری دراصل ہماری ذات سے شدید وابستگی کا ثبوت ہے۔ ہم بھی ابن حرب کے ساتھ ذاتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے طولونی بیوہ بنت اسمٰعیل کو تمھارے دوست کے لیے اور شہزادی قطر الندیٰ کو اپنے لیے پسند کیا کیونکہ عالی نسب حرمیں اپنے شوہر کو تقویت دیتی اور اس کے قبیلے یا مقصد کی کامیابی کا وسیلہ بنتی ہیں۔"

ابن حرب اگرچہ پہلے بھی جانتا تھا لیکن اب تصدیق ہو گئی کہ طولونی شہزادیوں کے حصول کا مقصد اپنی ذات کے علاوہ جماعت کو تقویت دینا ہے۔ "پھر آپ نے قطر الندیٰ کے لیے پیغام کیوں نہ بھیجا سیدنا!"

"ہم نے امام یحییٰ ابوالقاسم کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا اور پیغام کے بارے میں ان کا مشورہ طلب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ سلطان خمارویہ پیغام مسترد کر دے گا۔ وہ فرج بن یحییٰ فاطمی کے بیٹوں کی طاقت کو نہیں جانتا۔ فی الحال کسی کو اپنی دینی اور دنیوی طاقت سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جماعت کو وقت سے پہلے منظر عام پر لانا خطرناک ہو سکتا ہے اس لیے ہم نے پیغام بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔"

www.urdukorner.com

"پھر قطر الندیٰ کا کیا ہوگا؟"

"کیا ابوالحسن قاسم اس کی لڑکی ساتھ لے کر جائے گا؟"

"میں نے شہزادی نجم سے پوچھا تھا۔ اس کا خیال ہے وہ صرف نسبت طے کرنے آیا ہے اور خمارویہ ابوجیش نے خلیفہ معتضد سے لڑکی کی نسبت اس لیے منظور کر لی ہے تاکہ معاہدہ واجب العمل اور وہ طولونی ریاست کا تسلیم شدہ "سلطان" سمجھا جائے۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ خمارویہ بیٹی کی رخصتی میں دیر لگائے گا تاکہ اس سے قبل طولونی مملکت اور بنی عباس کے باہمی تعلقات مشتبہ ہو جائیں اور دنیا جان لے کہ احمد بن طولون نے جو علاقے دولتِ عباسیہ سے الگ کر لیے تھے، ان پر عباسی خلیفہ نے بنی طولون کا موروثی حق تسلیم کر لیا ہے۔"

"لیکن سیّدنا! آج نہیں تو کل قطر الندیٰ کی رخصتی بہرحال ہوگی۔"

آقا حسین نے ابن حرب کی پریشانی کو بھانپ لیا اور کہا۔ "ہم قطر الندیٰ سے دست بردار نہیں ہوئے۔ جب اس کا معاہدہ تیار کیا جائے گا تب خمارویہ کو ایک پیغام ملے گا کہ بیٹی کی رخصتی روک دے۔ اگر اس نے ہمارے پیغام پر عمل نہ کیا تو نتیجہ بھگت لے گا۔"

ابن حرب سمجھ گیا قطر الندیٰ کے لیے جنگ ہوگی یا پھر بادیہ نشین اسے کہیں رہتے میں اغوا کر لیں گے اور آقا حسین کے صحرائی خیموں میں پہنچا دیں گے۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ بنت خمارویہ معتضد تک نہ پہنچ سکے۔ دشتِ فرات میں اس نے ابوالعباس کو مشورہ دیا تھا کہ دشمن کی بیٹی کو بھول جائے اور دشمن کو باندھ رکھے مگر اس کا مشورہ مسترد کر دیا گیا اور جب کسی کا مشورہ مسترد کر کے اس کے اُلٹ کام کیا جائے تو وہ اس کام کو طبعاً پسند نہیں کرتا۔ یہاں تو معاملے کی صورت ہی کچھ اور تھی۔ آقا حسین نے اگر خوب صورت طولونی بیوہ کا قرعہ اس کے نام ڈالا تو طولونی "عذرا" کو اپنے لیے پسند کر چکا تھا پھر وہ کیسے گوارا کر لیتا کہ معتضد ابوالعباس جو اس کا دشمن تھا طولونی "عذرا" کی راحتوں سے لطف اندوز ہو۔

آقا حسین نے کچھ سوچ کر سرائے دار کو توجہ دلائی۔ "سلیمان! خمارویہ اور خلیفہ معتضد میں دوستی ہو گئی ہے اور اب ابن حرب کا فسطاط میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہ شہزادی نجم کو لے کر صحرا کا سفر کرے۔"

سرائے دار نے چونک کر سر کو جنبش دی اور کہا۔

"سیّدی! ابھی شہزادی نجم کا القطائع سے فرار خطرناک ہوگا۔ طولونی مخبر نجم اور ابن حرب کی تلاش میں سیدھے عریش پہنچیں گے اور بڑا ہنگامہ ہوگا۔"

سبز آقا نے معاملے کی نوعیت پر غور کیا اور کچھ سوچ کر کہا۔ "ہمارے نزدیک اب ابن حرب کو فسطاط چھوڑ دینا ہوگا اور شہزادی نجم کو بھی۔ البتہ یہ کام اگر کسی ہنگامے کے بغیر سرانجام پائے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"اس کی ترکیب یہ ہے نجم فی الحال القطائع میں رہے اور ابن حرب واپس نہ جائے بلکہ مشہور کر دیا جائے کہ خلیفہ سے ابوجیش خمارویہ کی دوستی کا حال سن کر وہ کہیں فرار ہو گیا اور شاید قیروان کی طرف نکل گیا ہے۔ خمارویہ اور شیبان دونوں اس بات پر یقین کر لیں گے اس عرصے میں ابن حرب صحرائی بستیوں میں روپوش رہے گا اور کسی مناسب وقت میں شہزادی نجم کو القطائع سے نکال لائے گا۔ اس صورت میں میں بھی بری الذمہ سمجھا جاؤں گا اور عریش کی کارواں سرائے پر بھی کوئی حرف نہیں آ سکتا۔"

سلیمان بن عامر کی یہ انوکھی تجویز سن کر آقا حسین نے پسندیدگی کا اظہار کیا لیکن ابن حرب کہنے لگا۔ "مجھے ایک بار فسطاط ضرور جانا اور شہزادی نجم سے ملنا ہوگا تاکہ اسے منصوبے سے آگاہ کر سکوں اور وہ مقررہ یوم کو القطائع سے نکلنے کے لیے تیار رہے۔"

"نجم کو اس منصوبے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ وہ صحرا کے خواب دیکھتی اور ہر قیمت پر اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتی ہے۔"

آقا حسین پُرجوش لہجے میں بولا۔ "ابن حرب! اگر وہ جماعت کے لیے کام کرے گی تو اس کے ہر خواب کی تعبیر مہیا کی جائے گی۔ صحرائی بستیوں میں اس کی حیثیت کسی "ملکۂ صحرا" سے کم نہیں ہوگی کیوں کہ تم بادیہ نشین قبائل پر جنھیں عسکری تربیت دے کر شاہی لشکروں کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کرو گے ہمارے نائب اور حاکم ہو گے۔"

ابن حرب پر ایک خوش گوار حیرت گزر گئی۔ "کیا سیّدنا! مجھے اپنا نائب مقرر کریں گے؟"

"صرف نائب نہیں، ہم تمھیں اپنا مُثنّیٰ، اپنا دوسرا بنائیں گے اور خود کو تمھارے حوالے کر دیں گے۔"

www.urdukorner.com

کسی غیبی جوش میں آقا حسین پھر مسند سے اٹھ کر فرش پر آگیا اس کے ساتھ ہی ابن حرب بھی اٹھا اور "سبز آقا" نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر بے اختیار سینے سے لگا لیا۔ سینے سے لگا کر اس طرح بھینچنے، دبانے اور مسوسنے لگا جیسے لوگ اپنے کسی قریبی عزیز کو رخصت کرتے وقت یا عرصہ دراز کے بعد ملتے ہوئے بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ لیکن آقا حسین نہ تو ابن حرب کو رخصت کر رہا تھا نہ وہ اُس کا کوئی انتہائی قریبی عزیز تھا جو طویل مدت کے بعد ملا ہو، بلکہ ابن حرب سے سینہ بہ سینہ ملنے اور ہم آغوش ہونے کا یہ منظر کسی اور ہی نوعیت کا تھا۔ آقا حسین نے اُسے پوری طرح اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے سینہ اس طرح ملا دیا تھا جیسے خود اس میں ڈوب سمٹ کر اپنے جسم کی کوئی طاقت اس کے جسم میں منتقل کر رہا ہو۔ اگر اس ہم آغوشی میں کوئی روحانی جذبہ کارفرما تھا تو پُراسرار حسین کی آنکھوں میں بھی ایک بجلی سی دوڑتی پھرتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود برق دم ہو رہا اور گویا اپنے وجود کو اس کے وجود میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔

اس والہانہ ہم آغوشی اور بغل گیری کا عرصہ لمحہ بہ لمحہ طویل ہوتا گیا جس نے سلیمان بن عامر اور فلسطینی کنیز دمنہ کو متحیر کر دیا۔ ان کے لیے یہ بات بڑی عجیب اور حیرت انگیز تھی کہ آقا حسین ابن حرب کے ساتھ خود بڑے والہانہ انداز سے بغل گیر ہوا تھا مگر اس طرح دیر تک سینے سے سینہ ملائے رکھنا اور پل پل ایک نامعلوم بے قراری کا اظہار کسی اچنبھے سے کم نہیں تھا۔

دونوں حیرت زدہ سے ہم آغوشی کا یہ عجیب منظر دیکھتے رہے جو بغل گیری سے زیادہ ان کے وصل اور اختلاطِ باہمی پر مشتمل تھا جیسے ایک کا دوسرے کے اندر ادغام یا حلول ہو رہا ہو۔ آخر طویل ہم آغوشی کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ آقا حسین نے ابن حرب کو خود سے الگ کیا پھر اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پُرجلال روحانی لہجے میں کہنے لگا۔

"ابن حرب! آج ہم نے اپنے آپ کو تمہارے اندر داخل کر دیا اور خود تمہارے وجود میں منتقل ہو گئے ہیں۔ آج سے تم ہمارے نائب بلکہ ہمارے ظلِ ہو اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی دُوئی، کوئی جُدائی، کوئی علاحدگی نہیں رہی۔ آج کے بعد جب تم

کسی پر حملہ کرو گے تو دراصل ہم حملہ کر رہے ہوں گے۔ تم کسی پر غالب آؤ گے تو حقیقت میں ہم غالب آئیں گے اور جب تم اپنے اندر سے باہر آؤ گے تو دراصل ہمارے اندر سے باہر آؤ گے کیوں کہ اب تم ہمارے مثنیٰ یعنی ہمارے "دوسرے" ہو۔ تمہارا دل رحم سے بیگانہ ہے۔ تمہارے کان فریاد سے ناآشنا ہیں اور تمہاری تلوار کی ضرب جان لیوا ہے اسی لیے ہم نے تم پر اعتماد کیا اور تمہیں اپنا مثنیٰ بنایا ہے۔ آج کے بعد اپنی کمزوری کو طاقت میں، اپنے پیار کو غصے میں، اپنی نرمی کو وحشت اور ہیبت میں بدل دو تاکہ ہمارے اندر نیا جوش اور مقصد کی خاطر نیا جنون ہونا چاہیے۔ جوش اور جنون ہی تم جیسے جنگی مرد کو دوسروں پر سبقت اور غلبہ عطا کرتا ہے!"

آقا حسین نے جو کچھ کہا وہ صرف ابن حرب کے لیے ایک عجوبہ نہ تھا بلکہ سلیمان اور فلسطینی کنیز دونوں کے لیے بھی بے حد حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ وہ اگرچہ حلول کے قائل اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا کی روح پیغمبروں اور اماموں کے اندر داخل ہو کر معجزات دکھاتی ہے اسی طرح امام کی روح کسی دوسرے کے جسم میں حلول ہو جاتی اور علم و عمل میں اپنے جیسا بنا دیتی ہے لیکن انھوں نے حلول یا انتقالِ روح کا منظر پہلی بار دیکھا تھا جس میں آقا حسین نے خود کو ابن حرب کے اندر منتقل کر کے اسے اپنا مثنیٰ یا ہمزاد بنا لیا تھا اگرچہ وہ مکمل طور پر بغل گیر ہو کر کوئی جذبہ یا کوئی طاقت یا اپنی روح اس کے وجود میں داخل کر رہا تھا تو گفتگو کے وقت بھی جب وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دُوئی اور علاحدگی کو ختم کرنے اور اسے اپنا مثنیٰ یا اپنا "دوسرا" بنا لینے کا اظہار کر رہا تھا اس کی آنکھوں کی پُراسرار طاقت ابن حرب کو مسحور کیے دے رہی تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اس پر عمل تنویم کیا جا رہا ہو یا آنکھوں سے نکل کر کوئی شے اس کے قلب و ذہن میں اتر رہی ہو۔

وہ سلوک اور منظر جس سے ابن حرب پہلی مرتبہ دوچار ہوا، بہرحال حیران کر دینے والا تھا۔ سلیمان بن عامر اور دمنہ کے نزدیک بھی انتقالِ روح[1] یا انتقالِ ذات کا عمل بڑا

---

[1] قرامطہ کی طرح دوسرے باطنی فرقے بھی "حلول" کا یہی استدلال کرتے تھے کہ کوئی قوت یا روح اندر منتقل ہو جاتی ہے۔ مادی دلیل یہ تھی کہ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

www.urdukorner.com

انوکھا بڑا عجیب لیکن بڑا اثر آفرین تھا۔ اس عمل کے ساتھ ہی ابن حرب کی شخصیت بالکل تبدیل ہو گئی اب وہ آقا حسین کا نائب ہی نہیں اس کا مثنیہ بھی تھا۔

کسی سحر زدہ آدمی یا معمول کی طرح اس نے ہر بات سے اتفاق کیا جو اس کی تبدیلی ذات کے بارے میں کی گئی جونہی آقا حسین اُسے چھوڑ کر پیچھے ہٹا سلیمان بن عامر اور دمنہ ذرا آگے بڑھے اور مثنیٰ کے سامنے جھک گئے۔ سرائے دار نے اپنے دوست کو مبارکباد دی۔ "ابن حرب! آج کا دن تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے کہ نائب امام نے جو خود امام بننے والے ہیں تمہیں اپنا مثنیٰ بنایا اور وہ اعزاز دیا جو آج تک کسی کو نہیں دیا گیا۔ میں اس خوش نصیبی پر تمہیں مبارکباد دیتا اور اپنا سر تمہارے سامنے خم کرتا ہوں۔"

دمنہ نے بھی اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ آقا حسین کا جوہر ذات ابن حرب میں حلول کر گیا اور اب اُس کی حیثیت آقا حسین کی سی ہو گئی ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ مجلس ختم ہو گئی جو دراصل رقص و غنا کی محفل تھی مگر ابن حرب کے آتے ہی اس کی نوعیت تبدیل ہو گئی تھی اور اس مجلس کی طرح اب ابن حرب بھی بدل گیا تھا۔

بقیہ حاشیہ

آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اُسی طرح جب امام کی روح کسی میں حلول کر جاتی ہے تو اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ (قمر اجنالوی)

(۲۷)

دمنہ کی کہانی

○

عریش کی وہ رات ان تمام راتوں سے زیادہ حسین اور خوشگوار تھی جو ابن حرب یہاں گزار چکا تھا۔

اس رات کارواں سرائے میں نہ کوئی اجنبی مہمان وارد ہوا۔ نہ مشرق یا مغرب کی جانب سے کسی کارواں کے آنے کی توقع تھی۔ سرائے کے تمام کمرے خالی تھے اور سلیمان بن عامر کے غلاموں، خادموں، نوکروں، خدمت گار لڑکیوں اور کنیزوں کو صرف آقا حسین یا ابن حرب کی خدمت کرنا تھی۔ سرائے دار نے سب لوگوں کو بتا دیا تھا کہ سیدنا حسین نے ابن حرب کو اور بہادر دوست کو اپنی قوت قدسیہ سے فیض یاب کیا اور اپنا مثنیٰ (اپنا دوسرا) قرار دیا ہے۔ سرائے کے لوگ اگرچہ پہلے ہی سلیمان کے دوست کی حیثیت سے ابن حرب کا احترام کرتے تھے لیکن اب ان کی تعظیم و تکریم کے انداز بھی بدل گئے اور وہ اس کی یوں عزت کرنے لگے جیسے آقا حسین کی کرتے تھے۔

سلامہ نے جو چند لمحوں کے لیے اس کے سامنے آئی کیوں کہ بڑی مصروف دکھائی دیتی تھی پُرجوش الفاظ میں اسے "اَتَیْتَ اَھْلًا وَوَطِئْتَ سَھْلًا"[1] کہا جس کا مطلب تھا

---

[1] "اَھْلًا وَسَھْلًا" محذوف ہیں جن سے اَتَیْتَ اور وَطِئْتَ کے الفاظ حذف کر دیے جاتے ہیں۔ [illegible] اصل فقرہ وہی ہے جو ہم نے نقل کیا ہے (بہ حوالہ المنجد)

www.urdukorner.com

کہ تم میرے اہل یعنی میرے اپنے ہو اور اپنوں ہی کے پاس آئے ہو میرا مکان صاف ستھرا ہے اور تمہارا آنا میرے لیے راحت بخش ہے۔

پھر اُسے سلام کرتا ان کمروں کی طرف چلی گئی جو سلیمان کے خاص مہمانوں کے لیے وقف تھے اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ سلامہ نے جن الفاظ میں اُسے خوش آمدید کہا، ان سے اشارہ ملتا تھا کہ اُس کی آمد کو اپنے لیے راحت بخش قرار دیتی ہے۔ تو ملاقات کے لیے آئے گی۔

محفل سے فارغ ہونے کے بعد آقا حسین فلسطینی کنیز دمنہ کے ساتھ اس رہداری میں غائب ہو گیا تھا، جہاں چند کمرے نجی مہمانوں کے لیے مخصوص اور سلیمان کی ذاتی رہائش گاہ سے ملحق تھے اور جہاں وہ خود بھی ایک کمرے میں پندرہ راتیں گزار چکا تھا مگر اس مرتبہ اس کے قیام کا انتظام کسی دوسری جگہ کیا جا رہا تھا۔

اسی اثنا میں سرائے دار اپنے کمرے سے نمودار ہوا اور اسے ساتھ لے کر نیچے کی جانب ہو لیا، دوسری منزل پر سب سے الگ تھلگ ایک بڑا کمرا صرف سلطان ابوجیش خمارویہ کے لیے وقف تھا اور یہ کمرا اسی وقت کھولا جاتا تھا جب وہ شام و فلسطین کی طرف جاتے ہوئے یا دمشق اور القدس سے مصر کی جانب آتے ہوئے عریش کی کارواں سرائے میں قیام کرتا تھا۔ ابن حرب جانتا تھا وہ شاہی کمرا سلطان خمارویہ کے علاوہ کسی دوسرے مہمان کے لیے نہیں کھلتا خواہ سلطان کا کوئی بھائی یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

سلیمان بن عامر اسی کمرے کے دروازے پر رکا۔ ابن حرب یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ دروازہ جو ہمیشہ مقفل رہتا تھا کیوں کہ خمارویہ شاذ و نادر ہی سفر کرتا اور سرائے میں ٹھہرتا تھا، کھلا ہوا تھا اور غالباً تھوڑی دیر قبل صفائی ستھرائی کی خاطر کھولا گیا تھا۔ سلیمان اس کی رہنمائی کرتا کمرے میں داخل ہوا۔ جو القطائع کے کسی حجرۂ راحت کی طرح سامان آرائش سے آراستہ و پیراستہ اور سات شاخے فانوس میں جلتی بڑی بڑی کافوری شمعوں سے منور تھا۔ ابن حرب نے کمرے کی آرائش پر نظر ڈالی پھر چشم حیرت سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔

سرائے دار نے اس کی حیران نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور جواب دیا "اب تم آقا حسین کے نائب اور صحرائی قبیلوں کے نامزد حاکم ہو۔ تمہاری حیثیت کسی سلطان اور

بادشاہ سے کم نہیں۔"

سلیمان بن عامر کے الفاظ سن کر، مزید حیران ہوا حالاں کہ مخصوص کمرے میں ٹھہرانے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ وہ خود بھی اپنی نئی حیثیت کا احساس کرے۔ سرائے دار اسے حیرت زدہ سا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا اور وہ سوچنے لگا کہیں یہ سب کچھ خواب تو نہیں انسان جب سوتا ہے، اکثر خواب دیکھتا اور دن کو جاگتا ہے تو اس کی تعبیر نکالتا ہے لیکن وہ بیداری کی حالت میں خواب دیکھ رہا تھا۔ کم از کم آج کے واقعات کسی حسین خواب یا طلسم ہی کی طرح پیش آئے تھے۔

ابھی اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ سلیمان کا غلام منصور ایک بڑے شاہی طباق میں کھانا، پانی کی صراحی، حیفہ کی انگوری شراب کا ایک بوری قرابہ اور لبنانی کانچ کے کوب (گلاس) لے کر داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے فلسطینی کنیز دمنہ بھی اسی نیم عریاں لباس پشواز اور صدرہ (سینہ بند) میں نمودار ہوئی جس میں اُس نے رقص کیا تھا۔ منصور نے طباق ایک چوبی تخت پر رکھ دیا جس پر قالین بچھا تھا اور سلام کرتا اُلٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔ دمنہ بھی قریب آ کر جھکی اور تقریباً رکوع کی حالت میں چلی گئی۔ جیسے اس پر آقا حسین کے مشتی کی ہیبت طاری تھی۔

یہ سب کچھ کسی سحر و خواب کی طرح دل آویز اور حیرت انگیز تھا۔ اپنی حالت پر خلیفہ ہارون الرشید اور ابوالحسن کا وہ قصہ یاد آیا جسے داستان سرا بغداد کے بازاروں میں لوگوں کو سنایا کرتے تھے، وہی سوتے جاگتے کا قصہ ابوالحسن رات کو سوتا تو اپنے جھونپڑے میں تھا لیکن آدھی رات کو آنکھ حسین کنیزوں کے درمیان قصر زبیدہ میں کھلتی تھی جن پر کوہ قاف کی پریوں کا گمان ہوتا تھا۔ اس وقت دمنہ بھی کسی فلسطینی لعبت کی صورت میں موجود تھی۔

دمنہ نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "دروازہ بند کر دوں، اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

دوسری منزل پر تمام کمرے خالی اور سنسان تھے۔ صرف اسی کمرے میں روشنی اور زندگی تھی جہاں وہ دونوں تنہا تھے۔ ابن حرب نے جواب دینے کی بجائے خاموشی بہتر سمجھی اور [illegible] دروازے کی طرف بڑھی، دونوں کواڑ بند کیے

www.urdukorner.com

کنڑی چڑھائی اور لوٹ آئی۔ اب دونوں مکمل تخلیے میں تھے۔ اچانک ابنِ حرب کو خیال آیا شاید آج آقا حسین کے مُتنّی کی حیثیت سے اس کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ وہ اس امتحان میں کہاں تک پورا اُترتا اور بنتِ فلسطین کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ آقا حسین نے دمنہ کو اپنی امانت قرار دیا اور ابنِ حرب کو اُس کی طرف سے اپنا دل صاف کر لینے کی ہدایت کی تھی تاکہ آئندہ بنات العرب کے لیے اس کے رویّے میں درشتی اور سختی نہ ہو۔ یہ بھی کہا تھا کہ جس سے وہ اپنی کمتری کو طاقت میں، اپنے پیار کو غصّے میں، اپنی نرمی کو وحشت اور ہیبت میں بدل دے۔

عجب بات یہ تھی، اس نے دمنہ کو ابنِ حرب سے ہاتھ ملاتے اور اسے دمنہ کا ہاتھ چوم لینے کا حکم دیا تھا اور جب ہاتھ پر دیے جانے والے بوسے سے فلسطینی کنیز کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی تو اُسے سرزنش کی گئی تھی کہ کسی بے قراری کا اظہار نہ کرے۔ لیکن رات کو دمنہ اس کی خواب گاہ میں بھیج دی گئی تھی حالاں کہ وہ سلامہ کے آنے کی توقع رکھتا تھا اور جو کچھ پیش آگیا تھا اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے دمنہ کا جائزہ لیا اور سپاٹ لہجے میں، جس سے کسی خاص رویّے کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہا "جب میں سرائے میں ٹھہرتا ہوں، سلامہ میری دیکھ بھال کرتی ہے۔"

"وہ آقا حسین کی خدمت میں ہے۔" دمنہ آہستہ سے مسکرائی۔ تبسّم زیرِ لب سے اُس کے حسین اور رنگین جذبے کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ "آج آقا نے تمھاری...."

وہ کچھ کہتے کہتے فوراً رُکی پھر گفتگو کا صیغہ تبدیل کیا اور بتانے لگی۔ "آج آقا نے آپ کی خدمت کا موقع مجھے دیا ہے تاکہ اگر آپ اپنے والد کے بارے میں مجھ پر کوئی شک کرتے ہوں تو اُسے دُور کر دوں۔ بغداد کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا چاہیں تو جواب دے سکوں۔"

ابنِ حرب کے نزدیک یہ سب باتیں غیر ضروری اور صرف ملاقات کا ذریعہ پیدا کرنے کے لیے تھیں۔ ورنہ وہ جانتا تھا کہ دمنہ اس کے پاس کیوں بھیجی گئی ہے اور قرامطہ کے مسلک میں یہ کوئی غیر معمولی اور انوکھی بات نہ تھی۔ انوکھی بات صرف یہ تھی کہ آقا حسین نے دمنہ کو اپنی امانت قرار دیا تھا اور آج رات "اپنی امانت" اس کے سپرد کر دی تھی۔ شاید اس لیے کہ "انتقالِ روح" کے بعد وہ دونوں ایک ہو گئے تھے اور اب ان میں

کوئی غیریت، کوئی دُوئی، کوئی بیگانگی نہ تھی۔ اُس نے آقا حسین ہی کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔ "پہلے یہ بتا آقا حسین کے علاوہ تجھے کسی اور کی خدمت کرنے کا موقع بھی ملا ہے؟"

دمنہ یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔ "نہیں۔ کبھی نہیں۔"

لہجہ پُراعتماد تھا۔ الفاظ اطمینان بخش تھے۔ ابنِ حرب نے اس پر مسکراتی نظر ڈالی۔

"پھر مجھے تجھ پر کوئی شک نہیں۔ تیری گواہی آقا حسین نے دی ہے اور ان کی گواہی پر شک کرنا کفر ہے، البتہ بغداد سے متعلق تجھ سے کچھ باتیں ضرور ہوں گی۔ ان باتوں کے لیے ہمارے درمیان بے تکلفی ضروری ہے۔ اگر تو چاہے تو "آپ" کی بجائے مجھے "تم" کہہ سکتی ہے۔"

"لیکن آقا نے آپ کو اپنا تشفیہ (اپنا دوسرا) قرار دیا ہے۔ اب اُن میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں۔"

"ہمارے درمیان صرف جذبوں کا نہ جانے انتقال ہوا ہے۔ میں آقا حسین کا مُتنّی ضرور ہوں لیکن آقا حسین نہیں۔ ہماری شکلوں میں، آوازوں میں، سرشتوں میں جو فرق ہے وہ رہے گا البتہ ہمارا مقصد ایک ہے اور تشفیہ اسی مقصد کے لیے ہوا ہے۔"

دمنہ ایک بار پھر مسکرائی اور اس مسکراہٹ میں ایک حسین پیغام تھا۔ گویا وہ بھی بے تکلف ہونا چاہتی تھی۔ "اگر تمھیں میری بے تکلفی پسند ہے، تو یونہی سہی۔"

پھر آراستہ تخت کی طرف اشارہ کیا جس پر کھانے کا طباق رکھا تھا، دونوں تخت پر آبیٹھے۔ ابنِ حرب نے اُسے اپنے قریب جگہ دی اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دمنہ قاب اٹھا کر بلوری کوب میں شراب انڈیلنے لگی۔

رات اپنے پہلے پہر سے گزر رہی تھی۔ باہر اندھیرا تھا اور مغرب کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے تاریک آسمان پر ستارے جھلملاتے دکھائی دے رہے تھے بلکہ کھلی کھڑکی سے ان دونوں کو جھانک رہے تھے۔ اور عریش کی اس حسین مگر تاریک رات میں ستاروں کی آنکھ کے سوا اُن کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

دوسری منزل کا شاہی کمرا مغربی جانب واقع تھا اور دن کی روشنی میں اس کی کھلی کھڑکی سے بحیرۂ روم (البحر المتوسط) کی ساحلی پٹی پر مغرب کی طرف جانے والی تاریخی شاہراہ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا جس پر فوجی قافلے اور تجارتی کارواں فسطاط یا برقہ اور طنجہ کی طرف سفر کرتے تھے۔ عریش ہی [illegible] صرف چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اگر شمالی کی

www.urdukorner.com

جانب سے آنے والی سمندری ہوائیں اس شہر سے گزرتی ہیں تو جنوب کی سمت سے صحرائے الربع کے گرم بگولے بھی یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن راتیں کالی ہوں یا روشن، عیش کی تمنائیں جذبۂ عشق کو بیدار کرتی ہیں، وہ بھی ایک ایسی ہی عشق انگیز اور ستاروں سے سرگوشیاں کرتی ہوئی رات تھی جب کارواں سرائے کی دوسری منزل پر جہاں خاموشی اور تنہائی تھی، اکل و شرب کا دور شروع ہوا۔

ابن حرب نے دمنہ کو اپنے ساتھ صرف کھانے میں شریک نہیں بلکہ فلسطینی کشید کے چند جرعے بھی پلا دیے تاکہ وہ اس کے ساتھ بے تکلف ہو کر گفتگو کر سکے۔ دمنہ پر بڑا خوشگوار اثر ہوا اور فی الواقع بے تکلفی سے بات چیت کرنے لگی، ورنہ پہلے وہ کچھ بنی بنی کچھ جھجکی جھجکی تھی۔ شاید اس پر ابن حرب جیسے اکھڑ، وحشی بے رحم اور سنگ دل جنگی مرد کا خوف طاری تھا اور محض آقا حسین کے حکم کی تعمیل کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہو گئی تھی مگر اب وہ چہکنے اور مہکنے لگی۔ ابن حرب بھی فلسطینی کنیز کی قربت اور فلسطینی کشید کی سرور انگیز لہر محسوس کر رہا تھا۔ دمنہ کی آواز نے ذہن پر سحر خواب بکھیر دیے تھے۔ ان خوابوں میں بھٹکتا ہوا بولا۔

"تیری آواز میں جادو ہے۔"

"گانا سنو گے؟"

"تیرا غنا ہی تیرا کمال ہے۔"

دمنہ نے اس کا سخت کھردرا ہاتھ تھام لیا اور مدھم سُر میں اپنے غنا کا جادو چھیڑ دیا۔

اَلْوَجْهُ مِنْهُ كَبَدْرٍ	وَالْقَدُّ يَحْكِي الْقَضِيبَا
اس کا چہرہ چاند کی مثال ہے	اور قد کسی شاخ کے مشابہ ہے
وَإِنْ تَنَاوَلَ سَيْفاً	رَأَيْتَ لَيْثاً حَرِيبَا
جب وہ تلوار اٹھاتا ہے	تو جنگ جو شیر نظر آتا ہے
وَإِنْ رَمَى بِسِهَامٍ	كَانَ الْمَجِيدَ الْمُصِيبَا
اور جب تیر چلاتا ہے	تو ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے

یہ غنا کسی موسیقی کے بغیر تھا۔ کوئی ساز نہ تھا، کوئی سازندہ نہ تھا۔ صرف اشعار تھے، الفاظ تھے۔ دمنہ کی آواز تھی۔ آواز کا سُر اور زیر و بم تھا جس نے ابن حرب پر جادو

سا طاری کر دیا اور ہلکے نشے کی کیفیت میں محسوس کرتا رہا، جس طرح "سبز آقا" نے اسے سپنے سے لگا کر کرنی ان دیکھی شے اس کے اندر منتقل کر دی تھی، اسی طرح دمنہ بھی اس کا ہاتھ تھامے اپنے جسم کا لمس اور اپنی آواز کا جادو اس کے جسم میں منتقل کر رہی ہے۔ غنا کے جادو نے اس کے نشے کی لہر تیز کر دی، جو اب بار بار شعور سے ٹکرانے لگی تھی۔

دمنہ نے اپنے اشعار میں کسی جنگ جو مرد کی شجاعت اور جنگی مہارت کے ساتھ اس کی خوب صورتی اور قامت کی بھی تعریف کی تھی۔ اچانک ابن حرب کے ذہن میں تجسس نے انگڑائی لی۔ "تو نے یہ اشعار کس کی تعریف میں گائے ہیں؟"

فلسطینی حسینہ مسکرائی۔ "اندازہ لگاؤ، ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟"

"اگر یہ اشعار بغداد میں گائے جاتے تو ان سے صرف ایک شخص مراد لیا جاتا۔"

"کون؟"

"معتضد ابو عباس۔"

"مگر میں نے اشعار عریش میں گائے ہیں اور ان میں معتضد ابو عباس کے دشمن کی تعریف کی ہے۔"

پھر اس نے بڑی بے باکی سے ابن حرب کے چوڑے سینے پر ہاتھ مارا۔ "اور معتضد ابو عباس کے وہ دشمن تم ہو۔"

ابن حرب کے ذہن پر ایک نیا جادو بکھر گیا کہ سلامہ کی طرح دمنہ بھی اسے معتضد کی طرف توجہ دلا رہی ہے۔ فلسطینی کنیز کے ذہن میں نشے اور سرور کی رو چل رہی تھی اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"أَنْتَ سَيِّدِي وَأَنَا أَمَتُكَ (تم میرے آقا ہو اور میں تمہاری لونڈی ہوں)۔"

ابن حرب نے دو تین گھونٹ بھرے اور کوب دمنہ کے ہونٹوں سے لگا دیا کہ وہ بھی پیے، اس نے شریر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں نشہ مجھے سرکش نہ کر دے۔"

اس نے بھی شرارت سے جواب دیا۔ "میں تم جیسی لونڈی کی سرکشی پسند کروں گا۔"

دمنہ کی آنکھیں مسکرانے لگیں پھر کوب سے گھونٹ گھونٹ پیتی رہی حتیٰ کہ وہ خالی ہو گیا اور اسے تپائی پر رکھ کر ایک بار پھر ابن حرب کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اب اس نے

www.urdukorner.com

ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا۔ "تو بغداد صرف بنی عباس کے دو احمدوں میں سے کسی ایک کو ختم کرنے گئی تھی یا کوئی اور مقصد بھی تھا؟"

دمنہ کے ذہن سے نشے کی لہر گزر رہی تھی۔ "ایک مقصد اور تھا۔"

"وہ کیا؟"

"وہ مقصد یہ تھا کہ تم بغداد کو چھوڑ دو، عراق کو چھوڑ دو، عباسیہ کو چھوڑ دو۔"

"مگر کیوں؟"

"آقا حسین چاہتے تھے۔"

ابنِ حرب بُری طرح چونکا "لِمَ؟" (کس لیے؟)

دمنہ نے اس کے سینے پر تیسری مرتبہ ہاتھ مارا اور مسکرائی۔ "تمھیں اپنا مُنشی بنانے کے لیے۔"

لیکن بغداد میں تو نہ کبھی مجھ سے ملی، نہ اس مقصد کا ذکر کیا۔"

دمنہ نے ایک اور انکشاف کر دیا۔ "جب میں انبار صافہ میں پہنچ گئی تو آقا حسین نے تمھاری طرف ایک داعی بھیجا تھا، جو میری مشکل آسان کر دیتا۔"

"وہ کیسے؟"

"اگر تم دعوت میں دل چسپی لیتے تو داعی تمھیں مجھ سے ملانے کی کوشش کرتا مگر تم نے دعوت سے دل چسپی کا کوئی اظہار نہ کیا جس سے داعی کو مایوسی ہوئی اور وہ مخصوص خنجر جو فدائیین کی علامت تھا، تمھارے کمرے میں چھوڑ آیا۔"

وہ ایک بار پھر چونک گیا۔ "کیوں؟"

"اُسے علم تھا، ایک جنگ جُو مرد ہونے کے ناتے تمھیں ہتھیاروں سے دل چسپی ہے، خنجر اپنے پاس رکھ لوگے پھر ایک نہ ایک دن وہ تمھارے پاس دیکھ لیا جائے گا۔ اس ساخت کا خنجر نہ کہیں ڈھالا جاتا ہے، نہ کہیں بازار میں فروخت ہوتا ہے۔"

ابنِ حرب پر ایک سنسنی خیز حیرت گزر گئی۔ "میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ آدمی جو مجھے دعوت دینے آیا تھا خنجر میرے کمرے میں بھول گیا ہے۔"

"جماعت کا کوئی رکن اسے بھولنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔ وہ خنجر جان بوجھ کر تمھارے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔" پُراسرار دمنہ حیرت انگیز انکشافات کرنے لگی۔ "تم سمجھتے ہو شاید

میں تمھیں بھول گئی تھی! حالاں کہ میں نے حرب الکندی سے کہہ دیا تھا کہ بغداد سے تمھیں ساتھ لے کر جاؤں گی لیکن معتمد کی ہلاکت کے بعد ہمیں شونیزیہ سے ناگہاں بھاگنا پڑا پھر دجلہ کے گھاٹ پر جو کچھ ہوا، تم آقا حسین سے سن چکے ہو، حرب کا ساتھ چھوٹ جانے سے میری آدھی طاقت جاتی رہی پھر بھی میں اندھیرے میں بچ نکلی اور رضا خیاط کے ٹھکانے پر پہنچ گئی۔"

دمنہ کا ذہن نشے کی رَو میں تیز ہو چکا تھا اُس نے اپنی داستان کا جس کا متن وہ خود ہی تھی ایک نیا ورق اُلٹا اور بتانے لگی۔

"حرب کی اچانک ہلاکت کے بعد میں بے حد پریشان ہو گئی۔ تم سے رابطے کا ذریعہ ٹوٹ گیا تھا میں نے رضا کو محلّہ خیزران میں بھیجا کہ تمھیں حرب کے حوالے سے کسی طرح میرے پاس لے آئے لیکن وہ یہ اطلاع لے کر آیا کہ اسی خنجر کے باعث، جسے وہ تمھارے ہاں چھوڑ گیا تھا۔ تمھاری گرفتاری کا حکم صادر ہو چکا اور کزمان ترک جیسا ہوشیار اور ظالم افسر تمھیں ڈھونڈ رہا ہے۔ دوسرے روز معلوم ہوا، تم بغداد سے فرار ہو گئے ہو میں مطمئن ہو گئی کہ تم نے بغداد کو چھوڑ دیا ہے تو یقیناً عراق کو بھی چھوڑ دو گے اور یہ بات تقدیر کی طرح کتنی راست اور عظیم ہے کہ عراق کو چھوڑ کر تم اپنے دوست سلیمان بن عامر کے پاس عریش چلے آئے اور اس وقت نہ صرف جماعت کے رکن بلکہ آقا حسین کے منشی بھی بن چکے ہو اور میں جو تمھاری خدمت کی تمنا رکھتی تھی آج رات تمھاری خدمت میں حاضر ہوں۔"

ابنِ حرب طلسم ہوش ربا کی سی یہ داستان سن کر نہ صرف دنگ رہ گیا بلکہ سوچنے لگا کہ اُسے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت بغداد سے نکلوایا گیا ہے اور اس منصوبے میں آقا حسین کے علاوہ سلیمان بن عامر کا ہوشیار ذہن بھی شامل ہو گا جس نے چند برس قبل اسے طولونیوں کی جنگی قید سے رہائی دلائی تھی۔ ماضی کے اس پس منظر میں واقعات پر غور کیا، تو ایک پُراسرار سلسلہ نظر آیا جس کی تمام کڑیاں مربوط اور عریش کی کارواں سرائے سے منسلک تھیں۔

ابھی یہیں تک سوچنے پایا تھا کہ دمنہ نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "جب آقا حسین نے مجھے بغداد بھیجا تو یہ بھی بتا دیا تھا، تم بڑے بے رحم، وحشی، بڑے جنگ جُو

www.urdukorner.com

مرد ہو اور جماعت کو تم جیسے جنگی مرد کی ضرورت ہے۔ میرے دل میں تمہیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور یہ خواہش اس وقت پوری ہوئی جب تم اثر صافر کی ڈیوڑھی میں اپنے باپ سے گفتگو کر رہے تھے اور میں حرب کو بلانے آئی تھی۔ تمہارا قد، ڈیل ڈول اور فوجی جثہ پر کشش تھا۔ تمہیں دیکھتے ہی دل میں ایک چنگاری سی بھڑک اٹھی اور میں فوراً اثر صافر میں لوٹ گئی، کیوں کہ میرے دل میں ایک نادا جب خواہش بھڑکی تھی۔ جب میں نے سنا کہ تم بغداد سے فرار ہو گئے اور عراق کو چھوڑ گئے ہو، میں ایک سکون سا محسوس کرنے لگی لیکن اس سکون میں ایک بے چینی بھی تھی کہ تم سے کب ملوں گی۔ ملوں گی بھی یا نہیں؟ یہ وہی نادا جب سی خواہش تھی جو کچھ نہ کر سکی۔ جب میں رضا خیاط کے ہمراہ آقا حسین کے پاس لوٹ آئی اور سنا کہ تم عریش پہنچ چکے اور حلقہ اخوان میں شامل کر لیے گئے ہو تب مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے آقا حسین سے اپنے دل کی بے چینی کا اظہار کیا جو تمہارے متعلق تھی، انھوں نے وعدہ کیا کہ میری خدمت کا صلہ دیا جائے گا۔"

اس داستانِ اسرار میں ابن حرب کی دل چسپی کا بھی ایک پہلو تھا کہ دمنہ اس کے لیے بے چین رہی ہے یہ تو سمجھ چکا تھا کہ جن حالات میں اسے بغداد سے بھاگنا پڑا، وہ ایک منصوبے کے تحت پیدا کیے گئے تھے لیکن اب تعجب اس بات پر تھا کہ دمنہ یہ ناگفتنی باتیں نشے کی لہر میں بتا رہی تھی یا اسے ہدایت کی گئی تھی کہ جو باتیں پوشیدہ رکھی گئی تھیں، انھیں ظاہر کر دے۔ غالباً اب ان کے اخفا سے کچھ حاصل نہ تھا۔ ابن حرب زندگی کے جس موڑ پر پہنچ گیا تھا وہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا، ایک ہی منزل تھی، جسے اس نے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ کیا اسے آقا حسین سے، سلیمان بن عامر سے، حسین دمنہ سے کوئی شکایت ہے، جو بغداد سے اس کے فرار کا ذریعہ بنے؟

ذہن نے فوراً جواب دیا کہ نہیں، بغداد میں رہ کر اسے وہ سب کچھ نہ مل سکتا تھا جو بغداد چھوڑ دینے کے بعد مل رہا ہے۔

اس کے دل و دماغ کے درمیان اب کوئی کش مکش نہ تھی۔ آقا حسین کے سلوک اور دمنہ کے حیرت انگیز انکشافات نے سارا تردد دور کر دیا تھا اگر جماعت کو اس کی حرفی خدمات کی ضرورت تھی تو ان خدمات کی قیمت بھی اتنی بڑی لگائی گئی تھی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا

ناگہاں اس کے اندر سے آواز آئی۔

"وہی راستہ تمہاری منزل کو جاتا ہے جس پر گامزن ہو چکے ہو۔"

خیال گزرا کہیں یہ آواز آقا حسین کی نہ ہو جو آج ہی اس کے اندر منتقل ہوا تھا لیکن اندر سے آنے والی آواز کسی کی بھی تھی، آقا حسین کی یا اس کی اپنی، بہرحال تسکین بخش تھی۔ اب اس کے سامنے ایک ہی منزل تھی اور اس منزل کی طرف جانے والا راستہ بھی ایک ہی تھا۔

اسے خیالوں میں گم صم دیکھ کر فلسطینی کنیز نے ایک بار پھر فلسطینی کشید کو کب میں انڈیلی اور اسے پیش کیا۔ "شاید اب تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

ابن حرب نے مسکرا کر کوب تھام لیا اور شکریہ ادا کیا واقعی شراب کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ دمنہ نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے تھے؟"

"تو چاہتی تھی کہ میں عراق کو چھوڑ دوں۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔

"اور تیری خواہش کے مطابق میں عراق کو چھوڑ آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر کوب ہونٹوں سے لگا لیا اور دمنہ اپنی کلائی اس کے شانے پر رکھ کر سریلی آواز میں نغمہ سرا ہوئی ؎

فَإِنْ تَدَعُ الْعِرَاقَ وَسَاكِنِيهِ
اگر تم نے عراق اور اس کے رہنے والوں کو چھوڑ دیا
فَقَدْ تُبْلَى الْمَلِيحَةُ بِالطَّلَاقِ
تو کبھی کبھی خوب صورت عورت کو بھی طلاق ہو جاتی ہے

ابن حرب اس کی برجستہ گوئی پر حیران بھی ہوا اور محظوظ بھی۔ دمنہ آقا حسین کی خاص کنیز اور خوب صورت مغنیہ تھی جسے بہت سے اشعار یاد تھے۔ موقع محل کے مطابق خود بھی شعر کہہ لیتی تھی اور یہی خوبی اس کے حسن میں اس کی ذات میں ایک نئی کشش پیدا کر دیتی تھی۔ ابن حرب کو عراق سے، بغداد سے عشق تھا۔

آدمی فطرتاً اپنے سرزمین سے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے، محبت رکھتا ہے کیوں کہ مقامِ پیدائش کی آب و ہوا اور مٹی کی بو باس اس کے خون میں رچی بسی ہوتی ہے بلکہ اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے، پھر بغداد تو شہروں کا شہر مدینۃ السلام اور عروس البلاد تھا جس کی کشش

(باقی اگلے صفحے پر)

www.urdukorner.com

لوگوں کو ہزاروں میل سے کھینچ لائی تھی اور جس کی خوب صورتی کی داستانیں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں دہرائی جاتی تھیں۔

دمنہ نے عراق یا بغداد کو خوب صورت بیوی سے تشبیہ دی جسے آدمی کبھی طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے تو ابن حرب بے اختیار بولا "بغداد واقعی وہ خوب صورت زوجہ ہے جسے میں نے جماعت کے لیے اور آقا حسین کے لیے طلاق دے دی۔"

دمنہ نے تڑپ کر پوچھا۔ "وَمَاذَا اَهَبُ لَكَ؟" (اور مجھے کیا صلہ دو گے؟)

"تو کیا چاہتی ہے؟"

"جو چاہتی ہوں مانو گے؟"

"تیری خوشی کے لیے مانوں گا۔"

"پھر قسم کھاؤ۔"

"کس کی قسم کھاؤں؟"

"اپنی قسم کھاؤ۔"

ابن حرب نے کوب خالی کر کے لوٹا دیا اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا "آلیتُ عَلیٰ نفسی" (میں نے اپنی جان کی قسم کھائی)

دمنہ خوش ہو گئی اور اپنی دونوں کلائیاں اس کی گردن میں پرو کر کہنے لگی "آقا حسین کی طرح آج سے تم بھی میرے مالک ہو اور میں چاہتی ہوں جس طرح آقا حسین مجھے تمام لونڈیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں اسی طرح تم بھی مجھے تمام لونڈیوں سے زیادہ عزیز رکھو۔"

ابن حرب اس خواہش پر حیران رہ گیا۔ "مگر میرے پاس تو لونڈیاں نہیں ہیں۔"

دمنہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔ "ابن حرب! جن لوگوں کو اللہ مرتبے عطا کرتا ہے انھیں عالی نسب حرمیں اور خوب صورت لونڈیاں بھی ملتی ہیں۔ شہزادی نجم اللیل بیوہ سہی لیکن طوبیٰ خاندان کی عالی نسب اور والا مرتبت خاتون ہے جو تمھاری حرم بننے والی ہے آج سے تم آقا حسین کے ختنی ہو اور میری طرح ان کی سب لونڈیاں اور کنیزیں تمھاری ہو گئیں

(پچھلے صفحے کا حاشیہ)

البغداد کو مدینۃ السلام (سلامتی [illegible] تھا [illegible]

آقا کے خیمے بغداد اور فسطاط کی محل سراؤں کی طرح عالی شان تو نہیں لیکن وسیع و عریض اور صحرائی نازنینوں کے حسن سے آباد ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ گے ان سب پر تمھارا حکم جاری ہو جائے گا اور چوں کہ آقا حسین سے زیادہ قوی ہیکل، طاقت ور اور جنگ جو مرد نہ اس لیے سب تمھاری عنایات کی طلب گار ہوں گی۔"

ابن حرب پر ایک نئی حیرت گزر گئی۔ دمنہ کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا جو آقا حسین کی کنیز بلکہ "امانت" ہونے کے باوجود اس کی خدمت کے لیے بھیج دی گئی تھی۔ اس نے خوشگوار تجسس سے پوچھا۔ "کیا صحرائی نازنینیں تم سے زیادہ خوب صورت ہیں؟"

دمنہ کا جواب سنسنی خیز تھا۔ "بار بر نشین قبائل جانتے ہیں کہ امام یحییٰ کے بعد آقا حسین امام ہوں گے اور برسر اقتدار آئیں گے، اس لیے آقا کے خیموں میں صحرائی حسیناؤں کا جمگھٹا ہو گیا ہے۔ ان میں کئی جوان، کئی نوجوان، کئی نوخیز ہیں۔"

قرامطہ کے مسلک میں دنیاوی لذات مذہبی نظریات سے وابستہ تھیں اور خوب صورت لونڈیوں کو قدرت کا عطیہ سمجھا جاتا تھا ان صحرائی قبیلوں کی عورتوں اور لڑکیوں میں بھی جنھوں نے قرمطی مذہب اختیار کر لیا تھا یہ بات عقیدے کے طور پر رائج تھی کہ امام، اس کے نائب اور جماعت کے خاص لوگوں کی خدمت کرنے والیاں موت کے بعد حوران بہشت کے زمرے سے اٹھیں گی بلکہ دنیا میں ان کے عیش و آرام کا جتنا زیادہ خیال رکھیں گی، جنت الفردوس میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہو گا۔

ابن حرب نے خوشگوار حیرت کے ساتھ دمنہ کی باتیں سنیں اور رگ و پے میں ایک سنسناہٹ سی گزرنے لگی۔ آقا حسین کے صحرائی خیموں کی روداد بڑی خیال انگیز تھی۔ اس کی مزید دل جوئی کے لیے کہنے لگا۔

"جس طرح تو آقا حسین کی پیاری ہے اسی طرح میں بھی تجھے عزیز رکھوں گا اور اگر تو چاہے تو شہزادی نجم اللیل کی دیکھ بھال بھی تیرے سپرد کر دی جائے۔"

دمنہ کے چہرے پر تبسم بکھر گیا۔ "میں یہی چاہتی ہوں، شہزادی کی دیکھ بھال بھی کروں اور تمھارے قریب بھی رہوں۔"

عریش کی کارواں سرائے کی وہ رات بڑی رنگین تھی۔ دمنہ جس وارفتگی کا اظہار کر رہی تھی اس میں ذاتی لگاؤ کے علاوہ جماعت اور اس کے مقصد کی لگن بھی شامل تھی جس نے

www.urdukorner.com

ابن حرب کو الف لیلہ کی کسی زاری طلسم حیرت میں پہنچا دیا۔ بحیرۂ روم کی طرف سے آنے والی باد شمال ان کے جذبۂ عشق کو بھڑکاتی رہی۔ کھلی کھڑکی سے جھانکنے والے ستارے مغرب کی سمت دور نکل گئے اور آخر انھوں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

★

دنیا میں بعض حقیقتیں جن پر اخفا کے پردے پڑے رہتے ہیں، افسانوں، داستانوں اور کہانیوں سے زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ جب ان سے اسرار کے پردے اٹھتے اور اصل کتاب کے ورق کھلتے ہیں تو آدمی اصلیت جان کر دنگ رہ جاتا ہے۔

عرابش کے نئے سفر میں ابن حرب کو اپنے باپ حرب الکندی کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ اس کے مسلک اور عقیدے کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں، وہ کسی پراسرار داستان سے کم انوکھی نہ تھیں مگر دمزی کی زبانی یہ انکشاف کہ خود اس کا بغداد سے فرار اتفاقی نہیں بلکہ ایک طے شدہ منصوبے کا نتیجہ تھا، کوئی اچنبھا یا طلسم ہوش ربا تھا جس نے اسے دریائے حیرت میں ڈال دیا۔ قرامطہ کی خفیہ جماعت کو جو عباسیہ کے خلاف خروج اور بغاوت کی درپردہ تیاریاں کر رہی تھیں، ابن حرب کی ضرورت تھی اسی ضرورت کی خاطر اسے بغداد سے نکلوانے کا ایک پُراسرار منصوبہ تیار کیا گیا اور عین اسی منصوبے کے مطابق اس کا فرار عمل میں آیا تھا جس کے بعد اسے کئی دکھوں، کٹھن مشکلوں اور بادیۂ شام کے ہولناک مصائب سے گزرنا پڑا تھا اگر وہ رضا خیاط داعی کی دعوت قبول کر لیتا تو حالات کی صورت کچھ اور ہوتی اور دمزی کی رفاقت میں سفر شام کی طرف اس کا سفر بڑا خوش گوار ہوتا لیکن اس وقت وہ معاملے کی نوعیت سے بے خبر تھا۔

یہی بے خبری اور دعوت سے بے تعلقی اس کی مصیبتوں کا سبب بن گئی تھی اور غیر معمولی حالات نے اسے اپنے خطرناک نرغے میں لے لیا تھا مگر اپنی بہادری، مہم پسندی اور جنگجو فطرت کے باعث وہ مشکلات سے لڑتا ہوا، حالات کے خطرناک نرغے سے نکل آیا تھا۔

ہر انسان میں کوئی ہنر یا گُن ہوتا ہے جس کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور لگتی ہے دنیا کی منڈی میں ضمیر اور ایمان بھی بک جاتا ہے۔ قرمطی آقا نے ابن حرب کی جو قیمت لگائی اس پر دربار بغداد کے کسی وزیر، مشیر یا کسی [illegible]

مشیر، قاضی اور امیر کی نہیں ایک جنگ جو مرد کی ضرورت تھی جو سپاہِ خلافت کے فوجی طریقوں سے آگاہ ہوتا، دھاوا کرنے کے حربے جانتا، دشمن پر بے رحمی سے حملہ کرتا، صحرائی قبائل کو تجربے کار لشکروں کے خلاف نبرد آزما ہونے کی تربیت دے سکتا اور جماعت کے لیے فتح کے دروازے کھول دیتا۔ ابن حرب میں یہ ساری صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ خلیفۂ معتضد ہی کی طرح بے رحم اور منتقم مزاج بھی تھا اسی لیے اُس کا انتخاب کیا گیا تھا اور اُس کی خدمات کی بہت بڑی قیمت لگائی گئی تھی۔ ابن حرب جس ماحول اور جس معاشرے کا فرد تھا وہاں زندگی نیزے کی ضرب اور تلوار کی دھار سے کٹتی یا پھر چنگ و رباب کی دھن پر رقص کرتی تھی مگر ان خاندان اور مراعات یافتہ قبیلوں کی تمام تر جدوجہد اور کشمکش کا مقصد کیا تھا؟ حکومت کا رعب داب، درباروں کی شان و شوکت، شہرت، ناموری، لشکروں کے جمگھٹے، طبل و کوس کی کڑک، تلواروں کی قوت، پرچموں کی اڑان، مصاحبوں کی خوشامد، غلاموں کی وفاداری خادموں کی اطاعت، خوب صورت اور عالی نسب حرموں کی رفاقت، حسین لونڈیوں کی ہم نشینی کم سن کنیزوں سے رغبت، سفر سے رن، حسین شامیں، رنگین راتیں اور عیش و راحت کی فراوانی بلکہ یہ عرب معاشرے کا وہ دور تھا جب کسی سردارِ قبیلہ کی قوت کا اندازہ اس کے غلاموں کے انبوہ سے لگایا جاتا اور حسین و خوبرو کنیزوں کی کثرت کو اس کی دولت و شہرت کا معیار سمجھا جاتا تھا جس کے پاس کم لونڈیاں اور تھوڑے غلام ہوتے، اس کا شمار کمتر سرداروں میں ہوتا تھا۔

ابن حرب بغداد میں رہ کر کسی قلعے یا شہر کا حاکم بھی نہیں بن سکتا تھا۔ فوج اور ضبطیہ (پولیس) میں ترکوں کا عمل دخل بڑھ گیا تھا اور وہی عہدوں پر قابض تھے۔ اپنی ذاتی شجاعت اور قطری جنگ جوئی سے اس نے ابوعباس کے محافظ دستے کی سرداری کا جو اعزاز حاصل کر لیا تھا غالباً وہی اُس کی زندگی کی معراج ہوتی لیکن بغداد سے فرار ہو کر اور حالات کی خطرناک گرفت سے نکل کر وہ جن حسین و رنگین واقعات سے دوچار ہوا وہ طلسم حیرت کی ان داستانوں سے کم ہوش ربا نہ تھے جنھیں قصہ گو بغداد اور فسطاط کے بازاروں میں مجمع لگا کر سنایا کرتے تھے۔

وہ طبعاً جنگ جو اور مہم پسند تھا۔ قدرت نے اس کے لیے مہم جوئی کی ایک ایسی بساط بچھا دی تھی جس میں کامیابی اس کی عسکری مہارت اور خوش قسمتی پر منحصر تھی اور قسمت نے

www.urdukorner.com

S-527, SHABIR [illegible]
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048659
Prop: Ali Khan

خطرناک حالات میں اس کا ساتھ دیا تھا تو آئندہ بھی اس پر مہربان رہے گی۔

اس کے ذہن میں یہ خیال بھی چکر لگا رہا تھا کہ اگر خارجیہ ابوحبیش جیسا عیاش حکمران سوڈان، حبشہ کے "جاں نثاروں" اور اپنے تیز رفتار رسالے کے بل پر جس میں ترک، عرب، مصری اور سوڈانی سوار شامل تھے، ماضی میں عباسی لشکروں کا کامیاب مقابلہ کرتا اور بغداد کے فوجی حربوں کو ناکام بناتا رہا ہے تو وہ بھی بادیہ نشیں قبائل اور فدائیین کے ذریعے جنھیں قرمطی عقیدے کی اندھی طاقت قربانی اور شہادت پر آمادہ کر دیتی تھی عباسیہ کے کچھ علاقے حاصل کر سکتا اور عراق و حجاز کے صحرائی گوشوں میں قرامطہ کے پرچم گاڑ سکتا ہے۔

ذکرویہ قرمط "قائم بالحق" اور اس کے جانشین ابوالقاسم یحییٰ قرمطی اور ابوالعباس حسین قرمطی اپنے آپ کو "مہدی کے ایلچی"[1] ضرور کہتے تھے تاکہ فاطمی علوی اور اسماعیلی حلقوں کی حمایت حاصل کر سکیں لیکن ان کے عقائد ہی مختلف نہ تھے بلکہ وہ امام کے لیے صرف علوی ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک امامت کے دعوے دار کا فاطمی اور حسنی یا حسینی ہونا ضروری نہ تھا۔ وہ فرزند علیؓ محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کی امامت کے علمبردار تھے جب کہ فاطمیوں کے نزدیک امامت کا حق صرف اُس اولاد کو حاصل تھا جو حضرت علیؓ کے صلب اور حضرت فاطمہؓ بتول کے بطن سے تھی۔

ابن حرب کو عقیدہ و مسلک کے اختلاف سے مطلب نہ تھا۔ اُس مقصد سے غرض تھی جس کے حصول کی خاطر آقا حسین نے اسے منتخب کر لیا اور ان حقیقتوں سے دوچار کیا تھا جو کچھ پیش آ چکی اور کچھ پیش آنے والی تھیں۔ اسے انھی پیش آنے والی حقیقتوں کی تلاش تھی۔

★

خریش میں قرمطی شیخ کا قیام بے مقصد نہ تھا۔ وہ یہاں دو دن سے مقیم اور قرمان

---

[1] یحییٰ قرمطی "مہدی کا ایلچی" کہلاتا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد جب آقا حسین قرمطی امام بنا تو خود کو "مہدی امیر المومنین" کہلانے لگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرامطہ مہدوی تحریک سے سیاسی فائدہ اٹھا رہے تھے (قمر اجنالوی)

سے آنے والے ایک قاصد کا انتظار کر رہا تھا۔

انھی ایام میں آقا حسین، ابن حرب اور سلیمان بن عامر کے درمیان کچھ ضروری باتوں کا فیصلہ ہو گیا۔ نئے حالات میں ابونصر یاقوت کی طرح اب ابن حرب کو بھی منظر سے غائب ہو جانا اور صحرائی خیموں کی جانب سفر کرنا تھا لیکن اس سے قبل اُسے خفیہ طور پر فسطاط واپس جانا تھا تاکہ شہزادی نجم الہیل کو نئے منصوبے سے آگاہ کرنا اور اس کے ساتھ القطائع سے فرار اور صحرائی سفر کی تاریخ طے کر کے لوٹ آنا تھا۔

وہ جماعت سے پہلے ہی وابستہ ہو چکا اور اپنی شخصی اہمیت سے حلقۂ اخوان میں شامل کیا گیا تھا لیکن اب اس کی حیثیت مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ عباسیہ کے خلاف ایک خطرناک مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔ لہٰذا اُس کی والدہ کا بغداد میں رہنا سراسر خلافِ مصلحت تھا جبکہ وفادار عبداللہ جو بغداد سے اُس کے بیٹے کے لیے ضروری پیغام لے کر آیا تھا مصر میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور اس کا کوئی کھوج نہ مل سکا تھا۔ سلیمان کے غلام منصور نے بتایا کہ کسی مسافر نے اُسے عریش اور فسطاط کے درمیان سفر کرتے دیکھا ہی نہیں۔ شاید وہ درندے کا لقمہ بنا یا صحرائی ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس المیے کے بعد بڑھیا کو بغداد سے نکالنا اور ضروری ہو گیا تھا جس کا وہاں کوئی پُرسانِ حال نہ تھا مگر وہ مصر آنے سے انکار کر چکی تھی۔ سلیمان بن عامر نے تجویز پیش کی۔ "کیوں نہ اُسے اغوا کر کے شام کی صحرائی بستیوں میں پہنچا دیا جائے جہاں ایک دن ابن حرب بھی طولونی شہزادی کو لے کر پہنچ جائے گا۔"

وہ اپنی والدہ کے اغوا کی تجویز سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ لیکن پُراسرار حسین نے سرائے دار سے اتفاق کیا اور کہا۔ "حرب کی بیوہ کو بغداد سے نکالنے کی یہی ایک ترکیب رہ گئی ہے، ورنہ خلیفہ اُسے یرغمال بنا لے گا۔"

آخر ابن حرب کو بھی اس رائے سے متفق ہونا پڑا لیکن اس نے بتایا۔ "رمضان قریب ہے وہ روزے رکھتی ہے، اعتکاف میں بیٹھتی اور عیدالفطر پر صدقہ و خیرات دیتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" آقا حسین فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "وہ رمضان اور عیدالفطر بغداد ہی میں گزارے گی لیکن بغداد میں یہ اُس کی آخری عید ہو گی۔ ۷ شوال کو اسے وہاں سے نکال لیا جائے گا۔"

سلیمان بن عامر نے اپنے زرخیز دماغ سے ایک اور تجویز نکالی۔ "سیدی! کیوں نا

www.urdukorner.com

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5049559
Prop: Ali Khan

منہ مانگا انعام

○

حارث کی واپسی اور دولتِ عباسیہ کے وفد کی آمد بنی طولون کے لیے ایک ایسی خوش خبری تھی جس کے وہ کئی سال سے منتظر تھے۔

مصر کا والی احمد بن طولون ایک زبردست جنگجو مرد، ہوشیار سیاست دان اور فوجی آمر تھا۔ ۲۶۹ ہجری میں سلطنت کے داخلی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر جب خلیفہ معتمد کو معزول و گرفتار کر کے واسط بھیج دیا گیا، اس نے مصر و شام کو دولتِ عباسیہ سے الگ کر کے ایک طولونی ریاست تو قائم کر لی تھی لیکن دربارِ بغداد نے نہ کبھی ان صوبوں کی علاحدگی کو تسلیم کیا تھا نہ طولونی حکومت کے ساتھ سفارتی تعلقات کی ضرورت سمجھی تھی۔ عباسیوں کے نزدیک مصر و شام اسی اسلامی سلطنت کا جزوِ لاینفک تھے جس پر وہ ۱۳۷ سال سے حکومت کرتے آ رہے تھے تاہم معتضد ابوعباس کی تخت نشینی اور امرِ خلافت کی بحالی پر خمارویہ ابوجیش نے دربارِ بغداد کی طرف مبارکباد کا پیغام بھیجا، قیمتی تحائف ارسال کیے جنھیں قبول کر لیا گیا۔

دونوں حکومتوں کے مابین یہ پہلا رابطہ تھا جسے ایک رسمی کارروائی سمجھا گیا۔ کسی نئے حکمران کے برسرِ اقتدار آنے پر حکمرانی کے آداب یا اخلاقی دستور کے مطابق اپنے بیگانے، دوست دشمن ضرورتاً اور مصلحتاً نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں مگر بنی عباس اور بنی طولون کے اس پہلے رابطے کے پیچھے قطر الندیٰ کھڑی تھی۔

[illegible] جب تخت خلافت پر بیٹھا، اس نے بنی طولون

۷ شوال ہی کو شہزادی نجم بھی ابن حرب کے ہمراہ فسطاط سے فرار ہو گئی۔

آقا حسین نے اُس کے ذہنِ رسا کی داد دی۔ "دو کام ایک سے بہتر ہیں۔"

اس طرح بغداد سے ابن حرب کی والدہ کا اغوا اور فسطاط سے طولونی بیوہ کے فرار کی ایک ہی تاریخ مقرر ہوئی۔

ایک دن علی الصباح کیوں کہ قیروان سے کوئی قاصد نہ آیا تھا، کارواں سرائے کے باہر جہاں آقا حسین کے محافظ قبائلی اپنی سانڈنیوں کو لیے کھڑے تھے وہ دونوں ایک دوسرے سے سینہ بہ سینہ بغل گیر ہوئے اور "سبز آقا" نے سلیمان بن ناصر کو تاکید کی کہ جونہی ابن حرب فسطاط سے لوٹ آئے وہ اسے لے کر صحرائی جنموں کا رُخ کرے۔ دمنہ بھی اس سے رخصت ہوئی، جس کا عمل آقا حسین کی سواریوں کے ساتھ جا رہا تھا۔

دونوں ایک ہی صبح عیش سے روانہ ہوئے۔ مثنیٰ فسطاط کی جانب اور مثنیٰ بہ شام کی طرف۔ جب سانڈنیاں اپنے سواروں کو لے کر اُٹھیں ابن حرب بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگائی۔

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5049559
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

کے معاملے پر کسی اور پہلو سے سوچنا شروع کیا۔ شامی قبائل کو عباسی حکمرانوں سے جو ضد رہی تھی اور وہ ان کے خلاف جس سیاسی اور قبائلی کدورت کا اظہار کرتے آئے تھے اس میں مصریوں کی دشمنی بھی شامل ہو گئی تھی جو مصر و شام کو تقویت دے رہی تھی۔ اس کو تلواروں سے دور کرنے کا نتیجہ پہلے مسلمانوں کے کشت و خون کی صورت میں برآمد ہوا تھا اور آئندہ بھی جنگ و جدل سے بجز عداوت کچھ حاصل نہ ہوتا۔

یہ سوچ حقیقت پسندی کے قریب تھی

مصر اور شام کی سیاسی حقیقت کو پہلی بار تسلیم کیا گیا لیکن قطر الندیٰ ہی "دوستی کی شرط" قرار پائی جسے خمارویہ نے فوراً مان لیا۔ وہ معاہدے کو عملی شکل دینے کے لیے اس قدر بے چین تھا کہ تیسرے روز اپنے شاہی محل کے خاص ایوان میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جس میں بھائیوں، بہنوں، ازواج، بیٹوں اور بنی طولون کے تمام افراد کے علاوہ خاص خاص اعیان اور امرا کو بھی دعوت دی۔ مصر کے قاضی القضاۃ اور نامور علما کو پروانے بھیجے۔ خلیفہ معتضد کے سفیر ابوالحسن قاسم بن عبداللہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو مدعو کیا۔ بیٹی اسماء قطر الندیٰ کو جو شرطِ دوستی ٹھہری تھی، ایوان میں طلب کیا، جو اپنی چچی شہزادی عباسیہ کے ساتھ پردوں کی اس جانب طولونی خواتین کے جھرمٹ میں موجود تھی۔

جب تمام لوگ جن کی شمولیت ضروری تھی جمع ہو گئے تب سلطان خمارویہ کے اشارے پر شہزادہ شیبان نے معاہدۂ دوستی کی وہ شرط پڑھ کر سنائی جس کے مطابق اسماء قطر الندیٰ کا عقد خلیفہ معتضد باللہ کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا تھا۔ شرط کی عبارت پڑھی جا چکی تو خمارویہ ابوجیش خود کھڑا ہوا اور اس نے سب لوگوں کی موجودگی میں اپنی بیٹی کی مرضی دریافت کی کہ وہ اس شرط کو قبول کرتی ہے یا مسترد؟

ایوان پر ایک سناٹا طاری ہو گیا، اس سناٹے میں پسِ پردہ شہزادی اسماء قطر الندیٰ کی آواز سنائی دی "سلطان معظم! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان دوستی کی شرط ٹھہرایا گیا ہے۔ ہم خلیفۃ المسلمین معتضد ابوعباس کو بخوشی اپنا شوہر تسلیم کرتے ہیں تاکہ ملت سے تفرقہ دور ہو اور بکھرے لوگ مل جائیں۔ امیر المومنین نے طولونی ریاست کو تسلیم کر کے ایک حقیقت کو تسلیم کیا ہے لیکن دوسری حقیقت یہ ہے کہ طولونی ریاست دولتِ عباسیہ کا ایک مضبوط بازو ثابت ہو گی۔"

شہزادی کے ان خیالات کو تمام حاضرین نے پسند کیا جب کہ معتضد کے سفیر اور مشیر ابوالحسن قاسم نے بے ساختہ تحسین کی۔ شہزادی کے اظہارِ رضامندی کے بعد خمارویہ نے قاضی القضاۃ سے نکاح خوانی کے لیے کہا جس نے خطبۂ مسنونہ پڑھا اور ایجاب و قبول کے درمیان ابوالحسن قاسم بن عبداللہ نے بنت خمارویہ کو اپنے صاحب کے لیے قبول کیا۔

نکاح خوانی کے بعد خمارویہ ابوجیش نے بیٹی کے باپ اور مصر و شام کے سلطان کی حیثیت سے، ابوالقاسم نے خلیفہ کے نمائندے اور موید کی حیثیت سے اور حارث ابوالظفر نے بطور سفیر دستخط کیے۔ خمارویہ کے بعد اس کے دونوں بیٹے جیش اور ہارون اور بھائی شیبان چوں کہ علی الترتیب ولی عہد اور طولونی سلطنت کے وارث و جانشین تھے۔ لہٰذا معاہدے پر ان تینوں کے دستخط کرائے گئے۔ بعد ازاں ابوالحسن قاسم نے دولتِ عباسیہ اور خلیفہ معتضد باللہ کی طرف سے ابوجیش خمارویہ کو "سلطانِ مصر و شام" کی سند پیش کی اور بیٹی کے عقد پر مبارکباد دی جس پر ایوان مبارک باد کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس طرح دوستی کا معاہدہ معرضِ عمل میں آ گیا۔

اس موقع پر خرما و شیرینی کے علاوہ ایوان میں ضیافت کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ فوراً ہی دسترخوان بچھ گئے اور انواع و اقسام کے کھانے تقسیم ہونے لگے۔ یہ ایک ایسی ضیافت یا ایسی تقریب تھی جس میں بارہ برس کی طویل کش مکش، دوستی اور قرابت داری میں تبدیل ہو گئی۔ خمارویہ اس کے بھائی، بیٹے اور بنی طولون کے تمام لوگ بے حد خوش تھے کہ آخر بنو عباس کے ساتھ ان کے معاملات درست ہوئے اور بنی طولون کی موروثی حکومت تسلیم کر لی گئی لیکن اس تقریب کی سب سے زیادہ خوشی شہزادہ شیبان کے خاص غلام اور اقطاع کے محافظ سردار حارث ابوالظفر کو تھی جس نے دوستی کا یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

بھاری پردوں کے پیچھے خواتین کے ہجوم میں طولونی بیوہ نجم الہیل بھی موجود تھی جو بنت سلطان قطر الندیٰ اور شہزادی عباسیہ کے ساتھ ہوتے ہوئے باتیں کر رہی تھی۔ حارث اگرچہ اسے دیکھ نہ سکا تھا لیکن پردے کے عقب میں اس کی آواز ضرور سن رہا تھا جسے ہزاروں آوازوں کے درمیان بھی پہچانتا تھا۔

معاہدے پر سلطان خمارویہ کے دستخط ہوتے ہی حارث نے طولونی بیوہ کو جیت لیا تھا کیوں کہ وہ اس کا منہ مانگا انعام تھی۔

www.urdukorner.com

اسی تقریب میں ابوالحسن قاسم نے سلطان سے قطرالندیٰ کی رخصتی کے بارے میں بھی گفتگو کی اور اس نے جواب دیا "ہم اپنی بیٹی کو خلیفۃ المسلمین کے عقد میں دینے اور زمانہ کی نشان تری و حکومت رحام سے رخصت کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا جان لے کہ ہماری بیٹی دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا کی عروس بنی ہے اور تیاری کے لیے ہمیں چند ماہ درکار ہوں گے جب ہم رخصتی کی تیاریاں مکمل کر لیں گے، وہ اپنی بیٹی کو عروسی لباس پہنا دیں گے ہمارے قاصد بغداد کی جانب روانہ ہو جائیں گے تاکہ خلافت مآب کو شہزادی کی آمد سے مطلع کر سکیں خلیفۃ المسلمین کی خواہش کے مطابق ہمارا سفیر حارث ابوالظفر ہی قطرالندیٰ کو لے کر بغداد جائے گا اور اسے ابوالعباس کے سپرد کرے گا۔"

پھر وہ اپنے سفیر سے مخاطب ہوا جو قریب ہی موجود تھا "حارث! ہمارے معزز مہمانوں کو تین روز تک القطائع سے نکلنا اور مصر کی سیر کرنے کا موقع نہیں مل سکا سارے اہم کام سرانجام پا گئے ہیں اب مہمانوں کو مصر[1] دکھاؤ۔ ہمارا خیال ہے اس معاملے میں شیبان بھی تمہاری مدد کریں گے۔"

سلطان کا اشارہ پاتے ہی شہزادہ شیبان اور حارث عراقی مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے مہمان خود بھی مصر دیکھنے کے مشتاق تھے۔

امیر وفد ابوالحسن قاسم نے کہا "میرے ساتھی سب سے پہلے امام شافعیؒ کے مزار پر حاضری دینا چاہتے ہیں۔ کل جمعہ ہے۔ اس لیے نماز سے قبل مزار امام پر دعا خیر و برکت کا باعث ہو گی۔"

سب لوگوں نے ابوالحسن کی رائے سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ نماز جمعہ کے بعد شہر کے اہم مقامات دیکھے جائیں۔ دولت عباسیہ اس زمانہ کی سب سے بڑی سلطنت تھی اس لیے ابوالحسن قاسم اور وفد کے دوسرے ارکان مصری حکومت کے سب سے زیادہ معزز مہمان تھے اور سلطان خمارویہ نے مصر کی سیر کے لیے حارث ابوالظفر کے ساتھ شہزادہ شیبان

---

[1] بعض روایات کے مطابق اس زمانے میں پرانے دارالحکومت فسطاط ہی کو "مصر" کہا جاتا تھا، کیوں کہ مصر کے قدیم ترین آثار ابوالہول اور اہرام وغیرہ فسطاط کے قریب نیل کے مغربی ساحل پر واقع تھے۔ (بین پول)

کو بھی یہ فرض سونپ دیا تھا کہ وہ معزز مہمانوں کو مصر دکھائے اور ان کی رہنمائی کرے۔

دوسرے روز نماز جمعہ سے قبل شہزادہ شیبان، حارث ابوالظفر اور فسطاط کے چند اعلیٰ افسروں کی معیت میں عراقی وفد سب سے پہلے امام شافعیؒ کے مزار پر حاضری دی اور خیر و برکت کی دعا مانگی پھر وہ محلہ مزار میں مشہد نفیسہ[1] پر گئے اور وہاں بھی فاتحہ پڑھی۔

عراقی مہمانوں نے فسطاط[2] میں مسجد عمروؓ کی بھی زیارت کی۔ شہر کے پررونق بازاروں اور پانچ پانچ چھ چھ منزلہ عمارتوں کو دیکھا۔ فسطاط سے القطائع کی طرف واپس آتے ہوئے لشکر کا نظارہ کیا۔ لشکر فسطاط کے بعد مصر کا دوسرا دارالحکومت تھا جو دوسری صدی ہجری میں ایک عباسی سپہ سالار نے فوجی معسکر کے طور پر تعمیر کیا اور بعد ازاں دارالحکومت بن گیا۔ القطائع جو فسطاط اور لشکر سے علی الترتیب شمال کی سمت واقع تھا، مصر کا تیسرا دارالحکومت تھا جو احمد بن طولون کے عہد میں تعمیر ہوا۔ پہلا دارالحکومت فسطاط تھا جو آبادیوں کے جنوب میں دریائے نیل اور برکۃ الحبش (حبشہ جھیل) کے درمیان واقع تھا۔

عراقی وفد نے نماز جمعہ القطائع کی جامع مسجد احمد بن طولون میں ادا کی جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

مصر میں آنے والے مہمان یا سیاح کے لیے دریائے نیل، اس کے مغربی ساحل پر جزیرہ، نیز ابوالہول اور اہرام کی سیر لازمی سمجھی جاتی ہے جو جیزہ سے پانچ میل مغرب کی سمت واقع ہیں۔ یہ اہرام جو فراعنہ کے مقبرے اور تعداد میں نو ہیں عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ضرب المثل مشہور ہے جس نے اہرام نہیں دیکھے، اس نے مصر نہیں دیکھا۔ نیل اور جیزہ سمیت وادیٔ اہرام کی سیر کے لیے جمعے کے بعد کا وقت بہت کم بلکہ

---

[1] فسطاط میں مشہد نفیسہ ایک مشہور زیارت گاہ تھی اکثر عقیدت مند وہاں حاضری دیتے تھے۔ سیدہ نفیسہ، حسن بن زید بن حسنؓ بن علیؓ کی بیٹی اور امام جعفر صادق کے بیٹے اسحاق کی زوجہ تھیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ مصر آگئیں۔ ۲۰۸ھ کو وہیں فوت ہوئیں اور اپنے ہی مکان واقع محلہ مزار (فسطاط) میں دفن ہوئیں۔ (آثار النفیسہ جلد ثانی)

[2] فسطاط موجودہ قاہرہ سے دو ڈھائی میل جنوب میں واقع اور جنوبی بیابان سے ملحق تھا جہاں میلوں تک ریت کے تودوں میں اس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔ (بین پول)

www.urdukorner.com

ایک دن بھی تھوڑا تھا۔ چنانچہ دوسرے روز جب عراقی وفد ابوالہول کا نظارہ کرتا ہوا وادیٔ اہرام میں داخل ہوا شہزادہ شیبان کے حکم پر خرفو کے ہرم کا وہ رستہ کھول دیا گیا جس رستے عباسی خلیفہ مامون اس ہرم میں داخل ہوا تھا۔ ابوالحسن قاسم نے بھی اپنے ارکانِ وفد سمیت خوفو کے حرم کی سیر کی۔ شام کو وفد الفطائح میں لوٹا تو سب لوگ تھکے ماندے اور نڈھال تھے

الفطائح میں سات روز قیام کرنے کے بعد جب عراقی وفد بغداد کی جانب روانہ ہوا تو اونٹ تحائف سے لدے ہوئے تھے اور ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کی جیب میں ایک مُہر بند مراسلہ تھا جو شہزادی قطرالندیٰ نے معتضد ابوعباس کے نام لکھا تھا۔ ابوعباس کے نام قطرالندیٰ کا یہ دوسرا خط تھا۔

★

مہمان رخصت ہوئے تو حارث نے اطمینان کا سانس لیا۔ مسلسل تین مہینے مصروف رہا تھا لیکن یہ مصروفیت اس کی کامیابی پر ختم ہوئی تھی اور ایسی تھی وہ کامیابی جس نے بنی طولون کو مسرتوں سے ہمکنار کر دیا تھا۔

ابھی لباس تبدیل کر کے بیٹھا ہی تھا کہ شہزادہ شیبان کا خادم طلبی کا پیغام لے کر آ گیا۔ خادم کے ساتھ قصرِ شیبان میں پہنچا تو اُس کا آقا دروازے پر استقبال کے لیے موجود تھا۔ بڑے تپاک سے ہاتھ پکڑ کر کمرۂ ملاقات میں لے گیا اور جب وہ بیٹھ گئے، تو کہنے لگا۔

"حارث! تم نے طولونی حکومت کے لیے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہے کہ سلطانِ معظم نے اس کے صلے میں تمھیں فسطاط کا حاکم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

حارث اسی دن کے انتظار میں تھا جب اس کی خدمت کا صلہ دیا جانے والا تھا۔ اس نے امیر شیبان کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور اُسے یاد دلایا۔ "بغداد کی طرف روانگی سے قبل آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اپنی سفارت میں کامیاب واپس آؤں تو غلام کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا اور یہ وعدہ حضور نے سلطانِ معظم کی طرف سے کیا تھا۔"

شہزادہ شیبان اسے بے چین سا دیکھ کر مسکرا دیا۔ "سلطانِ معظم نے تمھیں فسطاط کا حاکم بنانے کا فیصلہ اپنی خوشی سے کیا ہے۔ جب اپنی پسند کا انعام طلب کرو گے تو اس سے بھی انکار نہیں ہو گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ گویا شیبان نے منہ مانگے انعام کی توثیق کر دی اور وہ کہنے لگا۔ "حاکمِ فسطاط کا عہدہ بلاشبہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور میں بے حد خوش ہوں کہ سلطانِ عالی مقام نے غلام کو اس عہدے کے لائق سمجھا لیکن مجھے عہدوں کی نہیں کسی اور چیز کی تمنا ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

حارث نے جواب دینے کی بجائے اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا۔ "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ؟" (کیا نیکی کا صلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟)

شیبان نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "زَارِعُ الْبِرِّ يَحْصُدُ السُّرُورَ" (نیکی بونے والا خوشی کاٹتا ہے)

"پھر غلام کی خوشی یہ ہے کہ مجھے بنی طولون کی قرابت نصیب ہو۔"

"تم بنی طولون کے بہت قریب آ چکے ہو حارث! پورا خاندان تمھارے کارنامے پر خوش ہے۔"

"قربت سے غلام کا مطلب کچھ اور ہے۔"

"تو مطلب بیان کرو؟"

حارث نے الفاظ کو اپنے ذہن میں تولا پھر کہا۔ "شہزادۂ عالی! میں ایک ایسے انعام کا طلب گار ہوں جو میری حیثیت سے اُونچا ضرور ہے لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دوں گا۔"

"انعام میں کیا چاہتے ہو؟"

آخر دل میں دھڑکتا ہوا نام حارث کی زبان پر آ گیا۔ "شہزادی نجم اللیل۔"

شیبان تعجب کی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا لیکن ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ حارث نے تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھی تاکہ اُس کے آقا کا استعجاب دور ہو۔ "شہزادۂ عالی! شہزادی صاحبہ بھی غلام کو پسند کرتی ہیں۔"

حارث کے الفاظ نے اُسے ایک نئے تعجب سے دوچار کر دیا اور اب معاملے پر کسی اور پہلو سے غور کیا۔ "نجم بیوہ ہے اور بیوہ کا عقدِ ثانی مسنون ہے لیکن نجم کا فیصلہ سلطانِ معظم کو کرنا ہے۔"

www.urdukorner.com

"غلام کو منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ بھی سلطان معظم ہی کا ہے۔"

"میں انھیں تمھاری طلب سے آگاہ کر دوں گا۔"

"غلام اس معاملے میں حضور کی سفارش کا بھی امیدوار ہے۔"

"میں انھیں پسند کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ حارث بھی اٹھا۔ دونوں دروازے تک آئے۔ شیبان خلاصی گنگناتا ہوا بولا۔ "تم نے جو ستارہ طلب کیا ہے میں اس کے آسمان کی طرف جا رہا ہوں۔" اور اسی وقت قصرِ سلطان کی جانب ہو لیا۔

★

ابو حبیش خمار دیہ قصرِ تصویر میں ترک غلام رضوان کی ہم نشینی میں تھا کہ بھائی کے آنے کی اطلاع ملی۔ اس نے رضوان کو رخصت کیا اور شیبان کو وہیں بلا لیا۔ بھائی کو فکر مند دیکھ کر حیرت ہوئی مگر اس کی حیرت کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ "تم نے حارث کو نئے عہدے کی اطلاع دے دی ہو گی۔"

خمار دیہ نے خود ہی حارث کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ شیبان کی مشکل آسان ہو گئی۔ "میں اسی کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

اب حیران ہونے کی باری خمار دیہ کی تھی کہ نجانے اس کے بارے میں کیا گفتگو کرنے آیا ہے۔ شیبان نے بتایا۔ "وہ منہ مانگا انعام چاہتا ہے۔ آپ نے قول دیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں جو کچھ طلب کرے گا، دیا جائے گا۔"

خمار دیہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "ہمیں اپنا قول یاد ہے اس نے ہماری جو خدمت کی ہے، اس کا صلہ بھی ضرور دیں گے۔ کیا وہ حاکم فسطاط سے کوئی بڑا عہدہ چاہتا ہے؟"

"اسے عہدے کی خواہش نہیں، صرف انعام کا طلب گار ہے۔"

"انعام میں کیا چاہتا ہے؟"

"نجم اللیل....."

یہ نام بجلی کی طرح خمار دیہ کے ذہن پر گرا اور مارے حیرت کے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شیبان نے بھائی کی حیرت کو کچھ سوچنے کی دعوت دی۔ "حارث کا خیال ہے کہ نجم بھی اسے

پسند کرتی ہے۔"

خمار دیہ کے ذہن کو ایک اور دھچکا لگا۔ بڑے غصے سے تالی بجائی تو غلام فوراً حاضر ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا۔

"رضوان سے کہو، ہم شہزادی نجم اللیل سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔ انھیں اپنے ساتھ لے کر آئے۔"

غلام چلا گیا تو شیبان بھائی کو سمجھانے لگا کہ اس معاملے پر مشتعل ہونے کی بجائے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ انھیں بیوہ بہن کا دوسرا عقد بہرحال کہیں کرنا ہے اور اگر سلطانِ معظم اس کا مشورہ پسند فرمائیں تو حارث ابوالظفر اس کا بہت اچھا شوہر ثابت ہو گا۔ اس نے اپنی فراست سے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے جس کے صلے میں سلطان اسے حاکم فسطاط کے عہدے پر فائز کر رہے ہیں۔ اس کی حیثیت پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اگر اسے منہ مانگا انعام دے دیا جائے تو ساری عمر طولونی ریاست کی خدمت کرتا رہے گا۔

شیبان کے نزدیک نجم اللیل کے لیے حارث سے بہتر کوئی شوہر مل ہی نہیں سکتا تھا۔ اب خمار دیہ بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنے لگا اور اسے محسوس ہوا کہ حارث فی الواقع کارآمد آدمی ہے، جو مستقبل میں بھی سلطنت کے کام آ سکتا ہے۔ بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر نجم حارث کو پسند کرتی ہے تو ہم بھی اسے منہ مانگا انعام دے دیں گے۔"

دونوں بھائیوں میں گفتگو جاری تھی کہ رضوان شہزادی نجم اللیل کو لے کر داخل ہوا۔ وہ بڑی عجلت اور پریشانی میں آئی تھی کہ نجانے سلطانِ معظم نے اسے اچانک کیوں بلا لیا ہے وہاں شیبان کو دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی۔ خمار دیہ نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور جب رضوان اپنا فرض ادا کر کے کمرے سے نکل گیا تو بہن سے مخاطب ہوا۔ "نجم! ہم ایک معاملے میں تمھاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تمھارے خیال میں بنو عباس کے ساتھ دوستی کر کے ہماری عزت میں کوئی اضافہ ہوا ہے؟"

وہ اس سوال پر حیران ہوئی اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ طولونی ریاست کو تسلیم کرانے کی خاطر خلیفہ پر حربی دباؤ ڈالنے اور عراق پر فوجی تاخت کرنے کا مشورہ دے چکی تھی، جو مسترد کر دیا گیا تھا۔ بھائی کے سوال کو سمجھ نہ سکی کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ سوچ سمجھ کر بڑے محتاط الفاظ میں بولی۔

www.urdukorner.com

"سلطانِ معظم! آپ مقصد میں کامیاب رہے اور پہلے سے سربلند ہو گئے ہیں اب آپ کو مشرق اور مغرب سے کوئی خطرہ نہیں۔"

"یہ کامیابی حارث ابوظفر کے طفیل حاصل ہوئی اور ہم نے اُسے حاکمِ فسطاط بنانے کا فیصلہ کیا ہے کیا وہ اس منصب کے لائق ہے؟"

"اب وہ اس منصب کا مستحق ہے۔"

خمارویہ کچھ حارث کی حمایت کرتی ہے ضرور اس سے دل چسپی رکھتی ہوگی۔ "ہم حارث کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے جاننا چاہتے ہیں۔"

اب وہ چونکی۔ "کس لیے؟"

خمارویہ نے یہ سمجھ کر کہ حارث کو پسند کرتی ہے بات کھول دی۔ "ہم نے قول دیا تھا کہ وہ دوستی کا معاہدہ کرانے میں کامیاب رہا تو اُسے منہ مانگا انعام دیں گے۔ اپنی کامیابی کے صلے میں اُس نے تمہیں ہم سے مانگا ہے۔"

نجم اللیل پر سکتہ سا گزر گیا۔ گم صُم ہو گئی۔ خمارویہ نے توجہ دلائی۔ "ہم تمہارے جواب کے منتظر ہیں۔"

اس کی آواز بول سنائی دی جیسے کسی کنوئیں سے بول رہی ہو۔ "سلطانِ معظم! آپ نے پہلے بھی ایک ترک سردار کے متعلق ہماری رائے پوچھی تھی اور ہم نے انکار کر دیا تھا۔ اب بھی ہمارا جواب وہی ہے۔"

اس کا انکار سن کر شیبان حیران رہ گیا اور خمارویہ پریشانی سے بولا۔ "ہم نے سنا تھا کہ تم حارث کو پسند کرتی ہو۔"

"صرف ایک چوکس محافظ اور وفادار غلام کی حیثیت سے، اس سے زیادہ نہیں۔"

نجم اللیل کا انکار بالکل واضح تھا۔ خمارویہ کی پریشانی بڑھ گئی۔ "ہم اُسے منہ مانگا انعام دینے کا قول دے چکے ہیں۔ ہمارا قول کیسے پورا ہوگا؟"

"ہمارا نہ سمجھائے اگر وہ آپ سے خدائی طلب کر لیتا تو کیا آپ اپنا قول پورا کر سکتے تھے؟"

یہ جواب ایسا مسکت تھا کہ مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہ تھی۔ اس نے دونوں بھائیوں پر ایک اور بجلی گرا دی۔ "اپنا شوہر ہم خود منتخب کریں گے اور شریعت ہمیں یہ حق دیتی ہے۔"

یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ہم جائیں؟"

سلطان ابوجیش خمارویہ بھی اُٹھا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ "نجم! ایک بار پھر سوچ لو۔"

"ہم سوچے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔"

پھر جواب کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھی اور ہوا کے تیز جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ دونوں بھائی ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ شیبان ہی پہلے اس کیفیت سے نکلا اور بولا۔ "نجم کا انکار پریشان کر دینے والا ہے۔"

"اُسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید تمہارا کہا مان جائے۔"

★

شہزادہ شیبان ناکام لوٹ رہا تھا۔ شاہی محل سے مایوس اور پریشان نکلا اور اپنے قصر کی جانب گیا تو دروازے پر حارث اُس کا منتظر تھا۔ شیبان نے بتایا کہ سلطانِ معظم اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتے۔ شہزادی نجم اللیل نے انکار کر دیا ہے۔

"پھر ان سے کہہ دیجیے مجھے حاکمِ فسطاط کے عہدے کی ضرورت نہیں۔"

یہ کہہ کر لوٹنے لگا اور چل دیا۔ شیبان نے آواز دی۔ "ٹھہرو۔"

وہ اُلٹے قدموں رُک گیا۔ شیبان نے آگے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم نے کہا تھا کہ نجم تمہیں پسند کرتی ہے لیکن وہ تمہیں صرف ایک چوکس محافظ افسر کے طور پر پسند کرتی ہے۔"

"شہزادۂ عالی! شہزادی صاحبہ مجھ سے جو گفتگو کر چکی اور میرے لیے جو الفاظ استعمال کرتی رہی ہیں ان کے مقابلے میں "پسند" کا لفظ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں حیران ہوں وہ اپنے الفاظ سے انکار کیسے کرتی ہیں؟"

"پھر تم نجم سے خود کیوں نہیں ملتے۔ ممکن ہے کسی بات پر تم سے ناراض ہو گئی ہو اور ملنے سے ناراضی جاتی رہے۔"

شیبان کا رویہ ہمدردانہ تھا وہ اسے شہزادی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ یہ مشورہ اس کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ خیال آیا، ایک بار مل کر دیکھنا تو چاہیے شاید اُس کے آقا کی بات صحیح ہو۔ اگر وہ ناراض ہے، تو اُس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرے گا

www.urdukorner.com

شیبان نے مزید حوصلہ دیا "میں بھی نجم سے ملوں گا اور تمہارے لیے بات کروں گا مگر عورت کے معاملے میں آدمی اپنا سفیر اور قاصد خود ہوتا ہے۔"

شیبان کی باتوں سے مزید حوصلہ ہوا دل میں ایک شعلہ سا بھڑکا اور اپنے جذبۂ عشق پہ اعتماد بحال ہونے لگا۔ جو شہزادی کا انکار سننے کے بعد ٹوٹ گیا تھا۔

قصرِ شیبان سے نکلا تو فضا اپنے تیگی پر پھیلائے آہستہ آہستہ زمین پر اتر رہی تھی اور ہوا کی لہر اس کے بدن میں سرسراہٹ پیدا کرنے لگی تھی۔ ذہن میں بھی ایک لطیف سی سرسراہٹ گزرنے لگی اور چلتے چلتے شہزادی نجم کے وہ الفاظ آپ سے آپ سنائی دینے لگے جب شہزادی نے خود پیغام بھیج کر اسے بلایا تھا۔ تنہائی کی ملاقات کا شرف بخشا تھا اور رس بھرے الفاظ میں باتیں کی تھیں۔ اس کی آواز کتنی رسیلی تھی۔ الفاظ کتنے شیریں تھے۔

"ہم چاہتے ہیں ہمارے بارے میں دماغ کی بجائے دل سے سوچا کرو۔"

اس ملاقات میں ابنِ حرب کا ذکر بھی آیا تھا، بلکہ وہ ملاقات ابنِ حرب ہی کے سلسلے میں ہوئی تھی اور حارث کے نزدیک سارے فساد کی جڑ وہی تھا جو اسے نیل کے ساحل پر ملا یا نہیں ملا تھا تاہم حارث نے اسے نجم اللیل کا عاشق سمجھ لیا اور شہزادی پر سیرِ دریا کا الزام لگا بیٹھا مگر شہزادی نے کس محبت اور پیار سے کہا تھا۔

"تم نے ابنِ حرب کو اپنا رقیب سمجھ لیا ہے؟ ..... پھر بھائی شیبان سے کہو اسے کسی مہم کے ساتھ بغداد روانہ کر دیں ..... اگر اسے اپنا رقیب سمجھ بیٹھے ہو تو تمہارا راستہ صاف ہو جائے گا۔"

ان الفاظ کا کیا مفہوم تھا؟ کیا مطلب تھا؟ کیا مقصد تھا؟ کوئی مقصد تو تھا اور یہ مفہوم کتنا صاف تھا کہ ابنِ حرب کو کسی مہم پر بھیج کر حارث کا راستہ صاف کر دینا چاہتی اور اسے اپنی محبت کا موقع دے رہی تھی، اس پر مہربان ہو رہی تھی۔ شہزادی کے یہ الفاظ تو کسی معبد کی مقدس گھنٹیوں کی طرح اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"حارث! ہم تم پر اور بھی مہربانیاں کریں گے۔"

یہ سارے خوب صورت الفاظ اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ وہ حارث کو محض ایک چوکس محافظ افسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی اور حیثیت سے پسند کرتی بلکہ چاہتی ہے مگر آج وہ ان ساری باتوں سے، ان تمام [illegible] تھی۔

شام کے ہلکے دھندلکے میں قصرِ نجم کی طرف جاتے ہوئے گزشتہ ملاقات کا ایک ایک منظر اس کی نگاہوں میں گھومتا رہا۔ الفاظ یادداشت کے ڈربے سے نکل کر ذہن میں پھڑپھڑاتے اور سماعت سے ٹکراتے رہے۔ ابنِ حرب تو کانٹے کی طرح ہمیشہ سینے میں کھٹکتا رہا تھا۔ بغداد سے واپسی کے بعد عراقی مہمانوں کی رفاقت اور میزبانی کی وجہ سے اگرچہ وہ بے حد مصروف تھا پھر بھی دوسرے ہی دن اپنا آدمی سوق الخیل کی طرف بھیج کر معلوم کرایا کہ ابنِ حرب ابھی تک اسی حویلی میں ہے یا فسطاط سے کسی اور جگہ چلا گیا؟ اور آدمی خبر لے کر آیا تھا کہ وہ اچانک کہیں چلا گیا ہے۔ حویلی کا خادم سالار بھی نہیں جانتا کہ کہاں چلا گیا ہے اور واپس بھی آئے گا یا نہیں؟

اس خبر سے حارث کے دل کو ایک عجیب سی ڈھارس ہوئی یا تسکین ملی تھی کہ چلو فساد کی جڑ کٹی۔ اب نہ کانٹے کا ڈر نہ ببول کا خطرہ۔ یہی باتیں سوچتا اور خیالات کے تانے بانے بنتا شہزادی سے بالمشافہ بات چیت کرنے قصرِ نجم کی طرف چلا جا رہا تھا اور دل میں امید کی ایک شمع روشن تھی کہ جب سلطان الجیش خمارویہ اور برادرِ سلطان شہزادہ شیبان دونوں چاہتے ہیں کہ طولونی بیوہ اس کا منہ مانگا انعام بنے تو شہزادی نجم اس سے اپنا دامن کیونکر چھڑا سکتی اور اس کی زوجیت سے انکار کیسے کر سکتی ہے؟

قصرِ نجم قریب آ گیا تھا۔ اور حارث اپنے خیالوں میں محو، اپنے دھیان میں گم اس سے صرف چند قدم دور تھا کہ کچھ فاصلے پر ناگہاں ایک شخص جادو کے پتلے کی طرح نمودار ہوا جسے اپنے دل و دماغ کے ساتھ فسطاط سے بھی نکال بیٹھا تھا اور وہ اس کا پرانا رقیب باحریف ابنِ حرب تھا، جو شہزادی نجم اللیل کی سوڈانی کنیز عنبر کے ہمراہ مخالف سمت سے چلا آ رہا تھا۔ غالباً شہزادی نے شاہی محل سے واپس آتے ہی عنبر کو سوق الخیل کی طرف دوڑا دیا تھا کہ معلوم کرے، ابنِ حرب واپس آیا ہے یا نہیں؟ اور آ گیا ہو تو کسی طرح اپنے ساتھ ہی لے آئے۔

وہ آج ہی عریش سے لوٹا اور ابھی کپڑوں سے سفر کی گرد بھی نہیں اتار سکا تھا کہ عنبر اچانک حویلی میں پہنچ گئی۔ وہ طولونی شہزادی کا بلاوا ملتے ہی اس کے ساتھ القطائع کی طرف چل دیا اور قصرِ نجم کے قریب پہنچ گیا تھا کہ سامنے حارث کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ عنبر بھی ہکا بکا سی رہ گئی۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ دونوں رقیب نیل کی بندرگاہ کے بعد پھر ایک دوسرے

www.urdukorner.com

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048599
Prop: Ali Khan

منصوبہ

○

حارث کو بڑھتے دیکھ کر ابن حرب نے بھی بڑی تیزی سے قدم آگے بڑھائے لیکن اسی لمحے عنبر نے اس کا ہاتھ کھینچ لیا اور قصر کے چوبی پھاٹک کی جانب اشارہ کیا۔ وہ ابھی قدموں رک گیا۔ حبشی محافظ ڈنگا نے پھاٹک اچانک کھول دیا اور خود بھی باہر آکر کھڑا ہو گیا۔ کچھ پریشان اور بے چین بھی دکھائی دے رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کوئی معزز ہستی قصر سے باہر آرہی ہے جس کے لیے محافظ نے دروازہ کھولنے میں عجلت سے کام لیا یا پھر اندر کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہو گیا اور وہ اس سے الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے۔

شاہی محلات اور شہزادوں، شہزادیوں کے قصروں میں بعض اوقات ایسے رومانی مناظر بھی پیش آجاتے تھے جنھیں دیکھنے کی بجائے غلاموں اور خادموں کا منہ پھیر لینا یا وہاں سے ہٹ جانا لازم ہوتا تھا۔ یہ خیال ہی بڑا سنسنی خیز تھا کہ قصرِ نجم میں ایسا منظر کس کے ساتھ پیش آسکتا ہے یا محافظ کی پریشانی کا مطلب کچھ اور تھا اور اس نے پھاٹک کسی اہم شخصیت کے لیے کھولا تھا۔ بہر حال معاملے کی صورت ایسی تھی جس نے حارث کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ وہ جلدی سے پھاٹک ہی کی طرف بڑھا تھا اور اس افراتفری میں اسے یہ دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی کہ مقابل سمت سے تھوڑے فاصلے پر اس کا وہی رقیب اور حریف قصر کی جانب چلا آرہا ہے جسے نیل کی بندرگاہ پر دیکھ کر دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا تھا اور [illegible] ہے جس کی جھلک نیل کی بندرگاہ پر بھی

کے آمنے سامنے ہوئے تو عنبر یہاں بھی ابن حرب کے ہمراہ تھی اور اب کسی طرف فرار ہو سکتی نہ کہیں چھپ سکتی تھی۔ ایک ہی سڑک تھی، ایک ہی راستہ تھا۔ اس راستے پر ادھر حارث تھا، ادھر عنبر تھی اور اس کے ساتھ ابن حرب تھا۔ اب دو حریفوں، دو رقیبوں کا ٹکراؤ ناگزیر تھا۔

ابن حرب کا ہاتھ تلوار کے دستے پر چلا گیا اور عنبر مارے خوف کے سہم گئی کہ نجانے اب کیا ہونا چاہتا ہے ادھر حارث ابھی تک اپنے تحیر میں گم تھا کہ ناگہاں چونکا اور ایک تحیر کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048599
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

نظر آئی اور بے کی لہر بن کر اس کے خون میں اُتر گئی تھی۔

اگر وہ عنبر کو ابن حرب کے ساتھ دیکھ لیتا تو سوڈانی کنیز اور طورانی شہزادی کی وہ تمام صفائی جو اس کا شبہ دور کرنے کے لیے پیش کی گئی تھی، رقابت کی آگ میں بدل جاتی اور پھاٹک کی طرف بڑھنے کی بجائے وہ پہلے اپنے رقیب ہی سے نمٹنے کی کوشش کرتا لیکن نگہبان پھاٹک کھلنے اور حبشی محافظ کے باہر آنے کا واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا تھا کہ نظر اٹھا کر سامنے دیکھنے کا بھی ہوش نہ رہا اور بڑی بے چینی کی حالت میں پھاٹک ہی کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اُدھر عنبر نے بھی کمال ہوشیاری سے ابن حرب کو روک لیا تھا کہ مبادا حارث کی نظر اس پر پڑ جائے۔

اس طرح دو حریفوں میں وہ تصادم نہ ہو سکا جو ان میں سے کسی ایک کی ہلاکت پر ختم ہوتا۔ گویا دو بجلیاں باہم ٹکراتے ٹکراتے رہ گئیں اور اپنے بادلوں میں لوٹ گئی تھیں۔ قدرت نے ان کا تصادم کسی آئندہ وقت پر ٹال دیا تھا کیوں کہ انھیں ایک دوسرے سے ٹکرانا تو بہر حال تھا۔

حارث پھاٹک پر پہنچا تو حبشی محافظ نے بڑے ادب سے سلام کیا مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کھلے پھاٹک سے قصر کے اندر جہاں تک نظر جا سکتی تھی کسی کی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔ نہ کوئی منظر تھا، نہ کسی کے آنے کے آثار تھے۔ اُس نے تعجب کی نظروں سے محافظ کو دیکھا اور پوچھا۔ "تم نے دروازہ کس کے لیے کھولا تھا؟"

سیاہ فام غلام ڈنگا کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ "آپ کے لیے جناب!"

"میرے لیے؟"

"میں نے آپ کو آتے دیکھ لیا تھا اور دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔"

حارث پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ "کیا میرے لیے تمھیں دروازہ کھولنے کی ہدایت کی گئی تھی؟"

"اب آپ کے لیے کسی ہدایت کی کیا ضرورت ہے جناب! آپ کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہزادی صاحبہ سے ملنے آئے ہوں گے۔ تشریف لایئے۔ میں انھیں آپ کے آنے کی اطلاع کرتا ہوں۔"

ڈنگا اسے اندر لے گیا۔ پھاٹک کے دونوں پٹ بھیڑ کر کنڈی چڑھائی اور خود صحن کی

طرف لپکتا چلا گیا۔ چھوٹا سا باغیچہ عبور کر کے وہ ایک غلام گردش میں غائب ہو گیا۔ حارث کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ حبشی غلام چند لمحوں کے بعد لوٹ آیا اور بتانے لگا کہ اس کے آنے کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک کنیز غلام گردش سے نکل کر باغیچے کے درمیان آتی دکھائی دی۔ اس نے آ کر مژدہ سنایا کہ شہزادی صاحبہ نے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔

حارث اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جونہی دونوں باغیچہ عبور کر کے غلام گردش میں داخل ہوئے، حبشی غلام نے بیرونی پھاٹک کا ایک پٹ کھولا اور اس کی جھلک سے عنبر کو اندر آنے کا اشارہ کیا جو ابن حرب کو لے کر فوراً آگے بڑھی۔ ڈنگا محافظ بتانے لگا کہ اس نے ایک جانب سے ان دونوں کو اور دوسری طرف سے حارث کو آتے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ پھر پھاٹک کھول کر حارث کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اسے اندر لے آیا اور شہزادی صاحبہ کو جا کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ انھوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حارث کو ملاقات کے کمرے میں بلا لیا جائے تاکہ تم دونوں کو اندر آنے کا موقع مل جائے۔

عنبر نے حبشی محافظ کی ہوشیاری اور خوش تدبیری پر آفریں کی جس کے باعث ایک بہت بڑا خطرہ ٹل گیا تھا۔ پھر ابن حرب کے ساتھ قصر کی جانب ہو لی۔ حارث ملاقات کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ دونوں غلام گردش سے گزر کر ایک بغلی کمرے میں داخل ہوئے جو کمرۂ ملاقات سے ملحق تھا اور جہاں ایک کھڑکی سے، جس کے آگے بھاری پردہ آویزاں تھا ملحقہ کمرے میں ہونے والی گفتگو بھی سنی جا سکتی تھی۔

شہزادی ابھی کمرۂ ملاقات میں نہیں آئی تھی۔ عنبر، ابن حرب کو تنہا چھوڑ کر نکل گئی۔ غالباً وہ اپنی مالکن کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ دور قریب ایک ہی چھت کے نیچے الگ الگ کمروں میں موجود تھے۔ ایک کو شہزادی نے خود بلایا تھا جس کا قسمت ساتھ دے رہی تھی۔ دوسرا اپنی قسمت آزمانے آیا تھا اور شہزادی دونوں سے الگ الگ ملاقات کرنے والی تھی۔

عنبر کو گئے ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ ابن حرب نے کمرۂ ملاقات میں حرکت کی لہر محسوس کی۔ شہزادی نجم کمرے میں آ گئی اور حارث اُسے سلام کہہ رہا تھا۔ ابن حرب نے کان بند کھڑکی سے لگا دیے تاکہ پوری گفتگو سن سکے اور جو کچھ اس نے سنا قریباً وہی تھا جس کی اطلاع اُسے عنبر کی زبانی مل چکی تھی۔ حارث بتا رہا تھا اس نے بغداد کا سفر اس اُمید پر کیا تھا کہ کامیابی کی صورت

www.urdukorner.com

میں منہ مانگا انعام حاصل کر سکے لیکن شہزادی نے اس کا انعام لینے سے انکار کر دیا ہے جس پر اس کی دنیا تاریک ہو گئی ہے۔

جب وہ اپنے صدمے کا اظہار کر چکا تو شہزادی نجم کی آواز سنائی دی "ہمیں افسوس ہے کہ سلطانِ معظم نے جو فرمائش کی، ہم وہ پوری نہ کر سکے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمھیں ناپسند کرتے ہیں۔"

ان الفاظ سے حارث کو کچھ حوصلہ ہوا اور ہمت کر کے بولا "پھر تو میں یہی سمجھوں گا آپ میری کسی بات پر خفا ہیں۔ میں نے ابنِ حرب کے معاملے میں آپ پر شک کیا تھا۔ شاید وہی بات آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہے مگر میں دوسری مرتبہ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتا اور آپ سے معافی کا طلب گار ہوں۔"

ابنِ حرب اپنا ذکر سن کر چونک گیا اور بڑی دل چسپی سے گفتگو سننے لگا تھا۔ شہزادی نجم کہہ رہی تھی۔ "ابنِ حرب کا نام درمیان میں کیوں لاتے ہو؟"

"شاید وہی میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو؟"

ان الفاظ نے شہزادی کو چونکا دیا لیکن فوراً سنبھلی۔ "تم نے دوسری بار ہم پر شک کیا ہے، حالانکہ ابھی ابھی اس معاملے میں اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کر رہے تھے۔"

حارث فی الواقع دوسری غلطی کر بیٹھا مگر سوچ رہا تھا کہ اب اسے بات واضح کر دینی چاہیے "شہزادی نجم! اگرچہ میں اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکا پھر بھی میں نے اکثر اس کا نام آپ کے نام کے ساتھ سنا ہے اور یہی بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی ہے لیکن وہ آپ کو مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکتا۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو مرنا ہوگا۔"

حارث کے الفاظ خوف ناک تھے۔ شہزادی نے محسوس کیا، وہ ابنِ حرب کو واقعی اپنا رقیب اور حریف سمجھتا اور اس سے بھڑ جانا چاہتا ہے۔ کہنے لگی۔ "شک آدمی کے دل میں نفرت پیدا کرتا اور اس سے سوچنے سمجھنے کی قوت چھین لیتا ہے۔ تمھارے دل میں شک کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جب تک یہ آگ بجھ نہیں جاتی، تم کوئی صحیح بات نہیں کر سکتے۔" یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی گویا ملاقات ختم کر رہی تھی۔ "تمھیں کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

حارث نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی اور کہا۔ "صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انکار کر کے اپنے جاں نثار کا دل نہ توڑیں کیوں کہ جس طرح تلوار میں پیوند نہیں لگتا، اسی طرح ٹوٹا

ہوا دل بھی جوڑا نہیں جا سکتا۔"

"مگر جو کچھ تم چاہتے ہو، وہ فی الحال ناممکن ہے۔"

"دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔" یک لخت اس کا رویہ بدل گیا۔ "آپ میری محبت بھی ہیں اور انعام بھی۔ میں نہ اپنی محبت سے دست بردار ہو سکتا ہوں، نہ اپنے انعام سے۔ آپ کی خاطر ہر مشکل سے ٹکرا جاؤں گا۔"

شہزادی جانتی تھی سلطان ابوجلیش خمارویہ اور شہزادہ شیبان اس کی پشت پر کھڑے ہیں اسی لیے ناممکن بات کو بھی ممکن میں بدل دینا چاہتا ہے مگر اس نے بھی قطعی ناممکن بات کے بارے میں سوال کر دیا۔ "کیا ہماری خاطر آسمان سے ستارے توڑ کر لا سکتے ہو؟"

حارث ہکا بکا سا رہ گیا اور سوچنے لگا، اس نے صرف مخادرے کی زبان میں ستارے توڑ لانے کی بات نہیں کی، بلکہ فی الواقع کوئی انہونی اور ناممکن العمل توقع رکھتی ہے۔ کہنے لگا۔ "جو کچھ آدمی کے بس میں ہے، وہ میں کروں گا لیکن جو بات خارج از امکان ہو، اس کی فرمائش کرنا ہی بے سود ہے۔"

"پھر ہمارا خیال اپنے ذہن سے اور ہماری محبت اپنے دل سے نکال دو کیوں کہ ہم ایک ناممکن بات کی خواہش رکھتے ہیں جسے پورا کرنا تمھارے نزدیک خارج از امکان ہے۔"

حارث نے تھوڑی سی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ "آخر معلوم بھی ہو، آپ چاہتی کیا ہیں؟"

"کیا تم ہمیں کسی سلطنت کی ملکہ بنا سکتے ہو؟ ہمارے سر پر تاجِ شاہی رکھ سکتے ہو؟ ہماری خاطر دشمنوں کے سر قلم کر سکتے ہو؟"

شہزادی کے الفاظ اس کے دل و ذہن پر حیرت کی بجلی بن کر گرے۔ جسم پر ایک لرزہ سا گزر گیا اور وہ انگلی اٹھا کر کہنے لگی۔ "تم وہ سب کچھ نہیں کر سکتے جو ہم چاہتے ہیں۔"

حارث نے دھمکی کی جو زبان استعمال کی تھی، نجم لیلیٰ نے بھی اسی زبان میں بات کی اور کمرے سے نکل گئی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح کھڑا رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ طولونی بیوہ کسی سلطنت کی ملکہ بننے کی خواہش رکھتی ہے اور فی الواقع ملکہ بننا چاہتی یا صرف ایک ناممکن خواہش بیان کر کے اس کا امتحان لے رہی ہے؟

ابنِ حرب نے ملتجی کے سے میں ساری گفتگو سن لی اور سمجھ گیا تھا کہ طولونی شہزادی [illegible] کو گرد [illegible] کے کر وہاں سے چلی گئی ہے۔ اچانک اس

www.urdukorner.com

نے حارث کی آواز سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"عنبر! اپنی مالکن کو سمجھاؤ۔ سلطان معظم اُن کا عقد مجھ سے کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ انکار کر رہی ہیں۔"

غالباً سوڈانی کنیز اُسے رخصت کرنے آئی تھی، کہنے لگی۔ "جب وہ سلطانِ معظم کی بات سے انکار کر رہی ہیں، تو میرا کہا کب مانیں گی۔"

"تم شہزادی کی رازدار کنیز ہو اور رازدار کنیز وہ افق ہوتی ہے، جہاں زمین اور آسمان مل جاتے ہیں۔"

عنبر کا جواب حیرت انگیز تھا۔ "افق تو صرف نظر کا دھوکا ہے صاحب! ورنہ زمین اور آسمان ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملتے۔ ایک کنیز اور شہزادی کے درمیان بھی اتنے ہی فاصلے ہوتے ہیں جتنے زمین اور آسمان کے درمیان ہیں۔"

پھر ایک پل رُک کر بولی۔ "چلو تمہیں چھوڑ آؤں۔"

حارث چُپ چاپ اُس کے ساتھ ہو لیا اور چند لمحوں کے بعد ابنِ حرب ان کے قدموں کی آواز غلام گردش میں سُن رہا تھا۔

★

حارث اپنی بازی ہار آیا تھا۔ شہزادی نجم الہیل نے جو خواہش کی، وہ اُس کے اختیار سے باہر تھی تاہم اُس نے محسوس کیا کہ سوڈانی کنیز کا رویہ بدلا ہوا ہے۔ پہلے تو اس کا نام بھی اور ہی لہجے میں لیتی لیکن اب اُسے "صاحب" کہہ کر بُلا رہی تھی۔ شاید یہ اس پہلے تحفے کا نتیجہ تھا جو طلائی کڑوں کی شکل میں دیا گیا اور اسی لیے اس کا احترام کرنے لگی تھی۔ چلتے چلتے سوچنے لگا، عنبر شہزادی کے مزاج میں بڑا دخل رکھتی اور اگر کوشش کی جائے تو کام بن سکتا ہے۔ بہرحال آزما کر دیکھنا تو چاہیے۔ وہ صحن کے باغیچے میں گلاب کی ایک جھاڑی کے پاس رُک گیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ "عنبر! کیا میں تم پہ اعتماد کر سکتا ہوں؟"

سوڈانی کنیز نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "کیوں نہیں صاحب! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ "تم سے کچھ [illegible] گا [illegible]

کی طرح ایک جڑاؤ ہار بھی تمہارا ہو جائے گا۔"

اس نے نہ صرف پہلا تحفہ یاد دلایا بلکہ نئے انعام کا لالچ بھی دیا۔ جانتا تھا ہر بوڑھی عورت کی کمزوری ہے۔ عنبر نے طلائی کڑوں کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی ہاتھوں میں مہین رکھے تھے اور بولی۔ "سچی بات تو یہ ہے صاحب! میں ابھی تک تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکی۔"

"اگر چاہو، تو اب میرے کام آ سکتی ہو۔"

"کوشش کروں گی۔"

حارث نے سوچا، زیور کے لالچ میں آ گئی ہے اور بات چلائی۔ "تم جانتی ہو میری بغداد روانگی سے قبل شہزادی نجم مجھ پر مہربان تھیں۔ میں نے اظہارِ عشق کیا تو انھوں نے میری حوصلہ افزائی کی مگر بغداد سے واپس آیا تو ان کا رویہ بالکل بدل چکا ہے۔ پہلے وہ میرا راستہ صاف کرنا چاہتی تھیں اب راستہ روک رہی ہیں۔ مجھے اس بات کا کھٹکا ہے کہ غالباً میری غیر حاضری میں کوئی دوسرا شخص ان کی زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔"

عنبر نے حیرت کا اظہار کیا۔ "دوسرا شخص کون؟"

"یہی تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے جانے کے بعد سلطانِ معظم نے ایک دن شہزادی صاحبہ کو بلایا اور ایک ترک سردار کے متعلق ان کی رائے پوچھی تھی لیکن شہزادی صاحبہ نے انکار کر دیا تھا۔"

یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی۔ "اس ترک سردار کا نام بتا سکتی ہو؟"

"صاحب! اوّل تو میں اس کا نام جانتی نہیں۔ اگر جانتی بھی تو بتانے سے کیا فائدہ، جس آدمی کو شہزادی صاحبہ نے مسترد کر دیا وہ تمہارا حریف نہیں ہو سکتا۔"

بات معقول تھی۔ حارث خاموش ہو گیا۔ اُسے تو کوئی اور ہی کھٹکا، کوئی اور ہی دھڑکا تھا۔ کچھ سوچ کر بولا۔ "میں کسی ایسے آدمی کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری مالکن بھی دل چسپی رکھتی ہوں۔"

"بھلا ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

حارث کے دل کا دھڑکا آخر زبان پہ آ گیا۔ "کیا میرے بعد کبھی ابنِ حرب کی شہزادی [illegible] ملاقات ہوئی ہے؟"

www.urdukorner.com

سوڈانی کنیز ابنِ حرب کا نام سُن کر چونکی۔ حارث اپنے اصل مطلب پر آ گیا تھا اس نے بھی ناخوش گوار لہجے میں جواب دیا۔ "صاحب! تم نے ایک مرتبہ پہلے بھی ابن حرب کا نام لیا اور شہزادی صاحب پر نبل کی سیر کا الزام دھرا تھا مگر نہ جب کوئی بات تھی، نہ اب کوئی ہے۔"

حارث سوچ میں پڑ گیا۔ "تو تمھیں ابنِ حرب کے بارے میں کچھ علم نہیں؟"

"میں تو یہ بھی نہیں جانتی وہ رہتا کہاں ہے۔" عنبر نے جواب دیا۔

"سوق الخیل کی ایک حویلی میں رہتا تھا لیکن سُنا ہے میرے آتے ہی فسطاط سے فرار ہو گیا ہے۔"

سوڈانی کنیز کے ہونٹوں پر ہلکا سا قہقہہ مچل گیا۔ شاید اس کی بے خبری پر ہنسی آ گئی تھی۔ ابن حرب تو اس وقت قصرِ نجم میں موجود تھا مگر عنبر نے اس کے خیال کی تردید نہیں کی بلکہ آواز دبا کر بولی۔ "اگر وہ تمھارے آتے ہی فسطاط سے بھاگ گیا ہے تو پھر تمھیں اُس کی طرف سے کیا کھٹکا ہے صاحب!"

عنبر کی بات حارث کے دل میں اتر گئی۔ سوچنے لگا۔ وہ بنی طولون اور بنی عباس میں دوستی کی خبر سن کر بھاگا ہے۔ اس دوستی کے بعد شہزادی نجم اللیل کا اس میں دلچسپی لینا ایک انہونی بات ہے اور اس کے دل میں چور کا ٹیا سا کھٹکتا رہا ہے ممکن ہے صرف اس کا وہم ہو ورنہ ابھی ابھی شہزادی کی جو گفتگو سُن کر آیا تھا، اس کے مطابق وہ کوئی ایسا شوہر چاہتی ہے جو اُسے کسی سلطنت کی ملکہ بنا سکے، اُس کے سر پر تاجِ شاہی رکھ سکے اور ابنِ حرب جو بغداد سے بھاگا اور اب فسطاط سے بھی بھاگ گیا ہے اس کی خواہش بھلا کیسے پوری کر سکتا ہے؟ ذہن نے فیصلہ دیا ابن حرب یہ سب کچھ نہیں کر سکتا اور دل سے اُس کا کھٹکا جاتا رہا لیکن اب اس بات پر پریشان تھا کہ ہر خواب کی ایک تعبیر، ہر خواہش کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ پھر القطائع میں، فسطاط میں، مصر میں ایسا کون سا شخص ہے جو طولونی شہزادی کے خواب پریشاں کو تعبیر دے سکے؟

وہ بنی طولون کے علاوہ ترک اور عرب سرداروں کو بھی جانتا تھا۔ ان میں سے کوئی ایک کوئی سردار ایسی ناممکن خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ابھی تک شہزادی نجم کے لیے کسی ریاست کے حکمران یا شہزادے کا پیغام آیا تھا مگر اس گفتگو کا کوئی نہ کوئی مفہوم ضرور تھا خود کہتی تھی کہ ہم ایک ناممکن بات کی خواہش رکھتے ہیں۔ پھر وہ کون شخص ہے، جو اس ناممکن کو ممکن میں بدل سکتا ہو؟

عنبر شہزادی کی راز دار کنیز تھی مگر کیا عجب اس نے کنیز سے بھی یہ بات پوشیدہ رکھی ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی سردار یا فوجی سپہ سالار نے طولونی سلطنت ہی کے خلاف بغاوت کر کے اُسے ملکہ بنانے کی اُمید دلائی ہو۔ بظاہر اس امر کا کوئی امکان نہ تھا لیکن ایسی حالت میں جب وہ سلطان ابو جلیش کی بات ماننے سے انکار کر رہی تھی، کسی بھی اندیشے، کسی بھی خطرے کو نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔ اب سوڈانی کنیز کے تعاون کی پہلے سے زیادہ ضرورت محسوس کرنے لگا اُسے اس بات کا کھوج لگانا تھا کہ شہزادی نجم ملکہ بننے کا خواب کیوں دیکھ رہی اور کس شخص میں دلچسپی رکھتی ہے؟ بے اختیار عنبر کا سانولا ہاتھ پکڑ لیا اور رازدارانہ آواز میں کہا۔ "عنبر! اگر ایک کام کر دو تو میرے ساتھ تمھاری بھی قسمت بدل سکتی ہے تم سونے کے گہنے کیا میرے جواہرات پہن سکتی ہو؟"

سوڈانی کنیز کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ خیر سنسنی کی لہر تو اسی وقت دوڑ گئی تھی جب حارث نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ اب قسمت بدل جانے اور میرے جواہرات پہننے کی بات سن کر ایک نئے استعجاب سے دوچار ہوئی اور چشمِ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ "مجھے کیا کام کرنا ہو گا؟"

حارث کا لہجہ انتہائی رازدارانہ ہو گیا۔ "باتوں باتوں میں کسی طرح شہزادی سے اس شخص کا نام معلوم کرو جو انھیں ملکہ بننے کی ترغیب دے رہا ہے۔"

عنبر جانتی تھی شہزادی نجم "ملکۂ صحرا" بننے کے خواب دیکھتی اور اُن خوابوں کی تعبیر چاہتی ہے لیکن حارث کی بات سُن کر بڑے تعجب سے پوچھنے لگی۔ "کوئی انھیں ملکہ بننے کی ترغیب دے رہا ہے؟"

"بے شک شاید کوئی فوجی سردار ہے، میں خطرے اور بغاوت کی بُو سونگھ رہا ہوں عنبر! اگر تم اس آدمی کا پتا لگانے میں میری مدد کرو تو سلطانِ معظم تمھیں سونے کے دیناروں میں تول دیں گے۔"

سوڈانی کنیز بظاہر تو "دیناروں میں تُلنے" کی بات سُن کر خوش ہوئی لیکن اس خیال سے کانپ گئی کہ اگر حارث نے سلطانِ معظم کے سامنے بغاوت کی اُلٹی سیدھی ہانک دی تو شہزادی پر پہرے لگ جائیں گے۔ قصرِ نجم کی خفیہ نگرانی ہو گی۔ ایک ایک کنیز اور ایک ایک غلام پر نظر رکھی جائے گی۔ [illegible] بھی کر چکی تھی۔ وہ حارث کی بات پر یقین کر لیں

www.urdukorner.com

گئے۔ مشرقی وسطیٰ کے تمام ملکوں میں باغیوں کے ساتھ جیسے وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

وہ لوگ جن پر بغاوت کا شک بھی ہوتا، خون میں رنگے ہوئے کپڑوں اور جسموں کے ساتھ دفن کر دیے جاتے تھے۔ پھانسیاں ان کے بے روح جسموں کو زندہ نہیں کر سکتی تھیں۔ قبریں ان کی لاشیں اُگل نہ سکتی تھیں کہ ان کے چہروں پر گزرنے والی موت کی سختی کا اندازہ لگا سکیں۔

عنبر نے اپنی آواز کو خوف کی لرزش سے بچا لیا اور بڑے یقین سے بولی "میں جانتی ہوں شہزادی صاحبہ کا کسی فوجی سردار کے ساتھ میل جول نہیں۔ اس لیے بے کار کوشش سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور صاحب! تمھیں اپنے کام سے مطلب ہے کسی دوسرے سے کیا غرض! اگر کہتے ہو تو تمھارے لیے شہزادی صاحبہ کو ہموار کرنے کی کوشش کروں گی۔"

یہ بات سن کر حارث کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کنیز کا ہاتھ پکڑ کر بولا "عنبر! کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے تمھیں ایک جڑاؤ ہار مل جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی ان کی گفتگو ختم ہو گئی۔ دونوں باغیچے سے نکل کر پھاٹک کی طرف بڑھے۔ سوڈانی کنیز نے اُسے ایک نئی اُمید کے ساتھ رخصت کیا اور پھاٹک سے مڑی تو جیسے ہوا کی طرح اڑتی ہوئی باغیچے سے گزری اور آناً فاناً غلام گردش میں غائب ہو گئی۔

★

قصرِ نجم کے کمرۂ ملاقات کا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے طوبیٰ شہزادی اپنے پہلے ملاقاتی حارث کو حیرتوں کے بھنور میں دھکیل کر باہر چلی گئی تھی لیکن جب حارث رخصت ہو گیا وہ پھر کمرۂ ملاقات میں موجود تھی اور اب اس کے سامنے ابنِ حرب بیٹھا تھا۔

ابنِ حرب کو عنبر کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان خمارویہ نے اپنی بیوہ بہن سے کیا فرمائش کی ہے۔ شہزادی نجم اور حارث کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ اب نجم الیل بتا رہی تھی کہ اُسے بلانے کا مقصد ان حالات سے آگاہ کرنا ہے جو ناگہاں پیش آ گئے ہیں۔ اس نے بھی قصرِ نجم میں آتے ہی حالات کی نزاکت کا اندازہ [illegible] تھا [illegible]

نے شہزادی کو گھیر لیا ہے۔ حارث کی باتوں سے بھی پتا چلتا تھا کہ وہ انعام سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں۔ وہ خود فسطاط اس لیے آیا تھا کہ شہزادی نجم کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر سکے کہ اسے شوال تک بہرحال القطائع ہی میں رہنا ہے لیکن یہاں حالات نے جو خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ اس کے پیشِ نظر شوال سے پہلے ہی کچھ نہ کچھ ہو سکتا تھا اور حیران تھا کہ نجم الیل سے کیا کہے کیوں کہ شوال کی تاریخ دور تھی اور خطرے شہزادی کے بہت قریب منڈلا رہے تھے۔

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے اپنے منصوبے سے کس طرح آگاہ کرے کہ سوڈانی کنیز ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اندر داخل ہوئی اور ایک ایک بات جو حارث سے ہوئی تھی بیان کرنے لگی۔

عنبر نے جو روداد سنائی وہ نئے اندیشے اور نئے خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ شہزادی نجم کی انہونی خواہش سن کر حارث کا ذہن کچھ اور سوچنے لگا تھا کہ کوئی فوجی سردار اُسے طوبیٰ ریاست کی ملکہ بنانے اور سلطان ابو جیش خمارویہ کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک اور بھیانک خیال تھا جس کا نتیجہ بھی بے حد خوف ناک ہو سکتا تھا لیکن سوڈانی کنیز نے اپنی خوش تدبیری سے یہ خیال حارث کے ذہن سے نکال دیا اور اس کے دل میں شہزادی کو ہموار کرنے کی جوت روشن کر دی تھی جس پر وہ خوش خوش لوٹ گیا ورنہ اندیشہ تھا کہ شہزادی کے جواب سے مایوس ہو کر بغاوت کے خطرے کی آڑ لینا اور سلطان کے حکم سے قصرِ نجم پر پہرہ بٹھا دیتا۔

شہزادی اپنی رازدار لونڈی کی کارکردگی پر بے حد خوش ہوئی اور بولی "عنبر! کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم تجھے ایک جڑاؤ ہار دے دیں گے۔"

عنبر مسکرائی۔ "سرکار! ہار تو اُسی موئے سے وصول کروں گی۔ بغداد سے بڑی موتیاں لے کر آیا ہے۔ اگر ہار نہ لیا تو شک کرے گا مجھے۔ اس کی یہ "خدمت" تو بجا لانے دیجیے۔"

اس نے "خدمت" کے لفظ کو ذرا کھینچ کر ادا کیا جیسے اُس کی حجامت کرنا چاہتی ہے اور مسکراتی ہوئی لوٹ رہی تھی کہ ابنِ حرب نے ٹھہرنے کے لیے کہا وہ رک گئی تو کہنے لگا "عنبر! تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ شہزادی نجم عنقریب صحرا کا سفر کرنے والی ہے اور تو بھی ساتھ جائے گی۔"

سوڈانی کنیز نے گردن جھکا دی۔ "میں نہ گئی تو ان کی خدمت کون کرے گا؟"

[illegible] اگر یہاں رہ گئی تو موت کے عذاب میں

www.urdukorner.com

مبتلا کر دی جائے گی۔ اس لیے تیرا ساتھ چلنا بہت ضروری ہے۔"

موت کے عذاب کا ذکر سن کر شوخ سانولی لونڈی کا رنگ متغیر ہو گیا اور گھبرا کر اپنی مالکن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ "میں شہزادی صاحبہ سے الگ ہو کر مرنا نہیں چاہتی۔"

نجم اللیل دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ ابن حرب اُسے لینے آیا ہے۔ وہ جبشی خمارویہ سے ڈرتی تھی کہ آج جو بات اُس نے نرمی سے کہی، کل اسے زبردستی منوانے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے وہ القطائع سے جا چکی ہو گی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا جس کا جواب دینے کے لیے ابن حرب نے عنبر کا سہارا لیا تھا۔ کہنے لگا "سفر میں ابھی کچھ دیر ہے۔"

"کتنی دیر؟"

"کم و بیش ڈھائی مہینے۔"

"ڈھائی ـــــ مہینے؟"

شہزادی نے دونوں الفاظ الگ الگ کر کے دہرائے اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ "یہاں تو وہ ڈھائی دن میں کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمھارا بال بھی بیکا نہیں ہو گا کیوں کہ یہ فیصلہ میرے مذہبی شیخ کا ہے۔"

"کیا فیصلہ ہے شیخ کا؟"

"فیصلہ یہ ہے کہ تم سات شوال تک القطائع میں رہو گی۔ میں اسی تاریخ کو آؤں گا اور ہمارا نیا سفر شروع ہو گا۔"

پھر وہ بتانے لگا کہ اس سفر سے قبل اس کا ڈھائی ماہ تک نہ صرف فسطاط بلکہ مصر سے بھی غائب اور روپوش رہنا ضروری ہے تاکہ سمجھ لیا جائے شاید وہ برقہ یا قیروان کی طرف نکل گیا ہے اور شہزادی کے فرار کا شبہ اس پر نہ کیا جائے۔ اگر اس کا نام درمیان میں آ گیا تو سلیمان بن عامر اور عریش کی کاروں سرائے پر قیامت گزر جائے گی۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے وہ شہزادی کے فرار سے بے تعلق سمجھا جائے نہ اس پر کوئی انگلی اٹھے، نہ سلیمان بن عامر پر کوئی آفت آئے۔ جب مخبر سلطان خمارویہ کو ابن حرب کے متعلق خبر دے رہے ہوں گے کہ وہ مصر کی سرحد عبور کر چکا تو شہزادی کے فرار سے اس کی بے تعلقی ظاہر ہو جائے گی۔

ابن حرب نے جو منصوبہ پیش کیا، وہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا گیا تھا۔ شہزادی اس کی مصلحت اور حکمت سے انکار نہ کر سکی۔ اب وہ [illegible]

"شوال کو تمھیں سفر کے لیے تیار رہنا ہو گا۔ دن کے تیسرے پہر تم عنبر کے ساتھ عام مصری عورتوں کے لباس میں القطائع سے نکلو گی۔ اس مقصد کے لیے فسطاط میں امام شافعی کے مزار یا مشہد نفیسہ کی زیارت یا کسی سہیلی کے ہاں عیادت کا بہانہ کر سکتی ہو لیکن القطائع سے نکل کر تم فسطاط کی شہر پناہ اور جھیل کے درمیان جنوب کی طرف بڑھو گی۔ جدھر المقص[1] کی بستی واقع ہے۔ بستی سے دور دور کھیتوں کے درمیان چل کر تمھیں نیل کی بندرگاہ سے جنوب کی سمت ساحل پر پہنچنا ہے۔ اس رستے کھیتوں میں کیچڑ اور پانی سے گزرنا پڑے گا لیکن تم لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہو گی۔ دریا کے ساحل پر میں ایک سمت تمھارا منتظر رہوں گا۔ وہاں سے ہمارا دریائی سفر شروع ہو گا اور سورج غروب ہونے تک ہم القطائع سے فسطاط سے بہت دور نکل جائیں گے۔"

شہزادی یہ تفصیل سن کر دنگ رہ گئی۔ وہ تو سمجھتی تھی مشرقی صحرا میں جانے کے لیے القلزم اور عریش سے گزرنا ہو گا لیکن ابن حرب اسے نیل کے ساحل پر بلا رہا اور دریائی سفر کا ذکر کر رہا تھا۔ تعجب سے بولی۔ "دریائی سفر کیوں، کیا دمیاط[2] کی طرف سے نکلنے کا ارادہ ہے؟"

"دمیاط کی طرف نہیں ہم بینی سوف[3] اور اسیوط[4] کی جانب دریا سے اُلٹے رُخ سفر کریں گے۔"

شہزادی کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "ہمیں بالائی مصر میں کہیں لے جاؤ گے؟"

"نہیں نجم! بینی سوف کی جانب ہمارا سفر صرف سو میل ہو گا۔ جو غروب شمس تک ختم ہو جائے

---

[1] المقص فسطاط کے جنوب میں فلاحین کی ایک بستی دریائے نیل کی جانب واقع تھی۔ اس علاقے میں دریا کا پانی آ جانے سے کھیت گارے اور کیچڑ سے بھر جاتے تھے۔

[2] دمیاط زیریں مصر کا مشہور شہر جو نیل کے ڈیلٹے پر اسکندریہ سے صرف چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

[3] بینی سوف اور اسیوط، فسطاط یا موجودہ قاہرہ سے جنوب کی سمت نیل کے ساحل پر آباد ہیں۔ بینی سوف میں قدیم فراعنہ کی کئی یادگاریں ہیں جنھیں سیاح بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ (قمر اجنالوی)

[4] ایضاً

www.urdukorner.com

گا۔ شام کے پھیلتے اندھیرے میں ہم نیل کے مشرقی ساحل پر اتریں گے اور سفینہ چھوڑ دیں گے
وہاں ہماری تیز سواریاں تیار ہوں گی۔ جن پر ہم جنوب مشرق کے رُخ سفر کریں گے۔ اور
تیسرے دن بحیرۂ قلزم کے ساحل پر پہنچ جائیں گے۔"

"نجم الیلیل پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ "بحیرۂ قلزم کا راستہ تو بڑا دشوار گزار ہے
اگر ہماری سواریاں تیز رفتار ہوں گی تو جنوب مشرق کی بجائے ہم شمال مشرق کی جانب القطرہ
اور عریش کے رستے سفر کیوں نہ کریں؟"

اب ابن حرب اُسے سمجھانے لگا۔ "شمال مشرق کا راستہ معروف ہے اور اس
راستے تعاقب کا خطرہ ہوگا مگر جنوب مشرق کا راستہ غیر معروف بھی ہے اور دشوار گزار بھی
کسی کے ذہن میں اُس راستے کا خیال بھی نہیں آئے گا اور ہم تعاقب سے محفوظ رہیں گے۔
پھر فرار کا پہلا اصول یہ ہے کہ تعاقب کرنے والوں کو شروع ہی میں دھوکا دیا جائے۔ شمال کی
طرف سفر کرنے کی بجائے جنوب کی طرف سفر کرنے میں یہی حکمت ہے۔ فسطاط سے بحیرۂ قلزم
کا راستہ دشوار گزار ضرور ہے مگر فرار کے لیے ایسا راستہ ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔"

وہ سمجھ گئی کہ جنوب مشرق کی طرف سفر کا منصوبہ تعاقب سے بچنے کے لیے تیار کیا گیا ہے
اور تعاقب سے بچنا بہر طور ضروری تھا۔

ابن حرب نے ایک اور وضاحت ضروری سمجھی۔ "رات کی بجائے دن کے تیسرے پہر تم
دونوں شہر پناہ سے نکل آؤ گی تو کوئی توجہ بھی نہیں دے گا۔ دن کو دریا کی جانب آمد و رفت عام
ہوتی ہے۔ جب کہ رات کو شہر کے دروازے بند ہو جاتے اور پاسبان آنے جانے والوں پر
نظر رکھتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مشتبہ نفیسہ یا خباثت سے تمہاری واپسی کا رات کے
پہلے پہر تک ضرور انتظار کیا جائے گا۔ القطائع میں تمہاری تلاش نصف شب کو یا دن چڑھے
شروع ہوگی اور اس وقت تک ہم پچاس کوس کا سفر طے کر چکے ہوں گے پھر جنوب مشرق کی
طرف ہمارا سفر بالکل محفوظ ہوگا اور طولونی سوار اسکندریہ یا عریش کے راستوں کی طرف بھاگیں گے۔"

شہزادی نے غور کیا تو فرار کا جو منصوبہ بنایا گیا اور سفر کا جو راستہ منتخب کیا گیا اس میں
تعاقب، گرفتاری یا ناکامی کا کوئی احتمال نہ تھا۔ اب وہ مطمئن تھی۔ اُسے صرف اپنی سوڈانی لونڈی
کے ہمراہ شہر پناہ سے نکلتے وقت احتیاط سے کام لینا اور المقص کی بستی کے آس پاس کھیتوں
کے درمیان گارے کیچڑ اور پانی سے گزرنا تھا۔ عنبر کی ہمراہی میں یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔

البتہ مشکل یہ تھا کہ وہ القطائع میں ڈھائی ماہ کا طویل عرصہ کیسے گزارے گی؟

ابوجلیش خمارویہ نے نجم الیلیل پر نہ تو ابھی تک کوئی سختی کی تھی، نہ درشتی سے پیش آیا
تھا صرف اُسے اپنی پیش کش یا فرمائش پر غور کرنے کے لیے کہا تھا مگر ساتھ ہی یہ اشارہ بھی دے
دیا تھا کہ بادشاہوں کے وعدے ایفا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ادھر حارث اپنے انعام پر
بضد تھا۔ ان حالات میں یہ اندیشہ نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا کہ خمارویہ اپنا قول پورا کرنے کے
لیے حارث کے ساتھ زبردستی اس کا عقد کر دے یا قصرِ نجم پر پہرے بٹھا دے کہ یہاں بغاوت
کی کوئی سازش تو نہیں ہو رہی؟ اس طرح، سوال کرا سے القطائع سے فرار کا موقع بھی نہیں
مل سکے گا کیوں کہ پنجرے میں بند ہو جانے والے پرندے پرواز نہیں کر سکتے۔

یہ سب کچھ ابن حرب کے ذہن میں بھی تھا کہنے لگا۔ "عربی میں ایک ضرب المثل مشہور
ہے کہ "اَلْخُضُوعُ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَجُوْلِيَةٌ"۔ (ضرورت کے وقت عجز و انکسار فوت کا
باعث ہوتا ہے یا ضرورت کے وقت لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں) تمہیں بھی خمارویہ کو
ناراض کرنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھو۔ اگر وہ اپنا وعدہ پورا کرنے
پر زور دے تو سوچنے کی مہلت مانگو بلکہ یہ تاثر دو کہ تمہارا مقصد اُسے ناراض کرنا نہیں
اپنے آپ کو اُس کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی رہو۔ بھائی کے ساتھ بات چیت
کرتے وقت اُس کے شاہی وقار کو ملحوظ رکھو۔ اگر تھوڑی سی خوشامد، تھوڑی سی چاپلوسی کرنا پڑے
تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بس کسی نہ کسی طرح تمہیں اُسے خوش رکھنا اور تین ماہ کی مہلت حاصل کرنا ہے
اس سے برگشتہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنی زندگی سے تنگ آ گئی ہو۔"

نجم الیلیل نے اُس کی بات توجہ سے سنی اور بھائی کو رام کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ "ہم نے
انکار کر کے ابوجلیش کی ناراضی مول لی ہے۔ اب اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش
کریں گے۔"

ابن حرب نے بات کچھ اور آگے بڑھائی۔ "حارث کو مایوس کرنے کی ضرورت نہیں
اُس کے سامنے کسی ایسی خواہش کا اظہار مناسب نہ تھا جسے وہ پوری نہ کر سکے۔ جس طرح
پہلے ایک مرتبہ اُسے اُمید دلا چکی ہو۔ اسی طرح اب بھی اُس کی دنیا اُمید پر قائم رکھو۔ اس
معاملے میں عنبر بھی تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

سوڈانی کنیز کو بھی بات کرنے کا موقع مل گیا۔ "میں نے حارث سے کہہ دیا ہے کہ

www.urdukorner.com

شہزادی صاحبہ کو اس کے لیے مناؤں گی۔ اگر کل ہارے آیا تو سمجھ لوں گی کہ میری بات پر لگ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے، وہ ہارے آئے گا۔"

"پھر اس کی لگام میرے ہاتھ میں ہوگی۔ ڈھائی مہینے چکر دیتی رہوں گی کہ شہزادی صاحبہ اس کے بارے میں سوچ رہی ہیں اور کچھ آمادہ بھی ہو رہی ہیں۔ وہ میرے دم دلاسے سے نکل نہیں سکے گا۔"

"تمہارے دم دلاسے کے علاوہ شہزادی کو خود بھی حارث سے ملنا اور اس کی دل جوئی کرنا ہوگی۔"

"اگر تم کہتے ہو تو ہم بھی اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔ مگر ہماری دل جوئی کو اس نے اپنی مرضی کے معنی پہنا لیے اور ہمیں کچھ مائل دیکھا تو ممکن ہے گستاخی پر اتر آئے اور ہمیں پریشان کرے۔ اب تو اسے سلطان اور بھائی شیبان کا بھی ڈر نہیں۔"

نجم اللیل نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا تو عنبر چمک کر بولی۔ "اس کی کیا مجال کہ گستاخی کرے۔ آپ جیسی حسین مہ جبین شہزادی کی صرف ایک مسکراہٹ حارث جیسے مرد کے پاؤں میں زنجیر ڈال سکتی ہے۔ ایک قدم آپ کی طرف نہیں بڑھا سکے گا۔"

شہزادی کے ہونٹوں پر تبسم بکھر گیا۔ "بہت اچھا۔ ہم اسے اپنی مسکراہٹ کی زنجیر پہنا دیں گے۔"

"لیکن زنجیر ایسی ہو کہ وہ سات شوال تک بندھا رہے۔"

بہرحال یہ طے پا گیا کہ شہزادی نجم سلطان خمارویہ کی ناراضی کو خوشنودی میں بدلنے کی کوشش کرے گی۔ اس کا قول پورا کرنے کے سلسلے میں کچھ مہلت مانگے گی۔ حارث کی بھی دل جوئی کرے گی۔ اسے دم دلاسا دیتی رہے گی اور اس دم دلاسے میں عنبر اس کا ہاتھ بٹائے گی۔

باہر الفطائع کی جامع احمد بن طولون میں عشاء کی اذان ہونے لگی تو ابن حرب کھڑا ہو گیا اور رخصت طلب کی۔ "کل منہ اندھیرے مجھے فسطاط سے نکل جانا ہے اس لیے اجازت چاہتا ہوں۔ اب ۷ شوال کو واپسی ہوگی۔"

شہزادی نجم اور عنبر بھی اٹھیں۔ ابن حرب نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "گھبرانا نہیں نجم! جو قسمت میں لکھا ہے وہ پیش آئے گا۔" پھر اچانک ایک غیر متوقع سوال کر دیا۔ "کیا قطر الندیٰ کی

رخصتی کی کوئی تاریخ مقرر ہوئی ہے؟"

"نہیں۔" شہزادی نے جواب دیا۔ "سلطان اسے انکو ارسال و رخصت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"پھر تو تمہارے پاس ایک عمدہ بہانہ ہے کہ تم بھی آئندہ سال حارث کا انتظام ہوگا۔"

نجم اللیل مسکرائی۔ "اب ہمیں حارث کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اسے یاد دلائیں گے۔"

ہوشیار کنیز فوراً کمرے سے نکل کر دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئیں اور غلام گردش میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ابن حرب چند لمحوں کے بعد باہر آیا تو اسے لے کر پھاٹک کی جانب بڑھی۔ ستاروں کی چھاؤں میں وہ قصر نجم سے نکلا اور الفطائع سے بھی نکلتا چلا گیا۔

www.urdukorner.com

(۳۰)

مہلت

○

حارث ابوظفر کے معاملے نے کچھ ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ دوسرے دن شہزادہ شیبان ناگہاں قصرِ نجم میں وارد ہوا اور ایک عرصے کے بعد آیا تھا اس لیے نوکروں، کنیزوں میں ہل چل مچ گئی۔

دن ابھی پہلے پہر سے آگے بڑھا تھا۔ شہزادی نجم الیل نے خندہ پیشانی سے بھائی کا استقبال کیا اور اسے اپنے خاص کمرے میں لے آئی۔ شیبان نے بیٹھتے ہی خیر و عافیت پوچھی اور اس کی گھریلو دلچسپیوں کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ جانتی تھی اسے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں کہ وہ کیا کرتی اور کیا نہیں کرتی۔ نہ اس کی خیر و عافیت دریافت کرنے آیا تھا پھر بھی گھریلو معاملات کی باتیں کیے جا رہا تھا اور خیریت پوچھے جا رہا تھا۔

"نجم! تم ٹھیک تو ہو؟"

"تمھیں کوئی پریشانی تو نہیں؟"

"میں چاہتا ہوں تم ہر وقت خوش رہو۔"

نجم سمجھتی تھی کہ وہ کیوں آیا اور کیا چاہتا ہے۔ حارث ابوظفر اس کا وفادار غلام اور اسی کی سفارش پر "سفیرِ دوستی" بن کر بغداد گیا تھا۔ وہ حارث ہی کے بارے میں کچھ کہنے آیا تھا۔ جب نجم بتا چکی تھی وہ ٹھیک ہے، اسے کوئی پریشانی نہیں اور اکثر خوش رہتی ہے، تو شیبان حرفِ مدعا زبان پر لایا اور کہنے لگا۔

"نجم! آج میں تمھارے پاس سلطانِ معظم کی زبان بن کر آیا ہوں۔ کل تم نے جو رویہ اختیار کیا، وہ ان کے لیے تکلیف کا باعث ثابت ہوا ہے۔ ابرجیش بے شک تمھارے بھائی ہیں اور بھائی بہن کے درمیان کبھی کبھی اختلافات بھی ہو جاتے ہیں مگر وہ ایک سلطنت کے حکمران بھی ہیں اور حکمران کی حیثیت سے ان کی کچھ ذمے داریاں اور کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔ تمھیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ انھیں بھی تمھارا خیال ہے۔ کل جب تم ان کی بات ٹھکرا کر چلی آئیں، تو بہت پریشان ہوئے اور آج مجھے بھیجا ہے کہ اگر ناراض ہو تو تمھیں منا لوں، پریشان ہو تو سمجھاؤں کہ وہ تمھارا بھلا چاہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر شیبان رک گیا۔ شاید معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کی گفتگو کا کوئی اثر بھی ہوا ہے یا نہیں۔ نجم الیل نے بڑے محتاط لیکن مؤثر لفظوں میں معذرت کی۔ "بھائی شیبان! ہمیں افسوس ہے کہ کل ہم نے سلطانِ معظم کی رائے سے اختلاف کیا اور ہماری زبان سے کچھ نازیبا الفاظ نکل گئے جن پر ہم خود شرمندہ ہیں۔ ان سے کیسے ہمارے دل میں ان کا آج بھی وہی احترام ہے جو پہلے تھا وہ ہم سے خفا نہ ہوں۔"

نجم کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ اس نے اپنے رویے پر ندامت کا اظہار کیا تھا جس سے شیبان کو بات آگے بڑھانے کا موقع ملا اور بولا۔ "نجم! اگر تم برا نہ مانو تو میں حارث کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم آپ کی بات کا برا کیوں منائیں گے؟"

"پھر غور سے سنو۔ حارث ابوظفر نے بنی طولون کی جو خدمت سرانجام دی ہے وہ مصر کا کوئی سردار، کوئی رئیس، کوئی وزیر بھی ادا نہیں کر سکا۔ آج ہماری ایک موروثی ریاست قائم ہو چکی ہے، ہم بیرونی خطروں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ جو ملک پہلے "لوٹ کا مال" سمجھا جاتا تھا، اب وہ ہماری قانونی ملکیت بن گیا ہے اور یہ سب کچھ حارث کے طفیل ہوا ہے۔ سلطنت میں کسی آدمی کا وزن، اس کی خدمات سے لگایا جاتا ہے، عہدہ و منصب سے نہیں اور خدمات کے اعتبار سے حارث کا وزن کسی سلطنت سے کم نہیں۔ سچ پوچھو تو اب میں اسے اپنا غلام نہیں بلکہ بنی طولون کا محسن سمجھتا ہوں لیکن حیرت ہے تم طولونی شہزادی ہو کر اس کی اتنی بڑی خدمت کو تسلیم نہیں کرتیں؟"

"[illegible] خدمت [illegible] ہیں کہ اس نے ایک ایسا کارنامہ اپنی

www.urdukorner.com

زبان سے انکار دیا ہے جس نے ہمیں بغداد پر فوجی دباؤ ڈالنے اور تلوار استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا؟"

نجم کا جواب حیرت انگیز اور خلاف توقع تھا۔ شیبان نے ایک دل چسپ سوال کیا۔

"کہیں تمہیں اس بات کا ملال تو نہیں کہ جو کام تمہارے مشورے کے مطابق فوجی دباؤ ڈالنے سے ہونا چاہیے تھا وہ حارث کی سفارت کے ہو گیا؟"

"یہ تو خوشی کی بات ہے کہ حارث کی سفارت کامیاب ہوئی اور اس کامیابی کے طفیل اسے عزت ملی۔"

"شکر ہے نجم! تم نے ایسے شخص کی عزت کا اعتراف کیا ہے جو کل تک تمہارے نزدیک ایک حقیر آدمی تھا۔"

"ہم نے حارث کو حقیر آدمی کبھی نہیں سمجھا۔"

"سلطان معظم کا یہی خیال ہے کہ تم اسے حقیر سمجھتی ہو۔"

"ممکن ہے کل غصے میں ہماری زبان سے کوئی غلط لفظ نکل گیا ہو۔ ورنہ ایک محافظ افسر کی حیثیت سے ہم کل بھی اسے پسند کرتے تھے، آج بھی پسند کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر ایک پل کے لیے رکی پھر کہنے لگی۔ "کل شام کو وہ ہمارے پاس ایک سوال بن کر آیا تھا لیکن ہم نے سخت جواب دیا اور اس کی دل شکنی کی، جس کا بعد میں ہمیں افسوس ہوا۔ حالاں کہ حالات کا تقاضا یہ تھا ہم اس کی کچھ حوصلہ افزائی کرتے۔"

شیبان کے چہرے پر استعجاب کی ایک لہر گزر گئی۔ "نجم! کیا میں یہ سمجھوں کہ حارث کے متعلق تمہاری رائے تبدیل ہو رہی ہے؟"

شہزادی نجم کا جواب اس کی مرضی کے مطابق تھا۔ "رات ہم اس معاملے پر بہت سوچتے رہے اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطان معظم اور آپ کی خاطر شاید ہمیں اپنی رائے بدلنا پڑے۔"

شیبان مارے خوشی کے مسند سے اچھل گیا۔ "نجم! اگر تم حارث کو قبول کر لو تو سلطان معظم اس کے مرتبے میں کچھ اور اضافہ کر دیں گے۔"

"ہم کوئی وعدہ نہیں کرتے۔ البتہ حارث کو اپنے قریب آنے کا موقع دیں گے اور دیکھیں گے وہ ہم سے عشق تو کرتا ہے مگر ہمارا رفیق حیات بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے

یا نہیں۔"

بہن کی باتیں سن کر شیبان کو بھی ذرا سے تشفی کی سوجھی۔ "حارث بہت اچھا رفیق حیات ہوتا ہے نجم!"

"اس کا فیصلہ تو حارث کو پرکھنے کے بعد ہوگا۔" نجم لیلیٰ نے اپنی نہ سر کار اچھلا یا اگر وہ تین مہینے تک ہماری توقعات پر پورا اترا تو ہم آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں گے۔"

شہزادہ شیبان اس کے پھلائے ہوئے راستے میں پھنس گیا۔ "تین مہینے کیوں بے شک اسے پانچ چھ مہینے آزما لو۔ وہ تمہاری ہر توقع پر پورا اترے گا۔"

"ہمیں سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے لیے صرف تین مہینے کی مہلت درکار ہے آپ اور جیش سے کہہ دیں بعض معاملات میں ہم حارث کو پسند کرتے ہیں۔ شاید اس عرصے میں اسے اپنے شوہر کی حیثیت سے بھی پسند کر لیں۔"

شیبان جانتا تھا نجم لیلیٰ اگر اسے ملنے جلنے اور قریب آنے کا موقع دیتی رہی جیسے کہتی ہے تو تین مہینے میں حارث جیسا مرد اسے اپنے قابو میں لے آئے گا اور وہ خود اس سے ہمکنار ہونے کی خواہش کرے گی۔ وہ کہنے لگا۔ "ابو جیش کو تمہاری تجویز سے کوئی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ خوش ہوں گے کہ تم نے حارث کے بارے میں اپنی رائے بدلنے کا خیال ظاہر کیا ہے اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو گی۔ وہ تین مہینے کے بعد تمہارے فیصلے کا انتظار کریں گے اور نجم مجھے امید ہے، تمہارا فیصلہ حارث کے حق میں ہوگا۔"

"شاید....." شہزادی نجم بھی اپنی ترکیب کی پہلی کامیابی پر خوش تھی۔

"میں آج ہی سلطان معظم کو تمہاری تجویز سے آگاہ کر دوں گا فیصلے کے لیے تمہیں جتنی بھی مہلت درکار ہوگی، وہ دے دیں گے۔"

اس اثنا میں کنیزوں نے کھانے کے کمرے میں قسم قسم کے پھل، خشک میوے کھانے طشتریوں میں چن دیے تھے۔ عنبر نے آکر اطلاع دی کہ کھانا لگ گیا ہے۔ شہزادہ شیبان نے بہن کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی طوطی جوہ اپنے کمرۂ استراحت میں آکر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ قسمت ساتھ دے رہی ہے۔ اس کی تدبیر کا پہلا مرحلہ کامیابی پر ختم ہوا اور شیبان نہ صرف خود تین ماہ کی مہلت دینے پر تیار ہے بلکہ [illegible]

www.urdukorner.com

اپنی پہلی کامیابی پر اتنی خوشی تھی کہ سوڈانی کنیز کو آواز دے کر بلایا اور تنہائی میں اسے بتانے لگی کہ شیبان کیوں آیا تھا اور کس طرح تین مہینے مدت کا قرعہ اس کے حق میں پڑا۔ پھر خوشی سے کپکپاتی آواز میں بولی۔ "بس اب حارث کو باندھنا باقی رہ گیا ہے۔"

عنبر بھی مسکرا دی۔ "وہ تو دیوانہ ہے آپ کا۔ جلد گرفتار ہو جائے گا۔"

★

ابھی سورج غروب ہونے میں کوئی نصف پہر باقی تھا کہ حارث ابوظفر قلعہ نجم کے پھاٹک پر نمودار ہوا۔ حبشی غلام ڈنگا نے پہلے کی طرح اسے ادب سے سلام کیا اور پوچھا۔ "کیا شہزادی صاحبہ کو آپ کے آنے کی اطلاع دوں؟"

"شہزادی صاحبہ کو نہیں عنبر کو۔"

سوڈانی کنیز اطلاع ملتے ہی بھاگی آئی اور حارث کو باغیچے کے ایک گوشے میں لے گئی جہاں سرو کے درختوں کی آڑ میں اس نے ایک جڑاؤ ہار عنبر کی سیاہی مائل سانولی گردن میں ڈال دیا۔ ہار بڑا قیمتی اور خوب صورت تھا۔ وہ اس کی چمک دمک اور سج دھج دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ حارث کو مسکرا کر دیکھا اور بولی۔ "صاحب! آج تو میں واقعی اس ہار کی حق دار ہوں۔"

حارث نے بھی اس پر شوق کی نظر ڈالی۔ عنبر موٹے موٹے مگر دل کش سوڈانی نقش و نگار کی نوجوان کنیز تھی اور اس کی سانولی رنگت میں جوانی کی کشش تھی۔ ادھر ادھر نظر دوڑا کر کہ مبادا کوئی دیکھ رہا ہو، وہ بڑی ادا کے ساتھ سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگی۔ "تم یہی چاہتے تھے نا میں شہزادی صاحبہ کو تمہارے لیے آمادہ کروں؟"

"ہاں۔" حارث کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تو رات میں نے ان سے تمہاری بات چلائی اور کہا کہ تم جیسے جاں نثار کی دل شکنی اچھی نہیں۔"

"پھر؟" اس نے مرتعش آواز میں پوچھا۔

"پھر کیا، شہزادی صاحبہ کہنے لگیں۔ حارث ہمارا جاں نثار ہے اور ہمیں اس کی دل شکنی پر خود افسوس ہے۔ میں نے توجہ دلائی کہ وہ تمہارے معاملے پر از سر نو غور کریں

تو اس بات پر آمادہ ہو گئیں۔"

"کیا واقعی وہ میرے بارے میں نئے سرے سے غور کریں گی؟"

"نہ صرف غور کریں گے بلکہ تمہیں اپنی قربت کا موقع بھی دیں گی۔"

"سچ؟" اس کا چہرہ ایک موالیہ نشان بن گیا۔

"اس میں جھوٹ کیا ہے صاحب!" عنبر اس کی آتش شوق مزید بھڑکانے لگی۔ "میری سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ آج جب شہزادہ شیبان ملنے آئے تو شہزادی صاحبہ نے ان سے بھی وعدہ کر لیا کہ تمہارے متعلق پھر سے سوچیں گی۔ اگر میرا یقین نہ ہو تو اپنے آقا شیبان سے پوچھ لینا۔"

مارے خوشی کے حارث پر ایک نیا رنگ آ گیا۔ پھر عنبر کا سانولا گدگدا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے تم پر پورا یقین ہے عنبر! شہزادی نجم کے ساتھ میں تمہیں بھی پسند کرتا ہوں اور اپنی خاص کنیز بناؤں گا۔"

عنبر مسکرا دی۔ "میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی صاحب! مگر پہلے میری ملکن کو تو حاصل کر لو۔"

"تمہاری مدد سے انھیں بھی حاصل کر لوں گا۔" سوڈانی کنیز نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا وہ حارث پر مہربانی کی نظر ڈال کر بولی۔ "اگر کہو تو تمہیں شہزادی صاحبہ سے ملوا دوں؟"

"کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گی؟"

عنبر کی آواز پراسرار سرگوشی میں ڈھل گئی۔ "اب انھیں اور ملنا بھی کس سے ہے۔"

پھر ہاتھ چھڑایا اور لپکتی جھپکتی باغیچے سے گزرتی غلام گردش میں غائب ہو گئی۔

حارث اترتی شام کے سائے میں وہیں اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ سرو کے پودے اس کے قد سے اونچے اور دوسروں کی نظروں سے ڈھانپ رہے تھے مگر باغیچے میں دیکھنے والا کون تھا۔

تھوڑی دیر بعد عنبر لوٹ آئی اور خوشخبری سنائی۔ "چلو صاحب! شہزادی صاحبہ نے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔"

دونوں ساتھ ساتھ عمارت کی جانب ہو لیے۔ عنبر جڑاؤ ہار کے تحفے پر خوش تھی، جس سے یہی کہ وہ ایک عالی قدر سوڈانی دوشیزہ نظر آنے لگی تھی۔ حارث حالات کی اس

www.urdukorner.com

عجیب و غریب تبدیلی پر حیران تھا جس نے اس کی میدان کے نجھے چراغ پھر سے روشن کر دیے تھے۔ عنبر چلتے چلتے اُسے سمجھانے لگی۔ "اپنی وفاداری اور جان نثاری پر قائم رہنا صاحب، اور شہزادی صاحبہ کے حسن کی تعریف کرنا نہ بھولنا۔"

"کیا شہزادی صاحبہ اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی ہیں؟"

"ہر عورت اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی ہے مگر وہ تو ناکھوں عورتوں میں ایک اور تعریف کی مستحق ہیں۔"

حارث کے ذہن سے خوب صورت الفاظ اور فقرے گزرنے لگے جو حسین عورتوں کی تعریف میں لکھے گئے تھے۔ جب وہ کمرۂ ملاقات میں داخل ہوئے، ایک سیاہ فام لونڈی فانوس روشن کر کے نکل رہی تھی۔ حارث کو وہاں چھوڑ کر عنبر بھی چلی گئی۔ اُسے گئے چند لمحے گزرے تھے کہ شہزادی نجم اللیل انتہائی خوب صورت لباس پہنے جس میں اُس کے حسن و جمال کی شان پہلے سے دوبالا ہو رہی تھی، کمرے میں داخل ہوئی۔ حارث نے اٹھ کر استقبال کیا اور اس کے پیکرِ جمال کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ شہزادی بیٹھ گئی تو وہ بھی بیٹھا اور کہنے لگا۔ "میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے شرفِ ملاقات بخشا۔"

شہزادی نے اپنے کل کے رویے پر معذرت کی۔ "ہمیں افسوس ہے حارث، کل ہم پریشان تھے اور اس پریشانی میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش آئے، نجانے کل ہمیں اتنا غصہ کیوں آ گیا تھا۔"

حارث نے بھی نرمی اور انکساری مناسب سمجھی۔ "غصہ عموماً کسی کی غلطی پر آتا ہے شاید کل مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی تھی جس نے آپ کو برہم کر دیا تھا۔"

اس نے شہزادی کی برہمی کا الزام اپنے سر لے لیا اور شہزادی نے بھی اس کی دلجوئی کا پہلو اختیار کیا۔ "بے شک کل تم سے کوئی غلطی ضرور ہوئی جس پر ہمیں غصہ آ گیا لیکن ہم صرف اس پر ناراض ہوتے ہیں، جسے اپنا سمجھتے ہیں کسی بیگانے پر ہمیں غصہ نہیں آتا خواہ وہ ایک چھوڑ ہزار غلطیاں کرے۔"

نجم اللیل نے بڑی خوب صورتی سے اُس کی غلطی اور غصے میں ایک مطابقت اور معنویت پیدا کی، جس نے حارث کو ایک نیا حوصلہ بخشا کہ کل اگر اس سے ابن حرب کا ذکر کرنے کی غلطی ہوئی جو شہزادی کی ناراضی اور برہمی کا باعث بنی تو آج کا یہ رویہ یہ اظہار، یہ بیان کس قدر

دل چسپ اور دل نشین ہے کہ اسے غصہ ہمیشہ اپنے پر آتا ہے۔ کسی بیگانے پر نہیں گویا وہ اس پر ناراض بھی ہوئی تو اپنا سمجھ کر، بیگانہ سمجھ کر نہیں۔

شہزادی کے الفاظ حارث کے لیے کسی مژدۂ جانفزا سے کم نہیں تھے مگر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی۔ "رات عنبر نے تمہاری وفاداری کا ذکر کیا تو خیال آیا کہ ہم تمہارے معاملے پر دوبارہ غور کریں گے اس لیے کل کی باتوں سے اگر تمہاری دل شکنی ہوئی ہے تو انھیں بھول جاؤ، ہم انھیں غیر نہیں سمجھتے۔"

حارث کے حال پر یہ اتنی بڑی مہربانی تھی کہ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہ گیا۔ شہزادی کی باتوں نے دل میں ایک چراغاں سا کر دیا کہنے لگا۔ "مجھے آپ سے کوئی شکایت کوئی گلہ نہیں۔ آپ کو مجھ پر ناراض ہونے کا حق ہے کیوں کہ آپ حسین ہیں، مہ جبیں ہیں۔ میں جان نثار ہوں اور میرا کام صرف اطاعت کرنا ہے۔"

اب ایک ہی خیال، ایک ہی موضوع رہ گیا تھا کہ شہزادی کے حسن و جمال کی تعریف کرے۔ عرب شاعروں اور ادیبوں کے وہ خوب صورت الفاظ اور فقرے جو تھوڑی دیر قبل ذہن سے گزر رہے تھے زبان پر اترنے لگے۔ "شہزادی نجم! آپ حسن کے آسمان پر چودھویں کا چاند ہیں، گلستانِ جمال کا مہکتا ہوا پھول ہے۔ نخلستانِ محبت میں بہتا چشمہ ہیں۔ آپ کی روشنی، نمک، ٹھنڈک میری زندگی ہے۔ آپ کی خوب صورت لمبی آنکھیں حسن کی دو صراحیاں ہیں جن میں محبت کی نشہ آور شراب بھری ہے۔ آپ کے عارض گلابوں کی مثال اور آپ کی زلفیں سنبل کی طرح ہیں۔ جب دشتِ محبت کی ہوا چلتی اور آپ کے سینے گلابوں سے کھیلتی ہے تو آپ کی خوشبو چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔"

شہزادی نجم نے اُسے چشمِ حیرت سے دیکھا۔ اُس کے الفاظ راحت بخش تھے جو عرب کے شاعروں اور مصر کے ادیبوں سے اخذ کیے گئے تھے۔ شاعر اور ادیب حسین عورتوں کے لیے جو خوب صورت الفاظ، جو انوکھی تشبیہات جو نادر تراکیب وضع کرتے ہیں، وہ ان کے اعترافِ جمال کا ہدیہ یا تحفہ ہوتا ہے۔ پنڈت اور پروہت اپنے نذرانوں کے پھول دیویوں کے چرنوں میں بھینٹ کرتے ہیں، اسقف راہب پادری اپنی عقیدت کے ہدیے قربان گاہوں میں مسیح مصلوب کے حضور گزارتے ہیں۔ صوفی نابدِ پارسا راگ عشقِ حقیقی میں مبتلا ہو کر اپنے خدائے واحد کی خاطر خاک پر رکھ دیتے ہیں لیکن شاعر دل اور لوگوں کی محبت و خوشی

www.urdukorner.com

کا مرکز صرف بارگاہِ جمال ہے، اس لیے ان کے فقرے اور الفاظ بھی حسن کی تعریف کے لیے زیادہ دل کش اور اثر انگیز ہوتے ہیں۔

ہر حسین عورت کی طرح نجم اسمٰعیل بھی اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی تھی اور حارث نے جن الفاظ میں اسے نذرانۂ جمال پیش کیا وہ اس کے کانوں میں رس گھولتے چلے گئے اگرچہ ایک ایسا شخص اس کے حسن کی تعریف کر رہا تھا جس سے وہ دل لگانا نہیں رکھتی تھی پھر بھی اسے وہ تعریف اچھی لگی اور چاہتی تھی کہ حارث بولتا رہے، وہ سنتی جائے مگر جو الفاظ، جو اشعار اس کے حافظے میں محفوظ تھے وہ ختم ہو گئے اور ذہن کو دوڑانے کے باوجود نئے فقرے یاد نہیں آ رہے تھے اس نے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کیا اور کہا۔

"شہزادی نجم! میں آپ کے حسن کی تعریف کرنا چاہتا ہوں لیکن الفاظ نہیں مل رہے اور مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا حسن تعریف سے بالا ہے۔ میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی اس کی ستائش نہیں کر سکتا۔"

اس طرح اُس نے سادہ لفظوں میں شہزادی کی ایسی تعریف کر دی جو شاید پہلے کسی نے نہیں کی ہو گی وہ اس کی اس سادہ بیانی سے بھی متاثر ہوئی "تم نے شاعروں سے بڑھ کر ہماری تعریف کی ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ہم سے محبت کرتے ہو۔"

اب حارث کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع مل گیا۔ "شہزادی نجم! میں محبت سے بڑھ کر آپ سے عشق کرتا ہوں، آپ کے بغیر میری زندگی ادھوری رہے گی، جب مجھے کامیابی کی صورت میں انعام دینے کا وعدہ کیا گیا میں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مصر کے خزانے ایک طرف اور آپ کو دوسری طرف رکھ دیا جائے تو صرف آپ کو طلب کروں گا۔ میں خود چھوٹا آدمی ہوں لیکن میرا ظرف بڑا ہے، میں نے آپ کو مانگ کر پوری کائنات مانگ لی ہے۔"

حارث کے فقرے، جملے، الفاظ شہزادی کے دل کو تسکین دے رہے اور ذہن کو مسحور کر رہے تھے، اگر محبت نہیں تو اس سے ہمدردی ضرور پیدا ہو گئی تھی جو اُسے پوری کائنات سمجھ رہا تھا۔ اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا تھا کہ اُس نے مصر کے خزانے ٹھکرا دیے اور طولونی بیوہ کو پسند کیا تھا یہ اس کے عشق کا ایسا ثبوت تھا جس کی وہ خود بھی تردید نہ کر سکتی تھی۔ آخر کہنے لگی "ہم تمھارے جذبۂ عشق کا اعتراف کرتے ہیں حارث! مگر تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عشق میں جیت بھی ہوتی ہے ہار بھی ہوتی ہے۔"

"ہار جیت قسمت پر منحصر ہے نجم! ستارے اچھے ہوں تو جیت عاشق کی ہوتی ہے۔"

"ستاروں پر یقین رکھتے ہو؟"

"زیادہ نہیں مگر ستارے آدمی کے ساتھ سفر کرتے، اُسے آسمان سے جھانکتے اور راستہ دکھاتے ہیں۔"

"ستاروں سے رہنمائی بھی لیتے ہو؟"

"صرف ایک ستارہ میری رہنمائی کرتا ہے۔"

"کون سا ستارہ؟"

"جو صبح شام طلوع ہوتا ہے، وہی میری قسمت کا ستارہ ہے، اُسی نے مجھے بغداد کا راستہ دکھایا تھا اور میں بغداد سے جیت کر آیا ہوں۔ وہ ستارہ یہاں بھی میرے ساتھ ہے۔"

نجم اسمٰعیل ایک اضطراب کی حالت میں کھڑی ہو گئی اور اُس کی جانب ہاتھ لہرا کر بولی۔

"حارث اگر قسمت کا ستارہ تمھارا ساتھ دے رہا ہے تو بے شک ہمیں جیت لو تمھیں اپنے قریب کا آنے کا موقع ہم دیں گے جیتنے کی کوشش تم کرو گے۔ تمھاری قسمت یاور ہوئی تو ہمیں جیت لو گے اور اگر نہ جیت سکے تو قصور تمھاری قسمت کا ہو گا ہمارا نہیں۔"

حارث بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا، اُس نے شہزادی کے الفاظ کی گونج اپنے دل میں سُنی جو اُسے قریب آنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ پھر آگے بڑھ کر اپنی جانب اٹھا ہوا گورا گلابی ہاتھ تھام لیا۔ شہزادی نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً اُسے اپنے قریب ہونے کا پہلا موقع دیا تھا اس نے ہاتھ لبوں سے لگا کر چھوڑ دیا تو اُسی دروازے سے نکل گئی جس دروازے سے آئی تھی۔

یہ ملاقات حارث کے لیے بہر حال ایک نئی زندگی کی نوید تھی، خوش بختی کی علامت تھی، روشنی کی کرن تھی، جو اُس کے اردگرد اُمید کا ایک ہالہ قائم کر رہی تھی۔ اسی لمحے عنبر داخل ہوئی دستور کے مطابق اُسے حارث کو پھاٹک تک چھوڑنے جانا تھا اُسے دیکھتے ہی شکریہ ادا کرنے لگا "عنبر! تم نے میری کھوئی ہوئی جنت مجھے لوٹا دی ہے، تمھارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

سوڈانی کنیز کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی۔ "چلو صاحب تمھاری تسلی تو ہوئی کہ میں نے تمھارے لیے کچھ کیا ہے مگر ایک بات اور بتا دوں، سیانے کہتے ہیں سچ پکے سو بیٹھا ہو، کسی معاملے میں جلدی نہ کرنا۔" پھر گویا اُسے سمجھانے لگی۔

www.urdukorner.com

"بس تین چار مہینوں میں تمہارا معاملہ درست ہو جائے گا۔" اور خود حارث کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ "تمہیں جلدی تو نہیں، تین مہینے انتظار کر لو گے؟"

"ایک سال بھی انتظار کروں گا مگر اس عرصے میں تم تو مجھ پر مہربان رہو گی نا؟"

وہ مسکرائی۔ "فکر نہ کرو صاحب! اصل زر کے ساتھ سود بھی تمہارا ہی ہے۔"

عنبر اسے لے کر باہر آئی تو اندھیرا پھیل گیا اور ستارۂ شام طلوع ہو چکا تھا۔ حارث نے آسمان کی پیشانی پر چمکتے ہوئے اس ستارے کو دیکھا اور اس سے نیک فال لی۔ شہزادی نجم اللیل ستارۂ شب تھی اور ستارۂ شام آسمان کی بلندی سے اس کے قصر کو دیکھ رہا تھا۔

★

القطائع میں گزرنے والے حالات جن کا ماسبق میں ذکر ہو چکا ہے ان واقعات کا دیباچہ یا مقدمہ تھے جو آگے چل کر پیش آنے والے تھے۔

سلطان خمارویہ اور شہزادہ شیبان شہزادی نجم اللیل کے بدلے رویے سے مطمئن تھے کہ وہ حارث کی دل جوئی کرنے اور اسے اپنی قربت کا موقع دینے پر راضی ہوئی بلکہ اس سلسلے کا آغاز بھی کر چکی ہے۔ ابوجیش خمارویہ نے تین مہینے کی مہلت بخوشی منظور کر لی اس کے نزدیک نجم اللیل کو بیوہ ہونے کی وجہ سے یہ حق حاصل تھا کہ عقد ثانی سے پہلے اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھ لے، پرکھ لے اور میل جول بڑھا کر اطمینان کر لے کہ اس کی توقعات پر کہاں تک پورا اتر سکتا ہے۔

دونوں بھائی جانتے تھے، حارث ایک بہادر فوجی، ہوشیار محافظ، کامیاب سپہ سالار [illegible] جیت کرنے کی عمدہ صلاحیت رکھتا ہے۔ جسم کا مضبوط اور طاقتور ہونے کے علاوہ شکل و صورت کا بھی اچھا ہے، انھیں امید تھی، وہ شہزادی نجم کو رام کر لے گا اور دونوں [illegible] خوش اسلوبی سے طے پا جائے گا اس لیے ان کے میل جول میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ [illegible] جن مردوں اور عورتوں کو اندر ہی اندر اس معاملے کا پتا چلا وہ بھی حارث کی کامیابی چاہتے تھے جس نے بنی طولون کی حکومت کو قانونی اور موروثی [illegible] دلوا کیا تھا۔

لوگ کہتے ہیں بجھی ہوئی راکھ چمکتی نہیں، مرجھائے ہوئے پھول کھلتے نہیں مگر حارث

کی آرزوؤں کے مرجھائے ہوئے پھول کھل اٹھے تھے۔ نجم اللیل کی ذہانت سے ناممکن باتیں ظہور میں آ رہی تھیں، اس نے دور اندیشی اور حکمت سے کام لے کر اپنی جانب بڑھتے والوں خطروں کو روک دیا اور حارث کو اپنی مسکراہٹ کی زنجیر میں باندھ لیا تھا بلکہ یہ ترغیب بھی دے رہی تھی کہ بے شک اسے جیت لے اور اگر جیت نہ سکا تو انعام اس کی قسمت پر آئے گا۔

سوڈانی کنیز عنبر منصوبے کے تحت ان دونوں کے درمیان ملاقات کا واسطہ بنی اور بوالہوس حارث کو لوٹنے کی ترکیبیں سوچنے لگی جو طولونی شہزادی کے ساتھ اب اس کی سوڈانی کنیز کا بھی طلب گار تھا اور اسے بڑی رغبت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ عنبر طلائی کڑوں کے علاوہ ایک قیمتی جڑاؤ ہار بھی حاصل کر چکی تھی اور توقع رکھتی تھی کہ دو ڈھائی مہینوں میں اس سے اچھا خاصا مال بٹور لے گی۔ حارث نے اس کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کر دیا اور "مہربانی" کا طلبگار تھا۔ اس کی مرضی بھانپ کر عنبر بھی کچھ بے باک ہو گئی اور اب اس پر اپنے تبسم کی ایک آرزو بجلی گرانے لگی تھی۔

شہزادی نجم حارث کی منزل مراد اور عنبر اس منزل تک پہنچنے کا راستہ تھی مگر دونوں مل جل کر اسے دم دلاسا دے رہی تھیں۔

حالات کی اس بدلی ہوئی صورت میں حارث نئے تانے بانے بننے لگا۔ سمجھتا تھا وہ طولونی شہزادی کو ہر قیمت پر جیت لے گا مگر نجم جانتی تھی وہ اسے کسی قیمت پر جیت نہیں سکتا اور عنقریب اس کی تمام خوش نصیبوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صرف اڑھائی ماہ کے بعد ۷ شوال کو جب ستارۂ شام القطائع کے آسمان پر طلوع ہو گا وہ وہاں سے بہت دور جا چکی ہو گی اور اس شام کا ستارہ حارث کی رہنمائی نہیں کر سکے گا۔

شہزادی نجم کو اس بات کا علم تھا کہ فرار کا بھید کھلتے ہی طولونی سوار تیز رو سانڈنیوں اور برق رفتار گھوڑوں پر تمام راستے کھوند ڈالیں گے۔ چاروں طرف اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ قصر نجم کے غلاموں اور کنیزوں پر کوڑے برسیں گے، القطائع کے محافظوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ فسطاط میں قہر کی بجلیاں کڑکیں گی، ملک میں کھلبلی مچ جائے گی کہ طولونی شہزادی کو کون اٹھا کر لے گیا۔ ان ساری مشکلوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود جو پیش آنے والی تھیں۔ وہ اپنے فرار کے فیصلے پر قائم تھی۔ اسے بہرحال شام کی صحرائی بستیوں کا سفر کرنا اور اپنے انوکھے خوابوں کو تعبیر دینا تھی۔

www.urdukorner.com

القطائع میں اس قیامت کی تمہید کا آغاز ہو گیا تھا جو ۷ شوال کی رات کو نمودار ہونے والی تھی۔ شہزادی نجم اپنے خوابوں کی بساط پر ایک بازی کھیل رہی تھی جس کا انجام اُسے خود معلوم نہ تھا۔

(۲۱)

حجر کا خرابہ

ابن حرب اس رات کی صبح کو جس رات اس نے شہزادی نجم اور عنبر کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تھا، فسطاط سے نکلا اور تیسرے روز عریش کی کارواں سرائے میں پہنچ گیا جہاں سے اُسے آقا حسین کے صحرائی خیموں کی طرف سفر کرنا تھا۔

اسی روز سرائے میں ایک تجارتی قافلے نے پڑاؤ ڈالا جو یمن سے ہندوستانی سوداگر، صندل، لوبان، مسالے اور دوسرا سامان تجارت لے کر مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ مصر اور شمالی افریقہ کی منڈیوں میں ان اشیا کی بڑی مانگ تھی اور یمنی سوداگروں کا مال ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا تھا۔

کارواں بہت بڑا تھا، جس کے ساتھ محافظ سوار بھی سفر کر رہے تھے۔ نیچے سرائے کے تمام کمرے مسافروں سے بھر گئے تھے۔ ابن حرب نے اس حصے میں قیام کیا، جو سلیمان بن حاکم کے خاص مہمانوں کے لیے وقف تھا۔ اور جہاں وہ پہلے بھی کئی دن اور کئی راتیں گزار چکا تھا مگر اب آقا حسین کا مقلّی ہونے کے ناتے اس کی حیثیت بالکل مختلف تھی۔ اُسے سرائے کے نجی حصے میں اسی طرح پوشیدہ رکھا گیا جس طرح آقا حسین کی آمد اکثر خفیہ ہوتی تھی۔ یہ اخفا اس لیے بھی ضروری تھا کہ اصطلاحی طور پر وہ فسطاط بلکہ مصر سے برقہ اور قیروان کی جانب فرار ہو رہا تھا اور اب اُسے مصر سے "مفرور" یا روپوش ہی رہنا تھا۔

[illegible] شوال کو جب وہ طولونی شہزادی کو اقطائع

www.urdukorner.com

سے بھگا لائے تو اس پر شبہ نہ کیا جائے۔ چوں کہ سلیمان بن عامر کا دوست اور اس کے ذریعے مصر میں وارد ہوا تھا اس لیے عیش کی کارواں سرائے اور سرائے دار پر کوئی حرف نہ آئے، فسطاط سے "فرار" کے بعد اس کا سرائے سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسی احتیاط کے پیش نظر وہ خود بھی سرائے میں اس طرح داخل ہوا تھا کہ چند خاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کی آمد کا پتا نہ چل سکا۔

ایک بڑا کارواں آجانے سے سرائے میں خاصی چہل پہل ہو گئی تھی۔ سلیمان کے غلام، خادم، باورچی، برتن صاف کرنے والے لڑکے، چوکیدار، اصطبل میں جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے سائیس اور خدمت گار سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ یمنی کارواں ایک طویل سفر کر کے عیش پہنچا تھا، لہٰذا مسافروں کو کم از کم دو دن قیام کر کے اپنے پچھلے سفر کی تھکن اتارنا اور نئے سفر کے لیے تازہ دم ہونا تھا۔ کارواں کا سردار سلیمان بن عامر کا پرانا آشنا اور پہلے بھی کئی بار سرائے میں قیام کر چکا تھا جب تک سردار اپنے کارواں کے ساتھ پڑاؤ نہ اٹھائے، اس وقت تک سلیمان کا سرائے سے نکلنا اخلاقی طور پر مناسب نہ تھا اور اب ابن حرب کو بھی دو راتیں یہیں قیام کرنا تھا۔

ابھی وہ رات کے کھانے سے فارغ ہوا تھا اور سلامہ جو اس کی خدمت پر مامور تھی، برتن سمیٹ رہی تھی کہ اچانک رہداری میں قدموں کی چاپ ابھری اور دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس رہداری میں کبھی خاص کنیز یا غلام کے علاوہ کوئی نہ آسکتا تھا۔ سلامہ نے دروازہ کھولا تو سلیمان کے غلام منصور کی صورت نظر آئی۔ اس نے اطلاع دی کہ مالک یمنی سردار کے ساتھ ابن حرب سے ملنے آرہا ہے۔ اس لیے سلامہ کچھ دیر کے لیے وہاں سے ہٹ جائے۔ یہ سنتے ہی وہ برتن اٹھا کر نجی رہائش گاہ میں چلی گئی۔ منصور یہی اطلاع دے کر لوٹ گیا اور ابن حرب سوچنے لگا۔ آخر یمنی سردار سے اس کی ملاقات کا مقصد کیا ہو سکتا ہے فسطاط سے نکل آنے کے بعد اس کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنا ضروری تھا تاکہ نہ کوئی اسے دیکھے نہ اس کی نشان دہی کر سکے۔

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ رہداری میں پھر قدموں کی چاپ ابھری اور سلیمان بن عامر نے اپنے آنے کی اطلاع دی پھر دروازہ کھلا اور وہ اپنے مہمان کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ یمنی سردار زید بن سلام صنعا کا رہنے والا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے آتے ہی ابن حرب

کو تولنے والی متجسس نظروں سے دیکھا اور سر سے پاؤں تک اس کے پورے جسم کا اس طرح جائزہ لیا جیسے اس کے چہرے اور جسم کی پوری شناخت کر لینا چاہتا ہو۔ سلام و دعا اور تعارف کے وقت بھی اس کی نگاہیں ایک پل کے لیے ادھر ادھر نہ ہٹیں۔ ابن حرب یمنی سردار کی متجسس نظروں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

جب وہ بیٹھ گئے تو سلیمان بن عامر نے بتایا کہ سردار زید اس کا پرانا دوست اور سامان تجارت لے کر افریقہ جا رہا ہے۔ ان دنوں شمالی افریقہ کے راستے مخدوش تھے۔ ابن حرب نے تعجب کا اظہار کیا۔ "حکومت مصر کی اجازت کے بغیر آج کل کوئی قافلہ برقہ (طرابلس) کی سرحد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مصر کی حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہے؟"

سوال یمنی سردار سے کیا گیا تھا جواب بھی اسی نے دیا۔ "سلطان ابو عبیش خمارویہ سے میرے کچھ خاص مراسم ہیں۔ میں اپنے ہر سفر میں اس کے لیے ہندوستانی اور کچھ یمنی سوغاتیں لے کر آتا ہوں۔ اس مرتبہ بھی میرے قافلے میں چند اونٹ صرف اس کی سوغاتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ میرا نائب ان اونٹوں کو لے کر فسطاط اور القطائع کا رخ کرے گا اور میں اپنے قافلے کو لے کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ میرے سفر کا ایک خاص مقصد ہے۔ اس لیے خمارویہ نے مجھے برقہ میں داخل ہونے کی بخوشی اجازت دے دی ہے۔"

اب سلیمان بن عامر بتانے لگا۔ "سردار زید کتامہ کے بعض سرداروں سے ملنے قیروان جا رہا ہے تاکہ انھیں مہدی کے داعی ابو عبداللہ[1] بن حسین کی مدد کرنے سے روک دے اور ان کو اغلبی حکومت کی حمایت پر آمادہ کرے۔ کتامہ کے کئی سردار زید بن سلام کو اچھی طرح جانتے ہیں اور سلطان خمارویہ کو توقع ہے کہ یمنی سردار قیروان میں مہدوی تحریک کو بڑھنے اور پھیلنے سے روک دے گا، جو کسی وقت مصر کے لیے بھی خطرہ بن سکتی ہے۔

---

[1] ابو عبداللہ بن حسین بن محمد بن احمد بن ذکریا معروف بہ محتسب جو قیروان میں مہدی کا داعی تھا۔ تاریخ میں "ابو عبداللہ شیعی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ کتامہ کے قافلۂ حجاج کے ہمراہ (۲۷۸ھ میں) مکہ معظمہ سے قیروان چلا گیا اور مہدوی تحریک کے لیے سرگرم عمل ہو گیا تھا۔

(ابن خلدون، ابن اثیر)

www.urdukorner.com

سردار یزید جب قیروان سے لوٹے گا، القطائع میں سلطان خمارویہ سے ملے گا اور اسے قیروان کے سیاسی حالات سے آگاہ کرے گا۔"

سرائے دار کی گفتگو سن کر ابن حرب پر حیرت کا ایک سکتہ گزر گیا۔ حیران تھا کہ اسے کسی ایسے شخص سے بھی دلچسپی ہو سکتی ہے جو مہدوی تحریک کا مخالف اور قیروان اس لیے جا رہا ہو کہ اہل کتامہ کو مہدی کے داعی ابو عبداللہ کی حمایت سے روک دے جب کہ خود قرمطی جماعت کے قیام کا سبب مہدی کا ظہور تھا۔ سلیمان نے اس کی حیرت بھانپ لی اور ذرا آواز دبا کر کہا "مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔"

ابن حرب کا استعجاب کچھ اور بڑھ گیا۔ "وہ کیا معاملہ ہے؟"

سلیمان بن عامر نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا اور بتایا "ابو عبداللہ کو قیروان میں سامان حرب خریدنے اور بعض دیگر ضروریات کے لیے رقم درکار ہے اور یمنی سردار زید دراصل اس کے لیے رقم لے کر جا رہا ہے جس کا انتظام ابن جوشب[1] نے کر دیا ہے۔ ابو عبداللہ قیروان جانے سے پہلے صنعا (یمن) میں رہتا تھا اور سردار زید کو اچھی طرح جانتا ہے مگر یہ بات سلطان خمارویہ اور اخلی حکومت سے پوشیدہ رکھی گئی اور انھیں یہی بتایا گیا ہے کہ یمنی سردار کتامہ کے سرداروں سے ملنے اور انھیں مہدوی تحریک سے برگشتہ کرنے جا رہا ہے۔ اگر کسی کو پتا چل جائے کہ سردار زید کے اس سفر کا مقصد ابو عبداللہ کو رقم مہیا کرنا ہے تو اسے مصر سے گزرنے کی اجازت نہ مل سکتی بلکہ قافلے کو لوٹ لیا جاتا۔"

ابن حرب یہ منصوبہ سن کر حیرت سے یمنی سردار کو دیکھنے لگا۔ وہ بولا "سلیمان نے ٹھیک کہا ہے۔ میں جبلے سے قیروان جا رہا ہوں۔ جہاں کوہ انکجان پر ابو عبداللہ کے ٹھکانے "فج الاخیار"[2] میں اس سے خفیہ ملاقات کروں گا اور رقم دے کر لوٹ آؤں گا۔ میں کتامی سرداروں حریث جمیلی اور موسیٰ بن مکادا اور حسین بن ہارون سے بھی ملوں گا۔ واپسی پر مجھے

---

[1] رستم بن حسین بن جوشب، اسماعیلی علویوں کا ایک سرگرم حامی۔ ابو عبداللہ کو اسی نے تربیت دی اور قیروان بھیجا تھا۔ (ابن خلدون)

[2] جو کتامی سردار حج کرنے کے بعد ابو عبداللہ کو اپنے ساتھ قیروان لے گئے تھے۔ انھوں نے اس کے لیے وہاں کوہ انکجان پر ایک مکان تعمیر کیا جس کا نام

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کچھ دن سلامیہ میں ٹھہرنا، القطائع میں سلطان خمارویہ سے ملنا اور اسے قیروان کی صورت حال سے آگاہ کرنا ہے پھر میں اپنے نائب اور سارباتوں کے ہمراہ جو میری واپسی تک قسطنطنیہ ہی میں ٹھہریں گے، یمن کی طرف لوٹ جاؤں گا۔ قیروان کے اس سفر میں کم و بیش دو ماہ کا عرصہ لگ جائے گا اور میں رمضان ہی میں فسطاط پہنچ جاؤں گا۔"

یہ ایک خفیہ منصوبہ تھا جو کتامیوں کا سفر تھا اور سفر کا مقصد مہدوی تحریک کو مالی مدد فراہم کرنا تھا۔ ابن حرب پر یمنی سردار زید کی اہمیت واضح ہو گئی جو ابن جوشب کی طرف سے رقم لے کر جا رہا تھا۔ سلیمان بن عامر کہنے لگا۔ "ابن حرب! تم نے اندازہ کر لیا ہو گا سردار زید کا سفر کتنا اہم اور مقصد کس قدر مبارک ہے مگر یہ سفر تمھارے لیے بھی مفید ہو گا۔"

ابن حرب حیران ہوا کہ جب وہ شریک سفر ہی نہیں تو سفر اس کے لیے کیوں کر مفید ہو سکتا ہے۔ "بھلا میرا اس سفر سے کیا تعلق؟"

سرائے دار نے ایک اور انکشاف کیا۔ "تمھارا تعلق یہ ہے کہ جب سردار زید قیروان سے واپسی پر سلطان خمارویہ سے ملے گا تو بتائے گا کہ اس نے رقادہ (قیروان) میں منذر ابن حرب نام کے ایک آدمی کو دیکھا جسے کبھی عراق میں دیکھ چکا تھا اور حیران ہوا کہ وہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟ خمارویہ رقادہ میں تمھاری موجودگی پر ضرور متعجب ہو گا پھر یمنی سردار تمھارا ایسا ہو بہو حلیہ بیان کرے گا۔ چہرے کے خدوخال سے لے کر قد و قامت اور چال ڈھال تک کا نقشہ کھینچ دے گا اور اس کی شہادت سے ابو جیش خمارویہ یقین کرے گا کہ تم مصر سے قیروان چلے گئے ہو اور تمھارا مصر کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ کسی ملک کے واقعات سے آدمی کا تعلق اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ وہاں موجود ہو۔ اب تم بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ سردار زید کے سفر سے تمھارا کیا تعلق ہے اور یہ سفر تمھارے حق میں کتنا مفید ثابت ہو گا۔"

یمنی سردار کے سفر کا بھید کسی طلسم ہوشربا کی طرح کھلا اور ابن حرب اپنے سرائے دار دوست کی دور اندیشی اور ہوشیاری پر دنگ رہ گیا کہ اس نے یمنی سردار کو قیروان میں اس

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ)

"فج الاخیار" مشہور ہوا۔ قیروان میں یہ مہدوی تحریک کا پہلا مرکز تھا (ابن خلدون)۔

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPIN
Cell: 0345-5048634 . 0345-50485
Ali Khan

www.urdukorner.com

کی موجودگی کی شہادت دینے پر آمادہ کر لیا اور وہ بھی ایک ایسی بات کی گواہی دینے پر تیار ہو گیا جو خلافِ واقعہ تھی۔ اب وہ سردار زید کی متجسس نظروں کا مفہوم سمجھ گیا کہ وہ اس کے چہرے اور جسم کی پوری شناخت اپنے حافظے میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ اس ملاقات کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ابنِ حرب کو اچھی طرح دیکھ لے اور جب قیروان سے لوٹے تو اس کا حلیہ بالکل صحیح بیان کر سکے۔

سلیمان بن عامر کے زرخیز دماغ نے مصر سے اس کی غیر حاضری اور عریش سے سینکڑوں میل دوری کو یقینی بنانے کے لیے جس شہادت کا بندوبست کیا تھا یعنی سردار نے بھی اس کی تائید کر دی اور کہا "میں سلطان خمارویہ سے کہہ دوں گا کہ تمہیں رقادہ میں دیکھ آیا ہوں۔ جس جھوٹ سے کوئی فساد رک جائے وہ فساد ڈالنے والے سچ سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ جھوٹ بھی نہیں بلکہ "سیاست" ہے کہ دشمن کو دھوکا دیا جائے "عِنْدَ النَّصْرِ وَمَا تُبَاحُ الْمَحْظُوْرَاتُ (ضرورت کے وقت ممنوعہ چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں)

ابنِ حرب سمجھ گیا کہ سردار زید ضرورت کے مطابق شہادت دے گا اور ۷ شوال سے قبل یہ شہادت اس لیے ضروری تھی کہ شہزادی نجم کے فرار سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے اور خود سلیمان بن عامر پر بھی شک و شبہ نہ کیا جائے۔

یہ خاصا فاتنہ کا مدتا جو ابنِ حرب کی پہچان اور شناخت کی خاطر کرائی گئی تھی اور جس کے ذریعے سلیمان بن عامر کا شاطر ذہن پیش آنے والے بعض خطروں سے بچنا چاہتا تھا۔ تیسرے روز علی الصباح جب بیٹی کا رواں نے عریش کی سرائے سے پڑاؤ اٹھایا تو سردار زید اپنے قافلے کو لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو گیا اور سلیمان بن عامر نے ابنِ حرب کے ساتھ مشرق کا رخ کیا۔

ایک نیا اور پُراسرار سفر شروع ہو گیا تھا۔

★

ابنِ حرب نے بغداد اور عراق کو چھوڑا، اب مصر کو بھی چھوڑ رہا تھا۔ گھر سے نکلا تو پیہم سفر ہی سنا تھا جس طرح سمندر کی لہر ہمیشہ بے قرار اور متحرک رہتی یا ہوا اپنے مدار میں گردش

کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے پاؤں کی گردش جاری تھی۔ مصر میں آ کر بھی عریش اور فسطاط کے درمیان سفر جاری رہا اور ایک سفر اس کے اندر بھی جاری تھا۔ عربی میں ضرب المثل مشہور ہے۔ "اَلسَّفَرُ سَقَرٌ وَلَوْ كَانَ جَبَلًا" (سفر جہنم ہے خواہ ایک جبل ہی کا کیوں نہ ہو)

بغداد سے نکل کر وہ اس وقت تک کم و بیش دو ہزار کوس کی مسافت پوری کر چکا تھا لیکن پاؤں کی گردش ختم نہ ہو سکی تھی کیوں کہ سفر ابھی جاری تھا اور اب وہ مصر سے آقا حسین کے صحرائی خیموں کی طرف جا رہا تھا۔ عربی میں سفر کے متعلق ایک اور کہاوت بھی ہے کہ "اَلسَّفَرُ وَسِيْلَةُ الظَّفَرِ" (سفر کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے)

نیا سفر اس کی کامیابی کا وسیلہ بننے والا تھا کیوں کہ قسمت کا اشارہ یہی تھا کہ اس کے نصیب کا سورج صحرا کے افق سے طلوع ہو گا۔ اب وہ اس افق کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں کامیابی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ خوش بختی اور کامرانی کا تصور ہر آدمی کے ذہن پر کچھ روشنیاں اور جھلملیاں سی بکھیر دیتا ہے جیسے وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہا ہو مگر خواب تو نیند کی حالت میں آتے ہیں اور کامیابی کے لیے بیداری ضروری ہوتی ہے تاہم بعض خیال اتنے خوش آیند ہوتے ہیں کہ ان پر خوابوں کا گمان گزرتا ہے۔ نئے سفر میں ابنِ حرب کا جاگتا ذہن ایسے ہی خوابوں یا خیالوں سے دوچار تھا جیسے کوئی پُراسرار واقعہ ظہور میں آنے والا ہو جس شیخ کی طرف جا رہا تھا اور جس جماعت سے خود کو وابستہ کر چکا تھا اس پر ابھی اسرار کے پردے پڑے ہوئے تھے اور وہ سوچ رہا تھا، نہ جانے صحرائی بستیوں میں کون سے مناظر پیش آئیں گے۔

اس سفر کے لیے سلیمان بن عامر نے بھی گھوڑا ہی پسند کیا حالاں کہ عریش اور فسطاط کے درمیان وہ تیز رفتار سانڈنی پر سفر کرتا تھا۔ دونوں عریش سے ساحل بحر کی پٹی پر غزہ کی جانب رواں تھے لیکن رفح کی بستی سے نکلتے ہی سلیمان نے گھوڑے کی باگ جنوب کی سمت موڑ لی۔ یہ راستہ مصر سے شمالی عرب کے علاقے حجر کی طرف جاتا تھا جو خلیج عقبہ اور بحیرۂ مردار کے درمیان واقع اور مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا مگر اسلامی دور میں حجر ہی کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

ابنِ حرب نے اپنے سرائے دار دوست سے یہ نہیں پوچھا کہ انہیں کہاں جانا اور [illegible] سفر کے بارے میں کوئی سوال اس کی مسافت

www.urdukorner.com

کم نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ امر اس کی دل چسپی کا باعث تھا کہ سفر کا رُخ جنوب کی طرف تھا اور وہ اس راستے سے پہلے ہی گزر چکا تھا۔ حجاز اور مصر و شام کے درمیان ایک معروف شاہراہ تھی جس پر تجارتی کارواں اور حجاج کے قافلے سفر کرتے تھے لیکن حج کا موسم ابھی دور تھا اور کوئی تجارتی قافلہ بھی جنوب کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ پھر بھی سلیمان کی معیت میں یہ سفر حیرت انگیز تھا۔ اس نے شام و پہر واقع کسی سرائے میں نہ دوپہر کو پڑاؤ ڈالا نہ رات کو قیام کیا بلکہ دوپہر کا کھانا اگر ایک کنویں پر کھایا تو رات کو ایک بستی میں داخل ہوا جو شاہراہ سے ہٹ کر واقع تھی۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی، نہ صرف دروازہ فوراً کھل گیا بلکہ صاحب خانہ نے بڑی آؤ بھگت کی۔ مکان دیکھنے میں معمولی لیکن اندر سے کافی فراخ تھا اور جس کمرے میں انھیں ٹھہرایا گیا، بڑا کشادہ تھا۔

سفر کی دوسری رات ایک ایسے ڈیرے میں قیام کیا گیا جو صرف تین جھونپڑوں پر مشتمل اور شاہراہ سے ڈیڑھ دو کوس دور تھا۔ یہاں بھی ان کی غیر معمولی خاطر تواضع ہوئی اور جس جھونپڑے میں رات کٹی وہ اندر سے خوب آراستہ اور ایک روضۃ الغوم (حجرۂ خواب) کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

ابن حرب بتائے بغیر سمجھ گیا کہ جہاں جہاں انھوں نے پڑاؤ کیا وہ جماعت کے مخفی حلقے اور سفر میں آقا حسین کے قیام کے لیے مخصوص ہوں گے۔ اس وقت وہ آقا حسین کے ثقہ کی حیثیت سے سفر کر رہا تھا اس لیے ہر جگہ اس کی آؤ بھگت ہوئی۔ تیسرے دن کی رات حجر کے علاقے میں معان شہر کے ایک مکان میں بسر ہوئی۔ اس کا خیال تھا، سلیمان اس علاقے میں داخل ہوتے ہی اردن کی ان بستیوں کا رُخ کرے گا جو بادیۂ شام کے حاشیے پر آباد تھیں لیکن ان کا سفر بدستور جنوب کی طرف جاری رہا۔ کہیں صحرائی، کسی شور، کہیں چٹیل راستے عبور کرتے چوتھے دن وہ ایسے علاقے میں داخل ہوئے جس کے پہاڑ ٹیلے دُور ہی سے دکھائی دے رہے تھے اور جہاں ایک عجیب سی ہیبت اور وحشت برس رہی تھی۔ ایک سلسلۂ کوہ حدِ نظر تک چلا گیا تھا۔ دن کی فراز ہوتی روشنی میں اس پہاڑ کی قبہ نما چٹانیں، ایک ہی رقبہ میں حلقہ در حلقہ دُور تک پھیلی اور سنگلاخ زمین میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑے ایک ہول ناک منظر پیش کر رہی تھیں جیسے وہ چٹانیں نہ ہوں مقبرے ہوں۔ اس علاقے میں داخل ہوتے ہی ایک دہشت [illegible]

کا احساس ہوتا تھا جیسی ویرانی اور خاموشی قبرستانوں یا مقبروں میں ہوتی ہے کیوں کہ مردے نہ آپس میں باتیں کر سکتے ہیں نہ کوئی آہ بھر سکتے ہیں بس ایک ابدی چپ سادھے ان کے جسم مٹی میں تبدیل ہو جاتے اور ہڈیوں کے پنجر باقی رہ جاتے ہیں، وہ پہاڑ بھی ایک بہت مقبرہ معلوم ہوتا تھا۔

ابن حرب حیرت سے اس سلسلۂ کوہ کا منظر دیکھتا جا رہا تھا کہ سلیمان بن عامر نے انکشاف کیا: "ہم حجر کے قدیم شہر میں آ گئے ہیں۔ تم اپنے سامنے جبلِ اثالث کی وہ چٹانیں دیکھ رہے ہو جنھیں تراش تراش کر قومِ ثمود نے عمارتیں بنائی تھیں۔ وہ لوگ انھی سنگلاخی عمارتوں میں رہتے اور حضرت صالحؑ[1] کی نافرمانی کے باعث انھی عمارتوں میں دفن ہو گئے تھے۔"

قومِ ثمود کی تباہی پر نہ جانے کتنے قرن اور کتنے زمانے بیت گئے تھے مگر اس کی خوف ناک یادیں اور ہیبت ناک یادگاریں ابھی تک باقی تھیں۔ ابن حرب کے ذہن میں اس نافرمان قوم کی تباہی کا لرزہ خیز منظر ابھرا جو ایک شدید ترین زلزلے سے آناً فاناً تباہ ہو گئی تھی۔

حجر کا سنگلاخی شہر (جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے) تیما کے جنوب میں وادی القریٰ سے ایک یوم کی مسافت پر ہے، جسے قومِ ثمود کا تاریخی مقبرہ یا اس کی یادگار کہنا چاہیے جو صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہیں۔

حجر عرب انباط کا علاقہ تھا جو رومی اور بیزنطینی دور میں "پیترا" بھی کہلاتا رہا۔ جسے قیصر جزیرۃ العرب میں اپنی "حفاظتی چوکی" سمجھتے تھے۔ آخر وہ ایک رومی نوآبادی کی شکل اختیار کر گیا۔ عہدِ اسلام سے قبل اس سارے علاقے میں ایک بدوی قبیلہ بنو جذام آ کر بس گیا اور حجر، معان، ادرح اور بحیرۂ مردار کے مشرق میں جبلِ شراۃ تک قابض ہو گیا تھا جس نے قسطنطنیہ کے زیرِ اثر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۵ ہجری کی جنگِ یرموک میں بنو غسان کی طرح بنو جذام بھی ہرقل کی طرف سے لشکرِ اسلام کے خلاف لڑے تھے، اسی جنگ نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا، جس میں عیسائی فوج کو شکست اٹھانا پڑی تھی بعد ازاں

---

[1] حضرت صالحؑ نے اپنی اونٹنی کو ایک نشان قرار دیا اور مخالفین سے کہا تھا وہ اُسے نقصان نہ پہنچائیں ورنہ عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے مگر اُن لوگوں نے اونٹنی کو [illegible] خوف ناک زلزلے کا شکار ہوئے (بحوالہ قرآن مجید)

www.urdukorner.com

بنو جذام نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر شام و فلسطین کی فتوحات کے بعد حوران اور حجر کے علاقوں کی فوجی حیثیت بالکل ختم ہو گئی، جہاں غسانی اور نبطی ریاستیں "رومی گارڈز" کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ بنو جذام بھی اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔

عہدِ اسلام کی دو ڈھائی صدیوں سے حجر کا علاقہ زیادہ تر بدوی قبیلوں کا مسکن رہا تھا، نبطی حکومت کے خاتمے کے بعد یہاں دوبارہ پہلی سی آبادی نہ ہو سکی۔ بادیہ نشین قبیلوں کی اکثر ضرورتیں تجارتی کاروانوں یا شامی، فلسطینی اور مصری حجاج کے قافلوں سے پوری ہو جاتی تھیں جو مکے کی طرف جاتے یا آتے ہوئے اس علاقے سے گزرتے جبلِ اثالث پر ایک روز ٹھہرتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ انھی ایام میں بدوی قبیلے بھی ثمود کے اس خرابے میں آ کر خیمہ زن ہو جاتے تھے۔

حجر جنوب کی طرف جانے والے دو راستوں پر کئی میلوں میں واقع ہے بائیں جانب سے گزرنے والی شاہراہ کے مغرب میں ریت کے پتھروں کی پانچ چٹانیں دور تک چلی گئی ہیں انھی چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر عمارتیں بنائی گئی تھیں جنھیں دیکھ کر قوم ثمود کی سنگ تراشی اور صناعی پر حیرت ہوتی ہے ماضی میں شدید زلزلے سے اگرچہ بیشتر عمارتیں پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی تھیں اور ان کے مکینوں کو بھی باہر نکلنے کی مہلت نہ مل سکی تھی مگر جو تراشیدہ عمارتیں آج بھی موجود ہیں ان میں قصر البنت، بیت الشیخ، بیت الخریمات، محل المجلس اور دیوان (دربار) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

قوم ثمود بدوی عرب اور قدیم عربی زبان ہی بولتی تھی۔ جبلِ اثالث کے علاوہ یہاں ایک پہاڑی اور ہے، جس کے درمیان ایک طویل درّہ ہے روایت کے مطابق وہ اونٹنی جسے صالح پیغمبر نے نشانِ الٰہی قرار دیا تھا، اسی درّے سے نکل کر کنوئیں پر پانی پینے آتی تھی۔ آج کل اس درّے کو "فج الناقہ" اور کنوئیں کو "بیر الغنم" کہتے ہیں۔ درّے اور کنوئیں کے درمیان ایک وادی کئی میل تک پھیلی ہے۔

قوم ثمود کی تباہی سے قبل حجر کے آس پاس کھیت، باغات اور نخلستانوں کے جھنڈ

۱۔ حجر اور قوم ثمود کے بارے میں جملہ معلومات تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے حاصل کی گئی ہیں (قمر اجنالوی)

تھے لیکن زلزلے کا عذاب نازل ہونے کے بعد جسے ہزاروں سال گزر چکے تھے۔ یہاں کی آبادی بہت بدل گئی اور شادابی رخصت ہو گئی۔ شاید زلزلے کی وجہ سے زیرِ زمین ہونے والی تبدیلی کا اثر ہے۔

صدیاں بیت جانے کے باوجود حجر کا سنگستانی خرابہ حیرت، وحشت اور دہشت کی علامت بنا ہوا ہے۔ پتھر کی ان تراشیدہ عمارتوں پر جو صناعی کی حیران کر دینے والی نشانیاں اور ماضیٔ بعید کے آثارِ صنادید کی یاد دلاتی ہیں، آج بھی ویرانی، خاموشی اور نحوست برستی ہے اور تاریخ کا وہ ویرانہ حیرت و حسرت کا ایک ایسا نقشہ پیش کرتا ہے جو دلوں پر ہول طاری کر دیتا ہے۔

غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ صحابہؓ کے ہمراہ کچھ دیر کے لیے وہاں قیام کیا اور تاریخ و آثار کا وہ خاموش حیرت کدہ دیکھا تو فرمایا کوئی شخص یہاں کے کسی کنوئیں سے پانی پیے نہ اسے استعمال کرے۔ یہ مقامِ عبرت ہے اور یہاں سے جلد گزر جانا چاہیے۔

راویؓ بیان کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے آٹا گوندھنے کے لیے پانی استعمال کیا تھا مگر حکمِ نبویؐ سن کر انھوں نے پانی کے ساتھ گندھا ہوا آٹا بھی گرا دیا اور اس عبرت کدے سے نکل جانے میں عجلت کی۔

سلیمان بن عامر اپنے دوست کو تاریخ کے اسی خرابے اور حیرت و عبرت کے اسی ویرانے میں لے آیا تھا جس کا پہاڑ ماضی کا ایک پُرہول مقبرہ تھا اور جس کی حلقہ در حلقہ پھیلی چٹانیں دراصل قوم ثمود کی قبریں تھیں۔ ابنِ حرب سوچ رہا تھا۔ شاید وہی خرابہ عبرت ان کی منزل ہے کیوں کہ اب جبلِ اثالث صرف نصف یا پون میل دور تھا جس کے دامن میں پھیلے وسیع و عریض میدان میں بادیہ نشینوں کے خیمے بھی دیکھ رہا تھا جو دو صد کے قریب اور صحرائی دستور کے مطابق دو تین صفوں میں بٹے ہوئے تھے پہاڑ کے مغربی گوشے میں ایک خیمہ دوسرے خیموں سے کچھ بڑا اور ان سے الگ تھلگ ایستادہ تھا ابنِ حرب کے نزدیک غالباً وہی آقا حسین کا ذاتی خیمہ ہوگا اور وہیں اسے پہنچنا تھا مگر

۲۔ بخاری، مسلم

www.urdukorner.com

وہ اس بات پر حیران تھا کہ قرمطی شیخ نے ایسے خرابے کو اپنا مسکن کیوں بنا لیا ہے جس کی سنگستانی عمارتیں اپنے ہی ترانے گانے والوں پر نوحہ کناں تھیں اور جہاں ماضی کی ویرانیوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا؟

خیموں کے درمیان بدوی عربوں کے جانور، بھیڑ بکریاں اونٹ بندھے تھے اور چولہوں سے اٹھتا ہوا دھواں وادی میں پھیل رہا تھا۔ دن کی آخری اور بجھی بجھی روشنی جبل اثالث کی منحوس چٹانوں پر سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ بحیرۂ قلزم کی جانب سورج مغربی آسمان پر خون رنگ سرخیوں کی افقی لکیر کے پیچھے اتر چکا تھا اور شام کسی جگادڑ کی طرح تاریخ کے اس خرابے میں اتر رہی تھی۔

سلیمان بن عامر نے اس اترتی شام میں گھوڑے کا رخ جبل اثالث کے مغربی گوشے کی جانب جانے والی پگ ڈنڈی پر موڑ دیا جدھر ایک خیمہ الگ تھلگ کھڑا تھا۔ ابھی وہ بہ مشکل سو سوا سو گز آگے بڑھے ہوں گے کہ جبل اثالث کے اسی گوشے سے ایک بدوی شیخ بھاگتا ہوا نکلا جس کے پیچھے پیچھے دو بادیہ نشین اور تھے۔ تینوں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ ان کے قریب پہنچ گئے۔ ادھیڑ عمر شیخ نے کمر تک جھک کر سلام کیا اور "خیر لکم" کی گردان کرتا انھیں اپنی رہنمائی میں لے کر پہاڑ کے مغربی گوشے کی جانب ہو لیا۔ دونوں بدو بدستور پیچھے پیچھے تھے۔

اس پذیرائی سے معلوم ہوا کہ یہاں ان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

شیخ کی رہنمائی میں چلتے وہ اسی الگ تھلگ خیمے کے پاس پہنچ کر گھوڑوں سے اترے تو دونوں بادیہ نشینوں نے گھوڑوں کی لگامیں تھام لیں اور وہ شیخ کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے۔ ابن حرب کا خیال تھا، اندر آقا حسین سے ملاقات ہوں گی۔ یہ خیمہ خالی تھا اور اس میں دو آدمیوں کے لیے دو بستر لگے ہوئے تھے۔ پُراسرار حسین وہاں نہیں تھا۔ اُسے ایک دھچکا سا لگا اور ساتھ ہی ذہن میں سوال اُبھرا کہ وہ یہاں ہے بھی یا نہیں اور منزل یہی ہے یا مزید سفر کرنا ہوگا۔

بدوی شیخ جس کا نام ریان تھا انھیں بٹھا کر باہر نکل گیا تاکہ ان کی ضیافت کا بندوبست کرے تو سلیمان بن عامر نے اپنے دوست کے چہرے پر وہ سوال پڑھ لیا جس کا اظہار اس نے زبان سے نہیں کیا تھا اور کچھ پوچھے بغیر بتانے لگا۔ "دوست! آقا حسین یہاں سے صرف

ایک یوم کی مسافت پر مشرق کی جانب قیام پذیر ہیں۔ کل ہم لوگ علی الصبح یہاں سے روانہ ہوں گے تو شام کو وہاں پہنچ جائیں گے۔"

گویا سفر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ سلیمان نے مزید بتایا "یہ بدوی قبیلہ جو یہاں خیمہ زن ہے، اُن بادیہ نشین قبائل کا پہلا حلقہ ہے جو جماعت سے تعلق رکھتے اور صحرا کے حاشیے پر مقیم ہیں۔ شیخ ریان ایک خاص مقصد کے تحت یہاں ٹھہرا ہوا اور حجر کی سنگستانی عمارتوں کے متعلق تمام معلومات رکھتا ہے۔"

ابن حرب جب حجر کے اس خرابے میں آ گیا تھا تو دل میں یہاں کے آثار و عجائبات دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی۔ دن کی روشنی میں جبل اثالث کی ایک پہاڑی پر منزل بہ منزل تراشیدہ عمارتوں کی جو جھلک دیکھی تھی، اس نے شوق تجسس بڑھا دیا تھا کہ آخر قوم ثمود کے کاریگروں نے اپنے وہ عمارتیں کیسے تراشی ہوں گی اور نچلے حلقے سے اوپر جانے کے راستے کس طرح بنائے ہوں گے؟ لیکن اس کا دوست علی الصباح جو راز گنوا کر چکا اور یہاں عجائبات کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔ آخر سلیمان نے اس مشکل کا حل بھی ڈھونڈ لیا اور کہا "ابھی شام ہوئی ہے اور شیخ ریان کے ہوا اس ویرانے کا چکر لگا سکتے ہیں۔ چاندنی رات میں حجر کے عجائبات کی سیر کیا رہ عبرت ناک ہوگی!"

اسی لمحے شیخ خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک بدو لڑکے نے شربت کی صراحی اٹھا رکھی تھی۔ سلیمان نے اُسے بتایا کہ وہ ان دونوں حجر کے آثار دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ سویرے یہاں سے جلد کوچ ہوگا۔ شیخ ریان تعمیل حکم کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ جب تک وہ شربت پیتے رہے اُس نے ایک آدمی کو بلا کر کچھ ضروری ہدایات دیں۔

★

شربت پی کر خیمے سے نکلے تو ان کے دو نوں گھوڑے بھی تیار کھڑے تھے۔ ساتھ آٹھ مسلح بدو بھی تھے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں بھی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہوا۔ بدوی شیخ وہاں سے بتایا "رات کو تو کیا دن کے وقت بھی اس ویرانے میں تنہا [illegible] مسلح [illegible] ہیں۔ اس علاقے کا سانپ

www.urdukorner.com

سلیمان اور ابن حرب پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ شیخ دیان نے ایک خچر سنبھالا اور پیادہ پا تھے۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں وہ لوگ بلند پہاڑ کے ساتھ ساتھ مغرب کی جانب ہو لیے۔

حجر کی پہاڑیوں کے درمیان وسیع وادی کئی میل کے رقبے میں تھی۔ رحلۃ الشتاء والصیف کی تاریخی شاہراہ وہاں سے چند میل مغرب کی جانب واقع تھی لیکن اس شاہراہ سے ایک راستہ حجر کی طرف نکلتا تھا اور ماضی کا خرابہ دیکھنے والے اسی راستے ادھر آتے تھے۔ ابھی وہ لوگ جبلِ اثالث کے گوشے سے نکلے ہی تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

شام کے اندھیرے اُجالے میں کیوں کہ آسمان پر دسویں تاریخ کا چاند بھی روشن ہو گیا تھا، تیز رفتار سانڈنیوں اور اونٹوں کا ایک قافلہ ایکا ایکی شمال مغرب کی جانب سے اسی راستے پر نمودار ہوا، جو رحلۃ الشتاء والصیف کی شاہراہ سے نکلتا تھا۔ ان کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ دس سانڈنیاں آگے، دس پیچھے اور درمیان میں بیس کے قریب اونٹ، جن پر دو دو آدمی اس طرح لادے بلکہ باندھے گئے تھے کہ ان کے ہاتھ تو کھلے تھے مگر پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں تھیں۔ پانچ چھ اونٹوں پر کچھ لڑکیاں اور جوان عورتیں بھی اسی حالت میں نظر آئیں۔

وہ صحرائی ڈاکوؤں اور بردہ فروشوں کا گروہ تھا جو حجر کے کنوؤں سے پانی لینے یا اس پہاڑی ویرانے میں شب بسری کی خاطر پڑاؤ ڈالنے آیا تھا مگر جبلِ اثالث کے دامن میں ایک بدوی قبیلے کو خیمہ زن دیکھا تو اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ سرحد سے آگے نکل جائیں۔ بردہ فروش مصر، فلسطین اور شام سے لوگوں کو اغوا کرتے اور انھیں جنوبی علاقوں میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے۔ ان کے گروہ مسلح ہوتے اور اپنے راستوں پر سفر کرتے تھے جن پر آمد و رفت کم یا شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ اکا دکا مسافر انھیں دیکھ کر خود چھپ جاتے تھے۔

ابھی قافلہ پہاڑ کے گوشے سے نصف فرلانگ دور تھا کہ اونٹوں پر لدے بندھے اسیروں میں سے کسی کی نحیف اور خوف زدہ آواز بلند ہوئی۔ "المدد یا اھل البادیہ"

یہ آواز ایک بار نہیں تین مرتبہ بلند ہوئی [illegible]

کے شتر بان ابن حرب اور اس کے ساتھیوں کی سماعت سے بھی ٹکرائے۔ عرب قوم اور قبائلی غیرت کا تقاضا تھا کہ "المدد" کی پکار سن کر مظلوم کی مدد کی جائے۔ ابن حرب نے شیخ دیان کی طرف دیکھا اور حکم دیا وہ اپنے اہل قبیلہ کو بلائے۔ ساتھ ہی تلوار کھینچ لی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر قافلہ روکنے کے لیے آگے بڑھا۔ سلیمان بن عامر اور آٹھوں نیزہ بردار بدو اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ ادھر شیخ دیان نے اہل قبیلہ کو آواز دی، ادھر ابن حرب قافلے کے سامنے جا نکلا۔

بردہ فروشوں کے سردار نے جو سب سے آگے تھا، یہ منظر دیکھا تو نیزہ لہرایا اور بڑے سخت لہجے اور کرخت آواز میں راستہ چھوڑ دینے کے لیے کہا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی خطرے کو بھانپ کر نیزے سنبھال لیے۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ راستہ روکنے والوں کو اپنے نیزوں سے چھیدتے اور سانڈنیوں سے کچلتے ہوئے گزر جائیں گے۔ ڈاکوؤں اور بردہ فروشوں کو رد کا سائے تو ان کا پہلا حربہ یہی ہوتا ہے کہ روکنے والوں کو ہلاک، زخمی یا دہشت زدہ کر کے نکل جائیں۔ سردار نے اسی ارادے سے بھاگتی سانڈنی ابن حرب پر چڑھا دی اور لمبے نیزے کا چمکتا پھل اس کی گردن کی طرف سیدھا کیا۔

چاند کی مدھم روشنی میں ابن حرب نے تیز چمکتا نیزہ اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو تلوار کو حرکت دی اور اس کا بانس کاٹ کر پھینک دیا پھر کمال پھرتی سے جھک کر سانڈنی کے اگلے گھٹنے پر وار کیا اور اس کی کوچ کاٹ دی۔ دوسرے وار میں دوسری ٹانگ کی کوچ کٹی اور جب تک سردار کوئی دوسرا ہتھیار نکالتا، سانڈنی زمین پر ڈھیر ہو گئی ساتھ ہی سردار بھی گرا اور اس سے پہلے کہ سنبھلتا، ابن حرب کی تلوار اس کے سر کو دو حصوں میں کاٹتی شانوں تک اتر گئی۔

یہی حشر اس کے نائب کا بھی ہوا، جو سردار کو ہلاک ہوتے دیکھ کر ابن حرب پر چڑھ دوڑا تھا۔ بجلی کی طرح لپکتی چمکتی تلوار سانڈنی کے ساتھ اس کے سوار کو بھی کھا گئی دو بردہ فروش سلیمان بن عامر اور مسلح بدوؤں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک حملہ آور کا نیزہ ایک بدو کی پسلیوں میں اتر گیا اور تیور اکر گرا مگر اس کے ساتھیوں نے حملہ آور کو سانڈنی سے گھسیٹ کر قتل کر دیا۔ دوسرے حملہ آور نے گھبرا کر سانڈنی کی مہار

www.urdukorner.com

موڑی اور پیچھے کو بھاگا۔ ابن حرب نے عقاب سے دھاوا کر کے سانڈنی کی پچھلی ٹانگیں کاٹ
دیں اور سوار کے ساتھ وہی سلوک کیا جو سردار اور نائب سردار کے ساتھ کر چکا تھا۔
اس کی آمد میں سرغنہ سمیت گروہ کے چار اہم آدمیوں کی ہلاکت ایسا لرزہ خیز واقعہ
تھا جس نے بردہ فروشوں کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ وہ خوف زدہ ہو کر انھوں
نے جنگ جلمان اونٹوں کا رخ موڑنے کی کوشش کی جن پر ان کے تمام رسیدہ شکار بیڑیوں
میں جکڑے ہوئے تھے تاکہ انھیں لے کر بھاگ جائیں۔ لیکن اسی اثنا میں شیخ دریان کی
آواز پر قبیلے کے ناکارہ جوان تلوار لہراتے قریب پہنچ گئے تھے، جنھیں دیکھ کر بردہ
فروشوں نے اپنا "مدعا" چھوڑا اور بڑی افراتفری میں اسی جانب فرار ہو گئے جدھر
سے آئے تھے۔ سانڈنیاں اڑتی چلی گئیں۔

ابن حرب نے ان کے تعاقب کی ضرورت نہیں سمجھی۔ تیز رفتار سانڈنیوں کا تعاقب
بیکار اور ناحاصل تھا۔ اس نے بدوی شیخ کو حکم دیا کہ اسیروں سے لدے ہوئے اونٹ
قبیلے میں پہنچائے جائیں تاکہ بیڑیاں کاٹ کر انھیں آزاد کیا جا سکے۔ شام کے اس اندھیرے
جھٹپٹے میں، جب چاند کی روشنی شام کی سیاہی پر غالب آ رہی تھی اور بھاگتے ہوئے
بادیہ نشینوں کا بے ہنگم شور سمندر کے جوار کی طرح اٹھ رہا تھا۔ اس کی آواز دور تک سنی
گئی اور ایسی تھی وہ آواز جس نے اونٹوں پر لدے بندھے اسیروں میں مسرت کی لہر دوڑا
دی اور وہ شکر و سپاس کا اظہار کرنے لگے مگر ان کی آوازوں میں فرطِ حیرت سے لرزتی
اور فرطِ مسرت سے کپکپاتی ایک نحیف سی آواز ایسی بھی تھی جس نے ابن حرب کے جسم میں
سنسنی دوڑا دی۔ وہ نحیف سی آواز صرف ایک لفظ پر مشتمل تھی جو کئی بار دہرایا گیا۔ "آقا
..... آقا..... آقا....."

ابن حرب اس آواز کو پہچانتا تھا۔ وہ دیوانہ وار اونٹوں کی طرف بڑھا جنھیں بادیہ نشین
اپنے گھیرے میں لے رہے تھے اور آن واحد میں گھوڑا کدانا اس اونٹ کے قریب پہنچ
گیا جس پر لدا بندھا ایک اسیر اسے پکار رہا تھا۔ اس اونٹ پر بھی دو آدمی لادے گئے
تھے اور ان میں ایک اس کا وفادار غلام عبداللہ تھا۔ اگرچہ اسیری کے صدمے یا تشدد
اور ایذا رسانی سے وہ کمزور ہو چکا تھا اور غموں کی دھوپ میں اس کا چمڑا سوکھ گیا تھا
پھر بھی چاند کی روشنی میں ابن حرب نے اسے پہچان لیا اور اس کی خراب و خستہ حالت دیکھ

کر آواز حلق سے نہ نکلی لیکن ہونٹوں پر آ کے دم توڑ گئی ـــــــ "عبداللہ تم....."
اسے دیکھتے ہی عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، آواز بھرا گئی اور اپنی نحیف
بھرائی آواز میں بولا "شکر ہے، آپ مل گئے۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا۔"
عبداللہ جیسا بھی تھا جس حال میں بھی تھا، اس کا مل جانا ایک معجزے سے کم نہ تھا شاید
تقدیر ابن حرب کو صرف اس لیے صحرا کے تاریخی خرابے میں کھینچ لائی کہ بردہ فروش اپنے
اسیروں کو لے کر یہاں سے گزرنے والے تھے اور عبداللہ کی رہائی اسی ویرانے میں مقدر
تھی۔

اس اثنا میں سلیمان بن عامر بھی وہاں پہنچ گیا اور عبداللہ پر نظر پڑی تو دنگ رہ گیا
اس کے غیر متوقع طور سے مل جانے پر خوش ہوئی مگر یہ عبداللہ اس عبداللہ سے بڑا مختلف
اور کمزور تھا جس کے ساتھ مہوش کی کارواں سرائے میں مل چکا تھا۔ ابن حرب نے شیخ
دریان کو حکم دیا کہ اونٹ ہانکے جائیں۔

قبیلے میں سب سے پہلے عبداللہ کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹی گئیں اور جب تک
بیڑیاں کٹ نہیں گئیں، ابن حرب سامنے کھڑا رہا، جونہی وہ آزاد ہوا، اپنے آقا کے قدموں
میں ڈھیر ہو گیا۔ ابن حرب نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ دونوں اس طرح بغل گیر ہوئے
جیسے صدیوں کے بعد ملے ہوں۔

عبداللہ کے ساتھ عورتوں اور انتیس مردوں کو بھی رہائی ملی تھی۔ سب اپنے محسن
کے شکر گزار تھے جس نے حیرت انگیز جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ کر کے قافلے کو روکا
تھا۔ بردہ فروشوں کے وحشی سردار اور اس کے ظالم ترین نائب کو آناً فاناً ہلاک کر کے پورے
گروہ پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری کر دی۔ اس کی جنگ جوئی کا نقشہ اور دھاوا کرنے
کا منظر سلیمان بن عامر، شیخ دریان اور بادیہ نشینوں نے بھی دیکھا اور سب حیرت زدہ رہ
گئے تھے۔ ان کا خیال تھا وہ اتنا شہ زور اور جنگ جو ہے کہ اکیلا بھی پورے قافلے کو روک
لینا تو انجام دے سکتا ہے جو ہوا تھا۔ سارے قبیلے میں اس کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں
اور سب لوگ جان گئے تھے، وہ آقا حسین کا منتقی اور صحرائی قبائل کا جنگی سردار مقرر ہوا
ہے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ اس کا انتخاب غلط نہیں۔

ابن حرب اور سلیمان بن عامر رہا ہونے والے اسیروں کے بارے میں بدوی شیخ کو

www.urdukorner.com

کو ضروری ہدایات دے کر اٹھے اور عبداللہ کو اپنے خیمے میں لے آئے لیکن اب ایک اور انکشاف ہوا کہ وہ صرف نحیف و کمزور ہی نہیں بلکہ لنگڑا کر چلتا اور بائیں پاؤں میں شدید تکلیف محسوس کرتا ہے۔

عبداللہ نے عریش اور القنطرہ کے درمیان اپنے اغوا کی روداد سنائی اور بتایا کہ جنھیں وہ صحرائی ڈاکو سمجھتا تھا وہ بردہ فروش تھے جو اُسے صحرائے سینا کے ایک پُرہول مقام پر لے گئے جہاں اور بھی کئی اسیر تھے، زخمی ہونے کے باوجود اس نے ڈیرے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں اُسے شکنجے میں کس دیا گیا اور پاؤں کا ٹخنا اُتر گیا جو ابھی تک اُترا ہوا ہے۔ بردہ فروشوں کے پاس ایذا رسانی کے بڑے وحشیانہ حربے تھے سردار کا نائب کئی روز اُسے اذیت دیتا رہا پھر بردہ فروش اُسے دوسرے اسیروں سمیت صحرائے سینا سے نکال کر فلسطین کے شہر نجب میں لے آئے جہاں ایک حویلی کے زیرِ زمین قید خانے میں انھیں محبوس رکھا گیا۔ حویلی کی دیواریں اونچی اور تہ خانے کی کوٹھڑیاں بڑی تاریک اور بھیانک تھیں۔ وہاں کچھ شامی اور فلسطینی لڑکیاں بھی محبوس تھیں جن کے ساتھ ہر رات وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ تین روز قبل بردہ فروشوں کا سردار وہاں پہنچا اور رات کو قافلہ روانہ ہوا وہ انھیں جنوبی حجاز اور یمن کی طرف لے جا رہے تھے جہاں انھیں فروخت کر دیتے لیکن حجر میں داخل ہوتے ہی تقدیر نے ان کا راستہ روک لیا۔

یہ تھی اُس کی اسیری اور رہائی کی داستان، وہ بغداد سے ایک ضروری پیغام لے کر روانہ ہوا تھا مگر عریش پہنچ کر بھی اپنے آقا سے نہ مل سکا۔ اب اُس نے بغداد کے حالات سُنائے، اپنی مالکن کی حالت بیان کی اور بتایا کہ وہ خلیفہ معتضد سے اپنے بیٹے کے لیے رحم مانگنے اُس کے محل میں گئی تھی اور خلیفہ ان شرطوں پر ابن حرب کی اسیری سے دست بردار ہو گیا کہ وہ بغداد میں نہیں آئے گا۔ عباسی علاقے پر تاخت نہیں کرے گا اور اس کے قافلوں کو نہیں لوٹے گا بصورتِ دیگر تلوار اس کا فیصلہ کر دے گی اور اس کی لاش شہر کی فصیل پر آویزاں کر دی جائے گی۔ وہ یہی پیغام اپنے آقا تک خود پہنچانا اور اس کا جواب لینا چاہتا تھا تاکہ اپنی مالکن کو مطمئن کر سکے لیکن فسطاط جاتے ہوئے رستے ہی میں اسیر بنا ہو گیا۔

ابن حرب کو پہلی بار معلوم ہوا کہ خلیفہ معتضد اس کی گرفتاری سے دست بردار ہو

گیا مگر اُسے بغداد سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ وہ صرف اسیری سے دست بردار ہوا مگر عداوت سے دست بردار نہیں ہوا تھا۔ ابن حرب کچھ سوچتا رہا پھر یک لخت کھڑا ہو گیا اور بدلے ہوئے لہجے میں بولا "معتضد ابو عباس سمجھتا ہے اس کی طاقت مخالف کے عزم کو متزلزل، دل کو لرزاں اور تلوار کو بے کار کر دیتی ہے لیکن میں ہر رات اپنی تلوار سرہانے رکھ کر سوتا ہوں اور رحم کا لفظ میرے لیے بے معنی ہے، تم جو پیغام لے کر آئے اس کا جواب تمھیں شوال کے مہینے میں مل جائے گا جب تمھاری مالکن بغداد سے نکل آئے گی۔"

اس کے نزدیک جواب کے لیے عبداللہ کو شوال تک انتظار کرنا تھا لیکن جواب تو اس نے دے دیا تھا جسے سن کر سلیمان بن عامر مطمئن ہوا اور عبداللہ حیران و ششدر رہ گیا....

"کیا مالکن بغداد چھوڑ دیں گی؟"

مگر ابن حرب نے خاموشی اختیار کر لی، یہی اس کا جواب تھا۔ اسی وقت شیخ دیان نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ پھر دسترخوان بچھا دیا گیا اور انھوں نے عبداللہ کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا، جسے ایک عرصے کے بعد لذیذ کھانا ملا تھا۔

حجر کے سنگستانی عجائبات دیکھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ ارادے کا نتیجہ عبداللہ کی بازیابی کی صورت میں نکلا جس کے متعلق گمان کر لیا گیا تھا کہ شاید وہ کسی درندے کا شکار ہو چکا ہے۔ اب ابن حرب اُسے سمجھانے لگا کہ وہ شوال تک اسی بدوی قبیلے میں رہے گا جہاں اس کا علاج بھی ہو گا اور اچھی خوراک بھی ملے گی۔ اگر وہ صحت یاب ہوتا تو اُسے بھی اپنے ہمراہ صحرائی بستیوں میں لیے چلتا لیکن وہ سفر کے قابل نہیں۔ اب اسے یہیں رہنا اور اس کی واپسی کا انتظار کرنا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ صحرائی بستیوں میں کیوں جا رہا ہے مگر یہ ضرور بتا دیا "اب تمھیں بھی بغداد نہیں جانا۔"

یہ ساری باتیں عبداللہ کے لیے کسی چیستان سے کم نہ تھیں لیکن اس سلسلے میں کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ پوچھتا بھی تو جواب نہ ملتا۔ ہر سوال کا جواب ایک ہی تھا کہ شوال تک انتظار کرو البتہ سلیمان بن عامر نے اسے ایک اشارہ دینے کی کوشش کی کہ اس کا آقا منذر ابن حرب اس جماعت سے وابستہ ہو چکا ہے، جس سے اس کا باپ حرب الکندی منسلک تھا مگر عبداللہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ حرب الکندی کس جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔

www.urdukorner.com

اس کا بستر ایک علیحدہ خیمے میں بچھایا گیا تھا۔ وہ رات دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا اور سوچتا رہا، آخر کون سی جماعت ہے جس کے ساتھ اس کا آقا وابستہ ہوا اور صحرائی بستیوں کی طرف جا رہا ہے؟ لیکن بہت جلد یہ اچنبھا اس پر آشکار ہو جانے والا تھا۔ انھی سوچوں کے درمیان وہ نیند کے صحرا میں اتر گیا۔

(۳۲)

صحرائی مسکن

○

اگلے یوم علی الصباح سفر پھر شروع ہو گیا۔

ہذدی شیخ نے ابن حرب کی آمد کو اپنی خوش قسمتی پر محمول کیا تھا، جس کے طفیل اسے بردہ فروشوں کے بیس اونٹ بطور مالِ غنیمت مل گئے تھے۔ وہ اپنے دونوں بادیہ نشینوں کے ہمراہ، جو کل بھی اُس کے ساتھ تھے جبل اثالث کے گوشے سے نکل کر انھیں اس مقام تک رخصت کرنے آیا، جہاں ان کا استقبال کیا تھا، البتہ عبداللہ بہ وجہ معذوری ساتھ نہ آسکا۔ اور خیمے ہی میں اُن سے رخصت ہو لیا تھا۔

توشۂ سفر کے علاوہ مشکیزے پانی سے بھر لیے گئے تھے اب انھیں مشرق کی جانب سفر کرنا تھا اور راستے میں نہ کوئی سرائے تھی نہ کوئی بستی اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، کوئی رستہ بھی نہیں تھا۔ جس سے نکل کر وہ چند میل اسی راستے پر واپس چلتے رہے جس راستے سے آئے تھے مگر واپسی کا سفر پانچ چھ کوس سے زیادہ نہ تھا چڑھتے سورج کے ساتھ ایک پہاڑی ٹیلے سے انھوں نے گھوڑوں کے رُخ مشرق کی طرف موڑ لیے۔ زمین کہیں سنگلاخ، کہیں شور تھی، کچھ دور پہاڑی ٹیلوں کے درمیان مڑی تڑی لکیریں سی نظر آتی رہیں جیسے پگڈنڈیاں ہوں حالاں کہ وہ پگ ڈنڈیاں نہیں تھیں لیکن سات آٹھ کوس کے بعد وہ پہاڑی ٹیلے، وہ لکیریں، وہ سنگلاخ زمین سب کچھ پیچھے رہ گیا اور [illegible] ریت کی لکیریں تو ضرور تھیں جنھیں

www.urdukorner.com

ہوا بناتی اور مٹاتی رہتی ہے لیکن کوئی راستہ نہیں تھا۔

صحراؤں کے حاشیوں پر راستے ہوتے ہیں اور بادیہ نشین ان کی مخصوص علامتوں کو دیکھ کر آگے بڑھتے ہیں مگر اس صحرا میں کوئی ایسی علامت بھی نظر نہ آتی تھی جسے دیکھ کر سمت اور سفر کا تعین کیا جاتا، البتہ صحرا دشوار گزار اور ناقابلِ عبور نہیں تھا گھوڑے کسی خاص دشواری کے بغیر چلتے رہے اور ابنِ حرب ان ٹیلوں اور پہاڑیوں سے جنھیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے، اس سمت کا اندازہ لگاتا رہا جدھر وہ بڑھ رہے تھے۔

دوپہر کو وہ ایک ایسی جگہ رُکے جہاں چند پتھر زمین کی چھاتی سے کئی کئی ہاتھ اونچے تھے اس سفر میں یہی ایک علامت تھی جو ابھی تک مل سکی تھی۔ وہاں انھوں نے جلتے سورج کے نیچے کھانا کھایا، گھوڑوں کو چارا ڈالا، پانی پلایا اور کچھ دیر آرام کر کے پھر چل دیے۔ ابنِ حرب نے چلتے چلتے محسوس کیا کہ اس جگہ سے جہاں پڑاؤ کیا تھا سفر کا رُخ مشرق کی بجائے ذرا شمال مشرق کی جانب ہو گیا ہے۔

چند میل طے کرنے کے بعد ریگستان میں کہیں کہیں پتھر دکھائی دینے لگے مزید چند میل آگے بڑھے تو منظر کچھ اور بدل گیا۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان پھیلے صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ جن کا سلسلہ شمال مشرق کی جانب ایک پہاڑی کی شکل اختیار کر گیا تھا مگر ویران اور سنسان ماحول سے یوں لگتا تھا، جیسے کسی انسان کا ادھر گزر نہیں ہوا، کسی انسان کو ویران ٹیلوں کے درمیان پھیلے صحرا اور بے آب و گیاہ پہاڑی سے لینا بھی کیا تھا؟

انھی ٹیلوں کے درمیان سفر کرتے وہ پہاڑی کے قریب پہنچ گئے اور ابنِ حرب یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ پہاڑی کے اِرد گرد ایک کٹی پھٹی کھائی کسی خندق کی طرح پھیلی تھی اور آگے راستہ مسدود تھا۔ سلیمان اس کھائی کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب ہو لیا اور ایک ڈھلان جگہ سے کھائی میں اتر گیا جو طویل تھی۔ ڈیڑھ دو فرلانگ چلنے کے بعد اس نے اپنا گھوڑا دوسرے کنارے کی ترچھی ڈھلان پر ڈال دیا۔ دونوں آگے پیچھے اس ڈھلان پر چلتے کھائی سے نکلے تو آگے ایک لمبی چٹان حائل تھی۔ اس چٹان کے ساتھ ساتھ بڑھتے ابھی وہ ایک چھوٹے سے درّے میں داخل ہوئے تھے کہ اچانک چار پانچ بدّو نجانے کہاں سے نکل کر صحرائی بھوتوں کی طرح ان کے سامنے نمودار ہوئے، جن کے ہاتھوں میں چوڑے

پھلوں والے لمبے نیزے تھے۔

وہ اپنے سردار سمیت جو سب سے آگے تھا پانچ ہی تھے مگر جونہی سلیمان بن عامر پر نظر پڑی انھوں نے "السّلام، السّلام" کی صدا بلند کی اور سردار اس کے ساتھی کو دیکھنے لگا۔ سلیمان نے اپنے ساتھی کا نام بتایا۔ "ابنِ حرب"۔

یہ نام سنتے ہی پانچوں نے "مُثنّیٰ مُثنّیٰ" پکارتے ہوئے اپنے نیزے زمین پر پھینک دیے اور اس کے سامنے رکوع میں چلے گئے۔ ابنِ حرب اپنی اس پذیرائی پر حیران ہوا مگر سمجھ گیا کہ آقا حسین نے انھیں اپنے مُثنّیٰ کے بارے میں بتا دیا ہوگا اور وہ اس کی آمد کے منتظر ہوں گے اس نے درّے کے محافظ بدّوؤں کا سلام عقیدت قبول کیا اور کہا۔ "اِمشُوا اِلیٰ حِضرِبُ الشیخ" (شیخ کے خیمے کی طرف چلو)

بدّوؤں کے سردار نے اپنے چاروں ساتھیوں کو وہیں چھوڑا کیوں کہ وہ درّے اور کھائی کے نگہبان تھے اور خود نیزہ اٹھا کر مہمانوں کے آگے آگے چل دیا۔ درّے سے نکلے تو سامنے ریتلا میدان دور تک چلا گیا تھا جس میں چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلے سر اٹھائے کھڑے تھے اور ان ٹیلوں کے پیچھے جہاں تک نظر کام کرتی تھی، ایک وسیع صحرا پھیلا تھا جو اسی ہول ناک بادیۂ شام کا حصّہ تھا جو شمالی حجاز، اردن، شام اور عراق سے گزرتا تھا۔

محافظ سردار درّے سے نکلتے ہی پہاڑی کی ڈھلان کے ساتھ ساتھ مشرق کے رُخ چلتا رہا۔ کوئی دو فرلانگ کے بعد پہاڑی سیدھی جنوب کی جانب مڑ گئی تھی اور اس کے مشرق میں بھی ٹیلوں سے گھرا ہوا ایک ریتلا میدان دو ڈھائی میل کے رقبے میں پھیلا تھا۔ اس میدان میں ایک چھوٹی سی خیمہ بستی نظر آئی جہاں خیموں کی تعداد ستّر اسّی کے درمیان اور عورتوں۔ مردوں سمیت آبادی چار سو کے لگ بھگ ہوگی۔

یہ تھا آقا حسین کا خفیہ صحرائی مسکن، جس میں سلیمان بن عامر کے لیے حیرت و استعجاب کا کوئی گوشہ نہ تھا کیوں کہ وہ پہلے بھی کئی بار یہاں آچکا تھا البتہ ابنِ حرب نے اس خفیہ مسکن پر تعجب کی نظر ڈالی۔ بستی سے ہٹ کر پہاڑی کے دامن میں بہت بڑا خیمہ ایستادہ تھا جو کم و بیش ایک کنال کے رقبے پر محیط اور کسی بارچاتی محل کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ قناتوں کی ایک دیوار جو چاروں طرف کھڑی تھی اسے بستی کے عام خیموں سے الگ کرتی تھی۔ یہی آقا حسین کی بارگاہ تھی لیکن [illegible] پر اس سے نسبتاً چھوٹا ایک اور خیمہ

www.urdukorner.com

دکھائی دیا۔ بستی کے جنوب مشرقی میں ایک کنواں کھودا گیا تھا جس کے اردگرد پتھروں کی منڈیر اٹھائی گئی تھی اور قریب ہی جانوروں کے پانی پینے کا کوئی دس بارہ ہاتھ طویل حوض تھا پرے وسیع رقبے میں ایک طویلہ تھا، جہاں دو سو کے لگ بھگ سانڈنیاں اور اونٹ بندھے ہوئے تھے ان کے قریب ہی بھیڑ بکریوں کا باڑہ تھا۔

اونٹوں کو دیکھ کر اُسے خیال آیا کہ آقا حسین کے ساتھ شتر سواروں کا لشکر مقیم ہے جو صحرا میں حفاظت کا بہترین حلقہ ہوتا ہے، اس کے اندازے کے مطابق یہ صحرائی مسکن بڑا محفوظ تھا مگر آس پاس کوئی نخلستان نہ تھا، نہ کوئی چراگاہ تھی۔ انسانوں کے ساتھ جانوروں کی خوراک کا بندوبست بھی باہر سے ہوتا تھا۔ اس نے سوچا، یقیناً کوئی صحرائی قبیلہ قریب ہی مقیم ہوگا جو یہ ضرورت پوری کرتا ہوگا۔

جونہی وہ پہاڑی کے شمال مشرقی کونے پر نمودار ہوئے بدو سردار نے اونچی آواز میں کچھ کہا اور تیرہ فضا میں لہرایا۔ غالباً یہ مہمانوں کے آنے کی اطلاع تھی۔ بستی کے بعض مردوں اور عورتوں نے جو خیموں کے درمیان چل پھر رہے تھے کیوں کہ سورج غروب ہوتے ہوتے اور پہاڑی نے پورے مشرقی میدان پر اپنا سایہ ڈال دیا تھا، آواز سنی اور سر اٹھا کر مغربی جانب دیکھا اسی لمحے بڑے خیمے کے سامنے جو آقا حسین کا پارچاتی محل تھا، نوبت کی آواز بلند ہوئی، گویا مہمانوں کے آنے کی اطلاع وہاں تک پہنچ گئی تھی اور ان کی آمد پر نقارہ بجایا جا رہا تھا۔

نقارے کی آواز نے خیمہ بستی میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ عورتیں، مرد خیموں سے نکل آئے اور اس دور افتادہ صحرائی مسکن میں زندگی کی ایک نئی لہر حرکت کرنے لگی۔ ڈوبتے سورج کی روشنی میں جب صحرا کا منظر بدل جاتا ہے لوگ بدوی لباسوں میں بڑے خیمے کی طرف بڑھنے اور آنے والوں کو دیکھنے لگے جو بدو سردار کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر تھے۔

اچانک "سیدنا، سیدنا" کا شور بلند ہوا اور اس شور میں آقا حسین اپنے خدام و حشم کے ساتھ پارچاتی محل سرا سے نکل کر قناتوں کی دیوار کے محرابی دروازے پر نمودار ہوا، ہاں یہ وہ اپنے مخصوص سبز لباس میں تھا اور سبز ذیل نے اس کا نصف چہرہ بدستور ڈھانپ رکھا تھا۔

اسے دیکھتے ہی سلیمان بن عامر اور ابن حرب گھوڑوں سے اُتر کر ادھر آقا حسین

جس کے پیچھے چند لوگوں کا حلقہ تھا، آگے بڑھا، اس نے سلیمان سے صرف مصافحہ کیا اور ابن حرب سے معانقہ کیا اور چند لمحے اسے سینے سے لگائے رکھا، پھر اس کی خیریت پوچھی۔

اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا اور قنات کی دیوار سے پرے بڑے خیمے (مضرب) کے جالی دار غرفوں سے سُود العین (کالی آنکھ والی) صحرائی حسینائیں بھی ملاقات کا یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ابن حرب کی نظر سبز شیخ کے عقب میں ایک شخص پر پڑی اور اُسے دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا وہ بنی کلب کا سردار نعمان تھا، جس نے اپنے خیمے میں ابن حرب کا اس وقت علاج کیا تھا جب وہ کئی روز بادیۂ شام کا خوف ناک زمین سفر کرتے ہوئے بخار میں مبتلا ہو گیا تھا اور ویران معبد سے بھاگا تو بخار کی شدت سے بے ہوش ہو کر گھوڑے کی گردن پر ڈھے گیا تھا۔ پھر اس کی آنکھ بنی کلب کے سردار نعمان کے خیمے میں کھلی تھی۔

سردار نعمان نے بھی ابن حرب کو چشم حیرت سے دیکھا اور تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔

قرمطی شیخ کے صحرائی مسکن میں اگر بنی کلب کے سردار نعمان کی موجودگی ابن حرب کے لیے ایک طرفہ بات تھی تو وہاں ابن حرب کی آمد سردار نعمان کے نزدیک بھی کسی اچنبھے سے کم نہ تھی اور وہ بھی آقا حسین کے مُنتَخَب کی حیثیت سے۔ دونوں ایک دوسرے کو دربار بغداد کے وفادار سمجھتے رہے تھے لیکن جس طرح دوست اور دشمن کی حقیقت میدان جنگ میں کھلتی ہے کہ کون کس کے ساتھ ہے اُسی طرح اُن کی اصلیت صحرائی مسکن میں ظاہر ہوئی تھی کہ دونوں ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔

سردار نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ پُرجوش مصافحہ کیا اور کہا

"خَیْرُ الْاَشْیَاءِ جَدِیْدُھَا وَخَیْرُ الْاِخْوَانِ قَدِیْمُھَا"

(چیزیں نئی اچھی ہوتی ہیں اور دوست پرانے اچھے ہوتے ہیں)

ان الفاظ میں اُس نے ابن حرب کو اپنا وہ دوستانہ سلوک یاد دلایا جو کچھ عرصے قبل اُس سے کر چکا تھا۔ ابن حرب نے جواب دیا "سردار نعمان! دوستی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا اور مجھے تمہاری دوستی ہمیشہ یاد رہے گی۔"

ساتھ ہی مصافحے کو معانقے میں بدل دیا اور اُس کے ساتھ بغل گیر ہو گیا۔ دونوں کی باتیں [illegible] ایک خوش گوار حیرت گزری کہ وہ پہلے

www.urdukorner.com

سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ابنِ حرب آقا حسین کو بتانے لگا۔

"سیدنا! جب میں بغداد سے فرار ہوا تو بادیۂ شام کو عبور کرتے ہوئے صحرائی لُو کا شکار ہو گیا تھا مگر کرنال ترک اور اُس کے ساتھیوں نے سانڈنیوں پر میرا تعاقب کیا۔ میں قصر العمرہ سے بھاگا تو رستے میں بخار بھی تیز ہو گیا اور رات کو نجانے کس وقت بے ہوش ہو کر گھوڑے کی گردن پر ڈھے گیا۔ جب آنکھ کھلی۔ میں ایک خیمے میں تھا جہاں میرا علاج ہو رہا تھا اور وہ خیمہ بنی کلب کے سردار نعمان کا تھا۔"

اس واقعے کا دوسرا حصہ سردار نعمان نے بیان کیا۔ "ہم نے نشان زدہ فوجی گھوڑے سے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کا سوار عراقی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہے۔ بیمار کو تیسرے پہر ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ میں خلیفہ معتضد کے محافظ دستے کا سالار ابنِ حرب ہوں اور ایک اہم کام کے لیے میرا غزہ پہنچنا بہت ضروری ہے۔ حکیم کا خیال تھا بیماری کی حالت میں سفر خطرناک ہو گا لیکن ابنِ حرب نے جواب دیا کہ مجھے یہ سفر اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔"

"سردار نعمان! میں اُس وقت تمھیں یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ خلیفہ کے سوار میرے تعاقب میں ہیں۔ اندیشہ تھا وہ میرے گھوڑے کے قدموں کا کھوج لگاتے کہیں بنی کلب کے خیموں تک نہ پہنچ جائیں اور شاید تم بھی مجھے گرفتاری سے نہ بچا سکو۔ اسی لیے میں نے سفر پر اصرار کیا تھا۔"

"اگر مجھے معاملے کی اس صورت کا علم ہوتا تو بنی کلب کے نیزے تمھارے دشمن کا استقبال کرتے اور اُن کی سانڈنیاں اپنے سواروں سے محروم ہو جاتیں۔"

اب آقا حسین نے گفتگو میں دخل دیا اور ابنِ حرب کو بتایا۔ "سردار نعمان جماعت کے حلقۂ اخوان میں شامل ہے۔ اگر تم اسے صرف اتنا بتا دیتے کہ عریش کی کاروان سرائے میں جانا اور سلیمان بن عامر سے ملنا چاہتے ہو، تو حالات کا نقشہ بالکل بدل جاتا۔ بنی کلب کے جوان خلیفہ کے سواروں کو خود ڈھونڈ لیتے اور جس جھگڑے کا فیصلہ عریش جا کر ہوا، وہ بنی کلب کے خیموں ہی میں ختم ہو جاتا۔ بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے دو اخوان پہلے سے ایک دوسرے کے دوست ہیں اور پرانے دوست واقعی اچھے ہوتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مہمان کے ہمراہ قنات کا محرابی دروازہ عبور کر کے اُس گلی میں نمودار

ہوا جو ایک کنال سے بھی زیادہ رقبے میں پھیلے عظیم خیمے کے چوفیر واقع تھی۔ جونہی وہ لوگ دیوار کی طرح ایستادہ قنات کے اندرونی حلقے میں آئے، خیمے کے کئی جالی دار غرفوں سے سیاہ آنکھ والیوں نے وجیہ گرانڈیل چوڑی چھاتی اور مضبوط بازوؤں والے ابنِ حرب کا نظارہ کیا اور اُسے دیکھتی ہی رہ گئیں۔ آقا حسین اپنے مہمانوں سمیت فوراً ہی گلی سے گزر کر کمرۂ ملاقات میں چلا گیا تو سیاہ آنکھیں غرفوں کی جالیوں سے ہٹ گئیں کیوں کہ اب گلی میں جھانکنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔

صحرائی خیمہ بہت اونچا، بہت بڑا اور کئی ہلیوں پر کھڑا کسی محل سرا کی طرح کئی حصوں اور مختلف کمروں میں بٹا ہوا تھا جن کے درمیان طویل رہداریاں گزرتی تھیں۔ کمرۂ ملاقات ایک رہداری کے سرے پر الگ تھلگ اور ایک چھوٹے سے دربار کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ ابنِ حرب اُس کی سج دھج دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فرش کھجور کی چٹائیوں کا تھا جس پر نمدے اور قالین آراستہ تھے۔ کمرے کے وسط میں دو اونچی ہلیوں کے درمیان ایک بڑا فانوس آویزاں تھا جس میں بہ یک وقت اکیس شمعیں روشن ہو سکتی تھیں۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک سبز غالیچہ بچھا ہوا تھا جو یقیناً سربراہ کے لیے مخصوص تھا۔ وہ اُسی پر بیٹھا اور دوسرے لوگوں نے اُس کے سامنے ایک بڑے قالین پر نشستیں سنبھالیں۔

ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اندرونی دروازے سے، جو رہداری میں کھلتا تھا، تین کنیزیں طشتریوں میں شربت کی صراحیاں اور کوب لیے داخل ہوئیں اور شربت سے حاضرین کی تواضع کرنے لگیں۔ اس اثنا میں آقا حسین نے ابنِ حرب کو اپنے سبز غالیچے پر بلا لیا اور شربت نوشی کے درمیان اپنے مثنیٰ کی حیثیت سے اُس کا تعارف بھی کراتا رہا۔ ابنِ حرب یہ جان کر حیران سا رہ گیا کہ وہاں بنی کلب کے سردار نعمان کے علاوہ پانچ بادیہ نشین قبائل کے سردار بھی آقا حسین کے مثنیٰ کو دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آئے تھے۔ اُن کی آمد ایک خاص مجلس کے سلسلے میں تھی جو صرف ابنِ حرب کے لیے بلائی گئی تھی۔

★

مجلس کا باقاعدہ انعقاد شام کے بعد ہونے والا تھا۔ آقا حسین نے مہمانوں سے کہا کہ اتنی دیر میں وہ سفر کی گرد اتار لیں اور نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ پھر ایک خادم کو

www.urdukorner.com

اشارہ کیا کہ انھیں حمام میں لے جائے۔ سلیمان بن عامر پہلے بھی کئی دفعہ ان خیموں میں آچکا تھا لیکن لق و دق صحرا کے حاشیے پر ایک خیمہ بستی میں "حمام" کا لفظ ابن حرب کے لیے کسی عجوبے سے کم نہ تھا۔

کمرۂ ملاقات سے نکل کر دونوں اُس چوڑی گلی میں آئے جو خیمے کے چوفیر واقع تھی اور اُسی گلی میں خادم کے ساتھ جنوب کی طرف ہو لیے۔ اُسی جانب گلی میں پتھروں کی قدِ آدم دیواریں تعمیر کر کے حمام بنائے گئے تھے جن کے سفایہ میں مشکوں سے پانی بھرا جاتا تھا۔ پانی کے اخراج کے لیے بھی پتھروں کی ایک نالی تعمیر کی گئی تھی جس کے ذریعے استعمال شدہ پانی کوئی ڈیڑھ دو فرلانگ دور ایک بڑے حوض میں جمع ہوتا رہتا اور جانوروں کے کام آتا تھا۔

ابن حرب صحرا میں حمام کا یہ منظر دیکھ کر ایک نئی فرحت سے دوچار ہوا اور جب غسل سے فارغ ہوا تو سفر کی گرد کے ساتھ سفر کی تھکن بھی جاتی رہی۔ اس اثنا میں شام کا اندھیرا اُتر آیا تھا۔ بستی کے خیموں میں چراغ روشن ہو گئے تھے اور چولہوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ شام کے اندھیرے میں صحرا کا موسم بھی تبدیل ہو گیا تھا۔

دونوں کمرۂ ملاقات میں واپس آئے تو یہاں بھی فانوس روشن ہو چکا تھا۔ اندر کمرہ شمعوں کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اُن کے آتے ہی آقا حسین نے مجلس کا آغاز کر دیا۔ ابن حرب کو سبز غالیچے پر اپنے پہلو میں جگہ دی باقی سب لوگ نیم دائرے کی صورت میں اُن دونوں کے سامنے بیٹھے۔ پھر اپنے بڑے بھائی امام یحییٰ بن ذکرویہ کا پیغام سنانے لگا۔ جس نے منذر ابن حرب جیسے ماہر جنگ کی جماعت میں شمولیت پر مسرت کا اظہار کیا اور کہا تھا کہ "یَدُ اللّٰہِ عَلَی جَمَاعَۃٍ" یعنی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے یا جماعت سے کرامت ہوتی ہے۔ امام نے اپنے چھوٹے بھائی حسین بن ذکرویہ کو جو اُس کا جانشین اور قائم مقام تھا ابن حرب کو اپنا "مثنیٰ" بنانے پر بھی مبارک باد دی تھی کہ اس سے نظریۂ حلول کی صداقت ظاہر ہوتی ہے جس کے مطابق خدا کی روح یا قدرت نبیوں، رسولوں اور اماموں کے وجود میں کارفرما ہو کر انھیں دوسروں سے مختلف اور ممتاز بنا دیتی ہے۔ اُسی طرح اماموں اور اُن کے جانشینوں کی روح اپنے خاص متبعین میں داخل ہو کر انھیں نئے جذبے اور نئے عمل سے دوچار کرتی ہے۔

امام یحییٰ نے اطلاع دی تھی کہ عراق کے صحرائی قبیلے جن کے دل نورِ ایمان سے روشن ہو چکے اور جو کوفے اور بصرے کے سواد میں خیمہ زن ہیں، ابوالعوراس جیسے جرنیل کی سرکردگی میں خروج کی تیاریاں کر رہے ہیں بلکہ خروج کی لہر اندر ہی اندر بحرین کی جانب تیزی سے حرکت کر رہی ہے اور اس اطلاع کے ساتھ ہدایت کی تھی کہ شام کے بادیہ نشین قبائل کو جلد از جلد جنگی تربیت سے آراستہ کر دیا جائے تاکہ جب مہدی کے پرچم کا سبز پرچم بلند ہو تو تمام قبائل اس کی حمایت میں صحراؤں سے نکل آئیں۔

امام کا پیغام سنا کر آقا حسین بتانے لگا کہ وہ صحرائی قبیلے جو بادیۂ شام کے حاشیوں پر آباد اور جماعت سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ ابن حرب کی کمان میں دے دیے گئے ہیں۔ ابن حرب ہی ان قبائل کی عسکری تربیت کا فرض ادا کرے گا بلکہ ان کا سپہ سالار اور حاکم بھی ہو گا جس پر سب لوگوں نے اپنی گردنیں خم کر دیں۔ اس اعلان کے بعد آقا حسین نے ایک اور انکشاف کیا کہ جس طرح عراق میں صحرائی قبائل کا مرکز بنو تمیم کو قرار دیا گیا ہے۔ اُسی طرح شام کے بادیہ نشین قبائل کا صدر مقام بنی کلب کا قبیلہ ہو گا جہاں ابن حرب کے لیے ایک مضرب (بڑا خیمہ) لگایا جائے گا۔

دراصل بنی کلب یہ شام کے حاشیے پر ایسی جگہ آباد تھے جسے ایک طرف تدمر تک پھیلے ہوئے صحرائی قبیلوں اور دوسری جانب بحیرۂ مردار کے مغرب میں خلیج عقبہ تک نیز حجر کے علاقے میں اِکا دُکا قبائل کے درمیان ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس جغرافیائی صورت کے پیشِ نظر بنی کلب کو صدر مقام بنایا گیا تھا جو شام، اردن اور خلیج عقبہ تک حجر کے علاقے میں مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور جہاں سے عراق کی عباسی سلطنت کے علاوہ مصر و شام کی طولونی حکومت کے خلاف بھی کارروائی ہو سکتی تھی۔

قبائلی سرداروں نے اس حکم پر بھی "آمنّا و صدقنا" کہا۔ سردار نعمان کے لیے یہ ایک اعزاز تھا کہ بنی کلب کو تحریک کا صدر مقام بنایا گیا اور صحرائی قبائل کے حاکم کا خیمہ اُس کے قبیلے میں نصب ہو گا۔ ان اعلانات کے بعد آقا حسین نے بتایا کہ ابن حرب اُس کے مثنیٰ کی حیثیت سے قبائل کا سفر کرے گا اور اس کے سفر کا آغاز بنی کلب سے ہو گا۔ اس نے یہ وضاحت بھی ضروری سمجھی کہ مثنیٰ کا پہلا سفر یا پہلا دورہ مختصر ہو گا وہ صحرائی قبائل میں تربیتی حلقے قائم کر کے انھیں ضروری عسکری ہدایات دے کر، ا

www.urdukorner.com

رمضان تک یہیں لوٹ آئے گا کیونکہ شوال کے پہلے عشرے میں اسے ایک اہم مہم کے لیے مغرب کی جانب سفر کرنا ہے۔

ابن حرب کے اوقات ستاروں کے سفر اور اُن کی منزلوں کی طرح طے کر دیے گئے اُس نے محسوس کیا کہ عراق کی طرح شام کے بادیہ نشین قبائل میں بھی خروج کا جذبہ اور ولولہ بڑھتا جا رہا ہے لیکن عجیب بات یہ تھی، خروج کی تیاریاں اتنی خفیہ اور پوشیدہ تھیں کہ شہروں میں کسی کو ان کا علم نہ تھا، نہ کوئی یہ جانتا تھا کہ صحراؤں میں رقص کرنے والے بگولے کسی خوف ناک آندھی کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔

باہر شام کا اندھیرا رات کی سیاہی سے گلے مل رہا تھا جب کمرۂ ملاقات میں مجلس کی کارروائی ختم ہو گئی اور اسی کمرے میں دسترخوان بچھنے لگے۔ تنوری روٹیوں اور صحرائی دنبے کے گوشت کی ضیافت ختم ہوتے ہی دسترخوان اٹھا لیے گئے اور ساقیہ لڑکیوں نے کشیدۂ فلسطین پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی خیمے کے کسی گوشے میں نفیری کی لے، خنجری کی تھاپ اور [illegible] کی چھنک مل جل کر ابھری اور اس ملی جلی موسیقی کے درمیان نیم عریاں لباس میں ملبوس صحرائی رقاصائیں کسی طلسم کی طرح کمرے میں داخل ہوئیں جنھیں دیکھ کر پلکیں جنبش کرنا بھول گئیں۔ ان میں حسین دمنہ سب سے ممتاز اور منفرد تھی۔ اُس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی رقص کا آغاز اپورا کیا اور ایک نغمے کی تان اٹھائی ؎

اطن الشام فتشمت بالعراق
شام عراق کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے
اذا عزم الامام علی الانطلاق
کیوں امام نے وہاں جانے کا ارادہ کر لیا ہے

رقص کرنے والی صحرائی حسینائیں نہ صرف رقص میں دمنہ کی پیروی کر رہی تھیں بلکہ جب وہ نغمے کا ایک مصرع ختم کرتی تو اُسے مشترکہ آواز میں اٹھا لیتی تھیں۔ رقص کے ساتھ نغمے نے حاضرین پر ایک جادو سا کر دیا۔ وہ بادیہ نشین قبائل کے سرداروں کو عراق پر چڑھائی اور یلغار کا واضح اشارہ دے رہی تھی۔ نفیری، خنجری اور مجیروں کی موسیقی اور دمنہ کی خوش گلوئی کے ساتھ مشارجات (اُس کی ہم عمر لڑکیوں) کی ہم آہنگ آواز سے شعر کے الفاظ میں ایک نیا سحر بھر دیا اور ان کے معنی و مفہوم کو کچھ اس طرح واضح کر دیا

Q LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-6048634 - 0345-5[illegible]
Prop: Ali Khan

امام اپنے صحرائی لشکروں سمیت عراق کی جانب روانہ ہو رہا تھا اور دمنہ اپنی ہم عمر اور ہم آواز لڑکیوں کے ساتھ اُسے رخصت کر رہی تھی۔

جب اس نے دوسری مرتبہ یہی شعر گایا تو آقا حسین نے خوش ہو کر کلمۂ تحسین کہا۔

"مرحباً بیک (تیرے لیے زمین کشادہ ہو)

حاضرین نے بھی "حبذا و حبذا" (بہت خوب بہت خوب) کی آوازوں میں داد نچھاور کی پھر دمنہ نے ابنِ حرب کی طرف اشارہ کیا اور دوسرا شعر گایا ؎

ثمان تنزح العراق و ساکنیہ
اگر تم نے عراق اور اس کے رہنے والوں کو چھوڑ دیا
فقد تبلی المطیۃ باطلاق
تو کبھی کبھی خوب صورت عورت کو بھی طلاق دینی پڑتی ہے

سب لوگوں نے مسکراتی اور معنی خیز نظروں سے ابنِ حرب کی طرف دیکھا۔ یہ شعر عرب کی کارواں سرائے میں بھی سن چکا تھا۔ دمنہ نے اس کے عراق چھوڑنے کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہو۔ اب وہ عراق کو بھول جائے مگر اُس نے جواب دیا۔

"لست انساہ (میں اُسے نہیں بھولوں گا)

دمنہ نے دو تین بار طلاق والا شعر گایا اور ابنِ حرب نے ہر مرتبہ اپنا فقرہ دہرایا جس سے نغمے میں ایک نئی دل کشی پیدا ہو گئی۔ دمنہ اور اس کی ہم رقص اور ہم آواز لڑکیوں نے رقص و غنا کا جو دل فریب مظاہرہ کیا اُس کے سامنے بغداد اور فسطاط کی وہ محفلیں بھی ماند ہو گئیں جن میں رقص و غنا کے جادو جگائے جاتے تھے۔ ابنِ حرب نے محسوس کیا کہ صحرا شہر سے زیادہ حسین اور رنگین ہو گیا ہے۔

بڑے خیمے کے باہر وہ صحرائی بستی، جو جنوب مغرب میں کئی پہاڑی اور شمال مشرق کی جانب اونچے نیچے ٹیلوں میں گھرے کئی مربع میل کے ریتیلے میدان میں آباد تھی رات کے اندھیرے میں ایک عظیم اور مہیب صحرا کے حاشیے پر بڑی عجیب لگ رہی تھی۔ آخری راتوں کا چاند کہیں دور خلا میں بھٹک رہا تھا اور اس تاریک رات میں حلقہ در حلقہ پھیلے خیموں [illegible] کہ صحرا کی خنک ہوا چلنے لگی تھی تو [illegible]

www.urdukorner.com

جگنوؤں کا گمان ہوتا تھا لیکن رات کے بسیط اندھیرے میں، جب روشنی کا ایک ننھا سا نقطہ بھی حدِ نظر تک پھیلے صحرا میں میلوں سے نظر آ جاتا ہے کوئی بھولا بھٹکا صحرائی قافلہ یا اکا دکا مسافر بھی بستی کے چراغوں کی روشنی دیکھ سکتا تھا۔ پہاڑی اور ٹیلوں نے اس کے اردگرد ایک ایسا قدرتی حصار قائم کر دیا تھا کہ روشنی کی کوئی کرن اُس حلقے سے باہر نہ نکل سکتی تھی یوں آقا حسین کا صحرائی مسکن دیکھنے والی نظروں سے اوجھل اور محفوظ تھا جس کی چاروں جانب صحرا کی پُراسرار تنہائیاں اور خاموشیاں مسلط تھیں لیکن اُن مُہر بہ لب تنہائیوں، ویران خاموشیوں رات کی کالی تاریکیوں میں وہ بستی اپنے قدرتی حصار کے اندر کسی دادی طلسم و حیرت کا منظر پیش کر رہی تھی اور بڑے خیمے سے سنائی دینے والی رقص و نغمہ کی آوازوں پر خواب و خیال کا سا گمان ہوتا تھا مگر نہ کوئی طلسم تھا، نہ کوئی خواب تھا۔ ہوں تک صحرا کے حاشیے پر بھی زندگی اپنی راحتوں اور سرمستیوں کے عمل سے گزر رہی تھی۔

انسان کی قبائلی سرشت اگر صحراؤں اور ویرانوں کو آباد کرتی ہے تو عورت اُس تصویر کائنات میں اپنی خوب صورتی کا رنگ بھرتی اور جلتے تپتے صحراؤں کو بھی گوشۂ بہاراں میں بدل دیتی ہے جس طرح ایک دریا پہاڑ سے نکلتا، میدانوں میں بہتا، ویرانوں سے گزرتا اور زمین کو سیراب کرتا اپنے طویل سفر کے بعد سمندر میں جا گرتا ہے اسی طرح زندگی بھی مختلف مقامات یا مختلف مراحل سے گزرتی اور جدوجہد کا سفر کرتی، بحرِ ظلمات میں اتر جاتی ہے۔

یہاں بھی صحرا کے مہیب سناٹوں اور رات کے کالے اندھیروں میں زندگی کا ہنگامہ جاری تھا مگر صحرا میں زندگی کے اس ہنگامے کا مقصد کچھ اور ہی تھا اور دمنہ اپنی مشاورت کے ساتھ وہی مقصد قبائلی سرداروں پر واضح کر رہی تھی جنہیں سویرے یہاں سے رخصت ہو جانا تھا ان کے ساتھ ابنِ حرب بھی جانے والا تھا اور دمنہ چاہتی تھی، وہ نئے سفر میں اس کی کچھ یادیں ساتھ لے جائے۔

رات پہلے پہر سے گزر رہی تھی اور چاند ابھی تک طلوع نہ ہوا تھا جب صحرائی خیمے میں رقص و غنا کی محفل ختم ہو گئی اور دمنہ اپنی مشاورت سمیت سلام کرتی اندرونی رہداری کی طرف مڑ گئی۔ آقا حسین کے ساتھ مہمان بھی اُٹھے مگر ابنِ حرب کو روک لیا گیا۔ جب قبائلی سردار چلے گئے اور سلیمان بن عامر نے بھی مہمان خانے کا رُخ کیا تو آقا حسین ابنِ حرب کو لے کر اپنے خاص کمرے کی طرف ہو لیا ——— اُسے اپنے مُتبنّیٰ کے ساتھ ابھی بہت سی ضروری اور ان کہی باتیں کرنا تھیں۔

(۳۳)

چال

دوسرے روز علی الصباح ابنِ حرب نے آقا حسین کے ساتھ اپنے سرائے دار دوست سلیمان بن عامر کو بھی "خدا حافظ" کہا اور سردار نعمان اور دوسرے قبائلی سرداروں کے ہمراہ بنی کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادیہ نشین سردار تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار تھے مگر ابنِ حرب کے نیچے اُس کا وہی سخت جان فوجی رہوار تھا جو اُسے بادیۂ شام جیسے ہولناک صحرا سے نکال لایا تھا۔

سلیمان بن عامر نے اگلے دن کوچ کیا اور قرمطی آقا سے رخصت ہو کر اکیلا حجر کی جانب ہو لیا۔ اُس کی واپسی کے سفر کا پہلا پڑاؤ حجر ہی تھا جہاں اُسے بدوی شیخ ریان کو جو بنو جذام کے بچے کھچے قبیلے کا سردار تھا، کچھ ضروری ہدایات دینا تھیں۔ واپسی پر سفر کی رفتار تیز تھی۔ وہ تیسرے پہر حجر کے اُس تاریخی خرابے میں پہنچ گیا جہاں عرب قبائل آباد ہونا پسند نہ کرتے تھے مگر شیخ ریان کئی ماہ سے جبل ثالث کے شمالی میدان میں خیمہ زن تھا۔

سلیمان کی واپسی پر بھی شیخ نے اُس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ قبیلے کے حکیم نے ابنِ حرب کے غلام عبداللہ کا اترا ہوا ٹخنا چڑھا دیا اور پاؤں پر پٹیاں باندھ کر ہدایت کی تھی کہ کم از کم دس روز مکمل آرام کرے۔ اس لیے وہ بستر پر پڑا تھا۔ سرائے دار کو دیکھتے ہی اپنے آقا کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ اس نے جواب دیا۔ "عبداللہ! تم بولتے بہت ہو اور میں [illegible] کی اداری نہیں [illegible] رکھو، تمہارا آقا تنہا فرد نہیں بلکہ ایک

www.urdukorner.com

جماعت بن چکا ہے؟"

"جماعت" کے لفظ نے عبداللہ کے ذہن میں پھر ایک ہلچل ڈال دی۔ سن چکا تھا کہ حرب الکندی بھی اُسی جماعت سے منسلک تھا۔ ایک بار پھر اس کا ذہن جماعت کے تعاقب میں نکل گیا۔

شیخ دیان نے اُن لڑکوں، لڑکیوں، جوان عورتوں اور مردوں کو جنھیں بردہ فروشوں سے چھڑایا گیا تھا، اپنے سانڈنی سواروں کی نگرانی میں القدس روانہ کر دیا تھا جہاں سے وہ اپنے شہروں اور گھروں کو جا سکتے تھے۔ البتہ ایک خوب صورت لڑکی شرح اور ایک مصری مرد جوّال بیماری کی وجہ سے وہیں پڑے تھے۔ لڑکی کا بخار تو جاتا رہا تھا لیکن اپنی رسوائی کے ڈر سے گھر جانے پر تیار نہ تھی۔ جوّال کا کوئی گھر گھاٹ تھا ہی نہیں۔ سلیمان بن عامر نے انھیں عریش کی کارواں سرائے میں چلنے کے لیے کہا تو دونوں راضی ہو گئے اور شیخ دیان نے ان کی سواری کے لیے ایک اونٹنی بھی مہیا کر دی۔

دوسرے روز سلیمان، شیخ دیان کو ضروری ہدایات دے کر اور عبداللہ کو سمجھا کر کہ وہ اپنے آقا کے لیے پریشان نہ ہو، شرح اور جوّال کے ہمراہ عریش کی طرف چل دیا۔ راستے میں شرح کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ایک یتیم اور لاوارث لڑکی ہے۔ فلسطین کے ایک گاؤں میں دور کے رشتہ داروں کے ہاں رہتی تھی۔ رشتے دار اُس کے حق میں بڑے ظالم اور صرف چند دینار کے عوض اسے ایک پیر فرتوت کے پلّے باندھنے کی سوچ رہے تھے کہ اغوا کی واردات پیش آ گئی۔ اب وہ واپس گاؤں نہیں جانا چاہتی تھی۔

عریش میں آتے ہی وہ سلیمان کی کنیزوں سے گھل مل گئی۔ جوّال نے بھی بہ خوشی سرائے میں خدمت انجام دینا قبول کر لی تھی۔

ابھی عریش میں واپس آئے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطانی سوار سلیمان بن عامر کی طلبی کا پروانہ لے کر پہنچ گئے۔ سواروں کا حبشی افسر بڑا اکھڑ اور تند مزاج تھا۔ سلطان ابوجیش خمارویہ نے سلیمان کو فی الفور طلبی کا حکم دیا اور اُس کے مہمان منذر ابن حرب اور محصول لینے والے افسر ابونصر یاقوت کو ساتھ ہی طلب کیا تھا۔

سلیمان سمجھ گیا کہ بازپرس کی ساعت آ گئی ہے مگر ابن حرب اور یاقوت کو پہلے ہی منظر سے غائب کر چکا تھا۔ حبشی افسر نے بھی دیکھ لیا کہ بوڑھے فلسطینی سرائے دار کے علاوہ دونوں

مطلوبہ آدمی وہاں موجود نہیں۔ اس نے بڑے درشت لہجے میں ابن حرب اور یاقوت کے بارے میں پوچھا۔ سلیمان نے کہا۔ "میں اُن کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

پھر دریافت کیا۔ "اس اچانک طلبی کا مقصد کیا ہے؟"

"تمھیں ہر سوال کا جواب القطائع میں مل جائے گا مگر ابن حرب اور ابونصر یاقوت کے بغیر تمھاری حاضری زیادہ مفید نہیں ہو گی۔"

سرائے دار کے بہ قول وہ دونوں مفقود الخبر تھے۔ فوجی سوار اُسے اپنے حلقے میں لے کر عریش سے چل دیے لیکن گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ نہ اُسے طوق و سلاسل پہنائے گئے۔ سلیمان راستے میں سوچتا رہا اگر سلطان نے اُس کی گرفتاری ضروری نہیں سمجھی تو شاید معاملے کو کسی احسن طریق سے نمٹانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے شہزادہ شیبان نے سلطان کو آگاہ کر دیا ہو کہ دربارِ بغداد میں پیغام اگرچہ اُس کی اجازت سے بھیجا گیا تھا لیکن پیغام رسانی میں ضرور بے احتیاطی کی گئی اور خلیفہ معتضد ابوالعباس جیسے بڑے حکمران کے حفظِ مراتب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ غالباً اُسے اسی بات پر سرزنش کے لیے طلب کیا گیا ہے لیکن جب وہ القطائع میں سلطان کے حضور پیش کیا گیا صورت حال اُس کی توقع کے بالکل برعکس بے حد خراب تھی اور ابوجیش خمارویہ کسی سرکش اونٹ کی طرح مشتعل اور مغلوب الغضب ہو رہا تھا۔ اُس نے سلیمان بن عامر کو تنہا دیکھ کر سوال کیا۔

"ابن حرب اور یاقوت کہاں ہیں؟"

اُس نے جواب دیا۔ "ابن حرب کو فسطاط ہی میں چھوڑ گیا تھا۔ اگر وہاں نہیں ہے تو میرے پاس نہیں پہنچا۔ ابونصر یاقوت بغداد گیا تھا لیکن ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔"

بغداد کا ذکر چھیڑ کر اُس نے خود ہی اصل معاملے کا آغاز کر دیا جس کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ شاہی کمرے میں اُن دونوں کے علاوہ ایک تیسرا شخص بھی موجود تھا اور وہ حاشا ابوظفر تھا جس نے خلیفہ معتضد کی شکایت سلطان کے گوش گزار کی تھی۔ ابوجیش خمارویہ نے سرائے دار کی طرف غصے کی آنکھ سے دیکھا اور پوچھا۔ "سلیمان! کیا یہ درست ہے کہ کچھ عرصے قبل تم نے عریش سے دربارِ بغداد میں ایک پیغام بھیجا تھا؟"

سرائے دار نے سر تسلیم خم کر دیا۔ "درست ہے سلطانِ معظم!"

"اور یہ بھی درست ہے کہ اُس پیغام کے ساتھ تم نے عراقی سواروں کے کیے ہوئے سر ارسال کیے تھے؟"

www.urdukorner.com

سلیمان بن عامر نے چونکنے اور حیران ہونے کی بڑی عمدہ اداکاری کی۔ "مجھے اس بات کا علم نہیں سلطانِ معظم! ابونصر یاقوت شاید کیے ہوئے سراز خود ساتھ لے گیا ہو۔ البتہ دربارِ بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا وہ انہی عراقی سواروں کے متعلق تھا، جو ابنِ حرب کا تعاقب کرتے لاؤلش تک آئے اور اسے گرفتار کرنے کی کوشش میں خود ہلاک ہو گئے تھے۔"

سلطان خمارویہ نے اس کے جواب پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ غضب آلود لہجے میں کہنے لگا "اس واقعے کے چند روز بعد تم ابنِ حرب کو لے کر ہمارے پاس آئے اور معزول خلیفہ معتمد کے قتل کا قصاص لینے، بغداد پر فوج کشی کرنے اور ابنِ حرب کو اس لشکر کا سالار بنانے کا مشورہ دیتے رہے۔ تم نے ایک طرف دربارِ خلافت میں عراقی سواروں کے سر بھیج کر خلیفۃ المسلمین کو مصر کے خلاف جنگی جوش دلایا دوسری جانب ہمیں بغداد پر چڑھائی کی ترغیب دی۔ اس کا یہ مطلب ہے، تم مصر اور عراق کے درمیان جنگ کا میدان تیار کر رہے تھے جس کے لیے تم نے لاؤلش کے محصول افسر ابونصر یاقوت کو طولونی حکومت کا سفیر یا پیغامبر بنا کر بھیجا۔ اب ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تمھیں ایک خود ساختہ سفیر بھیجنے کا اختیار کس نے دیا؟ یہ تو ایک ایسا سنگین جرم ہے جس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں۔"

سلیمان بن عامر خاموشی اور تحمل سے اپنے خلاف عائد کی جانے والی فردِ جرم سنتا رہا۔ اس نے جرم سے انکار کیا، نہ کسی معاملے کی وضاحت ضروری سمجھی۔ غضب ناک سلطان خاموش ہوا تو اپنا سر ایک مرتبہ پھر جھکا دیا اور کہنے لگا۔

"اگر مجھے قتل کر کے طولونی حکومت مضبوط ہو سکتی ہے، تو میرا سر حاضر ہے۔ جلاد کو حکم دیجیے کہ اسے تن سے جدا کر دے لیکن کیا یہی صلہ ہے، میری ان تمام خدمتوں کا جو میں اپنے آقا مرحوم سلطان احمد بن طولون کے زمانے سے لے کر اب تک سر انجام دیتا آیا ہوں۔"

ابوجیش خمارویہ نے بڑی برہمی سے جواب دیا۔ "ہمیں تمھاری خدمتوں سے انکار نہیں لیکن مت بھولو۔ "ذنبٌ واحدٌ کثیرٌ وألفُ طاعةٍ قلیلٌ" (صرف ایک گناہ بڑا ہوتا ہے اور ہزار اطاعت گزاریاں بہت کم ہوتی ہیں)۔"

اب سلیمان بن عامر کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا اور اپنی صفائی کی ضرورت محسوس کی۔ "میں نے کوئی گناہ نہیں کیا سلطانِ معظم! مجھے تو صرف اتنا علم ہے کہ خلیفہ معتضد کا حق و اختیار سلطنتِ عراق کی سرحد پر ختم ہو جاتا ہے مگر جب خلیفہ کے سواروں نے مصر کی حدود میں

داخل ہو کر ابنِ حرب کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو یہ نہ صرف طولونی حکومت میں ایک بے جا مداخلت تھی بلکہ اس سے بنی طولون کی خود مختاری پر ضرب پڑتی تھی۔ اس لیے میں نے طولونی حکومت کے حقوق و اختیارات کے تحفظ کی خاطر دربارِ بغداد میں یہ انتباہ بھیجنا ضروری سمجھا کہ آئندہ اس قسم کی مداخلت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔"

جواب اگرچہ معقول تھا مگر سلطانِ خمارویہ کا غصہ دوچند ہو گیا۔ "اس قسم کے انتباہ کا اختیار صرف ہمیں ہے کسی اور کو نہیں۔"

سلطان کا لہجہ بڑا سخت تھا۔ اس کے مقابلے میں سلیمان کی آواز بڑی نرم تھی۔ "حضور! آپ کی طرف سے پیغام رسانی کا فرض شہزادہ شیبان ادا کرتے ہیں اور دربارِ بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا اس کی اجازت شہزادہ عالی جاہ سے لے لی گئی تھی۔"

خمارویہ نے چونک کر حارث ابن ظفر کی طرف دیکھا۔ "مگر حارث کا خیال ہے پیغام رسانی کے لیے صرف شہزادہ شیبان کا نام استعمال کیا گیا ہے۔"

"اس معاملے میں خیال کا کیا تعلق، یہ تو ایک حقیقت ہے کہ شہزادہ شیبان نے پیغام کے الفاظ سن لیے تھے اور ان کی منظوری دے دی تھی۔ کیا حضور نے شہزادہ عالی سے نہیں پوچھا؟ وہ بتا سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟"

سلطان ایک لخت گرجا۔ "شہزادہ شیبان کو ہماری حاضری کا پیغام دیا جائے۔"

حارث نے فوراً اجازت طلب کی۔ "سلطانِ معظم! اگر حکم ہو تو خود جا کر شہزادہ عالی کو بلا لاؤں۔"

سلیمان سمجھ گیا کہ اس کے خلاف شکایت کرنے سے قبل شہزادہ شیبان سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ اس نے فوراً حجت نکالی۔ "میرے خیال میں اس وقت حارث کا یہاں موجود رہنا زیادہ ضروری ہے۔"

سلطان خمارویہ نے غلام کو آواز دی جو بند دروازے کے باہر مستعد کھڑا تھا اور حکم دیا، وہ شہزادہ شیبان کو حاضری کا پیغام پہنچائے۔ معاملے کی نئی صورت سلیمان بن عامر کے حق میں تھی اسے کسی قدر حوصلہ ہوا اور اب وہ اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق خمارویہ ابوجیش کو بتانے لگا۔

"سلطانِ معظم! بغداد میں پیغام شہزادہ عالی کے حکم سے بھیجا گیا تھا جس کی تصدیق یا تردید

www.urdukorner.com

5-527, Bhagna Gate
Cell: 0345-5048634 - 0345-5
Prop: Ali Khan

وہ خود آکر کر دیں گے لیکن جہاں تک عراقی سواروں کے سر بھیجنے کا تعلق ہے شاید یہ غلطی ابو نصر یاقوت سے سرزد ہوئی یا ممکن ہے ابن حرب نے اُسے بہکا دیا ہو۔ انتقام کے جوش میں آدمی کبھی کبھی ایسی غلطی کر جاتا ہے۔ یاقوت کو بغداد گئے کئی مہینے ہو گئے ہیں لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ میرا خیال ہے اُس نے اپنی غلطی کی سزا بھگت لی ہے اور وہ بغداد میں قتل کر دیا گیا ہے ورنہ ضرور واپس آتا۔ رہا ابن حرب کا معاملہ، جسے حضور بار بار میرا دوست قرار دیتے ہیں، تو کسی سے میری دوستی اپنی ذات کے لیے نہیں صرف طولونی مملکت کے لیے ہوتی ہے۔ ابن حرب کی طرف بھی میں نے دوستی کا ہاتھ شہزادہ شیبان کی خواہش کے مطابق بڑھایا تھا کیوں کہ جب وہ جنگ طواحین میں قیدی بنا کر مصر میں لایا گیا تو شہزادہ شیبان چاہتے تھے ابن حرب جیسا جنگ جو مرد بنی طولون کا دوست ہونا چاہیے۔ میں نے اُسے جنگی قید سے رہا کر کے اپنے اعتماد میں لے لیا۔ حال ہی میں جب وہ بغداد سے فرار ہو کر عریش آیا تو اس کے ساتھ ایک بار پھر مہربانی کا سلوک کیا اور بنی طولون کے لیے اُس کی دوستی حاصل کر لی۔ شہزادہ شیبان نے بھی نہ صرف اُسے مصر میں پناہ دی بلکہ اپنا دوست بنا لیا اور آپ سے اُس کی سفارش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

اگر میں نے مقتول خلیفہ معتمد کے قصاص کی خاطر عراق پر چڑھائی کرنے اور ابن حرب کے لیے جھنڈا باندھنے کا مشورہ دیا تو مقصد صرف یہ تھا کہ اُس کی عسکری صلاحیت کو بنی طولون کے لیے استعمال کیا جائے۔ وہ خلیفہ معتمد سے انتقام لینے کی خاطر دیوانہ ہو رہا تھا۔ ورنہ آپ کے لیے کوئی بڑا معرکہ انجام دیتا مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ آپ نے خلیفہ کی طرف "دوستی کا سفیر" بھیجا ہے تو وہ شکستہ خاطر ہو گیا اور معاہدۂ دوستی کے بعد تو مشق الخیل کی حویلی سے بھی غائب ہے ایک مرتبہ اُس نے کہا تھا "اگر مصر کی زمین بھی میرے لیے تنگ ہو گئی تو شاید میں قیروان چلا جاؤں۔" ممکن ہے نئے حالات سے پریشان ہو کر وہ مصر سے نکل گیا اور قیروان چلا گیا ہو۔ میرا اُس کے ساتھ دوستی کا رشتہ صرف اس قدر تھا کہ شہزادہ شیبان اُس سے دوستی چاہتے اور اُس کی جنگ جوئی کو پسند کرتے تھے لیکن وہ مصر سے نکل گیا تو میرے دل سے بھی نکل گیا۔"

سلطان خمارویہ اُس کی باتیں سُن کر دنگ رہ گیا۔ اُن باتوں میں بنی طولون سے گہری محبت اور وفاداری کا رنگ تھا اب وہ بتانے لگا "سلیمان! تم نے ابن حرب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ درست ہو گا لیکن ہم نے خلیفہ معتمد کے خون کا قصاص لینے کے لیے بغداد پر لشکر کشی اس لیے مناسب نہ سمجھی کہ معتمد کے قتل میں ابن حرب کا باپ بھی شریک تھا اور ہم قاتل کے

بیٹے کو معتمد کے قصاص کا پرچم نہیں دے سکتے تھے۔"

سلیمان بن عامر اس انکشاف پر چونک گیا کہ معتمد کے قتل میں حرب الکندی کے ملوث ہونے کی خبر اُس تک پہنچ چکی ہے اور اُسی خبر کی وجہ سے اُس نے ابن حرب کے بارے میں اُس کے مشورے پر عمل مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کھڑے غلام نے شہزادہ شیبان کے آنے کی اطلاع دی۔

شیبان کو علم نہیں تھا کہ اُسے کس معاملے میں طلب کیا گیا ہے۔ حارث نے خلیفہ معتضد کی شکایت سلطان خمارویہ کے گوش گزار نہ ہوئے از خود سوچ لیا تھا کہ اُس کا آقا شیبان خلیفہ سے دوستی کا خواہش مند تھا اور جب اُسے بغداد روانہ کیا گیا تو شیبان نے اپنی ذاتی دوستی کے لیے بھی بہ طورِ خاص تاکید کی تھی۔ لہٰذا ابو نصر یاقوت کے ذریعے جو پیغام دربارِ بغداد میں بھیجا گیا، وہ سرائے دار یا اُس کے دوست ابن حرب کی سازش کا نتیجہ تھا، جو بغداد کے خلاف فوج کشی کا نقشہ تیار کر رہے تھے اور اُس گستاخانہ پیغام میں شہزادہ شیبان کا نام از راہِ شرارت استعمال کیا گیا ہے۔

شیبان کو حارث پر بڑا اعتماد تھا اور کبھی کبھی حد سے بڑھا ہوا اعتماد بھی ان لوگوں کے لیے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے اور وہ اس کے بدلے میں اپنے ممدوح کے لیے اندھے یقین کا اظہار کرتے ہیں۔ حارث سے بھی یہی غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اُس نے بڑے وثوق سے سلطان کو بتایا تھا کہ دربارِ بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا اُس میں آقا شیبان کا نام غلط طور سے استعمال کیا گیا حالاں کہ اُنھیں ایسے پیغام کا علم ہی نہیں۔ شیبان کے داخل ہوتے ہی خمارویہ نے دریافت کیا۔

"کچھ عرصے پہلے دربارِ بغداد میں عریش سے ایک پیغام بھیجا گیا تھا۔ ہم نے اُسی پیغام کے سلسلے میں تمھیں طلب کیا ہے۔"

شیبان نے کسی تردد کے بغیر سلیمان بن عامر کے بیان کی تصدیق کی اور بتایا کہ سلیمان کو طولونی مملکت کے اندر عراقی سواروں کی مداخلت ناگوار گزری تھی اور اس نے توجہ دلائی تھی کہ پہلی مداخلت پر احتجاج نہ کیا گیا تو ایسی مداخلت ایک روایت بن جائے گی اور عراقی سوار آئے دن ہماری حدود میں دخل اندازی کریں گے جس سے طولونی حکومت کا وقار جاتا رہے گا [illegible] سلیمان [illegible] پیغام بھیجنے کی اجازت دے دی تھی اور وہ خود

www.urdukorner.com

بھی یہی چاہتا تھا کہ دربارِ بغداد کو تباہ کیا جائے۔"

اس کا بیان سُن کر حارث ابوظفر کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی، جس پر کھڑا تھا۔ سلطان خمارویہ نے بھی بھائی کو حیرت کی نظروں سے دیکھا اور وہ وضاحت کرنے لگا۔

"ابوجیش! چند ماہ قبل مصر و عراق کے درمیان حالات کی صورت بہت مختلف تھی۔ سُنا جا رہا تھا کہ معتضد ابوعباس اپنے داخلی معاملات درست کرنے کے بعد مصر و شام کا رُخ کریں گے۔ اور ہمارے خلاف ایک بار پھر تلوار اٹھائیں گے اس لیے عراقی سواروں نے ابن حرب کے تعاقب میں عریش تک جو دھاوا کیا، اُس پر احتجاج ضروری تھا لیکن بعد ازاں سلطانِ معظم کے ذاتی تدبر نے معاملے کی ایک نئی صورت نکالی اور بغداد کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہو گیا جس سے حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔"

سلطان خمارویہ نے بھائی کا بیان بڑی توجہ سے سُنا اور صرف اتنا کہا۔ "بے شک طولونی خلیفہ کے لندر عراقی سواروں کی مداخلت ہمیں بھی ناگوار تھی لیکن اس مداخلت پر دربارِ بغداد سے جو احتجاج کیا گیا اُس کی اطلاع تم نے ہمیں کیوں نہ دی؟"

"سلطانِ عالی اُن دنوں قیروان کے معاملے میں بہت پریشان تھے اس لیے میں نے یہ مناسب نہ سمجھا۔"

اس گفتگو کے ساتھ سلیمان بن عامر پر جس بے اعتمادی اور غصے کا اظہار کیا گیا تھا اس کی نوعیت بالکل بدل گئی بلکہ اُس نے ابن حرب سے متعلق دوستی کی جو باتیں کی تھیں، وہ بنی طولون سے اس کی گہری وابستگی ظاہر کرتی تھیں اور خمارویہ ابوجیش دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ سلیمان بن عامر جیسے وفادار پر خفگی اور برہمی ناواجب تھی بلکہ اب اُسے حارث پر غصہ آ رہا تھا جس نے معاملے کی نوعیت کو سمجھے بغیر اُس کے سامنے شکایات کا دفتر کھول دیا تھا۔ سرائے دار کو بھی موقع مل گیا کہ وہ بنی عباس کے ساتھ دوستی کے معاہدے پر کچھ کہہ سکے لیکن اس سے پہلے وہ بڑے ادب سے خمارویہ کے سامنے جھک گیا اور کہنے لگا۔

"سلطانِ معظم! مجھے بنی طولون کی خدمت کرتے ایک مدت گزر گئی۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور شاید آپ کی خدمت کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے آئندہ مصر کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

خمارویہ سمجھ گیا کہ بے اعتمادی کے اظہار سے وہ آزردہ ہو گیا ہے۔ "سلیمان! تمہارے

Cell: 0345 Program Manager

ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے ہم اُس کی تلافی کریں گے۔"

"جب کسی کی وفاداری ایک بار مشکوک ہو جائے تو وہ لائقِ اعتماد نہیں رہتا۔ میں صرف طولونی حکومت کی خدمت سے دست بردار نہیں ہوا بلکہ مصر سے بھی نکل جانا چاہتا ہوں۔"

پھر اُس نے اپنے الفاظ کو حالات کی منطق سے تولنا شروع کیا اور کہا۔ "سلطانِ معظم! مصر کے حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں۔ جو کل تھا وہ آج نہیں اور جو کچھ آج ہے، وہ کل نہیں ہو گا کیوں کہ جب تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بدلے ہوئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کسی بڑی تبدیلی سے پہلے مصر سے رخصت ہو جاؤں۔ مصر کی ایک تاریخ ختم ہو گئی اور ایک تاریخ شروع ہو رہی ہے۔ اُس نئی تاریخ کے ساتھ میں آپ کو ایک مشورہ دے کر چلا جاؤں گا اور یہی بنی طولون کے لیے میری آخری خدمت ہو گی کیوں کہ اس کے بعد میں مصر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دوں گا اور آپ کسی کی زبان سے میرا نام بھی نہیں سُنیں گے۔"

اُس کے الفاظ میں حسرت اور لہجے میں یاس تھی۔ سلطان خمارویہ اور شہزادہ شیبان یہ گفتگو سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ مصر و شام کی علاحدگی اور طولونی حکومت کے قیام میں اُس نے فی الواقع بڑی اہم خدمات سرانجام دی تھیں اور ایسے شخص کا محض ایک غلط فہمی یا بے اعتمادی سے شکستہ خاطر ہو کر مصر چھوڑ دینا بے حد افسوسناک تھا۔ خمارویہ نے ایک بار پھر اُس کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔

"سلیمان! جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ اور مصر کو چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دو۔ تمہارا مصر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا ہمارے لیے تکلیف دہ ہو گا۔ ایک چھوٹی سی بے اعتمادی کے بعد تم پر ہمارا اعتماد پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ آج سے تم صرف عریش کے سرائے دار نہیں بلکہ ہم تمہیں عریش کا حاکم مقرر کرتے اور یہ اختیار بھی دیتے ہیں کہ اگر کسی مجرم کی سفارش کرو گے تو تمہاری سفارش پر اُسے رہا کر دیا جائے گا۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر ہمارے اعتماد کا ثبوت اور کیا چاہتے ہو؟"

سلیمان بن عامر نہ تو مصر چھوڑنا چاہتا تھا، نہ طولونی حکومت سے اپنا رابطہ توڑ لینا مناسب سمجھتا تھا۔ اُس نے بڑی ہوشیاری اور عیاری کے ساتھ طولونی حکومت کی خدمت سے دست بردار ہونے اور مصر کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینے کا جو ناٹک رچایا اُس کا ایک مقصد

www.urdukorner.com

تھا اور مقصد یہ تھا کہ اُس کی ذات پر پہلے سے زیادہ اعتماد کیا جائے اور اُسے مصر کو چھوڑ دینے کے ارادے سے باز رکھا جائے تاکہ آئندہ کے لیے اُس کی شخصیت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ عیاری کی اس بساط پر خمارویہ سلیمان کی مرضی کے مطابق بازی بدل رہا تھا۔ اپنا مقصد حاصل ہوتا دیکھ کر اُس نے بھی اپنی چال تبدیل کر دی اور بڑی مکاری سے جس سے خیر اندیشی کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگا۔

"سلطانِ معظم! اگر آپ اصرار کرتے ہیں کہ میں مصر چھوڑ کر نہ جاؤں تو میرا اپنا جسم اس دھرتی سے جُدا ہونا پسند نہیں کرتا اور میں چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد بھی اسی خاک میں دفن کیا جاؤں اس لیے مصر کو خیرباد کہنے کا ارادہ ترک کرتا ہوں لیکن میں عریش کی حکومت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مجھے اس خدمت سے معذور سمجھیں۔"

خمارویہ اُس کی دل جوئی اور اعتماد کی بحالی چاہتا تھا۔ خوش ہو کر بولا "پھر آئندہ عریش کے حاکم کا تقرر تمھاری مرضی سے ہوگا۔"

سرائے دار نے اپنی رضامندی کا اظہار سر جھکا کر کیا۔ اس طرح اُس نے وہ بازی جیت لی جو حارث ابوظفر کی ایک معمولی غلطی سے اُس کے حق میں سیدھی ہو گئی تھی۔ اب سلطان خمارویہ دو تین قدم آگے بڑھ کر قریب آگیا اور بالکل رُو در رُو ہو کر کہنے لگا۔

"سلیمان! ہمیں خوشی ہے کہ تم نے ہماری بات مان لی۔ تم عقل مند ہو اور صائب الرائے بھی۔ ہم نے تمھارے مشورے سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے بھی تم ہمیں کوئی اہم مشورہ دینا چاہتے تھے۔ ہم تمھارا مشورہ سننے کے لیے بے چین ہیں۔"

اب ہوشیار سلیمان نے گریز کا پہلو اختیار کیا۔ "سلطانِ معظم! وہ مشورہ میں اپنی آخری خدمت کے طور پر دینا چاہتا تھا۔"

"تم نے حالات کی تبدیلی اور مصر کی نئی تاریخ کا ذکر کیا تھا۔ مصر کی نئی تاریخ سے ہمیں دل چسپی ہے۔"

"ممکن ہے، میری رائے آپ کو ناگوار گزرے۔"

"اس کے باوجود اگر اُس میں ہماری بھلائی کی کوئی بات مضمر ہوگی تو اُسے ضرور قبول کریں گے۔"

"سلطانِ معظم!" سرائے دار نے اپنا لہجہ بڑا نرم اور شائستہ کر لیا۔ "جب حکمران ملکی امور

کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ملک کے دانش وروں سے رائے لیتے ہیں۔ آپ نے بغداد کے ساتھ دوستی کر لی لیکن اس کے لیے دانش وروں سے مشورہ نہیں لیا۔"

خمارویہ نے برجستہ جواب دیا۔ "تم جانتے ہو یہ دوستی ہماری ضرورت تھی۔"

سلیمان بن عامر نے بات کو ایک نیا رُخ دیا۔ "مجھے بھی بنی طولون کی اس ضرورت سے انکار نہیں لیکن دوستی کے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے قبل ضروری تھا کہ اہلِ نجوم کا مشورہ لیا جاتا اور اس کے اچھے بُرے اثرات پر توجہ دی جاتی۔ آپ تو فلکیات پر اعتماد رکھتے اور بڑے حکمرانوں کی طرح علمِ نجوم سے اشارہ لینا ضروری سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے اتنے اہم معاملے پر آپ نے آسمان سے رہنمائی حاصل نہیں کی۔"

اس بات نے دونوں بھائیوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ سلطان خمارویہ کی نجوم سے دل چسپی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ وہ اکثر معاملات میں منجموں سے رائے لیتا اور زائچے نکلواتا تھا مگر بغداد سے دوستی کے ضمن میں اُس نے نہ کوئی زائچہ نکلوایا، نہ اس کے سعد اور نحس اثرات کا جائزہ لیا تھا۔ سلیمان بن عامر کی بات نے دل میں ایک انجانا ہول پیدا کر دیا اور پریشانی کے لہجے میں بولا۔

"بے شک ہم سے یہ بھول ہو گئی کہ بغداد کے معاملے میں کسی منجم سے رائے نہیں لی، مگر ہمارا خیال ہے، دو مسلمان حکومتوں کے درمیان دوستی کا معاہدہ نیک اور سعد ہی ہو سکتا ہے۔"

"پھر بھی آپ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ صرف آسمان میں جھانکنے اور مستقبل کے حالات کا جائزہ لینے والے منجم ہی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔"

خمارویہ نے بتایا۔ "شاہی منجم کی رحلت کے بعد ہم ستاروں کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں اور فسطاط کے بازاروں میں بیٹھنے والے نجومیوں پر ہمیں بھروسا نہیں۔ اُن کا علم بالکل سطحی ہوتا ہے اگر تمھاری دانست میں کوئی ایسا منجم ہو جو مستقبل کے حالات کی صحیح خبر دے سکے تو ہم اُس سے مشورہ لینے کے لیے تیار ہیں۔"

اس موقع پر شہزادہ شیبان نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا کہ چند ماہ قبل جب وہ طولونی شہزادیوں کے ہمراہ القدس کی زیارت کرنے گیا تو اُس نے وہاں جعفر نجومی کا نام سُنا تھا جو بغداد کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا تھا کیوں کہ خلیفہ معتضد نے اہلِ نجوم کو پیش گوئیاں کرنے اور لوگوں کی قسمت کا حال بتانے سے حکماً روک دیا تھا۔ بغداد کے اکثر اہلِ نجوم دوسرے علاقوں کی طرف

www.urdukorner.com

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 0345-5048559
Prop: Ali Khan

(۳۴)

پھر جعفر نجومی

○

یہ ستاروں کی چال تھی یا کاتبِ تقدیر کا لکھا تھا کہ جعفر نجومی بغداد سے نکلا تو کسی جگہ دم نہ جم سکے۔ اُس نے کوفہ، بصرہ یا خراسان جانے کی بجائے جدھر اکثر اہلِ نجوم گئے تھے، چپ چاپ شام کا رُخ کیا اور حلب میں ڈیرا جمایا۔ حلب میں دل نہ لگا تو دمشق پہنچ گیا۔ عباسیہ کے دور میں دمشق دارالخلافت اور اسلامی دنیا کا مرکز تھا لیکن دارالخلافت کی تبدیلی سے اس شہر میں بھی پہلی سی بھڑک چمک نہیں تھی۔ جعفر نجومی نے ایک صبح اپنے گدھے پر پالان باندھا، سامان لادا اور دمشق سے القدس کی راہ لی۔

اُس کا خیال تھا خلیفہ معتضد نے اہلِ نجوم پر پابندیاں لگا کر اور انھیں پیش گوئیاں کرنے سے روک کر صرف بغداد ہی کی نہیں بلکہ "پوری دنیا" کی زمین اُس کے پاؤں تلے سے کھینچ لی ہے۔ وہ بغداد کو "پوری دنیا" سمجھتا تھا۔ عباسیہ کے بغداد کی خوبی اور خوب صورتی کے سامنے دنیا ہیچ تھی اور مشرق و مغرب کا کوئی شہر اُس کا مقابلہ نہ کرتا تھا۔ جعفر نجومی کو بغداد سے والہانہ محبت تھی جس کی شان و شوکت، دھوم دھام، علم و فن کی لگن، رقص و غنا کی دلچسپی، بازاروں کی رونق، مختلف رنگ و نسل کے باشندوں کی آمد و رفت، دجلہ کی رومان آفریں دل کشی، نخلستانوں کی آب و ہوا، حتیٰ کہ خاکِ بغداد کی مہک تک اُس کے خون میں رچی بسی تھی اور وہ اس مرزبوم کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جب وہ بغداد سے رخصت ہوا، تو [illegible] دنیا سے عزیز تھا اسی لیے اب اُسے کہیں

چلے گئے ہیں۔ جعفر نجومی بھی، حلب اور دمشق سے ہوتا ابھی دونوں القدس پہنچا تھا۔"

سلیمان بن عامر یہ سُن کر مارے حیرت کے اُچھل سا گیا۔ "کیا جعفر نجومی واقعی القدس میں ہے؟"

"کسی شخص نے مجھے یہی بتایا تھا کہ بغداد سے آنے والے نجومی کا نام جعفر ہے اُس نے باب دمشق کے قریب ایک حجرہ کرائے پر لے رکھا ہے مگر وہ القدس سے کسی دوسرے شہر میں منتقل ہو جانا چاہتا ہے جہاں لوگ اہلِ نجوم کی قدر کرنا جانتے ہوں۔ القدس کے باشندے نجوم سے دلچسپی نہیں رکھتے، معلوم نہیں، وہ ابھی تک القدس میں ہے یا وہاں سے بھی کسی دوسرے شہر کی جانب چلا گیا ہے۔"

اب سرائے دار خمارویہ سے مخاطب ہوا۔ "سلطانِ معظم! اگر آپ جعفر نجومی کو القدس میں بُلا کر اس کی دل جوئی کریں اور مصر کے مستقبل میں جھانکنے کے لیے کہیں تو شاید وہ آپ کو بتا سکے گا کہ آئندہ حالات کی صورت کیا ہوگی اور مستقبل نے بنی طولون کے لیے اپنے پردوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ جعفر نجومی ماہرِ فلکیات ہے اور اس کی اکثر پیش گوئیاں پوری ہوتی ہیں۔"

"اگر جعفر فلکیات کا ایسا ہی ماہر ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو تو ہم یہ فرض شہزادہ خمارویہ کو سونپتے ہیں کہ اُسے القدس سے بلائے اور ہمارے حضور پیش کرے۔ ہم اس کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے بلکہ اُسے "شاہی منجم" کی حیثیت سے سرفراز کریں گے۔"

اس کے بعد سلطان، حارث کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمھیں سیاسی امور میں ابھی تجربے کی ضرورت ہے مگر ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ ہمیں کسی شکایت کا موقع نہ دو گے۔"

پھر اُس نے سلیمان بن عامر کو عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 · 0345-5048559
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

بھی قرار نہ مل رہا تھا۔

القدس بے شک ایک قدیم تاریخی شہر تھا جو یہود و نصاریٰ کے دور میں یروشلم کے نام سے مشہور ہوا اور فاتحین کا کھلونا بنا رہا پھر اسلامی عہد میں بیت المقدس یا القدس کی حیثیت سے یاد کیا گیا کہ ارضِ مقدس کا صدر مقام تھا لیکن نہ تو وہاں بغداد جیسے مسقف بازار تھے نہ بازاروں میں داستان سراؤں کی حکایتیں اور اہلِ نجوم کی محفلیں اور رونقیں تھیں۔ ویسے بھی لوگوں کو نہ علم نجوم سے دلچسپی تھی نہ وہ ماہرینِ فلکیات کی قدر جانتے تھے وہاں تو بس صرف نحو تفسیر، حدیث اور تصوف کے چرچے تھے۔ جعفر نجومی القدس میں بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا رہا۔ اُسے کسی ایسے شہر کی تلاش تھی جس میں بغداد جیسی چہل پہل ہو۔ کسی نے فسطاط کی رونق و دل کشی کا ذکر کیا۔ اُس کے بھرے پُرے بازاروں، پانچ پانچ، چھ چھ منزلہ عمارتوں اور مغرب میں دریائے نیل کی رونقوں کی تصویر کھینچی اور بتایا کہ دنیا میں اگر کوئی شہر بغداد کا ثانی ہو سکتا ہے تو یہ شرف صرف فسطاط کو حاصل ہے جسے افریقہ کے لوگ "دوسرا بغداد" کہتے ہیں پھر مصر علم نجوم میں بھی تاریخی شہرت رکھتا ہے اور اس کے ماہرین نجوم نہ صرف دنیا کے نامور لوگ مانے گئے بلکہ مصر کے باشندے بھی نجوم سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں اور فسطاط کے بازاروں میں نجومیوں کے گرد اگرد لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

جعفر نے فسطاط کی تعریف سُنی تو ایک روز القدس کو خیرباد کہا، گدھے پر سوار ہوا اور مصر جانے والے ایک شامی قافلے کے ساتھ ہو لیا۔ فسطاط میں جو تجارتی قافلے آتے تھے۔ اُن کا پورے شہر میں چرچا ہوتا تھا بلکہ تاجر، آڑھتیے اور بڑے بڑے دکان دار تجارتی قافلوں کے انتظار میں رہتے تھے مگر شامی قافلے کے ساتھ جعفر نجومی اور اُس کے بغدادی گدھے کا بھی چرچا ہوا۔

اثنائے سفر میں جعفر سردارِ قافلہ سے نجوم کی ڈھینگیں مارتا آیا تھا اور اُس نے پیش گوئی کر دی تھی کہ اُس کا سامان تجارت ہاتھوں ہاتھ بک جائے گا اور اس سفر میں اُسے اتنا نفع ہو گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہوا بھی یہی۔ ادھر قافلہ فسطاط پہنچا، اُدھر مصری تاجروں اور آڑھتیوں نے سردارِ قافلہ کو گھیر لیا۔ اتفاق سے سردار جو سامان تجارت لے کر آیا، اُس کی مصر میں بڑی قلت تھی۔ سامان کی قیمت توقع سے بہت زیادہ ملی اور آناً فاناً فروخت بھی ہو گیا۔ جس پر سردارِ قافلہ نے خوش ہو کر جعفر نجومی کو ایک سو دینار [illegible]

کی تصدیق کی اور منڈی کے ایک تاجر سے کہہ کر اُسے بازار میں ایک کمرہ بھی کرائے پر لے دیا، جس کی پچھلی جانب ایک چھوٹا سا صحن بھی تھا۔

جعفر نجومی نے گدھا صحن میں باندھا۔ دروازے پر اپنے نام کی تختی لگا دی۔ نجوم کے بھدے کارڈ دیے۔ زائچوں کی نوعیں آویزاں کر دیں اور آسمانی برجوں کے باتصویر نقشوں سے کمرے کو سجا دیا۔ بازار کے تاجر، منڈی کے آڑھتیے اور وہ دکان دار جنھوں نے قافلے کے بارے میں پیش گوئی سنی تھی اُس سے جان پہچان پیدا کرنے لگے کہ اپنے کاروبار کے متعلق اُس کے علم نجوم سے فائدہ اٹھائیں۔ اس طرح فسطاط میں آتے ہی جعفر نجومی کے نام کا چرچا ہو گیا۔

اتفاق سے یا تقدیر سے شامی قافلہ اُسی روز فسطاط پہنچا تھا جس روز القطائع میں سلطان خمارویہ ابن احمد نے جعفر نجومی کو القدس سے بلانے کا فرمان شہزادہ شیبان کے سپرد کیا اس نے شاہی ہرکاروں کو القدس کی جانب سفر کرنے کی ہدایات جاری کر دی تھیں مگر دوسرے ہی دن شامی قافلے کے ساتھ جعفر نجومی کے فسطاط پہنچنے کی خبر سُنی تو شاہی ہرکاروں کا افسر اپنے نائب کے ہمراہ منڈی کی طرف بھاگا اور قافلے کے سردار سے ملا اس سے پوچھ گچھ کی کہ جعفر نجومی وہی ہے جو بغداد کو چھوڑ آیا ہے یا کوئی اور؟ پھر اُس کے کمرے کا پتا پوچھا۔ بازار میں جا کر دروازے پر جعفر نجومی کے نام کی لوح دیکھی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

بوڑھے جعفر نے دروازے کا ایک پٹ کھول کر اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکا تو شاہی ہرکاروں کے افسر اور نائب کو دیکھ کر، جو اپنے مخصوص لباس سے پہچانے جاتے تھے ہوش اُڑ گئے کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ بادلِ نخواستہ اُنھیں اندر آنے کی اجازت دی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

افسر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی جعفر کے گھٹنے پکڑ لیے اور فسطاط میں اُس کی اچانک آمد کو خوش نصیبی قرار دینے لگا۔ "جناب! اسے کہتے ہیں تقدیر کا کرشمہ، ادھر میں آپ کو لینے کے لیے القدس جانے والا تھا۔ اُدھر آپ ستاروں کی مہربانی سے خود فسطاط پہنچ گئے۔ اچھا ہوا کہ میں فلسطین کی جانب روانہ نہیں ہوا ورنہ آپ مجھے القدس میں نہ ملتے اور اتنا طویل سفر کر کے بھی مجھے ناکام لوٹنا پڑتا۔"

جعفر اُس کی بات سن کر چونک گیا۔ "تم مجھے لینے القدس جا رہے تھے؟"

"جی ہاں۔ سُنا ہے آپ وہاں سالہا دمشق میں رہتے تھے۔"

www.urdukorner.com

جعفر کو حیرت ہوئی کہ وہ القدس میں اُس کا ٹھکانا بھی جانتا تھا۔ "مگر تم مجھے لینے کہاں جا رہے تھے؟"

"اس کا جواب شہزادہ شیبان ہی دے سکتے ہیں جنھوں نے حکم دیا تھا کہ میں فوراً القدس جاؤں اور آپ کو لے آؤں۔"

معاملے کی صورت کچھ خطرناک معلوم ہوئی تو جعفر نے گھبرا کر پوچھا۔ "شہزادہ شیبان نے مجھ غریب الوطن کو کیوں طلب کیا ہے؟"

"آپ کو دراصل سلطانِ معظم نے طلب کیا اور حکم دیا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو آپ کو اُن کے حضور پیش کیا جائے۔"

اب جعفر کو مزید فکر لاحق ہوئی کہ بات شاہی ہرکاروں کے افسر سے شہزادہ شیبان اور شہزادہ شیبان سے سلطانِ معظم تک جا پہنچی ہے اور خطرہ بتدریج بڑھتا جا رہا ہے۔ فسطاط کی طرف روانگی سے قبل اپنے سفر کا کوئی نتیجہ نکال سکا، نہ از روئے نجوم یہ معلوم کر سکا تھا کہ مصر میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بس "بغدادِ ثانی" کے شوق میں قافلے کے ساتھ ہو لیا تھا۔ یہاں پہلے سے تقدیر نے ایک بساط بچھا رکھی تھی اور اُس بساط میں سلطانِ مصر و شام خادم ابو جیش کھڑا تھا۔ جعفر کو اُس کے بلاوے سے خطرے کا احساس ہوا اور چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مصر میں اُسے بغداد سے بھی بدتر سانحہ پیش آنے والا ہے۔ اب الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔

"سلطانِ معظم..... نے طلب کیا ہے..... مگر کیوں؟"

"جناب! آپ نجومی ہیں اور یہ بھی جانتے ہوں گے، بادشاہ اہلِ نجوم کو کیوں طلب کرتے ہیں۔"

جعفر کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا جس پر افسر نے بڑے حوصلہ افزا اور شگفتہ لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے سلطانِ معظم کو کوئی پریشانی لاحق ہے جس کے لیے وہ آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔"

لیکن سوال یہ تھا، کیا مشورے کے لیے غریب جعفر نجومی ہی رہ گیا ہے، جب کہ مصر میں بڑے بڑے دانش ور اور اہلِ نجوم موجود تھے۔ اُس کے چہرے پر فکر و تردد کے سائے دیکھ کر افسر نے پھر تسلی دی۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں جناب! اگر آپ نے سلطان کی پریشانی کا حل تلاش کر لیا تو انعام و اکرام پائیں گے اور آپ کے طفیل ہمیں بھی کچھ مل جائے گا۔ بس

ہمارے ساتھ چلیے۔"

سلطان کے حضور فوری حاضری کے خیال سے جسم پر لرزش خفی سی طاری ہو گئی گھبرا کے بولا۔ "آج کا دن ملاقات کے لیے نحس ہے۔ سلطانِ معظم سے ملاقات کل مناسب رہے گی۔"

"مگر ہمارے لیے تو آج کا دن بڑا مبارک اور سعد ہے۔ ہم فلسطین کا سفر کرنے والے تھے لیکن ہمیں فسطاط میں آپ کے آنے کی خبر مل گئی، پھر آپ مل بھی گئے۔ اس لیے آج ہی آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"بھائی! آج کا دن تمھارے لیے مبارک ہو سکتا ہے میرے لیے نہیں۔ پھر میں سفر کا تھکا ماندہ ہوں۔ مجھے ایک دن آرام کر لینے دو۔ کل سلطانِ معظم کی خدمت میں خود تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

افسر نے حجت نکالی۔ "میں کل کا انتظار نہیں کرتا۔ "کل" کا لفظ صرف ٹالنے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا معلوم کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ کہیں اُڑنچھو ہو جائیں، پھر میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔"

جعفر اس کی بات سُن کر دنگ رہ گیا بلکہ دل میں خطرے نے انگڑائی لی کہ آج ہی سلطان کے حضور پیش کرنے پر بضد ہے تو ضرور کسی انجانی مصیبت سے دوچار ہونے والا ہے۔ سوچ رہا تھا کہ اُسے کس طرح ٹالے اور سر پر ناگہاں جو اُفتاد آ پڑی ہے اُس کے لیے کیسے مہلت حاصل کرے کہ مصری افسر تحکم کے لہجے میں کہنے لگا۔ "بس جناب، اب دیر نہ کیجیے شہزادہ عالی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے اور آپ جانتے ہوں گے شہزادوں کا انتظار کبھی کبھی زحمت کا باعث بن جایا کرتا ہے۔ ہم جس قدر جلد اُن کے حضور پہنچ جائیں گے اتنا ہی آپ کے حق میں مفید ہو گا۔"

وہ سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلتی نظر نہیں آتی اور تکرار بے کار ہے۔ اگر اُنھوں نے کسی اُلٹے سیدھے الزام میں گرفتار کر لیا تو پولیس میں گرفتاری کے ساتھ رسوائی بھی ہو گی۔ حق بہ تقدیر اُٹھ کر دستار سنبھالی۔ اپنا مخصوص جُبہ پہنا اور ساتھ ہو لیا۔

★

فسطاط سے القطائع میں پہنچا اور قصرِ شیبان میں حاضری کی اجازت ملی تو ماحول بڑا

www.urdukorner.com

صاف اور نقد بیر کا پانسا بالکل سیدھا تھا۔ شہزادہ شیبان اُسے دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا "جعفر! معلوم ہوتا ہے تمہارا ستارا مصر کے آسمان پر چمکنے والا ہے کیوں کہ پُراسرار قدرت تمہیں خود یہاں لے آئی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کل سلطانِ معظم کے حضور تمہارا ذکر ہوا تھا۔ انہوں نے ملاقات کی خواہش کی اور آج تم انطاکیہ میں موجود ہو حالاں کہ تمہارا قیام القدس میں تھا اور القدس اور انطاکیہ کے درمیان سیکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔"

شہزادہ شیبان کا لہجہ خوش گوار اور اندازِ بیان حوصلہ افزا تھا جعفر کو تسلی ہوئی کہ اُس کے ستارے کو مصر کے آسمان سے نسبت دے رہا تھا تو معاملہ ضرور خوش اقبالی سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا خبر مصر میں اُس کی قسمت کا ستارا چمک اٹھے پھر بھی تجسس کے لہجے میں بولا "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ سلطانِ ذی شان خادم سے ملنا چاہتے ہیں مگر اس لطف و عنایت کا کوئی سبب ہوگا۔ دنیا میں اسباب ہے اور یہاں ایک سبب دوسرے سبب کا ذریعہ بنتا ہے۔"

"سلطانِ معظم کو ایک اہم مسئلہ درپیش ہے اور اس کے متعلق ستاروں سے رہنمائی چاہتے ہیں تم ماہرِ فلکیات ہو اور اپنے علم سے اُن کی پریشانی دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔"

جعفر کو مزید حوصلہ ہوا کہ بات نجوم و فلکیات سے تعلق رکھتی ہے۔ "کیا میں معلوم کر سکتا ہوں وہ کس مسئلے میں رہنمائی چاہتے ہیں؟"

"مسئلہ بھی وہی بتائیں گے اور سوال بھی وہی کریں گے البتہ میں یہ یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ اگر تم نے سلطان معظم کی مشکل حل کر دی تو دنیا کے خوش نصیب آدمی سمجھے جاؤ گے۔"

"کیا سلطان معظم علمِ نجوم پر یقین رکھتے ہیں؟"

"وہ علم الافلاک پر یقین ہی نہیں رکھتے بلکہ ماہرین نجوم کے قدر دان بھی ہیں۔"

اب تو جعفر یہی سمجھا کہ خوش نصیبی خود اُسے مصر کھینچ لائی ہے ہر آدمی کی قسمت کا ستارا اُس کے آگے آگے سفر کرتا ہے اور اُس کے بخت کا ستارہ بھی اُس سے پہلے مصر پہنچ چکا ہے "تو عالی جاہ کی خدمت میں حاضری کب ہوگی؟"

"آج ہی بلکہ اسی وقت۔"

یہ کہہ کر شہزادہ شیبان نے اپنے غلام کو طلب کیا اور حکم دیا "اسی وقت شاہی محل میں جاؤ اور سلطانِ معظم سے عرض کرو کہ جعفر نجومی اتفاق سے یہاں پہنچ گیا ہے اور حاضری کا طلب گار ہے۔"

اُس تیسرے پہر جعفر نجومی شہزادہ شیبان کے ہمراہ انطاکیہ کے شاہی محلات میں اس طرح داخل ہو رہا تھا جیسے اگر وہ کسی ریاست کا نہیں تو ملکِ علم کا تاجدار ہو۔ اُسے شاہی محلات میں بڑی عزت و تکریم سے لایا گیا۔ جب وہ ایوانِ تصویر میں سلطان ابوجیش خمارویہ کے حضور پیش کیا گیا تو اُس نے بوڑھے ستارہ شناس کا بڑی خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور کہا "جعفر! ہم نے سنا ہے خلیفہ معتضد نے اہلِ نجوم پر پابندیاں عائد کیں اور انہیں پیش گوئیاں کرنے سے حکماً روک دیا تو تم بغداد کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئے، لیکن ہم مصر میں تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

ان خیر مقدمی کلمات کو سن کر جعفر نجومی کی روح فلک افلاک (نویں آسمان) پر پہنچ گئی اور اس نے ایک ماہر فلکیات کی طرح بڑے موزوں الفاظ میں شکریہ ادا کیا "سلطانِ ذی شان! اہلِ علم کی قدر کرنے والے حکمران نہ صرف زمین پر سرفراز ہوتے بلکہ آسمانوں پر بھی اُن کے اسمائے گرامی ثوابت و سیارگان کی مثل ہمیشہ درخشاں رہتے ہیں۔"

پھر اچانک انکسار کے لہجے میں بولا "میں تو سرِ راہ بیٹھنے والا ایک معمولی نجومی ہوں اور ماہرِ افلاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیوں کہ علمِ فلکیات میں مہارت کے لیے عمرِ نوح چاہیے پھر بھی حضور نے خادم کی جو عزت افزائی فرمائی ہے، اس کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔"

"ہم تمہارے علم کے بارے میں عریش کے سرائے دار سلیمان بن عامر سے جو معلومات حاصل کر چکے، وہ بہت کافی ہیں۔" سلطان نے مزید حوصلہ افزائی کی "تمہیں طلب کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ تم جیسے اہلِ علم دنیا میں بھٹکنے کے لیے پیدا نہیں ہوتے بلکہ بادشاہوں پر اُن کی سرپرستی واجب ہے۔"

یہ الفاظ جعفر کی سماعت سے گھنٹیوں کی مترنم آواز بن کر ٹکرائے اور بڑے پُرجوش الفاظ میں کہنے لگا "السلطان ظل اللہ و وسیلۃ العلم" (بادشاہ خدا کا سایہ اور ترقیٔ علم کا وسیلہ ہوتا ہے)

"ہم نے سنا ہے تم ایک فلکیاتی رصدگاہ قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔ ہمارے نزدیک اس مقصد کے لیے مصر کی زمین دنیا بھر میں سب سے زیادہ موزوں ہے کیوں کہ ماضی بعید میں بھی علمِ نجوم کا مرکز و منبع مصر ہی تھا۔ تم یہاں جس شہر اور جس جگہ رصدگاہ قائم کرنا چاہو ہمیں مطلع کر دو۔ اُس کی تعمیر کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ وہ رصدگاہ تمہارے ہی نام سے تعمیر کی جائے گی اور نتائج تمہاری تحویل میں رہے گی۔"

www.urdukorner.com

جعفر نجومی کے بدن میں حیرت کی سنسنی دوڑ گئی کہ سلطان مصر اُس کی سرپرستی پر آمادہ اور اُس کی وہ خواہشیں بھی پوری کرنے کی حامی بھر رہا ہے جن کا اُس نے صرف خواب دیکھا تھا۔ بارِ عنایت سے کمر تک جھک گیا۔ "سلطانِ عالی! حضور نے علم نجوم کے بارے میں جس دل چسپی کا ذکر فرمایا ہے اُس سے دنیا میں آپ کا نام روشن ہوگا اور میں کوشش کروں گا کہ ماضی کی طرح مصر کو اس علم میں ایک بار پھر فضیلت حاصل ہو۔"

"ہم بھی فلکیات میں مصر کو ساری دنیا سے سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ان الطاف و عنایات کے اظہار پر اب جعفر نجومی کو بھی اپنی علمی حیثیت کا احساس ہوا اور تعلّی سے بولا۔ "سلطانِ معظم! آپ سرپرستی فرمائیں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ مصر کا مدرسۂ نجوم ساری دنیا میں شہرت پائے گا اور اہلِ نجوم تحصیلِ علم کے لیے مصر میں کھنچے آئیں گے۔"

سلطان خماردیہ نے اُس کے الفاظ سے دلی راحت محسوس کی۔ اب وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔ "جعفر! تمھیں ایک اور کام بھی کرنا ہے اور کام یہ کرنا ہے کہ ہماری خاطر آسمانوں کے اسرار میں جھانکنا اور یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے خلیفہ معتضد ابوعباس کے ساتھ دوستی کا جو معاہدہ کیا اور قرابت داری کا جو پیوند باندھا ہے، اُس کا مصر کے حالات پر کیا اثر پڑے گا۔ تمھیں اپنے علمِ نجوم سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ بنی طولون کی موروثی سلطنت کے متعلق ستارے کیا کہتے ہیں اور ہماری سلطنت کا مستقبل کیا ہوگا؟"

جعفر نجومی بڑی توجہ سے سلطان کی باتیں سنتا رہا اور وہ ایک پل خاموش رہ کر پھر کہنے لگا "تمھاری معلومات کے لیے ہم یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین احمد ابوعباس معتضد باللہ نے تین لاکھ دینار سالانہ خراج کے عوض مصر و شام کو تیس برس کے لیے بنی طولون کی موروثی سلطنت تسلیم کر لیا اور ہماری بیٹی اسماء قطرالندیٰ سے زوجیت کو اس معاہدے کی شرط ٹھہرایا ہے۔ ہم قطرالندیٰ کو آئندہ سال بغداد بھیجنے اور خلیفہ معتضد کے حرم میں داخل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تعلیم نکاح کی رسم ادا کر دی گئی ہے۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ بنی عباس سے ہماری دوستی عالمِ اسلام کے لیے مبارک ہو اور ہماری بیٹی فریقین میں دوستی کی تقویت کا ذریعہ بنے۔ غالباً تم ہمارا مطلب سمجھ رہے ہو۔ چند سال قبل ہمارے والد سلطان احمد بن طولون جنت مکانی نے طولونی ریاست کا جو خواب دیکھا تھا ہم نے بغداد سے صلح کر کے اس خواب کو ایک تعبیر بخش دی ہے۔ اب ہم طولونی مملکت کا استحکام اور عروج چاہتے ہیں اور تم ہمیں بتاؤ گے کہ ستارے اس مملکت کے متعلق

کیا کہتے ہیں۔ آسمانوں کی کتابِ اسرار میں ہمارے اور ہماری موروثی ریاست کے بارے میں کیا کچھ معرضِ تحریر میں آچکا ہے اور ابھی کیا کچھ معرضِ تحریر میں آنے والا ہے۔ بس یہ ہے ہماری پریشانی یا مشکل جس کے لیے ہم نجوم کی رہنمائی چاہتے اور توقع رکھتے ہیں کہ تم ہمارے لیے آسمانوں میں جھانکو گے، ثوابت و سیارگان سے رہنمائی حاصل کرو گے۔ ہمیں ہماری موروثی سلطنت کے آنے والے ماہ و سال کی خبر دو گے اور بتاؤ گے کہ ہم نے دولتِ عباسیہ کے ساتھ دوستی کا جو معاہدہ کیا ہے وہ بنی طولون اور ہمارے جانشینوں کے حق میں کیسا ہوگا؟"

ان الفاظ پر خماردیہ ابوجیش نے اپنی تقریر ختم کی اور جعفر نجومی بڑی نیازمندی سے بولا۔ "سلطانِ معظم! میں نے حضور کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور مجھے نجوم میں جو تھوڑی بہت دسترس حاصل ہے، اُس کے مطابق آپ کے سوال کا جواب تلاش کروں گا۔ اُمید ہے، جب میں پوری توجہ اور محویت سے آسمانوں میں جھانکوں گا تو ستارے اور آسمانی بروج میری رہنمائی کریں گے مگر میں تین روز سے قبل آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ تین راتیں مسلسل افلاک میں جھانکنے، ستاروں کی گردش و رفتار کا مطالعہ کرنے اور تین یوم متواتر زائچے نکالنے اور انھیں اچھی طرح پڑھنے کے بعد، کیوں کہ آسمانی اسرار بڑے دقیق اور پُرمعانی ہوتے ہیں، میں کسی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا پھر کہیں جا کر آپ کے سوال کا جواب دے سکوں گا۔ اس لیے ہماری آئندہ ملاقات آج سے چار یوم کے بعد ہوگی اور میں شہزادۂ عالی کے ذریعے حضور کو مطلع کر دوں گا۔"

سلطان خماردیہ نے جعفر کی گفتگو پر اطمینان کا اظہار کیا کہ وہ تین راتیں اور تین دن مسلسل علمی تحقیق میں مصروف رہے گا اور چوتھے روز اُس کے سوال کا جواب دے گا، کہنے لگا۔ "ہمیں اطلاع بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ چوتھے روز یا وہ یوم السبت (ہفتہ) ہوگا۔ ہم اسی وقت تمھارے منتظر ہوں گے۔"

سلطان نے عزت افزائی کی خاطر اُسے خلعتِ فاخرہ کے ساتھ ایک ہزار سُرخ دینار دے کر رخصت کیا اور جعفر نجومی نے سمجھ لیا کہ مصر میں اُس کی قسمت کا دروازہ کھل گیا ہے لیکن تقدیر کا محرر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ جب وہ شاہی محل سے نکلا تو شاہی ہرکاروں کا افسر اور اُس کا نائب، دونوں پیشوائی کے لیے موجود تھے انھوں نے سُن لیا تھا کہ خلعتِ فاخرہ کے ساتھ جعفر کو ایک ہزار دینار عطا ہوئے ہیں اور وہ اپنا "حصّہ" لینے آگئے تھے۔ کنجوس جعفر نے دونوں کو [illegible] "جناب! ایک ہزار میں سے اگر ایک سو

www.urdukorner.com

Prop: Ali Khan

نہیں تو کم از کم پچاس دینار تو ہمارا واجبی حق بنتا ہے۔"

پچاس دینار کا عدد سن کر جعفر حیرت زدہ سا رہ گیا کہ دونوں یعنی اُس کے ایک ہزار میں سے پچاس دینار مفت میں بٹور لینا چاہتے ہیں، حالاں کہ انھیں پانچ پانچ دینار دیتے ہوئے بھی اُس کے دل پر پانچ ہزار قیامتیں بیت گئی تھیں۔ جعفر نے سمجھانے کی کوشش کی کہ انعام کے مال میں اُن کا کوئی حصہ نہیں کیوں کہ یہ لوٹ کا مال نہیں جس پر نائب افسر نے بڑے چھتے ہوئے الفاظ میں کہا۔ "جناب! انعام کی رقم رات کو آپ کے کمرے سے چوری بھی ہو سکتی ہے مگر ہم بازار میں پہرہ دینے والے محافظ کو کہہ دیں گے تو آپ کے کمرے کی خصوصی حفاظت کرے گا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہمارے حصے کے مزید چالیس دینار ہمیں ادا کر دیں۔"

جعفر سمجھ گیا کہ وہ پورے پچاس دینار لیے بغیر اُس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے سوچ بچار کے بعد ذہن میں چالیس دینار بچانے کی ایک عجیب سی ترکیب آئی اور کہنے لگا۔ "تم جانتے ہو میں نجومی ہوں اور یہ انعام مجھے سلطان ابوجیش خمارویہ کی قسمت کا حال بتانے کے لیے پیشگی دیا گیا ہے، تم دونوں کو بھی اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے سے دل چسپی ہوگی؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" افسر چہک کر بولا۔ "اب تو ہم آپ سے اپنی قسمت کا حال بھی معلوم کریں گے۔"

"میں تمھیں تمھاری قسمت کا حال ضرور بتاؤں گا جس کے لیے میرا معاوضہ پچاس دینار ہوتا ہے لیکن تم دونوں سے رعایتی طور پر میں صرف ۴۵ - ۴۵ دینار لے لوں گا۔ بس اب جاؤ اور جس وقت تمھیں اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا ہو پینتالیس پینتالیس دینار لے کر میرے پاس آجانا۔"

یہ کہہ کر جعفر نجومی نے دونوں افسروں کو وہیں چھوڑا اور خود تیزی سے آگے بڑھ گیا مگر انھیں جو دس دینار دے آیا تھا، وہ دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔ تاہم یہ بھی سوچ رہا تھا چلو دس دینار میں مصیبت کٹی لیکن مصیبت اتنے سستے داموں تھوڑی کٹ جاتی ہے جعفر نجومی نہیں جانتا تھا وہ ایک کڑی مصیبت سے دوچار ہونے والا تھا، جو حالات کے پردوں میں چھپ کر بیٹھی تھی۔

★

اہل علم کے نزدیک آدمی کے ارادوں کی شکست اور امیدوں کی ناکامی ہی خدا کی قدرت کا ثبوت ہے۔ آدمی کچھ سوچتا ہے مگر تقدیر کی چال کچھ اور ہوتی ہے۔

جعفر کا خیال تھا، جب وہ سلطان ابوجیش خمارویہ اور اُس کے علی الترتیب جانشینوں جیش بن خمارویہ، ہارون بن خمارویہ اور برادر سلطان شہزادہ شیبان کے زائچے تیار کرے گا ستاروں کی گردش و رفتار اور بروج آسمانی سے اُن کے گزرنے کی ساعتیں دیکھے گا تو اس پر طولونی مملکت کا آئندہ حال روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا اور وہ یقیناً سلطان خمارویہ کی خواہش کے مطابق ہوگا۔

ماضی میں بنی طولون نے بڑے عزم و حوصلہ سے جنگی مقابلے کیے۔ حلوں کو سرد کا اور مصر و شام میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے۔ اب جب اُن کی سلطنت قانونی طور پر تسلیم کر لی گئی اور موروثی قرار دے دی گئی تھی وہ اُس کے فروغ و استحکام میں پہلے سے زیادہ مستعد اور ثابت قدم واقع ہوں گے۔

اس نے بھی یہ سوچا، شہزادی اسماء قطر الندیٰ اور خلیفہ معتضد کی شادی نہ صرف دونوں سلطنتوں کے روزمرہ روابط بلکہ عالم اسلام کے اتحاد کے لیے بھی نیک فال ہوگی۔ حالات کی منطق یہ کہتی تھی کہ مصر و عراق کے مابین حرب و ضرب کا دور ختم ہوا۔ اب اتحاد و یک جہتی کا عہد شروع ہو گیا ہے اور بنی عباس سے بنی طولون کی دوستی طولونی مملکت کی ترقی کا باعث ہوگی۔

سلطان خمارویہ سے تین روز کی مہلت اسی لیے لی تھی کہ وہ تین راتیں ستاروں کا بغور مطالعہ کرے اور اُن کی گردش و رفتار کے مطابق تین دنوں میں اطمینان کے ساتھ زائچے تیار کر سکے۔ پہلی رات اُس نے آٹھویں آسمان فلک البروج پر قائم بلکہ گڑے ہوئے

سلہ جو لوگ علم نجوم اور فلکیات کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے ان کی اطلاع کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ اہل علم کے نزدیک نو آسمان ہیں۔ نواں آسمان فلک الافلاک کہلاتا اور ستارہ بارہ ثوابت سے بالکل صاف ہے اس لیے اُسے فلک اطلس یعنی سادہ آسمان بھی کہا جاتا ہے۔ آٹھویں آسمان پر غیر متحرک ستارے (ثوابت) جیسے گڑے ہوئے ہیں جو تعداد میں بارہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ یہی غیر متحرک ستارے ثوابت آسمان کے بارہ برج کہلاتے ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

www.urdukorner.com

بارہ ثوابت و غیر متحرک سیاروں کا تعین کیا پھر مختلف ستاروں سے ان کے فاصلوں اور دقیقوں کی پیمائش اور ستاروں کی رفتار سے اندازہ لگایا کہ ہر ستارہ آسمانی برجوں سے کتنے فاصلے سے گزرے گا یا کب کوئی ستارہ کس برج میں داخل ہوگا اور ہر حالت میں زمین پر اس کے اثرات کیا ہوں گے۔

جعفر اپنے علم اور تجربے کے مطابق بڑے تجسس کے ساتھ آسمانوں میں جھانکتا رہا۔ آسمانی برجوں سے ستاروں کے فاصلوں کی پیمائش کرتا رہا تاکہ ہر ستارے کے نحس اور سعد اثرات کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکے۔ ساری رات آسمانوں کے مشاہدے اور مطالعے میں گزر گئی علی الصباح تھوڑی سی نیند لی۔ پھر سارا دن مختلف ناموں کے زائچے بناتے گزر گیا زائچوں کے مطابق ستاروں کے تعین اور آسمانی برجوں سے ان ستاروں کی دوری یا نزدیکی کے حساب سے زمین پر ہونے والے تغیرات اور ہر صاحب زائچہ کی ذات پر گزرنے والے اچھے برے اثرات کا شمار کرتا رہا لیکن شب و روز کی اس عرق ریزی اور کوشش کا نتیجہ توقع کے بالکل برعکس تھا یا جو بات از روئے فلکیات اس کے علم میں آئی وہ اتنی حیرت انگیز اور مایوس کن تھی کہ وہ تنگ فکر و حیرت کے گرداب میں کھویا رہا اور جو کچھ اس نے علم نجوم سے معلوم کیا وہ سلطان خمارویہ یا اس طرح کے لیے چنداں خوشی آئند نہ تھا۔ آسمانوں کے مختلف گوشوں میں اسے ستاروں کی جو شکلیں نظر آئیں وہ بیان کرنے کے قابل نہ تھیں۔

یہ سوچ کر کہ شاید شب اور برجوں کے تعین اور ستاروں کی پیمائش میں اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے یا وہ نجوم کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا۔ دوسری رات آسمانوں کا مشاہدہ زیادہ مستعدی اور کمال احتیاط کے ساتھ کیا اور ساری رات چاروں کھونٹ تنے ہوئے افلاک میں جھانکتے اور فاصلوں کی پیمائش کرتے ہوئے گزار دی لیکن پہلی رات اور دوسری رات کے مشاہدے میں کوئی فرق نہ تھا وہی ہشت افلاک کی سیر گاہ تھی، وہی فلک الثوابت یا فلک البروج میں قائم و ثابت بروج آسمانی کے نقشے تھے اور وہی ان سے مختلف ستاروں کے زائچے

(بقیہ حاشیہ)

ہمارے نظام شمسی کے سات ستارے تحقیق کیے گئے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد نو ہے۔ یاد رہے عربی میں سماء (آسمان) کا لفظ بلندی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نو آسمانوں کا مطلب نو بلند بالا ہیں۔ (قمر اسلامی)

اور فاصلے تھے جو کچھ کل رات تھا وہی آج شب تھا کسی جگہ ایک دقیقے کی بھی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔

جعفر نجومی اس صورت حال سے پریشان ہوگیا۔ خیال آیا کہیں زائچے تیار کرنے میں سہو نہ ہوگیا ہو۔ چنانچہ دوسرے روز خمارویہ بن احمد جیش بن خمارویہ، ہارون بن خمارویہ اور شیبان بن احمد کے زائچے از سر نو تیار کیے اور چاروں زائچوں کو فلکیات کے معیار پر اچھی طرح جانچ تول کر دیکھا ہر ستارے اور برج کے زیر اثر صاحب زائچہ کے حالات کا بطور جائزہ لیا لیکن زائچوں اور حساب کے نقشوں کا نتیجہ بھی وہی تھا جو کل برآمد ہوا تھا اس کے تیار کیے گئے زائچوں اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج میں ذرہ برابر فرق نہ تھا اس کا مطلب یہ تھا کل کی طرح وہ آج بھی اپنے حساب میں کہیں نہیں چوکا تھا کیونکہ جو بات کل تھی وہی آج تھی۔ جو نتیجہ کل سامنے آیا تھا وہی آج پیش نظر تھا لیکن آج یا کل کی کوششوں کا نتیجہ بیان کرنا لاحاصل تھا اور نتیجہ تو ایک ہی تھا۔

جعفر کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا اپنے آسمانی مشاہدے اور علم و حساب کے مطالعے کا حاصل ایسا نہ تھا جسے ایک بادشاہ کے سامنے بیان کرنے کی جرأت کر سکتا۔ حاصل علم سے جو پیش گوئی تیار ہوئی تھی اسے سن کر انعام و اکرام یا سرپرستی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا بلکہ اندیشہ تھا کہیں سلطان غصے میں آکر اس کا سر قلم کرنے کا حکم جاری نہ کر دے۔ اس تصور ہی سے جعفر کے پسینے چھوٹ گئے۔ سلطان خمارویہ ابوجیش کے بتانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا اور جو کچھ تھا اسے بیان کرنا بالکل خلاف مصلحت تھا۔

سوچنے لگا اب کرے تو کیا کرے اور اپنی جان بچائے تو کس طرح؟ سوچ بچار کے بعد ایک بار پھر آسمانوں کے مشاہدے میں غرق ہوگیا کہ شاید کسی جگہ غلطی کا امکان یا اس کا کوئی شائبہ نظر آسکے اور نجوم کا نقشہ تبدیل ہو سکے لیکن تیسری رات کی کوشش کا نتیجہ بھی وہی تھا۔ اور کسی مقام کے مشاہدے یا اثرات کا نتیجہ اخذ کرنے میں اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی تھی اسی طرح تیسرے روز پھر زائچوں اور حساب میں کھویا رہا اور یہاں بھی سب کچھ جوں کا توں تھا۔

تیسری کوشش کے بعد جہاں وہ طولونی مملکت کے مستقبل سے مایوس ہوگیا وہاں دل میں علم الیقین کی کیفیت بھی پیدا ہوئی گویا اس نے سب کچھ اپنے علم کی آنکھ سے دیکھ لیا تھا جس میں کسی تبدیلی یا غلطی کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ تین راتوں کے آسمانی مشاہدے اور تین دنوں

www.urdukorner.com

کے حساب کتاب کا حاصل ایک ہی تھا جس سے ایک مایوس کن پیش گوئی تیار ہوتی تھی اور وہ اُس پیش گوئی کو طولونی سلطان کے سامنے بیان نہ کر سکتا تھا۔ اُس کی حاضری میں اگرچہ ایک دن باقی تھا لیکن القطائع میں جانا اور سلطان خمارویہ کے حضور پیش ہونا بے کار بلکہ نقصان دہ تھا۔ یک لخت اُس نے فیصلہ کیا جس قدر جلد ممکن ہو، فسطاط سے، مصر سے نکل جائے ورنہ کل اُس کا سر شہر پناہ کے کسی دروازے پر لٹکتا نظر آئے گا۔

اس فیصلے کے مطابق رات ہی کو کمرے کے دروازے پر نصب نجوم کے پنجے اکھاڑ لیے۔ زائچوں کی لوحیں سمیٹ لیں۔ اپنے نام کی تختی اتاری۔ برجِ آسمانی کے نقشے اکٹھے کر لیے کتاب التقدیر کی جلدیں اور نجوم و فلکیت سے متعلق سارے بوسیدہ اوراق چرمی جزدان میں بند کر لیے۔ نجوم کا سارا کباڑ خانہ، جو نہ جانے کہاں کہاں سے اکٹھا کیا تھا، باندھ لیا اور سفر کے لیے تیار ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔

مشرقِ وسطیٰ کے اُس علاقے میں قافلے عموماً نور کے تڑکے سفر پر روانہ ہوتے تھے جعفر نجومی نے بھی فسطاط سے روانگی کے لیے وہی وقت مناسب سمجھا تھا جب قافلوں اور مسافروں کے لیے شہر پناہ کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ رات سوتے، جاگتے اور کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ جب آسمان پر صبح کا ستارہ (زہرہ) بلند ہوا جعفر نے اپنا بستر بھی لپیٹ لیا اور سارا سامان گدھے پر لاد دیا۔ پھر سلطان خمارویہ سے ملنے والا خلعتِ فاخرہ بڑے اہتمام سے کپڑے میں لپیٹ کر فرش پر رکھا۔ اُس پر نو سو نوے (۹۹۰) دینار کی تھیلی رکھی، جس کے ساتھ ایک تحریر منسلک کی۔

عبارت مختصر تھی کہ وہ سلطان ابو جیش خمارویہ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا اور اُن کی خدمت سے معذور ہے۔ لہٰذا خلعت اور انعام کی رقم چھوڑے جا رہا ہے یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ ایک ہزار کی رقم سے دس دینار کم ہیں جو اُس سے شاہی ہرکاروں کے افسر اور نائب افسر نے ہتھیا لیے تھے۔ لہٰذا دس دینار اُن سے وصول کر لیے جائیں۔ یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ اُس کی کوئی منزل نہیں لہٰذا اُس کا پیچھا نہ کیا جائے۔ آخر میں لکھا تھا جو شخص پہلے کمرے میں داخل ہو اُس کا فرض ہے کہ خلعت اور رقم کی تھیلی مع خطا القطائع میں شہزادہ شیبان تک پہنچا دے اگر کسی نے ان اشیاء کو غصب کرنے کی کوشش کی تو ازروئے نجوم اُس کا انجام عبرت ناک ہوگا۔

پھر وہ گدھے کو لے کر نکلا۔ کمرے کا دروازہ بند کیا اور منہ اندھیرے شہر پناہ کی طرف ہو لیا۔ اتفاق سے دروازہ کھلا تھا کچھ سوار باہر نکل رہے تھے۔ اُن کے پیچھے پیچھے وہ بھی شہر پناہ سے نکل آیا اور اپنے گدھے کا رُخ جبلِ مقطم کی جانب موڑ دیا۔ شام و فلسطین کو جانے والی شاہراہ جبلِ مقطم کے دامن سے گزرتی تھی۔

وہ فسطاط سے بھی اسی طرح نکل رہا تھا جس طرح بغداد کو چھوڑ آیا تھا۔ فسطاط فی الواقع "دوسرا بغداد" تھا لیکن یہ شہر ابھی اُس کے جسم اور خون میں رچا بسا نہیں تھا اور اُسے چھوڑنے کا صدمہ بغداد جیسا نہ تھا۔ پھر دل میں اداسی کی ایک لہر گزر رہی تھی۔ دنیا میں ہر آدمی اپنی ناکامیوں کا بوجھ خود اٹھاتا ہے لیکن کتنی عجیب بات تھی مصر سے وہ دوسروں کی ناکامیوں کا بوجھ اٹھا کر نکل رہا تھا۔

★

جعفر نجومی اگر سمجھتا تھا کہ وہ فسطاط سے چوری چھپے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا اور کوئی شخص اُس کا تعاقب نہیں کرے گا کیوں وہ خلعت اور انعام کی رقم اپنے کمرے میں رکھ آیا اور اپنی معذوری (مجبوری) پر مشتمل ایک تحریر بھی چھوڑ آیا ہے جو جلد یا بدیر القطائع میں پہنچ جائے گی اور اُسی معذرت کی بنا پر اُس کا معاملہ نظر انداز کر دیا جائے گا تو یہ اُس کی بھول تھی جس طرح تقدیر اُسے اس بہانے فسطاط میں گھسیر لائی تھی کہ وہ "دوسرا بغداد" ہے اسی طرح قدرت کے پُراسرار اور نظر نہ آنے والے ہاتھوں نے اُس کے لیے ایسے پھندے بھی بچھا دیے تھے کہ مصر سے فرار نہ ہو سکے۔

یہ سوئے اتفاق تھا یا جعفر کی بدنصیبی کہ اُس کے فرار کا بھید توقع سے پہلے کھل گیا غلطی خود اُسی سے سرزد ہوئی تھی کہ بند کمرے میں چراغ جلتا چھوڑ گیا تھا طلوعِ آفتاب کے ساتھ جب بازار کھلا اور چہل پہل شروع ہوئی تو لوگوں نے دروازے کی درزوں اور جھریوں سے نظر آنے والی روشنی کو تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ دوسری حیرت اس بات پر ہوئی کہ دروازہ باہر سے مقفل تھا اور اُس کی کنجی قفل میں موجود تھی۔ آس پاس کے دکان داروں نے اس پر بھی تعجب کا اظہار کیا کہ دروازے سے "جعفر نجومی" کے نام کی لوح اُتری ہوئی تھی، نجوم کے پنجے اکھڑے ہوئے تھے اور آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ راتوں رات کہیں چلا گیا ہے۔ انھوں نے

www.urdukorner.com

مالکِ مکان کو اطلاع دی بلکہ اُس سے دریافت کیا "کیا جعفر نجومی کمرا چھوڑ گیا ہے؟"

مالکِ مکان نے آکر دروازے کا قفل اتارا اور کواڑ کھول کر اندر نظر ڈالی تو طاقچے میں چراغ روشن تھا مگر کمرا خالی ہو چکا تھا۔ البتہ کمرے کے وسط میں فرش پر کپڑوں کی بقچی دکھائی دی جس پر ایک تھیلی رکھی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر تھیلی اُٹھائی۔ اُس کے ساتھ ایک تحریر منسلک تھی تحریر پڑھی تو بھونچکا سا رہ گیا۔ آس پاس کے دکان داروں نے بھی، جو مالک کے ساتھ ہی کمرے میں آگئے تھے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جعفر نجومی سلطانِ معظم کا بخشا ہوا خلعت اور انعام چھوڑ کر مصر سے بھاگ گیا ہے۔ تھیلی کی رقم گنی تو پورے ۹۹۰ دینار تھے ہزار میں سے دس کم۔

معاملہ بڑا پُراسرار تھا۔ مالکِ مکان اُسی وقت خلعت اور شاہی تھیلی کو اٹھا کر انقطاع کی طرف بھاگا کہ کہیں اُس پر کوئی الزام نہ آئے۔ غلام کے ذریعے شہزادہ شیبان کو جعفر نجومی کے فرار کی اطلاع دی۔ شیبان نے خلعت کے ساتھ تھیلی دیکھی، اُس کے ساتھ منسلک تحریر کا مطالعہ کیا تو بڑا حیران ہوا۔ اُسی وقت شاہی ہرکاروں کے افسر کو طلب کر کے حکم دیا کہ جعفر ابھی فسطاط سے زیادہ دور نہیں گیا ہوگا فوراً تعاقب کرے اور وہ جس حال میں بھی ملے، اُسے انقطاع میں لے آئے۔

افسر نے ماتحت سواروں کو ساتھ لیا اور تیز رفتار گھوڑے سے شام و فلسطین کی طرف جانے والی شاہراہ پر ڈال دیے۔ جعفر نے اگرچہ لکھا تھا کہ اُس کی کوئی منزل نہیں مگر ایک عام اندازے کے مطابق اُسے فلسطین اور شام ہی کے کسی شہر میں جانا تھا اور یہ اندازہ غلط نہ تھا۔

دن کی ابتدا میں فسطاط سے پندرہ سولہ میل دُور جعفر اُسی شاہراہ پر نظر آگیا۔ وہ پناہ گزینوں کا سا لباس پہنے، میدان سے چلا جا رہا تھا جیسے اپنی ساری مصیبتیں فسطاط ہی میں چھوڑ آیا تھا حالانکہ سب سے بڑی مصیبت تو اس کے پیچھے پیچھے بھاگی آ رہی تھی۔

جعفر کو جاتے دیکھا تو شاہی سواروں نے اچانک دھاوا کر کے اُسے آگے پیچھے سے گھیر لیا۔ وہ اچانک دھاوے سے گھبرا گیا۔ پھر شاہی سواروں میں اُن کے افسر اور نائب پر نظر پڑی تو ہوش اُڑ گئے۔ افسر اپنا گھوڑا گدھے کے قریب لے آیا اور ہاتھ نچا کر بولا۔

"کیوں جناب! یہ دن کے اُجالے میں آپ چوروں کی طرح کدھر بھاگے جا رہے ہیں؟" لہجے میں طنز تھا، اندازِ کلام سے کھلے تھے۔ جعفر نے اُن کی تلخی محسوس کی اور آسمان کی

کی طرف دیکھا جیسے افلاک سے شکایت کر رہا ہو کہ وہ آنے والی مشکلوں اور مصیبتوں کو اپنے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے نازل ہو گئی؟ پھر عاجزی سے کہنے لگا۔

"خدا تمہارا مرتبہ بلند کرے بھائی! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے اپنی راہ جانے دو۔"

اب افسر کا رویہ گستاخانہ، اندازِ تخاطب اور لہجہ کرخت ہو گیا۔ "تجھے جانے دوں اور تیری جگہ خود پھانسی پر چڑھ جاؤں! جانتا بھی ہے تیرے فرار کی اطلاع ملنے پر شہزادہ علی کس قدر برافروختہ ہوئے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر میں دوپہر سے پہلے تجھے انقطاع میں پیش نہ کر سکا تو میری گردن مار دی جائے گی اور تو کہتا ہے مجھے جانے دوں۔ خیریت اسی میں ہے کہ اپنا گدھا واپس موڑ لے اور حیل و حجت کے بغیر ہمارے ساتھ چل ورنہ طوق و سلاسل میں جکڑ کر لے جاؤں گا۔"

ساتھ ہی اُس نے گھوڑے کے زین سے بندھی آہنی زنجیر اور اُس کے طوق پر اس طرح ہاتھ مارا کہ لوہے کی جھنکار سُن کر جعفر کا دل کانپنے لگا۔ مصر سے فرار کا منصوبہ ناکام ہوا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے اُس کی تعمیل کرے۔ کسی حجت اور تکرار کا موقع تھا نہ کسی قسم کی منت سماجت سے فائدہ۔ پھر اُس مثل کے مطابق کہ غریب کا غصہ اُس کی اپنی جان پر اُترتا ہے، چپ چاپ گدھے کی باگ موڑی اور اپنے آپ کو حالات یا تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

شاہی سوار اُس کے آگے پیچھے گھیرا باندھے چل رہے تھے لیکن افسر اگر دائیں طرف تھا تو اُس کا نائب بائیں جانب۔ دونوں قہر آلود نگاہوں سے اُسے گھورتے بھی جا رہے تھے۔ چلتے چلتے افسر دانت پیس کر بولا۔

"کیوں بڈھے! ہم نے تیرے دس دینار ہتھیا لیے تھے جس کی تو نے اپنی تحریر میں شکایت کی ہے لیکن یاد رکھ تجھے اس "شرارت" کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ابے تو تو شکل ہی سے جعلی نجومی معلوم ہوتا ہے۔ سلطانِ معظم کو دھوکا دینے کے جرم میں تجھے کوڑے لگانے کا حکم صادر ہوگا اور موقع پر یہ خدمت میں ہی سرانجام دیا کرتا ہوں۔ جب تیری پیٹھ پر کوڑے لگیں گے تجھے پتا چل جائے گا کہ میرا ایک کوڑا دس دینار سے زیادہ مہنگا اور سخت ہوتا ہے۔"

نائب نے بھی اپنا غصہ اُتارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ "کیا بڑا نجومی ہے، دس دینار میں

Cell: 0345-5048634
Prop: Ali Khan

www.urdukorner.com

قسمت کا حال بتاتا ہے۔ اب مجھے اپنی قسمت کا حال تو معلوم نہ تھا کہ راستے میں پکڑا جائے گا پھر تو دوسروں کی قسمت کا حال کیا بتائے گا؟ اگر تجھے نجوم کا علم نہیں آتا تو نجومی کا سوانگ بھر کر لوگوں کو دھوکا کیوں دیتا ہے؟

جعفر بے چارہ اُن کی جلی کٹی باتیں سُنتا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ساتھ چلتا رہا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ یہ سب کیا دھرا تقدیر کا تھا جس نے اُسے راستے میں گھیر لیا تھا۔

(۳۵)

پیشگوئی

شاہی خلعت اور انعام چھوڑ کر جعفر نجومی کا فرار ایک حیرت انگیز اور ناقابلِ فہم واقعہ تھا۔

جس نے بھی سُنا حیرت زدہ رہ گیا۔ منجم اور اہلِ علم حضرات، بادشاہوں اور درباروں کے الطاف و اکرام کے خواہش مند ہوتے ہیں لیکن جعفر کیسا منجم تھا جس نے طولونی سلطان کا بخشا ہوا انعام ٹھکرا دیا اور مصر سے بھاگ نکلا۔

شہزادہ شیبان اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سرِ راہ بیٹھنے والا ایک عام نجومی اور ملکیات کے گہرے اسرار سے بے بہرہ تھا ورنہ اس طرح بھاگنے کی کوشش نہ کرتا جب کہ خمارویہ ابو جیش نے اُس کی سرپرستی کرنے اور رصد گاہ کی تعمیر کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ شاہی ہرکاروں اور سواروں کو جعفر کے تعاقب میں دوڑا کر تھوڑی دیر کے بعد وہ قصرِ سلطانی میں پہنچ گیا اور بھائی کو نہ صرف جعفر نجومی کے فرار کی خبر سنائی بلکہ وہ تحریر بھی دکھائی جس میں جعفر نے خلعت اور دیناروں کی تھیلی چھوڑ جانے کے ساتھ سلطانِ معظم کی خدمت سے معذوری کا اظہار کیا تھا۔

ابو جیش خمارویہ بھی اس کے فرار کی خبر سن کر اور تحریر پڑھ کر حیران ہوا پھر بھائی سے پوچھنے لگا۔ "تمہارے خیال میں وہ کیوں بھاگا ہے؟"

"سلطانِ معظم! میرے نزدیک وہ بازاروں میں بیٹھنے والے عام نجومیوں سے مختلف [illegible] نیاس اور اُنکل سے بات کرتے ہیں

www.urdukorner.com

آپ نے جو کچھ پوچھا اور جو ہدف اُس کے سامنے رکھا، اُسے پورا کرنا جعفر کے بس کی بات نہ تھی۔"

سلطان فکر انگیز لہجے میں بولا۔ "تمہیں یاد ہوگا اُس کی تعریف سلیمان بن عامر نے کی اور بڑے یقین سے کہا تھا کہ ہمیں اپنے مستقبل سے صرف جعفر نجومی آگاہ کر سکتا ہے۔ وہ کسی معمولی اور سطحی آدمی کی تعریف کبھی نہیں کرتا۔"

شیبان نے جواب میں مشہور عربی ضرب المثل کا سہارا لیا۔ "الانسان مرکب من السھو والنسیان (انسان سہو خطا کا پتلا ہے) ممکن ہے کسی نے سلیمان کے سامنے جعفر کے نجوم کی غلط اور مبالغہ آمیز باتیں بیان کی ہوں اور اُس نے یقین کر لیا ہو کہ وہ فی الواقع بڑے پائے کا منجم ہے۔ بھول چوک بہرحال انسان ہی سے ہوتی ہے۔"

"مگر وہ گفتگو عاملوں اور فاضلوں کی طرح کرتا ہے اور کسی آدمی کے اندر کا حال اُس کی گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے۔ تم نے سُنا ہوگا "اللسان ترجمان القلوب" (زبان دلوں کی ترجمان ہوتی ہے یا جو کچھ دل میں ہو وہی زبان پر آتا ہے)"

"سلطانِ معظم! پیشہ ور نجومی بھی بڑی مرصع گفتگو کرتے اور لوگوں کو اپنی باتوں سے مسحور کر لیتے ہیں۔ علم کی بجائے وہ محض باتوں کی معاش کھاتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو جعفر کے بارے میں ہم کچھ اور سوچ رہے ہیں ایسے شخص کا مصر سے نکل جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"شاہی ہرکارے اُس کے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں وہ اُسے مصر سے نکلنے نہیں دیں گے اور بہت جلد واپس لے آئیں گے۔" پھر اس خیال سے کہ شاید سلطان جعفر کے متعلق اچھا ارادہ نہیں رکھتا اور فرار کے جرم میں اُسے کوئی سخت سزا دینا چاہتا ہے، کہنے لگا۔ "سلطانِ معظم! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جعفر کس قسم کا منجم ہے البتہ یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ لالچی اور حریص نہیں بلکہ دیانت دار آدمی ہے۔ اگر وہ آپ کی خدمت نہیں کر سکا تو اُس نے خلعت اور انعام کا لالچ بھی نہیں کیا اور سب کچھ یہیں چھوڑ گیا ہے۔ میرے نزدیک ایسے آدمی کو معمولی سرزنش کے بعد چھوڑ دینا بہتر ہوگا کہ جہاں چاہے چلا جائے۔"

ابھی وہ جعفر کے لیے سفارش کر رہا تھا کہ غلام نے حاضر ہو کر اطلاع دی شاہی ہرکارے کا سردار اور اُس کا نائب جعفر نجومی کو لے کر آ گئے اور حاضری کے طلب گار ہیں۔ سلطان نے

فی الفور اُسے پیش کرنے کا حکم دیا اور خود بڑے رعب و جلال کے ساتھ مسند پر جا بیٹھا۔ سردار اور نائب دونوں جعفر کو ایک ایک بازو سے، دوسرا اُس بازو سے پکڑے اس طرح حاضر ہوئے، جیسے وہ اُن کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگ جانا چاہتا ہو حالانکہ جعفر نہ کوئی مزاحمت کر رہا تھا نہ اُس کی طرف سے کسی مزاحمت کا امکان تھا۔ وہ بے چارہ تو اُن کے مقابلے میں بڑا کمزور اور ضعیف آدمی بلکہ اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر چکا تھا۔ سلطان نے کرخت آواز میں حکم دیا۔

"اس شریف آدمی کو چھوڑ دو اور ہمارے حکم کا انتظار کرو۔"

سردار اور نائب سردار جعفر کو چھوڑ کر فوراً کمرے سے نکل گئے تو وہ بھاگ کر خمارویہ ابن جیش کے قدموں میں جا گرا اور گڑگڑانے لگا۔ "سلطانِ ذی شان! میرا علم تھوڑا اور حضور کا سوال بہت بڑا تھا جس کا میں احاطہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، میری خطا معاف فرمائی جائے۔"

سلطان نے بڑے وقار اور تمکنت سے کہا۔ "جعفر! تم جیسے صاحب علم کو ہمارے قدموں میں گرنا زیب نہیں دیتا، کھڑے ہو جاؤ۔"

جعفر نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، سلطان خمارویہ کہنے لگا۔ "ہم نے تمہارا عذر سن لیا، تمہاری تحریر پڑھ لی، اب صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا تمہارے عذر میں کسی بزدلی اور تمہاری تحریر میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے؟"

"نہیں سلطانِ ذی شان!" اُس نے انکسار کے لہجے میں جواب دیا۔ "میں ایک ناقص العلم آدمی ہوں اور حضور کی خدمت کے لائق نہیں۔"

"یہی بات تمہارے صاحب علم ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے نزدیک تم نے جو تحریر لکھی وہ اضطرار کی حالت میں لکھی اور اضطرار و بے اختیاری کی حالت میں انسان جو فیصلے کرتا ہے اُن میں ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے۔" پھر اُس نے یک لخت بات کا رُخ بدل دیا اور کہا۔ "اضطرار کی حالت میں تم جیسے صاحب علم آدمی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ بادشاہ کا دیا ہوا خلعت اور انعام واپس کرنا، اُس کی توہین کے مترادف ہوتا ہے۔"

سلطان کے الفاظ سن کر شہزادہ شیبان سمجھ گیا کہ جعفر کا ستارہ گردش میں آ گیا ہے۔ جعفر نے بھی اگرچہ ان الفاظ کی سنگینی محسوس کر لی تھی لیکن فوراً جواب دیا۔

"[illegible] ہرگز نہ تھا۔ میں نے تو خلعت اور انعام

www.urdukorner.com

Cell: 0345-5048634 - 0345-[illegible]
Prop: Ali Khan

اس لیے چھوڑ دیجیے کہ خود کو اس اعزاز کا اہل ثابت نہ کر سکا اور آپ کے سوال کا جواب دینے کے لائق نہیں۔ اسے میری نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے۔"

خمارویہ ابوجیش نے اس کی طرف انگلی اٹھائی اور بڑے وثوق سے کہا۔ "جعفر! ہم جانتے ہیں، تم اس سے بڑے اعزاز کے مستحق ہو اور تمہارا یہ عذر تسلیم نہیں کرتے کہ تم ہمارے سوال کا جواب دینے کے لائق نہیں ہو۔ تم جیسا صاحب علم اپنی بات منوانے کے لیے جب کذا و کیذا لَیْتَ وَلَیْتَ (ایسا اور ایسا، اس طرح اور اس طرح) کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی حقیقت پر پردہ ڈال رہا ہے، کچھ چھپا رہا ہے اور تم بھی ہم سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔"

یہ سنتے ہی جعفر کا رنگ اڑ گیا اور گھبرا کر بولا۔ "حضور میرے الفاظ سے اگر کوئی مطلب اخذ کر رہے ہیں تو آپ کی عقل رسا کی دلیل ہے لیکن اہل علم کا ظرف بڑا ہوتا ہے اور وہ بعض باتیں اس لیے مخفی رکھتے ہیں کہ ان کے اظہار سے کوئی فساد واقع نہ ہو جائے۔"

خمارویہ نے مسند پر ہاتھ مارا اور جوش کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ گھبراہٹ میں جعفر کے منہ سے وہ سچی بات نکل گئی تھی جس کا خمارویہ کو انتظار تھا، اب وہ یقین کے لہجے میں کہنے لگا۔

"تو ہمارا یہ قیاس درست تھا کہ تم نے ہمارے سوال کا جواب معلوم کر لیا ہے مگر مصلحتاً ہم سے چھپا رہے ہو..... کیوں کہ تمہارے نزدیک آسمانی اسرار کو منکشف کر دینے سے کسی فساد کا اندیشہ ہے۔ ہم تمہاری اس دور بینی اور خیر اندیشی کی قدر کرتے ہیں۔"

جعفر بے اختیار پکار اٹھا۔ "لِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ" (جس نے یہ کہا، خدا اس کا بھلا کرے)

خمارویہ نے بڑی بے چینی کی حالت میں مسند کے آس پاس ایک چکر لگایا پھر جعفر کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور سرد سرد ہو کر بولا۔

"جعفر! جب کسی کی ذات یا بات پر اعتماد ہو جائے تو اسے توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے ہم نے پہلی ہی ملاقات میں تمہاری ذات پر اعتماد کر لیا تھا کہ تم ایک ماہر فلکیات اور آسمانوں کے درمیان پھیلے اسرار کا علم رکھتے ہو اس لیے تمہارا خط اور تمہاری تحریر بھی ہمارے اعتماد کو نہ توڑ سکی، بہرحال تم نے آسمانوں میں جھانک کر جو کچھ معلوم کیا ہے وہ درست بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے مگر اسے بیان کرتے ہوئے ڈرتے اس لیے ہو کہ آسمانوں کی شہادت سن کر کہیں ہم عقل و ہوش نہ کھو دیں اور مشتعل ہو کر تمہارے ہی خلاف حکم صادر نہ کر دیں لیکن ہم اتنے سنگ دل اور بے رحم ہرگز نہیں بالکل بے خوف ہو کر وہ سب کچھ بیان کر دو جو آسمانوں نے ہمارے لیے اپنے نیل گوں پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ ہم ستاروں کا فیصلہ سن کر خواہ وہ ہمارے خلاف ہی کیوں نہ ہو، تمہاری ذات پر کوئی آنچ نہ دیں گے اور ایک علم دوست حکمران کی حیثیت سے تمہیں علم کے صلے سے بھی محروم نہیں رکھیں گے اگر تم ہماری موت کی خبر دینے والے ہو تو بھی ہم تم سے خفا نہیں ہوں گے کیوں کہ تمہاری حیثیت تو ایک پیغام رساں کی ہے اور زندگی کی طرح موت بھی آسمانوں اور زمین کے درمیان سفر کرتی رہتی ہے اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہم ہر بات سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تم بیان کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو یا نہیں۔"

سلطان کی یہ تقریر سن کر جعفر نجومی بھونچکا سا رہ گیا۔ شیبان بھی حیران و ششدر کھڑا تھا کہ وہ جعفر کو ہمراہ بیٹھنے اور علمی عالم نجوم رکھنے والا نجومی سمجھتا رہا تو اس کی اپنی کم علمی تھی۔ وہ فی الواقع ایک ماہر فلکیات اور کاشف اسرار منجم تھا۔ خمارویہ ابوجیش نے ہر بات کھول کر بیان کر دی اب کسی معاملے میں اخفا کی ضرورت نہ تھی۔ پل دو پل کچھ سوچ کر اور کوئی فیصلہ کر کے جعفر نجومی نے اپنی گردن اٹھائی اور کہنے لگا۔

"سلطان معظم! اگر آپ سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں تو میں بیان کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں بے شک آپ نے میری زندگی کی ضمانت دے دی اور میری محنت کا صلہ چکانے کا وعدہ بھی فرمایا ہے خواہ میرا بیان آپ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو لیکن اب مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں نہ اپنی زندگی سے، نہ علم کے صلے سے۔ کوشش کروں گا کہ گزشتہ تین راتوں اور تین دنوں میں جو کچھ میں نے معلوم کیا ہے اسے من و عن حضور کے گوش گزار کر دوں۔ یہ فیصلہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ بعض اوقات تقدیر کے نہفتہ اسرار کا انکشاف اور آدمی کے مستقبل کا اظہار اس کی بگڑی تقدیر کو بدلنے اور نامساعد حالات کا رخ موڑ دینے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے آدمی اگر ہمت کرے تو حالات سے لڑ کر ان کا رخ موڑ سکتا اور اپنی قسمت کو بدل سکتا ہے۔ یہی تقدیر کا فلسفہ ہے تاہم نہ ٹلنے والی باتیں ظہور میں آ کر رہتی ہیں۔"

شیبان، جعفر کی عالمانہ باتیں سن کر دنگ گیا کیوں کہ وہ تقدیر کا سمجھ میں آنے والا فلسفہ بیان کر رہا تھا اور خمارویہ بھی اس امر پر مطمئن تھا کہ وہ اس کے سوال کا جواب دینے پر تیار

www.urdukorner.com

ہو گیا ہے اب اس بات کے اظہار کی ضرورت نہ تھی کہ القطائع کے لئے "قصرِ تصویر" میں احمد بن طولون کے دو بیٹوں خمارویہ اور شیبان کو جو کچھ سننا تھا وہ بنی طولون کے لیے خوش آئند نہ تھا کیوں کہ جعفر نے تین شب و روز کے مشاہدے اور مطالعے میں بنی طولون اور طولونی سلطنت کے مستقبل کے مناظر کا ایک حیرت انگیز تسلسل دیکھا تھا جسے بیان کرنا کوئی عقل مندی نہ تھی لیکن اب وہ خمارویہ کے اصرار پر پیش گوئی کرنے کے لیے اس لیے تیار ہو گیا تھا کہ سلطان خمارویہ اور اس کے جانشین اگر حالات کا رُخ موڑ سکتے ہیں تو موڑ دیں اور اپنی قسمتوں کو بدل سکتے ہیں تو ہمت اور کوشش کر دیکھیں۔

اپنی پیش گوئی کا آغاز کرنے سے قبل جعفر نے سلطان خمارویہ کو مسند پر بیٹھنے اور شہزادہ شیبان کو اس کی بائیں طرف کھڑا ہونے کے لیے کہا۔ مسند کی دائیں سمت اس نے خمارویہ کے دونوں بیٹوں جیش اور ہارون کے لیے مخصوص رکھی جو اس وقت کمرے میں موجود نہ تھے لیکن خمارویہ کے آئین جانشین وہی تھے پھر وہ مسند کے بالکل سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا

"سلطانِ معظم! آپ نے اپنے جانشینوں کو پیش آنے والے حالات اور طولونی ریاست کے مستقبل کی بابت سوال کیا تھا۔ آپ کے بقول خلیفہ معتضد ابوعباس نے جو اس وقت دنیا کے سب سے بڑے حکمران ہیں، تین لاکھ دینار سالانہ کے عوض تیس سال کے لیے صبح و شام کو بنی طولون کی موروثی اور قانونی ریاست تسلیم کر لیا ہے اور آپ کی بیٹی اسماء قطر الندیٰ کو معاہدے کی شرط ٹھہرایا ہے جو آئندہ برس خلیفہ کی عروس بننے والی ہے۔ آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ بنی عباس کے ساتھ دوستی اور خلیفہ سے شہزادی قطر الندیٰ کی شادی کا بنی طولون کے حالات اور طولونی ریاست کے مستقبل پر کیا اثر پڑے گا؟ تو آپ کی باتوں کا جواب حاصل کرنے کے لیے میں تین راتیں لگاتار آسمانوں میں جھانکتا، ستاروں کی رفتار کا جائزہ لیتا اور آسمانی برجوں سے اُن کے فاصلوں کی پیمائش کرتا رہا۔

میں نے آٹھویں آسمان فلک الثوابت یا فلک البروج پر بارہ سیاروں یا بارہ برجوں کو دیکھا جو حرکت اور گردش نہیں کرتے اور روزِ ازل سے ایک ہی مقام پر قائم و ثابت یا پھر گڑے ہوئے ہیں۔ بارہ برج حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت دراصل بارہ ستارے یا بارہ ثوابت ہیں جو آٹھویں آسمان سے زمین کو دیکھ رہے اور اس پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔ اُن کے اوپر نواں آسمان ہے فلک الافلاک

& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

جس پر کوئی ثابت، کوئی ستارہ نہیں اس لیے فلکِ اطلس (صاف اور سادہ آسمان) کہلاتا ہے مگر اہلِ نجوم آٹھویں آسمان سے آگے نہیں جانتے جس کے برجوں سے سات آسمانوں میں گردش کرنے والے ستاروں زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر کا گہرا تعلق ہے اور سارا علمِ نجوم انہی ستاروں اور انہی برجوں (ثوابت) پر منحصر ہے۔ تین راتیں لگاتار میں ستاروں کی گردش و رفتار کا جائزہ لیتا اور یہ دیکھتا رہا کہ کون سا ستارہ کسی برج سے کتنے فاصلے پر ہے اور آنے والے سالوں میں وہ کب اور کس برج سے، کس حالت میں گزرے گا آیا کسی برج میں دو ستاروں کا قران (اجتماع) ہوتا ہے یا نہیں اور اگر قران ہوتا ہے تو زمین پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے یا پھر عام حالت میں ستاروں کا برجوں میں داخل ہونے یا اُن کے قریب سے گزرنے پر حالات کی صورت کیا ہو گی؟

آسمانوں میں جھانکنے اور ستاروں کے عمیق مشاہدے سے جو کچھ میں نے معلوم کیا وہ طولونی ریاست اور بنی طولون کے حق میں سازگار نہیں تھا کیوں کہ آئندہ کئی برسوں تک لگاتار مصر کی سرزمین ستاروں کی نحس و بد اثرات کی زد میں رہے گی پھر میں تین یوم تک مسلسل آپ اور آپ کے جانشینوں کے زائچے تیار کرتا رہا۔ سن وار آسمانی برجوں اور اُن کے ستاروں کی رفتار کے مطابق مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیتا اور اپنی لوحوں پر ان کا حساب لکھتا رہا مگر زائچوں کی رو سے بھی آنے والے ایام بنی طولون کے لیے موافق نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ بنی طولون کا مستقبل حالات و واقعات کی خوں آشامیوں میں لپٹا ہوا ہے۔

سلطانِ معظم! جہاں تک آسمانوں کے مشاہدے اور زائچوں کے مطالعے میں میری تحقیق و تدقیق اور محنت و کوشش کا تعلق ہے تو میں مختلف زاویوں اور مختلف پہلوؤں سے معاملات کو جانچتا، پرکھتا رہا لیکن آسمانوں کے مشاہدے کا جو نتیجہ پہلی رات سامنے آیا تھا، بالکل وہی نتیجہ دوسری اور تیسری رات برآمد ہوا۔ اسی طرح مختلف زائچوں اور نقشوں کا جو حاصل پہلے دن نکلا وہی دوسرے اور تیسرے دن کی کاوشوں کا حاصل تھا۔ تین راتیں اور تین یوم کی کاوش و تحقیق کا نتیجہ اور حاصل ایک ہی تھا جس سے میں اس فیصلے پر پہنچا کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان بنی طولون کے دن گنے جا چکے ہیں اور اُن کی حکمرانی کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

آپ اس بات پر خوش ہیں کہ عباسیہ نے بنی طولون کی خود مختار موروثی ریاست کو تیس برس کے لیے تسلیم کر لیا ہے اور آپ جہاں اپنی موروثی سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں

www.urdukorner.com

کوشاں ہیں۔ وہاں یہ تجسس بھی رکھتے ہیں کہ طولونی ریاست کا مستقبل کیا ہوگا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ تیس برس کی مدت تو پھر بھی ربع صدی سے زیادہ ہوتی ہے لیکن طولونی سلطنت ربع صدی بھی پوری نہیں کر پائے گی۔ اس سلطنت کو جو عروج آج حاصل ہے پھر کبھی نصیب نہیں ہوگا کیوں کہ آنے والا ہر دن اس کے زوال و انحطاط کی لکیریں کھینچتا ہوا طلوع ہوگا۔

آپ نے یہ بھی پوچھا ہے کہ شہزادی قطرالندیٰ اور خلیفہ معتضد کی شادی بنی طولون اور طولونی ریاست پر کیا اثر ڈالے گی؟ آپ کے اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ قطرالندیٰ کی شادی بنی طولون کے عروج یا طولونی ریاست کے استحکام کے لیے سازگار ہونی چاہیے مگر میری زبان سے طولونی ریاست کے زوال و انحطاط کی خبر سن کر آپ حیران بھی ہو رہے ہیں کہ بنی عباس کے ساتھ دوستی اور قرابت داری سے تو بنی طولون کو عروج ملنا چاہیے پھر میں زوال کی بات کیوں کرتا ہوں؟ سلطان عالی میر اعلم کہتا ہے اور ستارے بتاتے ہیں کہ شہزادی قطرالندیٰ کی شادی پر ایک ہنگامہ ضرور ہوگا مگر اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ آپ اپنی بیٹی کو خلیفہ کی زوجیت میں دے کر جن فوائد کی توقع رکھتے ہیں وہ حاصل نہیں ہوں گے بلکہ اس معاملے کا المناک پہلو تو یہی ہے کہ طولونی ریاست کی تباہی عباسی لشکروں کے ہاتھوں لکھی ہے۔ بنی عباس بنی طولون کے لیے "اندھیرے کے تیر" ہیں اور اندھیرے میں چلنے والے تیر خطرناک ہوتے ہیں۔

آپ کے لیے یہ بات کسی اچنبھے سے کم نہیں کہ سب کچھ کیسے ہوگا اور طولونی ریاست ایک قلیل سی مدت میں کس طرح تباہ ہو سکتی ہے جس کے پیچھے ترک، عرب، سوڈانی اور حبشی لشکروں کی طاقت کھڑی ہے؟ سلطان معظم! کسی شہر کو آباد کرنے میں برسوں لگ جاتے ہیں کیوں کہ شہر ایک دن میں کبھی آباد نہیں ہوتا لیکن اس کی تباہی کے لیے صرف ایک دن کافی ہوتا ہے بلکہ ارضی آفات میں سے زلزلہ تو چند لمحوں میں اسے تہس نہس کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب آسمان کے ستارے کسی سلطنت کے زوال کی خبر دیتے ہیں تو اس کی تباہی کے اسباب خود بہ خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ میر اعلم کہتا ہے کہ آج کے دن سے ابھی بارہ سال پورے نہیں ہوں گے کہ طولونی سلطنت کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ صرف بارہ سال کے اندر آپ اور آپ کے جانشین دنیا سے اپنا حصہ لے کر رخصت ہو جائیں گے اور جو کچھ ہونا ہے اسی مدت میں ہو گزرے گا۔

آپ اگرچہ اپنے سترہ بھائیوں اور سولہ بہنوں میں سب سے بڑے ہیں اور آپ کی عمر اس وقت تیس برس سے زیادہ نہیں ہوگی مگر آپ پوری جوانی (چالیس سال کی عمر) کو نہیں

پہنچ پائیں گے کہ قاصدِ اجل کا بلاوا آ جائے گا۔ آپ کی زندگی کے پیمانے میں صرف پانچ چھ گھونٹ باقی رہ گئے ہیں۔ صرف چند سال میں قصہ ختم ہو جائے گا اور جب میں موت کی خبر دے رہا ہوں جو آناً فاناً وقوع میں آئے گی تو ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ فوری موت قتل ہی سے واقع ہوتی ہے۔ ستارے کہتے ہیں کہ آپ قتل ہوں گے جس کے بعد آپ کا پہلا جانشین یعنی بڑا بیٹا جیش سریر آرائے حکومت ہوگا لیکن اس کی حکمرانی کا عرصہ چند مہینوں غالباً چھ مہینوں سے زیادہ نہیں ہوگا۔ آپ کی طرح وہ بھی قتل کیا جائے گا پھر آپ کا دوسرا جانشین یعنی دوسرا بیٹا تخت پر بیٹھے گا اور چھ سال کے اندر اندر وہ بھی ہلاک ہوگا۔ یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ آپ اور آپ کے دونوں بیٹوں کی زندگی کو چھ کے ہندسے سے کوئی خاص نسبت ہے۔ یہ تو ہے آپ اور آپ کے بیٹوں کا انجام جو ہونے والا ہے۔ دوسرے جانشین کی ہلاکت کے بعد آپ کے تیسرے جانشین یعنی شہزادہ شیبان، جو اس وقت یہاں موجود ہیں، مسندِ اقتدار پر بیٹھیں گے مگر برسرِ اقتدار آتے ہی گرفتار ہوں گے اور زندان میں ڈالے جائیں گے۔ یہ سب کچھ عباسی لشکروں کے حملوں کی وجہ سے ہوگا جو طولونی سرداروں کو قتل کریں گے یا امان دیں گے اور بنی طولون کی عورتوں کو گرفتار کر کے اور بنی طولون کے مردوں کو ہیر بان پہنا کر بغداد لے جائیں گے۔

آپ نے یہی پوچھا تھا عباسیہ کے ساتھ دوستی اور رشتے داری کا طولونی ریاست پر کیا اثر پڑے گا؟ غالباً آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ بنی طولون کی تباہی و بربادی اگرچہ عباسیہ ہی کے ہاتھوں مقدر ہے پھر بھی اس تباہی کے لیے ایک خفیہ جماعت واسطہ بنے گی جو ابھی اخفا کے پردوں میں چھپی بیٹھی ہے لیکن عنقریب منظرِ عام پر آئے گی اور صحرا سے اٹھنے والی آندھی کی طرح بہت جلد میدانوں اور شہروں کو اپنی ہلاکت آفریں گردش میں لے لے گی۔ اس جماعت کے نیزے اگرچہ بنی عباس کے خلاف بلند ہوں گے مگر جب اس کے لشکر اور پرچم حرکت کریں گے وہ مصر و شام اور عراق کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھے گی۔ بے گنت آدمی ہلاک ہوں گے اور بہت سے شہروں اور علاقوں پر جماعت کا قبضہ ہو جائے گا۔ تب عباسیہ کے سیاہ پھریرے نمودار ہوں گے اور فریقین کے درمیان تباہ کن جنگیں ہوں گی پھر عباسی لشکر اس جماعت کے خلاف ایک وقتی کامیابی حاصل کر کے مصر میں داخل ہو جائیں گے اور طولونی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے اس طرح بنی طولون حسرت و ناکامی اور تباہی و بربادی [illegible] ہوں گے لیکن عباسی [illegible] زمانہ سے نہیں بچ سکیں گے اُن کے خلاف بغاوتیں

www.urdukorner.com

شورشیں اور خروج کے ہنگامے جاری رہیں گے اور ایک دن وہ بھی زمانے کے لیے نقش عبرت بن جائیں گے مگر آپ کو نہ اس جماعت سے کوئی غرض ہے جس کی ناکامیوں اور کامیابیوں کا سلسلہ بڑا دراز ہوگا، نہ عباسیوں سے کوئی مطلب ہے جو خود نیرنگ زمانہ تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں۔ آپ کو صرف طولونی سیاست اور بنی طولون کے مستقبل کی فکر ہے، جس کا حال میں نے بیان کر دیا ہے اور صرف بارہ برس کے اندر اندر انھیں عبرت ناک انجام درپیش ہے۔

سلطان عالی! جو کچھ میں نے دیکھا اور بیان کیا ہو سکتا ہے وہ سب کچھ درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب کچھ غلط ہو۔ اگر میری پیش گوئی غلط نکلی تو آپ کو ان خطرات و حوادث سے جو میں نے بیان کیے ہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور اگر سب کچھ درست ہوا تو بنی طولون کو اپنے اچھے دنوں میں آئندہ پیش آنے والے برے دنوں کو روکنے یا بدلنے کی کوشش کرنا ہوگی کیوں کہ جرأت و ہمت، جدوجہد اور سعی و کوشش سے برے حالات کو بدلا جا سکتا ہے اور جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں میرے نزدیک تقدیر کا فلسفہ یہی ہے کہ انسان اپنی ہمت اور کاوش سے حوادث کی سختیوں کو کم کر سکتا اور حالاتِ زمانہ سے لڑ کر اپنی تقدیر کا رخ موڑ سکتا ہے۔

سلطانِ معظم! جو کچھ میں جانتا تھا، بیان کر چکا ہوں اور جو کچھ میں نے بیان کیا وہ بے حد حسرت ناک اور جگر خراش ہے۔ کوئی منجم کسی بادشاہ کو ایسی تباہی و بربادی اور ایسے ہولناک انجام سے آگاہ نہیں کرتا کیوں کہ بعض سفاک مزاج حکمران اپنی ہلاکت اور تباہی کی خبر سن کر اس کے قتل کا حکم صادر کر دیتے ہیں اس لیے میں خلعت و انعام چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا مگر پکڑا گیا اور آپ کے حضور پیش کیا گیا۔ تاہم آج جب میں القطائع میں داخل ہوا تو اپنی زندگی کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اب مجھے زندگی عزیز نہیں۔ آپ میری کھال کھینچوا سکتے ہیں، سر شہر پناہ کے دروازے پر آویزاں کر سکتے ہیں کہ یہ وہ جعفر نجومی تھا جس نے بنی طولون کی ہلاکت و بربادی کی پیش گوئی کی تھی۔ البتہ مجھے یہ حسرت ضرور رہے گی کہ میں بنی طولون کو ہلاکت و بربادی سے بچانے اور ان کے برے انجام کو بدلنے پر قادر نہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ جعفر نجومی نے اپنی طویل پیش گوئی ختم کی جسے سن کر احمد بن طولون کے دونوں بیٹے سلطان خمارویہ اور شہزادہ شیبان پر حیرت یا موت کا سکتہ طاری ہو گیا اور

پتھر سے ہو گئے جیسے جعفر کی باتوں نے ان کے جسموں سے زندگی کی حرکت اور حرارت چھین لی ہو۔ بنی طولون پر گزرنے والی تباہی کے انکشاف نے دونوں کو مبہوت کر دیا تھا کیوں کہ جو کچھ جعفر نے کہا وہ کوئی اٹکل یا سطحی قیاس آرائی نہ تھی۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ پیش گوئی فلکیات کے گہرے مشاہدے اور نجوم و کواکب کی قطعی پیمائشوں کے بعد ترتیب دی گئی ہے جس میں سہو و خطا کا احتمال اس لیے نہیں ہو سکتا کہ تین راتوں کے لگاتار مشاہدے کا نتیجہ اور تین دنوں کے مسلسل حسابات کا حاصل ایک ہی تھا۔ اسی بات نے انھیں موت جیسے سکتے سے دوچار کر دیا اور القطائع کا "قصرِ تصویر" حسرت ناک سناٹے سے کسی مقبرے کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

جعفر نجومی بھی چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ دونوں بھی پتھر کے بتوں کی طرح ساکت و صامت تھے۔ اچانک خمارویہ نے مسند پر بیٹھے بیٹھے حرکت کی جیسے عدم سے وجود میں آ گیا ہو اور مدھم الفاظ اور افسردہ آواز میں کہنے لگا۔ "جعفر! تم نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ فی الواقع بے حد حسرت ناک اور جگر خراش ہے۔ تم نے ہماری، ہمارے بیٹوں، ہمارے بھائیوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے جسے سن کر زندگی اور زندگی کی دل چسپیاں سے ہمارا جی اچاٹ ہو گیا ہے جب سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے تو ہم کس لیے جئیں لیکن تمھارے شکر گزار ہیں کہ تم نے کسی رو رعایت کے بغیر ہمیں مستقبل میں پیش آنے والے خونیں حالات سے آگاہ کیا تاکہ اگر ہم اور ہمارے جانشین حوادث کی گردش کو بدل سکتے ہیں تو بدل دیں۔ ہم آنے والی تباہی کو روکنے یا اس کا رخ بدلنے کی کوشش ضرور کریں گے لیکن ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہو تاکہ تمھارے مشوروں کے مطابق برے حالات کو بدلنے کی کوشش کر سکیں۔ ہم تمھارے لیے آج ہی ایک رصدگاہ کی تعمیر کا حکم صادر کر دیں گے۔ ہم تمھیں اپنا شاہی منجم مقرر کرتے ہیں۔ تم خواہ القطائع میں رہنا چاہو یا فسطاط میں تمھارے لیے سرکاری طور پر قیام گاہ کا بندوبست کر دیا جائے گا اور تم مصر سے جانا چاہو تو ہم تمھیں انعام و اکرام دے کر رخصت کریں گے۔ اب ہم تمھارا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔"

جعفر نے سر کو ذرا خم کر لیا اور جواب دیا۔ "سلطانِ معظم! پہلے میں مصر سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب میری خواہش ہے کہ میں بنی طولون کے صدموں کی شدت کم کرنے کی جدوجہد کا ساتھ دوں۔ میں نے ہلاکت و بربادی کی پیش گوئی کر کے آپ کو غم زدہ کر دیا ہے

www.urdukorner.com

تو آپ کے اچھے یا بُرے انجام میں بھی شریک ہونا چاہتا ہوں۔"

"تم واقعی صاحبِ علم ہو اور تمھارا ظرف بڑا ہے۔ ہمارے قریب رہو گے تو ہمیں حوصلہ ہوگا۔"

جعفر نے بتایا کہ وہ اپنی رہائش کے لیے فسطاط ہی کو پسند کرتا ہے جو واقعی "بغداد ثانی" ہے۔ جس پر سلطان خمارویہ نے شیبان کو حکم دیا کہ فسطاط میں ایک عالی شان حویلی خرید کر جعفر کے نام کر دی جائے اور شاہی منجم کے طور پر اُس کی تقرری کا اعلان کر دیا جائے۔ اس طرح یہ ملاقات ختم ہوئی اور جب وہ کمرے سے نکلا تو اُس نے شاہی خلعت زیبِ تن کر رکھا تھا اور اُس کی خواہش پر شاہی ہرکاروں کا افسر اور نائب دونوں اُس کی چاکری میں دے دیے گئے تھے جس سے دونوں بھونچکے رہ گئے لیکن شاہی حکم کی تعمیل کے لیے چپ چاپ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔

★

جعفر نجومی کی ہولناک پیش گوئی نے سلطان خمارویہ اور شہزادہ شیبان دونوں کو بے حد افسردہ اور مضمحل کر دیا تھا۔ زمانے کا دستور ہے کہ انسان موت کے بستر پر بھی جینے کی خواہش اور کوشش کرتا ہے۔ دونوں بھائی چند روز اپنے معمولات بڑی بے دلی سے ادا کرتے رہے مگر فوراً سنبھل گئے اور طولونی ریاست کو سنبھالنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

انھوں نے مملکت کے صوبوں اور بڑے بڑے شہروں کے حاکموں نیز ضباط اور فوج کے سرداروں کے بارے میں غور کیا اور اُن کی ہمدردیوں اور وفاداریوں کا جائزہ لیا کہ کون قابلِ اعتماد اور کون کسی مشکل کے وقت غدّاری کر سکتا ہے۔ بغداد سے معاہدۂ دوستی کے بعد کئی لوگ حیرت انگیز طور پر بنی عباس کے حامی نظر آنے لگے تھے۔ حالاں کہ اُن کی اس تبدیلی کو بنی طولون کی تبدیلی کا نتیجہ بھی قرار دیا جا سکتا تھا جنھوں نے خلیفہ کی طرف خود دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا لیکن جعفر کی پیش گوئی کے مطابق جب عباسی لشکر ہی طولونی سلطنت کی بربادی کا ذریعہ بننے والے تھے تو سیاسی نقطۂ نظر سے بنی عباس کے ساتھ تعلقات میں بھی احتیاط کی ضرورت تھی اور اُن کی طرف زیادہ میلان مناسب نہ تھا۔ ایسے لوگوں کی وفاداریاں بھی کسی وقت مشکوک ہو سکتی تھیں جو معاہدۂ دوستی کی وجہ سے عباسیوں کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

سلطان خمارویہ نہ تو معاہدہ منسوخ کر سکتا تھا نہ خلیفہ سے قطر الندیٰ کی شادی روک سکتا تھا۔ یہ عہدی اب زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی ایک بڑے حکمراں سے یہ تعلق اس کے لیے باعثِ عزت تھا۔ اُس نے یہ تعلق توڑنا مناسب نہ سمجھا اور سوچا کہ اسی ذریعے بغداد کا اعتماد قائم رکھے گا لیکن درپردہ کارِ خاص کے محکمے کو ایسے افسروں اور سرداروں کی فہرست تیار کرنے کی ہدایت کر دی جن کا بنی عباس کی طرف میلان بڑھ گیا تھا۔

یہ ایسا المیہ تھا کہ خمارویہ نے جس ہاتھ کو "دست دوستی" سمجھ کر قبول کیا وہی پیش گوئی کے مطابق بنی طولون کی گردن ناپنے والا تھا۔ تاہم جعفر نے بعد ازاں یہ وضاحت کر دی تھی کہ طولونی ریاست کو خطرہ خلیفہ معتضد سے نہیں اُس کے جانشینوں کی طرف سے ہے جس سے خمارویہ نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا تھا۔

فسطاط کی ایک عالی شان حویلی خرید کر جعفر کے نام کر دی گئی تھی اور "شاہی منجم" کے طور پر اُس کا تقرر بھی عمل میں آ گیا تھا۔ شاہی ہرکاروں کا افسر اور نائب دونوں اُس کی خدمت پر مقرر تھے۔ دن میں ایک بار جعفر کے گدھے کو نہلانا، اُسے کسی سبزہ زار کی سیر کرانا، چارہ دانہ ڈالنا اور شام کو اس کی مالش کرنا دونوں کے فرائض میں شامل تھا، جسے وہ باری باری ادا کرتے اور جعفر کے ساتھ ساتھ اُس کے گدھے کی خوشنودی کے بھی طلب گار رہتے تھے۔ جعفر سے دس دینار بٹھیانے اور اُس جیسے صاحبِ علم کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے کی پاداش میں انھیں تین ماہ کے لیے اُس کی خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا مگر چند ہی روز میں دونوں مُرمہ ڈالنے والی سلائی کی طرح سیدھے ہو گئے اور اب اکثر اُس کی چاپلوسی کرتے رہتے تھے۔

اسی اثنا میں ماہِ صیام شروع ہو گیا اور اس مہینے میں انتظامی امور بڑی مستعدی سے سرانجام دیے گئے۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ جیش خمارویہ اور شہزادہ شیبان انتظامی امور کی پہلے سے زیادہ نگہداشت کرنے لگے اور کسی بھی غلطی پر کڑی باز پرس کرتے ہیں۔

www.urdukorner.com

(۳۶)

تصادم

○

رمضان کی ۲۴ تاریخ کو جب لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھے ہلالِ عید دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے فسطاط میں یمنی سردار زید بن سلام کے کارواں کی آمد کا غل ہوا اور غل اس لیے ہوا کہ اُس کا تجارتی قافلہ قیروان سے آیا تھا۔ سلطانِ مصر کے لیے یمنی سردار کے پاس مغرب کے قیمتی تحائف کے علاوہ "بڑی کارآمد معلومات" بھی تھیں۔

انتیسویں کے چاند کی طرح خمارویہ ابن جیش یمنی سردار کی آمد کو بھی نیک فال سمجھا اور اُسے فوراً القطائع میں طلب کر لیا۔ رویت ہلال پر لوگ فسطاط العسکر اور القطائع میں خوشیاں منا رہے تھے اور بازاروں میں خریداروں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ سردار زید کے قافلے کا ایک حصہ پہلے ہی سلطان ابن جیش کے لیے ہندوستانی تحائف لے کر فسطاط پہنچ گیا اور ابھی تک وہیں مقیم تھا۔ یمنی سردار نے وہ تحائف سنبھالے جو قیروان سے لے کر آیا تھا اور القطائع کے شاہی محل میں داخل ہوا تو سلطان خمارویہ نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

چاند رات کی خوشی میں یمنی سردار سے ملاقات کا اہتمام اس حوض پر کیا گیا جس میں پارہ بھرا ہوا تھا اور پارے کے اوپر استراحت کے لیے بڑے بڑے چرمی گدے بچھے رہتے تھے۔ چرمی گدوں کو ریشم کے مضبوط رسوں سے چاندی کے اُن ستونوں سے باندھ دیا گیا تھا جو حوض کی چاروں جانب خلاء گردش کی طرح ایستادہ تھے۔ چاندی کے ستونوں کے درمیان محرابوں میں سونے کے فانوس آویزاں تھے جن میں شمعیں روشن تھیں اور ان کی روشنیوں میں حوضِ سیماب

پارے کی حرکت اور چمک دمک سے حوضِ نور کا منظر پیش کر رہا تھا۔ چاندی کے ستونوں کے ساتھ ساتھ خوب صورت کنیزیں خوش لباس میں کوہ قاف کی روایتی پریوں کی صورت کھڑی تھیں۔ اس الف لیلوی ماحول میں جس کا حیرت انگیز نظارہ یمنی سردار زندگی میں کبھی فراموش نہ کر سکا، اُن کی ملاقات ہوئی اور پارے کے اوپر بچھے ہوئے چرمی گدوں پر بیٹھتے ہی سردار زید نے خمارویہ کو "خوش خبری" سنائی کہ وہ جس مقصد کے لیے قیروان گیا تھا، اُس میں کامیاب لوٹا ہے۔

اُس نے بتایا وہ کتامی سرداروں حریث جمیل، موسیٰ بن مکا اور حسن بن ہارون سے خفیہ طور پر ملا اور انھیں اس بات پر آمادہ کر آیا ہے کہ مہدوی تحریک کے داعی ابوعبداللہ بن حسین شیعی کی حمایت ترک کر دیں گے اور اگر اغلبی حکومت کا ساتھ نہیں دے سکتے تو مہدوی تحریک سے بھی الگ رہیں گے (حالانکہ یمنی سردار داعی ابوعبداللہ کے لیے خفیہ امداد لے کر گیا تھا تاکہ مہدوی تحریک وہاں زور پکڑے اور اغلبی مزاحمت کی دیواریں ڈھے جائیں)

خمارویہ کو سلطانِ مصر کی حیثیت سے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں قیروان میں مہدوی تحریک کامیاب نہ ہو جائے اور بنی فاطمہ کے مارے جن کے ساتھ علوی بھی شامل ہو گئے تھے مصر کا رُخ نہ کر لیں لیکن یمنی سردار نے جو خود مہدوی تحریک کا زبردست حامی تھا اس تحریک کی ناکامی اور قیروان کی سیاحت و تجارت کا ایسا نقشہ باندھا کہ خمارویہ کے سارے اندیشے جلتے رہے اکل و شرب کے درمیان سردار زید نے ابوعبداللہ اور بربر قبائل کی سرگرمیوں کو "مایوس کن" قرار دیا۔ جو اُس کے دورۂ قیروان کے بعد مزید "ٹھنڈی" پڑ جانے والی تھیں اور باتوں باتوں میں ایک عجیب واقعے کا ذکر کر کے خمارویہ کو چونکا دیا۔ اُس نے بتایا۔

"سلطانِ معظم! جب میں قیروان کے شہر رقادہ میں پہنچا تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر حیران رہ گیا، جسے میں ایک مرتبہ بغداد میں دیکھ چکا تھا اور وہ خلیفہ معتضد ابوالعباس کے محافظ دستے کا سالار تھا۔"

"محافظ دستے کا سالار" کے ذکر پر خمارویہ ابن جیش کی حیرت اور دلچسپی بڑھی۔ "کہیں تمھارا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ مندر ابن حرب الکندی تھا؟"

"وہی تھا۔" سردار زید نے اُس کے خیال کی تصدیق کی۔

"مگر ابن حرب قیروان کیسے جا پہنچا؟"

"میرا خیال ہے شاید معتضد نے اُسے خفیہ طور پر بنی اغلب کی مدد کے لیے بھیجا ہوگا

www.urdukorner.com

سُنا ہے بڑا بہادر اور جنگ جُو سالار ہے؟"

"کہیں تمہیں ابنِ حرب کو پہچاننے میں دھوکا تو نہیں ہوا؟"

اس پر سردار زید نے ابنِ حرب کا مکمل حلیہ بتایا، اُس کی پہچان کی ساری نشانیاں اور علامتیں بیان کیں جس پر خمارویہ کہنے لگا۔ "تم نہیں جانتے زید! اسے خلیفہ معتضد نے ہرگز نہیں بھیجا۔ وہ تو بغداد سے بھاگا ہوا ایک مجرم ہے جس نے مصر میں پناہ لی تھی جب ہم نے خلیفہ سے دوستی کا معاہدہ کر لیا، وہ مصر سے بھی بھاگ گیا اور قیروان جا پہنچا لیکن رقادہ تو بنی اغلب کا شہر ہے کیا وہ اغلبی حکومت کی حمایت کر رہا ہے؟"

"رقادہ میں اُس کی موجودگی کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

اس جواب پر خمارویہ مطمئن نظر آنے لگا کہ وہ مصر سے قیروان کی طرف چلا گیا تو اچھا ہوا سردار زید نے بڑی ہوشیاری سے ابنِ حرب کے رقادہ میں موجود ہونے کی "عینی شہادت" دے کر یک لخت اُس کا ذکر ترک کر دیا اور ایک بار پھر مہدوی تحریک کے بارے میں خمارویہ کی دلچسپی کی باتیں شروع کر دیں اور اُسے یقین دلایا کہ مہدی کے داعی کا حلقہ "ٹوٹ" رہا ہے اور تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی پھر یہ ملاقات ختم ہو گئی اور سردار زید بن سلام نے رخصت لی۔

زید نے عید الفطر فسطاط میں منائی اور تیسرے روز اپنے قافلے کے ساتھ مصر سے کوچ کیا۔ ایک روز عریش کی کاروان سرائے میں ٹھہرا اور سلیمان بن عامر کو سلطان خمارویہ سے اپنی ملاقات کا حال سُنا کر عازمِ یمن ہو گیا۔ سرائے دار خوش تھا کہ اس نے ابنِ حرب کے متعلق خمارویہ کو جو "ابتدائی خبر" دی تھی، یعنی سردار اُس کی تائید و تصدیق کر آیا ہے۔ اب ۷ شوال کو رُونما ہونے والے واقعے سے ابنِ حرب کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے گا، نہ اُس کی اپنی ذات پر کوئی حرف آئے گا۔

ہوشیار سرائے دار نے ایک طرف الفسطاط میں سیندھ لگانے اور ابنِ حرب کے ساتھ طوطی بیوہ کے فرار ہونے کا راستہ ہموار کر لی تھی، دوسری جانب اپنے تحفظ کا مورچہ اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ شک کی کوئی انگلی ابنِ حرب پر اٹھ سکتی تھی نہ شبے کی کوئی نظر عریش کی کاروان سرائے پر پڑ سکتی تھی۔

★

۷ شوال الفسطاط کی تاریخ میں ایک ایسا دھماکہ خیز یوم تھا جس سے بنی طولون کے زوال کا آغاز ہونے والا تھا۔ اگرچہ جعفر نحوی نے اس حیرت انگیز واقعے کی خبر نہیں دی تھی کیوں کہ اس سے شہزادی نجم اللیل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا تاہم یہ پیش گوئی ضرور کر دی تھی کہ مصر کی سرزمین ستاروں کے نحس اثرات کی زد میں ہے اور بنی طولون کا زوال شروع ہونے والا ہے۔

شہزادی نجم اللیل نے مہلت کی مدت بڑی خوبی کے ساتھ گزار لی تھی اور کسی کو شبہ تک نہ ہونے دیا تھا کہ بُلبُل پنجرہ خالی کرنے والی ہے۔ سوڈانی کنیز عنبر بھی ۷ شوال کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ مالکن اور کنیز دونوں نے حارث کو اپنے اعتماد کی زنجیروں میں باندھ رکھا تھا وہ قصرِ نجم میں آتا تو شہزادی بڑے تپاک سے خیر مقدم کرتی۔ محبت سے پیش آتی اور کبھی کبھار اُس پر اپنی مسکراہٹ بھی نچھاور کر دیتی تھی جو حارث کو لاہوتی فضاؤں کی طرف لے اُڑتی اور وہ "ثریا چلتر" کے جال میں پھنس جاتا۔

سانولی سلونی عنبر حارث پر پہلے سے زیادہ مہربان ہو گئی تھی اور وہ شہزادی سے زیادہ اُسی میں دلچسپی لینے لگا تھا کہ شہزادی کے مزاج میں بڑا دخل رکھتی اور نہ صرف اپنی مالکن سے اُس کی سفارش کرتی رہتی بلکہ ملاقات بھی کرا دیتی تھی۔ ان حمایتوں کے بدلے حارث اُس کا گرویدہ ہو گیا اور اُسے خوش رکھتا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ شبہ ہوتا کہ وہ قصرِ نجم میں صرف عنبر سے ملنے آتا ہے جو اُسے اپنی تیکھی اداؤں اور سلونی مسکراہٹوں میں اُلجھا لیتی تھی۔

شوال ہی میں شہزادی نجم بھائیوں کو حارث کے متعلق اپنی مرضی سے آگاہ کرنے والی تھی کہ اُسے پسند کرتی ہے یا نہیں اور حالات کی صورت بتا رہی تھی اُس کا فیصلہ حارث کے حق میں ہو گا۔ عنبر نے اُسے یہی بتایا تھا شہزادی اس پر مائل ہو گئی اور اُسے اپنے شوہر کے طور پر قبول کر چکی ہے اب تو صرف سلطانِ معظم اور شہزادہ شیبان کو اطلاع دینا باقی رہ گیا ہے اور شوال کے آخری ہفتے میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا جبکہ ۷ شوال کو کنیز بھی اپنی مالکن کے ساتھ اُڑن چھو ہو رہی تھی۔

دونوں نے فرار کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں، حتیٰ کہ یوم موعود آ گیا اور ٹھیک تیسرے پہر انھوں نے قصر کے پھاٹک پر پہرہ دینے والے حبشی محافظ ڈنگا کو ضروری سامان کے ساتھ فسطاط کی جنوبی بستی المقص کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں سے اُسے نیل کے ساحل پر پہنچنا تھا۔ ڈنگا ابنِ حرب

www.urdukorner.com

S-521, BHADRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048659
Prop: Ali Khan

اور شہزادی نجم کے تعلق سے آگاہ ہو چکا اور اُسے القطائع میں چھوڑ جانا مصلحت کے خلاف تھا۔ اب وہ بھی فرار میں شامل کر لیا گیا تھا اُسے آگے آگے روانہ کر کے شہزادی اور کنیز دونوں عام مصری عورتوں کے لباس میں قصر سے نکلیں اور یہ طے کر لیا گیا کہ مشہدِ نفیسہ کی زیارت کرنے جا رہی ہیں اور فردا بعد سے واپس آئیں گی۔

القطائع سے نکل کر اور العسکر کی عمارتوں کو بائیں طرف چھوڑتی وہ فسطاط کے پُر رونق علاقے میں داخل ہوئیں اور بھیڑ سے گزرتی جنوبی شہر پناہ سے نکل کر المقطم کی جانب ہو لیں۔ آتی بھیڑ اور مردوں، عورتوں کی آمد و رفت کے درمیان کسی نے ان پر توجہ بھی نہ دی۔ البتہ دو برقع پوش خواتین کا شہر سے نکل کر المقطم کی طرف جانا ایک چونکا دینے والی بات تھی۔ عورتیں تو کبھی بھی اس جانب سے نیل کا رُخ نہیں کرتے تھے کیوں کہ کبھی کبھی شہر پناہ کی مغربی اور جنوبی دیواروں کی جانب دریا کا پانی چڑھ آتا تھا جس کے باعث شہر پناہ سے لے کر نیل کے ساحل تک زمین کے نشیبی حصے اور گڑھے جھیلوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ خاص طور سے فلاحین کی بستی المقطم کے اُس پاس جو نیل کے قریب واقع تھی، کھیت، پانی، کیچڑ اور گارے سے بھرے رہتے تھے اور کھیتوں کی پگ ڈنڈیوں یا منڈیروں سے پانی، کیچڑ سے بچ کر گزرنا مشکل تھا۔

شہزادی نجم اور سوڈانی کنیز عنبر بڑی ہوشیاری کے ساتھ القطائع سے نکل آئیں اور کسی کو اُن پر شبہ تک نہ ہو سکا کہ عام مصری خواتین کے لباس میں دراصل اہم عورتیں شہر سے نکل رہی ہیں لیکن تقدیر جنوبی علاقے اور المقطم کے اُس پاس اپنے دام بچھا کر بیٹھ گئی تھی۔

ہُوا یہ تھا کہ جب قصرِ نجم کا حبشی غلام ڈنگا سامان اٹھائے فسطاط سے گزر رہا تھا تو اچانک حارث کی نظر میں آ گیا، جو اُس روز اتفاق سے جنوبی فسطاط میں کسی آدمی سے ملنے آیا تھا اور ایسے ہی اتفاقات کے پس پردہ تقدیر کے پُر اسرار ہاتھ اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ حارث ڈنگا کو دیکھ کر چونک گیا کہ قصرِ نجم کے حبشی غلام کا اِدھر کیا کام ہے پھر اس تجسس کے پیشِ نظر کہ کدھر جاتا ہے، کچھ فاصلے سے اُس کا تعاقب کرنے لگا۔ ڈنگا کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے نکل کر المقطم کی جانب ہو لیا تو حارث کا تجسس اور بڑھا اور وہ بھی شہر پناہ سے نکل کر ایک خشک پگ ڈنڈی پر پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ ڈنگا کم و بیش ایک ڈیڑھ فرلانگ آگے تھا۔ اس علاقے میں چونکہ سرکنڈوں اور نرسلوں کے پورے سر اٹھائے کھڑے تھے اور کچھ فاصلے پر کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لیے حارث

ان کی آڑ میں بہ آسانی آگے بڑھتا رہا۔

اُسے شبہ ہوا کہ ڈنگا قصرِ نجم سے کوئی قیمتی سامان چرا لایا اور اب ایسے راستے سے فرار ہو رہا ہے جدھر لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی۔ دونوں شہر پناہ سے تقریباً نصف میل دور نکل آئے تھے اور پانی، کیچڑ، گارے سے بھرے کھیتوں کا راستہ شروع ہو گیا تھا کہ ناگہاں ڈنگا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حارث بڑی تیزی اور ہوشیاری سے نرسلوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ ڈنگا اُسے دیکھ نہ سکا اور اپنے عقب پر نظر دوڑا کر پھر المقطم کے رُخ آگے بڑھنے لگا۔ اب حارث نے بھی نرسلوں کی اوٹ سے پیچھے کی جانب دیکھا تو دو مصری خواتین شہر پناہ کے دروازے سے نکل کر اسی راستے پر آتی دکھائی دیں جس راستے پر وہ ڈنگا کا پیچھا کر رہا تھا۔

حارث کی دلچسپی کے ساتھ حیرت بھی بڑھی کیوں کہ عام مصری خواتین کے پہناوے میں ہونے کے باوجود حارث نے ڈنگا کے حوالے سے دونوں عورتوں کو پہچان لیا تھا ان کے لباس دیکھے تھے جو ایک مرتبہ پہلے بھی نیل کی بندرگاہ پر دیکھ چکا تھا اور اب وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اُن میں ایک شہزادی نجم اللیل اور دوسری اُس کی سوڈانی کنیز عنبر ہے۔

تین ماہ قبل اُس نے دونوں کو اسی لباس میں ابن حرب کے پیچھے پیچھے سفینے سے نیل کے ساحل پر اُترتے دیکھا تھا۔ آج انھیں ڈنگا کے پیچھے پیچھے المقطم کے رستے نیل کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا، مارے حیرت کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اب اُسے ڈنگا سے کوئی دلچسپی نہ رہی، وہیں نرسلوں میں چھپ کر بیٹھا رہا اور جب دونوں عورتیں نرسلوں کے جھنڈ سے گزر کر پانی، کیچڑ، گارے سے بھرے کھیتوں کی جانب ہو لیں تو وہ بھی کچھ فاصلے سے اُن کا تعاقب کرنے لگا۔ اُس نے اندازہ کر لیا کہ ڈنگا جو ان سے نصف میل آگے تھا المقطم کی بستی کو اپنے دائیں ہاتھ چھوڑتا ہوا کھیتوں کے بیچوں بیچ نیل کے ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا اور دونوں عورتیں بھی اُس سیدھ میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھیں گویا اُن کا مقصودِ سفر فلاحین کی بستی نہیں نیل کا ساحل تھا۔

اب حارث رُخ کاٹ کر اور المقطم کو چھوڑ کر دوسرے رستے نیل کی جانب بڑھا مگر یہ احتیاط ضروری کہ ڈنگا یا قصرِ نجم کی خواتین اُسے دیکھ نہ سکیں۔ کھیتوں کے درمیان کیچڑ بھرا راستہ عبور کرنا بے شک دشوار تھا لیکن ڈنگا کے پیچھے پیچھے دونوں عورتیں وہ مشکل راستہ طے کر کے آخر نیل کے ساحل پر نمودار ہوئیں اور حارث یہ دیکھ کر حیرت کے سکتے میں آ گیا کہ ساحل

www.urdukorner.com

پر ابن حرب ان کا منتظر اور ایک سفینہ بھی کنارے پر موجود تھا۔

ابن حرب کو دیکھتے ہی دونوں عورتوں نے اپنے نقاب اٹھا دیے۔ وہ شہزادی نجم اور اس کی سوڈانی کنیز عنبر ہی تھیں۔ حارث اُن سے صرف نصف فرلانگ کے فاصلے پر ساحل کی جھاڑیوں میں چھپا انھیں دیکھ رہا اور اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ جان کر اُس کے ہوش و حواس پر بجلیاں سی ٹوٹ پڑیں کہ شہزادی نجم ابنِ حرب کے ساتھ فرار ہو رہی تھی اور انھیں سفینے میں دریا کے اُلٹے رُخ سفر کرنا تھا۔

سورج نیل کے مغربی ساحل پر جیزہ اور اہرام کی مخروطی چوٹیوں کے پیچھے مغربی افق کی جانب جھک رہا تھا اور مشرقی ساحل پر شہزادی نجم، ابنِ حرب، سوڈانی کنیز عنبر اور حبشی غلام ڈنگا سفینے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ناگہاں حارث پر حیرت کا سکتہ ٹوٹا اور وہ میان سے تلوار کھینچتا ہوا اپنی کمیں گاہ سے باہر آگیا۔ اُس کی موجودگی میں شہزادی نجم کو جو اُس کی محبت اور زندگی تھی بھگا کر لے جانا ممکن نہ تھا۔

ابنِ حرب نے بھی ساحل کی طرف بڑھتے ہوئے ایک کھٹکا سُن لیا اور پلٹ کر دیکھا تو حارث کو اپنے عقب میں تیغ بہ کف آتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شہزادی نجم، عنبر اور ڈنگا نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ اُس کا نیل کے ساحل پر ناگہاں نکل آنا ایک ایسا ہوش رُبا اور ہولناک منظر تھا جس نے انھیں لرزا دیا کہ وہ دیکھ لیے گئے ہیں اور اب شاید فرار ہونا ممکن نہیں رہا۔ فوری طور پر یہی خیال گزرا تھا کہ اُن کے فرار کا راز کھل گیا اور حارث نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ساحل پر انھیں گھیر لیا ہے مگر اُس کے پیچھے یا آس پاس طولونی فوج کا کوئی سپاہی نہ تھا۔

ابنِ حرب نے بھی حارث کو بڑھتے دیکھ کر بجلی کی طرح تلوار کھینچ لی تھی۔ اس لڑائی کے لیے کسی اعلان کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں اس کا سبب جانتے تھے پھر ناگہاں اُن کی تلواریں ٹکرائیں اور ایک عورت کے لیے دو مردوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جس کا انجام ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت پر ہونے والا تھا۔

www.urdukorner.com

Cell: 0345 [illegible]
Prop: Ali Khan